مکمل جدید ایڈیشن

تاریخ

جنگِ آزادیِ ہند

1857ء

مصنف
سید خورشید مصطفٰی رضوی

1857ء

مکمل جدید ایڈیشن

مصنف

سید خورشید مصطفےٰ رضوی

حرف آغاز

حضرت مولانا سید محمد میاںؒ

(سابق ناظم جمعیت علماء ہند)

مقدمہ

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

یوپبلشرز

5- یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

فون: 042-7241778 - 0333-4394686

کتاب : جنگ آزادی ہند 1857ء

مصنف : سید خورشید مصطفےٰ رضوی

مقدمہ : ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

حرف آغاز: حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ سابق ناظم جمعیت علماء ہند

اہتمام : عبید اللہ چوہدری

مطبع : حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور

اشاعت: 2007ء

قیمت : =/550

لیگل ایڈوائزر

عبدالحفیظ انصاری

ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

حرفِ آغاز

حضرت مولانا سید محمد میاں (ناظم جمعیۃ علمائے ہند)

ناکامی ایک طرح کی موت ہے۔ مرنے والا اپنی صفائی پیش نہیں کرسکتا، خصوصاً ایسی صورت میں کہ قلم دستِ قاتل میں ہو اور مسندِ عدالت اس کے زیرِ پا ہو جس کا دامن خونِ شہداء سے تر ہو۔ 1857ء کا جہادِ حریت تاریخ حب وطن کا ایک زرین باب ہے۔ مگر اس کو غدر کہا گیا اور غدر بھی وحشیانہ غدر۔

نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ اسی حالت میں گزر گیا کہ جو حقیقت شناس اس الزام کی تردید کرسکتے تھے وہ دم بہ خود تھے یا قہر مانی طاقت کے ہم نوا بن گئے تھے، جن دماغوں کی نشو و نما اس عرصے میں ہوئی ان کے تصورات اسی سانچے میں ڈھلے اور ایک غلط الزام کو حقیقت سمجھنے لگے۔

مگر سچائی اَمِٹ ہے۔ اس پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے، اس کو فنا نہیں کیا جا سکتا، شہیدانِ وطن کا خون ناحق بھی رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ابھی پچاس ساٹھ سال گزر رہے تھے کہ برطانوی اقتدار کا آفتاب نقطۂ استوار سے ڈھلنا شروع ہوا، حقیقت کی سوکھی ہوئی روشنائی میں نمی پیدا ہوئی اور حقیقت نگار قلم صاف صاف تو نہیں، البتہ ''گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' کے انداز میں اصلیت کا پتہ دینے لگے اور منتشر طور پر وہ چیزیں سامنے آنے لگیں جو تحقیق و طلب کی کدو کاوش کو نتیجہ خیز بنا سکتی ہیں مگر آزادی کی جنگ جاری تھی اور وہ صالح اور حقیقت پسند دماغ جو تحقیق و تفتیش کے جدید آلات سے دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر کے سب کے سامنے رکھ سکتے تھے، جنگِ آزادی میں مصروف تھے۔

خدا خدا کر کے آزادی کی جنگ ختم ہوئی اور اس کے دس سال بعد 1857ء کی صد سالہ یادگار منانے کا شور بلند ہوا۔ اب ہندو پاکستان کی آزاد حکومتوں کا فرض تھا کہ جس طرح اجنبی اقتدار نے

محبِ وطن شہیدانِ حریت کو نمایشی عدالتوں کے ذریعے مجرم اور ملزم گردانا تھا، آج سرکاری طور پر ان الزامات کی تحقیق کی جاتی کہ کیا واقعی ان پاک باز شہیدوں نے غدر کیا تھا؟ کیا اتنی بڑی لڑائی کا بیڑا اُٹھا لینے کے بعد بھی سرِ میدان ان کی حرکتیں بزدلانہ اور طفلانہ ہی رہی تھیں؟ کیا انہوں نے بلا وجہ بزدلانہ جوش میں عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا تھا۔ کیا نانا صاحب جیسے جرنیلوں نے پناہ دینے کے بعد پرامن انگریزوں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا؟ ضرورت تھی کہ تمام سرکاری ذرائع کام میں لا کر ان الزامات کے متعلق ایک تاریخی فیصلہ کیا جاتا۔

یہ فرض ہند یونین کی سرکار پر زیادہ اہمیت کے ساتھ عاید ہوتا تھا کیوں کہ اس کے بیش تر ارکان وہ ہیں جو جنگ آزادی کے شہ سوار رہ چکے ہیں۔ مگر تعجب ہوتا ہے کہ تعمیر و ترقی کی سینکڑوں اسکیمیں تصنیف کرنے والے اس طرف کیوں نہیں متوجہ ہوئے۔

بہر حال ارباب قلم نے اس موضوع کو نظر انداز نہیں کیا اور گزشتہ سال میں ہزاروں صفحات کی کتابیں لکھی گئیں۔ اخبارات نے اپنے شان دار نمبر نکالے اور 1957ء میں 1857ء کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر تحقیق و تفتیش کا فرض جذبات اور ولولوں سے انجام نہیں پاتا اور جذبات کو تحقیق کا آلہء کار بنایا جائے تو وہ خرابی لامحالہ پیدا ہو جاتی ہے جو ہند و پاکستان سے شائع ہونے والے بیش تر اخبارات اور تصانیف میں رونما ہوئی۔ حالانکہ 1857ء کے جہادِ حریت کا دامن فرقہ واریت کی آلودگی سے بالکل صاف تھا۔

اس وقت یہ کتاب جو آپ کے پیش نظر ہے، اس کا حق رکھتی ہے کہ اس سلسلے میں مرتب ہونے والی تمام تصانیف میں بہتر قرار دی جائے۔ اس میں صرف داستان نہیں دہرائی گئی بلکہ تحقیق سے کام لے کر اسباب، وجوحات، کارناموں اور ان کے نتائج کو پوری احتیاط اور سنجیدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ الزامات کی تردید بھی محققانہ کی گئی ہے۔ تعصب اور فرقہ واریت سے اس کا دامن پاک ہے اور ظالم و مظلوم، اقدام و دفاع، شکست و فتح کے تذکروں میں اعتدال و توازن سے کام لیا گیا ہے۔

نوجوان مصنف خورشید مصطفےٰ صاحب مستحق مبارکباد ہیں لیکن یہاں میں ایک اور بات بھی کہنا چاہوں گا اور وہ محض شکایت نہیں بلکہ قدرے حقیقت ہے کہ طبقہء علماء کا تذکرہ اس تصنیف میں اگرچہ عام تصانیف سے بہتر اور مکمل طور پر کیا گیا ہے مگر تاہم کچھ گوشے تکمیل طلب باقی رہ گئے ہیں جس میں مصنف کا قصور نہیں بلکہ قصور حالات کی کروٹ کا ہے۔

محمد میاں

فہرست

پیش لفظ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہماری تاریخ کا نہایت اہم باب ہے مگر ہم نے اُس کی اہمیت کو اتنا نہیں سمجھا جتنا انگریزوں نے سمجھا تھا، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے اس جنگ کے ہر پہلو پر بہت تفصیل سے لکھا ہے، اپنی ڈائریاں اور خطوط شائع کیے ہیں، جو انگریز اِن واقعات کے چشم دید گواہ تھے اُنھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات لکھے ہیں اور اِس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔

ہندستان کے معاصر لکھنے والوں کو اوّل تو اتنا اطمینان نصیب نہیں تھا کہ وہ ان واقعات کی تفصیل قلمبند کرنے پر دھیان دیتے، یہ موجِ خوں خود اُن کے سروں سے گزر رہی تھی، جنھوں نے کچھ لکھا ہے تو وہ ایک محدود علاقے اور زمانے کے حالات ہیں، انگریزوں کی دار و گیر اور سقوطِ دہلی کے بعد ہونے والے مظالم نے اُنھیں آزادی سے لکھنے بھی نہیں دیا بلکہ بعد میں بھی منشی ذکاء اللہ جیسے مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ مجاہدین کے خلاف اور انگریزوں کی حمایت میں لکھا ہے۔ وہ بھی اسے "غدر" کہتے ہیں، ظہیر دہلوی بھی اپنی کتاب کو "داستانِ غدر" کہتے ہیں، مگر (F.W. BUCKLER) اپنی کتاب The Political Theory of Indian Mutiny میں لکھتا ہے کہ بہادر شاہ ظفر کبھی اپنے سلطنت کے حق سے دست بردار نہیں ہوا، انگریزوں نے مغل حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیا اور "غدر" کرنے والے انگریز اور اُن کی ایسٹ انڈیا کمپنی تھی، ہندستانی عوام یا بہادر شاہ ظفر نہیں۔

ہندستان کے مورخوں نے بعد کے زمانے میں چند کتابیں انگریزی میں لکھیں جن میں سین اور مجمدار وغیرہ کے نام نمایاں ہیں مگر معاصر ہندستانیوں کے بیانات بہت کم ملتے ہیں۔ بعد

کے لکھنے والوں نے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، اور انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ رکارڈ اور اُس دور کے اخباروں کی مدد سے وقائع نگاری کی ہے۔ خود انگریز مورخوں کے بیانات پڑھ کر یہ معلوم کر لینا دشوار نہیں کہ ۱۸۵۷ء کی اِس جنگ آزادی کا اثر نہ صرف پورے شمالی ہندستان تک پھیل گیا تھا بلکہ مہاراشٹر، میسور اور ریاست حیدرآباد تک اس کے اثرات پہنچ چکے تھے، اِس جنگ میں عوام کے ہر طبقے کے لوگ شریک تھے۔ اُن میں ہندو، مسلمان اور سکھ سبھی تھے، اِسی طرح مسلمان علمار اور ہندو پنڈت بھی مجاہدین آزادی کی ہمّت افزائی کر رہے تھے

مولانا فضل حق خیرآبادی کے بارے میں یہ غلط مشہور ہو گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے فضل حق سے التباسِ اسمی کی بنا پر گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اُس وقت کی خُفیہ رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کی شورش کا آغاز ہوا تو مولانا فضل حق ریاست الور میں تھے وہ اپنی ملازمت سے استعفا دے کر ۱۸ راگست ۱۸۵۷ء کو دہلی آگئے اور یہاں مجاہدین کی باقاعدہ رہنمائی کر رہے تھے، انگریزوں کے مخبر تراب علی کی رپورٹ مورخہ ۲۴ر اگست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قلعہ کی جنگی مشاورتی کونسل کے ممبر بھی بن گئے تھے انگریزوں کے جاسوس گوری شنکر نے ۲۸ راگست ۱۸۵۷ء کی رپورٹ میں لکھا تھا:

> "مولوی فضل حق جب سے دہلی آیا ہے شہریوں اور فوج کو انگریزوں کے خلاف اکسانے میں مصروف ہے۔ وہ کہتا پھرتا ہے کہ اُس نے آگرہ گزٹ میں برطانوی پارلیمنٹ کا ایک اعلان پڑھا ہے جس میں انگریزی فوج کو دہلی کے تمام باشندوں کو قتل کر دینے اور پورے شہر کو مسمار کر دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو یہ بتانے کے لیے کہ یہاں دہلی کا شہر آباد تھا، شاہی مسجد کا صرف ایک مینار باقی چھوڑا جائے گا۔"

(India Office London Mutiny Collection No. 170, PP. 442-443)

اِسی طرح مفتی صدرالدّین آزردہ کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ اُن کی جاں بخشی اس سبب سے ہوئی کہ فتوائے جہاد پر اُنھوں نے کُتِبَتُ بِالخَیر لکھا تھا اور اس پر نقطے نہیں لگائے تھے جب انگریزوں نے اُن سے بازپرس کی تو اُنھوں نے اپنی صفائی میں کہا کہ میں نے فتوے پر کُتِبَتُ بِالجَبر (دباؤ میں لکھا) لکھ دیا تھا۔ یہ بھی محض

من گھڑت کہانی ہے۔ وہ فتویٰ شائع بھی ہوا تھا اور ۱۹۴۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہونے والی ایک نمایش میں بھی رکھا گیا تھا، اُس پر کہیں یہ الفاظ لکھے ہوتے نہیں تھے۔

۱۸۵۷ء میں مفتی صدرالدین آزردہ کا کردار بھی مشکوک نظر آتا ہے۔ جب ۱۸۵۷ء کی جنگ شروع ہوئی وہ لکھنؤ میں تھے، وہاں سے اگست ۱۸۵۷ء کے شروع میں دہلی آئے اور بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ہندستانی مجاہدین اُن سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف انگریزوں کے مخبر تراب علی کی رپورٹ (مورخہ ۲۳ر اگست ۱۸۵۷ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں سے بھی خط و کتابت کر رہے تھے۔ اِدھر مخبر تراب علی اپنی رپورٹ (مورخہ ۳۰ر اگست ۱۸۵۷ء) میں لکھتا ہے کہ

"حکیم احسن اللہ خاں، مفتی صدرالدین، مرزا الٰہی بخش اور بیگم زینت محل سب اپنی اپنی اہلیت کے مطابق انگریزی حکومت کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

مفتی صدرالدین پر روپے جمع کرنے کے لیے زیادہ دباؤ دیا گیا تو مخبر فتح محمد خاں یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو اطلاع دیتا ہے:

"مفتی صدرالدین کو رقم کی فراہمی کے لیے دربار میں طلب کیا گیا۔ اُس نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔ اُس نے بہت سے غازیوں کو چوبیس ۲۴ روپے روزانہ کی تن خواہ کا وعدہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس نے صرف بادشاہ کو کوئی رقم دینے سے انکار کر دیا ہے بلکہ دھمکی دی ہے کہ اگر اُسے مجبور کیا گیا تو وہ شاہی فوج کے خلاف لڑ کر مرنے کے لیے تیار ہے۔ اُس نے کہا کہ وہ انگریزی فوج کی نسبت اِن لوگوں کے خلاف جہاد کرنے کو ترجیح دے گا۔"

(Mutiny Collection Vol. II N.174, P.17-19)

اُن کے گھر پر متوازی جلسے بھی ہو رہے تھے۔ مخبر تراب علی ۲ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو اطلاع دیتا ہے کہ

"مفتی صدرالدین کے گھر پر کل رات بارہ بجے تک جلسہ ہوتا رہا۔"

مجاہدین آزادی کی تعداد کم نہ تھی مگر وہ مختلف علاقوں سے آکر جمع ہوئے تھے اور ہر ٹولے کا کمانڈر علیحدہ تھا، کوئی ایک مرکزی قیادت نہیں تھی۔ دوسری طرف قلعہ کے شہزادے اور سلاطین کسی قسم کا فوجی تجربہ نہ رکھتے تھے۔ مرزا مغل اور بخت خاں میں سپہ سالاری پر

اختلاف تھا۔ کوئی یہ کھچڑی پکا رہا تھا کہ اگر انگریزوں کی فتح ہو گئی تو اُسے تخت کا وارث تسلیم کر لیا جائے گا۔ سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ خزانہ بالکل خالی تھا۔ فوج کو تن خواہ دینے کے لیے کچھ نہیں تھا مجبوراً فوج میں سخت بے اطمینانی اور پراگندگی تھی وہ بادشاہ سے بھی گستاخانہ باتیں کرنے لگتے تھے۔ تراب علی ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کی رپورٹ میں لکھتا ہے:

"فوج کے افسروں نے دھمکی دی کہ وہ شاہی خاندان کے تمام افراد کو قتل کر کے محل اور شہر کو لوٹ لیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ اپنے تخت سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے تخت کی گدی ان افسروں کے سامنے پھینک کر حکم دیا کہ شاہی محل کے تمام نوادرات اور شاہی خاندان کی بیگمات کے زیور ان کے حوالے کیے جائیں اس کے بعد وہ کعبے کی طرف رخ کر کے رونے لگا اور کہا کہ اُسے اپنے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔" (Mutiny Collection Vol. II, N. 174)

انگریز جیسے دشمن سے جس نے سارے ہندستان کے خزانوں میں جھاڑو دے دی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے اربوں روپے تجارتی منافع میں کما چکے تھے، گھر کے برتن اور زیور بیچ کر نہیں لڑا جا سکتا تھا۔ انگریز جانتا تھا کہ مغل خاندان میں نہ تعلیم ہے نہ تربیت ہے نہ اُن کے پاس دولت ہے، صرف عوام کے دل میں اُن کے لیے جگہ باقی رہ گئی ہے اور عام طور پر افلاس اتنا ہے کہ ہندستانیوں کو مخبری کے لیے معمولی لالچ دے کر خریدا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب جنگِ آزادی کا آغاز ہوا تو ایک لاکھ سے زیادہ مجاہدین اس میں شامل تھے لیکن شدید افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ فوج سے الگ ہو کر بھاگتے رہے اور آخر میں جب دہلی کا سقوط ہوا تو صرف دس ہزار مجاہدین رہ گئے تھے مگر ان کے پاس بارود کا ذخیرہ بھی نہیں تھا۔ کارتوس بنانے کے لیے اُس کی ٹوپیاں بھی نہیں تھیں۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ ۱۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ ظفر نے اپنے ہودے اور سونے چاندی کے برتن وغیرہ سکے ڈھالنے کے لیے ٹکسال کے حوالے کر دیے تھے۔

اسی زمانے میں انگریزوں نے اپنے مخبروں کے ذریعہ ہندو مسلم کشیدگی بھی پیدا کر دی تھی اور وہیں سے انھیں یہ نسخہ ہاتھ آیا کہ ہندستان پر حکومت کرنی ہے تو ہندو مسلمانوں

کو ایک دوسرے کا دشمن بنا کر رکھا جائے۔ کچھ نہ ہونے پر بھی بہادر شاہ ظفر کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ:

"لوگ بادشاہ کے چاروں طرف جمع ہو رہے تھے۔ اُس کے نام کی کشش ایسی تھی کہ اس پر سارے ہندستان کے امنڈ آنے کا خطرہ تھا۔ ہمارا بھلا اسی میں تھا کہ اس بوڑھے کی جان بخشی کر دی جائے۔" (September 21, 1857 (I.E.V. 2 P. 457) IOL 370/30)

مخبر تراب علی نے یہ بھی لکھا تھا کہ

"اگر آپ شاہی خاندان کے لوگوں کو سزا دینا چاہتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ آپ باغیوں کو شکست دینے کے بعد سب سے پہلے دہلی اور قلعہ کے عوام سے اُن کے ہتھیار لے لیں، اس کے بعد جو چاہیں کریں ورنہ شہریوں کی طرف سے کافی کشت و خون کا اندیشہ ہے۔"

(۱۱رستمبر ۱۸۵۷ء)

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں ہزاروں مجاہدین نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور اسی آگ میں جل کر راکھ بن گئے۔ دہلی اور لکھنؤ کے بازار اور کوچے خون سے لالہ زار ہو گئے۔ شہروں میں جگہ جگہ پھانسیوں کے پھندے لگا دیئے گئے۔ راجے، نواب، امیر، غریب، شہزادے سرکاری ملازم، مرد، عورتیں اور معصوم بچے تک انتہائی جبر و تشدد کا نشانہ بنائے گئے۔ دہلی کے راج گھاٹ میں ننگے سینوں اور گولیوں کا مقابلہ ہوا، ہزاروں کے سر قلم کر دئے گئے، شہزادیوں اور بیگمات کو بھیک مانگنے پر مجبور کیا گیا بے گناہ شہزادوں کے سر قلم کر کے بہادر شاہ ظفر کو پیش کئے گئے۔

دہلی کے علاوہ گوڑگاؤں، جھجر، بلب گڈھ، کرنال، میرٹھ، کانپور، جھانسی، مرادآباد، بریلی اور شمالی ہند کے شہروں اور قصبوں میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی، انگریز شقاوت اور بے رحمی کا مظاہرہ کرتا رہا اور آزادی کے پروانے جل کر راکھ ہوتے رہے۔ چند مورخین کے اندازے کے مطابق تیس ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں سو برس کے ضعیف بھی تھے اور معصوم بچے بھی۔

ان مجاہدین میں چند کا نام آزادی کے افق پر آجنگ سرخ حرفوں میں لکھا ہوا دکھائی دیتا

ہے ۔ آزادی کی اس پہلی جنگ میں ہندو مسلم یک جہتی اپنے شباب پر تھی اور اس کا نعرہ اگر کسی نے کھل کر لگایا تھا تو وہ تھے عظیم اللہ خان جو انتہائی جواں مردی کے ساتھ انگریزوں کے خلاف بڑے حوصلے اور منظم طریقہ پر لڑتے رہے اور زندگی کے آخری لمحوں تک دشمنوں کی گرفت میں نہیں آئے ۔ ساورکر ان کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں :

"۵۷ء کے اہم کرداروں میں عظیم اللہ خان کا نام ہی سب سے پہلے جنگِ آزادی کے تصور سے متاثر ہوا ۔ ان کا نام آزادی کی تاریخ میں روشن اور نمایاں ہے بغاوت کو منظم کرنے اور مکمل کرنے والی بہت سی اسکیموں میں عظیم اللہ خاں خان خصوصیت سے قابل ذکر ہیں عظیم اللہ خان کو اپنے وقت کا بڑا انقلابی کہا جا سکتا ہے ۔"

اسی طرح جنرل بخت خان بھی ایک ایسا نڈر اور بہادر سیاست داں اور مورچہ بندی میں بھی ایسا ماہر تھا کہ اس کی مثال نہیں تھی ۔

بریلی کی بغاوت میں جنرل بخت خاں سب سے پیش پیش تھے ۔ انہیں کی کوششوں سے خان بہادر خاں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی اور جنرل بخت خان ہر لڑائی میں برابر کے شریک رہے ۔ انگریزی حکومت ہر قیمت پر اس جاں باز سپاہی کو پکڑنا چاہتی تھی ۔ لیکن شیر کو آسانی سے قید نہیں کیا جا سکتا تھا اور وہ تو شیروں کے سردار تھے ۔ جواہر لعل نہرو نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

"اگر دہلی کی ساری جنگ کا "تاج" بہادر شاہ ظفر تھا اور ہاتھ پاؤں ہندو اور مسلمان تھے تو اس جنگ کا دماغ بخت خاں تھا ۔"

مولوی احمد اللہ شاہ کا نام بھی ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی تاریخ میں ہمیشہ نمایاں رہے گا ۔ ان کے بارے میں ساورکر نے تحریر کیا ہے ۔

"مولوی قد میں اونچا اور اکہرے بدن کا ہونے پر بھی مضبوط اور گٹھا ہوا تھا آنکھیں بڑی اور بھنویں کالی تھیں ۔ ناک نوک دار اور چہرہ بھرا ہوا تھا بہادر مسلمانوں کی زندگی سے یہ سبق حاصل ہو سکتا ہے کہ اسلام کے اصول پر یقین اور دیش بھگتی نہ بے میل ہے نہ دشمنی تو احمد اللہ شاہ بہت بڑے وطن پرست تھے ۔ سچے اور ایماندار ۔ ایسے ملک میں پیدا

ہونے والے اور اس پر کٹ مرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔"

اسی طرح مولوی لیاقت علی الٰہ آباد کے انقلابی مجاہد تھے۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بلا امتیاز ہندو مسلمان سب ایک ساتھ مل کر جہاد کا نعرہ لگاتے تھے۔ ان کے بارے میں پنڈت سندرلال کہتے ہیں:

"مولوی لیاقت علی نام کے ایک انسان کو شہنشاہ بہادر شاہ کی طرف سے صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ لیاقت علی ایک معمولی قابلیت کے انسان تھے ان کے چال چلن کی پاکیزگی کے سبب سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔ انھوں نے الٰہ آباد کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں سے شہر میں ایسا امن وامان قایم کیا کہ جس پر فخر کیا جا سکتا ہے۔"

اس عظیم جنگ آزادی میں عورتوں کا رول بھی تاریخ کا اہم باب ہے۔ بیگم حضرت محل نے انتہائی فراست، ہمّت اور جاں فشانی سے اودھ کی خوں ریز جنگ میں حصّہ لیا اور لڑائی کے میدان میں مردوں کی سی شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بارے میں پنڈت سندرلال لکھتے ہیں:

"اودھ کے باشندوں کی اس آزادی کی لڑائی میں بیگم حضرت محل کے تحت اودھ کی بہت سی عورتیں مردانہ پوشاک پہن کر ہتھیار باندھ کر اپنی الگ فوج بنا کر لڑ رہی تھیں حضرت محل نے عورت ذات اور پردہ نشیں ہونے کے باوجود اس گرم جوشی اور بلند ہمتی سے میدان عمل میں قدم رکھا کہ جوان مردوں کو بھی اس پر رشک آنا چاہیے۔"

ان اقتباسات سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہندستان کی پہلی جنگ آزادی میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا جو مخصوص کردار رہا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے حالانکہ موجودہ تاریخ داں، ان روشن حقائق کو دانستہ انصاف کے ساتھ پیش نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے ہندو مسلم یک جہتی کمزور ہوتی جا رہی ہے۔

ستمبر ۱۸۵۷ء تک جتنے مجاہدین رہ گئے تھے وہ اگرچہ نہتّے تھے اور اُن کے پاس روپے بھی نہیں تھے لیکن وہ سب مرنے مارنے کو ہر دم تیار تھے یہ بات خاص طور پر غور کرنے کی ہے کہ بادشاہ نے یا مجاہدین نے کہیں بھی ہتھیار نہیں ڈالے انھیں مغلوب کر لیا

گیا اور وہ بے بس ہو گئے تھے مگر وہ اِس جنگ میں حق پر تھے اور انگریزوں کو ملک کا دشمن سمجھ کر لڑے تھے۔

۱۸۵۷ء کی شورش میں بہادر شاہ ظفر نے مجاہدین کو حکم دیا تھا کہ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور بیماروں پر ظلم نہ کیا جائے۔ اِس کے برعکس ہڈسن لکھتا ہے:

"جب ہماری فوجیں شہر میں داخل ہوئیں تو اُس وقت موجود ہر شخص کو قتل کر دیا گیا، اس طرح مرنے والوں کی تعداد کافی تھی اس تعداد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض گھروں میں چالیس چالیس پچاس پچاس سے زیادہ لوگ چھپے ہوئے تھے جن کو ہم نے قتل کیا۔ ...... شہر کو دو دن کے لیے سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا تھا اور کون ہے جو یہ بتا سکے کہ شہر کے کونوں میں کتنے زخمی شوہروں، بیٹوں اور بھائیوں کا خون بہا۔"

اخبار ٹائمز لندن ۲۷ر نومبر ۱۸۵۷ء میں ایک خط شائع ہوا تھا اس میں لکھا تھا:

"ہمیں ہر روز گھروں میں چھپے ہوئے ایسے سپاہی ملتے ہیں جو بیمار یا زخمی ہونے کے سبب بھاگ نہیں سکتے تھے۔ ہم انھیں موقع پر ہی ہلاک کر دیتے ہیں۔"

غرض یہ ایک ایسی دردناک داستان ہے کہ اسے لکھتے ہوئے انگلیاں فگار اور خامہ خوں چکاں ہو جاتا ہے۔ اردو میں اب تک اس کا غیر جانب دارانہ تحقیقی اور تاریخی مطالعہ نہیں کیا گیا تھا، جناب سید خورشید مصطفیٰ رضوی ۱۹۵۶ء سے اس موضوع پر ریسرچ کر رہے ہیں ان کی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" صد سالہ یادگار کے موقع پر ۱۹۵۷ء میں چھپی تھی اس کے بعد بھی انھوں نے اپنا مطالعہ اور تحقیق جاری رکھی اور اس میں اضافے ہوتے رہے مجھے خوشی ہے کہ اب اس کا اضافہ شدہ ایڈیشن اس وقت شائع ہو رہا ہے جب ہمارے دیس کی آزادی کا پچاس سالہ جشن جمہوریت ملک بھر میں منایا جا رہا ہے۔

سید خورشید مصطفیٰ رضوی نہایت خاموش طبع متین اور سنجیدہ عالم ہیں انھوں نے بڑی لگن اور محنت سے یہ کتاب برسوں تک سیکڑوں کتابوں اور دستاویزوں کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھی ہے اسے بلا خوف تردید اس موضوع پر اردو میں سب سے زیادہ جامع

اور منصفانہ مطالعہ کہا جا سکتا ہے۔

رامپور رضا لائبریری کے سابق ممبر پروفیسر نثار احمد فاروقی نے ہمیں اس کتاب کی اشاعت کی جانب توجہ دلائی تھی، اُن کا شکریہ ادا کرنا بھی واجب ہے، رام پور رضا لائبریری نے اپنی حیات تازہ کے دور میں اب تک بیس سے زیادہ نئی کتابیں شائع کی ہیں اور زیر نظر کتاب ایسی ہے جس کی اشاعت پر ہم یقیناً فخر کر سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں رام پور رضا لائبریری بورڈ کے چیرمین عالی جناب سورج بھان صاحب گورنر اتر پردیش اور ممبران میں پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر شریف حسین قاسمی اور ڈاکٹر شاہ عبدالسلام نے ہماری ہر موقع پر خاطر خواہ ہمت افزائی کی ہے جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اس کتاب کی اشاعت سے متعلق کاموں میں ابوسعد اصلاحی اسسٹنٹ لائبریرین، سید احمد میاں لائبریری اسسٹنٹ بلقیس فاروقی اسٹینو اور موہنی رانی نے بھی میری مدد کی ہے جس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔

رنگ محل، قلعہ رام پور
۱۷ر جون ۲۰۰۰ء

ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی
افسر بکار خاص
رام پور رضا لائبریری

سخنِ آشنا

نوآبادیاتی استحصال اور سیاسی مظالم سے بھرپور ہندستان کی تاریخِ آزادی اس سے بہت قدیم اور جان و مال کی قربانیوں سے لالہ زار ہے جتنی آج سیاسی بدنیتی کے سبب سے بتائی جاتی ہے، یا مدرسوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ تاریخ کے ساتھ یہ کھلواڑ ہر دور میں ہوتی رہی ہے مگر اس زمانے میں کچھ زیادہ ہی ہوئی ہے۔ فرنگی تاجروں نے اِس ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور ہماری مالی حالت کو اتنا خستہ کر دیا کہ آج تک اِس ملک کے کروڑوں باشندے خطِ افلاس کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں اور ایک بہت بڑا متوسط طبقہ وجود میں آگیا ہے جس کے کندھوں پر ہر طرح کے ٹیکسوں کا جُوا رکھا ہوا ہے۔ لیکن تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ جس فرنگی نے ہندستان کی دولت کو سمیٹ کر اپنے ملک کو سجایا، سنوارا، ہماری تہذیب اور ثقافت کی ہزاروں سال پرانی شاندار تاریخ کے آثار کو ملیامیٹ کر دیا، اور ہماری زندگی کے ہر شعبے میں اپنے کلچر اور رسم و رواج کو ٹھونس دیا، اِس ملک کے باشندے آج بھی اُس کے لیے تعظیم اور ہمدردی کے جذبات رکھتے ہیں اور ہندستان کے جن سپوتوں نے اپنی مادرِ وطن کی عزّت و حرمت اور آزادی کو بچانے کے لیے اپنی جان، مال، عزّت، آبرو، سب کچھ قربان کر دیا اُن کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور اُن کی قربانیوں کی جانب کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ ہندستان کو فرنگیوں کے ظالم پنجوں سے چھڑانے کے لیے پہلی بڑی قربانی نواب سراج الدولہ نے پیش کی تو دوسرا مجاہدانہ اِقدام شیرِ ہندستان سلطان ٹیپو شہیدؒ نے کیا جسے فرنگی اپنے عزائم کے راستے کی سب سے بڑی رُکاوٹ سمجھتے تھے۔ لیکن آج ٹیپو کو بھی اِس لیے نظرانداز کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسلمان حکمران تھا۔ تاریخ میں اِس

سے بڑی احسان فراموشی اور محسن کشی کی دوسری مثال مشکل سے ہی ملے گی۔

فرنگی استعمار سے ملک کو آزاد کرانے کی تیسری بڑی کوشش وہ تحریک تھی جسے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان کی قیادت میں شروع کیا گیا تھا، لیکن انگریزوں نے نہایت چالاکی کے ساتھ بالآخر اُس کا رُخ پنجاب کی سکھ حکومت کی طرف موڑ دیا تاکہ وہ اپنے دونوں دشمنوں کو لڑا کر اپنی طاقت بنائے رکھے۔ چوتھی بڑی کوشش ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے، جسے انگریز نے غدر کا نام دے دیا۔ یہ اگر غدر تھا تو انگریزوں نے ہندستانیوں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اِس تحریک نے اچانک ایک ہندستان گیر شکل اختیار کر لی تھی اور اس میں قربانی دینے والے ہندو مسلمان سبھی تھے، لیکن ہمارے سیاسی بازیگروں نے اِس کو بھی دوسرا رنگ دے دیا اور اب اُس کا تذکرہ ہوتا بھی ہے تو اِس ڈھنگ سے ہوتا ہے جیسے یہ صرف کسی ایک فرقے کا کارنامہ تھا۔ اِس تحریک کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے جو مظالم کیے اُن کی وجہ سے ہندستانیوں کو اِس کی تاریخ لکھنے کی ہمت بھی نہیں ہوئی اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ بہت سرسری اور یک طرفہ ہے۔ کیونکہ اس بے پناہ جذبۂ آزادی کو کچلنے کے لیے انگریزوں نے پانچ لاکھ سے زیادہ ہندستانیوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکایا تھا اور اتنی دہشت پھیلا دی تھی کہ ہندستانی اپنے نجی خطوط میں بھی اس سے متعلق کوئی بات لکھنے سے ڈرتے تھے لیکن انگریز مصنفوں نے اِس جنگ آزادی کے بارے میں جتنی تفصیل سے اور کثرت سے کتابیں لکھی ہیں اُن کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے ہی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فرنگی اِس تحریک کو کتنی اہمیّت دیتا تھا اور اُس سے کتنا خائف تھا۔ اِسی جہادِ آزادی میں ہندستانیوں کے جذبات کا اندازہ کر لینے کے بعد اُس نے ہندو مسلمانوں کے درمیان نفرت کے بیج بونے کی باقاعدہ مہم شروع کی اور ہماری جہالت اور حماقت نے اُس کی سازش کو کامیاب بنایا جس کے پھل اب ہمیں برابر مل رہے ہیں اور ہمیں اب بھی اتنی عقل نہیں آتی ہے کہ فرنگی ہمیں جس جال میں پھنسا گیا ہے اس سے باہر نکل آئیں۔

زیر نظر کتاب کے مصنف سید خورشید مصطفیٰ رضوی ایک معزز علمی خاندان کے وسیع المطالعہ فرد ہیں، اُن کی متعدد کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے موضوع کا گہرا تحقیقی مطالعہ کیا ہے، اِس موضوع پر اُن کی پہلی کتاب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی صد سالہ یادگار کے موقع پر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی تھی اور علمی حلقوں میں اُس کا گرم جوشی سے خیر مقدم ہوا تھا۔ یہ ایڈیشن جلد ہی تمام ہو گیا تھا۔ میں نے اُنھیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اِس کا اور زیادہ تفصیل سے مطالعہ کریں تاکہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔ رضوی صاحب نے چالیس سال سے زیادہ مدت اِس موضوع کے تقریباً تمام دستیاب مآخذ کا مطالعہ کرنے میں صرف کی اور اب یہ نیا ایڈیشن پہلی اشاعت سے نہ صرف بالکل مختلف ہو گیا بلکہ ضخامت میں بھی دس گنا زیادہ ہو چکا ہے جس کا ابھی صرف ایک حصہ ہی پیش کیا جا رہا ہے۔

رضوی صاحب کی خصوصیت ایک تو یہ ہے کہ وہ اردو، انگریزی اور فارسی سبھی ماخذوں سے براہ راست استفادہ کر سکے ہیں۔ یہ خوبی دوسرے لکھنے والوں میں بھی مل جائے گی۔ دوسری خصوصیت یہ کہ اُنھیں اپنے موضوع سے ایک دلچسپی اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے جو انھیں تحقیق کی نئی راہیں دکھاتا ہے۔ یہ تعلق بھی دوسرے مصنفوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ تیسری خوبی اُن کا بہت سلیس، شگفتہ اور مسلسل و مربوط انداز بیان ہے جس سے پڑھنے والا اُن کی تحریر سے جُڑ جاتا ہے اور اسے کہیں ابہام یا پیچیدہ اظہار کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ یہ وصف بھی ایسا ہے جسے ہم کسی دوسرے مصنف میں بھی ڈھونڈھ سکتے ہیں۔

خورشید مصطفیٰ رضوی کی چوتھی خوبی دوسرے مصنفوں کی تحریروں میں، خصوصاً ایسے لکھنے والوں میں جن پر سیاست کے آسیب کا سایہ پڑا ہو، مشکل سے ملے گی بلکہ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ نہیں ملے گی، وہ ہے اُن کا صاف ذہن جس میں کسی تعصب کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ذہنی اور فکری اعتبار سے وہ ایک سچے اور پکے محبِ وطن ہیں، اسی لیے بعض مواقع پر کسی قدر جذباتی بھی ہو جاتے ہیں۔ مگر حق و انصاف کا دامن

ڈاکٹر اشرف نے لکھا تھا:

"میں اس "نقشِ اوّل" کو کامیاب قرار دوں گا۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اُردو بلکہ ہندی زبان میں بھی اِن کا مقالہ ۱۸۵۷ء کے ادب میں ایک گراں بہا اضافہ ہے۔ صاف اور سلیس زبان، واقعات کا تسلسل اور فراوانی، ایک مرتب اور مربوط داستان۔"

حضرت مولانا محمد میاں (ناظم جمعیۃ العلمائے ہند) کی رائے تھی کہ:

"یہ کتاب اس کا حق رکھتی ہے کہ اس سلسلے میں مرتب ہونے والی تمام تصانیف میں بہتر قرار دی جائے۔"

یوپی گورنمنٹ نے اس کو اوّل انعام (ایوارڈ) کا مستحق قرار دیا (۱۹۶۰ء)۔ پنڈت سندرلال نے ہندی ترجمے کے لیے اصرار کیا۔

ہندوستان و پاکستان کے متعدد رسائل نے اس پر تبصرے کیے اور اپنے موضوع پر "خوب ہی نہیں، بہت خوب" قرار دیا۔ اِن میں قابلِ ذکر ہیں 'فاران' (کراچی)، 'پگڈنڈی' (امرتسر)، 'مجلس' (حیدرآباد)، 'برہان' (دہلی)، 'الفرقان' (لکھنؤ)، 'النشا' (کراچی)۔ 'آجکل' (دہلی)، 'الجمعیتہ' (دہلی) وغیرہ۔

تحریکِ ۱۸۵۷ء کی نوعیت اور تاریخی پس منظر

یہ سوال کافی زیر بحث رہا ہے کہ یہ فوجی شورش یا میوٹنی (غدر) تھی، رجواڑوں کی حصولِ اقتدار کے لیے جد وجہد تھی یا قومی اور عوامی انداز کی حامل تھی۔ اب تک بہت کچھ اس پر لکھا جاچکا ہے، حالات اور واقعات کا جائزہ خود ہی بتا دے گا کہ تحریک کی نوعیت کیا تھی۔ بغاوت کے اصل ریکارڈ مختلف جگہوں پر موجود ہیں (جن پر "ماخذ کا جائزہ" کے زیرعنوان انہی صفحات میں روشنی ڈالی جائیگی)۔ انگریز افسروں نے جو یاد داشتیں اور رپورٹیں دی ہیں انہی میں عوامی شرکت کی طرف واضح اشارے اور تفصیلات موجود ہیں جو یک طرفہ اور جانب دارانہ نقطۂ نظر کی تردید ہیں۔ مشہور مورّخ جون ولیم کے کا کہنا ہے کہ:

> "معزز اور ذی وجاہت طبقے جو یہ محسوس کرتے تھے کہ انگریزوں نے اُنھیں ذلت اور پستی میں دھکیل دیا ہے، اُن کی قدیم حکمرانیوں کا تختہ اُلٹ دیا گیا، پُرانی روایات کو پس پشت ڈال دیا گیا، قدیم نظام کو چکنا چُور کیا گیا.........
>
> ہر طرف ضبطی اور چھین جھپٹ کا دور دورہ ہے جو قومی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکنے پر آمادہ ہے۔ یہ احساس

گہرائی تک پہنچا ہوا تھا"[1]

جی۔ بی۔ میلیسن نے اعتراف کیا ہے کہ بغاوت کی تحریک جن لوگوں نے شروع کی وہ سپاہی نہیں تھے۔ اُس نے اپنی دوسری کتاب "انڈین میوٹنی" (۱۸۹۱ء) میں بتایا ہے کہ "جون کراکرافٹ ولسن کا یہ بیان کہ ۳۱ مئی کا دن ملک میں بغاوت کے لیے مقرر کیا گیا تھا، ہر رجمنیٹ میں کمیٹیاں بنا دی گئی تھیں اور صرف اُنہی کو پورے پلان کا علم تھا، مجھے شمالی ہند کے لوگوں سے جو معلومات حاصل ہوئی ہے اُس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ بالکل درست ہے"۔ وہ کہتا ہے کہ "دیسی باشندوں کو جنہوں نے بغاوت میں حصّہ لیا اور ابھی زندہ ہیں، اس سلسلے میں کچھ کہنے کے لیے آمادہ کر لینا بہت مشکل کام ہے مگر کچھ لوگوں سے میں نے یہ حالات معلوم کر لیے کہ تاریخ مقرر کی گئی مگر میرٹھ کی قبل از وقت بغاوت نے کامیابی کے امکانات ختم کر دیئے" (ص ۸۸)۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ تحریک قومی رنگ اختیار کرتی چلی گئی (جلد ا ص ۱۶۵)۔ مورّخ راتس ہومز نے بھی عوامی بغاوت کہا۔ حالیہ ہندوستانی مورّخوں میں ڈاکٹر سین اور مجمدار نے عوامی کردار پر توجہ نہیں کی اس لیے بغاوت کے عوامی رنگ (جسے اب "قومی"

---

[1] KAYE : vol. 3 p.306

سے تعبیر کیجیے) کو عیاں کرنا ضروری معلوم ہوا کیونکہ بغاوت کے کردار اور ہمہ گیری کو جانچنے کے لیے اس پہلو کی سب سے زیادہ اہمیت ہے۔ علاوہ ازیں تحریک ولی اللہی کے علماء نے ملک کے گوشے گوشے میں جس سرگرمی سے حصّہ لے کر جہاد کا رنگ بھرا، وہ بغاوت کا کردار متعین کرنے کے لیے اہم رُخ ہے۔ اس تحریک کو 'وہابی' تحریک کا نام دیا گیا لیکن ہم 'ولی اللہی' کے نام سے بیان کریں گے کیونکہ اس تحریک کے رہنما حضرت شاہ ولی اللہؒ سے متاثر تھے۔

بغاوت کے لیے پورے ملک میں جو سازشیں ہوئیں وہ بھی قومی نوعیت پر دلالت کرتی ہیں۔ تحریک ولی اللہی کے علماء جو خفیہ تیاریاں کر رہے تھے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ بغاوت کا یکے بعد دیگرے تمام علاقوں میں یکساں انداز طے شدہ پلان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جون کراکرافٹ ولسن اور ولیم میور نے اپنے مشاہدے، تجربے اور سرکاری ریکارڈ کی بنیاد پر سازش کا حال بیان کیا ہے۔ اکثر انگریزوں نے سازش کا وجود صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ مثلاً کے روٹن کی کتاب چپاتیاں بیٹر وغیرہ میں بہادر شاہ کے مقدمے میں جج ایڈوکیٹ ہیریاٹ بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ دہلی اور میرٹھ کی سپاہ میں تعاون اور رابطہ تھا۔ میرٹھ کے کمشنر ایف ولیم، پٹنہ کے کمشنر ٹیلر، مؤرخ نیش اور رلی گرانڈ جیکب وغیرہ نے ان سازشوں کا ذکر کیا ہے۔ کوپر نے

اپنی کتاب (Our Crisis) میں بہار کی باغیانہ خط وکتابت کا ذکر کیا ہے۔ لارابرٹس نے اپنی ضخیم کتاب (فورٹی ون ایر ز ان انڈیا۔ ص ۳۵) بتایا ہے کہ پشاور میں بغاوت کی افواہیں سُن کر ڈاک خانے سے خطوط دیکھے گئے تو بہت بڑی تعداد میں باغیانہ خطوط ملے جو ہندسوں اور اشاروں کی زبان میں تھے اور ان میں انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے جذبات کھلے طور پر بیان کئے گئے تھے۔ لاہور کرانیکل، مورخہ یکم اپریل ۱۸۵۷ء میں خبر تھی کہ لاہور میں سپاہ کی بارکیوں میں باغیانہ اشتہارات پائے گئے۔ الگزنڈر ڈف نے بغاوت کو سیاسی سازش کا نتیجہ، اور عام بغاوت کہا۔ میلیسن جس نے ان واقعات کی غالبًا سب سے زیادہ چھان بین کی، اپنی کتاب میں جو اُس نے تینتیس ۳۳ سال بعد دوبارہ ہندوستان آکر تحقیق کے بعد لکھی (۱۸۹۱ء) یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ:

"حالات سے مجھے ثبوت مل گیا کہ بغاوت کی تہہ میں انگریزوں سے نفرت کے جو جذبات تھے وہ ذاتی نہیں بلکہ قومی تھے اور اُن لوگوں کے دلوں میں بھی کارفرما تھے جو ایک صدی تک ہمارے سچّے اور بے حد وفادار رہے تھے۔ جب بغاوت کچل دی گئی تو میں نے اُن قومی جذبات کی اصلیت کا پتہ لگانے کے لیے اپنی

تحقیق از سرِ نو شروع کی اور مختلف جگہوں پر اپنے ہندوستانی احباب کی مدد سے ایک قطعی نتیجے پر پہنچا ...... چپاتیوں کی گردش سے ان رہنماؤں نے دیہاتی عوام کو آگاہ کیا تھا کہ عمل کا وقت آگیا ہے"۔ ؎۱

حالات پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ نہ صرف ہر ذات، طبقے، فرقے اور رنگ و نسل کے عوام ملک کے گوشے گوشے میں متحد نظر آتے ہیں بلکہ اُن کی بہادری اور جان بازیوں کی مثالیں بھی ایسی ہیں جو تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھی جائیں گی۔ دہلی ہی کو دیکھئے کہ جہاں انتہائی بدنظمی اور انتشار کا عالم ہے، غدّاری اور دغابازی عروج پر ہے جس میں احسن اللہ اور زینت محل بھی از سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں مگر سرفروش انقلابی ہیں کہ روزآنہ صبح کو انگریزی فوجوں سے جنگ آزما ہوتے کے لیے فوجی ترتیب کے ساتھ نکلتے ہیں اور دن بھر کی لڑائی کے بعد دن چھپے واپس آجاتے ہیں ——— ایک دو دن نہیں پورے چار مہینے تک متواتر ——— اور وہ بھی جون، جولائی اگست کی قیامت خیز تپش، لُوہ اور گرمی ہیں ——— اُن کو تنخواہیں نہیں ملتیں، اُن کو کھانا نصیب نہیں ہوتا، تن پہ کپڑا نہیں،

؎۱ MALLESON: Indian Mutiny (1891) pp. VIII-IX

بدقماش مغل شہزادے اُن کے نام پر لاکھوں روپیہ مہاجنوں سے لے کر خود کھا جاتے ہیں مگر آزادیٔ وطن کے متوالے اس کی پرواہ نہیں کرتے اور ۲۴ ستمبر تک پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کر کے دشمن کو ناکوں چنے چبوا دیتے ہیں ــــــــــــ کان پور، اودھ اور روہیلکھنڈ کو دیکھئے تو دہلی کی جانبازیاں ماند ہو کر رہ جائینگی۔ بنگال اور بہار پر نظر کیجیے تو اسّی سال کا بوڑھا کنور سنگھ جواں مردوں سے بازی لے گیا ــــــــــــ گورنر بنگال اپنی رپورٹ میں نہ کہتا تو شاید مشکل سے یقین آتا کہ بعض جگہ تو یہ دلیرانِ وطن فقط تیر و کمان لے کر توپوں اور بندوقوں کے مُنہ آرہے ہیں

مضحکہ اور قطرۂ شبنم کا انگاروں کے ساتھ!

دہلی اور لکھنؤ کا انتظامِ حکومت انقلابیوں کے ہاتھ میں آتا ہے تو موجودہ دور کی جمہوریت اور پرجاراج کی جھلک نظر آتی ہے۔ ادنیٰ انقلابیوں کے جذبات کا اندازہ اس عرضی سے لگائیے جو پیادہ رجمینٹ کے سپاہی بھوانی سنگھ نے بہادر شاہ کو بھیجی کہ

"میگزین کے عملے کو کام پر لگانے سے پہلے ضروری ہے کہ ہر شخص سے اس کی جائے قیام پوچھی جائے اور اس کے بیان کی تصدیق کر لی جائے یا وہ کسی کی ضمانت دے اور اس کا پورا پتہ ہمیشہ دفتر میں موجود رہے..."

اگر بغیر پوچھ گچھ کام پر لگایا جائے گا تو دشمن کے جاسوس
بھی شامل ہو جائیں گے .... میگزین میں ایک
افسر اور محرر رکھا جائے اور صبح شام جانچ ہو کہ کوئی
دشمن کا جاسوس تو نہیں آگیا ہے"۔[1]

سرسری طور پر اگر ہم سلطان ٹیپو رحؒ کے عہد سے ۱۸۵۷ء تک
کا جائزہ لیں تو مختلف بغاوتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالنے
پر مجبور ہونگے کہ اس آدھی صدی کے دوران ملک ایک ہمہ گیر
تحریکِ بغاوت کی تیاری کر رہا تھا اور ملکی حالات انقلاب کی
گرج سنا رہے تھے۔ اس عرصے میں ملک کے مختلف حصّوں میں
برابر بغاوتیں ہوتی رہیں جن میں کچھ عوامی، کچھ فوجی اور کچھ ستم رسیدہ
جاگیرداروں یا حکمرانوں کی شورشیں تھیں۔ مثال کے طور پر چند
بغاوتیں یہ تھیں:

سنہ ۱۸۰۰ء ______ ڈھونڈیا واگ کی بغاوت
سنہ ۱۸۲۹ء ______ ناگاؤں کی بغاوت
سنہ ۱۸۳۰ء تا سنہ ۱۸۳۹ء ______ آسام میں مختلف بغاوتیں
سنہ ۱۸۰۵ء۔ سنہ ۱۸۰۳ء ______ بندیل کھنڈ میں مختلف بغاوتیں
سنہ ۱۸۱۳ء ______ سہارنپور کے گوجروں کی بغاوت

---

[1] حسن نظامی: غدر کے فرمان

سنہ ۱۸۳۲ء تا سنہ ۱۸۳۶ء ________ ساونت وادی
سنہ ۱۸۴۴ء ________ کولھاپور
سنہ ۱۸۲۴ء ________ بیجاپور
سنہ ۱۸۰۱ء ________ ضلع گنجام
سنہ ۱۸۲۶ء - سنہ ۱۸۲۹ء ________ دکھنی علاقوں میں
سنہ ۱۸۰۲ء ________ مالابار۔ ویلور (مدراس)
سنہ ۱۸۱۲ء ________ بریلی
سنہ ۱۸۱۷ء ________ اڑیسہ (پائکوں کی بغاوت)
سنہ ۱۸۴۲ء ________ ساگر
سنہ ۱۸۰۲ء - سنہ ۱۸۱۲ء ________ مالابار
سنہ ۱۸۵۵ء ________ سنتھالوں کی بغاوت

انگریز مورّخوں نے اپنے دشمنوں کو ملکی دفاع اور آزادی کے لیے دلیرانہ جنگ پر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ تو کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ انہی منتشر بغاوتوں نے ملک کے ذی ہوش اور غیرت مند طبقے کو دعوتِ فکر دی ہو۔

متعدد واقعات خفیہ تنظیم اور سازش کا کھلا ثبوت ہیں جن پر اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ مستند حوالوں سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً تمام ملک میں مولویوں، فقیروں اور سنیاسیوں کے دورے، شہروں میں اشتہارات، آگ کی پُراسرار وارداتیں اور

سُراغ لگانے میں ناکامی خفیہ خط وکتابت کا انکشاف۔ چنانچہ مسٹر ہرپرشاد چٹوپادھیائے کی تحقیق کے بموجب:

"پٹنہ اور لکھنؤ کے درمیان نامہ وپیام ہورہا تھا خفیہ تنظیم کے کارکن فوجوں کو بغاوت پر آمادہ کررہے تھے۔ . . . . . ایک وہابی لیڈر پیر علی کے گھر کی تلاشی پر ہمہ گیر سازش کا انکشاف ہوا۔ . . . . . خفیہ تنظیم کے ایجنٹ جگہ جگہ مقرر تھے اور اُن کو تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ بغاوت کی تیاری کے لیے چندے کیے جارہے تھے"۔[۱]

ملک کے دور دراز علاقوں حتیٰ کہ اندور، گوالیار، بھوپال وغیرہ سے باغی فوجی سرداروں کی رہنمائی میں مع جہادیوں، تحریک ولی اللہی کے متاثرین اکے فوراً دہلی کا رُخ کرتے ہیں، زیادہ تر فوجیں خزانہ پوری حفاظت کے ساتھ دہلی لاکر شاہی خزانے میں جمع کراتی ہیں علی گڈھ۔ بنارس۔ مدراس وسط ہند وغیرہ میں ایسے سادھو اور برہمن گرفتار ہوتے ہیں جو فوج میں بغاوت پھیلا رہے تھے۔ تو کیا یہ سب لوگ خود بخود بغیر کسی طے شدہ اسکیم اور تحریک کے اس مہم پر نکل پڑے تھے؟

---

[۱] CHATOPADHYAYA ; Sepoy Mutiny p. 115-117

جے ڈبلو شیرر نے اپنی سرگذشت "ڈیلی لائف ڈیورنگ میوٹنی" میں لکھا ہے کہ بغاوت سے چند سال پہلے وہ آگرے میں ولی داد خاں سے ملا تھا اور بعد میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ وہ وہاں بغاوت کے لیے سازش کر رہا تھا ولیس ڈنلپ اپنے چشم دید حالات میں بتاتا ہے کہ قائم خاں کے جو کہ ولسن کے دستے کا افسر تھا، خطوط شاہ دہلی کے کاغذات سے برآمد ہوئے جن میں بغاوت کے پلان اور میرٹھ پر حملے کی اسکیمیں درج تھیں۔ وہ یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ سازش موجود تھی اور نگینہ کے تحصیل دار نواب احمد اللہ نے ایک انگریز سے یکم مئی ۵۷ء کو کہا تھا کہ اس بار ہم کامیاب ہونگے کیونکہ یہ کام اب لائق ہاتھوں میں ہے [1]

مورخ مجمدار نے خفیہ تنظیم اور سازش سے انکار کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ نانا صاحب باغی فوجوں کے ہمراہ دہلی نہیں گئے حالانکہ یہ تو دور اندیشی کا ثبوت ہے کہ تمام قوت ایک جگہ جمع کر کے انگریزوں کو مقابلے کی آسانی دینا مناسب نہ سمجھا، دیگر رہنماؤں کی طرح اپنے علاقے میں انتظام سنبھالا اور بہادر شاہ کی سلامی دی۔ سیتارام کی داستان "فرام سیپائے ٹو صوبیدار" سے، [2]

---

[1] DUNLOP (W>): Services with Khaki Resala pp. 70-154

[2] LUNT (J.): From Sepoy to Subedar

جس کا حوالہ اس مؤرخ نے بھی دیا ہے، سازش کا وجود ثابت ہے اور چشم دید بیان ہے مگر مجمدار صاحب نے اس پورے بیان کی صداقت سے صرف اس جملے پر کہ ——————— "یہ بات ہر شخص خصوصاً ہر برہمن جانتا تھا" ——————— یہ کہہ کر انکار کردیا ہے کہ "یہ بازاری گپ معلوم ہوتی ہے۔" اس کتاب کے آخری باب میں سیتارام نے جو تلولی (اودھ) کا ساکن تھا، بیان کیا ہے کہ اودھ کی ضبطی کے بعد نواب اودھ اور شاہ دہلی نے مختلف جگہوں پر آدمی بھیجے تاکہ دیسی فوجیوں کے رجحانات کا پتہ لگائیں۔ ان آدمیوں نے دیسی فوج والوں کو سمجھایا کہ اگر دیسی فوجیں ایک ساتھ بغاوت کریں تو ملک سے انگریز نکالے جاسکتے ہیں۔

بغاوت کے دوران مرکزیت اور قومیت کا مظاہرہ ہر جگہ سامنے آتا ہے۔ بہادر شاہ کے نام پر حکومت قائم ہوتی ہے۔ ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ نہ صرف کانپور جھانسی، مرادآباد، بجنور بلکہ اڑیسہ وغیرہ کے علاقوں سنگھ بھوم میں بھی اعلان یہ ہوتا تھا کہ:

"خلقت خدا کی۔ ملک بادشاہ کا ...."[1]

---

[1] CHAUDHURY : Civil Rebellion p. 259

نانا صاحب کی تخت نشینی پر پہلے بہادر شاہ کے اعزاز میں توپیں سر کی جاتی ہیں۔ دیناپور (بہار) اور مدراس کی فوجیں بغاوت کرتی ہیں تو "بادشاہِ دہلی زندہ باد" کے نعرے بلند کرتی ہیں۔[1] الٰہ آباد سے مولوی لیاقت علی دہلی کو رپورٹ بھیجتے ہیں تو کنور سنگھ اپنی سرگرمیوں کا حال بہادر شاہ کو لکھتا ہے۔ بہار میں وارث علی پھانسی کے وقت کہتا ہے:

"کوئی ایسا ہے جو ہمارے مارے جانے کا حال شاہ دہلی تک پہنچا دے۔"

فرخ آباد اور فتح گڑھ کے علاقوں میں نادر علی پھانسی پاتے وقت ہم وطنوں کو پکار کر کہتا ہے ——————

"اپنی تلواریں اُس وقت تک میان میں نہ کرنا جب تک انگریزوں کو نیست و نابود کر کے آزادی حاصل نہ ہو جائے۔"

بمبئی پریسی ڈینسی کی ریاست ستارا کا ایک چپراسی گرفتار ہوتا ہے جو دیسی رجمنٹ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا —————— پھانسی کے تختے سے چلّا کر کہتا ہے ——————

"آج انگریز اُس وقت سے زیادہ مصیبت میں

---

[1] TARACHAND: vol.2 pp.100, 78

ہیں جب وہ اس ملک میں آئے تھے ...... لوگو!
عمل اور حرکت کا وقت آگیا ہے۔ اگر ہندو مسلمانوں
کی اولاد ہو تو بغاوت کرو" [۱]

بنگال کے بارے میں جی بی میلیسن کا چشم دید واقعہ سنیئے:

"وہ بنگالی لوگ جو شاید تلوار کی شکل دیکھ کر بے ہوش
ہو جاتے، بغاوت اور انگریزوں کے قتلِ عام کی خبریں
سُن کر آپس میں چہ می گوئیاں کرتے تھے کہ بہادر شاہ
کی حکومت کے ماتحت ہم میں کون ایسا ہے جو انتظام
سنبھالنے کے لیے مناسب ترین ہو" [۲]

ابھی اور آگے چلیئے ———— آسام میں راجہ سارنگ کا
دیوان منی رام دت جب بغاوت کی خبریں اور بہادر شاہ کی
بادشاہت کا اعلان سُنتا ہے تو بہادر شاہ کی حمایت میں بغاوت
کی تحریک شروع کرتا ہے اور فوجوں کو خط لکھ کر بغاوت پر آمادہ
کرتا ہے۔ [۳]

---

[۱] Foreign Sec. Consultation 634, September 25, 1857
Freedom Str. UP vol.1 p. 362 SEN: 409

[۲] MALLESON: Indian Mutiny (1891) p. 408

[۳] BARPUJARI (H.K.): Assam in the Days of East India Company

حیدرآباد میں انقلابی جذبات بیدار ہوتے ہیں تو اشتہارات میں یہ عبارت نظر آتی ہے۔

"بیچ رمضان المبارک کے دہلی پر تروار (تلوار) چلی اور سوائے اس کے دس جائے ہتھیار چلا مگر ابھی تک ریاست میں دکھن کے ڈھیل ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دہلی کا تخت آباد ہونا ریاست والوں کو منظور نہیں۔"

لکھنؤ میں برجیس قدر کی تخت نشینی ہوتی ہے تو اگرچہ اودھ کے نوابان اپنے آپ کو آزاد تصور کر چکے تھے اور سابقہ خطاب 'وزیر اودھ' کی بجائے 'شاہ' کا لقب اختیار کر لیا تھا مگر انقلابی فوجی افسروں کی طرف سے جو شرائط رکھی جاتی ہیں اُن میں یہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ دہلی سے جو احکام صادر ہونگے اُن کی تعمیل کی جائے گی۔

۲۔ برجیس قدر کا لقب وہ ہوگا جو بہادر شاہ تجویز کریں۔

یہ تجاویز پیش کرنے والے فوجی افسروں میں رسالدار امراؤ سنگھ۔ شہاب الدین۔ رگھوناتھ سنگھ۔ مخدوم بخش۔ بیپال سنگھ۔ راج مند تیواری۔ برکات احمد وغیرہ شامل تھے۔ یہ

شرائط تحریری شکل میں تھیں، بے لال سنگھ نے پڑھ کر سنائیں اور منظور کی گئیں۔

اے ایل سری واستوا نے وسط ہند کے علاقوں پر تحقیق کے بعد جو کتاب لکھی اُس میں صاف طور پر بیان کیا ہے کہ وسط ہند راجپوتانہ وغیرہ کے تمام علاقوں میں یہ اعلان کیا جاتا تھا:

"خلقِ خدا۔ ملکِ بادشاہ۔ حکمِ سپاہ" [1]

پورے ملک میں چپاتیوں کی تقسیم اور کنول کی گردش جسے تقریباً تمام انگریز موٴرخوں نے عوام کے لیے اشارہ تسلیم کیا، قومی اور عوامی نوعیت کا بلکہ خفیہ تنظیم کا بھی ثبوت ہے۔ میلیسن نے تو ذاتی طور پر تیس سال بعد تفتیش کر کے یہ بھی پتہ لگالیا کہ یہ مولانا احمد اللہ شاہؒ نے شروع کی تھیں۔ اس کا بیان ہے کہ خفیہ تنظیم کی ایگزیکیوٹو کونسل (مجلسِ عمل) بنائی گئی جس کے جلسے ۱۸۵۷ء کے ابتدائی مہینوں میں ہوئے اور بغاوت کی تاریخ دو مرتبہ مقرر کی گئی۔

بغاوت کی ہمہ گیری اور وسعت کے علاوہ رہنماؤں کی نقل و حرکت اور دور دراز کے سفر بھی بغاوت کے اس پہلو کو سامنے لاتے ہیں۔ علاوہ ازیں عورتوں کا جوش و خروش اسکی

---

[1] SRIVASTAVA : Revolt of 1857 in Central India p. 233

SHOWER: Missing Chapter p. 93

نوعیت کو سمجھنے کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ رانی جھانسی یا بیگم حضرت محل وغیرہ تو حکمرانوں کی صف میں ہیں اگرچہ اُن کے کردار بھی تاریخ کے لیے فخر و ناز کا سرمایہ ہیں لیکن عام عورتوں میں لکھنؤ کی بیگمات کا یہ واقعہ قابل غور ہے جو 'ٹائمز' کے نامہ نگار رسل نے پیش کیا ہے کہ جب اُن سے انگریز افسروں نے پوچھا کہ کیا تم نہیں سمجھتیں کہ یہ شورش ہماری فتح پر ختم ہو گئی ؟ ———

——— تو اُن کا جواب تھا کہ ———

"نہیں۔ بلکہ ہمیں یقین ہے کہ آئندہ ایک نہ ایک دن تمہیں ضرور شکست ہو گی"

قومی غیرت اور خود داری کی عکاسی اِن الفاظ سے زیادہ اور کہاں ہو سکتی ہے ؟ ——— صرف یہی نہیں، واقعات بے شمار ہیں۔ لکھنؤ ہی کی اُس بڑھیا کو دیکھئے جو بارود میں آگ لگانے کے لیے ایک بمبو کو سُلگا رہی ہے اور جس کا میجنڈی نے تذکرہ کیا ہے۔ سکندر باغ کی جنگ میں نہ صرف عورتیں شامل ہیں بلکہ ایک نوجوان لڑکی پیپل کے درخت سے انگریز افسروں کو نشانہ بناتی ہے جبکہ جنگ ختم ہو کر لاشوں کا فرش بچھ چکا ہے۔ دہلی کی جواں ہمت بڑھیا گھوڑے پر سوار ہے اور لوگوں کو جہاد کے لیے پکارتی ہے خود سب سے آگے رہ کر بار بار جنگ کرتی ہے، زخمی ہو کر گرفتار ہوتی ہے اور انگریز افسر اپنی خط و کتابت

میں اسے ہندوستان کی "جون آف آرک" کا خطاب دیتے ہیں۔ کانپور کی عزیزن کا واقعہ بھی یاد کر لیجئے۔

بریلی میں خان بہادر خاں کو پھانسی کے لیے لایا جاتا ہے اور سوال کیا جاتا ہے کہ "تم نے ہمارا نمک کھایا، پھر یہ غدّاری کیوں کی؟

______ جواب شروع اِن الفاظ سے ہوتا ہے :

"تم نے ہمارا آبائی ملک چھین لیا تھا ...."

ایک لمبی تقریر اور بحث کے بعد خان بہادر خان کہتے ہیں کہ "اب دیر لگانا کیا ضروری ہے" اور یہ شعر پڑھتے ہیں :

بہ جرمِ کلمۂ حق می کُشند غوغائیست
ز مرگ زندگیم می شود تماشائیست

منیر شکوہ آبادی نے نوابانِ فرخ آباد کے پھانسی پانے پر شعر کہے :

"دونوں شہیدِ راہِ خدا آہ ہائے ہائے"

خدا کی راہ میں مقتول ہو کے آخر کار
گئے جہاں سے وہ سُوئے روضۂ رضوان

علمائے نے جو تقریریں کیں وہ محفوظ نہیں۔ صرف مولوی سرفراز علی کی تقریر انگریزوں کی تحریروں میں ملتی ہے۔ مولوی موصوف تحریک ولی اللٰہی کے علماء میں شامل ہیں، بغاوت کی سازش

میں ہمہ تن شریک تھے اور اس مقصد کے لیے دورے کر رہے تھے۔ چنانچہ یکم مئی ۱۸۵۷ء کو مولوی مظہر کریم کے گھر (شاہ جہاں پور) ایک خفیہ میٹنگ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہماری تحریک تمام ملک میں پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ حاضرین میں نظام علی خاں۔ قدرت علی۔ ستیل سنگھ۔ عبدالرؤف خاں۔ دولت رائے۔ کالکا پرشاد۔ گھنشام سنگھ۔ منگل خاں وغیرہ تھے ــــــ مولوی سرفراز علی نے کہا:

"......کیا اِن فرنگیوں کو مزید ہمارا مالک بنا رہنا چاہیے؟ ــــــ قسم ہے پیغمبرؐ کی انھیں ہمارے وطن کو ناپاک کرنے کی اور زیادہ مہلت نہیں دی جا سکتی۔ میں یہاں اس کے طور طریقے تجویز کرنے کے لیے آیا ہوں۔ ......سوچو کہ انھوں نے اس ملک پر قبضہ کرنے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کیے......یہ ہندوستانی سپاہ تھی جس نے ان کے لیے یہ ملک فتح کیا اور علیؑ کی تلوار کی قسم یہی حربہ اب انھیں تباہ کرنے کے لیے استعمال ہوگا......کیا تم بھول گئے کہ ہمارے جری اور بہادر ہم وطنوں نے کس طرح انگریزوں کو مالا بار، وسط ہند، کابل اور پنجاب میں بار بار شکستیں دیں اور انشاءاللہ ایسا اب پھر ہوگا..................

اے بھائیو! ——— ہمارا دین خطرے میں ہے۔
وطن کی آزادی اور اقتدار کھو دینے کے بعد اب کیا
ہم اپنے دین دھرم سے بھی محروم ہو جائیں گے؟" لہ

خان بہادر خاں کے ایک اعلان کے الفاظ ———

"...... کیا اُنھوں نے ہمارے ملک کے علاقوں
اور حکومتوں کو نہیں نگل لیا ہے؟ کس نے ناگپور کی
حکومت چھینی؟۔ کس نے لکھنؤ کا راج ہضم کیا؟ ———
کس نے ہندو مسلمان کے مذہب کو روند ڈالا؟ ———
——— ہندوستان سے ان فرنگیوں کا نشان اپنے
خون کے دھاروں سے مٹا دو" ٢ لہ

نانا صاحب کا ایک اعلان ———

"انگریز اس ملک میں سوداگری کے لیے آئے اور
پھر فریب کاریوں اور سازشوں سے ہندو مسلمانوں کی
حکومتوں کے مالک بن بیٹھے .... ظلم فریب

لہ CHAUDHURY : Theories of Indian Mutiny p.31

Civil Rebellion pp. 25-26

٢ لہ KAYE: vol. V p. 290 SARKAR: 177-178

CHAUDHURY: Theories... p. 30

اور ناانصافیاں انھوں نے اس ملک کے باشندوں کے ساتھ روا رکھی ہیں۔ مجھے خدا کی طرف سے ان کافروں کی سرزنش کے لیے مقرر کیا گیا ہے تاکہ میں انھیں تباہ و برباد کردوں اور اپنے وطن کو بچاؤں"۔ لہ

موجودہ دور کے مؤرخوں میں ایس بی چودھری کا اندازہ یہ ہے کہ "کوئی بھی مؤرخ جو پوری طرح اس تمام مواد اور مآخذ کا جائزہ لے، اس بات سے اختلاف نہیں کرسکتا کہ بغاوت نے آزادی اور دیش بھگتی کے سلگتے جذبات میں آگ لگا دی"۔ ڈاکٹر سرنیدرناتھ سین کو اقرار ہے کہ "میرٹھ کے باغیوں نے جب اپنے آپ کو بہادر شاہ کے سامنے پیش کیا اور جاگیرداروں اور عوام کے ایک طبقے نے اس کی حمایت کا اعلان کیا تو تحریک نے جلد ہی عوامی بغاوت کی شکل اور سیاسی رنگ اختیار کرلیا۔ اس طرح جو تحریک مذہبی جنگ کی صورت میں شروع ہوئی، آزادی کی جنگ پر ختم ہوئی کیونکہ اب اس امر میں خفیف سا شبہ بھی باقی نہیں کہ باغیوں کا مقصد اجنبی اقتدار سے آزادی حاصل کرکے پرانا نظام قائم کرنا تھا جس کا جائز نمائندہ بہادر شاہ تھا"۔ ۲ لہ

لہ 1. Source Material for History of Freedom Movement 253-254 Bombay Govt. Records quoted by Chaudhury in Theories of IndianMutiny pp. 30-34

۲ لہ 2. SEN: p. 411

مسٹر ایس ایم گھوش سکریٹری فریڈم ہسٹری بورڈ کی تقریر (۱۶ دسمبر ۱۹۵۳ء):

"جو حالات فراہم کیے گئے اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اچانک یا الگ تھلگ واقعہ نہیں تھا بلکہ ملک بھر کے لیڈر ملک کو آزاد کرانے کے لیے یک جا ہو گئے تھے غیر ملکی حکمرانوں کو نکالنے کی یہ پہلی منظم کوشش تھی۔ تحریک کا مقصد یہ تھا کہ سارے ملک کو آزاد کر کے ایک خود مختار حکومت قائم کی جائے جس کا حاکمِ اعلیٰ بہادر شاہ ہو" [1]

مسٹر اے۔ ایل سری واستو کا خیال ہے کہ:

"بغاوت عوام کی ناراضگی اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔ انگریز مؤرخوں نے اعتراف کیا ہے کہ بغاوت نے برطانوی حکومت کی جڑ بنیاد ہلا کر رکھ دی ...... باغی فوجوں کے ساتھ عملی طور پر عوام کے ہر طبقے کی مدد اور تعاون شامل تھا .... خفیہ طور پر جو پلان بنایا گیا وہ کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکا مگر ایسا پلان موجود ضرور تھا" [2]

---

[1] خورشید رضوی: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۴۸-۴۷

[2] سری واستوا: وسط ہند میں ۱۸۵۷ء (انگریزی) ۲۵-۲۴، ۲۲۳

جذبۂ قومیت اور وطنیت کے احساس کا اظہار اور ثبوت اگر ابھی باقی ہے تو سی ایف اینڈریوز سے یہ حالات سنئے جو خود اس کے ساتھ پیش آئے ــــــــــــ

"اگرچہ برطانوی حکومت کو چُپ چاپ مان لیا گیا تھا تاہم اس کی تہہ میں غیر ملکیوں کی ماتحتی کا ذلّت آمیز جذبہ ہمیشہ شدّت سے محسوس ہوتا رہا......... یہ جذبہ کبھی کُلیتہً محو نہیں ہوا۔ غیر ملکی ہمیشہ غیر ملکی رہا۔"

اپنے ایک دوست کے بارے میں کہتا ہے:

"وہ خود بھی تھوڑی دیر پہلے اس سرکاری تقریب (دربار) سے واپس آئے تھے......... اپنی رُوح کی بے چینی میں اُنھوں نے مجھ سے صاف کہہ دیا کہ "اوہ ــــ! میں نے آج اس شاہی حال میں ایک غیر ملکی کے سامنے اپنے آپ کو جھکا کر اپنی سخت تذلیل کی ہے" ــــ اُن کا سر جُھک گیا......... اُن کی حالت یہ تھی کہ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے اُن کی رُوح کی عمیق ترین گہرائی سے ٹھنڈی آہ نکلی۔" [1]

بغاوت کے رہنماؤں نے پورے ملک میں دورے کیے، پوسٹر

---

[1] اینڈریوز (سی ایف): ذکا اللہ دہلوی مترجم ضیا الدین

شائع کیے، سازشوں اور خفیہ تنظیموں کے جال بچھا دیئے چنانچہ مدارس میں جنوری ۱۸۵۷ء میں ایک پوسٹر نکلا جس کے بارے میں خیال ہے کہ مولانا احمد اللہ نے شائع کیا۔ ملاحظہ ہو ـــــــ

"برادرانِ وطن اور مذہب کے خیر خواہو ! ـــــ اٹھو۔ اٹھو۔ متحد ہو کر اٹھو۔ فرنگیوں کو وطن سے نکالنے کے لیے اٹھو جنہوں نے انصاف کو روند ڈالا اور ہمارا ملک چھین لیا ہے .... ایک ہی علاج ہے کہ ہندوستان کو فرنگیوں کے ظلم و ستم سے آزاد کیا جائے اُن سے خوں ریز جنگ کی جائے ـــــــ یہ آزادی کے لیے جہاد ہوگا ـــــــ یہ انصاف اور حق کے لیے جنگ ہے" لہ

جن انگریز مؤرخوں نے صحیح طریقے سے تمام مواد اور مآخذ کا جائزہ لیا ہے وہ ایک خاص نتیجے پر پہنچنے کے لیے مجبور نظر آتے ہیں۔ ایف ایچ فشر نے نتیجہ نکالا ہے کہ "بغاوت کو فوجی شورش قرار دینا مشکل ہی سے صحیح مانا جا سکتا ہے" ۲ہ۔ متھرا کا مجسٹریٹ تھارن ہل

---

1. BALL (C··): Vol.1 pp. 39-40

لہ SAVARKAR: pp. 88-89 Chaudhury : Theories... P. 31;

۲ہ فشر گزیٹیر جس کا مراد آباد کے حالات میں حوالہ دیا گیا ص ۱۶۲

اعتراف کرتا ہے کہ یہ صرف فوجی شورش نہیں بلکہ عوامی بغاوت تھی۔[1] بدایوں کا مجسٹریٹ صاف الفاظ میں کہتا ہے کہ "یہاں کی پوری آبادی بغاوت پر کمربستہ تھی"۔ ہومز کا اندازہ ہے کہ پورا رُوہیلکھنڈ بغاوت کی لپیٹ میں تھا۔ ولیم کے نے لکھا ہے کہ "تقریباً تمام بندیل کھنڈ نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے تھے"۔ وسط ہند کے بارے میں کیننگ نے لکھا کہ "وسط ہند ہاتھ سے گیا جسے از سرِ نو فتح کرنا ہوگا" ۔۔۔۔۔۔ ای۔ اے سیمول کمشنر پٹنہ نے بنگال گورنمنٹ کے سکریٹری کو ایک خط (۲۵ ستمبر ۱۸۵۸ء) میں 'عظیم ہندوستانی بغاوت' کہا اور لکھا کہ:

"شاہ آباد میں یہ قومی بغاوت کی پوری شان رکھتی تھی"۔[2]

جون ولیم کے اعتراف کرتا ہے کہ:

"نہ صرف گنگا پار بلکہ دونوں دریاؤں کے درمیانی علاقوں میں بھی دیہاتی عوام نے بغاوت کی اور تھوڑے ہی عرصے میں شاید ہی کوئی ہندو یا مسلمان ایسا بچا ہو جو ہمارے خلاف کھڑا نہ ہو گیا تھا"۔ (جلد ۲ ص ۱۹۵)

---

1. CHAUDHURY; Civil Rebellion p. 287 ؎۱
2. DUTTA : Freedom Movement in Bihar p. 10 ؎۲

بنجامن ڈسیریلی انگلینڈ پارلیمنٹ میں یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ:
"یہ عظیم قومی بغاوت ہے۔ فوجی شورش نہیں"
(تقریر ۲۷ر جولائی ۱۸۵۷ء ہاؤس آف کامنز لندن)
بورڈ آف کنٹرول کے چیرمین الینرو نے لکھا:
"ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ان حالات میں اودھ کی جدوجہد کی حیثیت ایک جائز جنگ کی ہے بہ نسبت بغاوت کے۔"
جوسٹن میکارتھی کی رائے تھی کہ:
"ہندوستان کے وسیع و عریض علاقوں میں یہ ہندوستانی نسلوں کی بغاوت تھی انگریزی اقتدار کے خلاف۔ یہ کسی طرح بھی فوجی بغاوت نہیں بلکہ انگریزوں کے خلاف فوجی بے چینیوں، قومی تنفر، مذہبی تعصبات کا ملا جلا مرکب تھی۔ دیسی حکمراں، سپاہی، ہندو مسلمان سب ہی ان کے خلاف کھڑے ہو گئے تھے۔" [۱]
چارلس بال کا تجزیہ
"تحریک نے اب ایک اہم رخ اختیار کر لیا اور پوری قوم کی بغاوت بن گئی۔" (جلد ۱۔ ص ۶۴۴-۶۴۲)

---

[۱] 1. Mc CARTHY (Justin): Short History of Our Times p. 170

الگزنیڈر ڈف نے اسے عوامی جدوجہد، قرار دیا اور اس نظریئے پر طویل بحث کی ہے [1] پادری ریوکینڈی کے بیان کے مطابق :

"بغاوت نے بیشتر معاملات میں ذاتی مفاد اور سابق آقاؤں سے وفاداری کے جذبات کو فنا کر دیا۔ ایسے حالات میں حکومت کا وفادار رہنے کی تہمت ناقابل برداشت تھی۔ یہ سب جانتے ہیں کہ جو چند سپاہی ہماری ملازمت میں ڈٹے رہے اُن کو نہ صرف اُن کے ساتھی بلکہ ذات برادری کے لوگ بھی برادری سے خارج تصوّر کرتے ہیں۔ وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں کو جانے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ نہ صرف لعن طعن کی جائے گی اور برادرانہ عنایات سے محروم رکھا جائے گا بلکہ اُن کی جان کے بھی لالے پڑ جائیں گے۔" [2]

کیا یہ اس بات کی قطعی شہادت نہیں کہ بغاوت قومی بنیادوں پر تھی۔ ؟ ریوکینڈی نے یہ بھی بتایا ہے کہ ؛

"اگر اُن ہندوستانی افسروں کی فہرست تیار کی جائے جو بغاوت میں شامل ہوئے تو یہ تمام افسروں

---

1. DUFF: Letters of India. Pp. 482-483 [1]

2. SAVARKAR: p. 281 [2]

کی فہرست ہوگی۔ سوائے چند کے "۔ ؎۱

اکثر اضلاع کی جو رپوٹیں وہاں کے مجسٹریٹوں نے بھیجیں اُن سے بھی یہ تصدیق ہوتی ہے۔ مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں تیرسیٹھ ۶۳ باغی سرکاری ملازمین کی فہرست ہے اُن میں منصف اور ڈپٹی کلکٹر سے لے کر مہدیو چپراسی فوجداری اور سینل چند سپاہی تک شامل ہیں۔ بجنور کے ملازمین کی فہرست "تاریخ سرکشی بجنور" میں دی گئی ہے جس میں رام سروپ جمعدار جیسے ادنیٰ ملازمین بھی ہیں۔ کانپور کے مجسٹریٹ جے ڈبلو شیرر نے ۳ / جنوری ۱۸۵۹ء کو کانپور کے بارے میں لکھا تھا کہ :

"ہندوستانی عملے کی غداری کا بھی بے شک ضلع میں بہت برا اثر پڑا۔ کلکٹر کی سرکردگی میں سب ہی آدمی چپکے سے باغیوں سے مل گئے "۔ ؎۲

جے ڈبلو پنکنے نے ۲۰ / نومبر ۱۸۵۸ء کو جھانسی کے متعلق بھی اسی طرح کی رپورٹ دی۔ کمشنر ایف ولیم نے ۱۵ / نومبر ۵۸ء کو شمالی مغربی صوبجات کے گورنمنٹ سکریٹری ولیم میور کو سہارن پور سے لکھا تھا کہ "پولس نے کامل غفلت اختیار کی اور ٹس سے مس نہ ہوئی۔ ایسا لگتا تھا کہ گویا انھوں نے لوگوں کے ساتھ سمجھوتہ

؎۱ 1. SAVARKAR: p. 281

KENNEDY (J>): Great Indian Mutiny. P. 43

؎۲ 2. Narrative of Events, Kanpur No. 68

کر لیا ہے"۔[1]

ریڈ پمفلٹ میں ہے کہ:

"تمام اودھ ہمارے خلاف برسر پیکار تھا۔ نہ صرف باقاعدہ فوجیں بلکہ بادشاہ کی فوج کے ساٹھ ہزار جوان، زمیندار اور اُن کے نوکر چاکر......... اُن پنشن خواروں نے بھی جو ہمارے ملازم رہے تھے ہماری مخالفت کا اعلان کر دیا تھا اور اُن کا ایک ایک آدمی بغاوت میں شریک ہوگیا"۔[2]

عوام میں انگریز دشمنی کے جذبات کا مظاہرہ جگہ جگہ نظر آتا ہے مثلاً فرانسیسی عورت ہورلسٹ انگلیسی نے اپنی سرگذشت میں بتایا ہے کہ کلکتہ۔ بمبئی اور مدراس کے خطوں سے علم ہوا کہ ہندوستان میں عنقریب ایک بڑی شورش برپا ہونے والی ہے۔ مائیں اپنے بچوں سے دعا کراتی تھیں کہ فرنگی جڑ بنیاد سے غارت ہو جائیں[3]۔ مسز انگلیسی کا بیان ہے کہ:

---

1. Narrative of Events, Meerutt No. 406 (Symposium edited by Joshi) ۱؎
2. SAVARKAR: p. 260 ۲؎

۳؎ مسز آلڈول کی گواہی مقدمہ بہادر شاہ

"یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو مندروں میں دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانیہ (مغلیہ) کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو.......... اُن کی ہر ادا بتاتی تھی کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں.......... یہ لوگ ہم انگریزوں کے تسلط سے ایسے دل تنگ اور انگریزی حکومت سے اس قدر نالاں تھے کہ مارِ سیاہ (سانپ) کی طرح بل کھاتے تھے۔ اُن کی کوئی بات طنز سے خالی نہ ہوتی تھی"[1]

دکھنی پنڈت عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہے تھے دکھن کے برہمنوں نے کالپی سے ایک اعلان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ "اگر اس موقع پر ہم سب ایک ہو جائیں تو تو یہ دیوتا مہادیو کی خوشی کا باعث ہوگا اور دھرم کا بچاؤ ہو سکے گا۔ ہمیں امید ہے کہ وہ تمام لوگ جو سولہ اور بتیس[32] سال کے درمیان عمر کے ہوں اور تلوار چلا سکتے ہیں، فوجوں میں اپنے سپاہی بھیجیں گے"[2]

جبل پور کے راجہ شنکر شاہ اور رگھو ناتھ شاہ کی قیام گاہ پر چھاپہ مارا گیا تو دوسرے باغیانہ کاغذات کے علاوہ ایک دعا،

۱؎ عاصی (ظفر حسن) مترجم: ایامِ غدر ۱۲-۸ (یعنی سرگزشت مسز انگلیسی)

۲؎ 2. Foreign Spl. 651 (Freedom Str. UP vol. 3 p. 356

SRIVASTAV: p.33

برآمد ہوئی جو مندروں میں پڑھی جاتی ہوگی یہ دعا، 'ٹائمز' لندن
۳۱ر اکتوبر ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی ترجمہ یہ ہے!

"اے سنگھار کھا۔ (دشمنوں کو برباد کرنے والی)
انگریزوں کو مار دے نیست و نابود کردے دشمنوں کو بچکر نہ نکلنے دے
اور نہ ایسوں کی بیویاں اور بچے..........
.... دھرم کی پکار سن..........
دیر نہ کر۔ اب انھیں کھا جا ________
اور وہ بھی جلد ہی"[1]

کانپور کے برہمنوں نے تمام قرب وجوار کے علاقوں میں بغاوت کی آگ لگا دی تھی۔ بنارس اور پٹنہ پنڈتوں اور علماء کے مرکز ہونے کی وجہ سے انتہائی خطرناک علاقے تھے۔

باغی عوام اور رہنماؤں نے جو پامردی اور استقلال کی مثالیں قائم کی ہیں انکے بارے میں خود انگریزوں کی زبانی یہ الفاظ ملتے ہیں کہ اُن کا انداز کسی بلند مقصد کے شایانِ شان تھا۔ مثلاً لی گرانڈ جیکب نے بیان کیا ہے کہ کولہاپور میں جب باغیوں کو توپوں سے اڑایا جا رہا تھا تو اُس نے جاں بخشی کی پیش کش کی بشرطیکہ وہ اپنے ساتھیوں کے نام بتا دیں ________

---

[1] Freedom Str. UP vol.3 pp. 136-137

SAVARKAR : p.503 BALL: vol.2 p. 144

وہ ناکام رہا۔

گرانڈ جیکب نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب باغیوں کو توپ سے اڑایا جا رہا تھا تو اُن میں سے ایک ایسا تھا جو صرف زخمی ہوا لیکن اس کے باوجود وہ فخر کے ساتھ سینہ تان کر دوسرے راؤنڈ کے لیے توپ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ یہ دیکھ کر جیکب اُس کے قریب گیا اور کہا کہ "مجھے تم پر رحم آتا ہے شاید دھوکہ دے کر تمہیں بغاوت میں پھنسا دیا گیا ہے اگر تم سرکار کی مدد کرو اور باغی سرداروں کے نام بتا دو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے" ——— لیکن یہ زخمی شخص اپنے زخم کی تکلیف سے جُھکا، خاموش رہا، میری طرف تُرش رُوئی اور حقارت سے دیکھا اور برملا کہا "میں نے جو کیا ٹھیک کیا" یہ کہہ کر اُس نے مُنہ پھیر لیا اور دلیری سے توپ کے سامنے سیدھا کھڑا ہوگیا۔ [1]

شولا پور کے راجہ وینکٹا پا نائک کو بغاوت کے جرم میں حیدر آباد سے گرفتار کیا گیا۔ ایک انگریز میڈوز ٹیلر نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب اُس نے راجہ سے سازش کی تفصیل اور باغی سرداروں کے نام پوچھنا چاہا اور اس شرط پر جان بخشی کا یقین دلایا تو راجہ نے صاف انکار کیا اور کہا کہ "میں دوسروں کی

---

[1] 1. JACOB: Western India. SAVARKAR: 500-501

بھیک پر بزدلوں کی طرح جینا نہیں چاہتا۔" لیکن ٹیلر ایک بار پھر اُس کے پاس گیا اور اُسے بہلا پھسلا کر پوچھنا چاہا تو راجہ کا جواب سُنیئے :

"کیا ___ ؟ ___ جب میں موت کے مُنہ میں جانے کو تیار ہوں، دغا کر کے اپنے ملک والوں کے نام ظاہر کر دوں ؟ ___ نہیں نہیں ___ پھانسی کے پھندے تو پوں کے دہانے یا کالا پانی کوئی چیز بھی اس قدر ہولناک نہیں جتنی کہ غدّاری اور دغا بازی ___ ...... میں چور ڈاکو نہیں ہوں اس لیے یہ درخواست کرنا ہے کہ مجھے پھانسی نہ دو بلکہ توپ سے اُڑا دو اور تم دیکھنا کہ میں کس قدر استقلال اور خاموشی سے توپ کے سامنے کھڑا ہو جاؤں گا۔" [1]

مولانا پیر علی کو جب پھانسی دی جانے لگی تو وہ مسکرا کر اس کی طرف بڑھے۔ صرف اُس وقت آنکھیں ڈبڈبائیں جب انھوں نے اپنے عزیز بیٹے کا نام لیا۔ فوراً ہی ایک انگریز افسر نے ان کے جذبات کا فائدہ اُٹھا کر کہا کہ "پیر علی تم اب بھی بچ سکتے ہو اگر سازش کے دوسرے لوگوں کا نام بتا دو" ___ پیر علی نے خاموشی سے انگریز افسر کی طرف مُنہ پھیرا، ہمت اور شرافت سے بھر پور

---

[1] 1. TAYLOR: Story of My Life, Freedom Struggle in Hyderabad v.2 p. 98

لہجے میں کہا

"زندگی میں ایسے موقع بھی آتے ہیں جب جان بچانے کی تمنا ہوتی ہے لیکن کچھ ایسے لمحے بھی ہوتے ہیں جن میں جان قربان کرنا ہی سب سے بڑی نیکی اور خواہش ہوتی ہے۔ یہ لمحہ اُنہی میں سے ایک ہے کہ جب موت کو گلے لگانا ابدی زندگی پانا ہے .... تم مجھے پھانسی دے سکتے ہو لیکن ہمارے اصولوں کو نہیں مار سکتے۔ میں اگر مر بھی گیا تو میرے خون سے ہزاروں ایسے پیدا ہونگے اور تمہاری حکومت کو برباد کردیں گے۔"

بدایوں کے مولوی رضی اللہ پر بغاوت میں حصّہ لینے پر مقدمہ چلایا گیا۔ حُسن اتفاق سے جج آپ کا شاگرد رہ چکا تھا اور چاہتا تھا کہ جُرم سے انکار کردیں مگر جب بے باکی سے ہر بار "جُرم" کا اقبال کیا تو سزائے موت کا حکم سنانا پڑا۔ جب سزا کے لیے پیش ہوئے تو اُسے کہنا ہی پڑا کہ اگر اب بھی جرم سے انکار کردیں تو جان بچا دوں۔

مولوی رضی اللہ نے غضبناک ہو کر کہا

"کیا تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور عاقبت خراب کرلوں؟"[1]

اس طرح کی سیکڑوں مثالیں ہیں جہاں انقلابی عوام اور رہنماؤں

[1] طفیل احمد: مسلمانوں کا روشن مستقبل بحوالہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مؤلفہ خورشید رضوی ص ۶۲

نے ۱۸۵۷ء کی تاریخ کے صفحات کو رنگین کر کے اپنے وطن کا سر بلند کیا ہے۔ اودھ میں میر محمد حسن اور خیر الدین کی خط وکتابت میں یہ رنگ صاف کھلتا نظر آتا ہے۔ مورخ گبنس نے تو مثالیں دی ہیں کہ زمینداروں اور تعلقہ واروں مثلاً راجہ نواب علی اور راجہ گورنجش سنگھ کو لالچ دیکر توڑنے کی کوشش کی گئی مگر ناکامی ہوئی۔ ہنومنت سنگھ کا واقعہ اودھ کے حالات میں ملے گا۔ اُس نے کہا کہ میں نے آپ کی جان بچانے میں مدد کی مگر آپ نے ہمارا ملک چھین لیا ہے اس لیے اب میں شاہ اودھ کی طرف سے آپ کو ملک سے نکالنے کی جدوجہد میں حصّہ لوں گا۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ چارلس بال بھی اقرار کرتا ہے کہ لالچ دینے سے کام نہیں چلا[۱] پارلیمنٹ لندن کے کاغذات سے عیاں ہوتا ہے کہ کم از کم ستر مقامی تعلقہ دار محمد حسن کے ساتھ تھے جن میں رانیاں مثلاً ڈگمبری کنوزا اور رانی امورہا وغیرہ بھی تھیں روہیل کھنڈ میں پرگنہ کرور، موضع کھیرہ، شیوگڈھ اور نگریا کے ٹھاکروں نے خان بہادر خاں کی حمایت کا اعلان کیا۔

سہارن پور میں (انگریزی رپورٹوں کے مطابق) دیہاتی اور شہری عوام عزم واستقلال کا مظاہرہ کر رہے تھے اسی طرح علی گڈھ

---

[۱] BALL: vo.2 p. 597 CHAUDHURY : Civil Rebellion p.293

میں غوث محمد خاں کی کمان میں عوام پانچ چھ ہزار تھے اور یہ ایک دلیرانہ جنگ تھی (۲۴ راگست ۱۸۵۷ء)۔ اعظم گڈھ وغیرہ کے حکام کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صورت حال کس قدر خطرناک تھی جو ہزارہا عوام کی شرکت سے پیدا ہوئی۔[1] ضلع مرادآباد کے بارے میں انگریز حکام کی خط وکتابت میں جو سرسید نے اپنی کتاب "خیر خواہ مسلمانانِ ہند" (حصہ دوم) میں نقل کی ہے، اس ضلع کو "دغاباز اور مصیبت خیز علاقہ" کہا گیا ہے یہ الفاظ بغاوت کے عوامی رنگ پر دلالت کرتے ہیں۔ گزٹیئر میں لکھا گیا کہ "ضلع کے مسلمانوں نے من حیث القوم انگریز دشمنی کے جذبات ظاہر کیے،، امروہہ جیسی چھوٹی سی بستی کے بارے میں عدالتوں کے انگریز حکام کے یہ فیصلے ہیں کہ "سوائے امروہہ کے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں انگریزی اقتدار کے خلاف اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا ہو"۔[2]

ہنری ویلیس ڈنلپ نے اپنے ذاتی مشاہدے میں لکھا ہے کہ مظفر نگر کا پورا علاقہ سخت بغاوت کی لپیٹ میں تھا جہاں بڑی تعداد میں شہری و دیہاتی عوام شریک تھے مسلمان، مادی جاٹ، دھولانہ اور سولانہ کے راجپوت اور تمام گوجر قبیلے کھلی بغاوت میں شریک

---

[1] 1. CHAUDHURY: Civil Rebellion p. 45

[2] عباسی: تاریخ امروہہ ۸۲ — ۸۰

تھے۔[۱]

اجیت مل (اٹاوہ) کی جنگ (مارچ ۱۸۵۸ء) میں دیہاتی عوام کثیر تعداد میں تھے۔ کانپور کی جنگوں میں تمام قبیلے مثلاً گور۔ چوہان۔ پوار چندیلہ۔ پلی ولاّ وغیرہ نے حصہ لیا۔[۲] شاہ جہاں پور میں جب اپریل ۵۸ء میں مولانا احمد اللہؒ نے جنرل ہیل کی فوج کو گھیرا تو خفیہ سرکاری رپورٹ ہے کہ ہر گھر پر مورچہ بندی کا عالم تھا۔ اودھ کے لیے تو کئی مؤرخوں نے اعتراف کیا ہے۔ مثلاً میکلا ئڈ اِنس کہتا ہے:

"کم از کم اودھ کی جدوجہد کو تو جنگ آزادی کہنا پڑیگا"[۳]

گورنر جنرل کے نام کورٹ آف ڈائرکٹرز کی خفیہ کمیٹی کے خط (۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء) میں لکھا گیا کہ "اودھ کی معرکہ آرائیاں جائز جنگ کی حیثیت رکھتی ہیں"[۴]

جون ولیم کے اور الگزینڈر رڈف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اودھ میں عوامی بغاوت کا سامنا تھا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ اودھ میں یہ جنگ آزادی تھی اور باقی صوبوں میں نہیں، تو اسے نہ عقل تسلیم

---

1. DUNLOP (W): Service with ...119, 121, 67, 57 — ۱
2. CHAUDHURY: Theories pp. 156-157 — ۲
3. INNES (M): quoted by Savarkar p. 357 — ۳
4. MAJUMDAR: p. 224 TARACHAND: vol.2 p. 41 — ۴

کرے گی نہ تاریخ۔ میرٹھ کے کمشنر ایف ولیم نے بغاوت کی عوامی نوعیت کا اعتراف کیا ہے۔ [1] کیپٹن ہیریسن وغیرہ کے بیانات بہار میں عوامی نوعیت پر گواہ ہیں۔ رابرٹسن نے دیوبند کے عوام کے مقابلے بیان کیے ہیں اسی طرح متھرا۔ غازی پور۔ الہ آباد۔ باندا۔ جالون۔ جھانسی اور کئی دوسرے علاقوں کے عوام کا دلیرانہ کردار تمام سرکاری کاغذات اور پارلیمنٹ لندن میں پیش کردہ رپورٹوں سے عیاں ہے۔ پالامئو بہار اور دکھنی علاقوں کے حالات عوام کے جوش و خروش کی داستانیں سناتے ہیں اور انگریزی حکام نے "قومی بغاوت" سے تعبیر کیا ہے۔

بغاوت کے اسی انداز و کردار نے انصاف پسند انگریزوں کو بھی جھنجوڑ دیا۔ برطانیہ کے ایک شاعر اور ادیب ارنسٹ جونس نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے تہلکہ برپا کیا۔ اپنے اخبار "پیپلز پیپر" (یکم اگست ۱۸۵۷ء) میں لکھا۔

> "بغاوت نے قومی جنگ کی شکل اختیار کرلی ہے..
> ... یہ عوامی جنگ ہے۔ ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں عوام کی اتنی کثیر تعداد نے حصہ نہیں لیا.... ہماری رائے ہے کہ ہندوستان کی آزادی کو تسلیم کر لیا جائے"[2]

---

[1] 1. CHAUDHURY: Civil Rebellion p. 276

[2] 2. JOSHI: Symposium Ed.

[3] خورشید (رضوی): جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۵۲۷

'لندن ٹائمز' کے نامہ نگار ولیم رسل کا بیان ہے کہ:
"اجنبی حکومت کا جُوا اتار پھینکنے، ہندوستانی حکمرانوں کا اقتدار بحال کرنے اور ملکی مذہبوں کا پورا غلبہ قائم کرنے کی جنگ، امید کی جنگ اور قومی عزم کی جنگ تھی"۔ [1]

'ریڈ پمفلٹ' میں اعتراف کیا گیا ہے کہ:
"ابتدا کے وقت بظاہر صرف فوجی بغاوت تھی لیکن تیزی سے اس کا کردار تبدیل ہوا اور قومی بغاوت بن گئی"۔ [2]

قومی اتحاد کا جو مظاہرہ ہوا اُس کا ایک اندازہ تو فارسٹ کے الفاظ میں کیجئے کہ اُس سے زیادہ شاید ہی کسی نے تمام ریکارڈ کا جائزہ لیا ہو:
"بغاوت مورخوں اور انتظامیہ (ایڈمنسٹریشن) کو جو سبق دے گئی اُن میں سب سے زیادہ اہم یہ وارننگ ہے کہ آئندہ یہ ممکن ہے کہ کسی انقلاب کے موقع پر برہمن اور شودر اور ہندو مسلمان ہمارے خلاف متحد ہو جائیں"۔ [3]

---

1. RUSSEL: My Diary p. 164 — ص ل
2. Freedom Str. UP vol.4 p.3-4
3. BALL: vol.1 pp. 644-645 CHAUDHURY: Theories of. p.144 FORREST: Selections vol. II p. 150

پی ہارڈی کا اندازہ ہے کہ:

"۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں کو یقین تھا کہ ہندوستان سے اُن کا نکالا جانا ــــــــ جو کہ ناممکن نہیں ــــــ صرف دو مذہبی گروہوں ہندو اور مسلمان کے اتحاد پر ممکن ہوگا اور اسی لیے اُنھوں نے اِن گروہوں کے اختلاف اور ضد کو بڑھا کر برقرار رکھا تاکہ اس اختلاف میں ایک تیسرے غیر جانب دار ایمپائر (جج) کی ضرورت پیدا ہو یعنی برٹش حکومت کی۔ کیونکہ تشدّد پسند مسلمانوں سے براہ راست اُلجھنا گویا ۱۸۵۷ء کو دوبارہ دہرانے کی دعوت دینا تھا۔ اسی نظریئے سے بعد کے مورّخوں مثلاً جیمس مِل اور مونسٹورات الفنسٹن اور ایلیٹ وغیرہ نے قلم اٹھایا" [۱]

(ہنری ایلیٹ نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر اُس کی کتاب شائع کر دی جائے تو ہندوستان کی تمام آئندہ قومی تحریکیں سرد پڑ جائیں گی [۲])

میرٹھ میں اپریل ۵۷ء میں ہی گورنر جنرل کیننگ بڑا پُر امید

---

[۱] 1. HARDY (P): Muslims of British India p. 79

[۲] خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ ۴۵-۴۲

تھا کہ نمبر ۱۹ دیسی رجمنٹ کے ہتھیار لینے پر ہی ہندو مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جائیگا۔

(Canning to Vernon Smith, 9th April 1857 quoted by Hardy in Muslims of British India p. 89).

بغاوت شروع ہونے کے بعد کول وِن (گورنر شمالی مغربی صوبجات) کو پورا یقین تھا کہ آہستہ آہستہ ہندو ہم سے پشیمانی کا اظہار کریں گے (الگ ہو جائینگے) ^۱^ مگر جب یہ نہ ہوا تو جگہ جگہ کوشش کی گئی کہ دونوں میں افتراق پیدا کیا جائے۔ روہیلکھنڈ کے ہندوؤں کو خان بہادر خاں کے خلاف اُکسانے کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے اور کیپٹن گوان کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا لیکن یہ کوشش ناکام ہوئی جارج کو پر سکریٹری چیف کمشنر اودھ کے خط کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو جو سکریٹری حکومت ہند کو یکم دسمبر ۱۸۵۷ء کو لکھا گیا :

"یہ سلسلہ مکتوب چیف کمشنر بنام گورنر جنرل موجہ ۱۴ ستمبر جس میں انھوں نے پچاس ہزار روپے کی رقم بریلی کی ہندو آبادی کو مسلمان باغیوں کے خلاف آمادۂ پیکار کرنے پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے .... یہ کوشش ناکام رہی اور اس کو ترک کر دیا گیا" ^۲^

---

۱ 1. Canning Papers quoted by Hardy p. 89

۲ نظامی (خلیق احمد): ۱۸۵۷ء کا روزنامچہ ۲۳ دہلی ۲۵۲

ہارڈی: مسلمز آف انڈیا ۶۶ HARDY: Muslims of India. P.66

کیپٹن گوان نے اپنے خط مورخہ ۱۴ ر نومبر ۵۷ء میں اپنی ناکامی کا اعتراف کیا۔ بدایوں کے مجسٹریٹ ولیم ایڈورڈس نے لکھا ہے کہ "مسلمانوں نے ہندوؤں پر ظلم شروع کردیا ہے اور ٹھاکر ہندوؤں کو جمع کررہا ہے تاکہ وہ ظالموں کو سزادیں اگر ایسا ہوا تو انگریزوں کو روہیل کھنڈ میں واپس آنے کا موقعہ مل جائیگا"۔ ۱؎

کول وِن نے ہیولاک کو بڑی حسرت سے لکھا :

"دہلی میں ہندو مسلمانوں کا جذبہ اور جوش قابلِ دید تھا جس کے تحت متحد ہو کر جدوجہد کی گئی"۔

(چودھری ۲۸۲)

پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے گورنمنٹ کو لکھا کہ "پیر علی کے مکان سے جو خط برآمد ہوئے اُن میں ظاہر کیا گیا تھا کہ سازش کو بروئے کار لانے کے لئے تمام لوگوں کو بلا لحاظ مذہب و ملّت متحد ہونا ہے"۔ ایچیسن نے اعتراف کیا کہ "اس موقع پر ہم مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف آلۂ کار نہ بنا سکے"۔ ۲؎ جون ولیم کے نے بھی اس اتحاد کا حیرت سے اعتراف کیا ہے۔

۱؎ 1.EDWARDS: Personal Adventure p. 146-147

۲؎ 2. AITCHESON ©: Lord Lawrence p. 77

MEHTA (Ashok): Great Rebellion p. 42

بمبئی سے نکلنے والے انگریزی اخبار "پنجابی" کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"اس میں شک نہیں کہ موجودہ جنگ مذہبی نہیں ہے ..... تمام باشندگانِ ہند کی یہ کوشش ہے کہ اجنبی اور غیر ملکی محکومی سے آزادی حاصل کریں۔" (۱۱ جولائی ۱۸۵۷ء)

اسی اخبار کی ۲۷ جولائی کی اشاعت میں لکھا تھا:

"اگر مسلمان تیموری خاندان کی حکومت کی بحالی کے لیے مضطرب ہیں تو یہ حیرت انگیز نہیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ ہر ذات کے ہندو بھی اسی طرف دوڑے جا رہے ہیں .... ہندو اس مقصد کی تکمیل کے لیے گویا وقف ہو گئے ہیں۔" [1]

ہنری ویلیس ڈنلپ نے اپنے چشم دید مشاہدات میں لکھا ہے کہ جب بریلی برگیڈ کی فوجیں بخت خاں کی سرکردگی میں دہلی جاتے ہوئے گجروٹے پر مقیم تھیں تو انگریزوں نے ایک مسلمان اور ایک سکھ (تمن سنگھ) کو بھیجا تا کہ سکھ کمپنیوں کو اُن سے الگ کر دیں۔ تمن سنگھ نے فقیر کا بھیس بدلکر یہ کام کرنا چاہا مگر باغیوں کو پتہ چل گیا اور اُسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا مسلمان ساتھی نصیر خاں، جو نمبر ۹

---

[1] مہر (غلام رسول): ۱۸۵۷ء ص ۲۵۸

بے قاعدہ سوار رجمنٹ کا تھا، باغیوں کے ساتھ دہلی گیا۔ ۱؎
محمد حسن کی فوج (گورکھپور) میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ایک رپورٹ تھی کہ راجہ بنسی کا رشتے دار اس میں کامیاب ہوا ہے۔ ۲؎

بجنور میں انگریزوں کو کچھ 'وفادار' مل گئے جنہوں نے انگریزوں سے خط وکتابت کی اور ہندو چودھریوں کو انگریزوں نے خط لکھ لکھ کر بھڑکایا آخر کار اِن وفاداروں نے جن میں ایک تو "سب سے بڑے وفادار" تھے چودھریوں سے نواب محمود کا تنازعہ کرا دیا۔ انگریزوں کے کچھ خط "تاریخ سرکشی بجنور" (مولفہ سرسید) میں بھی نقل ہیں جن میں ہندوؤں کو بھڑکایا گیا ہے۔

دہلی میں بقر عید کے موقع (یکم اگست ۵۷ء) پر فساد کرانے کا پلان بنایا گیا تھا جس پر بعض انگریزوں کی یادداشتیں مثلاً کیتھ ینگ کے خطوط سے روشنی پڑتی ہے اُس نے ایک خط میں لکھا تھا کہ "بظاہر کل شہر میں زبردست فساد کے لیے ہماری امیدیں پوری نہیں ہوسکیں" ۳؎ دہلی میں فساد کی کوشش مئی ۱۸۵۷ء کے ایک واقعے سے بھی سامنے آتی ہے جب ایک شخص محمد سعید نے

۱؎ 1. DUNLOP: Services with ... pp. 50-51

۲؎ 2. Freedom Str.UP vol.4 p-328

۳؎ رضوی (خورشید): جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۱۹۱

جامع مسجد میں ہندوؤں کے خلاف جھنڈا کھڑا کیا تو بہادر شاہ نے دربار میں کہا کہ "میری نظر میں ہند و مسلمان ایک ہیں اور یہ جہاد انگریزوں کے خلاف ہے"۔ اس بیان کے لیے ایک رسالہ "بساط غدر" سے چند اشعار دلچسپی کا موجب ہونگے۔ یہ رسالہ منشی گنیشی لال نے آگرے سے ۱۸۶۲ء میں نکالا تھا اور اپنے چشم دید واقعات نظم میں بیان کیے ہیں۔ بہادر شاہ کے لیے عقیدت مندانہ انداز قابل غور ہے۔ چند شعر دیکھئے! [1]

اتنے میں کہا کسی نے شہ سے	پلٹن ہندی کے ڈاکٹر نے
ہیں شہر میں جس قدر مسلمان	اون سب کے ساتھ ہو کے اس آن
جامع مسجد کے پاس جا کے	بیہودہ بہت سا غل مچا کے
گاڑا جو محمدی ہے جھنڈا	دل سب کا ہوا ہے اس سے ٹھنڈا
یہ سنتے ہی وہاں پہ تھے وہ جو جو	کہلا بھیجا یہ شہ نے اونکو

. . . .

صدر الدین خاں جو مولوی تھے	سمجھانے کو پھر گئے تھے اونکے

. . . .

آیا وہ سعید ڈاکٹر بھی	جس کی طینت بگڑ رہی تھی
فرمانے لگے پھر اس سے سلطاں	ہیں جتنے کہ ہندو و مسلماں

---

[1] بساطِ غدر۔ جولائی اگست ۱۸۶۲ء ص ۱۲۲

نزدیک ہمارے ہیں برابر — توڑو جھنڈے کو جلد جا کر
پھر جتنے تھے فوج کے وہ افسر — حاضر ہوئے پیش شاہ آکر
دربار میں کی اونہوں نے فریاد — کہ اے رونق بخشِ مسندِ داد
موجود ہیں جتنے یہاں مسلمان — اب اونکو لگا ہوا ہے شیطان
یہ گفتگو سن کے افسروں کی — یوں کی سلطان نے تسلّی
ہرگز نہ کرو خیال اس کا — انگریزوں کے برخلاف تھا وہ جھنڈا

(ان اشعار میں محمد سعید کو پلٹن ہندی کا ڈاکٹر بتایا گیا ہے بعض جگہ انھیں 'مولوی' لکھا ہے۔)

پی ہارڈی نے اعتراف کیا ہے کہ سرجیمس اوٹرم روہیل کھنڈ کے ہندوؤں کو خاں بہادر خاں کے خلاف آمادۂ جنگ کرنے کی کوشش میں ناکام ہوا۔ [1] کے سی یادو نے اپنی کتاب "ہریانہ کی بغاوت" (انگریزی) میں ایک پورا باب ہندو مسلم اتحاد پر لکھا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ اتحاد ہریانہ کی قدیم روایات اور رواداری کے جذبات کی بنا پر تھا اور بغاوت کے دوران ہر جگہ نمایاں رہا۔ وہ لکھتے ہیں :

"عوام کے سامنے ایک مشترک مقصد کا حصول تھا یعنی غیر ملکی اقتدار سے چھٹکارا اور اس کی جگہ ہندوستانی

---

1. HARDY : Muslims of British India p. 66 [1]

حکومت کا قیام جس کا حاکم اعلا بہادر شاہ ہو۔۔۔۔ کیا یہ ٹھوس منصوبہ اور مشترک مقصد کی لگن اس بغاوت کو قومی آزادی کی جدوجہد کا رنگ دینے کے تمام عناصر نہیں رکھتی ہے"۔ ۱ے

ٹائمز کے نامہ نگار کا خیال تھا کہ :
"بغاوت کی تہہ میں مذہبی تعصبات نہیں بلکہ جذبۂ آزادی اور غیر ملکی اقتدار کو ختم کرنے کے احساسات نے عوام کو حصہ لینے پر آمادہ کیا"۔ ۲ے

اودھ کے تعلقہ داروں اور عوام نے جس جوش وخروش کا مظاہرہ کیا وہ اِن صفحات میں ہماری نظر سے گذرے گا۔ اِن تعلقہ داروں نے جو کردار پیش کیا وہ یقیناً کسی عظیم مقصد کے شایان شان نظر آتا ہے۔ گورنر جنرل کیننگ نے اوٹرم کے نام طویل خط میں واضح طور پر لکھا تھا کہ "یہ مثالیں بالکل صاف ظاہر کرتی ہیں کہ ان زمینداروں اور راجوں کی بغاوت کا سبب صرف اُن کا ذاتی نقصان نہیں"۔

تحریک ۱۸۵۷ء پر انگریزوں کے مزید تاثرات اور ناکامی کے اسباب وغیرہ کی بحث ہم اس کتاب کی دوسری جلد میں کریں گے۔ یہاں تحریک ولی اللہی کے بارے میں کچھ وضاحت کے بعد ماٰخذ کا جائزہ لیں گے۔ اس تحریک پر بہار کے حالات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ (جلد ۲)۔

ے۱ 1. YADAV (K.C): Revolt of 1857 in Haryana p. 136

ے۲ 2. CHAUDHURY: Civil Rebellion p. 290

بعض مؤرخوں کا خیال ہے کہ تحریک ولی اللّٰہی کے رہنماؤں نے بغاوت میں حصہ نہیں لیا اور وہ ہندوؤں سے تعاون پسند نہیں کرتے تھے۔ اس نظریئے کی تردید کے لیے سرکاری یادداشتیں اور ریکارڈ کافی ثبوت بہم کرتے ہیں۔ جہاد کی پیہم صدائیں، فرنگیوں کے خلاف فتوے اور منظم طے شدہ اسکیمیں اُن کے کردار اور عمل کو سامنے لاتی ہیں۔ اسی زُمرے کے راہنما حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۸۲۴ء / ۱۲۳۹ھ) نے ایک فتوے میں کہا تھا کہ:

"دریں شہر .... (یعنی یہاں انگریزوں کا حکم بلا دغدغہ اور بے دھڑک جاری ہے ..... ہندوستانیوں کو اُن کے بارے میں کوئی دخل نہیں ...... وہ بے تکلف مسجدوں کو مسمار کرتے ہیں اور عوام کی شہری آزادی ختم ہو چکی ہے"۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اسطرح غیر ملکی اقتدار کے خلاف ببانگِ دہل آزادی کا اعلان کیا۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے دولت راؤ سندھیا کے مدارالمہام ہندو راؤ کو سرحد کے مرکزِ جہاد سے ایک خط میں لکھا تھا:

"بیگانگانِ بعیدالوطن ملوکِ زمین و زماں گردیدہ و تاجرانِ متاع فروش بہ پایۂ سلطنت رسیدہ ......

---

[1] فتاویٰ عزیزیہ ج ۱ ص ۱۷، ہارڈی: مسلمز آف برٹش انڈیا۔ ۵۱

وقتے کہ میدانِ ہندوستان از بیگانگاں و دشمناں
خالی گردیدہ و نیز سعی ایشاں بہ حدفِ مراد رسید
آئندہ مناصب ریاست و سیاست بر طالبین
آں مسلّم باد و بیخ شوکت و سطوتِ ایشاں محکم شود"

ترجمہ: "جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی سمندر پار کے
رہنے والے دنیا جہان کے تاجدار اور سودا بیچنے والے
سلطنت کے مالک بن گئے ہیں..... مجبوراً چند
غریب اور بے سرو سامان کمر ہمّت باندھ کر کھڑے
ہو گئے ..... جس وقت ہندوستان اِن غیر
ملکیوں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری
کوششیں بار آور ہو گئیں تو حکومت کے عہدے اور
منصب اُن لوگوں کو ملیں گے جن کو اِن کی طلب
ہو گی اور اُن کی شوکت اور سطوت کی بنیاد مضبوط
ہو جائے گی"[1]

تحریک ۱۸۵۷ء کے دوران ملک کے گوشے گوشے میں اِن علماء نے

---

[1] غلام رسول مہر: جماعت مجاہدین جلد ۳ ص ۱۴–۱۳
حسین احمد مدنی (مولانا): نقشِ حیات جلد ۲ ص ۱۳
خلیق احمد نظامی: ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ۱۲–۱۱

بغاوت کی رہنمائی کی، بے غرض اور بے لوث انداز سے سربکف ہو کر جہاد کا رنگ بھرا ہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بھی فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ انگریزوں کو وطن سے نکالیں" ڈاکٹر تارا چند نے اس فتوے کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ انھوں نے کانگریس کے قیام پر مسلمانوں کو اُس سے تعاون کا مشورہ دیا لیکن مولانا مکمل آزادی کی تمنا رکھتے تھے جبکہ کانگریس اس راہ پر نہیں آئی تھی اس لیے اُس میں شامل نہیں ہوئے [1]

جامع مسجد دہلی میں جو جہاد کا فتویٰ مرتب ہوا وہ دہلی کے حالات میں نظر سے گزرے گا۔ یہ فتویٰ تمام ملک میں تقسیم کیا گیا اور اس کا جو اثر پڑا وہ بھی اگرچہ دھندلا سا مگر سرکاری ریکارڈ وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ ایک شخص نے اپنا ساز و سامان بیچ کر اس راہ میں قربان کیا۔ بہت لوگوں نے زندگی بھر کا پیشہ ترک کر کے جنگ میں شرکت کی جس کو وہ جہاد سمجھتے تھے۔

بخت خاں جب مع فوج کے بریلی سے دہلی روانہ ہوتا ہے تو مولوی سرفراز علی (امیر المجاہدین) اور متعدد علماء مع اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہیں اور راہ میں کتنے ہی مجاہدین مراد آباد امروہہ رجب پور وغیرہ سے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ مراد آباد کے متعدد لوگ ہیں جن کے بارے

---

[1] تارا چند: فریڈم موومینٹ جلد ۲ ص ۳۸۵—۳۸۴
(TARA CHAND: Freedom Movement vol.II pp. 384-385)

میں سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ "ہمراہ تحفہ کے دہلی گیا" مولوی نعمت اللہ کا ذکر ایس بی چودھری نے بھی کیا ہے اور مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں لکھا ہے کہ:

"دہلی میں بمقابلہ سرکار مارا گیا"

ایسی ہزارہا مثالیں ہیں جن میں اکثر منظر عام پر نہیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں یا اس سے پہلے اور بعد تک بھی ایک ایسی تنظیم تھی جس کی پشت پر منظم پلان تھا ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے لکھا ہے کہ بڑے ذہین اور دولت مند اشخاص اس سازش میں حصہ لے رہے تھے۔ ۱۸۵۱ء میں ہی پنجاب میں یہ "وہابی" انگریزوں کا تختہ الٹنے کے لیے فوجوں سے نامہ و پیام کر رہے تھے۔ جنوبی بنگال کے ضلع مالدہ میں ۱۸۵۳ء میں سازش کا سراغ لگنے پر باغیانہ خطوط پکڑے گئے جہاں مولوی عبدالرحمٰن لکھنوی بغاوت کی تلقین اور جہاد کے لیے روپیہ جمع کر رہے تھے ۱۸۵۲ء میں نمبر ۴ نیٹو انفینٹری سے رابطہ قائم ہونے کا راز کھلا تو پٹنہ کے مجسٹریٹ نے تحقیقات کا حکم دیا بنگال کے ہر ضلعے میں اس قسم کے مرکز موجود تھے۔ ہنٹر کہتا ہے کہ:

"مسلمانانِ ہند اب بھی، بہت عرصہ پہلے سے بھی ہندوستان کی انگریزی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہیں" [۱]

---

[۱] ہنٹر: ہمارے ہندوستانی مسلمان (ترجمہ) ص ۱۸، ۱۱۶، ۱۱۹، ۲۱، ۲۰

۱۸۵۰ء سے ۵۷ء تک اور بعد میں بھی سرحدی قبیلوں کو انگریزوں کے خلاف کمربستہ کرنے کی کوششیں اسی تنظیم کے ذریعے ہوئیں جس کی بدولت حکومت کو سولہ[16] مرتبہ جنگ مول لینا پڑی۔ ۵۷ء میں بھی سرحدی مرکز نے دہلی اور لکھنؤ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ۱۸۳۸-۳۹ء میں دکن میں ان کی سرگرمیاں اور مبارز الدولہ کی بغاوت اسی تحریک کا حصہ ہیں۔ اس تحریک نے پورے ملک میں جو تنظیم اور جذبہ پیدا کیا اس کی مثال تاریخ ہند میں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے یہ حالات بھی بیان کیے ہیں کہ ہزاروں مسلمان اپنی ملازمتوں سے اس لیے چھٹی لیا کرتے تھے کہ سرحد جا کر آزادی وطن کے لیے جہاد کریں۔ بغاوت ۵۷ء میں بھی تحریک کے تمام مرکزوں نے سرگرمی دکھائی۔ خصوصاً پٹنہ جو سب سے بڑا مرکز تھا، نہایت خطرناک ثابت ہوا جہاں دیگر علماء کے علاوہ، جو جون ۵۷ء میں نظر بند کر دیئے گئے، مولانا پیر علی خفیہ طور پر کام کر رہے تھے، دیسی فوجوں اور کنور سنگھ سے خط و کتابت کر رہے تھے۔ جس کی تفصیلات اپنی جگہ پر نظر سے گزریں گی۔ بغاوت ۵۷ء کے دوران مجاہدین کا رول ثابت ہو جانے کے بعد اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی کہ غیر مسلموں سے ان کے اشتراک کو واضح کیا جائے پھر حضرت سید احمد شہیدؒ کا مذکورہ بالا خط ہی اس کی تردید کے لیے کافی ہے۔

انگریزوں کو ملک سے نکالنے کا جو بے پناہ جذبہ اُن کے قلب د

جگر میں تھا اُس کا اندازہ امروہہ کے ایک بزرگ شاہ سید محمد امین غازی[۱] کی مثنوی "فیروزی نامہ" (قلمی) سے ہو سکتا ہے، دو شعر ملاحظہ ہوں:

ہمی خواستم از درِ کبریا — کہ از ہند بُر قوم بد بے حیا
نصاریٰ دریں ملک گردد تباہ — گرفتارِ و ہم گشتہ و رُوسیاہ

اپنے بیٹے روح الامین کے لیے دعا بھی کرتے ہیں تو یہ کہ ـــــ

مجاہد چنانش کُن اندر غزا — کز وتا رسد بر نصاریٰ سزا

(اُسے جنگ میں ایسا مجاہد بنا دے کہ وہ انگریزوں کو سزا دے)

معروف تاریخ داں ڈاکٹر کے ایم اشرف نے تحریک ولی اللّٰہی کے موضوع پر پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ہی وہابی تحریک کے رہنما شمالی ہند میں اپنی تنظیم کا جال بچھا چکے تھے اور علاقائی خلیفہ اور معتبر کارکن مقرر کر چکے تھے۔ ۱۸۳۲ء میں اُنھوں نے حیدرآباد میسور اور وسطی ہند، راجپوتانہ کی ریاستوں مثلاً بھوپال، ٹونک، جے پور وغیرہ میں رابطہ قائم کر لیا تھا۔ چھاؤنیوں اور دیسی سپاہ کی فوجی کمیٹیوں

---

[۱] شاہ محمد امین غازیؒ امروہہ کے معروف بزرگ حضرت مخدوم سید ابنِ بدرِ چشتیؒ کی اولاد میں تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے سید احمد شہیدؒ کے ساتھ جہاد میں بھی حصہ لیا اور ۱۸۵۷ء میں بھی۔ (۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ ص ۲۶۴)
"تذکرۂ بدرِ چشتؒ" از خورشید رضوی و جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ ۴۷۲

میں اُن کا اثر و رسوخ ۱۸۴۰ء سے ہی ظاہر تھا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ۱۸۵۷ء تک وہابیوں نے ایک ملک گیر سیاسی تنظیم قائم کر لی تھی اور اسی تنظیم اور جذبات نے وہ بنیاد فراہم کی جس نے بخت خاں اور دوسرے 'وہابی' رہنماؤں کو حکومتیں سنبھالنے میں مدد دی۔

ویلور کی بغاوت (۱۸۰۶ء) کے بعد فوجیوں کی غیر سرکاری انجمنوں کا قیام فوجی زندگی کی عام خصوصیت تھی ان انجمنوں نے ۱۸۴۰-۴۹ء کے دوران پنجاب اور صوبہ سرحد کے 'وہابی' رہنماؤں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کر لی تھی۔ جنہوں نے خفیہ کارندوں اور خانقاہوں کا سلسلہ قائم کر کے سازش کا طریقہ کار تیار کر لیا تھا۔ ان رابطوں سے فوجیوں کی منتخب کمیٹیاں وجود میں آئیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کی حکومت سنبھالی۔ سرحدی مرکز نے دہلی اور لکھنؤ کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور ملک گیر بغاوت کو منظم کرنے کی کوشش کی چنانچہ سوات کے حکمران اخوند نے سرحد اور پنجاب کی دیسی سپاہ کے ساتھ راہ و رسم پیدا کی جس کی وجہ سے سڈنی کاٹن کو مع فوج سرحد کی طرف کوچ کرنا پڑا اور ۱۸۶۳ء یعنی ستانہ کی تباہی تک بیس فوجی مہمات کرنا پڑیں [1] ہر پرشاد چٹو پادھیا کی تحقیق کے بموجب:

> "وہابیوں کے عقائد اور اُن کی رہنمائی کا بھی مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف کھڑا کر دینے میں بڑا حصہ رہا..."

---

[1] انقلاب ۱۸۵۷ء ترجمہ: سمپوزیم مرتبہ پی سی جوشی۔ مضمون ڈاکٹر اشرف ۹۵-۱۰۱

اس خفیہ تنظیم کے ایجنٹ جگہ جگہ مقرر تھے اور ان
کو تنخواہیں دی جاتی تھیں"۔[1]

ڈاکٹر تارا چند کا خیال ہے کہ:

"یہ تحریک۔ برطانوی اقتدار کے لیے سب سے زیادہ
زبردست چیلنج تھی...... سید احمد شہید کی تحریک نے
مسلمانوں میں آزادئ وطن کی تمناؤں کو دوام بخشا اور
ان مولویوں نے انگریزوں کے خلاف تمام تحریکوں کو
بھرپور تعاون دیا یعنی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو"[2]

بغاوت کی آگ بجھادی گئی مگر تحریک ولی اللہی کی مشعل فروزاں ہی رہی اس کے سرغنہ سرحد سے برابر انگریزوں پر حملے کرتے رہے۔ ایک انگریز جو 'وہابی' کیس میں انکوائری کے لیے مقرر کیا گیا، تحقیق کے بعد کہتا ہے کہ "گو پٹنہ کے مولویوں نے ۱۸۵۷ء میں کوئی نمایاں رول ادا نہیں کیا، ان کے ذہن میں کچھ اور پلان تھے۔ انھیں ستانا (سرحد) کے وہابیوں کی طرف سے دعوت دی گئی تھی کہ وہ سرحد آکر انگریزوں پر حملہ کریں"[3] چنانچہ سرحد پر روپیہ اور آدمی پورے ملک سے برابر

---

1. CHATTOPADHYAYA: Sepoy Mutiny pp. 103, 115, 117 — [1]
2. TARACHAND: vol.2 p. 23-30 — [2]
3. HARDY: p. 82 — [3] ہارڈی: ص ۸۲

فراہم کیے جا رہے تھے جس کی وجہ سے برطانوی حکومت نے مختلف مرکزوں کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ تفتیش، انکوائری، جاسوسی سب کچھ کیا گیا۔ طویل مقدمات کا سلسلہ چلا تو ۶۵-۱۸۶۴ء میں پٹنہ اور انبالہ کے مقدمات کے بعد بے شمار رہنما انڈمان بھیجے گئے۔ ۱۸۶۸ء میں پھر گرفتاریاں ہوئیں اور بنگال سے اٹھائیس سرغنہ قید کیے گئے۔ ۱۸۷۱ء میں پچاس رہنما گرفتار کیے گئے۔ مقدمات کا سلسلہ پھر مالدہ۔ راج محل اور پٹنہ میں شروع ہوا (۱۸۷۱ء) اور سزائیں ہوئیں۔

اس تحریک نے عوام اور خصوصاً مسلمانوں میں جو جذبات پیدا کر دیئے، بڑی حد تک انھیں کا اثر یہ تھا کہ اکثر انگریز مورّخ اور مبصر لفظ "مسلمان" کو 'باغی' کا ہم معنی سمجھتے تھے۔ تھامس آر مٹکاف نے لکھا ہے کہ "ہندوؤں نے ذات اور دھرم بگڑنے کے خوف سے بغاوت سلگائی مگر اس کے بعد مسلمانوں نے ہوا دی اور پیش پیش ہو گئے۔ ...... یہ انھی کی ساز باز اور رہنمائی تھی جس نے سپاہ کے غدر کو ایک ایسی سیاسی سازش میں تبدیل کر دیا جس کا مقصد برٹش راج کا خاتمہ تھا"[1] چارلس ریکس کلکٹر آگرہ نے بھی اپنی کتاب میں یہی خیال ظاہر کیا ہے کہ "مسلمان انگریزوں کے کھلے دشمن ہیں" (نوٹ آن دی رِولٹ ۱۵۹ —

---

1. METCALF (Thomas R): Aftermath of the Revolt. P.298 ـلہ

HARDY pp. 62-63

پی ہارڈی نے تمام اہم ریکارڈ کی بنیاد پر اندازہ کیا ہے کہ روہیلکھنڈ کے مسلمانوں نے انگریزی اقتدار کی ابتدا (۱۸۰۱ء) سے ہی سخت بے چینی اور اضطراب ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ ایک انگریز بشپ ہیبر نے ۱۸۲۴ء میں ان علاقوں کا دورہ کر کے اپنے سفرنامے میں کہا تھا کہ:

"اگر مناسب موقع مل جائے تو خاص طور پر مسلمان ہمارے خلاف بغاوت کرنے کو فوراً تیار ہو جائیں گے"

روہیلکھنڈ کے بارے میں کہتا ہے:

"یہاں مسلمان معزز اور سربر آوردہ لوگ کثیر تعداد میں ہیں، حکومت سے سخت نالاں ہیں اور برابر سرکشی اور تشدد کے مظاہرے کرتے رہتے ہیں"۔[1]

ٹائمز کے نامہ نگار ولیم رسل سے سنیئے کہ:

"مسلمان وہ عنصر ہیں جس نے ہمارے لیے سب سے زیادہ مصیبت پیدا کی اور سب سے زیادہ ہماری دشمنی بھڑکائی ہے ... مسلمان ہمارے اقتدار کے لیے بے شک بہت بڑا خطرہ ہیں"۔[2]

---

1. HEBER (Reginalad): Narrative of Journey through Upper Provinces. Vol.2 pp.120,139,393, quoted by Hardy pp. 33-35 [1]

2. My Diary vol.2 pp. 73-74 Hardy p. 70 [2]

پی ہارڈی نے اپنی کتاب (مسلمز آف برٹش انڈیا ص۔ ۱۷) وزیر اعظم پامرسٹن کا ایک خط کیننگ کے کاغذات سے نقل کیا ہے (۹ اکتوبر ۱۸۵۷ء)

" ہر وہ پبلک عمارت جو اسلامی روایات سے وابستہ ہو چکا ہے کتنی ہی قدیم، مقدس اور فن تعمیر کا شاہکار کیوں نہ ہو، مسمار کر دی جائے "، (جامع مسجد دہلی کی طرف اشارہ)۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ تو مسلمانوں نے سیاسی مقاصد کے لیے ہندوؤں کو 'آلۂ کار' بنایا جیسا کہ بعض انگریزوں نے لکھا ہے اور نہ یہ سچ ہے کہ دونوں اپنے اختلافات بھول کر متحد ہو گئے کیونکہ یہ اتحاد کچھ وقتی جوش کا نتیجہ نہیں بلکہ صدیوں کی روایات اور آپس کی قدیم رواداری کے برتاؤ کی بنا پر تھا جس کا چشم دید گواہ بھی ایک انگریز سی ایف اینڈریوز ہے، اپنی کتاب "ذکا اللہ دہلوی" میں کہتا ہے:

" تاہم قدرت کے اس تمام انقلاب میں، خواہ وہ مراہٹوں کے ماتحت ہو خواہ انگریزوں کے ماتحت، دہلی کے لوگ ـــــ ہندو مسلمان یکساں طور پر ـــــــ عقیدت مندانہ وفاداری کے ساتھ مغل شہنشاہوں سے چمٹے رہے۔ اس بارے میں بھی جو جو شہادت مجھے ملی وہ بالکل قطعی تھی۔ انھیں بہادر شاہ کے ساتھ جو محبت تھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی .... ان

(مغل بادشاہوں) کی سب سے بڑی خوبی اُن کی
رواداری کی شریفانہ روایت تھی جسے وہ خصوصیت کے
ساتھ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ برتتے تھے ...... نسل
و مذہب کی بنا پر بہت کم امتیاز روا رکھا جاتا تھا.....
اُن دنوں یہ بات عام تھی کہ دونوں فرقوں کے لوگ ایک
دوسرے کے مذہبی تہواروں میں شرکت کیا کرتے تھے۔
...... مختلف مذہب کے پڑوسیوں کے ساتھ پُر امن
طریقے پر رہنے کا فن بہت بلند سطح پر پہنچ گیا تھا" [1]

اسی اتحاد کو خاک میں ملانے کے لیے منصوبے بنائے گئے جو آخرکار کامیاب ہوئے لیکن بغاوت ختم ہونے کے فوراً ہی بعد بمبئی کے گورنر نے کہا تھا کہ "ایک قدیم رومن اصول یہ ہے کہ پھوٹ ڈال کر حکومت کی جائے اور یہی ہمارا بھی نظریہ ہونا چاہیئے"۔ ایک گورنر جنرل نے برطانوی اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کا منصوبہ تجویز کیا اس نے لکھا تھا:

"میں اس یقین سے غافل نہیں ہو سکتا کہ مسلمان بنیادی
طور پر ہمارے دشمن ہیں اور ہماری پالیسی ہندوؤں کو

---

[1] اینڈ ریوز (سی ایف): ذکا اللہ دہلوی۔ ترجمہ ضیاالدین برنی ۵۶، ۴۶، ۴۴

اپنے ساتھ ملانے پر مبنی ہے" [۱]

لیفٹیننٹ کرنل جون کوک نے جو بغاوت کے زمانے میں مراد آباد کا کمانڈنٹ تھا، لکھا تھا کہ — "ہماری کوشش یہ ہونا چاہیئے کہ یہاں مذہبی فرقوں میں علیحدگی کے جہاں بھی امکانات ہیں انھیں پوری قوت سے زندہ رکھیں نہ کہ انھیں ختم کرائیں۔" [۲] ایک معزز انگریز مصنف جون اسٹریچی نے لکھا تھا:

"ہندوستانی عوام میں، ساتھ ہی ساتھ، مذہب کے اختلافات ہماری سیاسی پوزیشن کے لیے بہت ہی مضبوط بنیاد ہے" [۳]

ایک امریکن مصنف اقرار کرتا ہے کہ:

"انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کے ہندو مسلمانوں میں بہت کم کشیدگی تھی۔ وہ ہر جگہ امن اور میل جول سے رہتے تھے" [۴]

---

۱ 1. SMITH (W.C): Modern Islam in India (1943) pp. 189-190

۲ 2. COUPLAND: Indian Problems pt.I p.35

۳ 3. BASU (B.D): Christian Power in India p.7

۴ 4. SUNDERLAND: India in Bondage pp. 266-267

اس امن و امان اور میل جول کی ایک خاص وجہ تھی جو صدیوں کے رواداری رانہ روابط اور مشترک تہذیب و تمدن کا نتیجہ تھی۔ مسٹر آر۔ این اگروال نے اپنی کتاب "نیشنل موومینٹ" (قومی تحریک ....) میں اس کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"انگریزی راج مسلمانوں سے اس پہلو سے مختلف تھا کہ تیمور اور نادر شاہ وغیرہ نے حملے کیے، لوٹا اور ہندوستان سے چلے گئے۔ مغلوں نے اور اُن سے پہلے بادشاہوں نے یہاں مستقل قیام کیا، ہندوستان کو وطن بنایا، اُس کے مفاد سے اپنے آپ کو وابستہ کیا، ہندوستان پر ہندوستانیوں کی طرح حکومت کی اور ملک کی دولت باہر نہیں گئی۔ وہ غیر ملکی صرف اسی معنی میں تھے جیسے کہ انگلینڈ کے حکمرانوں کو ولیم فاتح کے زمانے سے غیر ملکی کہا جائے۔" [1]

بغاوت کی ناکامی کے اسباب اور اس کی صحیح نوعیت کا جائزہ یہ پوری داستان بیان کرنے کے بعد لیا جائے گا لیکن تاریخی حقائق سے واضح ہے کہ تحریک ولی اللہی کے رہنماؤں نے مسلمانوں میں انگریز دشمنی کے جذبات بیدار کرنے اور آزادیٔ وطن کے لیے سینہ سپر کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔

---

1. AGGARWAL (R.N): National Movement and Constitutional Development pp. 3-4 لہ

مآخذ کا سرسری جائزہ

تحریک ۱۸۵۷ء پر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مواد اس کثرت سے موجود ہے کہ اس کا مختصر جائزہ بھی بڑا دشوار ہے اور ببلوگرافی (کتابیات) کی تکمیل بھی، غیر مطبوعہ مآخذ تو برابر نکلتے رہے ہیں۔

سب سے زیادہ اہم ریکارڈ نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں ہے، جس کی ایک فہرست چھپ بھی چکی ہے۔ ان میں وہ کاغذات بھی ہیں جو لال قلعے سے برآمد ہوئے تھے، علاوہ ازیں محکمۂ خارجہ، داخلہ اور سیاسی کی خفیہ دستاویزات ہیں۔ ملٹری ریکارڈ مطبوعہ ہیں۔ پنجاب گورنمنٹ ریکارڈ جس میں دہلی رزیڈنسی ریکارڈ بھی شامل ہے۔ اہم معلومات کا مجموعہ ہیں اور چار جلدوں میں طبع ہوئے ہیں۔

مختلف صوبوں کے اسٹیٹ آرکائیوز میں مقدمات کی کاروائیاں ہیں اور اضلاع میں محافظ خانۂ کلکٹریٹ میں سرکاری ریکارڈ ہے۔

لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں کارآمد مواد کا ذخیرہ ہے جس میں وہ مواد بھی شامل ہے جو مشہور مؤرخ جون ولیم کیئی (J.W. KAYE) نے استعمال کیا۔ بینی مادھو کے خط ہیں، جو ایک انگریز کو لکھے گئے۔ دہلی کے ایک انگریزی جاسوس کیدار ناتھ کا روزنامچہ ہے۔ منشی منوہر لال کا روزنامچہ ہے جو بریگیڈیر چمبرلین (Chamberlain) کے لیے لکھا گیا، اور بعد میں ولیم کیئی کو ملا: جنرل نیل (Neill) کی ڈائری اور خط و کتابت بھی یہاں محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں مبارک شاہ کوتوال دہلی کا بھی ایک روزنامچہ (قلمی) ہے۔

برٹش میوزیم لندن میں بھی بہت کچھ مواد ہے جس میں سندھ اور پنجاب کی جنگوں سے

متعلق بھی ہے۔ بے شمار ذاتی خطوں کے بنڈل ہیں جو فوجی افسروں کے ہیں۔
مشہور مؤرخ جارج ولیم فارسٹ (G.W. Forrest) کے ____________
کاغذات اور خط دو جلدوں میں ہیں۔ سر ہیوری ہیوروز (H. Hugh Rose) کے کاغذات
خط اور ڈائریاں ہیں۔ لندن کے نیشنل آرمی میوزیم بوڈلین لائبریری اور کیمبرج یونیورسٹی لائبریری وغیرہ میں بھی قیمتی
مواد ہے حیدر آباد اسٹیٹ آرکائیوز میں چند نایاب کتابیں مثلاً حسین بلگرامی کی "مرقع
عبرت" اور "میموئرز آف سالار جنگ" (۱۸۸۳ء) (Memoirs of Salar Jung)
مدد علی کی "ریاض مختاریہ"۔ چراغ علی کی "حیدر آباد انڈر سالار جنگ (Hyderabad
under Salar Jung) چار جلد (۱۸۸۶ء)۔ مہدی علی کی "حیدر آباد افیرز" ۱۲ جلد
(۱۸۸۴ء) وغیرہ ہیں۔ حال ہی میں "فریڈم اسٹرگل اِن حیدر آباد (Freedom Struggle
in Hyderabad)" دو جلدوں میں طبع ہوئی ہے۔
وسط ہند کے حالات پر نیشنل آرکائیوز کے علاوہ دھار اسٹیٹ آرکائیوز میں ڈائریاں
اور روزنامچے ہیں اور "مالوہ اخبار" کے فائل ہیں سینٹرل انڈیا ایجنسی ریکارڈ اندور میں بھی کافی
مواد ہے۔ پنجاب اسٹیٹ آرکائیوز پٹیالہ میں پنجاب اور ہریانہ پر مواد ہے ہریانہ ڈسٹرکٹ ریکارڈ روم وغیرہ میں
سنہ ۵۷ء پر تاریخی نوٹ اور متفرق ریکارڈ میں پھانسی پانے والوں کی فہرست ہے۔
ہم عصر کتابوں میں اہم "ریڈ پمفلٹ" (Red Pamphlet) ہے یہ جی بی میلسین
کی تصنیف ہے۔ اس میں ڈلہوزی (Dalhousie) اور کیننگ (Canning) پر تنقید
کی گئی ہے۔ ایک اور معروف شخص جس نے اپنے احباب۔ اور انگلینڈ کے عوام کو باخبر
رکھنے کا عزم کیا الگزینڈر ڈف (Alexander Duff) ہے۔ جس کے خطوط اخبارات میں اور
پھر کتابی صورت میں چھپے۔ بہت سے انگریزوں کی یادداشتیں اور ڈائریاں، ذاتی
خطوط وغیرہ ماہانہ قسطوں میں "انلس آف انڈین ریبلین (Annals of Indian
Rebellion)" مئی تا نومبر ۱۸۵۹ء میں کلکتے سے شائع ہوئیں، جس سے تاریخی مواد کو

جانچنے میں مدد ملتی ہے۔ ۵۹-۱۸۵۸ء میں بہت سے اہم کام منظر عام پر آئے جن کی پوری فہرست اور تذکرہ بہت دشوار ہے۔ اسی دور میں دہلی گزٹ کے سابق ایڈیٹر کی کتاب "دی انڈین میوٹنی" سامنے آئی۔ ولیم ایڈورڈس مجسٹریٹ بدایوں نے کتابی صورت میں یادداشت لکھی (اردو ترجمہ "مصائب غدر") اور ایک پمفلٹ "واقعات اور تاثرات" (Facts and Reflections of Rebellion) بھی لکھا۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ عوام میں بغاوت سے ہمدردی اور انگریزوں کو اجنبی اور غیر ملکی سمجھنے کا احساس موجود تھا۔ یہ احساسات دیہاتی عوام میں بھی موجود تھے۔ جنھیں قومی جذبات کہا جا سکتا ہے۔ متھرا کے مجسٹریٹ تھارن ہل (Thornhill) نے بھی اپنی یادداشت کتابی صورت میں قلم بند کی۔ ویلیس ڈنلپ (Dunlop) نے اپنے تجربات اور مشاہدات بیان کیے۔ سہارن پور کے رابرٹسن (Robertson) نے بھی مقامی حالات بیان کیے ہیں۔ جن میں ہندوستانیوں سے تعصب آشکار ہوتا ہے۔ پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے کئی پمفلٹ لکھے اور بتایا ہے کہ وہابی علماء جو بغاوت کے دس سال بعد باغیانہ سرگرمیوں میں ماخوذ ہوئے، ۱۸۵۷ء کی سازشوں میں پیش پیش تھے۔ ایک مصنف شیرر (Sherer) نے ریٹائر ہونے کے بعد کتاب لکھی اور فتح پور اور باندہ وغیرہ کے چشم دید حالات تحریر کیے۔ (Daily Life during the Mutiny)

انگریز عورتوں کی بھی بے شمار یادداشتیں ہیں، جن میں غالباً سب سے اہم مسز ہورٹسٹ انگلیسی Mrs Hortestet Inglisi کی سرگزشت ہے۔ جو فرانسیسی نژاد تھی۔ اس کی یادداشت پہلے فارسی اور پھر اردو میں ترجمہ کی گئی۔ (فارسی میں "خانم انگلیسی در بلوائے ہندوستان" اور اردو میں "ایام غدر" مترجم ظفر حسن عاصی امروہوی)۔ اس کتاب میں کانپور کے اصل واقعات بیان کیے ہیں۔ جو انگریزوں کی لکھی ہوئی تاریخوں کی صریحی تردید ہیں۔ اس عورت نے نانا صاحب کو کانپور کے قتل عام سے بری قرار دیا ہے۔ اور ستی چورا گھاٹ پر قتلِ عام کی وجہ بیان کی ہے۔ اس لحاظ سے کتاب

بہت اہم ہے۔[1]

محاصرہ دہلی کی یادداشتوں میں بھی بے شمار کتابیں ہیں جن میں جیسے ڈبلو روٹن۔ کیو براؤن وغیرہ کی یادداشتیں اور خطوط ہیں کیتھ ینگ اور گرتھیڈ (K. Young) کے خطوط کتابی صورت میں چھپے جن سے بعض خفیہ حالات اور کاروائیاں سامنے آتی ہیں۔ ڈبلو ٹی گروم (W.T.Groom) کے خط بھی کتابی صورت میں چھپے (۱۸۹۴ء) جو جنرل ہیولاک (Havelock) کا ماتحت ایک افسر تھا۔ لارڈ رابرٹس (L. Roberts) کے خطوط کا مجموعہ بھی شائع ہوا۔ موبرے تھامسن (M. Thompson) اور شیفرڈ اور ٹریلولیان (Shepherd & Travelyan) نے کتابی صورت میں کانپور کے حالات لکھے ہیں۔ لکھنؤ کے محاصرے کی بھی متعدد یادداشتیں ہیں۔ محصور انگریزوں میں سے دو نے تاریخ بیان کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں مارٹن گبنس Martin Gubbins کی کتاب میوٹینیز ان اودھ (Mutinies in Oudh) (۱۸۵۸ء) اہم کتاب ہے۔ دوسرا مصنف میکلائڈ انس (McLeod Innes) ہے جس نے اودھ کی بغاوت پر اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

جون کیئی (J. Kaye) ایک ایمان دار مورخ کسی حد تک کہا جا سکتا ہے جس نے ہسٹری آف سیپائے وار History of Sepoy War لکھی۔ اسی مورخ نے ایک اور

---

[1] یہ کتاب میرے ذاتی کتب خانے میں تھی اور اپنی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" میں اس کے کئی جگہ حوالے دیئے ہیں۔ ڈاکٹر تارا چند نے میری کتاب دیکھ کر "ایام غدر" طلب فرمائی اور اپنی تصنیف "ہسٹری آف فریڈم موومینٹ" (جلد ۲ ص ۱۰۶-۱۰۵) میں اس کے حوالے سے وہی نقطۂ نظر پیش کیا ہے جو میری تصنیف میں کیا گیا تھا۔

ہسٹری ترتیب دی جسے پورا کرنے کے لیے وہ زندہ نہ رہ سکا، اور یہ کام جی بی میلیسن (G.B. Malleson) نے پورا کیا، مگر وہ غیر جانبدار نہیں رہا۔ ٹی رائس ہومز (T.R. Holmes) نے بہترین تاریخ لکھنے کا دعویٰ کیا۔ مگر غیر جانبداری سے وہ بھی نہ لکھ سکا۔ بعض واقعات کا اُس نے دفاع کرنا چاہا مثلاً چربی والے کارتوسوں کے متعلق وہ قابل یقین شہادت نہیں مانتا جب کہ یہ ثابت ہے کہ وہ گائے اور سور کی چربی سے چکنے کیے گئے تھے۔

ہومز (Holmes) سے زیادہ مقبول کام فٹ چیٹ (W.H. Fitchett) نے کیا ہے۔

جارج فارسٹ ((Forrest)) نے بھی بغاوت پر بہتر کام کیا۔ ایلون وڈ (Elvelynwood) نے فوجی خدمات انجام دی تھیں، اس نے بہت بعد میں متوازن انداز میں لکھا۔

ہندوستانی مصنفوں نے زیادہ تر اپنا دفاع کیا ہے۔ سمبھو چندر مکھو پادھیائے نے ہندوستانیوں کی وفاداری کی مثالیں جمع کی ہیں۔ کشوری چند مترا نے بغاوت، ملٹری تک محدود بتائی۔ سب سے اہم سرسید ہیں جنھوں نے "اسباب بغاوت ہند" اور "خیر خواہ مسلمانانِ ہند" (دو حصہ) لکھی۔ اُنھوں نے بجنور میں انگریزوں کو بچانے اور باغی رہنماؤں کو فریب دینے میں نمایاں حصہ لیا، اُنھوں نے "تاریخ سرکشی بجنور" بھی اپنے نقطۂ نظر سے لکھی۔ "اسباب بغاوت ہند" ایک غیر جانبدارانہ جائزہ ہے، گویا "نو گرجر" سے "تھوڑا سا گلہ" ہے۔ حالی نے اُن کی سوانح حیات "حیات جاوید" میں لکھا ہے کہ ایک دربار کے موقع پر ایک انگریز اُن پر سخت برہم ہوا کہ یہ کتاب ایک باغیانہ فعل ہے، اس پر سرسید نے فرمایا کہ میں نے سب کا پیاں انگریزی ترجمہ کرا کے لندن پارلیمنٹ کے ممبروں کو بھیج دی تھیں یہاں کسی کو نہیں دکھائی ہے۔

دورانِ بغاوت دہلی کے تھانیدار معین الدین حسن اور جیون لال کے روزنامچے انگریزی ترجمہ کر کے تھو فیلس مٹکاف نے شائع کیے۔ معین الدین کی یادداشت کا اصل نسخہ "خدنگ غدر" کے عنوان سے حال ہی میں (۱۹۷۲ء) طبع ہو چکا ہے۔ ایک

بنگالی کلرک نے جو بریلی کیولری رجمنٹ سے منسلک تھا، اپنی یادداشت لکھی جو باغی لیڈروں کے بارے میں مواد مہیا کرتی ہے۔ مہاراشٹر کے ایک برہمن نے، جو بغاوت کے دوران جھانسی میں تھا، چھبیس سال بعد یہ حالات لکھے۔ بجنور کے حالات پر بھی ایک روزنامچہ (قلمی) ہے۔ لکھنے والے کا نام نہیں ہے۔ اور صرف "روزنامچہ غدر متعلق ضلع بجنور" عنوان دیا گیا ہے۔ شروع اس طرح ہوتا ہے:

"جبکہ میرٹھ میں بتاریخ پندرھویں رمضان شریف ۱۲۷۳ھ
مطابق دسویں مئی ۱۸۵۷ء کو فساد ہوا۔ اور جہاں جہاں
اس فساد کی خبر پہنچی مفسدوں کی نیت بگڑنا شروع ہوئی اور
اکثر اضلاع میں غدر ہو گیا........"

یہ روزنامچہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں موجود ہے اور میں ممنون ہوں جناب ضیاالدین انصاری کا جنھوں نے مجھے معلومات فراہم کیں۔ اس روزنامچے میں ۱۷؍ اپریل ۱۸۵۸ء تک حالات درج ہیں۔ علاوہ ازیں ایک روزنامچہ عبداللطیف کا دہلی سے متعلق ہے جسے فارسی سے ترجمہ کر کے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مرتب کیا ہے۔

ہندوستانی مصنفوں میں سب سے بہتر کام ونائک دامودر ساورکر کا ہے جس نے "انڈین وار آف انڈی پینڈینس" (Indian War of Independence) (ہندوستان کی جنگِ آزادی) ۱۹۰۷ء میں لکھی۔ مجموعی طور پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستانی تاریخ کے کسی پہلو پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا ۱۸۵۷ء پر ہے۔ سوانح کو اگر نظر انداز بھی کیا جائے تو یہ تعداد چار سو تک پہنچتی ہے۔

اردو میں کنہیا لال کی "محاربۂ عظیم" (۱۸۸۹ء) اور مکند لال کی "تاریخ بغاوتِ ہند" ہے۔ بعد میں خواجہ حسن نظامی نے چند کتابیں اس موضوع پر شائع کیں۔ ظہیر دہلوی نے چشم دید حالات "داستانِ غدر" لکھے جو اُن کی موت کے بعد ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی۔ فتح محمد

تائب کی مثنوی "تاریخ احمدی" (قلمی) میں مولانا احمد اللہ شاہؒ کے حالات نظم میں بیان کیے گئے۔ فارسی میں ایک مثنوی "فیروزی نامہ" (قلمی) امروہہ کے سید محمد امین غازی کی لکھی ہوئی ہے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی کی عربی تصنیف "الثورۃ الہندیہ" (اردو ترجمہ "باغی ہندوستان" از عبدالشاہد شیروانی) اور مولوی جعفر تھانیسری کی "تاریخ عجیب" (۱۸۵۸ء) بھی اہم کتابیں تھیں۔ پنڈت سندر لال کی "بھارت میں انگریزی راج" (ہندی) بھی نایاب معلومات کا ذخیرہ ہے۔ جس کے ایک حصے کا ترجمہ "سن ستاون" کے عنوان سے اردو میں طبع ہوا ہے۔ عتیق صدیقی کی دو کتابیں اخبارات اور دستاویزات پر ہیں۔

ایک اور مؤرخ آر سی مجمدار (R.C. Majumdar) کی کتاب میں کچھ نئی معلومات ہیں مگر ایک مخصوص زاویۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ بغاوت کو قومی تحریک یا جنگ آزادی کہنے میں تامل کیا ہے۔ یہ بھی اندازہ لگایا ہے کہ بغاوت میں تحریکِ ولی اللہی (وہابی) کے علماء نے حصّہ نہیں لیا اور وہ ہندوؤں سے تعاون پسند نہ کرتے تھے جو کہ واقعات کے آئینے میں بالکل غلط ہے۔ سریندر ناتھ سین (S.N.Sen) نے حکومتِ ہند کے ایما پر متوازن اور اہم ترین کام کیا ہے، لیکن اس سے بھی اہم کام ایس بی چودھری کا ہے، جنھوں نے تمام اہم عصری اصل اور نایاب مواد کی چھان بین کے بعد بغاوت میں عوام کی شرکت اور اس قومی روپ کو نکھارا ہے جو اکثر جگہ اوجھل رہا یا رکھا گیا تھا۔ چودھری کی تین کتابیں اس موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

اودھ پر جو اہم کتابیں ہیں ان میں فارسی کی قلمی کتب میں ظہیر بلگرامی کی "اسرارِ واجدی" لال جی کی "مرآۃ الاودھ" رتن سنگھ زخمی کی "سلطان التواریخ" وغیرہ ہیں۔ اردو میں قلمی کتب "شکوہ فرنگ" اور "افسانۂ لکھنؤ" از سیادت حسن سید جلال الدین "تاریخ آفتاب اودھ" از محمد تقی اور "تاریخ ممتاز" وغیرہ ہیں۔ مطبوعہ کتب میں "بوستان اودھ" از درگا پرشاد۔ "وزیر نامہ" از امیر خاں۔ "احسن التواریخ" از آغا حسن۔ "قیصر التواریخ"

از کمال الدین۔" افضل التواریخ" اور" احسن التواریخ" از رام سہائے تمنا کے علاوہ نجم الغنی کی" تاریخ اودھ" قابل ذکر ہے۔ حال ہی میں جی ڈی بھٹاگر کی انگریزی کتاب "اودھ انڈر واجد علی شاہ" (Oudh under Wajid Ali Shah) سامنے آئی ہے اس کے علاوہ انگریزی میں دو اور کتابیں اودھ میں سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت پر ہیں۔ آر کے مکرجی کی" اودھ اِن رولٹ (Oudh in Revolt) اور جون پیمبل (J. Pemble) کی اسی موضوع پر شائع ہوئی ہیں۔ رئیس احمد جعفری نے" واجد علی شاہ اور ان کا عہد" کے عنوان سے ضخیم کتاب مرتب کی ہے۔ سب سے اہم کام یوپی گورنمنٹ کی طرف سے ایک ضخیم کتاب" فریڈم اسٹرگل ان اتر پردیش (Freedom Struggle in Uttar Pradesh) پانچ جلدوں میں۔ ہے جسے اے اے رضوی نے ترتیب دیا، اور تمام سرکاری ریکارڈ یکجا کر دیا ہے۔

ہم عصر اخبارات و رسائل کا ذخیرہ نیشنل لائبریری کلکتہ، نیشنل آرکائیوز نئی دہلی، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ وغیرہ میں محفوظ ہے۔ انگریزی اخبارات اور رسالوں میں 'بنگال ہرکارو' (Bangal Harkaroo) 'انڈیا گزٹ' (India Gazette) 'ہندو پٹریاٹ' (Hindu Patriot) فرینڈ آف انڈیا (Friend of India) 'انگلش مین' ملٹری کرانیکل (سب کلکتے سے شائع شدہ)۔ اورینٹل بمبئی ٹائمز (Oriental Bomay Times) کرناٹک ٹیلی گراف Karnatak Telegraph السٹریٹڈ لندن نیوز (Illustrated London News) وغیرہ ہیں۔ اردو فارسی کے اخباروں میں "سراج الاخبار" (فارسی) دہلی" دہلی اردو اخبار" (الظفر)۔ حبیب الاخبار' بدایوں، کشف الاخبار بمبئی"۔ صادق الاخبار" دہلی۔ 'سحر سامری' لکھنؤ۔ 'طلسم' لکھنؤ۔ 'کوہ نور' لاہور۔ 'مالوہ اخبار' اندور۔ 'جام جہاں نما' کلکتہ۔ 'اسعد الاخبار' آگرہ۔ 'سلطان الاخبار' (فارسی) کلکتہ۔ 'محب ہند' دہلی۔ 'راست گفتار' بمبئی۔ 'گلشن نوبہار' کلکتہ۔ قابل ذکر ہیں۔ ان میں 'طلسم' کی ایک کاپی نیشنل آرکائیوز نئی دہلی

مکمل فائل فرنگی محل لکھنؤ کے کتب خانے میں ہے۔ 'سحر سامری' کی ایک ناقص فائل مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں ہے۔ 'مالوہ اخبار' کے فائل دھار اسٹیٹ ریکارڈ آفس میں ہیں۔

اس سلسلے میں یہ ذکر باقی رہ گیا کہ یوپی اسٹیٹ آرکائیوز الہ آباد میں بھی نایاب ذخیرہ ہے۔ خفیہ کاغذات اور خطوط وغیرہ ہیں جن میں راجہ شاہ گڑھ اور نواب باندہ کی خط وکتابت کے علاوہ فتح پور اور مرزا پور وغیرہ پر انگریزوں کی ڈائریاں ہیں۔ لکھنؤ سکریٹریٹ ریکارڈ روم میں آگرہ، شمال مغربی صوبجات فارن ڈپارٹمینٹ کی پولیٹکل اور جنرل پروسیڈنگ، جوڈیشل پروسیڈنگ، ملٹری پروسیڈنگ وغیرہ ہیں بعض اضلاع کے 'میوٹنی بستے' اسٹیٹ آرکائیوز الہ آباد میں ہیں۔ اور بعض اضلاع کے بستے متعلقہ کلکٹریٹ کے محافظ خانوں میں بھی ہیں۔ مثلاً مراد آباد کا ریکارڈ یہاں کے محافظ خانے میں ہے اور تقریباً آٹھ دس بڑی بڑی گٹھریوں میں بندھا ہوا ضائع ہو رہا ہے۔

خورشید رضوی (امروہوی)

۲۵ر اپریل ۱۹۹۸ء

① جنگ پلاسی کے بعد ② بغاوت کے اسباب

③ مختلف تحریکیں اور جدوجہد

جنگِ پلاسی کے بعد

تاریخِ ہند میں ۲۲ جون ۱۷۵۷ء وہ تاریخ تھی جب پلاسی کی جنگ کے دوران چند گھنٹوں میں ہندوستان کی قسمت پر غلامی کی مُہر لگ گئی۔ یہ جنگ بنگال کے حکمراں سراج الدولہ اور انگریز سوداگروں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوئی۔ ہم اس جنگ کی تفصیلات نظرانداز کر رہے ہیں لیکن تمام تاریخوں میں یہ بات صاف طور پر عیاں ہے کہ کمپنی کے حکام اور اس کے سربراہ کلائیو کی پُرفریب سازشوں اور دغا بازیوں سے جنگ میں کامیابی ہوئی اور سراج الدولہ کو قتل کیا گیا۔ آخرکار وہ دن آ گیا جس کا سراج الدولہ سے غدّاری کرنے والے میر جعفر اور کلائیو کو انتظار تھا۔

بنگال کی تباہی:۔ میر جعفر کو تخت نشین کیا گیا جسے بنگال کے عوام "کلائیو کا گدھا" کہتے تھے چنانچہ تخت نشینی کے اگلے ہی دن انگریز سوداگروں کی ٹولی اُس پر سوار ہو گئی اور روپیہ ادا کرنے کے تقاضے ہونے لگے۔ مختصر طور پر بیان کیا جائے تو یہ داستان اس طرح ہے کہ[1] ایسٹ انڈیا کمپنی کے وارے نیارے ہو گئے

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

1. MUKERJI (R): Rise & Fall of East India Compnay
2. GUPTA (B.K): Sirajuddoula & East India Company
3. ROMESH DUTT: Economic History of India

۴۔ محمد عمر: سراج الدولہ ۵۔ طفیل احمد: مسلمانوں کا روشن مستقبل

۶۔ باری: کمپنی کی حکومت

یہ داستان تو ہم انہی صفحات میں ذرا تفصیل سے بیان کریں گے، یہاں صرف اتنا سُن لیجئے کہ صوبہ بنگال، بہار اور اڑیسہ میں انگریزوں کو آزاد تجارت یعنی لُوٹ کی کھلی چھٹی ملی کلکتہ کے جنوب میں چوبیس پرگنہ کا علاقہ 'مالِ مفت' کے طور پر ہاتھ لگا جس کا سالانہ لگان ۲۲۲۹۵۱ روپیہ تھا۔ شورے کی تجارت کلائیو کے ہتھے چڑھی، جاگیر اس کے علاوہ تھی جس کی سالانہ آمدنی ۱۹۵۰۰۰۰ روپیہ تھی لیکن نقد روپیہ جو ہاتھ لگا اس کا صحیح اندازہ آج تک کوئی نہ لگا سکا۔ تین یا چار کروڑ پر تو سازش کے وقت معاملہ طے ہوا تھا، ڈیڑھ کروڑ بطور اخراجاتِ جنگ، تقریباً اتنا ہی کمپنی کے افسروں کو بطور انعام اور نذرانہ دیئے جانے کے مطالبات ہوئے مگر آدھا ہی ادا کرنے میں بنگال کا خزانہ صاف ہو گیا تو باقی روپیہ قسطوں پر ملتوی رکھا گیا۔ کلائیو نے سولہ لاکھ نقد وصول کیا۔ ایک مصنف جون اسٹریچی نے یہ رقم دو لاکھ چونتیس ہزار پونڈ بتائی ہے[1] عظیم آباد (پٹنہ) کے صوبے دار رام نرائن نے بغاوت کی تو کلائیو نے صلح کرانے کا 'معاوضہ' سات لاکھ وصول کیا۔ ہم عصر مورخ اورمی (Oxme) بڑی حیرت سے کہتا ہے:

> "انگریزوں کو سب سے پہلے یہ فکر تھی کہ معاہدے کی رقم کسی طرح وصول ہو..... یہ خزانہ سات سو صندوقوں میں بند ہو کر اور سو کشتیوں میں لد کر آیا..... اس سے پہلے انگریز قوم نے کبھی ایک وقت میں اتنی بڑی رقم حاصل نہ کی تھی۔ یہ آٹھ لاکھ پونڈ کے لگ بھگ تھا..... ۲۶ جولائی ۱۷۵۷ء کو کمپنی کو ۷۲۷۱۶۶۶ روپیہ وصول ہوا..... پھر بعض مشکلات کی وجہ سے ۹ اگست تک کوئی رقم نہ آئی۔ اس تاریخ کو درلبھ رام نے ۱۶۵۵۲۵۸ روپیہ ادا کیا اور ۳۰ اگست کو اس نے سونا، ہیرے جواہرات اور ۱۵۹۹۷۲۷

---

[1] STRACHEY : End of Empire pp. 35-36.

روپیہ بھیجا تین قسطیں ملا کر ۲۷،۷۶۵،۱۰ روپیہ ہوتے ہیں"۔ ؎۱

۱۷۶۰ء تک میر جعفر انگریزوں کے لیے نہایت اطمینان بخش ثابت ہوا لیکن اُس کے لائق، بیٹے میرن نے باپ کی 'میری' اس طرح تمام کر دی کہ چند انگریز عورتوں کو مار ڈالا بجون اسٹریچی کے الفاظ میں:

"اصل وجہ یہ تھی کہ میر جعفر اب ایک ایسے کنویں کی مانند رہ گیا تھا جس کی تلی میں بھی کچھ نہ رہا ہو کہ جو انگریزوں کے ہاتھ لگ سکے۔"

لہٰذا اب میر جعفر کے داماد (فاطمہ کا شوہر) میر قاسم کی باری آئی۔

میر قاسم | انگریزوں نے میر قاسم کو ۱۷۶۰ء میں تخت نشین کیا تو پھر کمپنی کے وارے نیارے ہوئے۔ ٹکسال کھولنے کی اجازت کے ساتھ ہی بیس لاکھ روپیہ نقد وصول کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ میر قاسم نے اپنی بیگمات کے زیور تک کمپنی کے قدموں میں ڈال دیئے مگر کچھ ہی دن بعد یہ اندازہ ہوا کہ وہ میر جعفر کی طرح گدھا ثابت نہ ہوگا۔

بنگال کی الم ناک تباہی سے چونکہ تمام ملک کے اقتصادی حالات کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے جو آگے چل کر پلاسی کے آزمودہ نسخے کی بنیاد پر مرتب ہوتا گیا اس لیے یہ حالات ذرا تفصیل سے بیان کیے جا رہے ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو آزاد تجارت کے حقوق تو حاصل تھے ہی، کمپنی کے ملازمین نے اپنی نجی تجارت الگ شروع کر رکھی تھی۔ انہیں تو محصول کا سوال ہی نہیں تھا البتہ دیسی سوداگروں کو محصول بھی دینا پڑتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ لوٹ شروع ہو گئی۔ انگریز سوداگر جس مال پر ہاتھ رکھ دیتے اُسے دوسرا آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا اور یہ لوگ من مانی قیمت پر خرید لیتے۔ اسی طرح جب تک اُن کے مال کی

؎۱ 1. ORME (Robert): Historical Fragment of Mughal Empire (1805) 180-187

STRACHEY: End of Empire. 35-36

نکاسی نہ ہو جاتی دوسرے تاجر کاروبار بند رکھنے پر مجبور ہوتے۔ جس ہندوستانی تاجر کو محصول سے بچنا ہوتا تو کسی انگریز گماشتے کی مٹھی گرم کرکے ایک تحریر (دستک) لکھوا لیتا اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے محصول لے سکے۔ نواب بے دست و پا تھا۔ مارچ ۱۷۶۲ء میں میر قاسم نے کمپنی کے افسروں کو جو خط لکھا وہ ان حالات کی دھندلی سی تصویر پیش کرتا ہے:

"ہر پرگنہ، گاؤں اور منڈی میں انگریز گماشتے نمک، چاول، چھالی، گھی، بانس، مچھلی، تمباکو وغیرہ کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ رعایا کا مال زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں اور چوتھائی قیمت بھی نہیں دیتے۔ ان کے ظلم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے مال کے بدلے میں ایک کی جگہ پانچ زبردستی لے لیتے ہیں.... مجھے تقریباً پچیس ۲۵ لاکھ روپے سالانہ نقصان ہو رہا ہے۔"[1]

ایک خط میں اس نے لکھا تھا کہ:

"کلکتہ فیکٹری سے لے کر قاسم بازار، پٹنہ اور ڈھاکہ وغیرہ میں تمام انگریز حکام اور اُن کے گماشتے، افسر اور ایجنٹ ہمارے علاقے کے ہر ضلعے میں کلکٹروں، کرایہ لینے والوں، زمینداروں اور تعلقہ داروں کی سی پوزیشن اختیار کیے ہوئے ہیں اور کمپنی کے جھنڈے لے کر میرے افسران کو کوئی اختیار استعمال نہیں کرنے دیتے۔ اس کے علاوہ ہر ضلعے، ہر گاؤں، ہر بازار، ہر پرگنے میں اپنی تجارت چلا رہے ہیں.... ہر شخص جس کے ہاتھوں میں کمپنی کی دستک (تحریر) ہے اپنے آپ کو کمپنی سے کم نہیں سمجھتا۔"[2]

---

[1] طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل ۵۲

2. ROMESH DUTT: Economic History of India vol.I p. 13-15 [2]

ایک ہم عصر تاریخ "سیر المتاخرین" مؤلفہ غلام حسین (جلد دوم) میں بھی یہ حالات بیان کیے گئے ہیں جس کے حوالے سے انگریز مصنف مل نے اپنی کتاب "ہسٹری آف برٹش انڈیا" میں لکھا ہے کہ ان علاقوں کے عوام تباہ ہو گئے، مفلس اور مصیبت زدہ ہیں میر قاسم نے مئی ۱۷۶۲ء میں پھر ایک خط لکھا۔ ایک انگریز سرجنٹ برگیو نے یہ حالات بیان کرتے ہوئے ایک خط میں ۲۶ مئی ۱۷۶۲ء کو لکھا تھا کہ:

"پہلے انصاف عوامی عدالتوں میں ہوتا تھا مگر اب ہر گماشتہ جج بنا ہوا ہے اور اس کا گھر کچہری۔ حتیٰ کہ وہ زمینداروں پر بھی اپنے ریمارکس لکھتے ہیں اور روپیہ وصول کرتے ہیں۔"[۱]

ایک انگریز تاجر ولیم بولٹس نے بھی جو چشم دید مبصر ہے، یہ حالات اپنی کتاب میں تحریر کیے ہیں[۲] کمپنی کو بنگال کے نوابوں سے جو کچھ حاصل ہوتا تھا اس کا تو کہنا ہی کیا، محتاط اندازہ یہ ہے کہ میر جعفر اور میر قاسم کی تخت نشینی پر کمپنی نے جو وصولیابی کی وہ پانچ کروڑ کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ ایڈمنڈ برک نے ہیسٹنگز کے مقدمے میں جو تقریر انگلینڈ میں کی اس میں انگلینڈ پہنچی ہوئی رقم کا اندازہ چالیس کروڑ لگایا تھا واضح رہے کہ صوبہ بنگال کے سالانہ محصول کی آمدنی اس وقت صرف ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ برک نے اپنی تاریخی تقریر میں کہا تھا:

"ہندوستان کے سابق فاتحین میں اور ہم میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ ان کی خوش حالی اور بربادی اُن کے نئے وطن یعنی ہندوستان کے ساتھ وابستہ ہو جاتی تھی..... لیکن انگریزی حکومت میں نظام بالکل بدل گیا۔ تاتاریوں کے حملے ہندوستانیوں کے لیے نقصان دہ تھے مگر ہماری حفاظت، اس ملک کو تباہ کیے دیتی ہے۔ وہ تاتاریوں کی دشمنی تھی، یہ ہماری دوستی ہے ـــــ نومبر

۱۔ ROMESH DUTT: Economic History of India vol.I p.13-15

۲۔ Consideration of Indian Affairs quoted by R. Dutt.

لونڈے ملک پر حکومت کر رہے ہیں ۔۔۔ ملک میں اُن کی آمد کا تانتا بندھا
ہوا ہے ایک کھیپ لوٹتی ہے دوسری پہنچ جاتی ہے۔ ہندوستانی عوام کے سامنے
اپنے مستقبل کی صرف ایک مایوس کن صورت ہے اور وہ یہ کہ ایک غیر محدود زمانے
تک اِن موسمی شکاری پرندوں کے نئے نئے غول اسی طرح آتے جاتے رہیں
جن کی بھوک ہر بار تیز تر ہوگی یہاں تک کہ جس چیز کے وہ بھوکے ہیں،
کم سے کم ہو جائے"۔[1]

غرض یہ کہ اِن حالات سے مجبور ہو کر میر قاسم نے یہ قدم اُٹھایا کہ ہندوستانی تاجروں کا محصول بھی معاف کر دیا۔ اس طرح اگرچہ اُسے زبردست نقصان ہوا مگر انگریزوں کی تجارتی لُوٹ کی بنی بنائی عمارت دھم سے زمین پر آ رہی، اُن کا چراغ پا ہو جانا یقینی تھا، یہی میر قاسم سے جنگ کا سبب بن گیا۔ پلاسی کی جنگ فریب اور دغابازی کا نسخہ بتا ہی چکی تھی لہٰذا جب میر قاسم کے سامنے کچھ پیش نہ گئی تو پٹنہ پر حملے میں شکست کے بعد وہی چال چلی گئی، میر جعفر کا پارٹ سردار نجف خاں نے ادا کیا جس کی رہنمائی میں انگریز رات کی تاریکی میں ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں نواب کا لشکر توپوں کی زد میں تھا۔ اس شبخون میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور میر قاسم کی فوج کا شیرازہ بکھر گیا (بمقام اُودا نالہ ۱۷۶۳ء) تو میر جعفر کو دوبارہ نواب بنا کر لاکھوں روپیہ پھر وصول کیا گیا اور پھر اس کے بیٹے نجم الدولہ کو نواب بنا کر پنتل لاکھ وصول کیا بعد میں کلائیو کے اشارے پر نجم الدولہ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا مگر بنگال میں جو اقتصادی تباہی مچی اس پر بطور مثال ایک نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کچھ حال اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

کنگال بنگال کمپنی نے ۱۷۶۵ء میں بہار، بنگال اور اڑیسہ کی دیوانی شاہ عالم سے حاصل کرتے ہی دوسرے یورپین تاجروں کو نکال باہر کیا اور پوری طرح قبضہ جما لیا۔ عوام کی جو حالت ہوتی چلی گئی وہ الفاظ و بیان میں نہیں آ سکتی۔ جو کچھ سامنے ہے وہ

---

[1] تصانیف برک جلد سوم ۷۹-۸۷/ بحوالہ روشن مستقبل از طفیل احمد

انگریزوں کی ہی تحریروں سے اخذ کیا جاسکتا ہے اور حالات کی صحیح تصویر ذہن میں لانے کے لیے ان تحریروں کے آئینے میں تصور کے پردوں پر کہیں زیادہ بڑا عکس مرتب کرنے پر ہلکا سا اندازہ ہو سکے گا۔

بنگال کے صرف ایک ضلعے باقرگنج کے بارے میں سرجنٹ برگیو کی رپورٹ ملاحظہ ہو (۱۷۶۲ء):

"یہ اور اس کے علاوہ بہت سی ظلم و زیادتیاں جو بیان نہیں ہو سکتیں، کمپنی کے گماشتوں کا روز آنہ کا مشغلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ روز بہ روز یہ علاقہ ویران ہوتا چلا جارہا ہے۔۔۔۔۔ وہ بازار جو پہلے کثرت سے مال اور پیداوار کے مرکز تھے، اب مشکل ہی سے کوئی کارآمد چیز اُن میں نظر آتی ہے۔" [1]

اسی سال ڈھاکے کے کلکٹر نے کمپنی کے گورنر کو رپورٹ کی کہ یہ اور دوسرے علاقے جو پہلے بے حد خوش حال تھے، تباہ و برباد کر دیئے گئے دیسی سوداگر بالکل برباد ہو گئے۔ نواب کے محصول اور مال گذاری میں نمایاں کمی واقع ہوئی اور کمپنی کے ملازمین تجارت سے مالا مال ہو گئے ہیں [2] کمپنی کے گماشتے لوگوں کو مار پیٹ کر گھائل کرنے ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ حکومت اور اس کے مقرر کردہ افسروں کے اختیارات کو بھی روند ڈالتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں نواب کے افسروں کو باندھ کر سزا دیتے ہیں۔ جب کمپنی کے ڈائرکٹروں نے بنگال کا سروے کیا کہ دیکھیں کہاں سے اور نچوڑا جا سکتا ہے تو ـــــ

"صرف دیناج پور ضلعے کے بارے میں رپورٹ یہ تھی کہ تجارت کا بڑا حصہ دیسی تاجروں سے نکل کر کمپنی کو جا پہنچا ہے، ضلعے میں اب کوئی دیسی تاجر باقی نہیں۔۔ ۔۔۔ صنعت و حرفت بھی ان کے ہاتھ سے چھن گئی، وہ صرف اپنی رہی سہی زمین کی پیداوار پر ہی جی رہے ہیں۔" [3]

۱؎ 1. MUKERJI: p. 175

۲؎ 2. VANSITTART (H): Narrative of Transactions in Bengal, 24
MUKERJI: 175-176

۳؎ 3. MSS of Bachanan in Commonwealth Office Library London, quoted by Mukerji p.181-186

گویا "کسے نہ ماند کہ اورا بہ تیغ ناز کُشی"

کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز کے نام کلائیو کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو (مورخہ ۳۰؍ستمبر ۱۷۶۵ء):

"اس قبضے کے بعد کمپنی کو وصول شدہ محصولی ۲۵۰ لاکھ روپیہ ہوگا جس میں بردوان کے علاقے بھی شامل ہیں۔ بعد میں اس لگان میں بیس یا تیس لاکھ کا اضافہ اور ہو جائے گا۔ ہمارے سول اور ملٹری اخراجات زیادہ سے زیادہ ساٹھ لاکھ ہوتے ہیں۔ نواب کا وظیفہ کم کر کے بیالیس لاکھ کر دیا گیا ہے اور مغل شہنشاہ کی نذر بھی گھٹا کر چھبیس ۲۶ لاکھ کر دی گئی ہے اس طرح کمپنی کو ۱۲۲ لاکھ روپے سکہ ہندوستانی کی اور بچت ہوگی یعنی ۱۶۵۰۹۰۰ پونڈ اسٹرلنگ کی" [1]

۱۷۶۵-۶۶ء سے ۱۷۷۰-۷۱ء تک کمپنی کی آمدنی ۲۰۱۲۳۵۷۹ پونڈ ہوئی جس میں اخراجات نکال کر منافع ۱۲،۰۶۶۷۶۱ پونڈ۔ سول اور ملٹری اخراجات کے بعد چھ سال کا خالص منافع یا بچت ۴،۰۲۱۷،۱۵۲ پونڈ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً کل رقم کا ایک تہائی حصہ ملک سے باہر بھیجا گیا جبکہ کمپنی کے افسروں کی تنخواہیں جو ملک سے باہر گئیں اس کے علاوہ تھیں.... ہندوستانی تاجروں کو لوٹ کر جو ہاتھ لگتا وہ اس میں شامل نہیں۔ ان حالات کے نتیجہ میں ۱۷۷۰ء میں بنگال میں زبردست قحط پڑا جس میں انگریزی اندازے کے مطابق ایک تہائی آبادی ختم ہو گئی لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ہیسٹنگز نے کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو لکھا تھا کہ ۱۷۷۱ء کے محصول کی رقم ۱۷۶۸ء سے بھی زیادہ ہے۔" اندازہ تھا کہ آبادی کم ہو جانے کی وجہ سے توقع کے مطابق محصول وغیرہ کی آمدنی بھی اسی تناسب سے کم ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا (بلکہ اضافہ ہی ہوا) اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سب کچھ بہ زور طاقت زبردستی کر کے

---

1. MUKERJI: pp.176-198 [1]

پہلی سطح پر برقرار رکھا گیا[۱]

غرض یہ کہ جیسے جیسے تباہ حالی بڑھی، کمپنی کا اقتدار بڑھا اور لوٹ کھسوٹ میں اضافہ ہوا، محصول اور مال گذاری کی رقم بھی بڑھتی ہی چلی گئی جس کی وجہ تو ابھی بیان ہوئی، ایک سرسری خاکہ یہاں پیش ہے۔

سال	محصول اور مال گذاری
۱۷۶۲ — ۶۳	۶۴۶۰۰۰
۱۷۶۴ — ۶۵	۸۱۸۰۰۰
۱۷۷۱ — ۷۲	۲۳۴۱۹۴۱
۱۷۹۰ — ۹۱	۲۶۸۰۰۰۰

(یہ اعداد و شمار رام کرشن مکرجی کی کتاب "رائز اینڈ فال آف ایسٹ انڈیا کمپنی" سے لیے گئے ہیں)

ولیم بولٹس کی رائے تھی کہ "اگر کمپنی کو اس کے موجودہ نظام پر عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تو نہ صرف وہ تباہ ہوگی بلکہ بنگال میں ہمارے مقبوضات مفلس اور قلاش ہو جائیں گے"۔[۲] بنگال بہار اور اڑیسہ کی دیوانی کے حقوق حاصل کرتے ہی کمپنی نے ان کا لگان پہلے ہی سال ۱۷۶۵-۶۶ء

---

۱. MACAULAY (T.B): Lord Clive vol.4 p. 63 (1850)

SCRAFTON (London): Reflections on the Govt. of Industan

MUKERJI: Rise & Fall of EIC pp. 176-198

HUNTER (W): Annals of Rural Bengal p. 381

۲. BOLTS (W): Considerations on Indian Affairs

JOSHI: Symposium p.6

ہیں دوگنا یعنی سترہ لاکھ چالیس ہزار پونڈ کر دیا جو کہ پہلے آٹھ لاکھ گیارہ ہزار پونڈ تھا[1] جنگ پلاسی کے بعد سے ہی یہ لوٹ انگلستان کو سیراب کرنے لگی، وہاں کا مشہور صنعتی انقلاب اسی کا نتیجہ تھا اور ایک سرسری اندازے کے مطابق تیس چالیس سال کے عرصے میں ہندوستان سے پندرہ ارب روپیہ انگلینڈ جا چکا تھا[2]

۱۷۷۱ء میں زمینداروں کی طرف سے ٹیکس یا محصول ادا نہ ہونے کی صورت میں زمین قرق بہ حقِ سرکار ضبط کر کے فروخت کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا اور اس طرح وہ لوگ جو وسیع قطعات زمین کے مالک تھے، کچی جھونپڑیوں کے کرائے دار اور چند برتنوں کے مالک رہ گئے۔ اتنا ہی نہیں ــــــ "کمپنی کے ملازموں نے بنگال کی تجارت کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حصولِ محصولات کا ایسا طریقہ ایجاد کیا جس کے بیان سے رُوح لرز جاتی ہے، جس کا تذکرہ بدن میں کپکپی پیدا کرتا ہے ـــــ الم ناک داستان جو صرف اشکوں کی روانی ہی میں سنی جا سکتی ہے"[3]

دستکاروں کے انگوٹھے | صنعتی بربادی کی داستان بھی اس سے کچھ کم دردناک نہیں، ایک انگریز برنس نے ۱۷۳۱ء میں حیرت کا اظہار کیا تھا کہ "بعض کپڑے ایسی نفاست سے تیار ہوتے ہیں کہ پرستان کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔" یہ نفیس کپڑے انگلینڈ میں بے حد مقبول ہوئے چنانچہ پارلیمینٹ میں قانون پاس کیے جن سے ہندوستانی کپڑے کا استعمال ممنوع ہو گیا۔ جُرمانے ہوئے، چُنگی اس قدر لگائی گئی کہ کھپت بند ہونے لگی۔ اِدھر ہندوستانی کپڑا بنانے والوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ صرف انگریزوں کی فیکٹریوں میں کام کریں۔ ولیم بولٹس ہی گواہ ہے کہ جب وہ کمپنی کے سخت اور جابرانہ معاہدے منظور کرنے سے انکار کرتے تو کمپنی کے ایجنٹ ان کا سامان نیلام کر دیتے اور قیمت ضبط کر لیتے۔ باریک ریشم کاتنے والوں پر بھی یہی ظلم کیا جاتا۔ ایسی مثالیں

لے 1. WADIA & MERCHANT: Economic Problem p. 279
Symposium: p.9

۲ے ۳ے باری: کمپنی کی حکومت۔ ۳۸۴، ۱۰۰

بکثرت موجود ہیں کہ لوگوں کے انگوٹھے اس لیے کاٹ دیئے گئے کہ وہ باریک دھاگا نہ بنا سکیں۔[۱] جیمس ٹیلر کا کہنا ہے کہ "صنعت و حرفت اور تجارت کے تنزل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ ڈھاکے کی آبادی تقریباً برباد ہو گئی۔ ۱۸۰۰ء میں دو لاکھ اور اب (۱۸۳۸ء) میں صرف سترہ ہزار رہ گئی۔ جتنی تیزی سے آبادی گھٹی اس سے کہیں زیادہ تیزی سے افلاس بڑھ گیا۔"[۲]

ہولناک قحط | ۱۷۷۰ء میں بنگال اور بہار میں جو قحط پڑا اس کی بدولت ایک تہائی آبادی بھوک سے تڑپ تڑپ کر فنا ہو گئی اور سب سے زیادہ مصیبت زرخیز ہونے کے باوجود اُنہی علاقوں پر آئی جو چند سال سے انگریزی چنگل میں تھے۔ اس قحط سالی کی بدولت مدت تک یہ علاقہ ویران رہا۔ "کمپنی کی حکومت" کے مصنف کی زبانی سُنیئے کہ:

> "کمپنی کے ملازموں نے انسانی نعشوں کے اوپر کھڑے ہو کر محاصل اور مالیہ کا مطالبہ کیا۔ بربریت کی تاریخ میں اس سے زیادہ خوں چکاں حوادث کا ملنا امرِ محال ہے کمپنی کے فلک بوس گوداموں کے سائے میں لوگ دانے دانے کو تڑپ کر مر گئے لیکن کمپنی نے گوداموں کو بدستور مقفل کیے رکھا۔"

قحط سالی کے تقریباً بیس سال بعد لارڈ کارنوالس نے (۱۷۸۹ء میں) بنگال کی نسبت لکھا:

> "میں بہت ہی احتیاط کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کمپنی کے علاقے کا ایک تہائی حصہ آج کل درندوں کا مسکن اور غیر آباد جنگل رہ گیا ہے۔"[۳]

اسی طرح جب برطانوی مصنوعات بازاروں میں چھا گئیں، ہندوستانی صنعت تباہ ہو گئی

---

[۱] [۲] باری: کمپنی کی حکومت ۲۸۰

[۳] ہاشمی: تاریخ ہند۔ ۴۵، ہاؤس آف کامنز کمیٹی کی رپورٹ بحوالہ رام کرشن مکرجی "رائز اینڈ فال آف کمپنی ۲۰۶ جوشی: سمپوزیم۔ ے

تو یہ ملک خام اشیاء کی منڈی بن کر رہ گیا۔ ۱۸۳۴ء میں گورنر جنرل ولیم بینٹنک نے کورٹ آف ڈائرکٹرز کو لکھا تھا کہ

"اُن کی بدحالی کی مثال اقتصادی اور تجارتی تاریخ میں مشکل سے ملے گی کپڑا بُننے والوں کی ہڈیاں ہندوستان کے میدانوں میں پڑی سڑ رہی ہیں۔" [1]

---

[1] ہاشمی: تاریخ ہند۔ ۶۵، ہاؤس آف کامنز کمیٹی کی رپورٹ بحوالہ رام کرشن مکرجی "رائز اینڈ فال آف کمپنی ۲۰۶ جوشی: سمپوزیم۔ ۷

بغاوت کے اسباب

۱۸۵۷ء کی بغاوت کے اسباب پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کڑیاں جنگ پلاسی سے جا کر ملتی ہیں جو ہندوستان میں دورِ غلامی کی ابتدا ہے اور ملک کے عوام نے اسے اپنی اجتماعی شکست و تذلیل قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پلاسی کے میدان میں جمع ہو کر ہر سال اس شکست کی یاد مناتے رہے اور سو سال بعد (۲۲ جون ۱۸۵۷ء) بھی اس عزم کے ساتھ میدان میں آئے کہ "آج پلاسی کا بدلہ لیں گے۔"

بنگال کا حال مختصراً ہماری نظر سے گذرا، صرف یہ بات اور بیان کرنا ہے کہ سراج الدولہ سے عوام کو جو بے پناہ عقیدت تھی اس کا اندازہ نہ صرف مرشد آباد کہرام سے ہوتا ہے بلکہ جب یہ خبر پٹنہ پہنچی تو وہاں کے صوبیدار راجہ رام نرائن نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، دیوانہ وار بازاروں میں روتا پھرتا تھا، اس کے ساتھ بے پناہ ہجوم نے کہرام مچا رکھا تھا، سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ رام نرائن روتے میں یہ شعر پڑھتا تھا:

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر تو ویرانے پہ کیا گذری

بیر بھوم کے جاگیردار نواب بدیع الزماں کو جب یہ خبر ملی تو فقیرانہ لباس پہن کر جنگل کی طرف نکل گیا [1]

---

[1] محمد عمر: سراج الدولہ ۲۴۹

بنگال کی تباہی کے جو حالات نظر سے گذرے، رفتہ رفتہ انگریزی اقتدار بڑھنے پر وہی حالات باقی ملک میں رونما ہونے لگے اور عوام کو ملک کی بیکسی اور بدحالی کا احساس دلاتے رہے۔ بقول سرسید:

"۱۸۵۷ء کی سرکشی میں یہی ہوا کہ بہت سی باتیں ایک مدّت دراز سے لوگوں کے دل میں جمع ہوتی جاتی تھیں اور بہت بڑا میگزین جمع ہو گیا تھا صرف اسکے شتابے میں آگ لگانی باقی تھی"

اس تمام "میگزین" کے علاوہ کچھ فوری اسباب بھی تھے جن کی بدولت ملک کے عوام اس ظلم و جور سے نجات پانے کے لیے مجبور نظر آتے تھے۔ "محاربۂ عظیم" مؤلفہ کنہیا لال میں ایک انگریز کا قول نقل کیا گیا ہے کہ

"فوج والوں کے چہروں پر ترُشروئی کے آثار تھے اگرچہ وہ اپنے افسران سے کچھ نہ کہتے تھے صرف ایک جوان سپاہی نے اتنا کہا کہ تمہارا نمک پانی اب کھایا نہیں جاتا"

دیہات کے عوام بھی اس قدر متنفر تھے کہ مختلف جگہوں سے بھاگتے ہوئے انگریزوں کو طعنے دیتے، سائے تک میں نہ بیٹھنے دیتے، حتیٰ کہ پانی بھی نہ دیتے تھے۔ فرانسیسی عورت ہورٹنسی انگلیسی اپنی سرگذشت میں کہتی ہے:

"اُن کی ہر ادا بتاتی تھی کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں۔۔۔۔۔ یہ لوگ ہم انگریزوں کے تسلط سے اسقدر دل تنگ اور انگریزی حکومت سے اس قدر نالاں تھے کہ مارِ سیاہ کی طرح بل کھاتے۔ انکی کوئی بات طنز سے خالی نہ ہوتی تھی۔" [۱]

---

[۱] انگلیسی: ایام غدر۔ مترجم ظفر حسن عاصی/ ۸، ۱۲

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کیا مجبوریاں تھیں جنہوں نے ملک کے عوام کو تنگ آمد بہ جنگ آمد کا مصداق بنا دیا تھا۔ سب سے پہلے سرسید کا بیان مختصراً سنیئے جنہوں نے انقلابی لیڈروں کو "کم بخت خاں"، "نامحمود خاں" تک لکھ ڈالا اور بہادر شاہ کو "خولہ خبطہ" کا خطاب عطا کیا ہے۔ بغاوت کے اسباب پر اُن کی کتاب "اسباب بغاوتِ ہند" گویا "شکوۂ ارباب وفا" کا مصداق ہے جس میں بہت ہی احتیاط سے دامن بچا کر لکھا جا رہا ہے جو اس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔

سرسید کی زبانی جو اسباب سرسید نے بیان کیے، کچھ اُن کے اور کچھ ہمارے الفاظ میں یہ ہیں کہ:

"اودھ کی ضبطی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے خلاف عہد و اقرار کے کیا ہے۔ عموماً رعایا کو ضبطی اودھ سے اسی قدر ناراضگی ہوئی جتنی کہ ہمیشہ ہوا کرتی تھی جب کمپنی کسی ملک کو فتح کرتی تھی"...... رعایا ہندوستان انگریزی حکومت کو میٹھے زہر اور شہد کی چھری اور ٹھنڈی آنچ سے تعبیر کرتی تھی..... اور یہ جانتی تھی کہ اگر ہم آج گورنمنٹ کے ہاتھ سے بچے ہوئے ہیں تو کل نہیں اور کل ہیں تو پرسوں نہیں...."تمام لوگ جاہل و قابل اور ادنیٰ و اعلیٰ یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو کیا مسلمان، عیسائی مذہب اور اپنے ملک کے رسم و رواج پر لا ڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے.... ۱۸۳۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی بنائے گئے وہ تمام اضلاع ممالک مغربی و شمالی میں ارادہ گورنمنٹ کے ایک نمونہ گنے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح مفلس کر کے اپنے

مذہب میں لے آئیں گے۔۔۔۔۔حکومت نے پادریوں کو مقرر کیا جنکو تنخواہیں اور بہت روپیہ ملتا تھا اکثر حکام نے اپنے ماتحت لوگوں کو حکم دیا کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادری کا وعظ سنو۔ پادریوں نے جو کتابیں تقسیم کیں اُن میں دوسرے مذہب کے مقدس لوگوں نسبت توہین آمیز الفاظ استعمال کیے گئے۔ پادری میلوں میں جاکر وعظ کہتے۔ اُن کے ساتھ تھانے کا چپراسی جاتا تھا۔ مشنری اسکولوں میں عیسائی مذہب کی تعلیم رائج تھی۔ دیہاتی مکتبوں میں انسپکٹر عوام کو مجبور کرتا کہ لڑکوں کو داخل کرو۔ یہ انسپکٹر "کالا پادری" کہلاتا تھا۔ بڑے کالجوں میں رفتہ رفتہ عیسائیت کی تعلیم پر زور دیا جانے لگا۔ چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی انسپکٹروں یعنی کالے پادریوں کے سرٹیفکٹ پر منحصر تھیں۔ "لوگ سمجھ گئے کہ ہندوستان کو محتاج اور بے معاش کیا جا رہا ہے۔" ۱۸۵۵ء میں پادری ای۔ ایڈمنڈ نے کلکتے سے عموماً اور سرکاری معزز نوکروں کے پاس خصوصاً چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عمل داری ہو گئی۔۔۔۔۔مذہب بھی ایک چاہیئے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی ہو جاؤ۔۔۔۔۔ اِن چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی اور یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ آ گیا" "کچھ عجب نہ تھا کہ اُسی زمانے میں کچھ برہمی اور فساد ہو جاتا چنانچہ اس وقت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے مگر گورنر بنگال نے ایک اشتہار جاری کیا جس سے کچھ تسلی ہو گئی"۔۔۔۔۔ لیجس لیٹو کونسل سے امور مذہبی میں مداخلت ہوئی۔ ایکٹ ۲۸ نمبر ۲۱۔ ۱۸۵۰ء صاف مذہبی قواعد پر اثر انداز تھا۔" ایکٹ ۱۵ ۱۸۵۶ء ہندوؤں کے رسوم مذہبی میں

خلل ڈالتا تھا۔" قوانین ضبطی آراضیات جس کا آخر قانون ۲۔ ۱۸۱۹ء ہے ہندوستان کو نہایت مضر تھا۔ ضبطی آراضیات نے جس قدر رعایائے ہندوستان کو ناراض اور بدخواہ ہماری گورنمنٹ کا کر دیا تھا اس سے زیادہ کسی اور چیز نے نہیں کیا" زمینداریوں کا نیلام ایسی بے ترتیبی سے ہوا کہ تمام ملک اُلٹ پلٹ ہو گیا پھر قانون اول ۱۸۲۱ء جاری ہوا جس سے اور صدہا قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ اسٹامپ جاری کیا گیا یعنی عدالت میں انصاف کے لیے رو پیہ لگاتا "سب عقلا اس محصول کو ناپسند کر گئے ہیں۔" ملازمتوں کی قلت ہو گئی صدہا آدمی بے روزگار ہو گئے۔ حرفہ کا روزگار بسبب جاری اور رائج ہونے اشیائے تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیاسلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا"۔ "ہماری گورنمنٹ نے اپنے آپ کو آج تک ہندوستانیوں سے ایسا الگ اور انمیل کر رکھا ہے جیسے آگ اور سوکھی گھاس ۔۔۔ اور پھر ان دونوں میں ایک فاصلہ ہے کہ دن بہ دن زیادہ ہوتا جاتا ہے"۔۔۔ بلاشبہ تمام رعایائے ہندوستان اس بات کی شاکی ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے انکو نہایت بے قدر اور بے وقر کر دیا ہے ۔۔۔" اگلے حکام عوام سے بہت اخلاق سے پیش آتے تھے خلاف اس کے انگریزی حکام اس کے برعکس ہیں ۔۔۔ کیا بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی حکام سے لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں نہ تھا؟۔۔۔ ۔۔۔ میرٹھ میں سپاہ کو بہت سخت سزا دی گئی جس کو ہر ایک عقل مند بہت بُرا اور ناپسند جانتا ہے۔ اس سزا کا رنج جو کچھ فوج کے دل پر گذرا بیان سے باہر ہے"

مغل بادشاہوں کی توہین | مغل بادشاہ صدیوں کی روایات کی بنا پر پورے ملک میں قابلِ عزت مانے جاتے تھے مگر انگریزوں نے انھیں حقیر و ذلیل کرنا شروع کر دیا جس سے عوام کو سخت صدمہ پہنچا۔ شاہ عالم جب الہ آباد میں تھا تو کرنل اسمتھ نے سخت توہین آمیز برتاؤ کیا۔ قلعے میں نا نہ رہنے دیا، پنج وقتہ نوبت بند کرادی اور دوسری ذلیل حرکتیں کیں اسی طرح لارڈ لیک نے جب مرہٹوں کو ۱۸۰۳ء میں پٹ پڑ گنج کے میدان (دہلی) میں شکست دی تو بعد میں بادشاہ کی ذلت و خواری میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا اکبر شاہ کے تخت نشین ہوتے پر (۱۸۰۶ء) انگریز رزیڈنٹ چارلس ملکاف نے سخت نازیبا حرکتیں کیں۔ ولزلی نے شاہ عالم کے سامنے تجویز رکھی تھی کہ وہ لال قلعہ خالی کر دے اور مونگیر کے قلعے میں سکونت اختیار کرے یہ تجویز سُن کر بوڑھے، عیاش اور بے حس شاہ عالم تک کا خون جوش کھا گیا۔

دہلی پر مرہٹوں کے اقتدار کے بعد (۱۷۸۴ء) پیشوا مہادجی سندھیا نے شاہ عالم کے وزیر کی حیثیت سے انتظام سنبھالا، اسی طرح اس کے جانشین دولت راؤ سندھیا (۱۷۹۴ء) نے بھی کیا اور مغل شہنشاہ کے نائب کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ ۱۷۸۲ء میں امیرالامراء افراسیاب خاں کے مرنے پر شاہ عالم نے مہادجی سندھیا کو امیر الامراء کا عہدہ اور وکیلِ مطلق کا منصب عطا کیا۔ اس دور کی تاریخوں میں صاف اقرار کیا گیا ہے کہ مرہٹوں نے کبھی مغل بادشاہ سے بے عزتی کا برتاؤ نہیں کیا اور نہ کبھی اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہتک آمیز رویہ اختیار کیا۔[۱] انھوں نے صرف پوری آمدنی کا چوتھائی حصہ (چوتھ) لینے پر قناعت کی، ہر احترام برقرار رکھا حکام کی تبدیلی اور اکھاڑ پچھاڑ بھی نہیں کی۔ ان حالات میں مسلمان علماء نے بھی مسلمانوں کو مرہٹوں سے تعاون کا مشورہ دیا[۲] شاہ عالم کا یہ شعر بھی اسی صورتِ حال کی عکاسی کر

---

۱ ۲ 1..2 HUNTER : Indian Musalmans p.128

MEHDI HASAN : Bahadur Shah ... p.83

رہا ہے۔

مادھوجی سندھیا فرزندِ جگر بندِ من است
ہست مصروف تلافیٔ ستم گاریٔ ما

لیکن مرہٹوں اور انگریزوں کی جنگ (۱۸۰۳ء) کے بعد شاہ عالم بادلِ ناخواستہ انگریزی 'پناہ' میں آگیا اگرچہ اُس نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار سنبھالنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا (جس کی وہ بے چارہ اہلیت ہی نہ رکھتا تھا) انگریز جنرل لیک نے مغل دربار میں مرہٹوں کا اثر و اختیار دیکھ کر پلاسی والی چال چلی اور شاہ عالم کو ایک عہد نامہ لکھ کر دیا کہ اگر ہم نے مرہٹوں پر فتح پائی تو آپ کا کھویا ہوا اقتدار بحال کر دیں گے اور سالانہ وظیفے میں اضافہ کریں گے لیکن ہوا یہ کہ انگریز گورنر جنرل منٹو اور ایجہر سٹ وغیرہ نے بادشاہ کی توہین کے نئے نئے طریقے نکالنا شروع کر دیئے۔ لارڈ بینٹنک نے تو اس قدیم اعلان میں کہ "خلقت خدا کی ملک بادشاہ کا" یہ ترمیم کرائی کہ "حکم کمپنی بہادر کا" ۱۸۳۱ء میں جب انگریز رزیڈنٹ ہاکنس مغل بادشاہ کے سامنے نذر پیش کرنے گیا تو رواج کے مطابق مؤدب کھڑے ہونے سے انکار کیا اور زنانہ محلات میں جا کر اپنے لیے کرسی طلب کی، گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے میں نقار خانے اور دیوانِ خاص تک گیا جو شاہی رسم رواج کے خلاف تھا۔ دوسرے حکام بھی جان بُوجھ کر بادشاہ کی بے عزتی اور اپنی بالادستی کے مظاہرے کرتے رہے۔ دہلی کو شمالی مغربی صوبہ بنا کر اس کی امتیازی حیثیت ختم کی گئی۔ اکبر شاہ کا نام سکوں سے ہٹا دیا گیا (۱۸۲۵ء)۔ گورنر جنرل کی مُہر سے "بادشاہ کا فدوی خاص" کے الفاظ نکال دیئے گئے اور ہندوستانی والیانِ ریاست کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ آگرے کے قلعے اور تاج محل کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ اکبر شاہ کے نامزد ولی عہد مرزا نیلی کو ولی عہد ماننے سے انکار کر دیا گیا اور کمپنی کے لیے کارآمد سمجھ کر ابوظفر سراج الدین کو ولی عہد بنایا گیا جسے اکبر شاہ نامنظور کر چکا تھا۔ اکبر شاہ کے بیٹے مرزا جہانگیر کو جلاوطن کیا گیا کیونکہ اُس نے رزیڈنٹ کو "لُولُو" کہا اور اُس پر گولی چلائی

تھی۔ ؎۱ بہادر شاہ ظفر نے ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہو کر اپنے وظیفے میں اضافے کا مطالبہ کیا اور وہ وعدے یاد دلائے جو اکبر شاہ سے کئے گئے تھے مگر جواب یہ ملا کہ تمام مطالبات واپس لے لیے جائیں اور رہے سہے اختیارات بھی کمپنی کو سونپ دیئے جائیں تو وظیفے کی رقم بڑھائی جاسکتی ہے۔ بہادر شاہ اس پر تیار نہ ہوا تو اس کی وہ نذر بھی بند کر دی گئی جو تقریبات یا تہواروں کے موقعے پر دی جاتی تھی (۱۸۴۲ء)۔ رزیڈنٹ نے نہایت حقارت سے لکھا کہ اُسے خطوں میں بادشاہ کا "فرزند ارجمند" نہ لکھا جائے جو کہ بطور خطاب لکھا جاتا تھا۔ والیانِ ریاست کو بھی یہی حکم ہوا کہ وہ بادشاہ کے لیے عزت و احترام کے الفاظ نہ لکھیں۔ سلیمن نے نہایت غصے اور افسوس کے ساتھ لکھا کہ دھول پور اور بُندیل کھنڈ کے والیانِ ریاست جن کو انگریزوں نے قائم کیا اور جن کو بہادر شاہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اپنے لیے "شاہ دہلی کا غلام" اور "بندہ" کے الفاظ مہروں میں استعمال کرتے ہیں۔ ؎۲ بہادر شاہ بے چارے نے اس پر بھی احتجاج کیا مگر اس کا انعام یہ ملا کہ دربار کرنے اور خلعت و انعام عطا کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ چاندی کا جو تخت دیوانِ خاص میں بادشاہ کے لیے رکھا ہوا تھا، تہ خانے میں مقفل کر دیا گیا اور دیوانِ عام بھی بند کرا دیا گیا۔ (لارڈ ایلنبرا کے عہد میں)

حکومت کا گھمنڈ انگریز حکام کے لیے کالے ہندوستانیوں سے بات کرنا بھی کسرِ شان تھا۔ حکومت میں ہندوستانیوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ مغل دور میں اونچ نیچ، حسب نسب اور ذات پات کا لحاظ رکھا جاتا تھا لیکن اب صرف کالے اور گورے میں فرق سمجھا گیا باقی سب تفریق ہیچ تھی۔ اس سے عوام کے دلوں کو سخت ٹھیس پہنچی۔

؎۱ مرزا جہانگیر کو الٰہ آباد میں نظر بند کیا گیا جہاں وہ اپنی موت (۱۸۲۱ء) تک رہا اور خسرو باغ میں دفن ہوا

؎۲ جوشی: سمپوزیم ۹۶

نظام حیدر آباد سے برتاؤ میسور کی چوتھی جنگ میں نظام حیدر آباد نے غیرت و خودداری کے تقاضوں کو پامال کر کے انگریزوں کا ساتھ دیا اور اس بنیاد پر ایک انگریزی فوج 'عہدِ معاونت' کے بعد یہاں مقیم ہو گئی جس کا خرچ ۲۴ لاکھ روپیہ نظام کے سر ڈالا گیا اور اس کی اپنی فوج کو برطرف کر دیا گیا۔ دو تین ہی سال گذرے تھے کہ ۱۸۰۰ء / ۱۲۱۵ھ میں اُس فوج کے اخراجات میں اضافہ کر کے نظام سے وہ علاقہ واپس لے لیا گیا جو سلطان ٹیپو ؒ سے دغا بازی کے 'انعام' میں دیا گیا تھا۔ یہ 'سودا' نقد، یوں بھی کیا خوب تھا کہ بدلے میں بیچارے نظام کو دیا کچھ بھی نہیں گیا اور وہ کمپنی کے جالے میں مکھی بنتا چلا گیا۔ انگریزی 'کرم' کا سلسلہ دراز ہو گیا تو اپنے وفادار پٹھوؤں مثلاً نظام کے خاص معتمد مہی پت رام جیسے قابل اور مدبّر کو ہٹا کر میر عالم جیسے ناکارہ لوگوں کو دیوان اور دوسرے عہدوں پر بٹھا دیا گیا۔ 'امدادی فوج' کے نام پر اخراجات بڑھتے چلے گئے اور ۱۸۲۲ء تک ریاست ایک کروڑ سولہ لاکھ کی قرض دار ہو گئی جس کے عیوض میں پھر انگریزوں کو معافیاں، جاگیریں اور رعائتیں دی گئیں مگر "مرض بڑھتا ہی گیا جوں جوں دوا کی"۔ ۱۸۴۳ء میں دو کروڑ روپیہ واجب تھا، دیگر مصارف اس کے علاوہ تھے۔[1]

نظام سکندر جاہ کے مرنے پر القاب و آداب میں بھی فرق آیا اور مساویانہ بلکہ گستاخانہ الفاظ نظام کے لیے لکھے جانے لگے۔ 'تاریخ رشید خانی' کا مصنف یہ حالات بتا کر لکھتا ہے :

> "اس سے خود بدولت اپنے نزدیک بہت آزردہ خاطر رہے اور خیلے دل پہ ملال گذرا" (ص ۲۴۹ - ۲۴۷)

ظاہر ہے کہ اب 'آزردہ خاطری' اور 'ملال' چڑیوں کے کھیت چگ جانے کے بعد

---

1. FRASER: Memoirs pp. 217, 260,357

کی بات تھی۔ معاہدے کی دفعہ ۱۷ کی رُو سے امدادی فوج کا فرض تھا کہ اندرونی شورشوں کی سرکوبی کے لیے نظام کی مدد کرے مگر یہ بھی نہ ہوا۔ مزید عنایت یہ ہوئی کہ ۱۸۰۴ء میں ایک نئی فوج کمپنی کے زیرِ اہتمام حیدر آباد کنٹجنٹ کے نام سے آراستہ کی گئی جس کا خرچ چالیس لاکھ روپیہ نظام کے ذمہ ڈالا گیا اگرچہ فوج پوری طرح رزیڈنٹ کے ماتحت تھی۔[۱] یہ سب کچھ نظام صاحب کی مرضی کے خلاف عمل میں لایا گیا اور اب اُن کی 'مرضی' کی ضرورت بھی کیا تھی۔ سکندر جاہ نے اس نئی امدادی فوج کے اخراجات دینے سے ہر چند انکار کیا اور اسے برخاست کرنے کی خواہش کی مگر بے کار! نتیجہ یہ ہوا کہ اس کنٹجنٹ کی بدولت ریاست قرض کے چکّر میں ایسی آئی کہ بالکل دیوالہ نکل گیا۔ رزیڈنٹ فریزر نے اپنی یادداشت میں اعتراف کیا ہے کہ "ریاست اس فوج کا خرچ اٹھانے کے قابل کسی طرح نہیں ہے" (ص ۲۵۵)۔ اِن اخراجات کے بہانے نظام کا علاقہ ہضم کرنے کے لیے پھر 'بندر بانٹ' ہونے لگی اور اپنے ایک پٹھو سراج الملک کو مدارالمہام (دیوان) بنا کر اُن دیسی سپاہ کو برطرف کیا گیا جو نظام کے ماتحت باقی رہ گئی تھی اور جن کا وجود انگریزوں کو کھٹک رہا تھا۔ نظام ناصرالدولہ کی ناراضگی پر سراج الملک کو ہٹایا گیا لیکن قرض کی ادائیگی کا مطالبہ شدت سے کیا جانے لگا اور اس بنیاد پر مزید علاقوں کا مطالبہ ہوا۔ ولزلی نے جب یہ دیکھا کہ نظام قرضے کی نقد ادائیگی کی تدبیر کر رہا ہے تو اسے روک دیا گیا۔[۲] آخر کار ۱۸۵۳ء میں علاقہ برار مانگا گیا۔ نظام صاحب اب کی بار بھی بہتیرا کلبلائے مگر کچھ پیش نہ گئی اور صوبہ برار لے لیا گیا۔ جو تریسٹھ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا تھا یعنی نظام کی کل ریاست کا تقریباً ایک

---

[۱] مودودی (ابوالعلا): دولت آصفیہ اور برطانیہ/۴۲۔ حیدر آباد افیرز (انگریزی) جلد دوم ص ۲۲۴، ۲۴۷، ۲۴۷، ۲۷۳، ۲۲۲

۳

2. FRASER: p. 389

تہائی۔ اسی پر بس نہیں ہوا، ایک اور فوج رکھی گئی اور خرچ (بائیس [۲۲] لاکھ) نظام کے سر پڑا۔ جب وہ غریب اس قابل بھی نہ رہا تو یہ خرچ 'ازراہِ شفقت' کمپنی خود ادا کرتی رہی اور نظام کے کھاتے میں لکھا جاتا رہا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ کھاتہ نہیں تھا بلکہ نظام کو کھاتے جانے کی ایک حسین وجمیل ترکیب تھی چنانچہ کچھ عرصے بعد ایک اور زرخیز حصہ قرضے میں چھین لیا گیا۔ نظام کو فوج کے اخراجات ایک کروڑ ستتر لاکھ ادا کرنے پڑتے تھے جبکہ ریاست کی کل آمدنی دو [۲] کروڑ سے زیادہ نہ تھی۔[۱] ایک انگریز ڈیوڈسن کس مزے سے اپنے مراسلے میں لکھتا ہے

"تعجب اس پر نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ریاست تینتالیس [۴۳] لاکھ کی قرضدار کیوں تھی بلکہ اس پر ہے کہ پچاس سال تک اس بُری طرح لُٹنے اور تباہ ہونے کے باوجود وہ صرف ۴۲ لاکھ ہی کی قرض دار کیوں رہی، اس کا بالکل دیوالہ کیوں نہ نکل گیا"[۲]

اودھ پر دست درازی اودھ پر کمپنی کے قبضے کی کہانی بڑی طویل اور دردناک ہے لیکن ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی کڑیاں تاریخ سے اس طرح پیوست ہیں کہ اسے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بعض مورخوں نے تو اودھ کے الحاق کو تحریکِ ۱۸۵۷ء کا سب سے بڑا سبب قرار دیا ہے اور اسی وجہ سے ذرا واضح طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔

اودھ ایک زرخیز اور خوشحال علاقہ تھا چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی نگاہیں عرصے سے اس کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وارن ہیسٹنگز نے جب نواب اودھ سے چالیس لاکھ روپیہ لے کر روہیلوں کو پامال کیا (۱۷۷۴ء) تب ہی سے کمپنی کی امدادی فوج 'جو ہر جگہ تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی' یہاں بھی رہنے لگی اور یہیں سے اودھ کی بدنصیبی کی داستان شروع

۱؎ مودودی / ۱۰۸ — ۱۰۶

۲؎ مودودی : دولت آصفیہ — ۱۰۸

ہوتی ہے۔ امدادی فوج کے اخراجات کے لیے شروع میں پینتس[۲۵] لاکھ روپے کی رقم نواب اودھ نے منظور کی لیکن جلد ہی یہ چھہتر[۷۶] لاکھ تک جا پہنچی اس کے علاوہ جو طریقے اختیار کیے گئے اُن میں سے صرف مثال کے طور پر کورا اور الہ آباد کا لطیفہ ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ علاقے نواب وزیر اودھ سے کمپنی نے لے لیے لیکن آٹھ سال بعد یہی علاقے پھر نواب اودھ کے ہاتھ فروخت کیے گئے، پینتالیس[۴۵] لاکھ روپے میں ــــ! غریب نواب اودھ کو صرف اتنے ہی پہ بس نہیں ہوا، متواتر مطالبات جو کمپنی کی طرف سے ہوتے رہے وہ الگ تھے اور ہمیشہ بڑھتے ہی چلے جاتے تھے، ساتھ ہی، زمینوں کا محصول اور لگان بھی بڑھتا چلا جاتا تھا چنانچہ نوبت یہ آئی کہ لگان کمپنی نے براہِ راست وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس وصولیابی میں جو ظلم و زیادتی روا رکھی گئی اس کا ذکر فضول ہے۔ زراعت، صنعت اور تجارت برباد ہو کر عوام کی جو حالت ہوئی وہ بنگال کے آئینے میں دیکھ لیجیے۔

۱۷۷۵ء میں نواب اودھ کی موت پر کمپنی نے تمام معاہدے (سوائے ادائیگی زرِ نقد) منسوخ کر دیئے اور نئی شرطیں منظور کرنے پر زور دیا۔ امدادی فوج کے خرچ میں بھی اضافہ کیا گیا، نواب کو مجبور کیا گیا کہ بنارس کمپنی کے حوالے کر دے جس کی آمدنی بائیس[۲۲] لاکھ تھی۔ غرض یہ کہ کمپنی اور اودھ کے روابط کا ہر گوشہ حریصانہ نگاہوں اور فریب کاریوں کی طویل داستانیں سُنا رہا ہے جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ سر جان شور گورنر جنرل ہو کر آیا (۱۷۹۲ء) تو نواب اودھ سے طے شدہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کیا اور انکار کرنے پر اس کے وزیر لال بھاؤ کو گرفتار کر لیا بالآخر آصف الدولہ کو شرطیں منظور کرنا پڑیں۔ آصف الدولہ کے مرنے پر پہلے تو وزیر علی کو جانشین تسلیم کیا گیا مگر بعد میں سعادت علی سے ساز باز کر کے عدم مداخلت کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کو تخت نشین کر دیا گیا۔ "سعادت مند" وہ یوں بھی ثابت ہوا کہ تمام من مانی شرطیں تسلیم کرا لی گئیں مثلاً یہ کہ ملک کی 'حفاظت' کے لیے دس ہزار انگریزی فوج رکھی جائے گی جس کا خرچ نواب ادا کرے گا۔ الہ آباد کا علاقہ اور دس لاکھ

روپیہ نقد کمپنی کے حوالے کیا جائے گا۔ نواب کسی اور سلطنت سے خط و کتابت کا مجاز نہ ہوگا وغیرہ۔

بڑھتے ہوئے مطالبات کی ایک مثال راجہ بنارس کی بھی ہے جس کو کمپنی نے ۱۷۷۵ء میں اپنی 'سرپرستی' میں لے لیا تھا۔ راجہ چیت سنگھ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک طویل داستان ہے مختصراً یہ کہ وارن ہیسٹنگز نے ۱۷۷۸ء میں راجہ کو لکھا کہ موجودہ جنگ (جو کمپنی ہندوستانی ریاستوں کے خلاف جاری رکھے ہوئے تھی) کے خرچ میں اپنا حصہ پانچ لاکھ روپیہ ادا کرے۔ اس کے بعد یہ مطالبہ ہر سال اضافے کے ساتھ ہونے لگا راجہ جب بالکل مجبور ہوگیا تو معذوری کا اظہار کیا اس 'جرم' پر ہیسٹنگز خود پچاس لاکھ روپیہ وصول کرنے بنارس پہنچا جس پر بنارس کے عوام نے حملہ کیا اور جان بچاکر بمشکل بھاگا۔ غرض یہ کہ ان حالات نے بنارس کو تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا اور ۱۷۸۴ء میں قحط نے آدبایا۔ کمپنی نے جب چیت سنگھ کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھال بھی اتار لی تو ایک کٹھ پتلی راجہ گدی پر بٹھاکر چھوڑا گیا۔

یہ تو مثال بنارس کی تھی، اودھ کا باقی علاقہ بھی انہی حالات سے دوچار تھا۔ آصف الدولہ کو اپنے کیے کا انجام نظر آیا مگر اب تو 'خود کردہ را' کے بعد 'علاجے نیست' کی منزل آچکی تھی انگریزی جونک اودھ کو لگ چکی تھی جس سے بچنا اب دشوار نہیں، ناممکن تھا۔ اس انگریزی جونک کو اودھ کے نونہالوں کا خون درکار تھا اور اس کی دو ہی صورتیں تھیں ـــــ یا تو آہستہ آہستہ چوس لینے دیا جائے اور یا میدان میں نکل کر تلوار سے بہایا جائے ـــــ ابھی تک پہلی صورتِ حال رہی تھی مگر ملک کے دگرگوں ہوتے ہوئے حالات نوجوانوں کی غیرت کو للکار رہے تھے۔ اور جب غیرتوں میں اُبھار اور گرم خون میں اُبال آیا تو تاریخ وطن کے اوراق پر وہ خونی داستان نقش ہوگئی جو انہی صفحات پر ہمارے سامنے آرہی ہے۔

اودھ کا عیش پسند نواب بے چارہ یہی کرسکتا تھا کہ کمپنی کی دہائی دے، ۱۷۷۹ء میں بھی اُس نے فریاد کی مگر شنوائی آخر کیوں ہوتی؟ نتیجے میں وہی حشر ہوا، ہر طرح کی تباہی کے ساتھ ہی گاؤں کے گاؤں ویران ہوتے چلے گئے۔[۱]

۱۔ MUKERJI: pp.208-210

کمپنی کی امدادی فوج تو مسلّط تھی ہی' اب یہ مطالبہ بھی ہوا کہ نواب اپنے فوجی دستے ختم کردے جس پر حسبِ معمول احتجاج کیا گیا۔ ایک انگریز فلپس فرانس نے کونسل کو (انگلینڈ) جو رپورٹ کی تو اُس میں لکھنا پڑا کہ :

"مجھے تو ایک آزاد حکمراں کے اس مطالبے میں کوئی جرم و قصور نظر آتا نہیں کہ اُسے ایک غیر بیرونی طاقت کی فوج رکھنے کے بارے پھٹکار دلا دیا جائے جو کہ بے حد شرارت سے اُس کے محصولات اور ملک کی آمدنی کو نگل گئی ہے اور وہ بھی اُس کی حفاظت کے بہانے سے۔" [1]

مگر ہیسٹنگز نے کمپنی کے فوجی دستے کم بھی کرنے سے انکار کر دیا۔ اب کمپنی کے مطالبات چودہ لاکھ پونڈ (ہندوستانی سکّے میں دس گنا بڑھا لیجئے) تک جا پہنچے تھے۔ حالات سے مجبور ہو کر جب گاؤں کے باشندے اپنی زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگے تو انگریزی فوجوں نے زبردستی گھیر لیا، تنگ آ کر انھوں نے مقابلہ کیا تو فوج نے کچل کر رکھ دیا۔ کپٹن ایڈورڈس نے ۱۷۷۴ء میں اور پھر ۱۷۸۳ء میں اودھ کا دورہ کیا، پہلے خوش حال اور نَو ہی سال بعد تباہ حال دیکھ کر اپنے بیان میں یہ حالات لکھے۔ ہولٹس نے بھی اس تباہ حالی کی داستان بیان کی ہے۔ ۱۷۸۴ء میں تو یہ علاقہ زبردست قحط سالی کی زد میں تھا۔ اس کے باوجود کمپنی کے مطالبات اور امدادی فوج بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔ ولزلی نے ۱۸۰۰ء میں ایک نیا مطالبہ یہ کیا کہ نواب اپنی غیر قواعد داں فوج کو بھی ختم کرے اور مزید پچاس لاکھ روپیہ سالانہ امدادی فوج کی نذر کرے اس طرح اودھ کی پوری فوجی طاقت کمپنی کے قبضے میں آجاتی۔ نواب نے انکار کیا تو ولزلی نے فرضی الزام رکھ کر انگریزی فوجیں زبردستی داخل کر دیں اور حکم ہوا کہ اُن کے خرچ کا انتظام کیا جائے۔ نواب نے عاجزی سے احتجاج کیا تو ولزلی نے تمام مراسلات یہ لکھ کر واپس کر دیئے کہ "اِن کا

۱ـ 1. MUKERJI: Rise & Fall of .. pp. 208-210

طرزِ خطاب ہندوستان کے سب سے بڑے برطانوی حاکم کی شان کے خلاف ہے۔"[۱] نومبر ۱۸۰۱ء میں نواب کو بے بس کر کے ایک اور معاہدہ ہوا اور بہت سا علاقہ کمپنی نے امدادی فوج کی کفالت کے نام پر ہضم کر لیا جس کی سالانہ مال گذاری ۱۳۵۲۵۴۷۴ روپئے تھی۔ نئے معاہدے سے یہ بھی پابندی تھی کہ وہ اندرونی معاملات میں بھی کمپنی کے افسروں سے رائے کر کام کرے گا گویا اس طرح وہ بالکل ہی جکڑ لیا گیا۔ لیکن کمپنی کی طرف سے وہ فوجی امداد کبھی نہیں دی گئی جس کا معاہدوں میں وعدہ کیا گیا تھا۔[۲] مارشمین کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ "اس ترکیب سے نواب بالکل بے بس ہو گیا کیونکہ اس توڑ جوڑ کے مقابلے میں جیت جانے کا ڈھب اس کی سمجھ میں نہ آسکا۔" مختصر یہ کہ اُن بڑھتے ہوئے مطالبات نے اودھ کو کھوکھلا کر کے بدانتظامی پیدا کی اور نواب کے لیے ناممکن ہو گیا کہ وہ اپنی سلطنت کا انتظام کر سکے کیونکہ سابقہ قانون کمپنی نے ختم کر دیئے اور نئے قانون کی بدولت عوام کو اس قدر پریشان کن نتائج بھگتنا پڑے کہ دس سال بعد کمپنی نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ خزانہ خالی ہو جانے پر جب نواب نے ٹیکس لگایا تو کمپنی کی طرف سے 'بدانتظامی' کا الزام عائد کیا گیا اور اگر کبھی عوام آواز اٹھاتے تو انگریزی سنگینیں اُن کو کچلنے کے لیے نکل آتیں۔ اس طرح ایک طرف تو اصلاح اور سدھار کو ناممکن بنا دیا گیا، دوسری طرف 'بہتر انتظام' کے متواتر مطالبات کو رفتہ رفتہ زیادہ سختی سے پیش کیا گیا۔ انگریز مورخ چارلس بال نے لکھا ہے کہ "عوام کو خوش حال بنانے والی اصلاحات رائج کرنے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ کمپنی کے نمائندے کو واپس بلا کر نواب کو آزادانہ طور پر انتظام کا موقع دیا جاتا لہٰذا حدودِ ریاست کی اندرونی بے چینی کی تمام ذمہ داری کمپنی کے سر ہے۔"[۳]

---

[۱] 1. MARSHMAN: p.255

[۲] 2. SEN: Eighteen Fifty seven p. 172-173

[۳] 3. BALL C : Vol.1 p.152

اب وہ وقت قریب آ لگا جب اُس بھیڑیئے کا فارمولا استعمال کیا جائے جو بکری کے بچے کو دریا سے پانی پیتا دیکھ کر اُس پر پانی گندا کرنے کا الزام لگا رہا تھا۔ چنانچہ ایک طرف کمپنی کی طرف سے اصلاحات کے تقاضے تھے دوسری طرف اس راہ میں رکاوٹیں ڈالی گئیں اور صاف الفاظ میں رزیڈنٹ کی طرف سے روکا گیا۔

۱۸۴۷ء (۱۳ فروری) میں جب واجد علی شاہ تخت نشین ہوا تو کمپنی اودھ پر پوری طرح قابو پائے ہوئے تھی۔ [۱] واجد علی شاہ نے اصلاحات شروع کیں تو انگریزوں کے کان کھڑے ہوئے، رزیڈنٹ کو یہ حرکت پسند نہ آئی۔ فارن سکریٹری نے رزیڈنٹ کو لکھا اور رزیڈنٹ نے اعتراض کیا لیکن ساتھ ہی گورنر جنرل نے اودھ کا دورہ کرنے کے بعد شاہ کو نومبر ۱۸۴۷ء میں ایک سخت وارننگ بھیجی کہ اگر دو سال کے اندر انتظام میں سدھار نہ کیا گیا تو کمپنی اودھ کا انتظام خود سنبھال لے گی۔ [۲] اودھ کا کچھ علاقہ ہڑپ کرنے کے لیے اسکیمیں تیار ہونے لگیں لیکن پھر یہ سوچا گیا پورے ہی اودھ کو نگلنے کی ترکیب کی جانا چاہیئے۔

واجد علی شاہ نے مستعدی کا ثبوت دیا، اصلاحات کے علاوہ صبح کو پریڈ پر قواعد وغیرہ کرانا شروع کی۔ معین الدین حسن لکھتا ہے کہ:

---

[۱] اودھ کی سرحدیں شمال میں نیپال، جنوب میں گنگا، مشرق میں گورکھپور اور مغرب میں شاہ جہاں پور سے ملتی تھیں اور پانچ نظامتوں میں تقسیم تھی یعنی خیرآباد۔ گونڈہ بہرائچ۔ سلطانپور۔ بیسواڑہ۔ سالون۔ ہر نظامت میں تین چار چکلے تھے۔ زائد علاقے باڑی بسواں۔ دریاباد رودولی۔ دیوا کرسی۔ نواب گنج۔ گوشائیں گنج۔ موہان۔ رسول آباد۔ صفی پور۔ بانگر مئو۔ سانڈھی پالی۔ محمدی وغیرہ تھے واجد علی شاہ ۳۰ جولائی ۱۸۲۲ء کو پیدا ہوا۔ باپ امجد علی اور ماں ملکہ کشور زمانی تاج آرا بیگم بنت نواب حسین الدین تھیں۔

BHATNAGAR (G.D): Oudh under Wajid Ali Shah pp.43-51

[۲] MASIHUDDIN: Oudh.. p.125

"جب ایسی کچھ ہوشیاری اور کارروائی روزمرّہ آراستگی فوج کا چند روز میں شہرہ ہوا اور صاحب رزیڈنٹ بہادر نے بھی ملاحظہ فرمایا تو صاحب موصوف کو وہم و اندیشہ پیدا ہوا جو اس بارے میں واجد علی شاہ بادشاہ سے خط و کتابت ایسے مضمون کی شروع کی کہ حضور خود بادشاہ ہوکر اس قدر محنت و مشقّت و جفاکشی اپنی ذات پر کیوں گوارا فرماتے ہیں۔ یہ جو فوج آراستہ سرکار انگریزی کی ہے اس کو بھی آپ اپنا ہی تصور فرمائیں اور آپ عیش و آرام سے زندگی بسر کریں..... جب واجد علی شاہ بادشاہ کو متواتر ایسی تحریر و تقریر سے نہ معلوم کہ از راہ غصّہ اور طیش کے بُرا معلوم ہوا یا یہ کہ جو تحریر و تقریر اُن سے کی گئی وہ مؤثر ہوگئی، یہ ارشاد فرمایا کہ اچھا اب ہم اور شغل میں بسر کریں گے۔ یک بارگی وہ سب باتیں انتظام ملکی و مالی کی موقوف کرکے اربابِ نشاط کی طرف متوجہ ہوئے۔" [۱]

اصلاحات میں رزیڈنٹ کے ٹانگ اڑانے کا یہ ایک ہی ثبوت نہیں ہے، وہ اصل تحریریں محفوظ ہیں جن میں واجد علی شاہ کو پہلے نرم اور پھر سخت الفاظ میں اصلاحات سے روکا گیا۔ جی ڈی بھٹناگر نے اپنی انگریزی کتاب ("اودھ واجد علی شاہ کے عہد میں") میں

---

[۱] معین الدین: خدنگِ غدر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا انگریزی ترجمہ مٹکاف نے تحریف کرکے شائع کیا تھا۔ یہ اصل کتاب کا اقتباس ہے (ص ۱۲)۔ ان حالات پر ایک اور کتاب تواریخ نادر العصر مؤلفہ نول کشور میں بھی روشنی ڈالی گئی ہے (ص ۱۲۶)۔ واجد علی شاہ نے انتظامی اصلاح پر ایک کتاب "دستور واجدی" بھی ترتیب دی تھی اس کا تذکرہ وزیر نامہ مؤلفہ امیر علی میں بھی (ص ۱۴۷) کیا گیا ہے۔

تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

اب حسبِ منشا ترکیبیں شروع ہوئیں۔ کرنل سلیمن رزیڈنٹ ہو کر آیا تو واجد علی شاہ کے خلاف رپورٹیں لکھنا شروع کر دیں کہ "وہ انتظامی معاملے میں بالکل ناکارہ ہے۔ اس کا وزیر نہایت تیسرے درجے کا آدمی ہے۔" وغیرہ۔ اتنا ہی نہیں، سلیمن نے شاہ سے انتہائی بے عزتی کا برتاؤ شروع کر دیا۔ شاہی مُہر میں لفظ 'غازی' ایک حکم کے ذریعے مٹا دیا گیا۔ [۱] ۱۸۵۱ء تک یہ حرکتیں برابر جاری رہیں۔ ڈلہوزی نے ایک خط مورخہ ۳۰ جولائی ۱۸۵۱ء میں لکھا:

"یہ مزے دار پھل کسی نہ کسی دن ہمارے مُنہ میں آنے والا ہے۔ بہت عرصے سے پک کر تیار ہو چکا ہے۔ ابھی الحاق مناسب نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کورٹ مجھے خواہ مخواہ درخت کو ہلانے کی منظوری دے اس پھل کو گرانے کے لیے" [۲]

اودھ کی ضبطی

اودھ کا 'مزے دار پھل'، آخرکار پکتے پکتے کمپنی کے مُنہ میں آ گرا۔ رزیڈنٹ سلیمن اور اوٹرم [۳] سے رپورٹیں مانگی گئیں اور الحاق کا فیصلہ کر لیا گیا۔ واضح رہے کہ اودھ وہ مملکت تھی جو نہ صرف ہمیشہ انگریزوں کی 'وفادار' رہی بلکہ آڑے وقت میں کسی ممکن امداد سے دریغ نہیں کیا۔

الحاق کا فیصلہ آخر وقت تک پوشیدہ رکھا گیا۔ شاہِ اودھ کی طرف سے فوجی نقل و حرکت کے بارے میں پوچھا بھی گیا تو یہ بہانہ کر دیا گیا کہ شاہ نیپال یاترا کو جا رہا ہے اس لیے فوج جمع ہوئی

---

[۱] 1. BHATNAGAR: p. 71

[۲] 2. BAIRD (J.G.A): Private Letters of Dalhousie p.33

[۳] جیمس اوٹرم ۱۸۵۴ء میں سلیمن کی جگہ رزیڈنٹ مقرر ہوا جو الحاق کے بعد چھٹی پر چلا گیا اور جیکسن مقرر ہوا۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں ہنری لارنس چیف کمشنر بنایا گیا

ہے۔ آخر کار جنرل اوٹرم نے ۸ار جنوری ۱۸۵۶ء کو واجد علی شاہ کے سامنے اودھ کی ضبطی کا فرمان دستخط کے لیے پیش کیا تو شاہ نے غم زدہ ہو کر کہا "عہد نامہ برابر والوں میں ہوتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ میں اس پر دستخط کروں، انگریزوں کو اختیار ہے میرے اور میرے ملک کے ساتھ جو چاہیں کریں" چنانچہ اودھ کو ضبط کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ واجد علی شاہ اور اس کی والدہ نے ہزار دلیلیں اور گذارشیں کیں مگر ایک نہ سُنی گئی۔ شاہ کو کلکتہ جانے کا حکم ہوا اُس نے اپنے وزیروں یعنی علی نقی اور راجہ بال کرشن کو ہمراہ لے جانا چاہا تو اس کی اجازت نہ ملی کچھ کا غلات وغیرہ بھی نہ لے جانے دیئے گئے۔ لندن کے بعض اخباروں نے اودھ کی جبری ضبطی کو ناانصافی اور عہد نامے کی خلاف ورزی قرار دیا تھا[۱] انگریزوں کے بڑے اور سچے 'وفادار' سرسید بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

> "اودھ کی ضبطی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ کمپنی نے خلاف عہد و اقرار کے کیا ہے"[۲]

کمپنی کا راج اودھ پر کمپنی 'بہادر' کا تسلط ہوتے ہی جو 'بہار' آئی اس کا قیاس اس طرح کیجئے کہ ایک اندازے کے مطابق سات آٹھ لاکھ آدمی بے روزگار ہو گئے۔ پورے صوبے کا جو حال ہوا وہ انگریزوں کی یادداشتوں ہی سے اخذ کیا جا سکتا ہے جو بہت ہی ہلکا سا اندازہ ہوگا۔ صرف ایک انگریز رنٹر ریز کے الفاظ میں سُنیے:

> "ہزاروں شرفاء، اُمراء اور حکام جو شاہی زمانے میں بڑے عہدوں پر تھے اور عیش و عشرت کی زندگی گذارتے تھے، مُفلسی اور محتاجی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کے ماتحت ملازم اور مصائب بے روزگاری کا شکار ہیں

---

[۱] اخبار کوہ نور (لاہور) ۱۳ر مئی ۱۸۵۶ء

[۲] سرسید: اسباب بغاوت ہند/ ۵

"...... عام لوگ عموماً اور غریب خصوصاً بے حد غیر مطمئن ہیں کیوں کہ طرح طرح کے ٹیکسوں کی بھرمار ہے" ؎۱

اودھ کی شاہی فوج کو بھی برخاست کر دیا گیا جو تقریباً ستر ہزار تھی۔ اس طرح تمام اودھ کا علاقہ اِن برخاست شدہ سپاہیوں سے بھر گیا جن کی نئے اودھ کی پولس یا فوج میں کوئی جگہ نہ تھی۔

جائدادیں اس کثرت سے ضبط و نیلام ہوئیں کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے کے چار پانچ سال میں پینتیس ۳۵ ہزار میں سے اکیس ۲۱ ہزار قرق یا نیلام کی جا چکی تھیں۔ یہ کارنامہ "انعام کمیشن" کے ذریعے ہو رہا تھا جس کی کارروائیوں کو کئی انگریز مصنفوں مثلاً تھارن ہل اور جی بی سٹین کار وغیرہ نے ناجائز اور ظالمانہ قرار دیا ہے۔ تھارن ہل کا کہنا ہے کہ:

"ہمارے لگان آراضی کی تشخیص بلا شک بہت زیادہ تھی زمین کی فروخت کے ذریعے جبری وصولی نے اس کی سختی میں اور بھی اضافہ کیا" ؎۲

مال گذاری کے نئے نظام کے سلسلے میں چودہ ۱۴ ہزار مقدمات سخت گیری اور ناانصافی کے خلاف دائر ہوئے۔ مورخ میلسن نے بھی یہ حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کہا تھا:

"کسی دیسی ریاست کا الحاق اس کے باشندوں کو زوال پذیر اور قلاش کر کے اپنا دشمن بنانا ہے"

تھامس منرو نے کہا:

"اس پالیسی نے تمام لوگوں کو اکھاڑ پچھاڑ کر رکھ دیا ہے"

؎۱ 1. REEZ: Narrative of Siege ... pp.33-34

؎۲ جوشی: انقلاب ۱۸۵۷ء (اردو ترجمہ سمپوزیم) ص ۲۷، ۱۷، ۱۴

میلیسن نے اقرار کیا ہے کہ اودھ کے الحاق نے اس علاقے کو بے اطمینانی اور سازشوں کا مرکز بنا دیا۔

شاہِ اودھ کی فریادیں واجد علی شاہ کو ہر طرح کی بے عزتی اور ظلم و ستم سہنے کے باوجود یہ امید تھی کہ فریاد سُنی جائے گی چنانچہ ایک وفد تو لندن بھیجا گیا اور کلکتے میں قید کیے جانے کے باوجود گورنر جنرل کو احتجاج کے خط شاہ کی طرف سے لکھے جاتے رہے۔ ایک خط (۳۰ راگست ۱۸۵۶ء م ۲۸ ر ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ) میں کس بے بسی سے لکھا تھا کہ:

"میں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھ پر اس قدر ظلم و تشدد اور بے عزتی روا رکھی گئی کہ اس کا دسواں حصہ بھی کبھی انگریز حکومت کے کسی دشمن کے ساتھ نہیں کیا گیا ہوگا۔ میری ہزاروں چیزیں اور سامان ضبط کر لیا گیا۔ میری چھ پشتوں کی یادگار لاکھوں کی عمارتیں مسمار کر دی گئیں۔ فرح بخش کی عظیم الشان عمارت کو گھوڑوں اور کتوں کا اصطبل بنا دیا گیا۔ میرے ذاتی دفتروں حتیٰ کہ منشی خانے پر گارڈ کا پہرہ بٹھا دیا گیا۔ گوداموں کا تالا توڑ کر سامان برباد کر دیا گیا۔ میرے بیل۔ ہاتھی۔ گھوڑے کوڑیوں کے مول نیلام کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے کام کیے گئے جن کا بیان مشکل ہے۔ میرے کلکتہ آنے کے بعد بھی روزانہ ایسے کام کیے جا رہے ہیں کہ میری تذلیل ہو۔۔۔۔" [1]

ایک اور خط (۱۴ ر ستمبر ۱۸۵۶ء م ۱۴ ر محرم ۱۲۷۳ھ) میں ۷ ر محرم کو بھیجے گئے خط کا ذکر ہے اور لکھا ہے کہ لکھنؤ میں چھتر منزل کو جو شاہی بیگمات وغیرہ کی رہائش گاہ تھی، زبردستی خالی کرا لیا گیا اور بیگمات کو بے عزت کر کے نکالا گیا۔ شاہی افسروں سے گوداموں کی تفصیل طلب کی

---

1. Freedom Struggle UP vol.1 p. 273

گئی، بیگمات کا روپیہ ضبط کر لیا گیا، وہ ایک ایک پیسے کو محتاج ہو گئیں۔ ایک اور خط میں لکھا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو چھتر منزل سے نہایت بے دردی سے گھسیٹ کر نکالا گیا۔[1] اس طرح کے بے شمار خطوط ہیں جو ابھی کام آئے کہ آج حالات کا ہلکا سا عکس دکھائی دے رہے ہیں۔

فروری ۱۸۵۶ء میں اودھ کی جبریہ ضبطی کا اعلان ہوا، بد انتظامی کے حیلے سے ملک چھین لیا گیا، شاہی محلات کو لوٹا گیا۔ قدم رسولؐ جو ایک مقدس مقام تھا، اسلحہ خانہ اور اسٹور بنایا گیا ـــــ کل کے شاہی محلات آج انگریز فوجیوں کے اصطبل تھے اور کل کے امیر آج کے فقیر!

دیسی ریاستوں سے برتاؤ دوسری ریاستوں کے ساتھ جو برتاؤ ہو رہا تھا اس کی مختصر روئداد بیان کرنے کے لیے بھی ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ حیدر آباد اور اودھ کو بھی ہم نے کسی قدر تفصیل سے ان کی اہمیت کے پیشِ نظر بیان کیا۔ ملک کی دوسری ریاستوں کو بھی کمپنی ہضم کرتی چلی جا رہی تھی اور ڈلہوزی (گورنر جنرل) کا زمانہ آتے آتے تو ہاضمہ غالباً زیادہ درست ہو چکا تھا اس لیے اُس کے عہد میں آٹھ ریاستوں کو یکے بعد دیگرے ہضم کیا گیا۔ ترکیب یہ ایجاد کی گئی کہ ہندو راجاؤں کو گود لینے کا رسم جاری رکھنے کی اجازت نہ دی گئی۔ اولاد نہ ہوتے پر کسی نزدیکی رشتے دار کے بچے کو گود لینے کی رسم ہمیشہ سے رائج تھی جسے ہندو دھرم اور رواج کی رُو سے صحیح سمجھا جاتا تھا لیکن کمپنی کی نئی پالیسی اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

ڈلہوزی کے زمانے میں سب سے پہلے ریاست ستارا کو ضبط کیا گیا۔ ۱۸۱۸ء میں پیشوا باجی راؤ کے خلاف دوسری مرہٹہ ریاستوں کو بھڑکانے اور اپنے ساتھ ملانے کے لیے کمپنی کے عادی فریب کاروں نے مختلف وعدے کیے اور یہ راجے اس جال میں پھنس گئے۔ انھیں میں ستارا کا راجہ بھی تھا۔ جس سے وعدہ کیا گیا کہ پیشوا کی طاقت کو ختم کر کے ساری مرہٹہ حکومت آپ کو دے دی جائے گی اور ستارا کو راجدھانی بنا دیا جائے گا مگر پیشوا کو ختم کرنے کے بعد

---

[1] Freedom Struggle UP vol:1 p. 273

یہ تمام وعدے مکڑی کے جالوں کی طرح صاف کر دیئے گئے۔ رابرٹ نائٹ کا کہنا ہے کہ:

"ہمارے اعلان کے وعدوں اور ستارا راج کے از سر نو قائم کیے جانے کے وعدوں نے پیشوا کا خاتمہ کر دیا اب ہمارا جان بوجھ کر اپنے وعدوں سے پیچھے ہٹنا ایسا فعل ہے جسے کوئی بھی ایمان دار قابل ملامت ٹھہرائے بغیر نہیں رہ سکتا چاہے اس وعدہ خلافی کے لیے دلیلیں کیسی بھی کیوں نہ دی جائیں"۔ [۱]

ستارا کا راجہ پرتاپ سنگھ اُس وقت نابالغ تھا، اُسے مہاراجہ مان کر ایک انگریز رزیڈنٹ گویا ریاست کی 'حفاظت' کے لیے بھیج دیا گیا مگر بالغ ہونے پر راجہ امید کے خلاف عقل مند ثابت ہونے لگا تو سازش کے ذریعے اس کے بھائی کو ساتھ ملا کر پرتاپ کو گرفتار کر کے بنارس بھیج دیا گیا اور اس کے بھائی کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ ۱۸۴۸ء کے قریب دونوں کی موت ہوئی، دونوں لاولد تھے مگر دونوں کے لے پالک بیٹے موجود تھے لہٰذا ڈلہوزی نے زبردستی ستارا پر قبضہ کر لیا۔

ناگپور کے آخری راجہ راگھو جی گھونسلے (سوم) کی ۱۸۵۳ء میں موت ہونے پر اس کی بیوہ مہارانی کے لے پالک بیٹے یشونت راؤ کو جانشین تسلیم نہ کرتے ہوئے جنوری ۱۸۵۴ء میں ناگپور پر کمپنی نے قبضہ کر لیا جبکہ دس سال پہلے (۱۸۴۴ء) ناگپور کے رزیڈنٹ کے خط کے جواب میں گورنر جنرل نے لکھا تھا کہ بیٹا نہ ہونے کی صورت میں راجہ کے خاندان والوں کو گود لینے کا پورا حق ہے۔ دس برس کے اندر ہی یہ تمام اصول بدل گئے اور ناگپور ضبط کر کے راج محل کو جس انداز میں لوٹا گیا اس کا اندازہ جون کے کے اِن الفاظ سے لگائیے کہ "راج محل کا سارا اسباب حتیٰ کہ گھوڑے، ہاتھی، اونٹ، بیل، گائے وغیرہ کے علاوہ رانیوں کے

---

[۱] 1. ROBERT KNIGHT: Inam Commission pp. 45-46

زیورات جواہرات، گھر کا سامان، فرنیچر، برتن اور کپڑے تک نیلام ہوئے "محل کا فرش تک کھود ڈالا گیا۔ بعض سونے چاندی کے برتن اور قیمتی سامان کلکتہ لے جاکر نیلام کیا گیا۔ کروڑوں کے زیورات ہزاروں میں نیلام کیے گئے ہاتھی گھوڑے گوشت کے داموں میں بیچے گئے۔[1] ناگپور پر اُس خاندان کا راج تھا جس نے حیدر علی اور نانا فرنویس کے خلاف کمپنی کا ساتھ دیا تھا

جھانسی کے راجہ رام چندر راؤ سے، جو پیشوا کے ماتحت تھا، کمپنی نے 'دوستی' کا عہد نامہ کیا اور پیشوا کو ختم کرنے کے لیے وعدہ کیا کہ جھانسی کی پوری ریاست رام چندر اور اس کے جانشینوں کو دیدی جائے گی۔ بے چارا رام چندر بھی اس جھانسے میں آگیا مگر ۱۸۵۳ء میں گنگا دھر راؤ کے مرنے پر اس کے لے پالک دامود راؤ کو جانشین تسلیم نہیں کیا گیا اور مارچ ۱۸۵۴ء میں جھانسی ضبط ہو گئی۔ میجر ایونس بیل نے اپنی کتاب (دی ایمپائر ان انڈیا) میں ڈلہوزی کے اِس ظلم کو صاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔

بھرت پور کے راجہ کی موت پر وہاں کے قلعے پر چوراسی توپوں سے گولہ باری کی گئی اور بارود سے اُڑا دیا گیا، خزانہ اور سامان لوٹا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں برما پر چڑھائی کی گئی پھر ۱۸۵۱ء میں دوبارہ حملہ کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ راجہ انگریزوں سے 'گستاخی' کر رہا ہے راجہ نے سفیر بھیجے تو انھیں ذلیل کر کے دربار سے نکال دیا گیا۔ میسور کے راجہ کو ۱۸۳۱ء میں تخت سے اُتار کر چیف کمشنر مقرر کر دیا گیا۔ اسی طرح سنبل پور، جالون، جیت پور، تنجور وغیرہ ریاستیں کمپنی نے ضبط کر لیں۔ تنجور کی بیوہ رانی کا لطیفہ قابلِ غور ہے جس نے کمپنی سرکار کے خلاف مدراس سپریم کورٹ میں نالش کی کہ میرے شوہر کی ذاتی دولت کو بھی ضبط کر لیا گیا ہے وہ دلوائی جائے۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ رانی کے حق میں دیا۔ مدراس گورنمنٹ نے اس کے خلاف انگلستان پریوی کونسل میں اپیل کی۔ یہاں کے ججوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اگرچہ انگریزی

---

[1] سندر لال: سن ستاون ۱۵

سرکار کو تنجور پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہ تھا اور رانی کے ساتھ زبردستی کی گئی پھر بھی چونکہ یہ معاملہ سیاسی ہے اور عدالت کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں اس لیے مدراس سپریم کورٹ کا فیصلہ رد کیا جاتا ہے اور رانی کا دعوا خارج ــــ!

ایک انگریز مورّخ لڈلو حیران ہوکر کہتا ہے:

"جس وقت سے گورنر جنرل نے اپنی اس چھینا جھپٹی کی پالیسی کا اعلان کیا اُسی وقت سے ہندوستانی والیانِ ریاست میں لاولد موتیں اتنی زیادہ ہونے لگیں جسے دیکھ کر انسان کو تعجب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا" [۱]

پنڈت سندر لال اس تعجب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اُس وقت کی ہندوستانی ریاستوں اور اُن کے اندر کمپنی کے کارناموں کی کوئی سچّی تواریخ کسی ہندوستانی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ملتی اس لیے مورّخ لڈلو کے تعجب کو دور کرسکنا اب ناممکن ہے"

بندیل کھنڈ پر دست درازی کی کہانی بھی باقی ملک سے الگ نہیں ہے کیونکہ مرہٹہ ریاستوں کی آپسی رقابت انگریزوں کو قدم جمانے کا موقعہ دیتی چلی گئی اور آخر کار عہد نامہ بسین مرتب ہوا جس کی رُو سے پیشوا کو انگریزی فوج رکھنے کے بدلے میں کچھ علاقہ کمپنی کے حوالے کرنا پڑا۔ بعد میں اِن علاقوں کو بندیل کھنڈ کے اُس حصّے سے بدل لیا گیا جو پیشوا کے قبضے میں تھا (دسمبر جنوری ۱۸۰۲ء تک) ان عہد ناموں کی آڑ میں کمپنی کی بڑھتی ہوئی دست درازیوں اور مرہٹہ ریاستوں کی بے دست و پائی سے یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کی آزادی آہستہ آہستہ ختم ہو کر کمپنی کے اقتدار کا راستہ صاف ہو رہا ہے لیکن پھر بھی یہ ریاستیں متحد نہ ہوسکیں اور قدرت نے اس نفاق کا مزہ اس طرح چکھایا کہ ۱۸۰۵ء تک مرہٹہ اقتدار تقریباً خاک میں مل گیا اس

---

[۱] لڈلو: برٹش انڈیا جلد دوم ص ۱۹۰ بحوالہ سندر لال: سن ستاون

کے بعد وسط ہند اور بندیل کھنڈ میں کمپنی کے پنجے دراز ہوئے۔ کبھی ریاستوں کو ایک دوسرے کے مقابل کر کے کبھی ایک دوسرے سے خوف زدہ کر کے اور کبھی خود درمیان میں مداخلت کر کے مختلف علاقوں کو قبضے میں کرتے جانے کی کہانی بڑی عجیب و غریب ہے اور اُس بندر کی بے ساختہ یاد دلاتی ہے جو دو لڑتی ہوئی بلیوں کے درمیان روٹی بانٹنے بیٹھا تھا کہ بلیاں بے چاری تو دونوں محروم اور روٹی بندر صاحب کے پیٹ میں۔

اندور کے حکمراں ہولکر خاندان کی ریاست پر ۱۸۴۴ء تک کمپنی کا اقتدار پوری طرح قائم ہو چکا تھا ۱۸۱۸ء میں عہد نامہ مندسور کی رُو سے ہُلکر کی ریاست کا ایک بڑا حصہ بھی کمپنی کے قبضے میں آ گیا تھا۔ اسی زمانے میں جاورا اور ٹونک کی آزاد مسلم ریاستیں انگریزی سرپرستی میں قائم کی گئیں تاکہ مرہٹوں اور ہُلکر کے مقابلے میں سہولت رہے اور اپنے وفاداروں کے بل پر اڈے بنانے کا موقعہ مل جائے۔ ۱۸۴۴ء میں گوالیار کے کچھ علاقے کی مال گذاری کمپنی کے حوالے ہوئی۔ اسی سال سندھیا کے مقبوضہ علاقوں میں سے چندیری لے لیا گیا۔ ٹھاکر جواہر سنگھ کے مرنے پر نانک پور پر قبضہ ہوا۔ یہ چھینا جھپٹی کا سلسلہ ۱۸۰۲ء کے عہد نامہ بسین سے بندیل کھنڈ میں شروع ہوا تھا۔ مختصراً ملاحظہ ہو کہ نومبر ۱۸۰۳ء میں علاقہ ریتھ (Rath) اسی سال دسمبر میں کالپی اس کے بعد اُورئی، محمد آباد۔ کوٹرا۔ سیاری نگر۔ کونچھ پھر راجہ تیغ سنگھ سے جلال پور ۱۸۰۴ء میں باندہ کے علاقے، کیسری سنگھ سے جیت پور اور ہمت بہادر کے مرنے پر اس کی جاگیر ہضم ہوئی۔ ۱۸۱۷ء میں پونا معاہدے کی رُو سے پیشوا کے تمام اختیارات ختم ہو گئے اسی سال ناناگووند راؤ سے ایک معاہدہ ہوا جس کی رُو سے جانندیش، مہوبا، چرکھی وغیرہ پر قبضہ کیا گیا، پرگنہ موتھ پر قبضہ ہوا۔ جالون کے ناناگووند راؤ کے انتقال (۱۸۲۲ء) اور پھر اس کے بیٹے بالا گووند راؤ کے لاولد مرنے پر (۱۸۳۲ء) کمپنی کو یہاں بھی قدم جمانے کا موقع ملا۔ ناناگووند راؤ کی تو اسی تائی بائی کی پنشن مقرر کر کے علاقہ ہضم کر لیا گیا۔ چرگاؤں پر ۱۸۴۱ء میں قبضہ ہوا کیونکہ یہاں راؤ بخت سنگھ نے کمپنی کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا لیکن شکست کھا کر بچ نکلا اور

اگلے سال مار ڈالا گیا۔ ۴۴-۱۸۴۲ء میں کچھ علاقے راجہ جھانسی اور سندھیا سے انگریزی فوج کے اخراجات کے بہانے چھین لیے گئے۔ ؎۱

پنجاب کے علاقوں میں بھی اندازیہی رہا۔ ۱۸۰۵ء میں ریواڑی فرخ نگر۔ بلبھ گڑھ وغیرہ ریاستیں تراش خراش اور کتر بیونت کا نشانہ بنتی رہیں۔ ۱۸۱۸ء سے ۱۸۵۱ء تک متعدد ریاستیں ضبط ہوگئیں مثلاً نواب ضابطہ خاں کی بغاوت پر رانیہ (۱۸۱۸ء)' حکمرانوں کی لاولد موت پر بے شمار ریاستیں انبالہ۔ مرادور۔ دیال گڑھ۔ کیتھل۔ تھانیسر وغیرہ ۱۸۲۴ء سے ۱۸۵۰ء تک ختم کی گئیں اور اس طرح عوام، پنڈت، علماء اور دیگر اہلکار اپنی آزادی سلب ہونے پر انگریزوں کے دشمن بنتے چلے گئے۔ ؎۲

لاولد مرنے کا یہ 'مرض' جو پورے ملک کے حکمرانوں کو لاحق ہوا، کمپنی کے لیے خوب تھا کہ جہاں کمپنی کو ذرا بھی عمل دخل کا موقع ملا اور راجہ لاولد مرا ـــــ! بہادر شاہ کے ولی عہد شہزادوں کی یکے بعد دیگرے موت اور کمپنی کے حسب منشا نتائج بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

کرناٹک میں بھی دوسری ریاستوں کی طرح وہی ناٹک دکھایا جارہا تھا۔ یہاں کے نواب نے ہی سب سے پہلے سوداگروں کی اس ٹولی کو مدراس اور کڈلور کے علاقے دیئے تھے پھر محمد علی والا جاہ نے کچھ اور علاقے دیئے اور ہندوستانی ریاستوں کے مقابلے میں انگریزوں کی مدد بھی کی لیکن والا جاہ کے مرنے پر کمپنی نے اس کے بیٹے عمدۃ الامراء سے علاقے چھیننا شروع کردیئے۔ عہدنامے ہوتے رہے حتیٰ کہ ۱۸۵۵ء میں نواب غوث محمد کی موت پر اس کے بیٹے عظیم جاہ کو نواب ماننے سے بالکل ہی انکار کردیا گیا اور ڈلہوزی نے پورا علاقہ زبردستی ہتھیالیا۔

؎۱ 1. SINHA: Revolt in Bundelkhand pp. 19-30

؎۲ 2. YADAV (K.C): Revolt in Haryana pp. 30-31

اسی دوران میں حیدر آباد اور اودھ کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا، ہماری نظر سے گذر چکا ہے۔

واجد علی شاہ اودھ مغل سلطنت کا ایک صوبہ تھا اور یہاں کا حکمراں نواب وزیر اودھ کہلاتا تھا لیکن کمپنی کو یہ فکر تھی کہ اسے مغل سلطنت کی اس برائے نام ماتحتی سے الگ کیا جائے چنانچہ انھیں بجائے وزیر کے شاہِ اودھ (کنگ آف اودھ) کا خطاب دیا گیا۔ اودھ کے ناعاقبت اندیش نوابوں نے اس اعزاز کو قابلِ فخر سمجھا لیکن بقول پنڈت سندر لال:

"جوں جوں مغل دربار کی طرف سے اودھ کے نوابوں کی آزادی بڑھتی گئی اتنا ہی انگریز کمپنی کی طرف سے ان کی غلامی بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اودھ کے ناعاقبت اندیش نواب کمپنی کی دوستی کے جنگل میں پھنس کر تھوڑے ہی دنوں میں بالکل بے دست و پا رہ گئے"

اِن حالات میں واجد علی شاہ تخت نشین ہوا جس پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ یہاں واجد علی شاہ کے کردار پر پنڈت سندر لال کے الفاظ میں روشنی ڈال کر آگے چلیں گے۔ واجد علی شاہ کے خلاف بدچلنی اور عیاشی کے افسانے گھڑے گئے اور اس موضوع پر کتابیں لکھوائی گئیں۔ انہی میں ایک کتاب آرنلڈ کی لکھی ہوئی ہے جس نے ڈلہوزی کی سوانح عمری بھی لکھی تھی۔ پنڈت سندر لال لکھتے ہیں:

"بدقسمتی سے آرنلڈ جیسوں کی کتابوں کے فرضی واقعات کو لے کر کئی ناول لکھے گئے ..... اور آج تک واجد علی شاہ کے ہم وطن تک اُن میں سے بہت سے گندے اور جھوٹے الزاموں کو سچا مانتے چلے آئے ہیں..... مگر ہم اپنے اس ہم وطن حکمراں کے بارے میں صرف سچائی اور انصاف کے خیال سے کچھ باتیں کہنا چاہتے ہیں۔ ایک یہ کہ واجد علی شاہ کا عیاشی کا زمانہ صرف اُس وقت شروع ہوا، جس وقت انگریز گورنر جنرل اور رزیڈنٹ

کی بے جا مداخلت نے اسے اپنی فوج کو قواعد کرانے تک سے روک دیا
۔۔۔۔اس بے جا مداخلت سے پہلے واجد علی شاہ کی زندگی ایک والیٔ
ریاست کی حیثیت سے غیر معمولی نیکی اور نیک چلنی کی زندگی تھی" [۱]

انعام کمیشن چھوٹی بڑی زمینداریاں تعلقے اور جاگیریں بھی کمپنی کی دست درازی سے محفوظ نہ تھیں۔ ڈلہوزی نے 'انعام کمیشن' کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی جس نے دس سال کے اندر تقریباً پینتیس ہزار جاگیروں کی "جانچ" کی اور اکیس ہزار کو ضبط کر لیا گیا۔ یہ حال صرف مرہٹہ ریاستوں کا ہے، بنگال اور بمبئی وغیرہ میں جو کچھ ہوا وہ اس کے علاوہ ہے [۲]

ناناصاحب مرہٹوں کی شکست (۱۸۱۸ء) کے بعد باجی راؤ کی پنشن آٹھ لاکھ روپے سالانہ مقرر کر دی گئی تھی۔ ۱۸۲۷ء میں باجی راؤ نے دھوندو پنت ناناصاحب کو گود لیا جس کی عمر اس وقت تین سال تھی اور کانپور کے قریب بٹھور میں پیشوا خاندان کے لوگ مقیم تھے لیکن باجی راؤ کے مرنے پر (۱۸۵۱ء) یہ پنشن بند کر دی گئی بلکہ باسٹھ ہزار روپے جو کمپنی کے ذمے واجب الادا تھے اس کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیا گیا، ناناصاحب کو نوٹس بھی دیا گیا کہ بٹھور کی جاگیر بھی چھین لی جائے گی۔ تمام انگریز مورخوں نے ناناصاحب کی تعریفیں کی ہیں اور انگریزوں سے اُس کے اچھے برتاؤ کو بیان کیا ہے جون کے نے اس کو "صاف، سچا نوجوان" لکھا ہے اس کے باوجود اس کی پنشن بند کر دی گئی۔ جب ڈلہوزی سے داد و فریاد کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو ناناصاحب نے اپنا ایک معتمد وکیل عظیم اللہ خاں انگلینڈ بھیجا، پھر بھی جُوں کا توں رہا۔ جون کے۔ چارلس بال۔ ٹریولیان وغیرہ مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ انصاف کا تقاضہ ناناصاحب کے حق میں تھا۔

امیرانِ سندھ وغیرہ ۱۸۰۹ء میں امیرانِ سندھ سے معاہدہ ہوا تھا مگر ۱۸۴۱ء میں

---

[۱] سندر لال: سن ستاون۔ ص ۲۷، بھارت میں انگریزی راج (ہندی)
[۲] ایس بی چودھری: ۱۲

حالات نے رفتہ رفتہ وہی رُخ اختیار کیا کہ حملہ کر کے غصب کر لیا گیا۔ وِنسٹھ اسمتھ نے لکھا ہے کہ "چارلس نیپئر نے اہلِ سندھ کو اس قدر دِق کیا کہ بلوچیوں نے بگڑ کر حملہ کر دیا اور انگریزوں کو حسب دل خواہ بہانہ ہاتھ آگیا۔" لے سندھی فوجوں کو میانی کے مقام پر شکست دینے کے بعد مام گڑھ کے قلعے کو ڈھایا گیا، حیدر آباد (سندھ) کے شاہی محلات کو جس بے دردی سے لُوٹا گیا اس کی مثال چنگیزی سفاکیوں کو ماند کر دیتی ہے، بیگمات کے کپڑے تک اُتار لیے گئے۔ اگلے سال خیر پور پر بھی قبضہ کر لیا گیا اور پھر دیگر ریاستیں ہضم ہوئیں۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کو دو جنگوں کے بعد ڈلہوزی نے کمپنی کے مقبوضات میں شامل کر لیا۔ حسب دستور والیانِ ریاست کی جاگیروں اور زیورات تک پر قبضہ کر لیا گیا۔

۱۸۵۰ء میں راجہ سکّھم کے خلاف مہم بھیجی گئی اور انگریزوں سے بد سلوکی کا الزام لگا کر اس کا کچھ علاقہ ہتھیا لیا گیا۔ اسی سال تھانیسر۔ گنج پورہ۔ شام گڑھ کو ختم کیا گیا۔ بعض انگریز مورّخ تو اس چھینا جھپٹی کو "قزّاقی" سے تعبیر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ (مثلاً مارشمین) لے ۱۸۲۴ء میں برما پر چڑھائی کی گئی اور کچھ علاقے قبضے میں آئے پھر ۱۸۵۱ء میں اس جرم میں حملہ کیا گیا کہ راجہ انگریزوں سے گستاخی کرتا ہے لہذا برما کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور راجہ کے سفیروں کو ذلیل کر کے نکالا گیا۔

مذہبی معاملات میں دخل اندازی ۱۸۲۹ء میں مذہبی معاملات کے متعلق انگریزی حکومت کی پالیسی بدلتی ہوئی نظر آئی۔ پرانا رواج یہ تھا کہ حکمران کو تمام مذہبی مقامات کا نگران یا سرپرست مانا جاتا تھا اور رعایا کے مذہبی جھگڑوں میں بھی اس کا فیصلہ قطعی ہوتا تھا۔ چنانچہ کمپنی نے اس دستور کے مطابق تمام مندروں یہاں تک کہ پوری کے جگناتھ مندر کو بھی

لے آکسفورڈ ہسٹری ۶۸۵ بحوالہ ہاشمی: تاریخِ ہند۔ ۱۲۰

لے مارشمین: تاریخِ ہند مترجم عبدالسلام۔ ۶۷۴

سرپرستی میں لے لیا۔ اس عمل سے ہندوستان کی کسی پرانی ریت کی پابندی مدِنظر نہیں تھی، یہ تو بہانہ بن گیا، مالی منافع اصل مقصد تھا کیونکہ اس طرح مندروں کی آمدنی قبضے میں آگئی جس کا بہت کم حصہ مندروں پر خرچ ہوتا تھا۔ عیسائیوں اور خصوصاً انگلینڈ میں اس پر احتجاج کئے گئے تو ہندو مسلمانوں کی عبادت گاہیں ان کے ماننے والوں پر چھوڑ دی گئیں[۱] لیکن ساتھ ہی، ملک میں ہر جگہ عیسائی مشنری اور پادری اس کثرت سے نظر آنے لگے کہ نہ صرف ہر اسکول، ہسپتال، جیل خانہ بلکہ بازاروں میں بھی نمایاں ہونے لگے۔ انھوں نے پبلک مقامات پر وعظ شروع کیے، صرف عیسائیت کے پرچار پر بھی بس نہیں کیا بلکہ ہندو مسلمانوں کے مذہبی رسم و رواج اور عقائد کا کھلے عام مذاق اڑایا۔ اکثر اُن کے ہمراہ پولیس بھی ہوتی اور تمام اخراجات حکومت ادا کرتی۔ جگہ جگہ مشنری اسکول قائم ہوئے۔ اور ایسی کتابیں بھی شائع ہونا شروع ہوئیں جن میں ہندو دھرم اور اسلام کا حقارت سے ذکر کیا گیا اور مذہبی پیشواؤں کی انتہائی دل آزاری سے توہین کی گئی۔ اکثر حکام اور فوجی افسر اپنے ماتحتوں کو حکم دیتے کہ ہماری کوٹھی پر آکر پادری کا وعظ سنو۔ مشنری اور سرکاری اسکولوں میں عیسائیت کی تعلیم شروع ہوگئی۔ دیہاتیوں کو مجبور کیا گیا کہ بچوں کو ان اسکولوں میں داخل کرائیں۔ ملازمتیں تک انسپکٹروں کے سرٹیفکیٹ پر منحصر ہوگئیں جو 'کالے پادری' کے نام سے مشہور تھے۔ آگرہ کے حالات میں ہم دیکھیں گے کہ عیسائی پادریوں نے ہندوستانی بچوں کی مذہب سے بیگانگی پر خوشی کا اظہار کیا ہے۔ آگرہ اور دوسرے مقامات پر مسلمان علماء نے اِن پادریوں کا مقابلہ کیا، تقریریں اور مناظرے کیے اور عیسائیت کے رَد میں کتابیں لکھیں پادری فنڈر ۱۸۵۳ء ہندوستان آیا۔ اس کی کتاب 'میزان الحق' سے کافی غم و غصّہ پیدا ہوگیا۔ علماء اور پنڈتوں نے اُسے مناظروں میں شکست دی اور وہ واپس چلا گیا۔ یوپی کے انگریز گورنر ولیم میور نے کتاب "لائف آف محمدؐ" لکھی جس میں پیغمبرِ اسلامؐ کی ذات پر گستاخانہ حملے کیے گئے۔

۱۔ 1. SEN: 1857 pp. 8-9

پادری ای ایڈمنڈ نے کلکتے سے تمام سرکاری ملازمین کو چٹھیاں بھیجیں کہ اب عمل داری ایک ہو گئی مذہب بھی ایک ہی چاہیئے (۱۸۵۵ء)۔ سر سید نے "اسباب بغاوت ہند" میں اس کا ذکر کیا ہے۔

جیل خانوں میں قیدیوں کے سامنے عیسائیت کا پرچار پادریوں سے کرایا جاتا تھا، عیسائی مذہب اختیار کر لینے والے قیدیوں کو سہولتیں اور مراعات دی جاتیں۔ [۱] اس کے علاوہ جیلوں میں کھانے کا رواج تبدیل کیا گیا۔ پہلے ہر قیدی کو اپنے عقیدے اور رواج کے مطابق کھانا تیار کرنے کی اجازت تھی لیکن اب ایک ہی برہمن کو تمام ہندوؤں کا کھانا بنانے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کے عقائد کو بھی مجروح کیا گیا مثلاً داڑھی مونچھ کا صفایا کرایا گیا۔ ان تبدیلیوں پر بنارس میں شورش بھی ہو گئی۔ افواہ تھی کہ فوج میں بھی یہ تبدیلیاں رونما ہوں گی اور اسی افواہ نے پٹنہ کی سازش (۱۸۴۵-۱۸۴۶ء) کو زیادہ ہوا دی۔ آرہ، مظفر پور اور ترہٹ وغیرہ میں عوام نے بغاوت کی۔ [۲]

پادری اپنی تقریروں میں ہندوستانیوں کے مذہب کی کھلے عام تحقیر کرتے تھے چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۸۲۲ء کو انگلینڈ کی پارلیمنٹ کی سلیکٹ کمیٹی کے سامنے کیپٹن ٹی میکن نے کہا:

> "..... بہت سے لائق ہندوستانی مسلمانوں نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ انگریز گورنمنٹ پادریوں کے ساتھ بڑی رعائتیں کرتی ہے اور یہ پادری عام گلیوں تک میں اسلام کی برائی کرنے میں حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ایک پادری عوام کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ تم لوگ محمدؐ کے ذریعہ اپنے گناہوں کی معافی کی امید کرتے ہو لیکن محمدؐ اس وقت دوزخ میں ہے....." [۳]

---

[۱] 1. SHERING: Indian Church During the Rebellion p. 184

[۲] 2. SEN: p.11

DATTA: Anti-British Plots... pp. 30-32

[۳] سندر لال: ن ستان ۴۸-۴۵

پنجاب میں تو یہ بھی مسئلہ زیرِ بحث تھا کہ تعلیم اور مدرسوں کا سارا کام پادریوں کے حوالے کر دیا جائے۔ سرکاری اسکولوں میں انجیل اور عیسائیت کی تعلیم لازمی کر دی جائے ہندوستانی تہواروں کی چھٹی بند ہو۔ ڈلہوزی اور کمپنی کے ڈائرکٹر بھی متفق تھے۔ لندن سے شائع شدہ کتاب (مرتبہ میلکم لیون) Cause of the Indian Revolt by a Hindu میں تو یہاں تک لکھا ہے ۱۸۵۷ء کے شروع میں فوج کے بہت سے کرنل دیسی فوج کو عیسائی بنانے کے کام میں مصروف تھے اور فوجی ملازمت سے اُن کا مقصد ہی یہ تھا کہ سپاہ کو عیسائی بنایا جائے چنانچہ اُنھوں نے ترقی کے لالچ اور انعامات دے کر سپاہ کو مذہب بدلنے پر آمادہ کیا۔ اُنھوں نے دوسرے مذہب کے پیغمبروں کو بدمعاش اور دغاباز تک کہنا شروع کر دیا تھا [۱]

مشنری پادریوں کی یہ سرگرمیاں پورے ملک میں عروج پر تھیں پنجاب اور ہریانہ میں کمپنی کے زیرِ اقتدار آتے ہی (۱۸۰۵ء) شروع ہو چکی تھیں۔ نہ صرف دکھنی علاقوں بلکہ اڑیسہ اور بنگال تک یہ جال پھیلایا جا چکا تھا۔ ذمہ دار انگریزوں کے بیانات سے اُن کے ارادوں کی پوری عکاسی ہو جاتی ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹرز کے چیئرمین مسٹر مینگلس نے ۱۸۵۷ء میں ہاؤس آف کامنز لندن میں کہا:

"ہر ایک کو اپنی پوری طاقت لگا دینا چاہیئے تاکہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔ قدرت نے یہ ملک اسی لیے ہمارے حوالے کیا ہے کہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک عیسائیت کی فتح کا پرچم لہرائے"

ریو کینڈی کا بیان:

"خواہ کیسی ہی مصیبت آئے مگر جب تک ہندوستان میں ہماری سلطنت

---

[۱] سر ہربرٹ ایڈورڈس کی یاد داشت بحوالہ سندر لال ۴۸-۴۵

باقی ہے، ہمارا اصل کام اس ملک میں عیسائیت کا پرچار ہے......
ہماری کوشش برابر جاری رہنا چاہیئے ہمیں اپنی تمام کوشش اور ذرائع
اس کے لیے وقف کر دینا چاہیئے اور یہ کام پوری قوت سے مسلسل جاری
رہنا چاہیئے کہ ہندوستان مشرق میں ایک زبردست عیسائی قوم بن
جائے" [۱]

میکالے نے اپنے ایک خط میں کہا تھا (۱۲ر اکتوبر ۱۸۳۶ء) کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر ہماری اسکیم کو عملی جامہ پہنایا گیا تو بنگال میں اب سے تیس سال بعد ایک بھی بُت پرست باقی نہ رہے گا۔" اس اسکیم کے نتائج ٹھیک ہی برآمد ہونے لگے چنانچہ ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے اپنی کتاب (ہندوستانی مسلمان) میں لکھا کہ ہمارے تعلیمی اداروں سے کوئی شخص ایسا نہیں نکلتا جو اپنے باپ دادا کے مذہب اور عقیدوں کا مذاق نہ اڑائے"

ایک ہم عصر اور چشم دید شہادت فرانسیسی عورت ہورشٹ انگلیسی کی ہے، جو اپنی سرگذشت میں کہتی ہے:

"ہم یہ ذکر کرتے جاتے تھے کہ انگلستان کا بڑا پادری چاہتا ہے کہ ہندوستان کو دین مسیحی میں داخل کرے جو لوگ خوشی سے اس کا دین قبول نہیں کرتے اُن سے سختی کے ساتھ پیش آتا ہے اور عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے" [۲]

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو YADAV: Revolt in Haryana
PATRA: Orissa under E.I.Co:
SAVARKAR: pp. 55-56

[۲] یہ سرگذشت فرانسیسی زبان میں تھی۔ فارسی ترجمہ "خانم انگلیسی در بلوائے ہندوستان" کے عنوان سے ہوا اردو میں 'ایام غدر' کے عنوان سے ظفر حسن عاصی امروہوی نے کیا۔ ص ۸

لاوارث اور یتیم بچے، جو کہ آئے دن کی قحط سالی کی بدولت ہزاروں کی تعداد میں تھے، عیسائی مشنریوں کو دیدیئے جاتے تھے ۱۸۴۷ء میں بھی ایسا ہی ہوا۔ لندن کے اخبارات میں برابر عیسائیت کے پرچار کے متعلق مضامین نکلتے رہے مثلاً اخبار ٹائمز ۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء اور ۲ دسمبر ۱۸۵۷ء وغیرہ میں مضامین شائع ہوئے۔ ایک جوشیلے انگریز افسر جارج کیمپبل نے اپنی کتاب "انڈیا ایز اِٹ مے بی (ہندوستان جیسا کہ ہوگا) مطبوعہ ۱۸۵۳ء میں ایک عیسائی ملک بنانے کا نقشہ کھینچا تھا کیپٹن ولکسن اور جے آر اوسلے (اسسٹنٹ) نے چھوٹا ناگپور میں عیسائیت کا پرچار دیکھ کر رپورٹ کی کہ عیسائیت کے پرچار کی اس سے بہتر جگہ نہیں ہوسکتی (رپورٹ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۴۰ء)۔ یہ افسران یہاں کے برہمنوں سے بہت ناراض تھے کیونکہ وہ کولوں کو ہندو دھرم کی ترغیب دے رہے تھے۔ انھوں نے کلکتے کے پادری کو مدد کے لیے لکھا۔ ریو ولیم بوئرز نے بہار کے کچھ علاقوں کا دورہ کیا اور ۱۸۴۸ء میں ایک کتاب مرتب کی جس میں کہا گیا کہ اگرچہ پٹنہ کا پٹسٹ مشن کافی پرانا ہے مگر شہر کے لوگوں پر ابھی تک اس کا اثر کم ہے اس نے لکھا کہ مشنری (پادری) اکثر اوقات شہر میں سخت مخالفت اور تشدد سے دوچار ہوئے، خصوصاً مسلمانوں کی طرف سے۔ ایک پادری نے اسے بتایا کہ جب وہ عیسائیت پھیلانے کی کوشش کر رہا تھا تو نہ صرف گالیاں دی گئیں بلکہ پیٹا بھی گیا۔[1] ۱۸۵۵ء میں جب ایک پادری نے کلکتے کے بڑے پادری ای ایڈمنڈ کے مشہور خط کی پٹنہ میں اشاعت و تقسیم شروع کی، جس میں عیسائیت قبول کرنے کی اپیل کی گئی تھی، تو زبردست ہیجان پیدا ہوگیا۔ پٹنہ کے کمشنر ڈبلو ٹیلر نے اپنے تاثرات میں لکھا کہ ہندوستانی عوام کے دلوں میں یہ بات گھر کر چکی ہے کہ حکومت اب فوری طور پر انہیں عیسائی بنانے کی مہم شروع کرنے والی ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ کچھ عرصے سے اس موضوع پر معزز

لے 1. Recollections of N. India pp. 199-200

DATTA: Anti-British Plots p.32

لوگوں میں خط و کتابت جاری ہے۔ ٹیلر نے اپنی کتاب "اور کرائسس" (Our Crisis) میں بھی یہ حالات تفصیل سے بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اُس نے بغاوت سے تقریباً دو سال پہلے حکومتِ ہند کو آگاہ کیا تھا کہ بہار کے عوام خصوصاً مسلمانوں کے ذہن پراگندہ ہو چکے ہیں اور یہ افواہیں انھیں مشتعل کر رہی ہیں کہ حکومت ان کے مذہب، روایات اور سماجی رسم و رواج میں دخل اندازی کر رہی ہے لے

دہلی کے قریبی علاقوں پنجاب وغیرہ میں مشنری پادریوں کا گویا سیلاب اُمنڈ پڑا تھا بورڈ آف ریونیو کی کارروائی مورخہ ۱۷ نومبر ۱۸۳۰ء میں یہ حالات بیان ہوئے ہیں کہ پادری اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام ہوئے۔ یہ دیکھ کر اُنھوں نے ایک اور چال چلی۔ روہتک، نارنول وغیرہ کے ست نامی ہندوؤں میں بائبل کا اُردو ترجمہ یہ کہہ کر تقسیم کیا کہ یہ مقدس پوتھی یا نردان گیان ہے۔ کچھ عرصے کے لیے دیہاتی عوام دھوکا کھا گئے لیکن بعد میں یہ راز کُھلا کہ یہ بائبل ہے (۱۸۲۷ء)۔ ۲ پانی پت کا ایک کائستھ رام چندر (۱۸۲۱ء۔ ۱۸۸۰ء) جو دہلی کالج میں ٹیچر تھا ۱۸۵۲ء میں عیسائی ہوا تو دور و نزدیک سے ہزاروں ہندو مسلمان اس تبدیلی مذہب کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لیے دہلی آئے ۳

وسط ہند میں بھی یہی حالات تھے۔ مذہبی روایات میں دخل اندازی کے نئے نئے قانون، فوج میں داڑھی اور تلک پر پابندی، مذہبی اداروں کی سرکاری امداد کا بند ہونا، پادریوں کی کارستانیاں وغیرہ۔ چنانچہ یہاں کے عوام نے بغاوت کو جہاد سے تعبیر کیا۔ عادل محمد خاں نے سکندر بیگم (والئی بھوپال) کو لکھا تھا کہ ہم نے جہاد کر کے نصاریٰ (انگریزہ) کو راحت گڑھ سے نکال

لہ 1.DATTA: p. 33

لہ۲ 2. YADAV : Revolt in Haryana pp. 32-33

لہ۳ شرما (رام ولاس): ۱۸۵۷ء کی راجیہ کرانتی (ہندی) ۴۶۔ ۴۹

دیا ہے۔ بھوپال کے ایک سپاہی شیخ ابراہیم نے حیدر آباد کی مسجدوں کے لیے ایک اعلان بھیجا جس میں لکھا تھا کہ "اے مسلمانو! تمہیں ان ملعون نصاریٰ کے موجود رہتے ہوئے کھانا پینا حرام ہے، انھیں جہنم رسید کر دو"۔ [1]

سہارنپور میں (۱۸۴۹-۵۰ء) میں ایک ہسپتال کھولا گیا جس میں ہر مذہب کے مریض داخل کیے جاتے تھے اور اعلان کرایا گیا کہ کوئی حکیم یا وید کسی کا علاج نہ کرے اس اعلان پر تہلکہ مچ گیا اور اعلان واپس لینا پڑا۔ [2] ۱۸۵۵ء میں بولارم (حیدر آباد) میں سپاہ کی بغاوت بھی عیسائیت کی تبلیغ اور محرم کے جلوس پر پابندی کی وجہ سے ہوئی جسے ہم مختصراً آگے بیان کریں گے۔

لارڈ کیننگ جب گورنر جنرل ہو کر آیا تو مذہبی روایات کے خلاف اصلاحات نافذ کی گئیں۔ افواہ تھی کہ وہ ہندوستان کو عیسائی بنانے کا عہد کر کے آیا ہے۔ متعدد انگریزوں کے بیانات جو اوپر نقل ہوئے اور کتنے ہی ان کے علاوہ، اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہیں [3]

زمینی اصلاحات ملک کے کسی علاقے پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہوتے ہی اس کے افسروں کے پیٹ میں درد اٹھتا تھا زمینوں اور زراعت کی اصلاحات اور سدھار کا ـــــ یہ اصلاحات عام باشندوں کو تباہ کر کے رکھ دیتی تھیں۔ تعلقہ داروں اور زمینداروں سے ان کے مالکانہ حقوق چھین لیے جاتے تھے جو انھیں صدیوں سے حاصل رہے تھے۔ مثال کے طور پر راجہ مین پوری ایک بڑا جاگیردار تھا، دو سو گاؤں اس کی جاگیر میں تھے لیکن نئے قانون کی رو

---

1. SRIVASTAVA: Revolt in Central India pp. 74-77 [1]

[2] [3] سندر لال: سن ستاون ۳۲

سین / ۱۴-۱۲، چودھری / ۵-۴

سے صرف اکیاون[۵۱] گاؤوں کا مالک مانا گیا، باقی گاؤوں کے زمیندار یا کسان براہِ راست حکومت کے ماتحت آگئے جن کا لگان اور مال گذاری پہلے سے کہیں زیادہ ہوتا چلا گیا۔ جب علاقے اس طرح تقسیم در تقسیم ہو کر بکھر گئے تو معاشی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ اسی طرح کا برتاؤ نواب ولی داد خاں کے ساتھ ہو رہا تھا۔ ایکٹ ۱۱ جو ۱۸۵۲ء میں پاس ہوا، ہزارہا جاگیرداروں اور تعلقہ داروں کو ان کے مالکانہ حقوق سے بے دخل کر گیا جو کئی نسلوں سے حاصل تھے کیوں کہ نئی قانونی کمیٹی کو وہ لوگ مطمئن نہ کر سکے۔ چنانچہ صرف دکھنی علاقوں میں پینتیس[۳۵] ہزار میں سے اکیس[۲۱] ہزار جاگیریں ضبط کر لی گئیں (۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۷ء) بنگال میں ضبط شدہ جائدادوں سے حکومت کو پچاس لاکھ پونڈ سالانہ اور بمبئی میں تقریباً چار لاکھ پونڈ ماہانہ کی آمدنی ہوئی۔ ایک انگریز مدبر ڈسریلی نے اس جبر و ظلم پر سخت نکتہ چینی کی ہے[۱]۔

اودھ پر کمپنی کا قبضہ ہوتے ہی وہاں بھی یہی اصلاحات نافذ کی جانے لگیں جن سے تعلقہ داروں کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ پچھلے کئی سال کا بقایا مانگا گیا، بہت سے تو اپنی جائدادیں کھو بیٹھے۔ مارچ ۱۸۵۷ء میں ہنری لارنس نے لارڈ کیننگ کو لکھا کہ فیض آباد کے جاگیردار اپنی آدھی جائدادوں سے محروم ہو گئے ہیں بلکہ کچھ تو سبھی کچھ کھو بیٹھے ہیں[۲]۔ شاہ گنج کے مان سنگھ، کالا کانکر کے ہنومنت سنگھ، شنکر پور کے بینی مادھو اور راجہ تلسی پور وغیرہ کو نقصان اٹھانا پڑے۔ نئے قوانین کی فضول خانہ پُری اور تکمیل میں غیر ضروری تاخیر اور بھی زیادہ بے چینی کا سبب تھی۔ کسان اور کاشتکار کا حال بھی بد سے بدتر ہوتا چلا گیا کیونکہ مال گذاری اور لگان کے بڑھتے ہوئے بوجھ، نئے ٹیکس اور چنگی وغیرہ نے تباہ کر کے رکھ دیا۔ انگریز مصنف ریز

۱؎ 1. Hansard's Parliamentary Debates col. CXLVII p.459

CHAUDHURY: Civil Rebellion p.13

۲؎ 2. MALLESON: vol.1 p. 351

نے اپنی کتاب "محاصرۂ لکھنؤ" میں اس نظام پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا ہے "عوام پر ٹیکسوں کی چاروں طرف سے بوچھار کر دی گئی تھی۔" انگریز حکام مثلاً بدایوں کے ایڈورڈس، سہارنپور کے رابرٹسن اور متھرا کے تھارن ہل وغیرہ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغاوت ہوتے ہی شہر و دیہات کے عوام نے اُن بنیوں سے انتقام لیا جنہوں نے ضبط شدہ زمینیں نیلام میں خریدی تھیں۔ انگریز مصنّف شیرر نے تو صاف طور پر بیان کیا ہے کہ جائدادوں کی قرقی اور فروخت نے بغاوت کو عوامی رنگ دینے میں نمایاں رول ادا کیا ہے کیونکہ انگریزی عہد میں لگان اکثر جگہ پہلے سے دوگنا اور تین گنا ہو گیا یہاں تک کہ بنجر زمینوں پر بھی اُسی حساب سے تھا جس سے قابلِ کاشت زمین پر۔ لگان کی ادائیگی کے لئے کاشتکار قرض اور سُود در سُود کے جالوں میں پھنس جاتے تھے بہت سی جاگیروں کو ہر سال اُن قرضوں کے عوض نیلام کر دیا جاتا۔ جو بعض اوقات چند روپوں سے زیادہ نہ ہوتے۔[1]

دہلی پنجاب وغیرہ کے علاقوں میں بھی حال یہی تھا۔ مُغل حکمرانوں نے بہت کم مال گزاری مقرر کی تھی جو بدلتی بھی رہی لیکن کبھی پیداوار کے چھٹے یا چوتھائی حصے سے زیادہ نہیں ہوئی بلکہ اکثر اس سے بھی کم رکھی گئی جس کی وصولی بھی نرمی سے کی جاتی اور پوری رقم وصول نہ کی جاتی تھی یعنی 'حاصل' ہمیشہ 'جمع' سے کم رہتا تھا اس کے برعکس انگریزی اقتدار قائم ہوتے ہی بندوبست رائج کر کے سختی سے وصول کیا جانے لگا اور ہر سال اضافے کے ساتھ۔ اصل ریکارڈ سے ثابت ہے کہ ۱۲-۱۸۱۱ء میں جو لگان نو لاکھ ستاسی ہزار مقرر تھا وہ ۱۸-۱۸۱۷ء میں سترہ لاکھ تیئیس ہزار تک ہو گیا جس کی بدولت نہ صرف کاشتکاروں کو زمین سے ہاتھ دھونا پڑے بلکہ جیل کی ہوا بھی کھانا پڑی۔ وصولی کا طریقہ بھی انتہائی ظالمانہ اختیار کیا گیا۔ اول تو فروری اور ستمبر میں وصول کیا جاتا

---

1. JOSHI: Symposium
SHERER: Daily Life During Mutiny

تھا یعنی پیداوار سے بہت پہلے جبکہ کسانوں کے پلّے کچھ نہ ہوتا تھا، پھر یہ کہ وصول کرنے والوں کے ساتھ سوار پولس مقرر ہوتی تھی مثلاً صرف کرنال میں ڈیڑھ سو پولس کے جوان اس کام کے لیے مقرر ہوئے جبکہ بائیس کافی ہوتے تھے۔ دہلی کی ضلع سٹلمینٹ رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نو گاؤں کے باشندے (۱۸۴۲ء تک) اپنے کھیت اور گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہی حال روہتک ریواڑی۔ حصار اور دوسرے علاقوں کا ہوا جو کہ بندوبست رپورٹ اور ڈسٹرکٹ گزٹیر میں بیان کیا گیا ہے۔[۱] لطف یہ کہ اگر کسان یا زمیندار عدالت میں جاتے تو بجائے انصاف کے تباہیاں انھیں چاروں ہی طرف سے گھیر لیتی تھیں۔ نہ صرف ہزاروں روپے کا خرچ بلکہ ناکامی اور تذلیل یقینی۔ اس طرح ہزاروں کسان اور زمیندار خاندان مفلس اور کنگال ہو گئے۔ عدالتی کارروائیوں کی اس دھاندلی اور تباہ کن روش نے عوام کو بغاوت کے دوران انگریزوں سے شدید نفرت اور دشمنی پر آمادہ کیا۔ اور یہ دشمنی اس حد تک تھی کہ انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کا اکثر جگہ انھیں کی ذات برادری کے لوگوں نے بائیکاٹ کر دیا۔ بقول ریو کنیڈی:

> "بغاوت اکثر موقعوں پر شخصی احترام اور سابقہ مالکوں سے وفاداری کے تمام جذبات بہا لے گئی۔ اس زمانے میں انگریزی حکومت کی وفاداری کا التزام ناقابل برداشت تھا۔"[۲]

بعض انگریزوں نے اقرار کیا ہے کہ "کینہ مفسدین کا ہماری جانب اس قدر ہے کہ اگر

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھئے عرفان حبیب کی انگریزی کتاب 'اگریرین سسٹم آف مغل انڈیا'۔ دہلی رزیڈنسی ریکارڈ جلد اول۔ پودل اور مور لینڈ کی کتابیں علاوہ ازیں بندوبست رپورٹ بحوالہ یادو (جس کا اوپر حوالہ دیا گیا) ص ۲۸-۲۵

[۲] ساورکر ــــ ۲۸۱

اُن سے ہو سکے تو ہماری بیخ و بُن اُکھاڑ ڈالیں۔" زمینی اصلاحات نے درحقیقت کسانوں، شہری عوام اور زمینداروں کو دوش بدوش کھڑا کر دیا۔

برطانیہ کا ایک انگریز صحافی ارنسٹ جونس اپنے ملک میں اِن تمام حرکتوں کے خلاف آواز اٹھاتا رہا۔ ۸ رمئی ۱۸۵۸ء کو اخبار پیپلز پیپر میں جو کچھ اُس نے لکھا اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھنا ممکن نہیں معلوم ہوتا:

"اُنھیں یاد ہے کہ ہم نے انھیں زمینوں سے جبراً محروم کیا اُنھیں یاد ہے کہ مالکان کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں اور انھیں وہی زمینیں ہم سے پٹّے پر لینے کے لیے مجبور کیا گیا جو پہلے ان کی ملکیت تھیں۔ اُنھیں یہ بھی یاد ہے کہ اُن کی زمینوں پر اس قدر ٹیکس لگائے گئے جو وہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے پھر وہ اپنے زرعی آلات تک گروی رکھنے پر مجبور ہو گئے اس کے بعد سختی سے وصول کرنے والی سرکار کو رقم ادا کرنے کے لیے انھیں بیجوں کا غلّہ فروخت کرنا پڑا جس سے وہ بھکاری بن گئے۔ اُنھیں یاد ہے کہ جب کاشت کاری ناممکن ہو گئی تو اُنھوں نے کھیتوں سے دست بردار ہونا چاہا کیونکہ وہ کھیتی باڑی کے قابل نہیں تھے لیکن دراصل اُنھیں اس زمین کا ٹیکس بھی ادا کرنے پر مجبور کیا گیا جس میں اُنھوں نے کبھی کاشت نہ کی تھی۔ اُنھیں یاد ہے کہ جب وہ اپنے دوستوں سے قرض لینے میں ناکام رہتے تو کس طرح اُنھیں اذیت دی جاتی۔ کس طرح اُنھیں دن کی جھلسانے والی گرمی میں پاؤں کے تلوؤں سے لٹکایا جاتا یا ٹانگوں کے ساتھ پتھر باندھ کر اُنھیں سر کے بالوں سے لٹکایا جاتا۔ کس طرح ان کے ناخنوں کے اندر تیز لکڑی کی پچریں ٹھوکی جاتیں۔ کس طرح باپ بیٹے کو اکٹھا باندھ کر کوڑے لگائے جاتے۔۔۔۔ کس طرح عورتوں کو چابک سے پیٹا جاتا اور ان کے پستانوں

سے بچھو باندھ دیئے جاتے کس طرح ان کی آنکھوں میں سرخ مرچیں ٹھونسی جاتیں۔ یہ سب باتیں انھیں یاد ہیں اور یہ مدراس کی عرض داشت کمشنروں کی سرکاری رپورٹوں اور برطانوی پارلیمنٹ کے ریکارڈ سے ثابت ہو چکی ہے۔ وہ یہ بھی نہیں بھولے کہ کس طرح پولس ان کے پیچھے لگا دی جاتی۔ اس کی تنخواہ کم تھی، وہ لوٹ مار سے اپنا گذارہ کرتی۔ ان قانون کے محافظوں کو چور ڈاکو بننے پر مجبور کیا گیا۔۔۔ ساری ہندوستانی قوم ہمارے خلاف ہے۔"[۱]

غلط پالیسی اور اصلاحات کے نتائج

یہ حالات چند سال میں نہیں، پچھلے سو سال کی ظالمانہ پالیسی سے پیدا ہوئے تھے۔ جنگ پلاسی کے بعد بنگال کی جو حالت ہوئی، ہماری نظر سے گذر چکی، بہار بنگال اور اڑیسہ کی دیوانی ہاتھ آنے پر جو کچھ ہوا مختصراً بیان کر دیا گیا۔ ہندوستان کے عوام کا حال ناقابل بیان ہے۔ قحط پر قحط پڑنے لگے اور یہ ہولناکیاں انہی علاقوں کو برداشت کرنا پڑیں جو چند سال سے انگریزی حکومت کے قبضے میں یا زیر سایہ تھے۔ بہار میں حالت یہ تھی کہ:

> "روزانہ مرنے والوں کی تعداد خاص پٹنہ میں ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی تھی اور اطراف و نواح کا حال اس سے بدتر تھا۔۔۔ روزانہ سڑکوں پر ہزاروں نفوس مرتے جن کی لاشیں کتے، گیدڑ اور گدھ کھا جاتے تھے۔۔۔۔ اکثر جگہ پورنیہ کی نصف آبادی اور عام طور پر تمام علاقوں کی ایک تہائی آبادی اس قحط سے کم ہو گئی"[۲]

---

[۱] اخبار 'پیپلز پیپر' مئی ۱۸۵۷ء تا اپریل ۱۸۵۸ء بحوالہ سمپورنیم (ترجمہ: انقلاب ۱۸۵۷ء) مرتبہ پی سی جوشی ص ۲۱۴

[۲] فصیح الدین: تاریخ مگدھ ۲۸۰

برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے میسور کے بارے میں کہا تھا کہ "یہاں کے باشندے ہندوستان میں سب سے زیادہ خوش حال ہیں۔ یہاں ٹیپو سلطان کی حکمرانی ہے اس کے برعکس انگریزی مقبوضات صفحۂ عالم پر بدنما دھبوں کی حیثیت رکھتے ہیں" [۱]

کارنوالس کے رائج کردہ بندوبست دوامی سے کسان اور زمیندار تباہ ہوتے چلے گئے۔ ہومز نے اعتراف کیا ہے کہ اس کے نتیجے میں زمیندار بار بار لگان کی ادائیگی میں ناکام ہوئے اور ان کی جائدادیں حکومت نے قرق کرالیں۔ ۱۸۰۲ء میں مدناپور کے کلکٹر نے لکھا:

"فروختگی اور قرقی کے اس نظام کی بدولت چند ہی سال میں بنگال کے بڑے زمینداروں کی اکثریت مصیبت زدہ اور کنگال ہوگئی اور زمینی جائدادوں میں اس قدر تبدیلیاں ہوئیں کہ کسی ملک میں صرف اندرونی قوانین کی بدولت نہ ہوئی ہونگی" [۲]

کپڑا بننے والوں پر ہولناک مظالم توڑے گئے، اُن کا مال ضبط کرلیا گیا اور طرح طرح کی سزائیں دی گئیں یہاں تک کہ اُنھیں اپنا پیشہ ترک کرنا پڑا۔ لاکھوں کاریگر صنّاع اور دست کار دانے دانے کو محتاج ہو گئے جس کا اعتراف سرسید کو بھی "اسباب بغاوت ہند" میں کرنا پڑا ہے۔ بشپ ہیبر نے اپنی یادداشت (۱۸۲۶ء) میں لکھا:

"انگریزی مقبوضات کے کاشتکار بہ نسبت دیسی ریاستوں کے انتہائی محتاجی اور مفلسی اور دل شکستگی کی حالت میں ہیں کیونکہ کوئی دیسی حکمراں وہ لگان اور کرایہ نہیں لیتا جو ہم لیتے ہیں۔" [۳]

---

[۱] باری: کمپنی کی حکومت ۲۲۱

[۲] رجنی پام دت: انڈیا ٹوڈے ص ۱۹۱ بحوالہ سمپوزیم

[۳] بہ حوالہ سمپوزیم ۱۵

سرسید نے بھی ضبطی آراضیات کو بغاوت کے خاص اسباب میں شمار کیا ہے مگر ساتھ ہی، خوف کے مارے اپنے دو آقاؤں کا نام بھی لے دیا کہ :

"سچ فرمایا لارڈ منرو اور ڈیوک آف ولنگٹن نے کہ ضبط کرنا معافیات کا ہندوستانیوں سے دشمنی پیدا کرنی اور ان کو محتاج کر دینا ہے،" [1]

ایک اور مشہور انگریز مؤرخ جون کے کی رائے ہے کہ :

"نئے نظام کے تحت وہ لوگ جو اتنے وسیع قطعات آراضی کے مالک تھے کہ جہاں تک نظر جاتی انہی کی زمین تھی، مٹی کی جھونپڑیوں میں سمٹ گئے اور ان کی جائداد کھانے پکانے کے چند برتنوں تک محدود ہو کر رہ گئی" [2]

گاؤوں کی پنچایتیں ختم کر دی گئیں جن کی بدولت دیہاتی عوام آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ بغیر کسی دوڑ دھوپ کے کر لیتے تھے۔ انصاف نہ صرف مہنگا بلکہ عام دیہاتی کی دسترس سے باہر بھی ہو گیا اور اس طرح اکثر جاگیردار، تعلقہ دار، انعام دار، معافی دار فقط 'نادار' بن کر رہ گئے۔

تعلیم کے مسئلے

تعلیم کے معاملے میں جو غفلت برتی گئی وہ 'بے خودی' بھی بے سبب، نہیں تھی۔ تفصیل کے لیے تو بہت کچھ ہے لیکن چند انگریزوں کے بیانات سے صورتِ حال واضح ہوتی ہے۔ بیروکل ہرسٹلے کی رائے ملاحظہ ہو :

"ہندوستانی صنعت و حرفت کو ہم تباہ کر چکے۔ کیا تم ہندوستانیوں کو از سرِ نو خوش حال کرنے کے لیے انگلستان کو تباہ و برباد کرنا چاہتے

---

[1] اسباب بغاوت ہند ۲۶

[2]

2. KAYE: vol I pp. 114,157

ہو ؟۔ ہندوستان یا انگلینڈ دونوں میں سے کسی ایک کی صنعت و حرفت کا قربان کرنا دوسرے کی ترقی کے لیے لازمی ہے۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹر تھامسن ٹریسن کے خیالات :

"تم ہندوستانیوں کو تعلیم دینا چاہتے ہو ؟۔ تعلیم دے کر تم انھیں اپنی بے انصافیوں سے آگاہ کرو گے۔ تم نے ان کا ملک لوٹ لیا ہے۔ تم نے ان کے ہم وطنوں کو برباد و ذلیل کیا۔ تم نے اُن کے بادشاہوں کو قتل کر ڈالا لہٰذا تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ ان کو اسی طرح فریب خوردہ، خود فراموش اور جاہل رہنے دو۔" [۱]

سر ڈی ہملٹن کا قول :

"اگر کبھی انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا تو وہ ایک ایسا ملک چھوڑ کر جائیں گے جس میں نہ تعلیم ہوگی نہ حفظانِ صحت کا سامان نہ دولت" [۲]

لیکن سوداگری سے حکمرانی کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد کمپنی کو ایسے طبقے کی ضرورت تھی جو حکومت کی مشنری کے لیے کل پرزوں کا کام دے یعنی دفتروں کے اہل کاروں، کلرکوں اور چپراسیوں کی۔ میکالے کا مشہور قول تھا کہ :

"ہمیں ایک ایسی جماعت بنانا چاہیئے جو ہمارے اور ہماری رعایا کے درمیان مترجم ہو۔ جو خون اور نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق اور رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز"

تعلیمی پالیسی کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ رفتہ رفتہ نئی نسلوں کو عیسائی بنایا جائے سر فریڈرک ہیلیڈ نے ہاؤس آف کامنز میں کہا تھا کہ ہندوستانی کالجوں میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ

---

[۱] [۲] پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی رپورٹ بحوالہ کمپنی کی حکومت ۳۸۴

انگلستان کے پبلک اسکولوں میں بھی اتنی نہیں ہے" [1]

اس پالیسی کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہی ہوا۔ ترقی تو دور کی بات ہے، روحانی بصیرت فنا ہوئی، ذہنیت غلامانہ ہو گئی، من گھڑت اور فرقہ وارانہ تعصب سے بھرپور تاریخیں پڑھائی گئیں جن سے منافرت اور تنگ نظری دماغوں میں گہرائی تک اتر گئی۔ یہ نتائج تو خیر ۱۸۵۷ء کے بعد ظہور پذیر ہوئے لیکن اُس دور کے رہنماؤں نے حالات سے یہ اندازہ کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بغاوت میں عوامی رنگ ہر جگہ صاف نظر آتا ہے۔ جوسٹن مسکارتھی کی رائے ہے کہ:

"صرف سپاہی بغاوت پر نہیں اٹھے، صرف ملٹری نے شورش نہیں کی بلکہ یہ فوجی بے چینیوں، قومی تنفر اور انگریزی اقتدار کے خلاف تعصبات کا ملا جلا مرکب تھی۔ دیسی حکمراں شریک تھے سپاہی شریک تھے، ہندو مسلمان عیسائیوں کے مقابل ہو گئے تھے۔ میرٹھ کے باغی سپاہی جب جمنا کے کنارے پہنچے تو انھیں رہنمائی کے ساتھ ایک جھنڈا اور ایک مقصد مل گیا اور یہ انقلابی جنگ بن گئی.... فوجی شورش نے ایک قومی اور مذہبی جنگ کا رنگ اختیار کر لیا" [2]

اور بقول ایڈورڈ تھامپسن ــــ

"ہندوستانی قوم کی دیوانگی ایسی بعید از قیاس نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے کیونکہ مسلسل مصائب اور تکلیفیں اٹھاتے ہوئے اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی" [3]

۱؎ طفیل احمد: مسلمانوں کا روشن مستقبل

۲؎ History of Our Times quoted by Savarkar pp. 11-12

۳؎ تھامپسن: اَور سائڈ آف دی میڈل (ترجمہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ)

عیسائی پادریوں کی حرکتیں

پورے ملک میں عیسائی مشنری (پادری) جو شرانگیز حرکتیں کر رہے تھے وہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا ایک بنیادی سبب ہے۔ اور سوداگروں کی کمپنی کو جیسے جیسے اقتدار حاصل ہوتا گیا پادریوں کی شرانگیزیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ۱۸۰۷ء میں لارڈ منٹو (گورنر جنرل کو سب سے پہلے احساس ہوا کہ پادریوں کی اس شرارت کے اثرات خطرناک ہوں گے جو وہ اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے کر رہے ہیں۔ پادریوں نے سہرام پور (بنگال) میں کچھ پمفلٹ شائع کیے جن میں ایک کا عنوان تھا "ہندو مسلمانوں سے خطاب" یہ پمفلٹ ہندو دھرم اور اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کی منہ بولتی مثال تھے۔ لارڈ منٹو نے اس سلسلے میں سہرام پور کے گورنر کو خط لکھے۔[1] جن میں اس خطرے کا صاف طور پر اظہار کیا کہ اس طرح ہندو مسلمان عوام میں باغیانہ جذبات کو فروغ ملے گا جو انگریزوں کے لیے سیاسی طور پر خطرناک ثابت ہوگا۔ جواب میں گورنر سہرام پور کی یقین دہانیوں سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور پادری بدستور اُدھم مچاتے رہے۔ لارڈ منٹو نے تجویز کیا کہ اُن کا پریس کلکتہ منتقل کر دیا جائے تاکہ نگرانی ہو سکے مگر پادریوں کو یہ گوارا نہیں تھا انھوں نے گورنر جنرل کو محضر بھیجا اور آئندہ احتیاط رکھنے کا وعدہ کیا جس کی گورنر سہرام پور نے بھی حمایت کی۔ ذاتی طور پر لارڈ منٹو عیسائیت کے پرچار کا سرگرم حامی تھا اور اس کا طرزِ عمل پادریوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا چنانچہ اُس نے 'بیپٹسٹ مشنری سوسائٹی' کو آگرہ اور دہلی میں بھی مرکز قائم کرنے کی اجازت دی۔ وہ سمجھتا تھا کہ عیسائیت کا پرچار اس ملک کے لیے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ تاہم اُنھیں دوسرے مذہبوں پر حملہ کر کے اشتعال پیدا نہیں کرنا چاہیے لیکن کورٹ آف ڈائرکٹرز کے اس

لہ 1. BAKHSHI (S.R): British Diplomacy & Administration, 1807-13, pp.179-191

طرزِ عمل میں تبدیلی نہیں آئی کہ وہ پادریوں پہ کوئی پابندی لگانے کے حامی نہیں تھے اور ان کے گروہ برابر ہندوستان پہنچ رہے تھے۔ مسٹر ایس آر بخشی کی حالیہ انگریزی تصنیف "برٹش ڈپلومیسی اینڈ ایڈمنسٹریشن ۱۸۰۷-۱۳ء" اس دور کی دستاویزات اور خط وکتابت کی مدد سے اِن حالات سے پردہ اٹھاتی ہے اور یہ نظارہ بھی سامنے لاتی ہے کہ جب ان پادریوں پر پابندی لگانے کا ارادہ کیا گیا جس کی ایک بڑی وجہ ویلور کی حالیہ بغاوت (۱۸۰۶ء) بھی تھی، تو انگلینڈ میں کلیڈلس بچانن اور مارشمین وغیرہ نے اِن پابندیوں کے خلاف تحریک چلائی جس کے نتیجے میں چارٹر ایکٹ ۱۸۱۳ء میں اُنھیں آزادیاں عطا کر دی گئیں ہندوستان میں داخلے پر پابندی ہٹالی گئی اور مختلف مقامات پر ان کے مرکز قائم کر دیئے گئے (سیکشن ۴۹ ایکٹ ۱۸۱۳ء)۔

پادریوں کو آزادی دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنھوں نے تمام ملک میں اسکول قائم کیے جن میں عیسائیت کی تعلیم شروع ہوگئی اور پھر تبدیلیِ مذہب کے واقعات رونما ہونے لگے۔

انگریزی اقتدار سے قبل مکتب، مدرسے اور پاٹھ شالائیں تھیں جہاں ہندو مسلمان بچے بلا امتیاز فارسی۔ عربی۔ حساب اور سنسکریت کی تعلیم پاتے تھے۔ مرہٹوں نے بھی جہاں اقتدار حاصل کیا وہاں فارسی تعلیم کو فروغ دیا۔ اور مدرسوں کا نظام جاری رکھا[1]

لیکن انگریزی اقتدار کے بعد ۱۸۳۶ء میں فارسی کو عدالتی زبان کی حیثیت سے ختم کر دیا گیا اور مقامی زبانوں کا جھگڑا کھڑا کر دیا گیا۔ جس سے انگریزی کے لیے میدان ہموار ہوا اور قدیم مدرسے بیکار ہو گئے۔ پادریوں کے اسکولوں کا اصل مقصد عیسائیت کا پرچار تھا جس کے ساتھ وہ انگریزی تعلیم دیتے اور بائیبل پڑھاتے تھے۔

---

1. SRIVASTAVA (A.L): Revolt in Central India and Malva pp. 70-73 ؎

کالے اور گورے سپاہی

انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوا اس کی کہانی بھی بڑی طویل ہے۔

ناانصافیوں کے خلاف بار بار بغاوت ہوئی جس پر مختصراً فوجی بغاوتوں کے بیان میں روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ دیسی سپاہ کے ساتھ ناانصافی، وعدہ خلافی یا تذلیل وغیرہ ان بغاوتوں کے اسباب تھے کیونکہ یوروپین سپاہ کے ساتھ انتہائی لحاظ اور خبرگیری روا رکھی جاتی تھی۔ ۱۸۴۴ء کی بغاوت بھی اسی طرح کی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے ہوئی جس میں مدراس اور بنگال آرمی شامل تھی۔ پہلی افغان جنگ (۱۸۴۲ء) میں ہندوستانی سپاہ کو دریائے سندھ کے پار اترنے کا الاؤنس (بھتّہ) دیا گیا لیکن سندھ پر حملہ آور ہونے کے لیے جب ان فوجیوں نے بھتّے کا مطالبہ کیا (۱۸۴۴ء) تو انکار کر دیا گیا۔ حالات نازک دیکھ کر اُن کے کمانڈر موسلے نے بھتّہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ شکار پور پہنچ کر جب سپاہ نے دیکھا کہ ان کی تنخواہوں میں بھتہ شامل نہیں ہے تو تنخواہ لینے سے انکار کر دیا اور اس دیدہ و دانستہ فریب پر غصّے کا اظہار کیا لیکن جارج ہنٹر نے بہلا پھسلا کر اور بھتّے کا یقین دلا کر سکھر تک جانے پر آمادہ کر دیا جہاں گورے سپاہ کے دستے ان کے گرم مزاج کو ٹھنڈا کرنے کے لیے موجود تھے۔[1] مدراس آرمی کے ساتھ اس سے بھی بدتر برتاؤ ہوا۔ وہ جہاں بھی جاتے اُن کے بیوی بچے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے دور دراز جگہوں پر تبادلہ ان کے لیے سخت تکلیف دہ ہوتا تھا۔ نمبر ۴ سوار رجمنٹ مدراس آرمی کو کامٹی سے جبل پور بھیجا گیا اور وعدہ کیا گیا کہ جلد ہی واپس آ جائیں مگر وہاں جا کر پتہ چلا کہ نہ صرف مستقل یہیں قیام کرنا ہوگا بلکہ نو سو میل دور بھیجا جائے گا اور مرے پہ سو دُرّے یہ کہ کم تنخواہ پر گذارا کرنا ہوگا۔ مدراس آرمی کے جو دستے سندھ وغیرہ بھیجے گئے اُنھیں بھی اسی طرح کی یقین دہانی کی گئی لیکن بمبئی پہنچ کر معلوم ہوا کہ کوئی خصوصی

---

[1] سین: ۱۸۵۷ء ص ۱۹

مراعات نہیں دی جائیں گی[۱] یہ حالات ایک دو بار نہیں، بار بار پیش آتے رہے ۱۸۴۹ء میں کچھ رجمنٹوں نے (راول پنڈی) بھتے کا مطالبہ کیا اور دسمبر میں ایک رجمنٹ نے بغاوت بھی کی (گووند گڑھ)۔ کمانڈر انچیف چارلس نیپر نے الاؤنس دیئے جانے کی سفارش بھیجی لیکن گورنر جنرل نے نامنظور کر دیا کیونکہ سندھ اور پنجاب فتح ہو چکے تھے لہٰذا اس شورش کو گورے سپاہ کے دستوں اور وفادار دیسی فوجیوں کی مدد سے کچل دیا گیا۔ اس طرح کے واقعات جنگِ بکسر ۱۷۶۴ء سے ہی شروع ہو گئے تھے جنگ برما اور کابل کے درمیانی عرصے میں چار بار دیسی فوجیوں کے مطالبات پر انھیں پھانسیاں اور گولیاں نصیب ہوئیں۔

پیادہ فوج کے دیسی سپاہی کو سات روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی جس میں سے اُسے وردی اور ڈرل (فوجی پریڈ) وغیرہ کے لیے رو پیہ دینا پڑتا تھا۔ ڈرل کی فیس سولہ روپے تھی۔ سوار کو ستائیس روپے ملتے تھے۔ اُسے گھوڑا وغیرہ خود خریدنا پڑتا تھا۔ اس کے برعکس انگریز سپاہی کے رہن سہن، غذا اور دوسرے لوازمات کے لیے پوری فراخ دلی سے دیا جاتا تھا۔ ایک صوبے دار سیتارام نے اپنی سرگذشت میں بتایا ہے کہ پوری فوج (۳۱۵۵۲۵ آدمی) کی تنخواہ پر ۹۸۰۲۲۲۵ پونڈ خرچ آتا تھا جس میں سے ۵۶۶۸۱۱۰ پونڈ صرف اکیاون ہزار انگریز سپاہیوں اور افسروں پر خرچ ہوتا تھا[۲]۔ بریلی میں مقیم سوار فوج کے ایک بنگالی کلرک کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک عام سپاہی کو وردی وغیرہ کی فیس اور دوکانداروں کا قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ ملتا وہ ایک ڈیڑھ روپیہ ہوتا اور بعض حالتوں میں صرف چند آنے۔ جس میں وہ دال روٹی سے زیادہ کا خواب میں بھی تصوّر نہ کر سکتا تھا۔ یہی حال سوار فوج کے سپاہی کا تھا جس کی تنخواہ میں کئی فیسیں کاٹ لی جاتی تھیں۔ دوسری طرف فوج کے معمولی انگریز

---

[۱] جون کے : ہسٹری آف دی سیپائے وار جلد اول ص ۲۹۵

[۲] سیتارام : سیپائے ٹو صوبیدار۔ ہم بحوالہ سین ۲۱

افسروں کی آسائشوں اور فضول خرچی کی حالت یہ تھی کہ چھوٹے افسر کے پاس بھی پورا اسٹاف ہوتا تھا۔ وہ پالکی میں سفر کرتا، پنکھا جھلنے اور دیگر کاموں کے لیے آدمی نوکر ہوتے۔ خانساماں، خدمت گار، پائپ بھرنے والا، چھتری اٹھانے والا، شراب پیش کرنے والا، کرسی وغیرہ اٹھانے والا، جوتے صاف کرنے والا، شیمپو بنانے والا وغیرہ۔ وہ جوئے، شراب اور گھوڑوں کی ریس پر بے دریغ روپیہ بہاتے اور قرض بھی لیتے رہتے یہاں تک کہ پے حولدار تک سے روپیہ لے لیتے جو شاید کبھی ادا نہ ہوتا ہوگا۔[۱]

صرف فوجی ہی نہیں ہر ہندوستانی کو انگریز نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لفٹیننٹ ورنی کا بیان ہے کہ "انگریز عام طور پر دیسی باشندوں سے سخت تعصب رکھتے تھے اور انکے عمل سے اس کا اظہار بھی ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ بغاوت کا ایک سبب یہ بھی تھا" عام ہندوستانی اس ذلت آمیز برتاؤ پر سخت پیچ و تاب کھاتے تھے۔

انصاف اور قانون

بڑے عہدے صرف انگریزوں کو ملتے تھے۔ ہندوستانی باشندے زیادہ سے زیادہ ڈپٹی کلکٹر یا صدر امین کے عہدے تک پہنچ سکتے تھے جبکہ اُن میں صلاحیت اور تعلیم کی کمی نہ تھی۔ 'لندن ٹائمز' کے نامہ نگار ولیم رسل اور پریچارڈ نے لکھا ہے کہ "ہندوستانی باشندے ہم سے نالاں تھے۔ وہ ہم سے کیا آس لگائے ہوئے تھے؟ ۔ کچھ نہیں" ـــــ بڑے عہدوں سے اُن کا آہستہ آہستہ نکال دیا جانا بھی بغاوت کا ایک سبب تھا۔ پھر یہ کہ قانون اور انصاف نہ صرف مہنگا ہوگیا بلکہ عام آدمی کی دسترس سے باہر بھی ہوگیا۔ عدالتوں میں رشوت اور بدعنوانی کا بازار گرم ہوگیا۔ پہلے ایک غریب دیہاتی بھی آسانی سے اپنا مقدمہ پیش کرسکتا تھا لیکن اب اس کے لیے وکیل مقرر کرنا بھی ممکن نہ رہا تھا، حاکم تک پہنچ جانا تو بالکل ہی خواب و خیال کی بات تھی۔ سیتارام نے لکھا ہے کہ ایک بار وہ ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں چلا گیا لیکن یہاں کے داخلے پر اُسے دس

---

[۱] سین: ۱۸۵۸ء ۲۶ـ۲۲

روپے جرمانہ ادا کرنا پڑا وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اُس نے کون سا جُرم کیا یا قانون توڑا ہے[۱]۔ عدالتیں اور قانون نہ صرف غریبوں پر ظلم وستم کا ذریعہ بن گئے بلکہ امیروں کے ہاتھ کا کھلونا بھی۔ جہاں رشوت دے کر ہر جائز و ناجائز کام کرایا جا سکتا تھا۔ آگرے کے ایک جج کا بیان ہے کہ "عوام ہمارے دیوانی قوانین کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس کی معقول وجہیں تھیں"[۲]۔ بدایوں کے کلکٹر ایڈورڈس کو ایک زمیندار نے بتایا کہ انگریزی حکومت کے مطالبات مالگزاری وغیرہ ادا کرنے میں اس کا ایک ہزار روپیہ مقدمات میں اور چھ ہزار سے زائد رشوتوں میں خرچ ہوا جو اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اور وہ اپنے آبائی گاؤں سے محروم ہو گیا۔ جو کچھ بچا اس کا لگان اس قدر زیادہ تھا کہ زیورات فروخت کر کے ادا کر پایا۔ اگلے سال وہ اس قابل بھی نہ رہتا اور سب ہی کچھ بک جاتا مگر بغاوت نے جان بچالی ہے[۳]۔ عوام یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رشوت کے روپے کا بہاؤ اوپر کی سمت میں ہوتا ہے۔ اور ماتحت عملے سے شروع ہو کر ان رقموں کا بڑا حصّہ انگریز حاکموں کے پیٹ میں پہنچتا ہے جو ایک وسیع سمندر کی مانند ہے۔

عام لوگوں کے احساسات کا اندازہ لگانے کے لیے اعظم گڑھ کے انقلابیوں کا یہ اعلان ملاحظہ ہو:

"سب جانتے ہیں کہ انگریزوں نے زمین کی مال گذاری اور لگان بہت زیادہ لگایا اور یہی تمہاری بربادی کا سبب ہوا اس کے علاوہ ادنیٰ ملازمین اور مزدور کی شکایت پر بغیر کسی تحقیقات کے تمہیں عدالتوں میں طلب

۱۔ 1. SEN: p.32

۲۔ 2. RAIKS: Notes on the Revolt p.7

۳۔ 3. ADWARDS: Personal Adventures p. 167

SEN: p.33

کیا گیا اور ذلیل و رسوا کیا گیا اور جب تم ان کی عدالتوں میں کوئی مقدمہ دائر کرنا چاہو تو تمہیں کاغذ پر اسٹامپ اور کورٹ فیس وغیرہ لگانا ہوگی جو تباہ کن ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں اسکولوں اور سڑکوں کے لیے بھی روپیہ دینا ہوگا۔۔۔۔۔ عدالتوں میں تمہیں اسٹامپ اور کورٹ فیس میں بھاری رقمیں ادا کرنا پڑتی ہیں۔ انھوں نے عوام سے روپیہ کھینچنے کے لیے نہ صرف اسٹامپ بلکہ اسکول فنڈ وغیرہ بھی جاری کیے۔ انھوں نے معزز زمینداروں کو عدالت میں بلا کر قید، جرمانہ اور ذلت آمیز برتاؤ کیا ہے ۔۔۔۔۔ سرکاری ملازمین کو خبردار ہونا چاہیے کہ دیوانی اور فوجی محکموں کے تمام کم تر اور ماتحت عہدے ہندوستانیوں کو دیئے جاتے ہیں اور بڑی تنخواہوں کے باعزت عہدے یورپین لوگوں کو۔ مثلاً فوج میں بڑے سے بڑا عہدہ جو ایک دیسی کو حاصل ہوتا ہے وہ صوبے دار کا ہے جس کی تنخواہ ساٹھ ستر روپے ہوتی ہے اور دیوانی میں صدر امین اسکے لیے سب سے بڑا عہدہ ہے جسکی تنخواہ پانچ سو روپے ہوتی ہے۔ جاگیریں۔ انعامات معافیاں سب ختم ہو چکیں ۔۔۔۔۔ تمام مال یورپ سے درآمد ہو رہا ہے اور تمہارے لیے معمولی اشیا چھوڑی گئی ہیں۔۔۔۔۔ ہندو مسلمان عالموں کو معلوم رہے کہ انگریز تمہارے مذہب کے دشمن ہیں اس لیے تمہیں ہمارے ساتھ شامل ہو کر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہیئے ورنہ تم گناہ گار ہو گے۔"

(انگریزی سے ترجمہ) ؎۱

پنچایتی نظام ختم کر دیا گیا جس کی وجہ سے غریب کسانوں کو عدالتوں میں برسوں ٹکریں

؎۱ سبین: ۱۸۵۷ء ۳۶ (فارن پولیٹیکل ۔۔۔۔ نمبر ۱۹۷)

کھانا پڑتیں اور دیوالہ نکل جاتا تھا۔ عدالتی کاغذ پر ٹکٹ لگانے کا جو دستور نکلا اس کے بارے میں سر سید نے بھی 'اسباب بغاوت ہند' میں لکھا ہے کہ "سب عقلا اس محصول کو ناپسند کر گئے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ دستاویزات پر محصول لگانا جتنا قابلِ الزام اور بے وجہ محض ہے اس سے زیادہ بُرا وہ محصول ہے جو کاغذات پر انصاف کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔"

بہادر شاہ کی ولی عہدی

بہادر شاہ کے عہد (تخت نشینی ۱۸۳۷ء) تک اگرچہ بادشاہت ایک مذاق بن کر رہ گئی تھی اور ایسٹ انڈیا کمپنی تمام معاملات پر پوری طرح قابض ہو چکی تھی پھر بھی اس برائے نام بادشاہت کو برقرار رہنے دیا گیا تھا، شاید اس لیے کہ ہندوستانی عوام کے دماغوں میں ابھی تک مغل سلطنت کا 'خُمار' باقی تھا اسی لیے کمپنی کو اس آڑ میں شکار کھیلنا اور آہستہ آہستہ انگریزی اقتدار کا شکنجہ مضبوط کرنا آسان ہو تا رہا لیکن بہادر شاہ کے بعد مغل سلطنت کا یہ تماشا بھی ختم کرنے کا تہیہ کیا جا چکا تھا۔ اس کے باوجود ولی عہدی کے لیے مضحکہ خیز کشمکش ہوئی اور کمپنی کی عیارانہ دخل اندازی عوام و خواص کے غم و غصے کا باعث بنی۔ سب سے پہلے بہادر شاہ نے دارا بخت کو ولی عہد بنایا لیکن اس کے انتقال (جنوری ۱۸۴۹ء) پر شہزادوں میں کشمکش شروع ہو گئی جو عیاشیوں میں از سر تا پا غرق تھے مگر اُن میں ہر ایک اپنے آپ کو مستقبل کا شہنشاہِ ہند تصور کرتا تھا۔ دارا بخت کے بعد مرزا شاہ رُخ کی باری آئی۔ جب وہ بھی چل بسا تو فتح الملک کو بنایا گیا مگر وہ بھی نہ رہا تو یہ رسہ کشی پھر شروع ہو گئی۔ بہادر شاہ نے (زینت محل کے اصرار پر) جواں بخت کو ولی عہد بنانا چاہا لیکن انگریزوں نے خفیہ طور پر مرزا فخرو سے اپنی شرطیں تسلیم کرا کر اُسے ولی عہد منظور کر لیا (۱۸۵۲ء) فخرو صاحب اس برائے نام جانشینی ہی کے لیے اس قدر ماہیِ بے آب و بے تاب تھے کہ انھیں تمام ذلیل شرطیں منظور تھیں اور اس انتظار میں تھے کہ کب بہادر شاہ دنیا سے سدھارے

اور ان کے نام کا اعلان ہو مگر ۱۰ر جولائی ۱۸۵۶ء کو یہ حسرت دل میں لیے خود ہی سدھار گئے۔ نامزد ولی عہدوں کا اس تسلسل سے انتقال اس 'پردۂ زنگاری' میں کسی 'استاد' کا پتہ دیتا ہے۔ مرزا فخرو کے بارے میں تو یہ افواہ بھی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ اس افواہ کی تحقیق ہو یا نہ ہو مگر یہ یقینی ہے کہ ولی عہدی کی اس مضحکہ خیز رسہ کشی سے فائدہ یا تو انگریزوں کو پہنچ رہا تھا جو ہر نئے ولی عہد سے پہلے سے زیادہ ذلیل شرطیں منوا لیتے تھے۔ اور یا جواں بخت کی دعوے دار زینت محل کو۔ بہر حال، مرزا فخرو[۱] کے مرنے پر بہادر شاہ نے تمام شہزادوں سے ایک کاغذ پر دستخط کرا لیے کہ وہ جواں بخت کو ولی عہد مانتے ہیں۔ اور یہ کاغذ کمپنی کے رزیڈنٹ کے حوالے کر دیا گیا لیکن معاملہ آسانی سے طے ہو جانا کمپنی کے مفاد میں نہ تھا اور نہ یہ منشا تھا کہ 'ولی عہدی شطرنج' کی بساط اتنی سہولت سے طے کر کے رکھ دی جائے لہٰذا مرزا قویش شکوہ کو بھڑکا کر ولی عہدی کا دعوے دار بنا دیا گیا اور پہلے سے زیادہ ذلیل شرطیں منظور کرا لی گئیں حالانکہ اس مرتبہ سب کچھ زبانی جمع خرچ پر رکھا گیا ان ذلیل شرطوں اور خفیہ کارروائیوں کا جب بہادر شاہ اور اس کے خاندان کو علم ہوا تو نہ صرف غصّہ بلکہ بیکسی پر رونا بھی آیا ہو گا۔ مٹکاف کا بیان ہے کہ:

> "جب یہ معلوم ہوا کہ انگریز جانشینی ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہندو اور مسلمانوں دونوں کے جذبات کو سخت ٹھیس لگی۔" [۲]

پیشین گوئیاں

بغاوت کی آگ مشتعل کرنے میں پیشین گوئیوں نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ پلاسی کی شکست کو ملک کے تعلیم یافتہ طبقے

---

[۱] مرزا فخرو الٰہی بخش کا داماد تھا۔ الٰہی بخش کا اصل نام ہدایت افزا ولد مرزا شجاعت عرف بجھو ولد عزت افزا ولد ہمایوں بخت ولد عظیم الشان۔ ۱۸۷۸ء میں انتقال ہوا۔

[۲] حسن نظامی: مرتب۔ غدر کی صبح و شام ۲۸

نے قومی شکست قرار دیا۔ بنگالی عوام کے احساسات تو یہاں تک وابستہ تھے کہ ہر سال پلاسی کے میدان میں جمع ہو کر شہیدوں کو خراجِ عقیدت ادا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے قریب یہ پیشن گوئی کافی مشہور تھی کہ سو سال بعد انگریزی راج کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انگریز مصنفوں کی کتابوں میں بھی اس طرح کی پیشن گوئیوں کا تذکرہ ملتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ ۲۳ جون ۱۸۵۷ء کو جب پلاسی کی جنگ پر سو سال پورے ہو رہے تھے انقلابی صفوں میں غیر معمولی جوش و خروش کانپور اور دہلی تک موجود تھا۔ موبرے تھامپسن نے اپنی کتاب "اسٹوری آف کانپور" میں لکھا ہے :

"۲۳ جون ۱۸۵۷ء، جو جنگِ پلاسی کی برسی تھی، بلا شک و شبہ وہ تاریخ تھی جس پر ایک طے شدہ اور متفقہ جد و جہد کا قصد تھا تاکہ برطانوی اقتدار کا جُوا ہمالیہ سے ہگلی تک اتار پھینکا جائے"

(ص ۱۲۴)۔

مسلمانوں میں ایک بزرگ شاہ نعمت اللہ ولی کا ایک فرضی قصیدہ مقبول تھا جس کے ایک شعر میں بھی اس طرف اشارہ ہے :

درمیانِ این و آں گردد بسے جنگِ عظیم
قومِ عیسیٰ را شکستِ بے گماں پیدا شود

چند جیوتشیوں کی پیشن گوئی تھی کہ ستارے باغیوں کی حمایت میں ہیں۔ مسز ہورٹسٹ انگلیسی نے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ "ہندوستان کے تمام ہندو مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ انگریزی حکومت سو سال سے زیادہ نہ رہے گی۔

مختلف تحریکیں اور جدوجہد

۱۸۵۷ء کی تحریک سے پہلے ملک کے مختلف حصوں میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ ثبوت دیتی ہیں کہ انگریزی اقتدار کو کسی بھی حصے میں برداشت نہیں کیا گیا اور اس کے خلاف عوام نے جگہ جگہ خوں ریز جدوجہد کی ہے جو مقامی اور غیر منظم ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی اور شاید اسی ناکامی نے اُن میں یہ احساس جگایا کہ ملک گیر تنظیم اور طے شدہ اسکیم کے بغیر کامیابی دشوار ہے۔ یہاں ہم چند بغاوتوں کے مختصر تذکرے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

اُڑیسہ : اڑیسہ کے پائکوں نے ۱۸۱۷ء میں بغاوت کی جنہیں انگریزی راج (۱۸۰۳ء) سے سخت نقصانات اٹھانا پڑے تھے۔ اس سے پہلے مال گزاری چار لاکھ سے زیادہ نہیں تھی جو ہنڈی کی شکل میں ادا کی جاتی تھی مگر انگریزی نظام میں رفتہ رفتہ یہ دس لاکھ تک پہنچی (۱۸۱۵-۱۶ء)۔ پہلے ہنڈی کی شکل میں ادا کی جاتی تھی مگر اب چاندی کے سکے کی شکل میں کلکتے میں ادا کی جانے لگی تو چاندی کی بڑی مقدار اُڑیسہ سے باہر چلی گئی اور مقامی سکے کی قیمت گر گئی۔ مال گزاری کی وصولی کے لیے جو ظلم روا رکھا گیا اس کا ذکر بیکار ہے چنانچہ ۱۸۱۷ء میں کھردا (ضلع پوری) کے علاقے میں زبردست شورش ہوئی۔ یہاں کے راجہ کو 'جوگجا پتی' کہلاتے تھے، نئے ٹیکسوں سے بڑا نقصان پہنچا اور یہ علاقے تباہ ہو گئے آخر کار پائکوں نے، جو یہاں فوجی حیثیت رکھتے تھے، بغاوت کی۔

انگریزوں کا قبضہ ہوتے ہی سب سے پہلے حاکم میجر فلیچر کے ہاتھوں ہی اُن پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔[1] مارچ ۱۸۱۷ء میں کھونڈوں کی ایک جماعت گھمسار (ضلع

1. TOYNBEE (G): History of Orissa pp. 13 -14

گنجام) سے کھردا میں داخل ہوئی اور پائک قبیلے اس کے ساتھ شامل ہو گئے جن کی رہنمائی کھردا کے راجہ کا کمانڈر جگ بندھو کر رہا تھا۔ بان پور وغیرہ علاقوں میں بھی بغاوت پھیل گئی اور کٹک میں یہ اطلاع پہنچنے پر انگریز افسر مع مجسٹریٹ ایڈورڈ امپی کے فوج لے کر بڑھے مگر کھردا سے دو میل دور رہی گنگ پارا میں باغیوں نے گھیر کر مرمت کر دی اور امپی کو واپس بھاگنا پڑا اپنی رپورٹ میں گورنر کو لکھتا ہے:

"کھردا کا تمام علاقہ پوری طرح بغاوت پر کمربستہ ہے" [1]

اس موقعے پر بان پور میں سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی، خزانہ لُٹ گیا، پولس تھانوں پر حملے ہوئے، تقریباً سو آدمی قتل کیے گئے اور انگریزی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۲ اپریل ۱۸۱۷ء کو باغیوں نے پوری پر حملہ کیا، مقامی باشندے بڑی تعداد میں اُن کے ساتھ ہو گئے، کیپٹن والنگٹن، جو صورت حال پر قابو پانے آیا تھا واپس کٹک کو بھاگ گیا پھر دوبارہ فوج بھیجی گئی لیکن چونکہ اُس وقت جگ بندھو بان پور پر قبضے کے لیے بڑھ چکا تھا اس لیے یہ فوج بہ آسانی قابو پا گئی اور کھردا کے راجہ کو گرفتار کر کے ۱۷ مئی ۱۸۱۷ء کو کٹک لایا گیا۔ بغاوت کھردا تک ہی نہیں بلکہ جنوبی مشرقی اڑیسہ کے علاقوں مثلاً اسوریشو۔ تیران۔ ہری ہر پور اور گوپے میں بھی یہی سب کچھ ہو رہا تھا۔ اور قریبی علاقوں کے راجہ باغیوں کی مدد کر رہے تھے چنانچہ بڑے پیمانے پر فوجی انتظامات کیے گئے اور مسلح فوجوں نے گھیر کر کھردا وغیرہ پر چڑھائی کی تب کہیں اکتوبر ۱۸۱۷ء میں قابو پایا جا سکا لیکن جگ بندھو ہاتھ نہ آسکا، برابر سرگرمیوں میں مصروف رہا اور ۱۸۲۵ء میں ہتھیار ڈالے کٹک میں نظر بند کیا گیا، ۱۸۲۹ء میں فوت ہوا۔ اُڑیسہ کے بارے میں ڈبلو ڈبلو ہنٹر نے لکھا ہے:

"یہاں کے عوام کسی طرح برٹش راج کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے اور ۱۹ انیسویں صدی کے وسط تک برابر انگریزوں سے جنگ کرتے رہے۔"

---

1. TOYNBEE: pp.17-18 [1]

انھوں نے اپنے لیڈر چکرا بسوئی کی سرکردگی میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی۔ انگول کا راجہ سوماناتھ جگدیو بھی چکرا بسوئی سے خفیہ رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ اُسے ۱۸۴۷ء میں معزول کر کے ہزاری باغ میں نظر بند کیا گیا جہاں ۱۸۵۲ء میں فوت ہوا۔ اس کے کمانڈر سدھو گدنائک کو مع بارہ ساتھیوں کے جلا وطن کیا گیا، پھر بھی ۱۸۵۶ء تک اِن بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا اور چکرا بسوئی دوبارہ جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔ ؎۱

بغاوت کے بعد تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹوں کا خلاصہ یہ تھا کہ زمینوں کی اندھا دھند فروخت اور نیا مال گزاری نظام اس بغاوت کا سبب تھا۔ یہ خرید و فروخت کلکتے میں ہوئی اور اڑیسہ کے غریب عوام گھر بیٹھے محروم ہو گئے۔ ان رپورٹوں میں یہ تمام تفصیل دی گئی ہے اور انگریزی نظام کو نہ صرف ناقص قرار دیا گیا بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں کے عوام مقامی راجاؤں کے عہد میں کس قدر خوش حالی اور سکون کی زندگی گذار رہے تھے اور انگریزی راج کا آغاز ہوتے ہی انھیں مظالم کا شکار ہونا پڑا۔ مال گزاری کی رقم دوگنا تین گنا ہونے پر اُس کی ادائیگی ناممکن ہو گئی تو ان کی زمینیں چھین لی گئیں ؎۲

مدناپور سے بہار اور چھوٹا ناگپور تک برابر بغاوتیں ہوتی رہیں۔ سنگھ بھوم کے کول اور چھوٹا ناگپور کے منڈا قبیلے، مان بھوم کے بھومج قبیلے، راج محل کے سنتھال اڑیسہ کے کھونڈ اور آسام کے کھاسی قبیلوں نے سخت شورش برپا کی۔ بغاوتوں کا یہ سلسلہ ۱۷۶۸ء میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ۲۲-۱۸۲۱ء میں کولوں کی بغاوت رانچی سے شروع ہو کر سنگھ بھوم،

؎۱ 1. HUNTER: History of Orissa pp. 396-98

TARACHAND: History of Freedom Movement vol.2 p.5-6

؎۲ 2. PATRA: Orissa Under E.I.Co; pp. 18-29.35

Orissa Records vol.2 p.3

ہزاری باغ، پالامئو، مان بھوم وغیرہ میں پھیلتی چلی گئی جسے کچلنے کے لیے بڑے پیمانے پر سخت فوجی اقدامات کیے گئے۔ ۱۸۵۵ء میں راج محل کے سنتھالوں نے بغاوت کی کیونکہ اُن سے بھاری لگان کا مطالبہ کیا گیا، انھیں اُجرتیں نہیں دی گئیں اور طرح طرح سے جو مظالم ڈھائے گئے وہ اس کے علاوہ تھے یہاں تک کہ عورتوں کو بھی نہ بخشا گیا۔ یہ بغاوت بردوان سے بھاگل پور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اڑیسہ کے سرداروں نے ۱۸۰۴ء سے ہی بغاوتوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آسام پر انگریزی قبضے کے بعد متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ سنگ تحو اور اس کے ساتھیوں نے ۱۸۳۰ء میں سادیا کے مقام پر حملہ کیا اسی طرح ۱۸۳۵ء اور ۱۸۳۹ء میں بھی بغاوتیں ہوئیں۔ ۱۸۴۹ء میں ناگاؤں نے بغاوت کی ۔[1]

مالا بار ۔ میسور : ۱۷۹۲ء میں جب سلطان ٹیپوؒ کی سلطنت کا کچھ حصہ کمپنی کے قبضے میں آیا تو مالا بار کے تقریباً تمام راجہ چھ سال تک انگریزوں سے جنگ کرتے رہے۔ کوٹایم کے راجہ کیرالا ورما نے، جو پایچے راجہ بھی کہلاتا تھا، دوسرے سرداروں کے ساتھ نمایاں حصہ لیا اور حالات اس قدر خطرناک صورت اختیار کر گئے کہ راجہ سے نرم شرائط پر صلح کرنا پڑی۔ کنجام کی ایک ریاست کمیدی کے جاگیردار کو جب کمپنی نے خراج کی ادائیگی میں دیر ہونے پر گرفتار کیا تو وہاں ۱۷۹۷ء میں عام بغاوت پھیل گئی۔ گاؤں والوں نے جان دینا گوارا کیا مگر کمپنی کو لگان دینے سے انکار کر دیا۔ ۱۸۲۴ء تک برابر خوفناک بغاوتیں ہوتی رہیں۔ مالا بار میں ۱۸۰۲ء میں پھر بغاوت ہوئی جو پورے صوبے میں پھیل گئی۔ ۱۸۱۲ء تک ان شورشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ میسور کی فتح کے بعد مرہٹہ سردار دھونڈیا واگ نے بغاوت کی مگر ۱۸۰۰ء میں اس کو شکست ہوئی اور ۱۰ ستمبر ۱۸۰۰ء کو جنگ میں کام آیا۔ انگریز مصنفوں کا خیال ہے کہ اگر وہ مارا نہ جاتا تو دوسرا حیدر علی بن جاتا۔ ۱۸۲۴ء میں کورگ کے راجہ ویرا نے

---

[1] ان بغاوتوں کی تفصیلات (۱۸۱۶ء سے ۱۸۲۱ء) کے لیے ملاحظہ ہو، کے کے دتّہ کی انگریزی کتاب "اینٹی برٹش پلاٹس ......"

بغاوت کی۔ ٹراونکور میں ۱۸۰۴ء میں بغاوت ہوئی جس کا سبب کمپنی کی دخل اندازی تھا یہاں کے دیوان ویلوتامپی نے ۱۸۰۸ء میں کوچین کے دیوان کو شامل کر لیا اور فوج جمع کر کے سخت مقابلے کیے۔ [1] شکست کے بعد ایک مندر میں پناہ لی اور وہیں خودکشی کر لی (۱۸۰۹ء)۔

دکھنی علاقے: ضلع بیجاپور میں دواکر ڈکشت نے فوج جمع کر کے ۱۸۲۴ء میں مقام سندگی کو لوٹا اور حکومت قائم کر لی۔ شیوالنگا کی موت پر جب کمپنی نے اس کے لے پالک بیٹے کو جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو ۱۸۲۴ء میں ریاست کتور میں بغاوت ہوئی جس میں انگریز قتل ہوئے اور باغیوں نے ریاست کی آزادی کا مطالبہ کیا، انھیں شکست ہوئی مگر ۱۸۲۹ء میں پھر بغاوت ہوئی۔ ۱۸۲۶ء میں راموسس نے بغاوت کی اور دکھنی علاقوں میں جہاں قحط پڑ رہا تھا، تین سال جاری رہی۔

مدراس پریسی ڈینسی میں پالیگاروں کی باغیانہ سرگرمیاں جاری تھیں راجہ وزیانگرم سے کمپنی نے تین لاکھ روپے کا مطالبہ کیا اور پھر اضافہ ہوتا گیا وہ پورا نہ کر سکا تو اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ راجہ نے ۱۷۹۴ء میں بغاوت کی اور جنگ میں کام آیا۔ تنّے ولی۔ سواگری۔ رام ناد وغیرہ کے پالیگاروں نے ۱۸۰۱ء میں بغاوت کی۔ ڈنڈی گل۔ مالابار اور پلاّئم وغیرہ کے راجاؤں نے بغاوتیں کیں۔ شمالی ارکاٹ میں ۱۸۰۱-۵ء اور دوسرے علاقوں میں ۱۸۱۳ء میں بغاوتیں ہوئیں۔ ۱۸۳۰-۳۲ء میں راجا سر بھدرا اور جگناتھ (وزگاپٹم) نے بغاوت کی۔ گنجام ضلع اور نرسما ریڈی کرنول کے پالیگاروں نے ۱۸۳۵-۳۷ء اور ۱۸۴۶-۴۷ء میں بغاوت کی۔

آسام: سلہٹ کے قریب کھاسی کی پہاڑیوں (نونگ کھلاؤ) میں راجہ تیرت سنگھ نے ۱۸۲۹ء میں بغاوت کی کیونکہ انگریز سلہٹ اور کام روپ کے علاقوں پر قبضہ کر چکے تھے اور اس کی

ا؎ 1. BAKHSHI: (S.R): British Diplomacy and Administration In 1807-13 (1971) pp. 107-118

ریاست میں سڑک بنانے کے حیلے سے دخل اندازی کر رہے تھے۔ راجہ کے ساتھ قریب کے جاگیردار اور عوام بھی تھے۔ ایسا مقابلہ کیا کہ انگریزوں نے حیرت سے اعتراف کیا ہے۔ یوں بس نہ چلا تو تیرت سنگھ کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کی گئی، وہ اس جال میں بھی نہ آیا۔ آخر کار اُسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اُس سے کہا گیا کہ اگر وہ انگریزوں کی بالادستی منظور کر لے تو ریاست واپس مل جائے گی مگر تیرت سنگھ سرزمینِ وطن کے دامن پر نظام حیدرآباد اور اُس جیسے دوسرے دھبّوں کی طرح نہ تھا، وہ سلطان ٹیپو ؒ کی مثال تھا۔ اُس نے جواب دیا:

"آزاد رہ کر ایک عام آدمی کی طرح مرنا میرے لیے غلام راجہ بن کر جینے سے کہیں بہتر ہے۔"

وہ ۱۸۳۴ء میں جلاوطنی کی حالت میں بمقام ڈھاکہ انتقال کر گیا۔

جنگ برما کے بعد ۱۸۲۶ء میں آسام کے علاقے کمپنی کے قبضے میں آئے دو ہی سال بعد بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کیونکہ لگان میں روز بہ روز اضافہ اور پرانے نظام میں اصلاحات ہونے لگی تھیں۔ غریب کسانوں پر جو مطالبات پورے کرنے کے قابل نہ تھے، مظالم ڈھائے گئے۔ زمینداروں اور راجاؤں سے جبریہ وصولی کی جا رہی تھی چنانچہ دارانگ کے علاقے (وسط آسام) کے راجہ بجے نرائن سے بیالیس ہزار روپیہ اور ڈیڑھ ہزار پالکوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس کے فوراً ہی بعد یہ رقم چوّن ہزار کر دی گئی۔ راجہ نے سخت احتجاج کیا تو صرف تین ہزار کی رعایت ملی۔ اس غریب نے کسی نہ کسی طرح یہ مطالبہ بھی پورا کیا لیکن سال بھر بعد معلوم ہوا کہ اس پر ابھی اکیس ہزار روپیہ اور واجب ہے جس کے حصول کے لیے اس کی جائداد ضبط کر لی گئی۔[1] یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ تمام آسام میں جو ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا اس کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں۔ اسی مسلسل ظلم و ستم نے

---

1. BARPUJARI (H.K): Assam in the Days of E.I.Co;. (Publ.1980) pp.42-43 — لہ

تمام آسام کو بغاوت کے کنارے لاکھڑا کیا اور ۱۸۲۶ء میں جور ہاٹ کے علاقے بسا میں سابق حکمراں خاندان کے ایک نوعمر شخص گوم دھر کوار کی رہنمائی میں بغاوت شروع ہوگئی۔ اس سازش میں علاقے کے معزز اور با اثر لوگوں کا ایک پورا گروہ شامل تھا۔ انھوں نے کمپنی کے دیسی افسروں اور مقامی زمین داروں سے نامہ و پیام کیا اور طے شدہ اسکیم کے بعد بغاوت کی۔ اسی زمانے میں سلہٹ کے کھاستی قبیلے تیرت سنگھ کی رہنمائی میں بغاوت کا پلان بنا رہے تھے۔ گوم دھر کو تخت نشین کیا گیا (نومبر ۱۸۲۸ء) اور مریانی کی طرف پیش رفت کی گئی لیکن جلد ہی بغاوت کچل دی گئی، گوم دھر کو سزائے موت تجویز ہوئی جو بعد میں سات سال قید میں تبدیل کر دی گئی۔[1] سال ہی بھر بعد پھر انگریزی راج کا تختہ اُلٹنے کی ایک اور کوشش کی گئی جس کا لیڈر رویا نگ گومندر اؤ عرف گوداد ھر سنگھا تھا۔ جو سابق راجہ کا رشتہ دار تھا۔ اس موقعے پر ایک دیسی فوجی صوبے دار ظالم سنگھ سے رابطہ قائم کرنے کی بھی کوشش کی گئی لیکن اس نے باغی سرداروں کو گرفتار کر کے گوہاٹی بھجوا دیا۔ اس سازش میں حکمراں خاندان کی ایک راجکماری بھی شریک تھی جو برہما کے ایک راجہ کو منسوب ہوئی تھی۔ اوآ کا راجہ بھی سازش میں شریک پایا گیا۔ اسی دوران ۱۸۳۰ء میں سنگ فو اور کھامتی قبیلوں کی بغاوت شروع ہوگئی جس میں شمالی آسام کے بیشتر زمیندار شریک تھے لیکن فروری ۱۸۳۰ء کے آخر میں بغاوت کچل دی گئی۔ اُدھر ۱۸۲۹ء کے آخر میں دھن جوئے نے، جو بچ کر نکل گیا تھا، ایک گاؤں میں اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ دوبارہ بغاوت کا پلان بنایا، علاقے کے اکثر زمیندار اور سابق حکمراں اس کے ہمراہ تھے۔ انگریز حکام کی رپورٹ (۱۴ر جون اور ۲۰ر اپریل) میں سازش کی تفصیلات بتائی گئیں جو باغیوں کے قبضے سے برآمد شدہ کاغذات اور خط و کتابت میں موجود ہیں اور جس کے ذریعے مختلف قبیلوں کے سرداروں کو اس پر آمادہ کیا گیا تھا کہ انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالیں لیکن ۱۲ر فروری ۱۸۳۰ء

---

1. BARPUJARI: Assam pp. 42-53

کو ایک سرغنہ گرفتار ہوا جس کے پاس سے باغیانہ خطوط اور کاغذات برآمد ہوئے اس کے باوجود ۲۵ فروری کو باغیوں نے رنگ پور پر حملہ کیا جو پسپا کر دیا گیا اور کئی باغی سردار گرفتار ہوئے۔ دشمن جو کے پھر بھی ہاتھ نہ آیا۔ ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے کچھ ساتھیوں نے غداری کی اور انگریز حکام کے ساتھ ہو گئے۔ منی رام بروا، جو اس وقت دیوانی میں سررشتہ دار تھا اور بعد میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن بنا، ان حالات سے بے تعلق رہا۔

جون ۱۸۳۹ء میں ایک اور قابلِ ذکر بغاوت کھامتی قبیلے کی طرف سے ہوئی جو تمام شورشوں سے زیادہ زبردست تھی، انگریز رجیمنٹ کا کمانڈر میجر وہائٹ بھی باغیوں کے ہاتھ آگیا، انگریز حکام کو باہر سے مزید امدادی دستے بلانا پڑے۔ ۱۸۴۱ء میں کوہائیں قبیلے کی طرف سے پھر بغاوت پھوٹ پڑی جس کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا تھا لیکن باغی عوام مناسب رہنمائی اور تنظیم کے اعتبار سے ناقص اور کمزور تھے۔ غرض یہ کہ ۱۸۵۷ء تک آسام میں مسلسل بغاوتوں اور سازشوں کا دور دورہ رہا، ہم نے صرف چند کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۸۴۹ء میں بھی ناگاؤں نے بغاوت کی اور ۱۸۴۶ء میں راجہ پورندر سنگھا کی موت کے بعد منی رام بروا نمایاں ہوتا گیا، جو اس کے بیٹے کامیسور سنگھا اور پھر ۱۸۵۱ء میں اس کے وارث کندار پیسور عرف چارنگ راجہ کا دیوان اور مشیر خاص رہا، حالات کا مشاہدہ اُسے انگریزوں کے دشمنوں کی صف میں لے آیا اور اس نے اپنی یادداشت میں جو ۱۸۵۲ء میں حکام کو پیش کی گئی، انگریزی راج کی خرابیاں کھلے الفاظ میں بیان کر کے نکتہ چینی کی۔

ساونت وادی اور کولہاپور وغیرہ: شمالی کونکن کے مقام ساونت وادی میں ۱۸۳۰ء، ۱۸۳۲ء ۱۸۳۶ء میں کھلی بغاوتیں ہوئیں۔ ۱۸۴۴ء میں کولہاپور میں بغاوت ہوئی اور راناصاحب نے بادشاہت کا اعلان کیا، انگریزی فوج کے دیسی افسروں سے بھی سازش کی گئی تھی اور بغاوت آس پاس کے علاقوں میں دور تک پھیل گئی تھی۔ آندھرا اسٹیٹ کے ضلع وزاگا پٹم میں برابھدرا راج رازے اور جگناتھ روزے نامی سرداروں نے ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۴ء تک بغاوت کی رہنمائی کی۔ پل کونڈہ میں ۱۸۳۱ء میں عام بغاوت ہوئی۔ ۱۸۴۰ء میں ایک برہمن نرسیم دتاتریہ کی رہنمائی میں کچھ عربوں نے نظام کے علاقے

سے نکل کر قلعہ بادامی پر قبضہ کرلیا اور نرسیم کی حکومت کا اعلان کیا۔ ضلع ساگر کے چند زمینداروں نے ۱۸۴۲ء میں بغاوت کی۔ اسی سال دکھنی علاقوں کے پالیگاروں نے بیلاری، کڑاپا، اننت پور اور ضلع کرنول وغیرہ میں اتنی زبردست بغاوتیں کیں کہ انگریز مؤرخوں نے بھی ان کو آزادی اور ملکی دفاع کے لیے جنگ کرنے پر خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔

کولہاپور کی ریاست سے ۱۸۲۶ء میں کمپنی کا عہد نامہ ہوا جس کی رو سے کمپنی کو راجہ کا وزیرِ اعظم نامزد کرنے یا برخاست کرنے کا ذمہ دار تسلیم کیا گیا یہی ریاست کے معاملات میں دخل اندازی کی ابتدا تھی۔ ۱۸۳۷ء میں یہاں راجہ شیواجی (چہارم) عرف بابا صاحب تخت نشین ہوا جس کی کم عمری کی وجہ سے کونسل بنادی گئی لیکن کمپنی دخل اندازی سے باز نہ رہ سکی اور مارچ ۱۸۴۴ء میں بدانتظامی کی آڑ لے کر اپنے پٹھو کرشنا پنڈت کو وزیرِ اعظم بنادیا پھر حسبِ دستور زمینی اصلاحات اور مال گزاری میں اضافے وغیرہ کی آڑ میں دخل اندازی شروع کردی یہاں تک کہ قلعوں پر قبضہ اور راجہ کے فوجی دستوں کو غیر مسلح کرنا بھی شروع کردیا گیا۔ حالات ناقابلِ برداشت ہوتے پر سمن گڑھ اور بھودر گڑھ کے دیسی فوجی دستوں نے بغاوت کردی تو ۱۹ ستمبر ۱۸۴۴ء کو بیلگام سے فوجیں طلب کی گئیں اور ۱۳ اکتوبر تک بمشکل قابو پایا گیا لیکن حالات نے اس کے بعد خطرناک ترین صورت اختیار کرلی، کولہاپور کے عوام انگریزوں کے خلاف میدان میں نکل آئے اور دسمبر ۱۸۴۴ء تک زبردست بغاوت ہوتی رہی۔ گوا کے بعض سردار باغیوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔[۱] نومبر ۱۸۴۴ء کو گوا کے اِن سرداروں سے باغیوں نے مدد طلب کی، اپنے نمائندے بھیجے اور لکھا کر کولہاپور پہنچو

---

[۱] گوا آرکائیوز کے ڈائرکٹر مسٹر شرودکر نے ایک مقالہ مغربی اور پرتگالی علاقوں کی بغاوت پر لکھا تھا جو بسبن (پرتگال) کے ایک سیمینار میں پڑھا گیا۔ یہ آرکائیوز کے اصل ریکارڈ اور دستاویزوں کی بنیاد پر مرتب کیا گیا۔ موصوف نے میری درخواست پر مقالہ ٹائپ کرا کر ارسال کیا اسی کی مدد سے یہ حالات لکھے گئے ہیں۔

اور بدمعاشوں سے ہماری عزت بچاؤ۔ باغیوں کو شکست ہوئی اور اُن کا سردار قلعہ مُتپّالا پر جنگ میں کام آیا لیکن کولہاپور کے حالات نے ساونت واڑی پر بھی اثر ڈالا اور دیسی رجمنٹ میں بغاوت ہونے لگی، منوہر گڑھ کے عوام نے انگریزی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ نومبر ۱۸۴۴ء میں ایک بااثر سردار پھوند ساونت تمبولیکار اپنے آٹھ بیٹوں کے ہمراہ بغاوت میں شریک ہوا اور سار ڈیسائی کے سولہ سالہ لڑکے انّا صاحب کو بھی ہمراہ لیا جو تخت کا وارث تھا۔ گوآ کے عوام میں بھی باغیوں سے ہمدردی کا رجحان پیدا ہو گیا اور رابطہ قائم تھا۔ لیکن پرتگالی حکمرانوں نے پابندیاں عائد کر دیں کہ پھوند ساونت کو مدد نہ مل سکے اس کے باوجود انگریزوں کو یقین تھا کہ باغیوں کو گوآ سے مدد مل رہی ہے اور یہاں کے گاؤں پرودی (نزد بھیم گڈ) سے اسلحہ اور بارود مہیّا کیا گیا جہاں دو سو کے قریب باغی موجود تھے۔ انگریز حکام نے پُرتگالی افسروں کو زیادہ سخت اقدامات کرنے کا مشورہ دیا (جنوری ۱۸۴۵ء) اور ڈیسائی ذات کے لوگوں پر کڑی نظر رکھنے کی تجویز کی جو بغاوت کے خاص رہنما تھے۔ گوآ کے کئی ڈیسائی سردار ساونت واڑی کی بغاوت میں شریک تھے۔ انّا صاحب کو بھی گوآ کے علاقوں میں پوشیدہ رکھا گیا جسے انگریزوں کے حوالے کرنے کی درخواست گوآ کے حکام سے کی گئی۔

جنوری ۱۸۴۵ء کے آخر میں کرنل جے اوٹرم (او۔ایس ڈی کولہاپور) کو باغیوں کا پیچھا کرنے گوآ کی سرحد پر بھیجا گیا اور گوآ کے حکام کو لکھا گیا کہ وہ باغیوں کو اس کے حوالے کر دیں اور اوٹرم کو باغیوں کا پیچھا کرنے کی اجازت دیں۔ پھوند ساونت مع ہمراہیوں کے گوآ کی سرحد میں داخل ہو گیا تھا۔ اور انّا صاحب مع دو سو ساتھیوں کے اُس سے مل گیا تھا۔ گوآ کے ایک گاؤں لُٹرسا کو مرکز بنا کر یہ لوگ بغاوت کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انگریز حکام کو یہ بھی علم تھا کہ گوآ کے باشندے ان کے ساتھ تھے اور مدد کر رہے تھے۔ بمبئی کے گورنر نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ "یہ لوگ ساونت واڑی کے علاقوں میں آکر شورش کرتے ہیں اور جب ان کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے تو گوآ میں جا کر روپوش ہو جاتے ہیں۔" گوآ کے حکام نے باغیوں کو انگریزوں کے حوالے کرنے کے بجائے خود حالات کا جائزہ لینے کا ارادہ کیا۔ دو تین سال بعد ۱۸۴۶ء میں انگریز حکام نے انھیں

پینتالیس۴۵ باغی سرداروں کی فہرست بھیجی اور لکھا کہ ان میں سے ساونت واڑی کے جن لوگوں نے بغاوت میں سرگرم حصہ نہیں لیا انھیں معاف کر دیا جائے۔ انّا صاحب کو وطن واپس آنے اور سو روپیہ ماہوار پنشن پر اپنے وطن میں رہنے کی اجازت ملی۔ (مئی ۱۸۴۸ء) گوآ کے پرتگالی افسروں نے میجر گرانڈ جیکب پولٹیکل ایجنٹ ساونت واڑی کو اپنے خط میں شرائط ماننے سے انکار کیا۔ ۱۸۵۱ء تک انگریز حکام برابر اپنی خط وکتابت میں باغیوں کی نقل وحرکت پر گوآ کی حکومت کو توجہ دلاتے رہے۔ اسی زمانے میں گوآ میں پرتگالی حکومت کے خلاف بغاوت پھیل گئی جو حکمرانوں کے سخت قوانین کے خلاف تھی۔ ستاری کا دیبا جی رینے بغاوت کا رہنما تھا اُس نے نانس کے قلعے پر قبضہ کیا اور میگزین وغیرہ لوٹ لیا، ستاری سے پرتگالیوں کو نکال دیا اور آس پاس کے علاقوں پر بھی چھاپے مارے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر پرتگالی حکومت کو ساونت واڑی کے انگریز افسروں سے مدد مانگنا پڑی حتیٰ کہ باغی رہنماؤں سے بھی مدد مانگی۔ ساونت واڑی کے انگریز حکام نے سرحدوں کی سخت نگرانی کی لیکن اس کے باوجود پرتگالی علاقے کے باغی سردار ساونت واڑی کے گاؤں میں پناہ لیتے اور مدد حاصل کرتے رہے اگرچہ پرتگالی افسروں کی درخواست (مئی ۱۸۵۲ء) پر سخت اقدامات کیے گئے۔ انگریز حکام نے دو باغی سرداروں قاسم خاں اور شیخ ابراہیم ولد عثمان کو دیبا رینے کی مدد کے جرم میں سزا دی اور پرتگالی حکومت کو ہتھیار مہیا کیے۔ ستمبر ۱۸۵۲ء میں گوآ کے باغیوں کو ساونت واڑی واپس آنے کی اجازت دیدی گئی۔ دیبا رینے اور ہنومنت ساونت ۱۸۵۵ء تک بھی پرتگالی حکومت کے ہاتھ نہ آسکے۔ جون ۱۸۵۶ء میں اِن باغی سرداروں نے ضلع منگلور میں کسٹم ہاؤس اور ایک پولیس چوکی پر چھاپا مارا، کچھ لوگ گرفتار ہوئے مگر دیبا رینے ہاتھ نہ آیا، وہ برابر شورش میں سرگرم رہا۔ اس دوران ۱۸۵۷ء کی بغاوت نے اُسے ایک اچھا موقع فراہم کر دیا۔

حیدر آباد میں سازش ۔ مبارز الدولہ : ۱۸۰۶ء میں ہی ایک سازش کا سراغ ملتا ہے جس میں حیدر آباد کے جاگیردار راؤ رمبھا اور نور الامراء شریک تھے جنھوں نے انگریزی فوج

کے دیسی سپاہیوں کو بغاوت پر آمادہ کر لیا تھا۔ نومبر ۱۸۱۲ء اور اس کے بعد دو علاقوں میں فوجی بغاوتیں بھی ہوئیں جنہیں آسانی سے کچل دیا گیا۔ یہ حالات بریگز نے اپنی کتاب "ہسٹری آف حیدر آباد کنٹیجینٹ" میں (ص ۲۹-۲۸) بیان کیے ہیں۔

نظام اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حالات گذشتہ صفحات میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ عوام میں جو بے چینی ان حالات سے پیدا ہوئی اس کا مظاہرہ مبارز الدولہ[1] کی تحریک کی صورت میں سامنے آیا۔ ۱۸۱۵ء میں ہی وہ اپنے جذبات ظاہر کر چکا تھا۔ اُس کے مکان کو انگریزی سپاہ نے گھیر لیا، ایک انگریز مارا گیا اور انگریز سپاہیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا جس پر رزیڈنٹ کو سخت غصہ آیا اور سکندر آباد سے فوج طلب کر لی گئی لیکن مہاراجہ چندو لال نے معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ اس کے بعد جب نظام نے رزیڈنٹ کے اشارے پر اس کے محل پر انگریزی پہرہ لگانا چاہا تو مبارز الدولہ نے غصے سے بپھر کر اعلان کیا کہ وہ مر جانا پسند کرے گا مگر اپنے محل پر انگریزی سپاہ کو دیکھنا گوارہ نہیں کرے گا۔ اُسے پانچ سال کے لیے گول کنڈہ کے قلعے میں نظر بند کر دیا گیا۔ مگر رہائی کے بعد وہ پھر اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو گیا، افغانوں اور عربوں کی بھرتی شروع کر دی تو ۱۸۲۰ء میں پھر نظر بند کیا گیا (گول کنڈہ قلعہ) اُس نے فوج میں بغاوت پھیلانا شروع کر دی اس پر بولارم سے ایک اور دستہ بھیجا گیا۔ مبارز الدولہ کسی نہ کسی طرح پھر رہا ہو گیا۔ میڈوز ٹیلر، جو اِن واقعات کا چشم دید مبصر ہے، اپنی کتاب "اسٹوری آف مائی لائف" میں یہ حالات بیان کیے ہیں کہ یہاں عرب، روہیلے اور سکھ وغیرہ مبارز الدولہ کی حمایت پر کمربستہ تھے۔ نظام نے ہم سے مدد کی درخواست کی۔ ہم ۱۷ جنوری ۱۸۳۱ء کو پہنچے اور دہلی دروازے کے سامنے خیمہ زن ہوئے مگر نظام کے

---

[1] اصل نام گوہر علی، نظام سکندر جاہ کا بیٹا تھا۔ ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں پیدا ہوا، بچپن ہی سے جری اور بہادر تھا، عربی فارسی کا عالم اور فنونِ جنگ کا ماہر تھا۔ حیدر آباد کے سیاسی حالات نے اُسے انگریزوں کا دشمن بنا دیا تھا۔ اور ہندوستان سے انگریزوں کا نکالا جانا ضروری سمجھتا تھا۔

دستوں نے بھی دشمنی کا برتاؤ کیا، ہمیں اندر نہیں جانے دیا اور مقابلے پر کمربستہ ہوئے، میں نے بڑی مشکل سے بھاگ کر جان بچائی۔ ۱۵ فروری کے بعد جب نظام کے دستے ہٹائے گئے تب ہم نے پوزیشن سنبھالی۔ اس کے بعد مبارز الدولہ سے بات چیت کی گئی۔ اس کے اور رزیڈنٹ کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس میں انگریز رزیڈنٹ سے اس کی اصل حیثیت میں خطاب کیا گیا تھا لیکن صاحب بہادر کو یہ لہجہ بڑا ہی گراں گزرا کیونکہ طرزِ خطابت نہایت درشت تھا۔

۱۸۲۹ء میں سکندر جاہ کے مرنے پر نصیر الدولہ تخت نشین ہوا جو مبارز الدولہ کا بھائی تھا۔ اسی زمانے میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک پورے عروج پر تھی۔ مبارز الدولہ بھی اس سے وابستہ ہوگیا اور حیدر آباد میں سرگرمیاں شروع ہوئیں۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے نظام (سکندر جاہ) کو خطوط بھی لکھے کہ "چند سال سے اس علاقے میں فرنگی اثر و اقتدار بڑھ رہا ہے۔ یہ اچھی علامت نہیں ہے۔" مگر نظام بے چارے کی عقل و خرد کا نظام اگر درست ہوتا تو وہ اب سے پہلے ہی سلطان ٹیپوؒ سے دغابازی کر کے غلامی کا یہ تنگ ہوتا ہوا پھندہ کیوں اپنی گردن میں ڈالتا!

۱۸۳۸ء میں تحریک ولی اللہی کے دو راہنما مولوی ولایت علی اور مولوی سلیم حیدر آباد آئے۔ اُن کے کارکن پہلے ہی مدراس، بنگلور، کرنول، بمبئی وغیرہ میں خفیہ طور پر سرگرم تھے۔ مبارز الدولہ کی شرکت نے ان سرگرمیوں میں رُوح پھونک دی۔ کرنول کا نواب غلام رسول خاں (ابن الف خاں) بھی اس تحریک سے وابستہ ہوگیا۔ مبارز الدولہ کی طرف سے تقریباً تمام والیانِ ریاست کو خطوط لکھے گئے۔ حیدر آباد کے ریکارڈ آفس کے غیر مطبوعہ کاغذات سے اس پر کسی حد تک روشنی پڑتی ہے اور انگریزوں کے خلاف اس تاریخی تحریک کے نقوش نظر آتے ہیں۔ انگریز رزیڈنٹ فریزر کو اس سازش کا پتہ چل گیا اور ٹھیک اس وقت جب یہ سازشیں میدانِ عمل میں داخل ہونے کو تھیں، مبارز الدولہ، نواب کرنول، مولوی سلیم وغیرہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۸۳۹ء میں مقدمہ چلا تو سازش کی ہمہ گیری اور ہوشیاری سے بنائے گئے

جنگی پلان نے سوداگروں کی اس حکمراں ٹولی کو حیران کر دیا۔ رزیڈنٹ نے ایک خط میں لکھا تھا:

"مبارز الدولہ مقامی اور بیرونی جاگیرداروں سے برابر رابطہ قائم کیے ہوئے تھا اور عوام کو تحریک کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔" [1]

بیس ہزار آدمی سربکف ہو کر میدان میں آنے کو تیار تھے۔ مدراس میں بھی اس تحریک نے جاگیرداروں اور عوام کو آمادۂ جہاد کر دیا تھا۔ مبارز الدولہ کے دو خاص کارکن لال خاں اور فقیر محمد تمام جاگیرداروں اور نوابوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ اس کے سفیر مختلف جگہوں مثلاً گوالیار، شوراپور، لاہور، سندھ، کراچی، بمبئی، میسور، کرناٹک وغیرہ میں خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور بہت سے اِن جگہوں سے گرفتار بھی ہوئے۔ انھوں نے نہ صرف ناگپور اور سکندرآباد وغیرہ کی دیسی سپاہ کو بغاوت کے لیے تیار کیا بلکہ والیانِ ریاست سے خفیہ نامہ و پیام بھی کر رہے تھے۔ ٹونک کے نواب وزیر الدولہ کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے جو اس تحریک سے وابستہ تھا۔ [2] مبارز الدولہ کے چند ساتھی جو گرفتار ہوئے اور تحریک کے خاص سرغنہ تھے، یہ ہیں:

۱۔ مولوی سلیم (مبارز الدولہ کے مشیر اور صلاح کار)

۲۔ لال خاں (اصل نام عبدالہادی ساکن انکول)

۳۔ سید عباس (ساکن قندھار۔ مبارز الدولہ کا استاد)

۴۔ قاضی محمد آصف (سابق قاضی اندور بعد میں مبارز الدولہ کا ملازم)

---

[1] خط مورخہ مارچ ۱۸۳۹ء حیدرآباد رزیڈنسی ریکارڈ

[2] وزیر الدولہ کے بارے میں غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "جماعت مجاہدین" میں تفصیل سے لکھا ہے کہ وہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے متاثر تھا۔ سید صاحبؒ کی شہادت کے بعد جو لوگ ٹونک میں پناہ گزیں ہوئے ان کو ایک محلہ "قافلہ" میں بسایا گیا۔

۵۔ الٰہی بخش (اصل نام افضل علی، مبارز الدولہ کا ملازم)

۶۔ مولانا پیر محمد، ۷۔ فیض اللہ، ۸۔ سید قاسم

کرنول میں تحقیقات کی گئی تو انعام کا لالچ دینے کے باوجود کسی نے اصل راز نہ بتلائے صرف کچھ کاغذات ہاتھ لگے اور کچھ زبانی حالات۔ ایک سکھ دھرم داس گرفتار ہوا جو فقیر کے بھیس میں مہاراجہ جودھپور کی طرف سے آیا تھا اور والیانِ ریاست کو متحد کرنے کا کام کر رہا تھا راجہ مان سنگھ۔ راجہ ستارا۔ مبارز الدولہ۔ راجہ گیکواڑ۔ نواب باندہ۔ راجہ پٹیالہ۔ نواب بھوپال وغیرہ سے رابطہ کر کے مقررہ وقت کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ پلان یہ تھا کہ جیسے ہی روسی اور ایرانی فوجیں دریائے سندھ کو پار کریں یہ والیانِ ریاست بہ یک وقت انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دیں۔ اس کام کے لیے متعدد کارکن اور مولوی فقیروں اور یاتریوں کے بھیس میں مصروف کار تھے۔ جہاں جہاں ممکن ہوا ان مولویوں نے چھاؤنیوں کے قریب مسجدوں میں بسیرا کیا اور نماز کو آنے والے فوجیوں کو اپنے وعظ کے ذریعے اور پمفلٹ تقسیم کر کے جہاد پر آمادہ کرتے رہے۔ وعظ کے ساتھ ہی ایک طویل نظم پڑھی جاتی تھی اور بمبئی کا طبع شدہ رسالہ "جہاد" تقسیم کیا جاتا تھا[۱] ان کارکنوں کے پاس خاص طرح کی چوڑیاں اور انگوٹھیاں تھیں جن پر مخصوص اشارے کندہ تھے ایسی انگوٹھیاں بھوپال میں بھی بہت سے مسلمانوں کے پاس سے برآمد ہوئیں۔ منصوبے کے تحت رنجیت سنگھ۔ مان سنگھ۔ راجہ جودھپور۔ شاہ ایران۔ دوست محمد خاں وغیرہ متحد ہو کر اس پلان کو عمل میں لانے والے تھے۔ چوڑیاں اور انگوٹھیاں دکھا کر تحریک کو سرداروں سے ہر جگہ ضرورت کے وقت روپیہ اور سامان سے مدد لی جاتی تھی۔ مبارز الدولہ نے حسین ساگر[۲] کے کوتوال کے

---

[۱] یہ نظم اور رسالہ وہی ہے جس کا بغاوت کے دوران الٰہ آباد کے مولوی لیاقت علی کے بیان میں تذکرہ آیا ہے۔

[۲] حسین ساگر حیدرآباد سے متصل خوشنما مقام ہے جس کے قریب سکندرآباد میں انگریزی فوج کے سپاہی مقیم تھے۔ یہ وہ 'امدادی فوج' تھی جو عہد معاونت کے بعد مسلط کر دی گئی اور جس کے اخراجات کے بہانے نظام کا خون چوس چوس کر کمپنی طاقت و اقتدار کا رنگ لاتی چلی گئی۔

ذریعے وہاں کی سپاہ سے رابطہ قائم کیا۔ اسی طرح بھوپال میں کیا گیا ایک جاسوس شیخ عبداللہ نامی نیلور بھیجا گیا جس کے پاس سے خط برآمد ہوئے۔ خیال یہ تھا کہ انگریزی فوجیں جب افغانستان پر چڑھائی کرنے کے لیے کشمیر سے ہو کر جائیں گی تو جودھپور، بھوپال اور بمبئی وغیرہ کے لوگوں کے لیے بہترین موقع ہوگا اور وہ حیدر آباد فتح کرنے کے بعد مدراس کی طرف بڑھیں گے اسی مقصد کے پیشِ نظر مدراس کے ایک مقام اُدگیر کے قلعے میں اناج، ہتھیار اور میگزین کا زبردست ذخیرہ جمع کر لیا گیا تھا جس کے لیے مبارز الدولہ نے روپیہ فراہم کیا تھا۔ دو اور گرفتار شدہ کارکنوں مولوی عبدالرزاق اور عبداللہ کے بیانات سے پتہ چلا کہ بمبئی کا محمد یٰسین بھی شریک تھا اور وہاں ایک فوجی کپتان کے ذریعے سپاہ کو بغاوت کے لیے تیار کر لیا گیا تھا۔ مولوی عبدالرزاق کے پاس سے شریف مکہ کا ایک خط بھی برآمد ہوا جو نواب کرنول اور تمام مسلمانوں کے نام پیغام تھا کہ وہ تحریک میں شامل ہوں۔ حیدر آباد کے امراء میں نواب اعظم الدین خاں۔ سراج الدولہ بن منیر الملک کے علاوہ اکبر جاہ۔ سلیمان جاہ۔ میر تفضل علی۔ سید عبداللہ۔ راؤ رمبھا وغیرہ بھی تحریک کے حامی تھے اور راجہ چندو لال کے محل پر مشوروں کے لیے جمع ہوتے تھے۔ رنجیت سنگھ نے ایک ہزار سے زائد فوج مبارز الدولہ کے پاس بھیجی جو پوشیدہ طور پر شہر میں جمع ہو رہی تھی اور مبارز الدولہ بھی فوج منظم کر رہا تھا۔ انگریز افسروں کی غیر مطبوعہ خط و کتابت میں اقرار کیا گیا ہے کہ اُدگیر کا قلعہ ہر لحاظ سے بہترین مقام تھا۔ اس علاقے کا جاگیردار رحمت اللہ بھی اس سازش میں شریک تھا۔ مولوی عبدالرزاق، مولوی مہدی اور مولوی نصیر الدین نے وعظ کہے، تقریریں کیں اور جاگیرداروں کو متحد کر دیا۔ انگریزوں کے بیانات میں ہے کہ "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حیدر آباد کا تقریباً ہر شخص کھلے طور پر یا خفیہ طور پر، ان سازشوں میں کسی نہ کسی طرح شریک تھا"۔[1] جن لوگوں کے

سلہ 1. Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 pp.146-158

خطوط مبارز الدولہ کے پاس آتے رہے اُن میں خان عالم خاں (مدراس)، ولایت علی (کلکتہ) عبدالحکیم اور قاضی یوسف (بمبئی) مولوی محمد علی (مراد آباد)، مولوی اسحاق (دہلی) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ قاضی آصف اور مولانا پیر محمد نے سندھ جاکر سازش کا جال پھیلایا اور ہر جگہ خلیفہ مقرر کیے گئے۔ کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہ دہلی اور اُس کا ولی عہد بھی اس تحریک کے حامی ہو گئے تھے[1] اسی زمانے میں رسالۂ جہاد شائع کیا گیا۔ الٰہی بخش کرنول، میسور وغیرہ میں سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ اور لال خاں نے، جو بیحد با اثر تھا، حسین ساگر میں قیام کر کے چھاؤنی کی دیسی سپاہ کو سازش میں شریک کیا۔ جب وہاں سے ہٹایا گیا تو مبارز الدولہ کے پاس واپس آگیا۔ نیلور کی مسجدوں میں اس کے پیغام پڑھ کر سنائے گئے۔

سازش کے انکشاف پر مبارز الدولہ کے ساتھ تقریباً دس کارکن حیدر آباد اور دیگر جگہوں سے گرفتار کیے گئے اور مختلف سزائیں دی گئیں بعض کو ۱۸۵۷ء میں رہا بھی کیا گیا مگر مبارز الدولہ کا ۵ جون ۱۸۵۴ء کو قید (گولکنڈہ فورٹ) میں انتقال ہو گیا۔ انکوائری کمیشن کی رپورٹ میں مبارز الدولہ پر والیانِ ریاست سے خط و کتابت، دیسی سپاہ سے سازش اور تحریک ولی اللہی سے وابستگی وغیرہ کے الزامات ثابت ہوئے اس رپورٹ کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں کہ:

"اُس کی پالیسی اپنے وطن کی بھلائی کے لیے انگریزوں کی مخالفت پر مبنی تھی"[2]

مبارز الدولہ کی مُہر میں یہ الفاظ کندہ تھے:

"حامئی دینِ شرعِ مبین الاسلام والمسلمین عبدالعزیز مبارز الدولہ ۱۲۵۵ھ"

---

1. Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 pp. 146-153 — ۱؎
Hyderabad Affairs vol.5 p. 86-87,4-6

2. Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 p.161 — ۲؎

۱۸۴۱ء میں حیدر آباد کے علاقے رائچور میں بھی ایک سازش کا سراغ ملتا ہے جو عرب جمع دار کھراں اور ایک برہمن نرسنگھ راؤ کی رہنمائی میں دیودرگ میں ہوئی۔ جب نظام نے فوجی دستے بھیجے تو یہ سپاہی بھی باغیوں سے مل گئے۔ تب رزیڈنٹ فریزر نے فوجیں روانہ کیں تاکہ باغی سپاہ کو بادامی کے مضبوط قلعے سے نکالا جا سکے جس پر اُن کا قبضہ تھا۔ فریزر نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ وہ لگ بھگ پانچ ہزار تھے، اُن کے پاس کافی سامان اور روپیہ تھا، باغیانہ جذبات عوام میں پھیلتے چلے جا رہے تھے۔ خیال ہے کہ یہ سازش ستارا کے راجہ پرتاپ سنگھ کے اشارے اور امداد پر کی گئی لے۔ اس کے علاوہ بھی حیدر آباد میں ۱۸۵۷ء تک مختلف مسلح بغاوتیں ہوئیں ۱۸۱۸ء میں دھرماجی پرتاپ راؤ کی قیادت میں ضلع بیڈ میں سخت ہنگامہ ہوا جس کو کچلنے میں انگریزی فوجوں کو زبردست جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ ۱۸۱۹ء میں ناندیڑ کے ہتکار قبیلے کی شورش میں عرب جوان بھی ان کے ساتھ ہو گئے جن کے قلعے (نواہ) کے محاصرے میں انگریزوں کے متعدد افسر زخمی اور ہلاک ہوئے۔ مشرقی اضلاع سرونچا اور مہادیو پور میں کوتا راؤ کی راہنمائی میں بغاوت ہو رہی تھی، اُدھر رائچور کے ایک مقام کوپ بال میں ایک زمیندار ویرپّا نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا (۱۸۱۹ء)۔ اگلے ہی سال بیلدہ کے دیش مکھ قبیلے نے شوالنگپّا اور تیرول کی قیادت میں بغاوت کی۔ ۱۸۲۲ء سے ۱۸۵۷ء تک اورنگ آباد میں مسلسل اور منظم بغاوت ہوتی رہی ہے۔

محکمہ امور خارجہ کی خفیہ خط و کتابت سے، جو نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہے، پتہ لگتا ہے کہ راجہ نیپال بھی ہندوستانی والیانِ ریاست کی ان خفیہ سازشوں میں شریک تھا کیونکہ

لے 1. FRASER: Memoirs pp. 117-122

ے 2. BURTON (R.G): History of Hyderabad Contingent p. 74
Freedom Struggle in Hyderabad vol.1 pp. 87-115

وہاں بھی ۱۸۱۶ء سے نیپال کی شکست کے بعد انگریز رزیڈنٹ دربار میں گھس چکا تھا۔ حیدرآباد کے رزیڈنٹ نے اِن سازشوں کی ٹوہ سونگ کر مصدقہ اطلاعات کی بنیاد پر خط لکھے۔ گورنمنٹ سکریٹری میڈوک نے ۱۸۳۹ء میں راجگان گیکواڑ۔ ستارا۔ حیدرآباد۔ جودھپور۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ۔ اودے پور۔ جے پور۔ برما۔ ہرات وغیرہ کے درمیان سازش کے لیے نامہ و پیام کی اطلاعات فراہم کی تھیں۔ ایک اور افسر تھامس نے ۱۴ فروری ۱۸۳۹ء کو لکھا کہ گوسائیں پنڈت اور ہرکارے جو نیپال سے بھیجے گئے، مختلف جگہوں پر خفیہ کاموں میں مصروف ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں نیپالی برابر بنارس اور پٹنہ وغیرہ میں آرہے ہیں تقریباً پانچ سو کا پتہ چل سکا۔ ایک غازی پور میں پکڑا گیا جس کے پاس خطوط برامد ہوئے [1] لیکن یہ تمام سازشیں میدانِ عمل میں آنے نہ پائیں۔

بنگال کی تحریکیں : سیاسی اور سماجی حالات کے ساتھ مذہبی جذبات نے بھی انگریز دشمنی کا سامان مہیا کیا۔ خصوصاً مسلمانوں کے جذبات ہمیشہ انگریزوں کے خلاف مشتعل رہے چنانچہ مذہبی اصلاح کے ساتھ ہی ملک کی آزادی کے لیے اُنھوں نے مختلف تحریکیں چلائیں۔ ولی اللّٰہی تحریک بھی اسی طرح کی ہمہ گیر تحریک تھی جس سے بنگال جیسے دور دراز علاقے بھی بچے نہ رہے اور یہاں مولوی ولایت علی مولوی عنایت علی اور میر متھن عرف ٹیٹو نظام نے ۱۸۵۷ء تک سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۷۷-۱۷۷۶ء ہی سے یہاں مذہبی اصلاح کی مختلف تحریکیں تھیں جو مجنوں شاہ کی سرگردگی میں تھیں۔ جس کے انتقال (۱۷۸۷ء) پر اس کا بیٹا چراغ علی شاہ لیڈر رہا تحریک کا مرکز نیپال کے جنوبی علاقے مکھوان (کھٹمنڈو) میں تھا۔ بھوانی پاٹھک اور دیوی چودھرانی بھی شریک تھے۔ اُنھوں نے انگریزی مرکزوں پر حملے کیے، پٹھان، راجپوت اور

---

[1] 1. Foreign Secret Consultations No. 11, 16th February 1839

TARACHAND: History of Freedom Movement vol.2 pp. 8-9

برطرف شدہ سپاہی ہمراہ ہو گئے اور ۱۸۱۰ء تک یہ شورش جاری رہی۔ لارڈ منٹو نے ۱۸۱۰ء میں تحریک کی ہمہ گیری اور خطرے کا اقرار کیا تھا۔[۱] شنکر آچاریہ کے چیلوں کی سنیاسی تحریک بھی میر قاسم کے عہد سے انگریزوں کے خلاف تھی۔[۲] گری سنیاسی فرقے نے بغاوتیں کیں اور انیسویں صدی کے شروع تک جاری رہیں۔ ایک تحریک "پاگل پنتھی" کے نام سے مشہور ہے جس کے لیڈر کرم شاہ اور پھر اس کا بیٹا ٹیپو شاہ تھے جنہوں نے آزادی کا اعلان کیا تھا، ۱۸۳۳ء میں قابو پایا جا سکا ٹیپو ۱۸۵۲ء میں بمقام جنیدھ فوت ہوا۔ ایک اور تحریک فرائضی تحریک ہے جو مذہبی اصلاح کے علاوہ سماجی اور سیاسی رنگ لیے ہوئے تھی، ولی اللٰہی تحریک سے متاثر تھی، حاجی شریعت اللہ (۱۷۸۱ء۔ ۱۸۴۰ء) کی رہنمائی میں تھی۔ شریعت اللہ کے بعد اس کا بیٹا محمد محسن عرف دادو میاں لیڈر ہوا جس نے ٹیکس نہ دینے کی مہم چلائی، کسانوں کو شریک کر لیا، عدالتیں قائم کیں اور دور تک تحریک کو پھیلا دیا تھا۔ تحریک ولی اللٰہی کے رہنماؤں سے اس تحریک کو مدد اور تقویت پہنچی جن میں مولوی ولایت علی عنایت علی اور ٹیٹو نظام قابل ذکر ہیں۔ ٹیٹو کو تو ۱۸۳۱ء میں کچل دیا گیا مگر دوسرے رہنماؤں نے ۱۸۶۰ء تک سرگرمیاں جاری رکھیں۔ چنانچہ گورنر بنگال نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ مشکل سے کوئی ضلع بچا ہو گا جہاں یہ خطرات موجود نہ ہوں۔ ہنٹر نے اپنی کتاب "ہندوستانی مسلمان" میں ان حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

۱۷۸۳ء میں بنگال کے بعض اضلاع رنگ پور اور دیناجپور میں عوام نے بغاوت کی۔ مغربی بنگال میں بیر بھوم اور بشنو پور کے راجاؤں سے ۱۷۸۹ء میں تصادم ہوئے جس کے اثرات بہت عرصے تک باقی رہے۔ اس کے بعد بنگال کے پہاڑی قبیلوں کی بغاوتیں ہوئیں۔ مدنا پور

---

۱ 1. GOSH (J.M) : Sanyasi and Faqir Raiders............10
MUINUDDIN : History of Faraizi Movement Bengal
1818-1906 (pub. 1965)

۲ سنیاسیوں کے مسلح دستے "گوسائیں" کے نام سے نواب شجاع الدولہ کے ساتھ بھی تھے جو پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے جنگ کرنے گیا تھا۔

کے بھوج قبائل اور دال بھوم کے راجہ جگناتھ دھال کی رہنمائی میں ۱۷۶۷ء میں بغاوت ہوئی جس میں قرب و جوار کے راجہ شامل تھے۔ یہ حالات تیس سال تک جاری رہے[۲]۔ ۱۸۳۲ء میں ان قبیلوں کا سردار گنگا نرائن تھا۔ جس نے زبردست بغاوت کی، سرکاری دفاتر پر حملہ اور بارا بھوم پر قبضہ کیا، بڑے پیمانے پر فوجی کارروائی کی گئی مگر لمبے عرصے تک بغاوت جاری رہی[۱]۔ ۱۸۵۵ء میں سنتھال قبیلوں کی بغاوت ہوئی۔ بارا بھوم میں ۱۷۹۹ء اور سلہٹ میں ۱۷۸۶ء میں بغاوت ہوئی۔

بہار کی سازشیں

۱۸۴۵-۴۶ء میں بہار میں انگریزوں کے خلاف ہمہ گیر سازشیں شروع ہو چکی تھیں۔ دسمبر ۱۸۴۵ء میں ایک جمعدار کے ذریعے یہ سراغ ملا۔ پٹنہ کے نہ صرف بڑے جاگیردار بلکہ پولیس کے افسر اور سپاہی بھی شریک تھے۔ فرسٹ رجمنٹ کا منشی پیر بخش روپیہ تقسیم کر رہا تھا جسے ۲۴ر دسمبر کو گرفتار کیا گیا اس کے پاس باغیانہ خطوط اور رجسٹر وغیرہ برآمد ہوئے، نیوریا کے زمیندار راحت علی سے نامہ و پیام کا سراغ ملا جسے ۲۵ر دسمبر کو پکڑ لیا گیا، یہ شخص میر عبداللہ کے ہمراہ ۱۸۲۹ء میں ایک مظاہرے کی رہنمائی کر چکا تھا جو وقف جائداد پر سرکاری قبضے اور عیسائیت کی تبلیغ وغیرہ کے بارے میں ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ دہلی کا ایک مغل اکثر اس کے پاس آتا تھا جو بظاہر کتب فروش تھا۔ راحت علی کے گھر (محلہ سبزی باغ پٹنہ) پر جو کاغذات ملے اُن سے سہسرام کے کبیر الدین کا نام بھی سامنے آیا۔ پیر بخش سے پوچھ گچھ پر پتہ چلا کہ اصل سرغنہ خواجہ حسین علی ہے[۲] مگر وہ ہاتھ نہ آیا اور پٹنہ کے درو غہ کوٹ گشت میر باقر کی ہوشیاری سے محفوظ رہا جو خود بھی خفیہ تنظیم کا رکن تھا۔ حسین علی ۸ر اکتوبر ۱۸۴۶ء کو مجسٹریٹ کے

---

۱. TARACHAND : Vol. 2, p.4

۲. خواجہ حسین علی چند سال سے گوالیار میں ملازم تھا اور بطور وکیل ریاست کلکتہ میں بھی رہ چکا تھا۔ بہار کے جسٹس محمد نور خواجہ موصوف کی اولاد میں تھے۔

سامنے خود ہی آ گیا مگر ثبوت مہیا نہ ہونے کی بنا پر ۷ ۲ کور رہا ہوا۔ مجسٹریٹ کو یہ بھی پتہ چلا کہ پٹنہ کے متعدد با اثر لوگ اور زمیندار اس تحریک سے وابستہ ہیں۔ ؎۱ ایک افسر اس سازش کے بارے میں لکھتا ہے:

"مسلمان شرفا نے ستلج کے کنارے ہماری قسمت کو فیصلہ کن موڑ پر دیکھ کر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ کچھ دیسی فوجی افسروں کو بھی ورغلانے میں کامیاب ہو گئے جو دیناپور میں مقیم تھے۔"

پٹنہ ڈویژن کے کمشنر ٹیلر نے اگست ۱۸۵۷ء میں لکھا تھا:

"یہ سازش ایک بہت بڑی سازش کا صرف ایک حصہ تھی جس میں پٹنہ اور آس پاس کے بہت سے مسلمان ملوث تھے" ؎۲

کمشنر پٹنہ کے ریکارڈ روم میں موجود دستاویزوں سے اس سازش پر مزید روشنی پڑتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کنور سنگھ بھی اس میں شریک تھا، وہ پٹنہ آتا رہتا اور راحت علی سے رابطہ قائم رکھے ہوئے تھا۔ راحت علی نے ہی شیخ پیر بخش سے رابطہ قائم کیا جس کے ساتھ پنڈت درگا پرشاد کے ذریعے یہ سازش کی گئی۔ رجمنٹ کو چھ ماہ کی تنخواہ کا وعدہ اور بغاوت کی تاریخ مقرر کی گئی۔ منشی اور پنڈت کی گرفتاری پر کچھ بااثر لوگوں اور زمینداروں کے خط برآمد ہوئے جن میں راحت علی اور حسین علی خاں کے خط بھی تھے۔ ؎۳

---

1. DATTA (K.K.) : Kunwar Singh 62 ؎۱
   Anti-British Plots.......23
   Freedom Movement in Bihar 3
2. Our Crisis quoted by Datta in FMB, 4-7 ؎۲
   HALL (J.J.) : Two Months in Arrah 58

؎۳ راحت علی زمیندار ساکن نیورا یا سر علی امام کے بزرگوں میں تھے اور ایم ضمیر الدین سابق پرنسپل پٹنہ لا کالج کے دادا تھے۔ یہ خطوط پٹنہ فوجداری ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

مولوی نیاز علی افسر قانون، برکت اللہ وکیل سرکار سول کورٹ، میر باقر داروغہ کوٹ گشت وغیرہ برخاست کیے گئے۔ مولوی علی کریم پر بھی سازش میں ملوث ہونے کا شبہ تھا۔ پولس جمع دار حسن علی خاں پر بھی شبہ تھا جسے ۱۸۵۷ء میں پھانسی ہوئی۔ اس سازش میں بے شمار شہریوں، مہاجنوں اور کچہری کے ملازمین نے سر دھڑکی بازی لگانے کا عہد کیا تھا۔ راجاؤں اور زمین داروں سے نامہ و پیام ہوا اور راجہ نیپال اور شاہ دہلی سے بھی مدد لینے کا پلان بنایا گیا۔ ساری اسکیم سون پور کے میلے میں بمقام ہری ہر چھتر، حسین علی کے خیمے میں تیار ہوئی، اسی کے تحت سیف علی نے جو خود کو شاہ دہلی کا پیغام بر بتاتا تھا، دانا پور کی دیسی سپاہ میں بغاوت پھیلانا شروع کر دی۔ فوجیوں سے رابطے کا ذریعہ یہی شخص تھا۔ وہ ۲۳ر دسمبر ۱۸۴۵ء کو لاپتہ ہو گیا۔ اس اسکیم کے مطابق میر باقر کو سیگولی کی دیسی سپاہ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ڈورانڈا اور ہزاری باغ میں بھی اسی طرح کوشش کی گئی۔ راجہ نیپال مدد کے لیے تیار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ کنور سنگھ نیپال بھی گیا تھا۔ ملک خادم علی مختار کی تلاشی پر وہ خط برآمد ہوئے جو کنور سنگھ نے خواجہ حسین علی، خادم علی، برکت اللہ اور میر عبداللہ وغیرہ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط ایک کنویں سے نکالے گئے۔ کچھ اور لوگوں کا بھی پتہ چلا جن میں بابو مود نرائن، راجہ ٹکاری، اسکا دیوان منشی چراغ علی کے علاوہ ترہٹ کے صدر امین ہدایت علی، اشرف حسین، مولوی نیاز علی وغیرہ تھے۔ دربھنگہ، بیلھٹیا، ہٹوا وغیرہ کے راجے، تمام بااثر زمیندار، سوداگر، مہاجن بھی شامل تھے۔ دسمبر ۱۸۴۵ء جنوری ۱۸۴۶ء میں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے شاہ آباد کے کلکٹر کو کنور سنگھ کے بارے میں خط بھی لکھا مگر خطرناک نتائج کے خوف سے کاروائی نہ ہو سکی۔ حسین علی ترہٹ کے موضع برتی میں مقیم ہوا اور ساکھی چند مہاجن کو خط لکھے۔ حسین علی کے نیپال جانے کی بھی تجویز تھی۔

تحریک ولی اللہی بہار کی ایک اور باغیانہ تحریک وہ ہے جسے انگریزوں نے "وہابی تحریک" کا نام دیا اور اکثر جگہ آج تک اسی نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس تحریک

اور اس کے رہنماؤں پر متعدد ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے سے تمام ملک میں پھیلی اور بہت بعد تک رہی اس لیے ہم ذرا تفصیل سے بہار کی بغاوت کے حالات میں بیان کریں گے۔

پنجاب ۴۶-۱۸۴۵ء میں یعنی پنجاب کی جنگوں کے دوران اور اس کے کچھ بعد پنجاب میں سازشوں اور بغاوتوں کا سُراغ ملتا ہے۔ ملتان میں زبردست عوامی بغاوت ہوئی جس کا سرغنہ مُول راج تھا۔ ۱۸۴۹ء میں ان تمام علاقوں میں انگریزوں کے خلاف ہمہ گیر سازش موجود تھی۔ لیتھ برج نے لکھا ہے کہ:

"اول اول انگریز یہ سمجھتے تھے کہ بغاوت صرف ملتان ہی کے اندر ہے مگر چند روز ہی میں یہ آگ دور تک پھیل گئی۔ لاہور کے تمام انگریزوں کو قتل کرنے کے لیے ایک سازش ہو رہی تھی جو انہی دنوں پکڑی گئی۔ مہارانی چندر کور سازش میں شریک تھی اس لیے اُسے قید کر کے بنارس بھیج دیا گیا۔" [۱]

اس سازش کا حال دیبی پرشاد نے "گلشنِ پنجاب" میں بیان کیا ہے۔ دلیپ سنگھ کی ماں چندر کور کا منشی گنگا رام پیش پیش تھا جس نے انگریزی فوج کے دیسی سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ تاریخ کا فیصلہ بھی ہو گیا تھا مگر عین وقت پر راز کھل گیا۔ مُول راج کے علاوہ باغیوں کے راہنما سردار چتر سنگھ۔ راجہ شیر سنگھ اور اتر سنگھ بھی تھے (۱۸۴۵ء — ۱۸۴۸ء)۔ انگریزی حکام کی یادداشتوں میں اعتراف کیا گیا ہے کہ چتر سنگھ نے بغاوت کو بڑے پیمانے پر قومی جنگ کے روپ میں منظم کیا۔ باغی سردار اٹاری میں نظر بند کیے گئے مگر برابر باغیانہ خط و کتابت کرتے رہے تو جنوری ۱۸۵۰ء میں الہ آباد

۱۔ صدیقی (عتیق): ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں۔ ۲۴۱

اور پھر کلکتہ بھیج دیئے گئے [1] راول پنڈی میں گکھڑوں کے قبیلے منڈلہ کے سردار نادر خاں نے راجہ پشاور سنگھ کی حمایت میں بغاوت کی لیکن جلد ہی کچل دی گئی۔ نادر خاں کو پھانسی ہوئی (۱۸۵۲ء) [2] سر چارلس نیپئر کے بیان کے مطابق ۱۸۵۰ء میں ہی پنجاب کی پوری فوج میں بغاوت کا زہر سرایت کر چکا تھا۔

وسط ہند۔ راجپوتانہ وغیرہ کیپٹن اوٹرم نے ۱۸۲۵ء میں گجرات وغیرہ علاقوں کا دورہ کیا، اپنی رپورٹ میں یہاں کے تعلقہ داروں اور جاگیرداروں کو بغاوت پر کمر بستہ بتایا ہے۔ اس رپورٹ میں کچھ اور کاٹھیاوار علاقے کی بعض بغاوتوں کا تذکرہ بھی ہے جو ۱۸۱۵ء سے ۱۸۳۲ء تک جاری رہیں۔ یہاں واگھیر قبیلے بغاوت کر رہے تھے، عوام نے پورا ساتھ دیا اور انگریزی حکومت سے قطع تعلق کیا۔ [3]

بندیل کھنڈ پر انگریزی قبضے (۱۸۰۳ء) کے بعد اس علاقے میں تقریباً ڈیڑھ سو قلعے دار اور سرداروں (خصوصاً کالنجر کے) نے سخت بغاوت کی۔ اجے گڈھ کے لکشمن راؤ کو جب قید کیا گیا تو اس نے درخواست کی کہ مجھے توپ سے اڑا دو۔ ۱۸۰۹ء میں خان دیش کے بھیلی بغاوت پر اٹھے اور ۱۸۴۶ء تک بار بار بغاوت ہوئی۔ کولی قبیلے نے ۱۸۲۸ء، ۱۸۳۹ء، ۱۸۴۴ء-۴۸ء میں بغاوتیں کیں جو ۱۸۵۰ء تک جاری رہیں۔

راجپوتانہ کے علاقے مرہٹوں کے ماتحت رہے لیکن کمپنی کے زیر اقتدار آتے پر راجپوت برابر بغاوت کرتے رہے۔ جودھپور کا راجہ مان سنگھ سازشوں میں شریک تھا، کوٹہ میواڑ۔ مارواڑ کے جاگیرداروں کی سازشیں اور سرگرمیاں برابر جاری رہیں ان کے تفصیلی حالات

---

[1] نوازش علی: تذکرہ رؤسائے پنجاب (۱۹۱۱ء) ترجمہ پنجاب چیفس۔ ۱۳۸

[2] بھگوان داس: تاریخ رؤسائے پنجاب۔ ۳۲۹

[3]

3. TARACHAND : Vol. 2, p.18

سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریزوں کے خلاف کس قدر شدید نفرت کے جذبات تھے۔ کوی راج بانکی داس اور سوریہ مل مصرا وغیرہ کی کویتاؤں میں اس باغیانہ رجحان کے آثار نظر آتے ہیں ۔[1]

گوالیار کی بیجا بائی (زوجہ دولت راؤ سندھیا) ۱۸۳۸ء سے ہی انگریزوں کے خلاف سازش کر رہی تھی چنانچہ کرنل ڈورنیڈ نے ایک رپورٹ میں لکھا تھا کہ "وہ عملی طور پر ہماری حکومت کے خلاف سرگرم تھی۔" ساتھ ہی پنڈتوں کا ایک گروہ (دکنی پنڈت) عوام کو بغاوت پر آمادہ کرتا رہا۔[2]

اودھ اور روہیلکھنڈ اودھ اور روہیلکھنڈ کے علاقوں میں بھی شورش کے آثار سازشیں اور بغاوتیں ہوتی رہیں۔ نواب اودھ نے جب ایک انگریز کرنل ہنی کو ملازم رکھا (۱۷۷۸ء) اور گورکھپور۔ بہرائچ۔ بستی وغیرہ ضلعے اس کے زیر انتظام دیدیئے تو کرنل نے مظالم کی انتہا کر دی جس سے یہ علاقے تباہ ہو گئے اور عوام بغاوت پر مجبور ہوئے۔ زمین داروں نے ہتھیار سنبھالے اور چند قلعوں پر قبضہ کیا۔ دوسری جدوجہد اودھ کے نواب وزیر علی کی ہے جو تاریخ میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اُسے ۱۷۹۹ء میں تخت سے اتار دیا گیا۔ اُس نے راجپوتوں، مرہٹوں اور مسلمان والیانِ ریاست کی مدد سے انگریزوں کے خلاف سازش کی۔ گوالیار کے سندھیا اور کابل کے زماں شاہ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ نواب مرشد آباد اور ڈھاکہ کے تعلق دار بھی شریک تھے۔ وزیر علی کے تخت سے اتارے جانے پر بغاوت ہوئی۔ اسے گرفتار کر کے ویلور بھیج دیا گیا۔

---

1. TARACHAND : Vol. 2, p. 19-20 ؎۱

2. SRIVASTAVA : Revolt in Central India 31-32 ؎۲

بریلی میں ۱۸۱۶ء میں ایک خوں ریز بغاوت ہوئی جس میں مفتی محمد عیوض نے خود حصہ لیا اور بغاوت کے حق میں فتویٰ دیا اس جدوجہد میں مفتی موصوف زخمی ہوئے۔ نہ صرف بریلی بلکہ پیلی بھیت۔ رام پور۔ شاہجہانپور وغیرہ سے صرف دو دن کے اندر ہزاروں تعداد میں مسلح آدمی بریلی پر چڑھ آئے (ان کی تعداد پندرہ ہزار بتائی جاتی ہے)۔ ۲۱/اپریل ۱۸۱۶ء کو ایک انگریز قتل کر دیا گیا اور انگریزی دستوں کو شکست ہوئی تو باہر سے فوجیں بلا کر باغیوں کو پسپا کیا گیا۔ یہ تصادم پرانے شہر میں حضرت شاہ دانا ولیؒ کے مزار کے قریب ہوا جو باغیوں کا مرکزی مقام تھا۔ مفتی عیوض ٹونک چلے گئے[1]

سہارن پور میں ۱۸۱۳ء میں گوجروں نے بغاوت کی پھر سازش ۱۸۲۴ء میں کی گئی۔ ڈسٹرکٹ گزٹیر (جلد ۱۔ ص ۲۷۳) میں یہ ذکر ملتا ہے کہ دوآبہ علاقے میں بڑے پیمانے پر بغاوت کا پلان تھا لیکن راز کھل گیا۔ آگرہ میں ۱۸۴۷ء میں مسلمان علماء نے سازش کی جس میں مولانا احمد اللہ شاہؒ رہنما تھے اس کی تفصیل ہم آگرے میں بغاوت ۱۸۵۷ء کے حالات میں پیش کریں گے۔

دہلی میں ۱۸۵۳ء میں انگریزوں کے خلاف سازش کا پتہ چلتا ہے جس کی خبر اخبار "ہندو پٹریاٹ" میں شائع ہوئی تھی۔ اس سازش میں بہادر شاہ، جواں بخت اور دیگر امراء شامل تھے۔ یہ لکھنؤ میں بھی پہنچائی گئی۔ کمشنر کی رپورٹ کے بموجب سازش کو اس قدر پوشیدہ رکھا گیا کہ انگریزوں کو ہوا بھی نہ لگنے پائی صرف چند اشارات ظاہر ہوئے[2]

ستارا کے رانگو باپوجی ریاست ستارا کا رانگو باپوجی، جو تقریباً تیرہ سال (۱۸۴۰ء-۵۳ء) انگلینڈ میں رہ چکا تھا، انقلابی سازشوں کا روح رواں تھا۔ انگلینڈ میں قیام کے دوران

۱؎ الطاف علی بریلوی: حیات حافظ رحمت خاں ۱۹۴

۲؎

2. Freedom Struggle U.P. Vol. 5, p. 10

عظیم اللہ خاں بھی وہاں مقیم تھا جسے ناناصاحب نے بحیثیت وکیل بھیجا تھا، رانگو باپو وہاں ستارا کے راجہ پرتاپ سنگھ کا وکیل تھا۔ اُس نے اپنی جد وجہد کو قانونی روپ دیا، انگریزی سیکھی، ممبران پارلیمنٹ سے رابطہ قائم کرکے اُنھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جابرانہ کارروائیوں سے آگاہ کیا۔ ٹی گرانٹ جیکب نے اپنی کتاب "ویسٹرن انڈیا" میں لکھا ہے کہ رانگو، باپو جی نے ستارا کے حالات اور ناناصاحب سے رابطے کا فائدہ اٹھاکر زبردست سازش کی بنیاد ڈالی وہ پرلی میں مقیم تھا اور مسلح بغاوت کی اسکیم بنارہا تھا۔ سرکاری کاغذات میں ان حالات کی کسی قدر تفصیل ملتی ہے۔ اسٹورارٹ الفنسٹن نے گوا کے پرتگالی حکام کو لکھا تھا کہ "ستارا میں یورپین افسروں کو قتل کرنے کی سازش کا انکشاف ہے جس کا اصل سرغنہ رانگو باپو جی ہے جو غالباً پرتگالی علاقے میں پوشیدہ ہے اس لیے میری درخواست ہے کہ اسے گرفتار کرکے ہمارے حوالے کردیا جائے ہم اس شخص کی سرگرمیوں کی تفصیل بھیج رہے ہیں"۔[1] اسی طرح ستارا کے مجسٹریٹ کے خط بنام انڈرسن سکریٹری گورنمنٹ بمبئی مورخہ ۷ رجولائی ۱۸۵۷ء میں بتایا گیا ہے کہ ستارا سے طے شدہ اسکیم کے تحت کچھ لوگ جمع کیے گئے مگر راز کھُل جانے پر تیرہ آدمی پکڑ لیے گئے ایک چپراسی گرفتار ہوا جو فوج کے صوبے دار کو سازش اور بغاوت کے لیے آمادہ کر رہا تھا تاکہ جب ستارا کے انگریزوں پر حملہ کیا جائے تو یہ لوگ مقابلہ نہ کریں۔ جب اس کو پھانسی دی گئی تو اس نے اپنے ہم وطنوں کو اس طرح للکارا:

> "آج انگریز اُس وقت سے کہیں زیادہ مصیبت میں ہیں جب ان کے قدم اس سرزمین پر آئے تھے۔ میرے ساتھ میرے ہم وطنوں نے غداری کی اور پھانسی دلوائی ہے۔ لوگو! عمل اور حرکت کا وقت آگیا۔

---

[1] خط مورخہ ۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء جو گوا آرکائیوز میں موجود ہے بحوالہ مسٹر شرودکار کا مقالہ جس کا حوالہ دیا گیا۔ (غیر مطبوعہ)

اگر تم ہندوؤں اور مسلمانوں کی اولاد ہو تو ضرور اٹھو گے اور اگر عیسائیوں کا تخم ہو تو خاموش رہو گے،" ل۱

اس سازش کے انکشاف کے بعد باپوجی غائب ہو گیا (جون ۵۷ء)۔ کے سی تھیکر نے اپنی مرہٹی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ ۱۸۶۱ء تک زندہ تھا۔ ستارا کے سترہ باغی سرداروں کو پھانسی ہوئی جن میں اسکا بیٹا سیتارام باپوجی بھی شامل تھا۔ ل۲

فوجی بغاوتیں جنگ بکسر کے بعد (۱۷۶۴ء) فوجی بے چینی سب سے پہلی فوجی بغاوت تھی ایک پوری بٹالین جو پٹنہ میں نواب میر قاسم کے مقابلے میں تھی، اپنی جگہ چھوڑ کر نواب سے ملنے والی تھی۔ لہٰذا کورٹ مارشل کیا گیا۔ اور ۲۴ افسروں کو توپ سے اڑا دیا گیا ۱۷۶۴ء میں دو بار فوجی شورش ہوئی۔ ویلور کی بغاوت (جولائی ۱۸۰۶ء) ایک اور خطرناک واقعہ تھی۔ جہاں نئی فوجی اصلاحات اور مذہبی مداخلت کے خلاف بغاوت ہوئی۔ دیسی سپاہ نے یہاں ٹیپو سلطانؒ کا شیر کا نشان والا جھنڈا فصیل پر لہرایا اور دین دین کے نعرے لگائے گورہ فوج کو شکست دی۔ ارکاٹ سے فوج بلا کر انھیں پسپا کیا گیا۔ ۱۸۲۴ء میں جنگ برما کے موقعے پر بغاوت ہوئی اور کمانڈر انچیف نے بارکپور پہنچ کر پوری بٹالین کا صفایا کیا۔ امیرانِ سندھ پر حملے کے بعد ۱۸۴۴ء میں فوجی بغاوت ہوئی۔ مارشمین لکھتا ہے:

"الحاق سندھ کا خدائی انتقام بھی ساتھ ہی نازل ہوا۔ دیسی فوجیوں کی وفاداری اور اطاعت شعاری میں بڑا فرق پڑ گیا اور اس بغاوت کی

ل۱ 1. Freedom Struggle U.P. Vol.1, p. 362-66.

ل۲ 2. Source Material for History of Freedom Movement Vol. 1, p. 153 from Bombay Govt. Records.

ل۲ کے سی تھیکر کی مراہٹی کتاب 'رانگو باپوجی'، (۱۹۴۸ء)

داغ بیل پڑگئی جس نے تیرہ سال بعد تمام دیسی فوجوں کا صفایا کر
کے رکھ دیا۔" [1]

فروری ۱۸۴۲ء میں ۶۴ پلٹن نے سندھ جانے سے انکار کیا۔ بنگالی رسالے اور توپ خانے نے بھی ایسا ہی کیا ۶۴ رجمینٹ نے لدھیانہ، مدکی اور شکارپور میں بغاوت کی۔ مدراسی فوجوں نے بھی سندھ جانے سے انکار کیا اور یہ بھی مارشمین سے ہی سن لیجئے کہ:

"اُن کی سمجھ میں یہ انصاف اور قاعدہ کسی طرح نہ آتا تھا کہ اُن کا بھتہ صرف
اس لیے بند کر دیا جائے کہ اُنھوں نے اپنے آقاؤں کی سلطنت میں ایک
نئی مملکت کا اضافہ کر دیا تھا"

اس کے بعد بہار میں فوجی بغاوت ہوئی جہاں مسلمان علماء جہاد کا پرچار کر کے سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کر رہے تھے۔ پنجاب کی جنگوں کے بعد سپاہ کے بھتے کاٹ دیئے گئے جس کے خلاف سخت شورش راول پنڈی۔ وزیر آباد۔ جہلم اور گوند گڈھ کی فوجوں میں نمودار ہوئی (۵۰-۱۸۴۹ء)۔

فوجی شورشوں کے پس منظر میں سماجی، سیاسی اور مذہبی اسباب کے علاوہ کالے اور گورے سپاہیوں میں امتیاز (جس پر ہم نظر ڈال چکے ہیں) سہولتوں کی کمی، بھتہ اور پنشن کے مسئلے، ملازمت کی عارضی کیفیت، وعدہ خلافیاں، عہد شکنی کی مسلسل روایات نے بداعتمادی پیدا کی۔

حیدر آباد اور دوسرے دکھنی علاقوں میں بھی ۱۸۵۷ء تک بار بار فوجی بغاوتیں ہوئیں۔ مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ۱۸۱۱ء میں نظام کے دستوں میں شورش۔ کیپٹن گورڈون کی دُرگت بنی۔

---

[1] MARSHMAN, 436

۲۔ ۱۸۱۲ء۔ کیپٹن کلارک کے خلاف نظام آباد میں بغاوت

۳۔ ۱۸۲۷ء۔ مومن آباد میں کرنل ڈیوس پر حملہ

۴۔ ۱۸۴۲ء۔ سکندر آباد کی 'امدادی فوج' میں بغاوت

۵۔ ۱۸۵۱ء۔ اورنگ آباد کی کنٹیجنٹ فورس میں شورش

۶۔ ۱۸۵۵ء۔ بولارم میں بغاوت اور میکینزی پر حملہ

۱۸۴۲ء میں 'امدادی فوج' کا، جو حیدر آباد میں مقیم تھی، بھتّہ اچانک کاٹ دیا گیا تو تمام دکھنی علاقوں میں بے چینی پھیل گئی۔ اگرچہ رزیڈنٹ فریزر کے خیال میں بھی یہ سخت ناانصافی کی بات تھی مگر انگریز حکمرانوں کی طرف سے اُسے بھی ڈانٹ پڑی اور دیسی سپاہ سے سختی کرنے کے حکم جاری ہوئے اور باغیوں کا کورٹ مارشل ہوا۔ ۱۸۵۱ء میں ذوالفقار علی بیگ پر اورنگ آباد میں ایک فوجی شورش کے الزام میں مقدمہ چلا جس کی تفصیلات اُس حقارت آمیز برتاؤ پر روشنی ڈالتی ہیں جو دیسی سپاہ کے ساتھ کیا گیا۔ فریزر نے اپنی یادداشت کتابی صورت میں مرتب کی اور ان واقعات کی تفصیل بیان کی ہے۔ بولارم کی کہانی مختصراً یوں ہے کہ ایک افغانی سپاہی کو جو عیسائی ہو گیا تھا، پرچار کے لیے بارکوں میں بھیجا گیا مگر سپاہیوں نے پتھر برسائے اور نکال دیا۔ اس دوران سپاہ کا ایک گروہ نعرے لگاتا ہوا بریگیڈیر میکینزی کے مکان پر پہنچا اور اس کے پُرغرور برتاؤ پر مسلح سپاہ کا ہجوم میکینزی پر حملہ آور ہوا۔ سپاہی "دین دین" کہتے ہوئے نکل آئے، غلام قادر ان کا رہنما تھا۔ آخرکار سکندر آباد سے فوج طلب کر کے اُسے گرفتار کیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۱ ستمبر ۱۸۵۵ء (محرم) کا ہے۔[1]

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے؛ 1. Freedom Struggle in Hyderabad Vol. 1
TARACHAND : Vol. 2
FRASER : Memoirs 398
Hyderabad Affairs Vol. 5

خطرے کا احساس

تمام ملک کے حالات انگریز افسروں کو بھی آنے والے طوفان کا احساس دلا چکے تھے۔ سر چارلس نیپئر نے تو ۱۸۵۰ء ہی میں بیان کر دیا تھا کہ باغیانہ رجحان پنجاب کی فوج میں سرایت کر چکا ہے۔ خود ڈلہوزی نے فروری ۱۸۵۶ء میں کہا تھا کہ

"سرکشی اور بغاوت زمینی بخارات اور بھاپ کی طرح اٹھ سکتی ہے اور تمام جنگوں سے زیادہ ظلم و تشدد میں وہ لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں جو عین اس دن تک جس دن ان کے خون میں ابال آیا، نہایت معصوم، بے ضرر اور بودے نظر آتے رہے ہوں" [1]

اگست ۵۵ء میں لارڈ کیننگ نے ڈائرکٹرز کی الوداعی پارٹی میں اس خطرے کے آثار کا اظہار کیا تھا۔

اشتہارات اور جہاد کے رسالے

بغاوت کی تیاری کے لیے ملک میں پیہم کوششیں کی گئیں اور اعلانات اور اشتہارات شائع کیے گئے۔ بعض مورخوں نے ایک اشتہار کا ذکر کیا ہے جو کسی ایرانی شہزادے کے خیمے سے جنگ ایران کے زمانے میں برآمد ہوا جس میں ایران اور افغانستان کے حالات بتاتے ہوئے انگریزوں کے خلاف جہاد کی دعوت دی گئی تھی۔ بہر حال، یہ ضرور سچ ہو سکتا ہے کہ جنگ ایران کے دوران شاہ ایران نے بہادر شاہ سے خط و کتابت کی اور ایک نمائندہ دہلی سے ایران بھیجا گیا۔ اسی زمانے میں کچھ اشتہارات دہلی میں چھپاں کیے گئے۔ جامع مسجد کے دروازے پر ایک اشتہار پایا گیا جس میں ڈھال اور تلوار کی شکل بنی ہوئی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ شاہ ایران عنقریب آنے والے ہیں اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ انگریزوں سے جہاد کے لیے تیار ہو جائیں۔ مٹکاف نے بہادر شاہ کے مقدمے میں بیان

---

[1] 1. FRASER : British India 273

دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس پر پانچ سو مسلمانوں نے جہاد پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بغاوت سے چند روز پہلے بھی ایک اشتہار جامع مسجد میں چسپاں کیا گیا جس میں بغاوت کی جانب اشارہ تھا۔ دہلی میں دوسری جگہوں پر بھی اشتہارات لگائے گئے ان کا ذکر اس دور کے اخبارات میں بھی ملتا ہے۔ ساورکر نے دہلی کے عوام کے جذبات اور اشتہارات کا ذکر کیا ہے [1]۔ لکھنؤ میں ایک اعلان چسپاں کیا گیا ــــــ

"ہندو مسلمانو! متحد ہو کر اٹھو اور ایک ہی بار ملک کی قسمت کا فیصلہ کر دو کیوں کہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے نکال دیا تو تمہارے لیے جانیں بچانے کا بھی موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ آخری موقعہ ہے۔ اب یا کبھی نہیں"

اس طرح کے اشتہارات روزآنہ لگائے جاتے بعد میں معلوم ہوا کہ اشتہارات لگانے والوں کا پتہ کیوں نہیں چلتا ــــ پولس بھی ان خفیہ انقلابی کارروائیوں میں شریک تھی۔ اشتہارات پورے ملک میں چسپاں کیے گئے۔ مدراس کے ایک اشتہار میں لکھا تھا ــــــ

"ہم وطنو اور مذہب کے شیدائیو! ــــ تم سب ایک ساتھ اٹھو۔ فرنگیوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے جنہوں نے عدل و انصاف کے ہر اصول کو روند ڈالا ہے، ہمارا راج چھین لیا، ہمارے ملک کو خاک میں ملانے کا ارادہ کیا ہے صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ خوں ریز جنگ کی جائے یہ آزادی کے لیے جہاد ہے ــــ یہ حق و انصاف کے لیے مذہبی جنگ ہے" [2]

اودھ میں "فتح اسلام" کے عنوان سے ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا جس میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی گئی تھی۔ جہاد کا پورا خاکہ اور آئندہ کا نظام دیا گیا تھا۔ اس پمفلٹ میں کہا

---

[1] 1. SAVARKAR : 78-80

[2] 2. SAVARKAR : 88

گیا تھا کہ "ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ اِن رہنماؤں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے دھرم کو بچائیں ہندو و مسلمان چونکہ بھائی ہیں اس لیے انھیں انگریزوں کو نکالنے کے لیے مل جُل کر شریک ہونا چاہیئے۔ اسی طرح جیسے کہ وہ مسلمان بادشاہوں کے ساتھ دل و جان سے شریک رہے اور اُن بادشاہوں نے اُن کے جان و مال کی یکساں حفاظت کی ہے"۔ اس کے بعد انگریزوں پر حملہ کرنے کا پروگرام دیا تھا کہ حملے ایک ہی مقررہ دن کیے جائیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک ہی مہینے میں دو دو چار چار دن کے وقفے سے باقاعدہ کیے جائیں تاکہ انگریز کہیں جمع نہ ہو سکیں۔ [1] یہ ایک طویل پمفلٹ تھا آخر میں ایک اعلان تھا جس کے الفاظ اور اشعار تقریباً وہی ہیں جو مولوی لیاقت علی کی طرف سے الہ آباد میں جاری شدہ اشتہار کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ولی اللٰہی جماعت کے مجاہدین کی طرف سے تھا جو ملک میں خفیہ جال بُن رہے تھے۔ جہاد کا یہ پمفلٹ صرف اَودھ میں ہی نہیں، تمام ملک میں تقسیم کیا گیا۔ یہاں تک کہ دکھنی علاقوں حیدر آباد اور مدراس وغیرہ میں بھی۔ مبارز الدولہ کے حالات میں اس کا ذکر 'رسالہ جہاد' کے نام سے ملتا ہے جو بمبئی سے طبع ہوا [2] اودھ کے انقلابیوں نے افغانستان کے امیر دوست محمد کو ایک خط بھی لکھا جس میں اُس سے مدد مانگی گئی تھی۔ یہ اگست ۱۸۵۵ء میں انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ اودھ کے الحاق کے بعد یہ سرگرمیاں اور بھی تیز اور منظم ہو گئیں۔ اگست ستمبر ۱۸۵۶ء میں خفیہ بھرتی بھی کی گئی۔ (تفصیل ملاحظہ ہو لکھنؤ میں بغاوت کے تحت)۔ یہاں فضل علی باغیانہ سرگرمیوں میں پیش پیش تھا۔ رسالہ "طلسم" لکھنؤ (۱۸۵۶-۵۷) کے فائلوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ اُس نے بدھنی ضلع تلسی پور کے تھانے پر (غالباً فروری ۱۸۵۷ء) چھاپہ مارا پھر مارچ ۱۸۵۷ء میں کمشنر گونڈہ

---

[1] 1. Freedom Struggle U.P. Vol.2, p. 155-156

[2] 2. Freedom Struggle in Hyderabad Vol. 1, p. 148-58

کے کئی ساتھیوں کو قتل و زخمی کر کے فرار ہوا اور نیپال چلا گیا۔ انگریز حکام نے نیپال کو لکھا، جواب آیا کہ فضل علی یہاں یہاں نہیں ہے۔ ایک بار پھر فضل علی سے مقابلہ ہوا۔ وہ نیپال کی سرحد پر موجود تھا۔ رابرٹس کی کتاب "اکتالیس سال ہندوستان میں" میں ہے کہ اُسے گھیر کر مار ڈالا گیا ۔[1] کہا جاتا ہے کہ وہ قتل نہیں ہوا بلکہ پہاڑیوں میں رُو پوش ہوگیا۔ ایک اور شخص آغا مرزا کا تذکرہ 'قیصر التواریخ' میں ہے کہ "وہ لوگوں کو غیرت دلا کر برانگیختہ کرتا تھا" اُس نے ایک انگریز کو قتل کیا، زخمی ہو کر رُو پوش ہوگیا، ڈھونڈ نکالا گیا اور پھانسی پائی۔

عظیم اللہ۔ نانا صاحب اور مولانا احمد اللہ

انقلابی رہنما بغاوت سے قبل جو تیاریاں کر رہے تھے اس کا پورا سُراغ شاید کبھی نہ لگ سکے گا لیکن کہیں کہیں ان سازشوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ ایک شخص نے میسور کے جوڈیشل مجسٹریٹ کے سامنے جو بیان دیا وہ جون ولیم کے نے اپنی کتاب میں (جلد اول ص ۳۴۲/۵۷۴) نقل کیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ نانا صاحب نے کشمیر کے مہاراجہ گلاب سنگھ اور روس سے پیام رسانی کی تھی اور مدد چاہی تھی۔ روس کا جواب بھی موصول ہوا۔ ایسی شہادتیں اور بھی ملتی ہیں۔ عظیم اللہ خاں نے جو بغاوت کے منصوبے بنائے اُن پر کسی قدر روشنی ٹائمز کے نامہ نگار ولیم رسل کی ڈائری سے پڑتی ہے۔ اُسے ۱۸۵۴ء میں نانا صاحب کی طرف سے لندن بھیجا گیا اور واپسی میں رسل سے ملاقات ہوئی۔ عظیم اللہ نے فرانس، روس، ٹرکی وغیرہ کا دورہ کیا۔ ستارا کے رانگو باپوجی بھی بغاوت کی اسکیم بنانے میں اس کے ساتھ شریک تھے۔ عظیم اللہ نے قسطنطنیہ کے عمر پاشا کو خطوط بھی لکھے اور مصر سے بھی رابطہ قائم کیا۔ لارڈ رابرٹس نے اپنی کتاب میں اُن خطوط کا ذکر کیا ہے جو انگریز افسروں کے، جن میں وہ بھی شامل تھا، ہاتھ لگے۔ اُن میں قسطنطنیہ کے عمر پاشا کے نام بھی دو خط

---

[1] ROBERTS : 41 years in India 547

تھے جو عظیم اللہ نے اپنے قلم سے لکھے تھے لیکن بھیجے نہیں گئے۔ رابرٹس کا بیان ہے کہ نانا صاحب شاہ دہلی اور شاہ اودھ وغیرہ سے خفیہ طور پر بغاوت کے لیے سازش کر رہا تھا اس میں اب کوئی شبہ باقی نہیں۔ ؂۱ بعض بیانات میں نانا صاحب کی مختلف والیانِ ریاست کے ساتھ خط و کتابت کا ذکر بھی ملتا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ رانی بیجابائی نے جب وہ گوالیار سے ناسک لے جائی جا رہی تھی، سازشیں شروع کی تھیں۔ ؂۲

تحریک ۱۸۵۷ء کے لیے پورے ملک کو تیار کرنے میں مولانا شاہ احمد اللہؒ کا نام سرِ فہرست آتا ہے۔ وہ ملک کے گوشے گوشے میں دورہ کر کے عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہے تھے۔ میلسین نے لکھا ہے کہ "بے شک اس تمام سازش کا رہنما مولوی (احمد اللہ شاہ) تھا اور یہ سازش تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی۔ یقینی طور پر آگرہ جہاں اس مولوی نے کچھ عرصے قیام کیا تھا اور دہلی۔ میرٹھ۔ پٹنہ اور کلکتہ وغیرہ سازش کے مرکز تھے" ؂۳۔ آگرہ میں مجلسِ علماء کے تحت جو کچھ ہوا وہ "ولسن گروی" کے عنوان سے ہم آگرے کی بغاوت کے حالات میں بیان کریں گے۔ مولانا احمد اللہ شاہؒ نے جو خط و کتابت کی اس کا تذکرہ فیض آباد میں اُن کی گرفتاری کے وقت سرکاری کاغذات سے ملتا ہے جن میں لکھا ہے کہ جب مولوی کی تلاشی لی گئی تو متعدد خطوط برآمد ہوئے جن سے اس سازش پر پوری روشنی پڑتی تھی۔" میلیسن نے اپنی دوسری کتاب 'دی انڈین میوٹنی' (۱۸۹۱ء) میں مولانا کو بغاوت کا دست و بازو بتایا اور چپاتیوں کی تقسیم کا بانی اُنھیں کو قرار دیا ہے۔

؂۱ 1. ROBERTS : 41 years in India, 239
SAVARKAR : 73

؂۲ 2. Freedom Struggle U.P. Vol.1, p. 372-73

؂۳ بحوالہ ساورکر۔ ۸۷

میلیسن نے ۱۸۵۷ء کی پوری تاریخ مرتب کی ہے لیکن بغاوت کے تیئیس سال بعد پوری چھان بین کے بعد یہ کتاب لکھی۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں :

" That this man (Maulvi) was the brain and the hand of the conspiracy there can, I think, be little doubt. During his travels he divised the scheme known as Chapati Scheme."

ترجمہ: میں سمجھتا ہوں کہ اس میں شک وشبے کی گنجائش نہیں کہ یہی شخص بغاوت کی سازش کا دماغ اور دست و بازو تھا۔ اپنے سفر کے دوران اسی نے وہ اسکیم تیار کی جو چپاتی اسکیم کہلاتی ہے"(ص ۱۸)

مولانا احمد اللہ شاہؒ کو اعلیٰ صلاحیت کا مالک اور پختہ عزم و ہمت کا انسان قرار دیتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ :

"مولوی نے شمالی مغربی صوبوں کا دورہ کیا، اس کے دورے کا مقصد انگریزوں کے لیے راز ہی رہا۔ وہ کچھ عرصہ آگرے میں ٹھہرا، دہلی۔ میرٹھ پٹنہ اور کلکتہ گیا۔ اُس نے اس دورے سے واپسی کے بعد باغیانہ اشتہار تمام اودھ میں جاری کیے۔۔۔ کلکتے میں قیام کے دوران غالباً مولوی نے وہاں کی دیسی سپاہ سے مسلسل رابطہ قائم کیے رکھا اور وہ طریقہ ڈھونڈ نکالا جس سے سپاہ کے فطری جذبات پر خصوصی اثر ڈالا جا سکے" [۱]

میلیسن کا یہ بھی بیان ہے کہ رانی جھانسی بغاوت سے پہلے مولاناؒ اور نانا صاحب سے رابطہ قائم کر چکی تھی اور اِن لوگوں نے ایک مجلسِ عمل (ایگزیکٹیو کونسل) بھی قائم کی تھی جو فوجیوں اور عوام کو بہ یک وقت بغاوت پر آمادہ کرنے کا کام انجام دے رہی تھی اور

۱؎ میلیسن : انڈین میوٹنی (۱۸۹۱ء)۔ ص ۴۳۔ ۱۸

بغاوت کے لیے دن مقرر کیا گیا تھا لیکن حکومت کو بغاوت شروع ہونے تک یہ احساس نہ ہو سکا۔ اس کا کہنا ہے کہ "انگریز یہ اندازہ لگانے میں ناکام رہے کہ یہ ایک فوجی غدر نہیں تھا بلکہ ایک ہمہ گیر سازش تھی جس کی جڑیں دور تک پھیلائی جا چکی تھیں۔"

دیسی فوج میں سازشیں

بغاوت کی سازش کرنے والوں نے دیسی سپاہ میں بھی خفیہ تنظیم کا جال بچھا دیا تھا لیکن بعض انگریز افسر کوشش کے باوجود سراغ نہ پا سکے۔ ایک انگریز افسر جس نے فوج میں اپنے جاسوس چھوڑے، بغاوت کے بارے میں کہتا ہے:

"۱۸۵۷ء کے ابتدائی مہینوں میں میری خواہش تھی کہ جاسوسوں کے ذریعے معلومات کروں.... مگر میں نے دیکھا کہ کوئی بھی شخص نہ اس پر تیار تھا نہ اتنی ہمت رکھتا تھا کہ مجھے ذرا سی بھی معلومات فراہم کرے۔ یہاں تک کہ اس رجمنٹ نے بغاوت کر دی اور دیگر حالات اور واقعات نے مجھے یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور کیا کہ بغاوت کی سازش فوری نہیں تھی اگرچہ ہر رجمنٹ میں صرف چند منتخب لوگوں کو ہی علم رہا ہوگا" [۱]

ایک اور انگریز افسر جو مئی ۱۸۵۷ء میں پشاور پہنچا، بتاتا ہے کہ یہاں نمبر ۶۴ این آئی کے نائک کریم اللہ کے نام خطوط پکڑے گئے جو پٹنہ اور تھانیسر کے مسلمانوں نے لکھے تھے اور جن میں ان کی ماؤں کی طرف سے پیغامات تھے کہ وہ یہ مقدس کام کریں۔ اگر شہید ہوئے تو ہمارے لیے خوشی اور فخر کا مقام ہوگا۔ ان خطوں سے ایک ہمہ گیر رابطے اور نامہ و پیام کا سراغ لگا جو نمبر ۶۴ این آئی کے دیسی افسر سوات اور ستھانہ کے سرداروں سے عرصہ دراز سے کر رہے تھے ۸ مئی کو پشاور کی نمبر ۵۱۔ این آئی رجمنٹ نے ایک برہمن کے ہاتھ خط روانہ کیا جس میں بغاوت

۱؎ فریڈم اسٹرگل اتر پردیش جلد ۱، ص ۳۴۷

کی ترغیب تھی۔ خط لے جانے والے برہمن سنیل مصر اور گوکل مصر تھے جنہیں پھانسی دی گئی۔ ۱۹ مئی کو اسسٹنٹ کمشنر ویک فیلڈ نے پشاور میں ایک فقیر کو اپنے گھر کے پاس درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا' گرفتار کر کے تلاشی لینے پر اس کے پاس ۴۶ روپے اور ایک فارسی خط برآمد ہوا جس کا ترجمہ کچھ اس طرح تھا۔

"اہم بات یہ ہے کہ اس خط کو پاتے ہی عید کے دوسرے دن نہیں یقیناً یہاں آجانا چاہئیے...... یہ بہت آسان ہے۔ اپنے ساتھ چند پونڈ پھل لے آؤ۔ وقت آگیا ہے۔ ایسا موقعہ پھر کبھی نہیں آئے گا۔" ؎۱

فقیر نے اعتراف کیا کہ وہ یہاں اکثر آتا رہا ہے۔ لارڈ رابرٹس نے بھی پشاور کے ڈاک خانے سے پکڑے گئے خطوں کا ذکر کیا ہے جن سے پتہ لگا کہ تمام دیسی فوج بلکہ سرحدی عوام اور قبیلے بھی بغاوت پر آمادہ ہیں۔

"اس سازش کا جال حیرت انگیز طور پر بچھایا جا چکا تھا تاکہ ہماری حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔" ؎۲

پنجاب کے چیف کمشنر ہنری لارنس کو جاسوسوں کے ذریعے پتہ لگا کہ تمام دیسی سپاہ پوری طرح بغاوت کی سازش میں شریک ہے۔ باغی سرداروں کا استقلال اور آپس کی وفاداری بھی سازشوں کا پردہ فاش نہ ہونے کا ایک سبب ہے۔ ایک اور انگریز مورخ نے اپنی کتاب میں بتایا ہے کہ اسے فوجی اور غیر فوجی قیدیوں کے بیانات سے بعض سازشوں کا اندازہ ہوا مثلاً یہ کہ گوالیار اور وسط ہند کے علاقوں میں چما صاحب نمبر ۷ رجمنٹ کے دیسی افسروں سے خفیہ ملاقاتیں کرتا رہا۔ چما صاحب کے پاس نانا کا ایک پیغامبر بھی آیا جو جنوبی ہند کا دورہ کر کے

؎۱ فریڈم اسٹرگل یو پی۔ جلد ۱ ص ۳۵۵-۳۵۳

؎۲ فورٹی ون ایرز ان انڈیا ۳۶-۳۵

آرہا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ چالیس مختلف رجمنٹوں کا تعاون حاصل کر چکا ہے۔ یہی منصف سازش کی کیفیت پر لکھتا ہے:

"لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ کس حیرت انگیز طور پر یہ تمام سازش پھیلائی گئی، طے شدہ اسکیم کا پرچار کیا گیا۔ سازشی گروہ کس قدر ہوشیاری سے الگ الگ اور آپس کا رابطہ قائم رکھ کر کام کر رہے تھے۔ اپنے مقصد کے لیے کافی ہدایات فراہم کی جاتی تھیں۔ تمام کام نہایت وفاداری سے انجام پاتے تھے جو انھیں ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے تھی مثلاً چنا صاحب وزیر کے مقدمے میں دیسی سپاہ کے ایک حولدار نے، جو اس کا دوست تھا اور جس کے کوارٹر میں وہ قید رہا، جب اُس سے کہا کہ تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے۔ کمشنر نے ایسے بہت سے لوگوں کو چھوڑ دیا ہے جنہوں نے ایسا کیا اور شاید تمہیں بھی معاف کر دے،، اُس نے جواب دیا "اگر میں کچھ زبان پر لایا تو ایک ایسا شعلہ بھڑکے گا جس میں ملک جل اُٹھے گا لہٰذا میں خاموشی سے اپنی قسمت پر شاکر رہنا ہی بہتر سمجھتا ہوں"۔ اور اس نے ایسا ہی کیا" [1]

جے سی کرافٹ ولسن نے بھی سازش کا تھوڑا سا کھوج نکالا۔ اس کا بیان ہے کہ "تمام واقعات اور معلومات کو انتہائی احتیاط سے جمع کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ۳۱ مئی ۵۷ء بروز اتوار پوری بنگال آرمی میں بیک وقت بغاوت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ ہر رجمنٹ میں تین تین ممبروں کی کمیٹیاں بنی ہوئی تھیں جو اپنے فرض انجام دیتی تھیں۔ سپاہی مجموعی طور پر اس سازش کے پلان سے بے خبر تھے۔ میرے پاس یہ یقین کرنے کی وجہیں موجود

---

[1] جیکب (گرانڈلی): ویسٹرن انڈیا / ۲۰۶-۲۰۳

ہیں کہ ان کمیٹیوں کے ممبر جو سازشوں کے سرغنہ تھے، دہلی میں مارے گئے۔ مثلاً بھولا سنگھ پپے حولدار (پانچویں کمپنی رجمنٹ ۱۹) یقیناً ان ممبروں میں سے ایک تھا۔ اور مجھے معلوم ہے کہ وہ دہلی میں کام آگیا" ۱؎

میلیسن کا بیان سُنیئے:

"سپاہیوں کے جذبات ابھارے جا چکے تھے اور یہ اُن لوگوں کا کام تھا جو اپنے سامنے ایک بڑا مقصد رکھتے تھے ــــ ایک اہم سیاسی مقصد ـــ یعنی دیسی سپاہ کو غیر ملکی حکومت سے کاٹ کر الگ کر دینا"

میلیسن آگے چل کر کہتا ہے:

"مولوی (احمد شاہ) اور اس کے ساتھیوں کے پیغام بروں نے اپنا کام پوری طرح انجام دیا تھا۔ سپاہیوں کی رہائش گاہوں پر آدھی رات کی خفیہ کانفرنسیں نہ صرف بارک پور بلکہ تمام شمالی مغربی ہندوستان میں ہو رہی تھیں اور اُنھیں اچھی طرح باور کرایا جا رہا تھا کہ غیر ملکیوں نے اودھ کو ہضم کر لیا اور اب وہ اپنا باقی منصوبہ سپاہ کو عیسائی بنا کر پورا کریں گے" ۲؎

بعض مورّخ بتاتے ہیں کہ سازش میں علی نقی خاں کا ہاتھ بھی تھا جو واجد علی شاہ کے ساتھ کلکتے میں مقیم تھا۔ مولانا احمد اللہ شاہؒ نے ۵۷ء کے ابتدائی ایام میں جو دورے کیے اُن میں کلکتہ بھی شامل ہے اس لیے یہ اندازے بعید از قیاس نہیں کہے جا سکتے۔ چیف کمشنر اودھ کے سکریٹری جی کوپر کے ایک خط بنام جوڈیشل کمشنر اودھ مورخہ ۲۵ اگست ۱۸۵۷ء میں اودھ

۱؎ 1. WILSON (J.C): Narrative of Events pp.1-2

Freedom Struggle in UP vol. 1 pp. 403-404

۲؎ 2. MALLESON: Indian Mutiny pp. 52-53

کے تعلقہ داروں کی باغیانہ سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ اِن میں راجہ کشن دت تعلقہ دار بہرائچ۔ بشن دت پانڈے (گونڈا) وغیرہ کا ذکر ہے جنہوں نے بغاوت پھیلائی۔ [1] منٹگمری مارٹن نے اپنی کتاب "انڈین ایمپائر" میں (ص ۱۸-۱۱۷) اُن سازشوں کا ذکر کیا ہے جن کا سُراغ ملا۔ وہ انھیں "مسلمانوں کی سازشیں" بتاتا ہے۔

مولوی۔ پنڈت اور فقیر

تحریک ۵۷ء کو ملک گیر پیمانے پر منظم کرنے میں علماء نے اہم ترین رول ادا کیا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں مولانا احمد اللہ شاہؒ کا نام ہے۔ ان کے علاوہ دیگر علماء جو ولی اللہی تحریک سے وابستہ تھے بے شمار ہیں اور ملک کے گوشے گوشے میں سرگرم رہے ہیں۔ فقیر، سنیاسی اور پنڈت جو بھیس بدل کر ملک میں گھوم رہے تھے فوج کے سپاہیوں میں پُر اسرار طریقے سے کام کرتے رہے اس قسم کے واقعات انگریز افسروں کی رپورٹوں میں جگہ جگہ ملتے ہیں جن میں کچھ واقعات ابھی نظر سے گزرے۔ سورج کنڈ کے مقام پر اپریل ۵۷ء کے آخر میں ایک فقیر پایا گیا جسے دیسی فوج کے سپاہی اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ ایک شخص منگل سین کا بیان ہے کہ ۱۰، ۱۱ مئی کو فقیر سورج کنڈ میں آیا۔ بگن ناتھ داس کی شہادت ہے کہ یہ ابودھیا کا تھا۔ اسد اللہ جمع دار نے گواہی دی کہ اُس نے فروری ۵۷ء میں انبالہ میں ایک فقیر مع ہاتھی، رتھ اور گھوڑوں کے دیکھا تھا۔ میرٹھ میں بھی ایک فقیر، ہاتھی پر سوار گھومتا پایا گیا۔ دیسی سپاہ کے آدمیوں کا بار بار اس کے پاس جانا انگریز افسروں کو کھٹکا تو اُسے ہٹنے پر مجبور کیا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ نمبر ۲۰ این آئی کی لائن میں مقیم رہا۔ [2]
مقدمہ بہادر شاہ میں بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مندروں اور مسجدوں میں انگریزوں کو ہندوستان

---

[1] 1. Freedom Struggle in UP vol. 1 pp. 130-133

[2] 2. MILLIAM (F): Narrative of Events... Meerut p. 26

سے نکالنے کی دعائیں ہوتی تھیں۔ مائیں اپنے بچوں سے دعا کراتی تھیں کہ فرنگی بیخ بنیاد سے غارت ہو جائیں۔ فرانسیسی عورت ہورٹسٹ انگلیسی اپنی سرگزشت میں کہتی ہے:

"یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو مندروں میں دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانیہ (مغلیہ) کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو۔ تمام ہندو مسلمانوں کا عقیدہ تھا کہ انگریزی حکومت سو سال سے زیادہ نہ رہیگی"

تیرتھ استھانوں اور مذہبی میلوں میں بھی ان سنیاسی فقیروں نے عوام میں انقلابی جذبات بیدار کیے۔ دھارمک استھانوں پر مثلاً بنارس وغیرہ میں پنڈتوں کی طرف سے دعائیں کی گئیں[1]۔ جون ولیم کے کا خیال ہے کہ کلکتے میں علی نقی (وزیر شاہ اودھ) خفیہ کارروائیوں میں مصروف تھا اُس نے معتبر آدمی فقیروں کے بھیس میں سپاہیوں کے پاس بھیجے۔ فوج کے ہندوستانی افسروں کو جو خطوط لکھے گئے اُن میں تمام ظلم و ستم اس طرح بیان کیا گیا کہ سپاہی پھوٹ پھوٹ کر روئے، گنگا جل اور قرآن پاک ہاتھ میں لے کر قسمیں کھائیں کہ انگریزوں کو مٹائیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ اگست ۱۸۵۷ء میں کلکتے سے ایک شخص گرفتار ہوا۔ جو نام بدل کر مقیم تھا۔ اس کا اصل نام سید حسین صوبے دار تھا۔ اس کے پاس سے برآمد شدہ کاغذات سے ثبوت مل گیا کہ وہ شاہ اودھ اور علی نقی سے رابطہ رکھتا تھا۔ اسی کے کاغذات سے ایک اور شخص مظفر حسین کا سُراغ ملا جو چندر نگر میں مقیم تھا اور فرضی نام آغا مرزا تھا۔ بارک پور کے سپاہی مختلف رجمنٹوں سے خط و کتابت بھی کر رہے تھے۔ مورخ ولیم کے نے کچھ خط بطور مثال نقل کیے ہیں۔ ان میں صوبے دار مبارک خاں، سردار خاں اور رام شاہی لال وغیرہ کا ذکر ہے۔ اس قسم کے بہت سے خط بعد میں ہاتھ لگے۔[2] لکھنؤ کے ملٹری سکرٹری فلیچر ہنیر نے ۱۸۵۵ء میں اطلاع دی تھی کہ باغیانہ پمفلٹ

---

[1] ساورکر۔ ۸۴ بحوالہ ریڈ پمفلٹ

[2] KAYE: Vol.1 p.29 SAVARKAR: p. 81
Freedom Struggle in UP vol.1 pp. 360-361

لکھنؤ اور گرد و نواح میں کافی تعداد میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ پمفلٹ رسالہ جہاد کے عنوان سے دہلی وغیرہ میں بھی پایا گیا، مولوی محمد اسمٰعیل نے تقریباً تیئس سال پہلے لکھا، ۱۸۵۰ء میں ترجمہ کیا گیا اور ۱۸۵۵ء میں کانپور کے ایک پریس میں چھپا۔ ۱

پٹنہ بغاوت کی تحریک کا گڑھ بن چکا تھا۔ سید احمد شہیدؒ کے معتقد ہزاروں روپیہ اور آدمی صوبہ سرحد کو بھیج رہے تھے۔ پٹنہ کا بظاہر معمولی کتب فروش پیر علی کانپور کے مسیح الزماں سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ پارلیمینٹری کاغذات (لندن) سے بھی عیاں ہوتا ہے کہ بغاوت کے لیڈروں کو روپیہ فراہم کیا جا رہا تھا کہ وہ شاہ دہلی کے لیے جنگ کریں۔ پیر علی کے گھر سے جو خط برآمد ہوئے اُن سے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ پیر علی نے جس دلیری کا مظاہرہ کیا اس کا اعتراف انگریز حکام کی رپورٹوں میں حیرت سے کیا گیا ہے۔ ۲

آسام اور مدراس

مدراس کے عوام اپریل ۱۸۵۷ء میں ایک سرکس کی تیاری کر رہے تھے جس میں گورنر اور دوسرے انگریز افسروں کو مدعو کیا جانا اور بارود سے اُڑا دیا جاتا۔ آسام میں دیسی فوج کے سپاہی، خصوصاً فرسٹ آسام لائٹ انفنٹری کے آدمی جورہاٹ کے راجہ کندار پلشور سنگھ سے رابطہ رکھتے تھے۔ اُنھوں نے علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اُنھیں دہلی سے ہدایات کا انتظار تھا۔ بغاوت کی اسکیم درگا پوجا کے موقعے پر بنائی گئی جس میں راجہ مذکور اور اس کا دیوان شریک تھے۔ ۳

پُر اسرار چپاتیاں

۱۸۵۷ء کے پہلے تین ماہ میں چپاتیاں تقسیم کی گئیں۔ جوار گیہوں کے آٹے کی یہ چپاتیاں اندازاً دو تولہ وزنی اور تقریباً

۱، ۲ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۱ ص ۳۰۱، ۳۶۰ - ۳۵۸

۳ 3. Parliamentary Papers : Narrative by Govt. of Bengal.

Freedom Struggle in UP vol.1 pp. 358-360

انسانی ہتھیلی کے برابر تھیں، شمالی اور وسطی ہند کے تقریباً تمام گاؤوں میں نہایت تیزی سے تقسیم ہوئیں۔ جنوری ۱۸۵۷ء میں وسطی صوبوں میں پائی گئیں۔ اس لیے اندازہ یہ ہے کہ جنوبی یا وسطی علاقوں میں کہیں سے شروع ہوئیں۔ ساگر اور نربدا کے کمشنروں کی رپورٹ کے بموجب جنوری میں یہاں کے زیادہ تر اضلاع میں تقسیم ہو چکی تھیں، بہار اور جھانسی کے علاقوں میں بھی پائی گئیں۔ مقدمہ بہادر شاہ کے بعض گواہوں نے بتایا ہے کہ اودھ یا لکھنؤ سے شروع ہوئیں۔ ۱۹ فروری ۱۸۵۷ء کو گوڑگاؤں کے کلکٹر کی رپورٹ تھی کہ یہ وہاں کے گاؤوں میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ میرٹھ کے حکام کی رپورٹ کے بموجب جنوری میں یہ چپاتیاں اِن علاقوں میں تقسیم ہو چکی تھیں۔ جب تک ان کی تقسیم روکنے کے لیے احکام جاری ہوئے اور دہلی کے مجسٹریٹ نے انھیں روکنے کی کوشش کی تب تک یہ پنجاب کے دیہات تک میں پہنچ چکی تھیں۔ پہاڑ گنج (دہلی) کے تھانے دار معین الدین نے بھی اپنی یادداشت 'خدنگ غدر' میں (جس کا انگریزی ترجمہ مٹکاف نے شائع کیا تھا) ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بھائی نے جو بدر پور کا تھانیدار تھا، اطلاع دی کہ یہاں چپاتیاں اور بکرے کے گوشت کی بوٹیاں تقسیم کی جا رہی ہیں، وہ متھرا اور علی گڈھ بھی گیا، وہاں بھی چپاتیاں تقسیم ہو چکی تھیں۔ ان کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ گاؤں کا چوکیدار قریبی گاؤں کے چوکی دار کو چپاتی دے جاتا اور یہ ہدایت کرتا کہ اسی قسم کی پانچ (یا چھ) روٹیاں پکا کر آس پاس کے دیہات میں اسی ہدایت کے ساتھ تقسیم کر دے۔ اندازہ ہے کہ جنوری سے شروع مارچ ۱۸۵۷ء تک یہ چپاتیاں تمام شمالی ہند، بارک پور سے انبالہ، دہلی سے ساگر نربدا تک کے ضلعوں میں پھیل گئی تھیں۔ عوام میں اس واقعے سے خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ سپاہیوں میں بھی یہ روٹیاں تقسیم ہوئیں۔ چنانچہ فرانسیسی عورت ہورٹنس انگلیسی کہتی ہے:

"جب یہ کلیچہ دست بدست ایک سپاہی سے دوسرے سپاہی کو ملتا ہے تو اُس پر نظر کرنے سے ہر سپاہی کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے، غیظ و غضب کے آثار بُشرے سے ہویدا ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ زبان سے

کچھ نہیں کہتے مگر دل ہی دل میں انگریزوں پر پیچ و تاب کھاتے ہیں"۔[1]

چپاتیوں کی گردش پہ شروع میں انگریز حکام نے توجہ نہ دی اور جب وہ اُن کی روک تھام پر متوجہ ہوئے تو وہ تمام ملک میں پھیل چکی تھیں۔ انگریز مورخوں نے اہمیت اس لیے نہ دی کہ وہ ۵۷ء کی بغاوت کو چند سرکش سپاہیوں اور ناراض جاگیرداروں کی فتنہ پردازی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چپاتیاں اُس خفیہ اور منظم گروہ کی ایجاد تھیں جو ملک میں خاموشی سے اپنا کام کر رہا تھا اور یہ ملک کے عوام کو ہوشیار کرنے کا ایک طریقہ تھا تھیو فلس مٹکاف اس نظریئے کو تسلیم کرتا ہے:

" اغلب گمان یہ ہے کہ وہ مشترکہ اعلان تھا جو ہندو مسلمان سازش کنندگان کا مشترکہ نتیجہ تھا"۔[2]

یہ خیال اس بات سے بھی پختہ ہوتا ہے کہ بعض افسروں کو یاد تھا کہ پچاس سال پہلے بھی یہ چپاتیاں دیکھی گئیں اور اس کے فوراً بعد ویلور کی بغاوت ہوئی (۱۸۰۷ء) یہ پلاسی کی جنگ کو پچاسواں سال تھا۔ لہٰذا اب پھر ان چپاتیوں کی تقسیم جنگ پلاسی کو سو سال گذرنے پر یقیناً اس قومی شکست کا احساس اور یاد دلانے کے لیے تھی۔ لارڈ رابرٹس کا بیان ہے کہ پشاور میں فروری مارچ اپریل ۵۷ء میں چپاتیوں کی افواہیں سُنی گئیں اور بتایا گیا کہ یہ عوام کو آنے والی بغاوت پر تیار کرنے کے لیے تھیں۔[3]

صحیح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ یہ چپاتیاں کہاں سے شروع ہوئیں۔ میلیسن نے بغاوت ۵۷ء پر اپنی دوسری کتاب 'انڈین میوٹنی' (۱۸۹۱ء) میں تحقیق کے بعد بتایا ہے کہ مولانا احمد اللہ

---

[1] ایام غدر/۵۔ یعنی سرگزشت ہورٹسٹ انگلیسی مترجم ظفر حسن عاصی
[2] غدر کی صبح و شام/۱۹ (مترجم حسن نظامی)۔
[3] فورٹی ون ایرس اِن انڈیا/۲۴۔

شاہؒ نے اپنے دورانِ سفر میں کہیں سے شروع کیں بعض کا اندازہ ہے کہ ناناصاحب کے دربار سے شروع ہوئیں جب کہ بعض اودھ یا پانی پت کرنال سے بتلاتے ہیں۔ لیکن زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ وسطی یا جنوبی علاقوں میں کہیں سے شروع ہوئیں۔

ان چپاتیوں کا تصوّر غالباً چین سے ہندوستان آیا کیوں کہ ۱۳۶۸ء میں وہاں منگولوں کا تختہ اُلٹنے کے لیے اسی طرح روٹیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ جس سے تمام چین متحد ہو گیا اور منگولوں کا خاتمہ ہوا۔ چین اور ہندوستان قریبی ملک تھے اور اکثر بار ہندوستانی سپاہی سرکاری حکم سے چین جا چکے تھے۔ لیکن یہ صرف قیاسات ہیں، قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم یہ نتیجہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ چپاتیاں ملک میں ایک پوشیدہ اور منظم انقلابی تنظیم کا کھلا ثبوت ہیں۔

کنول کا پھول

تمام شہروں میں بنگالی سپاہ کی چھاونی میں کنول کا ایک پھول ایک سے دوسرے کے پاس پہنچایا گیا جسے ایک شخص لے کر گیا تھا۔ جب یہ پھول باری باری ہر سپاہی کے پاس پہنچ چکا تو واپس اسی شخص کے پاس آگیا اور وہ اسے لے کر دوسری رجمنٹ میں چلا گیا۔ بنگال آرمی کی کوئی چھاونی یا فوجی پڑاؤ ایسا نہ تھا جہاں یہ پھول نہ پہنچا ہو۔ سُرخ پھول کی اس گردش نے بھی جو بظاہر نہایت معمولی چیز تھی، تمام سپاہیوں کو ایک پُراسرار پیام دیا اور اُن کو ہوشیار کرتا چلا گیا۔

مندروں اور مسجدوں میں دعا

ساورکر کا بیان ہے کہ خفیہ انقلابی تحریک سب سے زیادہ دہلی میں جڑ پکڑ رہی تھی اور مغل شہزادے اس کام میں مصروف تھے۔ مائیں اپنے بچوں سے دعا کراتی تھیں کہ فرنگی غارت ہو جائیں۔ فرانسیسی عورت مسز انگلیسی نے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ "یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو مندروں میں دعا کرتے ہیں کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانیہ (مغلیہ) کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو"

چکنے کارتوس سلگتی آگ پر تیل

۱۸۵۶ء کے آخر میں نئے کارتوس فوج کے لیے ایجاد ہوئے اور ان کے استعمال کی ٹریننگ ڈم ڈم، انبالہ اور سیالکوٹ وغیرہ کے فوجی مرکزوں میں دی گئی۔ ۱۸۵۷ء کے ابتدائی ایام میں ہی یہ کارتوس رائج ہو گئے اور ڈم ڈم میں ان کی تیاری کا کارخانہ بھی قائم ہو گیا۔ ایک دن کارخانے کا ایک ملازم ایک برہمن سپاہی سے ملا اور پینے کو پانی مانگا۔ برہمن نے اس کی ذات پوچھی تو اُس نے کہا ــ "ذات کیا پوچھتے ہو، کچھ دن بعد تمہاری ذات بھی نہ رہے گی کیونکہ اب نئے کارتوس کاٹنا پڑیں گے جن میں گائے اور سُور کی چربی استعمال ہو رہی ہے" ــ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور جنوری ۱۸۵۷ء میں ہی اس کے خلاف سپاہ کے جذبات ظاہر ہو گئے تھے۔

کارتوسوں کی حقیقت

۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو لیفٹیننٹ رائٹ نے اپنی رپورٹ میں ڈم ڈم کے میجر بونٹین کو لکھا تھا:

"میں نے کل دیسی سپاہ کی پریڈ کرائی ۔۔۔۔ دو تہائی آدمی آگے آئے جن میں دیسی سپاہ کے تمام کمیشن افسر بھی تھے اُنھوں نے پورے احترام کے ساتھ کارتوسوں پر اعتراض کیا کہ ان میں جو مکسچر استعمال کیا جا رہا ہے، وہ ان کے مذہبی احساسات کو مجروح کرتا ہے۔ انھوں نے اس چربی کی بجائے ایک دوسرا متبادل طریقہ بتایا" [1]

کرنل کیتھ ینگ کو خود کمانڈر انچیف نے لکھا تھا کہ

"مجھے سپاہ کے اعتراض پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی جب میں نے خود کارتوسوں

---

1. Parliamentary Papers vol.30 p.3 (No. 263) لہ

SEN: pp. 41-43 see also Revolt in Haryana by K.C.Yadav pp. 40-43

پر چکنائی (جو دراصل چربی ہے) کی مقدار کا معائنہ کیا" ۔[1]

فورٹ ولیم آرڈیننس کے انسپکٹر جنرل نے ۲۹ر جنوری کو لکھا:

"میں نے کارخانے میں اس چکنائی کے بارے میں تحقیقات کی یہ بالکل وہی ہے جس کی کورٹ آف ڈائرکٹرز کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے یعنی موم اور چربی کی چکنائی۔ اس قابلِ اعتراض چکنائی کے لیے کوئی احتیاطی تدابیر نہیں کی گئیں" ۔[2]

انگریزی اخبارات "انگلش مین" اور "ٹائمز" کا کہنا تھا کہ ٹھیکیداروں نے یہ سستا میٹریل مہیا کیا اور گائے اور سور کی چربی سپلائی کر دی ورنہ گورنمنٹ کی طرف سے بکرے کی چربی کے لیے کہا گیا تھا لیکن ایسی "ہدایات" کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ دیسی سپاہ کی طرف سے یہ تجویز بھی رکھی گئی کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان ان کارتوں کی تیاری کے معائنے اور نگرانی کے لیے مقرر ہو مگر فوجی کارخانے کے ذمہ داروں نے اسے منظور نہیں کیا اور سپاہ کے دل میں یہ بات اور زیادہ پختہ ہوگئی کہ کارخانے کے ذمہ دار کوئی بات اُن سے چھپانا چاہتے ہیں جو اتنی معمولی تجویز بھی ماننے کو تیار نہیں ۔[3]

جولائی ۱۸۵۷ء میں جو سرکاری کاغذات، دستاویزیں اور بلیو بک (Blue Book) ہاؤس آف کامنز لندن میں پیش کی گئیں اُن سے بھی یہ حقیقت پوری طرح ثابت ہے اس کے علاوہ آرڈیننس فیکٹری کے ایک آفیسر کری کی گواہی جو اس نے سالگ رام سنگھ کے مقدمے میں دی، چربی کے اجزاء کی تفصیلات اور وزن وغیرہ تک پر روشنی ڈالتی ہے ۔[4]

---

1. KEITH YOUNG : Delhi 1857 p.2 — ۱؎
2. Parliamentary Papers vol.30 — ۲؎
3. SEN: pp. 42-43 — ۳؎
4. CHAUDHURY: Civil Rebellion p.5 — ۴؎

یہ حقیقت ۱۸۵۲ء سے حکومت کے علم میں تھی جب یہ کارتوس پہلی بار جنگ کریمیا میں استعمال ہوئے۔ جون ولیم کے نے اپنی مشہور کتاب میں یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اس چکنائی میں گائے کی چربی شامل تھی، بتایا ہے کہ "دسمبر ۱۸۵۳ء میں کرنل ٹکر نے یہ بات بالکل صاف طور پر اپنی رپورٹ میں بیان کر دی تھی۔" (جلد اوّل ص ۸۱ – ۲۸۰) چربی کی سپلائی کے ٹھیکہ دار نے اپنے معاہدے میں بیان کیا تھا کہ کارتوس چربی سے چکنے کیے جائیں گے اور گائے کی چربی دو پنس فی پونڈ کے حساب سے خریدی جائے گی۔ جب بات کھلنے لگی تو حکومت نے فوراً احکام جاری کیے کہ آئندہ گائے اور سؤر کی چربی استعمال نہ کی جائے۔ انگریز مورخ جی ڈبلو۔ فارسٹ نے جو سرکاری دستاویزیں شائع کی ہیں اُن سے یہ ثابت ہے کہ دراصل گائے اور سور کی چربی ملا کر استعمال کی جاتی تھی۔ لارڈ رابرٹس کہتا ہے :

"مسٹر فارسٹ کی حالیہ تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ کارتوس چکنانے کے لیے جو مکسچر استعمال کیا گیا وہ واقعی قابلِ اعتراض اشیا یعنی گائے اور سور کی چربی سے بنایا گیا تھا اور اس سے سپاہ کے جذبات کی حیرت انگیز طور پر توہین ہوتی تھی" [۱]

دیسی سپاہ کے حق بجانب شبہات بڑھتے رہے کیونکہ حکام ایمانداری سے یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ اس میں قابلِ اعتراض اشیا شامل نہیں۔ مزید یہ کہ اسی زمانے میں آٹے میں ہڈیاں ملانے کی افواہیں بھی پھیلنے لگیں۔ گورکھا رجمنٹ میں یہ کارتوس دیئے گئے۔ انگریز افسروں نے دھمکیاں دیں کہ دیسی سپاہ کو زبردستی استعمال پر مجبور کیا جائے گا۔ ایسا بھی ہوا کہ بعض مقامات پر سپاہ کے انکار پر پوری رجمنٹ کو سخت سزا دی گئی [۲]

---

۱ 1. ROBERTS: 41 Years in India p. 241

۲ 2. SAVARKAR: p. 66

برہام پور کا واقعہ

رانی گنج اور بارک پور کے قریبی علاقوں میں سپاہ کی بے چینی منظر عام پر آچکی تھی لیکن زیادہ نمایاں طور پر مرشد آباد کے قریب برہام پور میں سامنے آئی جہاں کرنل میچل کی سرکردگی میں نمبر ۳۴ این آئی کے دو دستے بارک پور سے اسپیشل ڈیوٹی پر بھیجے گئے۔ یہاں نمبر ۱۹ این آئی مقیم تھی ۱۹ رجمنٹ کے سپاہیوں کو پہلے ہی کارتوسوں کی معلومات تھی۔ اس رجمنٹ کے آنے پر نمبر ۱۹۔ این آئی کے سپاہ نے بھی کارتوں پر شبہ ظاہر کیا۔ ایک عرضی کلکتہ ڈویژن کے میجر جنرل کو بھیجی جس میں اپنے شبہات کا اظہار کیا لیکن میچل نے انھیں سخت لب و لہجے میں دھمکیاں دیں اور کہا کہ حکم عدولی پر چین اور برما بھیج دیئے جاؤ گے وہاں سب کے سب موت کے منہ میں ہونگے۔ [۱] رجمنٹ ۱۹ نے پھر بھی صاف انکار کر دیا۔ انگریز افسران اس غیر متوقع انکار پر خاموش ہو گئے اور پوشیدہ طور پر سزا دینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تجویز کیا گیا کہ رجمنٹ ۱۹ کے تمام سپاہیوں کو برخاست کر دیا جائے۔ ایک گورہ رجمنٹ رنگون سے اس کام کے لیے بلائی گئی اور چنسورہ میں ٹھہرادی گئی۔ ۲۷ مارچ کو رجمنٹ نمبر ۱۹ کو سزا دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۳۱ مارچ کو بارک پور پہنچنے پر ان کے ہتھیار چھین لیے گئے اور برطرفی کا حکم ہوا۔ اس رجمنٹ نے کوئی باغیانہ انداز اختیار نہیں کیا اور اس کے باوجود خاموشی سے اطاعت کی کہ رجمنٹ ۳۴ کے پیغام بر اُس کے پاس بغاوت کی ترغیب دینے آئے تھے۔ رجمنٹ ۱۹ کے سپاہی اپنے دوسرے ساتھیوں کی نظر میں بہادر اور ہیرو قرار پائے کہ انھوں نے استقلال سے سزا بھگتی۔

منگل پانڈے۔ بارک پور

اسی دوران ۲۹ مارچ کو بارک پور میں ایک اور واقعہ ہوا رجمنٹ ۳۴ کے ایک نوجوان سپاہی منگل پانڈے کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ سپاہ میں بغاوت کے لیے سازشیں برابر ہو رہی تھیں، چند

---

۱. SEN, p. 47

ہی دن قبل نمبر ۲۔ این آئی گرانڈیر کے دو سپاہیوں کو سازش کرنے پر ۱۴ سال قید سخت کی سزا ہو چکی تھی۔ جمع دار سالگ رام کا کورٹ مارشل اس جرم میں ہو چکا تھا کہ اُس نے اپنے ساتھیوں سے نئے کارتوس کے بارے میں کہا تھا۔ ۲۹ مارچ ۱۸۵۷ء کو بعد دوپہر ۳۴ ویں رجمنٹ کے ایڈ جوٹینٹ جنرل بف نے سنا کہ اس کے ایک سپاہی نے سارجنٹ میجر پر گولی چلائی ہے۔ وہ فوراً موقعہ پر پہنچا جہاں منگل پانڈے کی سارجنٹ میجر کا خاتمہ کر چکی تھی اور منگل پانڈے اپنے ساتھیوں کو بغاوت کے لیے پکار رہا تھا۔ لیفٹیننٹ بف کے گھوڑے کے گولی لگی اور مع گھوڑے کے گرا۔ پانڈے اپنی بندوق بھر ہی رہا تھا کہ لیفٹیننٹ نے اٹھ کر پستول سے فائر کیا مگر نشانہ چوک گیا۔ منگل نے پھرتی سے تلوار کھینچ لی، لیفٹیننٹ نے بھی تلوار نکالی مگر منگل پانڈے نے زمین پر گرا دیا قریب تھا کہ خاتمہ کر دے کہ ایک سپاہی نے بچا لیا۔ دوسرے سپاہی دور کھڑے دیکھتے رہے اور کسی نے انگریز افسر کو بچانے کی کوشش نہ کی۔ کچھ دیر بعد جب وہ جمع دار کے کہنے پر آگے بڑھے تو زخمی انگریز افسروں کو اپنی بندوقوں کے کندوں سے مارا، پکار کر کہا کہ "منگل پانڈے کو ہاتھ نہ لگاؤ" — کرنل نے گرفتار کرنے کا حکم دیا مگر سپاہ نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد جنرل ہیرسی چند گوروں کے ساتھ آیا۔ منگل پانڈے تون آلود تلوار ہلا رہا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بغاوت کرنے کے لیے چلا کر کہہ رہا تھا جب سپاہی جنرل ہیرسی کے حکم سے بھی آگے نہ بڑھے تو وہ خود آگے بڑھا۔ منگل پانڈے نے اب بندوق کا رُخ اپنی طرف کر کے فائر کر لیا اور خون میں لت پت ہو کر گرا۔ کچھ لوگوں نے جنرل ہیرسی کو یہ کہہ کر تسکین دی کہ منگل پانڈے تو پاگل تھا، نشے میں تھا مگر ہیرسی یہ اصلیت سمجھ چکا تھا کہ انگریزوں سے نفرت اور بغاوت کے جذبات بھرپور اثر کر چکے ہیں۔ میلیسن نے لکھا ہے کہ چاروں طرف اس قسم کی افواہیں تھیں کہ منگل پانڈے کا عمل طے شدہ اسکیم کے تحت، تھا مگر وقت سے پہلے ظہور میں آ گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رجمنٹ ۱۹ ویں کے لیڈر، جو بارکپور آ رہی تھی، راستے میں ۳۴ ویں کے پیغامبروں سے خفیہ طریقے سے ملے۔ [۱] رجمنٹ ۱۹ ویں کو بارک پور پہنچنے پر ۳۱ مارچ کو برطرف کر دیا گیا اور یہ تقریباً ایک

---

[۱] MALLESON: Indian Mutiny pp. 52-56

ہزار آدمی جو زیادہ تر اودھ کے رہنے والے تھے، بغاوت کی سلگتی چنگاریاں بھڑکانے کے لیے اودھ کی سرزمین پر پھیل گئے جہاں انقلابی رہنما پہلے ہی فضا تیار کر چکے تھے۔ منگل پانڈے کو ہسپتال بھیج دیا گیا، مقدمہ قائم ہوا۔ زور ڈالا گیا کہ خفیہ انقلابی تنظیم کے راز اور سازش کرنے والوں کے نام بتا دے مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اسے پھانسی کا حکم ہوا اور ۸ / اپریل ۱۸۵۷ء کو پھانسی دیدی گئی[1]

منگل پانڈے کی پھانسی کے بعد اُس کے دوسرے ساتھیوں کو سزائیں دی گئیں ۳۴ رجمنٹ کے بہت سے سپاہی گرفتار ہوئے، جمعدار ایشری پانڈے کو، جس نے منگل پانڈے کو گرفتار کرنے سے انکار کیا تھا، ۲۲ / اپریل ۱۸۵۷ء کو پھانسی ہوئی۔ اس نے نہایت استقلال کے ساتھ پھانسی کے وقت اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا کہ وہ اس کی موت سے سبق لیں۔ رجمنٹ ۱۹ اور ۳۴ کو پریڈ پر بلاکر برخاست کرنے کا حکم سنایا گیا۔ انھوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔ حکم ہوا کہ وردی واپس کر دیں اور ٹوپیاں، جو وہ اپنے پاس سے خریدا کرتے تھے، رہنے دیں تو پرجوش سپاہیوں نے نہ صرف یہ کہ وردیاں اتار کر پھینک دیں بلکہ تمام ٹوپیاں بھی حقارت سے ہوا میں اچھال دی گئیں اور ان کو پاؤں سے روند ڈالا گیا۔ اِن رجمنٹوں کے پاس جو خطوط برآمد ہوئے اُن سے ثابت ہوا کہ وہ خفیہ پلان بنا چکے تھے[2]

---

[1] منگل پانڈے (پیدائش ۱۹ / دسمبر ۱۸۲۷ء) ولد جگن ناتھ ولد شیو نرائن ساکن نگوا ضلع غازی پور۔ ۱۸۵۰ء میں شادی ہوئی، ۱۸۵۴ء میں ایک بیٹا کیرتی دت ہوا۔ پھانسی کے بعد اُس خاندان کے لوگ روپوش ہو گئے۔ کیرتی دت کے دو بیٹے رجنی کانت اور سوریہ ہوئے۔ سوریہ کانت کے بیٹے نرائن اور نرائن کے رام ہوئے (دھرم یگ ۱۵ / جنوری ۱۹۸۴ء)

[2] 3. SEN: p. 50. Savarkar pp. 107-108

انبالہ اور لکھنؤ

انبالہ میں بھی نئے کارتوسوں کی ٹریننگ کا مرکز قائم کیا گیا تھا اور کمانڈر انچیف جنرل آنسن یہیں مقیم تھا یہاں دیسی سپاہ کے افسروں نے کارتوسوں پر بے چینی کا اظہار کیا اور کارتوس کاٹنے والوں کو عیسائی ہو جانے کے طعنے دیئے۔ مسٹر کے سی یادو نے اپنی حالیہ انگریزی تصنیف "ہریانہ میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت" میں تفصیل سے کارتوسوں کے واقعات سرکاری ریکارڈ کے حوالوں سے بیان کیے ہیں۔ پنجاب کی بغاوت پر پارلیمنٹری کاغذات میں ہے کہ سنیاسی اور فقیر سپاہ کے درمیان بغاوت پھیلا رہے تھے۔ علاوہ ازیں ایک انگریز افسر جو مسلمان ہو گیا تھا (عبداللہ بیگ) اور اس تمام حقیقت سے واقف تھا، انبالہ آیا اور کارتوسوں کی حقیقت بیان کی۔ سپاہ نے جب کپتان مارٹینو سے اپنا احتجاج بیان کیا تو اس نے اسسٹنٹ ایڈجوٹینٹ جنرل کو رپورٹ دی جس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ "سپاہ کے شبہات بے بنیاد نہیں ہیں اور سپاہیوں نے جو خط مجھے دکھائے ان سے معلوم ہوا کہ ہمہ گیر سازش ہو چکی ہے"۔ اس کے باوجود دیسی افسروں کو سزائیں ملیں، حکم ہوا کہ کارتوس کاٹنا پڑیں گے۔ ۵ مارچ کو گورنر جنرل کا یہ حکم آچکا تھا کہ کارتوس کاٹنے کا طریقہ بدل دیا جائے لیکن مقامی افسروں نے اسے چھپائے رکھا اور سپاہ کی بے چینی بڑھتی چلی گئی۔

یکم مئی ۵۷ء کو لکھنؤ کی سپاہ نے بھی کارتوس لینے سے انکار کر دیا۔ انھیں یقین ہو چکا تھا کہ انگریز افسران نہ صرف ان کی کوئی بات ہمدردی سے سننے کو تیار نہیں بلکہ انھیں زبردستی مجبور کیا جا رہا ہے۔

آگ کی وارداتیں

ملک کے مختلف حصوں میں آگ لگنے کی وارداتیں ہونے لگیں۔ انبالہ میں یہ وارداتیں ۲۶ مارچ ۵۷ء ہی سے شروع ہو گئی تھیں اور یکم مئی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۶ اپریل کو انبالہ میں ہسپتال اور گودام وغیرہ میں آگ لگی مگر باوجود کوشش مجرموں کا پتہ نہ لگ سکا۔ اپریل کے آخر تک، دہلی، لکھنؤ، میرٹھ وغیرہ میں بھی آگ کی وارداتیں

1. YADAV: Revolt in Haryana p. 45

ہونے لگیں۔ لکھنؤ میں صبح آٹھ بجے سپاہ کو پریڈ پر بلایا گیا، چاروں طرف مسلح گورہ فوج نے گھیر لیا، سامنے توپخانہ نصب ہوا، اور گولہ باری کے لیے مہتابیں روشن کی گئیں، زیادہ تر سپاہی جان بچانے کے لیے بھاگے تو اُن کا پیچھا کیا گیا۔

سپاہیوں نے ۳ مئی کو ہی کارتوس لینے سے انکار کر دیا تھا۔ لکھنؤ کے اخبار 'طلسم' نے یہ حالات مخصوص انداز میں بیان کیے ہیں اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یکم مئی سے پہلے ہی بغاوت کے آثار تھے۔ اور وہ ایک ڈاکٹر کی شرارت کا سبب تھا چنانچہ یکم مئی کے اخبار "طلسم" کے الفاظ یہ ہیں:

> "ظاہرا ڈاکٹر کی دوا نے یہ اثر دکھایا ہے بنگلہ بھی اُس کا جلا اس پر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ ہنگامہ مچایا ہے ڈاکٹر نے عمداً ہندو مسلمان کا ایمان بگاڑا تھا، دبے ہوئے فتنے کو اکھاڑا تھا"

یہ ڈاکٹر ویلس کا واقعہ ہے جو ملٹری سرجن تھا اور ایک فوجی ہسپتال میں دوا کی بوتل مُنہ سے لگا لی تھی جس پر فوجیوں میں شدید ناراضگی پیدا ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر کا بنگلہ جلا دیا گیا، وہ بمشکل جان بچا پایا۔

واقعہ اپریل ۵۷ء کا ہے لیکن دراصل انگریزوں کے خلاف مشتعل جذبات کا آئینہ دار ہے۔ ایسے واقعات لکھنؤ کے علاوہ اودھ کے تمام علاقوں میں ہوئے۔ کانپور اور ملیح آباد میں شورش کے نمایاں آثار پیدا ہوئے اور ہنری لارنس نے فوجی دستے روانہ کیے۔[1]

---

[1] 1. GUBBINS: Eighteen Fifty seven p. 179-184

FORREST: History of The Indian Mutiny vol.1 p. 175

"یہ فوجی شورش نہیں، قومی بغاوت بن چکی ہے...... یہ عوامی جنگ ہے اور ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں آج تک عوام کی اتنی کثیر تعداد نے حصہ نہیں لیا...... ہمیں یقین ہے کہ خواہ بغاوت دبا دی جائے یا نہ دبائی جائے لیکن یہ ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکل جانے کی پیش رو نقیب ہے"

ارنسٹ جونس (انگلینڈ)

باب ۲

بغاوت کا آغاز

دہلی، آگرہ، علی گڑھ اور میرٹھ ڈویژن

❁ اودھ

❁ کانپور

❁ روہیل کھنڈ

بغاوت کا آغاز

میرٹھ ــــ دہلی

تحریکِ ۵۷ء کی چنگاریوں کو شعلوں میں تبدیل کر دینے کا سہرا اگر میرٹھ کی دیسی سپاہ کے سر ہے تو اُس نقصان کی ذمہ داری بھی اُن ہی پر عائد ہوتی ہے جو مقررہ تاریخ سے قبل بغاوت شروع ہو جانے سے پہنچا۔ مورخوں کا اندازہ ہے کہ طے شدہ تاریخ ۳۱ مئی سے پہلے اچانک بغاوت شروع ہو جانے سے انقلابی راہ نماؤں کا پلان بکھر گیا اور انگریزوں کو اس کا فائدہ پہنچا۔

۲۳ اپریل سے میرٹھ میں بھی آگ لگنے کی وارداتیں شروع ہو گئی تھیں۔ اس دن کرنل کارمیچل اسمتھ کے خیمے میں آگ لگی جو یہاں نمبر ۳ نیٹو کیولری (سوار فوج) کا کمانڈر تھا۔ ساتھ ہی ہسپتال بھی آگ کی نذر ہوا۔ کارتوسوں پر دیسی سپاہ میں بے چینی پیدا ہو چکی تھی اور ایک شخص برج موہن کو اس کے استعمال پر لعنت ملامت کی جا چکی تھی۔ برج موہن ایک نچلی ذات اور کردار کا شخص تھا لیکن اسمتھ کی خانگی خدمت کر کے اس کا اعتماد حاصل کر چکا تھا۔ اُس نے دیسی سپاہ کو طعنہ دیا تھا کہ اُنھیں بھی یہی کرنا پڑے گا۔ دیسی سوار فوج نے عہد کیا

کہ وہ نئے کارتوسوں کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔

انگریزوں کو گمان یہ بھی تھا کہ بارک پور اور بہرام پور میں زیادہ تر ہندو سپاہی تھے جو عام طور پر فضول مذہبی توہمات میں مبتلا تھے لیکن میرٹھ میں چونکہ مسلمان سپاہی کافی ہیں اس لئے وہ ان فضول وہموں میں مبتلا نہیں ہوں گے اور کارتوس کاٹنا منظور کر لیں گے اس طرح دونوں فرقوں میں ایک خلیج بھی پیدا کی جاسکتی ہے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو پریڈ بلانے پر دوسرے انگریزوں نے اسمتھ کو آگاہ کیا کہ وہ پریڈ ملتوی کر دے، سپاہ کے بغاوت کر دینے کا اندیشہ ہے لیکن اسمتھ اپنی ضد پر قائم رہا اور دھمکی یا بغاوت کے خوف سے پریڈ ملتوی کرنے پر تیار نہ ہوا۔[1] ۲۴ اپریل کو دیسی سپاہ کے نوے افسر پریڈ پر آئے جن میں پچاسی افسروں نے کارتوس کاٹنے سے انکار کیا مگر ان کے عاجزانہ انکار نے انگریز افسروں کو چراغ پا کر دیا، تحقیقاتی عدالت مقرر کی گئی۔ جس کا مشاہدہ یہ تھا کہ دیسی سوار فوج نے رائے عامہ کے ڈر سے ایسا کیا ہے۔ اسی پر بس نہیں ہوا بلکہ کمانڈر انچیف کے حکم سے اُن کا کورٹ مارشل ہوا۔ اس فوجی عدالت میں نمائشی طور پر دیسی افسروں کو بھی مقرر کیا گیا تھا لیکن اُن کے نگران افسر اسپرٹینڈنگ افیسر کے طور پر ایک انگریز بٹھا دیا گیا۔[2] فیصلہ وہی ہونا تھا جو انگریز افسر چاہتے تھے، یعنی دیسی سپاہ کے پچاسی لیڈروں کو دس دس سال قید بامشقت ــــ ان ہندوستانی افسروں کی عمر بھر کی خدمات، اُن کی ضعیفی، اُن کا بہترین کردار، وفاداریاں، اچھا ریکارڈ غرض سب کچھ نظر انداز کر دیا گیا۔ صرف گیارہ آدمیوں کے ساتھ ان کے بوڑھاپے کے پیش نظر سزا میں کسی قدر نرمی کر دی گئی۔ ایک انگریز ہیوگف، جو اس موقعے پر موجود تھا، یہاں تک کہتا ہے کہ:

لے 1. FORREST: History of the Indian Mutiny Vol.1 p.32

SEN: Eighteen Fifty Seven p.56

لے۲ 2. COUGH: Old Memories pp. 12-13

"بوڑھے سپاہیوں کو عمر قید اور جلاوطنی کی سزائیں تجویز کی گئیں۔ باقی کے لئے پندرہ، بیس اور کم سے کم دس سال قید" [1]

سرکاری یادداشتوں اور کاغذات سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ سپاہیوں نے اپنے بے قصور سزا پانے پر دلائل پیش کرنے کی لاکھ کوشش کی مگر کچھ نہ سنی گئی۔ ایک سپاہی قدرت علی نے تو بر سر عدالت جنرل اسمتھ سے چند سوالات کیے۔ جنرل ہیوٹ کا بیان ہے کہ "نہ کارتوسوں کے معاملے میں غلطی تسلیم کی گئی، نہ افسوس کا اظہار کیا گیا اور نہ ہمدردی روا رکھی گئی۔ میں نے بعض ایسے سپاہیوں کی سزا کم کر دی جنگی ملازمت کو ابھی پانچ سال بھی نہ ہوئے تھے" [2]

۹ مئی ۱۸۵۷ء کو صبح تمام بریگیڈ کو پریڈ کے میدان میں جمع کیا گیا تاکہ اُن پچاسی مجرموں کا تماشا بنا کر سب کو دکھایا جائے۔ اس دوران میں روزانہ رات کو سرکاری دفتروں اور فوجی عمارتوں میں آگ لگنے کی وارداتیں (۹ مئی تک) ہوتی رہیں۔ فوجیوں میں خفیہ مشورے بھی ہوئے۔ بعض شہر کے عوام بھی اُن میں شریک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مشورے کالی پلٹن کے مندر اور شاہ پیر صاحب کے مقبرے میں ہوتے تھے۔

غرض یہ کہ ۹ مئی کو گورہ فوج اور توپ خانہ دیسی سپاہ کو گھیرے میں لے کر کھڑا کیا گیا۔ فیصلہ سنایا گیا، پچاسی ہندوستانی افسروں کی وردیاں پھاڑ دی گئیں، ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا دی گئیں، فوجی نشانات اور ہتھیار چھین لئے گئے اور حقارت سے جیل بھیج دیا گیا۔ انگریز مورخ مارش مین کا کہنا ہے کہ "اُن میں سے بعض تو تمام فوج کی ناک تھے اور کئی کئی معرکوں میں برٹش سلطنت کی خدمات انجام دے چکے تھے۔ بوڑھے سپاہیوں نے رو رو کر جنرل سے رحم کی درخواست کی کہ اس ذلت سے معافی دی جائے۔ اب سپاہیوں کے دلوں میں اپنی

۱؎ 1. COUGH (Hugh): Old Memories. p17

۲؎ 2. Further Papers quoted by Sen p. 57

ذات بگڑنے کا ہی وسوسہ نہیں رہا تھا بلکہ ساتھ ہی غصے کی آگ بھی یہ دیکھ کر بھڑک اُٹھی تھی کہ اُن کے بیڑے والوں کو بدمعاشوں کی طرح جیل بھیج دیا گیا"۔[1] ہندوستانی سپاہی چُپ چاپ یہ تماشا دیکھتے اور پیچ وتاب کھاتے رہے۔ گورہ فوج کی سنگینیں گھیرے ہوئے تھیں اور توپ خانہ سامنے! ـــــ مگر جب وہ اپنے گھروں پر پہنچے، یا تفریح کے لئے صدر بازار میں نکلے تو عورتوں کا جذبۂ غیرت اُبل پڑا۔ اُنھوں نے کہا:

"تم مرد ہو؟ ـ تم سے تو ہم عورتیں اچھی۔ تم کو شرم نہیں آتی کہ تمھارے سامنے تمھارے افسران کے ہتھکڑیاں پڑیں اور تم کھڑے دیکھا کئے؟ تم سے کچھ نہ ہو سکا ـــــ !! ـ لو یہ چوڑیاں پہن لو اور ہتھیار ہمیں دو، ہم افسران کو چھڑائیں گے"۔ [2]

مشہور ہے کہ صدر بازار کی طوائفوں نے بھی سپاہیوں کو غیرت دلائی اور کہا کہ "تم مرد نہیں ہو۔ اگر تم مرد ہوتے تو انگریزوں سے جنگ کرتے۔ تمھارے ساتھی جیل میں ہیں اور تم مکھیاں مارتے پھر رہے ہو۔ لعنت ہے تمھاری زندگی پر" [3]

اچانک اور قبل از وقت

تمام رات سپاہ اور شہر کے لوگوں میں مشورے ہوئے اور فوراً بغاوت کا پروگرام بنا لیا گیا۔ رجمنٹ نمبر ۲۰ کا اصرار تھا کہ انگریزوں کا قتلِ عام ہو مگر باقی سپاہی اس کے حق میں نہ تھے۔ رات تو انہی بحثوں میں بیت گئی مگر صبح انگریزوں کی موت کا پیغام لے کر آرہی تھی اور وقت کی کہانی اب اُن کے خون کی سُرخی سے لکھی جانے والی تھی۔

بعض انگریز افسروں کو ۹ مئی کی شام کو ہی یہ خبریں ملیں کہ اگلے دن بغاوت کا امکان ہے

---

[1] مارشِ مین: تاریخ ہند، مترجم ہاشمی فرید آبادی ۲۹۵

[2] ظہیر دہلوی: داستان غدر

[3] رُوحانی کمیٹی: باغی میرٹھ۔ ۲۵۱ و ساورکر۔ ۱۱۱۔ بحوالہ وِلسن رپورٹ

لیکن انھوں نے تمسخر اور حقارت سے سُنا کیونکہ اُنھیں معلوم تھا کہ میرٹھ ہی وہ مقام ہے جہاں سب سے زیادہ گورہ فوج اور ان کی حفاظت کے کافی انتظامات موجود تھے۔ اُدھر سپاہیوں کو یہ افواہیں سننے کو ملیں کہ باقی سپاہیوں کے لیے دو ہزار ہتھکڑیاں تیار ہیں اور اُن کا حشر بھی وہی ہوگا جو پچاسی افسروں کا ہوا۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کے سورج نے بھی اپنا سفر تمام کیا، انگریز اطمینان سے اتوار منا رہے تھے، شام کو گرجوں کی گھنٹیاں بجیں، تمام انگریز وہاں جمع ہو گئے۔ اگر ہندوستانی عوام اور سپاہی اس وقت گرجے پر حملہ آور ہوتے تو انگریز افسران کو بیک وقت آسانی سے ختم کر سکتے تھے لیکن وہاں حملہ نہ کر کے جیل خانے کی طرف بڑھنا ان کے مقصد کو واضح کرتا ہے۔ پھر یہ کہ جیل کے افسران سے بھی کوئی مار پیٹ انھوں نے نہیں کی۔ [۱]

۱۰ مئی کی شام کے پانچ بجے اچانک بغاوت شروع ہو گئی (نمبر ۳ سوار فوج کے سپاہی (تقریباً نوّے) اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر پرانے جیل خانے[۲] پہنچے اور اپنے ساتھیوں کو آزاد کر دیا، ان کے ساتھ ہی تمام قیدی (چودہ سو) رہا ہو گئے۔ پیدل فوج نمبر ۲۰ این آئی نے بھی پریڈ گراونڈ میں فوراً بغاوت شروع کر دی، نمبر ۱۱ این آئی نے ان کا ساتھ دیا۔ شہر اور صدر کے عوام ان کے ساتھ شامل ہو گئے رات ہوتے ہوتے یعنی تین چار گھنٹے کے اندر قریبی دیہات کے عوام شہر میں انگریزوں کا قتل عام کرنے کے لیے داخل ہو گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب سوار فوج کے سپاہی اپنے ساتھیوں کو چھڑا کر واپس چھاؤنی میں آئے تو وہ گھوڑوں سے نہ اُترے بلکہ اپنے ساتھیوں کو بغاوت کی دعوت دعوت دی جس پر نمبر ۱۱ اور ۲۰ رجمنٹیں مسلح ہو کر اُن سے آملیں دوسری روایت یہ ہے کہ نمبر ۲۰ رجمنٹ نے بغاوت کی ابتدا کی اور دوسروں کو شرکت کی دعوت دی۔ نمبر ۱۱ رجمنٹ کے سپاہی کرنل فنس کے پاس گئے اور اسلحہ طلب کیے۔ اُس نے اسلحہ نہ دیئے بلکہ پریڈ گراونڈ پر بلا کر اُن کو دھمکیاں

---

[۱] حسن نظامی: دہلی کی جانکنی ۲۰

[۲] پرانا جیل خانہ میرٹھ کی موجودہ قیصر گنج منڈی میں تھا

دینا شروع کر دیں جس پر ایک سپاہی کی گولی نے فلنس کو خاک میں ملا دیا۔ کرنل اسمتھ ادھر اُدھر بھاگا پھرا، پہلے کمشنر کے پاس پھر بریگیڈیر کے اور پھر جنرل کمانڈنگ کے پاس۔ دوسرے انگریز افسران میں میجر ٹومبس، ہیوگف، جونس اور آرچ ڈیل وِلسن بریگیڈیر وغیرہ تھے جنھوں نے جان بچائی اور بعد میں دہلی کی جنگوں میں حصہ لیا۔ بعد میں جو انگریزوں کے لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوا اس میں سپاہیوں نے نمایاں حصہ نہیں لیا اور یہ کام انگریزی خون کے پیاسے دیہاتی اور شہری عوام نے انجام دیا۔ ایک ہندوستانی سپاہی نے بازار میں گھومتے ہوئے انگریز سپاہیوں سے بھاگ جانے کے لئے کہا۔ تین ہندوستانی سپاہی جنرل گف کو سوار فوج کی چھاؤنی میں حفاظت سے پہنچانے گئے لیکن ساتھ ہی، جب گف نے اُنھیں اپنے ساتھ ٹھہرنے کے لئے بے حد اصرار کیا تو آخری سلام کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔ اُنھوں نے صاف کہا کہ اب اُن کی ڈیوٹی اپنے ساتھیوں میں ہے چاہے مریں یا جئیں، وہیں واپس جائیں گے۔ یہ انگریز جنرل ہیوگف، جس نے اپنی یادداشت کتابی صورت میں "پرانی یادیں" (Old Memories) کے عنوان سے لکھی، اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے (ص ۳۸ - ۳۹):

> "اس کے بعد میں نے اپنے دوست ہندوستانی افیسر کو کہیں نہیں پایا۔ میں اس کا نام جانتا ہوں، اودھ کے ایک ضلعے میں اس کا گھر بھی ڈھونڈ نکالا مگر اس کا کہیں پتہ نشان نہ ملا۔ میں یہی نتیجہ نکال سکتا ہوں کہ وہ دہلی میں باغیوں کے ساتھ رہا اور وہیں اس کی موت ہوئی۔" [1]

"مارو فرنگی کو!"

چشم دید بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ نمبر ۳ سوار فوج کے سپاہی جب جیل کی طرف گئے تو نمبر ۲۰ اور ۱۱ این آئی کی سپاہ پریڈ گراؤنڈ پر

---

[1] COUGH: Old Memories pp. 38-39

نکل آئی۔ اُن کا کمانڈر جنرل فنس پھُرتی سے سامنے آیا اور اُنھیں سمجھانا شروع کیا لیکن اسی دوران میں نمبر ۳ کا ایک سوار آیا اور اعلان کیا کہ "گورہ فوج اِدھر آرہی ہے" یہ سُن کر انتشار پھیل گیا اور ایک جوان نے فنس پر گولی چلادی۔ اندازہ یہ ہے کہ نمبر ۲۰ رجمنٹ کے سپاہی نے گولی چلائی۔ باقی نے اپنے افسروں کو نہیں مارا۔ گف کا بیان ہے کہ "ہمارے ایک بھی افسر کی جان ہمارے اپنے سپاہیوں نے نہیں لی"۔ وزیر علی خاں (ڈپٹی کلکٹر) نے اپنے بیان میں بتایا کہ اگرچہ شہر میں پوری رات لوٹ مار ہوتی رہی لیکن عام شہرت صدر اور شہر میں یہ تھی کہ سپاہیوں نے اُس میں قطعی حصہ نہیں لیا، اُنھوں نے صرف انگریزوں کے بنگلوں میں آگ لگائی اور اُنھیں قتل کیا۔ ایسی بھی مثالیں موجود ہیں کہ سپاہیوں نے لُوٹ مار کرنے والوں کو بھگایا اور مظلوموں کی جان بچائی[1]۔ ہر طرف سے اس ہنگامے میں ایک ہی آواز آتی تھی ــــ "مارو فرنگی کو" ــــ شہری اور دیہاتی عوام اپنے لوٹے پھوٹے ہتھیار لے کر ہزاروں کی تعداد میں نکل آئے تھے، بقول ہیوگف:

"شہروں اور دیہاتوں کے بھٹوں سے بے شمار ہندو اور مسلمان نکل کر آگئے اور انگریزوں کے ساتھ درندوں کا سا کام کر رہے تھے"۔

باغی سپاہی اور شہر کے عوام جوش و غصے سے پاگل ہو چکے تھے۔ صرف ایک ہی آواز تھی جو اُن کے کھولتے ہوئے خون کی ترجمانی کر رہی تھی ــــ "مارو فرنگی کو" ــــ دہلی اور میرٹھ کے درمیان ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے گئے، ریلوے لائنوں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سپاہ اور عوام کے یہ اُبلتے جذبات، یہ جوش، یہ دیوانگی کیا صرف نئے کارتوسوں کی خاطر تھی؟

میگزین پر ہجوم

ایک روایت یہ ہے کہ ۱۰ مئی کی شام کو ساڑھے پانچ بجے جب انگریز افسروں کو گڑبڑ کی خبر ملی تو فوراً چھاؤنی میں آئے یہاں سب سپاہی خاموش تھے مگر بعض نے اُن سے کہا کہ "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ گورہ فوج ہم سے ہتھیار لینے

لے 1. SEN: pp. 61-62

آرہی ہے اور نمبر ۲۰ رجمنٹ کے میگزین پر قبضہ کرے گی" افسران نے اُنھیں اطمینان دلانا شروع کیا۔ جب یہ انگریز افسر میگزین کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ شہر و صدر کے عوام کا بڑا ہجوم وہاں جمع ہے۔ کیپٹن ٹیلر نے کمپنی گرانڈیل کو حکم دیا کہ لاٹھیوں سے منتشر کر دے مگر کمپنی نے تعمیل نہ کی۔ چند منٹ بعد اُنھوں نے دیکھا کہ سپاہی اپنی بندوقیں لیئے بھاگے جا رہے ہیں وہ اُنھیں چھاؤنی میں واپس آنے کی ہدایت کر ہی رہے تھے کہ رسالہ نمبر ۳ کا ایک سوار دوڑتا ہوا چھاؤنی میں گیا اور پکار کر اعلان کیا کہ "دیکھو انگریز لوگ آرہے ہیں اگر سپہ گری کا کچھ پاس ہے تو آؤ اور جو کچھ کرنا ہے ایک بار کرلو" شہری عوام نے اس کی پرزور تائید کی، سپاہی اپنی بارکوں سے نکل آئے اور یہاں کرنل فنس گولی کا نشانہ بنا۔ اس کے بعد کیپٹن میکڈانلڈ اور ٹریگر (مہتمم مدارس) کو بھی قتل کیا گیا۔ [1]

موقعے سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار کرنے والوں نے کسر نہ چھوڑی، جن میں زیادہ تر قریبی گاؤں کے گوجروں کے علاوہ قید سے چھٹے ہوئے بدمعاش اور شہر کے بدقماش لوگ شامل تھے۔ شہر کی پولس اُن کے ہمراہ ہوگئی۔ لٹیروں نے اپنے پرائے کی تمیز روا نہ رکھی اور بہت سے ہندوستانی بھی اُن کی دست درازیوں کا شکار ہوئے۔ انگریز مقتولوں میں سب سے زیادہ دردناک قتل مسز چیمبرز کا ہوا جو حاملہ تھی۔ بعض افسروں کو مار کر قتل کر دیئے گئے۔ بعض انگریز مثلاً میکینزی، کیپٹن کریگی وغیرہ اپنی اپنی دیسی سپاہ کی چھاؤنیوں میں پہنچے تو سپاہ نے اگرچہ اُن کی جان نہیں لی مگر اُن سے صاف الفاظ میں چلا کر کہا:

"یہاں سے بھاگ جاؤ۔ کمپنی کا راج ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا"۔ [2]

---

[1] رُدحانی کمیٹی (میرٹھ): باغی میرٹھ / ۲۳

[2] 2. McKENZIE: Mutiny Memories pp. 12-13
SEN: pp.61-63

شریفانہ برتاؤ دس مئی کی رات میں انگریزوں کا ہولناک قتلِ عام ہوا، ان کی عورتیں رات کی تاریکی میں اِدھر اُدھر بھاگیں۔ کچھ عورتوں اور بچوں نے توپ خانے میں پناہ لی جہاں ان کی حفاظت کا انتظام تھا۔ رات میں یہاں بھی حملہ کی ناکام کوشش کی گئی لیکن ساتھ ہی ایسی بے شمار مثالیں ہیں کہ انقلابی عوام نے عورتوں کو بچانے کی کوشش کی۔ انگریزوں نے خود اپنے بیانات میں بتایا ہے کہ اگرچہ زبردست تباہی و بربادی کی گئی مگر عورتوں اور بچوں کو سپاہیوں نے ہاتھ نہیں لگایا[1] کمشنر کے جمعدار گلاب خاں نے گرتھہڈ کے گھر والوں کو جلتی آگ سے نکالا۔ چوکیدار نجبا ورنے مسز میکڈانلڈ کو بچانے کے لیئے اپنی جان خطرے میں ڈالی مگر کامیاب نہ ہوا لیکن اس کے بچوں کو حفاظت کی جگہ میں پہنچا دیا مسز کورٹینی کی جان نمبر ۳ سوار فوج کے سپاہیوں نے بچائی۔ اصغر علی کے بنگلے میں رہنے والے کرایہ دار عیسائیوں پر حملہ ہوا مگر اس نے جان پر کھیل کر اُن کی حفاظت کی۔ انگریزوں کے چشم دید بیانات میں کہا گیا ہے کہ اگر مقامی ہندوستانیوں نے اس طرح سے سیکڑوں کی جانیں نہ بچائی ہوتیں تو تباہی اور قتل و غارت کا کچھ ٹھکانہ نہ رہتا۔ میلیسن نے بھی تباہی بیان کرتے ہوئے شریفانہ برتاؤ کی چند مثالیں دی ہیں۔

میرٹھ کی عوامی بغاوت مشہور مورخ ایس۔ بی چودھری کا اندازہ ہے کہ:

"میرٹھ کے عوام نے بغاوت میں پورے ملک کے مقابلے میں زیادہ نمایاں حصہ لیا۔"[2]

کمشنر میرٹھ فلیٹ وڈ ولیم اپنی رپورٹ میں کہتا ہے:

"عوام عیسائیوں کو برباد کرنے پر تُلے ہوئے تھے اور اس قدر اُن کے خون کے

---

1. Annals of Indian Rebellion pp. 105-107
   SEN: p. 64
2. CHAUDHURI: Civil Rebellion 1857 p. 64

پیاسے تھے کہ سوائے قتل کے کسی طرف راغب نہ تھے"۔

بعض رپورٹوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مقتول انگریز افسروں کے جسم کو بھی بے عزتی اور پامالی کا نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا گیا۔ پرگنہ بڑوت کے بارے میں لکھا ہے :

"پوری آبادی بغاوت پر کھڑی ہو گئی تھی۔ دیہاتیوں کو جمع کرنے کے لیے چاروں طرف ڈھول بجائے گئے اور ہجوم بڑھتے چلے آتے تھے" [1]

آس پاس کے دیہاتوں میں مثلاً سردھنہ، بنادر وغیرہ میں تحصیل پر حملے اور جیل توڑنے کے واقعات ہوئے۔ میرٹھ کا کوتوال کشن سنگھ انقلابیوں کے ہمراہ رہا اور رلیواڑی کے تلارام سے مل گیا۔ باغپت اور بڑوت میں جاٹ آبادی شاہ مل سنگھ کی راہ نمائی میں بغاوت میں شریک تھی۔ پریچھت گڈھ، اکل پورا اور بجرول میں زبردست عوامی بغاوت تھی۔ گرڈھی نامی گاؤں بغاوت کا خاص مرکز تھا جس کی تمام مرد آبادی کو بعد میں انتقام لینے کے لیے قتل کیا گیا۔ ان علاقوں کے لیڈر زبریت سنگھ۔ ناظم خاں اور کدم سنگھ وغیرہ تھے۔ مغربی اور جنوبی سمت کے گاؤں میں عوام نے اعلانیہ بہادر شاہ کی حمایت کا اعلان کیا اور ایک بار جب انگریزی فوج بسودھ نامی گاؤں سے گذری تو عوام کے مسلح ہجوم نے اس پر فائر کیے۔ [2] گھاٹ پانچلی کے جو گوجروں کا گاؤں تھا، تمام بالغوں (مردوں) کو گولی سے اڑا دیا گیا۔ [3]

فوج میں سازش تھی؟

میلیسن نے پوری تحقیق کے بعد اپنی کتاب میں میرٹھ کے بارے میں لکھا ہے کہ اگرچہ بغاوت کے وقت مولوی (احمد اللہ شاہؒ) یا اُس کے ساتھی غالباً موجود نہیں تھے مگر اُنھوں نے فوج کی تمام جنٹوں

---

1. CHAUDHURI: p. 64
2. CHAUDHURI: p. 65
3. روحانی کمیٹی : باغی میرٹھ /۳۰

میں کیٹیاں بنادی تھیں جو اپنا کام کر رہی تھیں۔ انہی کے آدمیوں نے آٹے میں ہڈیاں پیس کر ملائے جانے کی افواہ پھیلائی اور نئے کارتوسوں کے بارے میں معلومات دیسی سپاہ کو فراہم کی[1]۔ واضح رہے کہ فوج میں کیٹیاں بنانے کی تصدیق جے سی ولسن کی رپورٹ سے بھی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور انگریز افسر رابرٹ ہنری ویلیس ڈنلپ جس نے اپنے چشم دید مشاہدات کتابی صورت میں بیان کئے اور میرٹھ کے قرب و جوار کے حالات لکھے ہیں، اعتراف کرتا ہے کہ بغاوت کے لئے سازش پہلے سے موجود تھی[2]۔ اسی کتاب میں وہ نگینہ ضلع بجنور کے تحصیل دار نواب احمد اللہ خاں کے یہ الفاظ بھی نقل کرتا ہے جو اُنھوں نے یکم مئی ۵۷ء کو ایک انگریز سے کہے (ص ۱۵۴) :

"اس بار ہم کامیاب ہوں گے کیونکہ یہ کام اب لائق ہاتھوں میں ہے۔"

یہی انگریز ایک جگہ یہ بھی بتاتا ہے کہ شاہ دہلی کے دفتر سے جو خطوط برآمد ہوئے اُن میں متعدد خط باغیانہ سازش اور اسکیم پر روشنی ڈالتے تھے جو میرٹھ پر حملے کے لیے تھیں۔ یہ خط ولسن کے دیسی رسالے کے افسر قائم خاں نے لکھے تھے (ص۔ ۷۰)

دہلی چلو ۔۔۔!

میرٹھ کے عوام تو یہاں انگریزوں کے خون سے اپنی سو سالہ پیاس بجھاتے رہے اور باغی فوج پروگرام کے مطابق رات ہی میں دہلی کی طرف مارچ کرنے لگی۔ مختلف راستوں سے ان کی مختلف پیدل اور سوار ٹولیاں یکے بعد دیگرے روانہ ہونے لگیں۔ انگریزوں کو کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں گئے کیونکہ اب سپاہی میرٹھ میں کہیں نظر نہ آتے تھے اور یہ بات انگریزوں کی پریشانی اور حیرانی میں اور

۱۔ 1. MALLESON: Indian Mutiny of 1857 p 66
Khaki Risala p. 52-54

۲۔ 2. DUNLOP (R.H.W): Services and Adventures with

SEN: p.67

بھی اضافہ کر رہی تھی۔ آٹھ نو گھنٹے بعد انھیں یہ پتہ چل سکا کہ سپاہی دہلی گئے ہیں۔ اب پیچھا کرنا بیکار تھا بلکہ اب دہلی کو اطلاع بھی نہ دی جا سکتی تھی کہ اُن پر کیا قیامت نازل ہونے والی ہے۔ انقلابی سپاہ آہستہ آہستہ دہلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ واقعات کا ربط برقرار رکھنے کے لیئے پہلے ہم دہلی پر نظر ڈالیں گے اور میرٹھ[1] کے قرب و جوار کے علاقوں کا حال بعد میں بیان کریں گے۔

---

[1] میرٹھ میں ۱۴ مئی ۱۸۵۷ء کو رڑکی سے سفر مینا کی چھ کمپنیاں آئیں جن کو ہتھیار رکھنے کا حکم دیا گیا۔ دو کمپنیوں نے انکار کیا اور اپنے افسر کو گولی سے مار دیا۔ ان کا پیچھا کر کے پچاس سپاہی مار ڈالے گئے اور کچھ گرفتار ہوئے۔ شہر میں پھانسیوں کا بازار گرم ہوا تو خونی پل، خیر نگر گیٹ کے پورا ہے پر پھانسیاں لگا دی گئیں۔ گھنٹہ گھر کے سامنے کھبنیسالی مندر کے قریب درختوں پر، منو خاں کے چوک وغیرہ میں دن رات پھانسیاں دی گئیں۔

دہلی

مغل شہنشاہوں کا آخری بے دست و پا وارث بہادر شاہ ظفر اپنے اجداد کی قیام گاہ لال قلعے میں رہتا تھا اور آبائی عظمت کی یادگار کے طور پر 'بادشاہ غازی' کا لقب اس کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا لیکن وہ غریب عملی اور نظری اعتبار سے نہ بادشاہ تھا نہ غازی۔ وہ اگر کچھ تھا تو بڑھاپے میں اپنی جوان چہیتی بیگم زینت محل کا ایک عاشق زار شوہر، ایک شاعر اور ہر طرح سے انگریز حاکموں کا ایسا مجبور محکوم جس کو لال قلعے سے نکلنے کا بھی اعلان آخر کار سنایا جا چکا تھا۔ [1]

---

[1] لیکن اس کے باوجود مغل سلطنت کے خاتمے کے بعد بھی ہندوستانی ریاستوں میں رائج سکوں پر مغل بادشاہ کا نام بدستور رہا مثلاً ہلکر کے شاہی سکوں پر شاہ عالم ثانی کا نام ٹوکوجی راؤ ثانی (1844-86) کے عہد تک موجود تھا۔ اسی طرح گوالیار کے سکے پر اکبر شاہ ثانی کا نام ۱۸۸۶ء تک تھا۔ (سپین/ ۶۷)

تحریک ۱۸۵۷ء کے لئے جو خفیہ تیاریاں ہو رہی تھیں ، دہلی یقیناً اس کا مرکز رہا ہوگا چنانچہ اپریل ۵۷ء میں نانا صاحب، عظیم اللہ اور مولانا احمد اللہ شاہؒ کے دورے کی تصدیق تو تاریخ کے صفحات پیش کرتے ہیں لیکن دوسرے انقلابی راہ نماؤں کی سرگرمیاں ، جو اگرچہ برابر جاری رہی ہوں گی، ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ میرٹھ کی اچانک بغاوت کی دہلی میں کوئی اطلاع نہیں تھی لیکن اندازہ ہے کہ میرٹھ کے فوجی نامہ بر دس مئی کو ہونے والی بغاوت اور فوجیوں کے پہنچنے کی اطلاع دے چکے تھے۔ مسٹر ہیریاٹ اور جج ایڈوکیٹ جنرل نے دستاویزوں کا معائنہ کرنے کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ بہادر شاہ نہ سہی مگر قلعے کے بعض منتخب ذمہ داروں کو اس تمام سازش کا علم تھا بغاوت سپاہ تک محدود نہیں تھی اور صرف سپاہ نے شروع نہیں کی بلکہ تمام دہلی شہر اور قلعے میں اس کے اثرات تھے (مقدمہ بہادر شاہ)

مسٹر ایس بی چودھری کا خیال ہے کہ واقعات یکے بعد دیگرے جس تیزی سے عمل میں آئے اُن کا تصور اور تشریح دہلی اور میرٹھ کے درمیان اس پوشیدہ رابطے کے بغیر ممکن نہیں [1] ساورکر کا کہنا ہے کہ میرٹھ کی سپاہ کے پہنچنے سے کچھ ہی پہلے دہلی میں یہ خبر آ چکی تھی۔ مقدمہ بہادر شاہ کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اطلاع اس سے بھی پہلے ملی تھی کہ اگر کارتوسوں پر ہنگامہ ہوا تو میرٹھ کے سپاہی دہلی کی فوج سے آ ملیں گے اور یہ سازش ایک ہندوستانی افسر کے ذریعے عمل میں آنا تھی (جاٹ مل کا بیان)۔ اپریل ۵۷ء کے شروع میں جامع مسجد کے دروازے پر ایک اشتہار چسپاں کیا گیا جس پر ڈھال اور تلوار بنی ہوئی تھی اس میں مسلمانوں سے جہاد کی اپیل کی گئی تھی۔ مکند لال نے مقدمہ بہادر شاہ میں بیان دیا کہ بغاوت سے تقریباً بیس دن قبل یہ اطلاع آئی تھی کہ میرٹھ میں بغاوت ہونے والی ہے۔ مقدمہ بہادر شاہ

1.CHAUDHURI: p. 66 ؁

میں حکیم احسن اللہ نے اپنے بیان میں دیسی سپاہ کی ہمہ گیر سازش کا ذکر کیا ہے اور بہادر شاہ کو اِس سے باخبر بتایا ہے ۔

انقلابی سپاہی دہلی میں

۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کا سورج بلند ہونے بھی نہ پایا تھا کہ میرٹھ کے انقلابی سپاہیوں کی ایک ٹولی کا عکس جمنا میں نظر آنے لگا ــــ "جمنا جی کی جے" ــــ کا نعرہ لگا کر اُنھوں نے پُل پار کیا، یہاں کے انگریز انچارج کو قتل کیا اور قلعے کی فصیل کے نیچے آ گئے۔ شہر پناہ کے دربانوں نے بخوشی دروازے کھول دیئے اور اُن کی ہمراہی کا اعلان کیا۔ جیسے کہ وہ اس کے انتظار میں ہی تھے۔ انگریز جہاں کہیں دروازوں پر تھے، موت کے گھاٹ اتر گئے اور باغی سپاہ کے گروہ راج گھاٹ دروازے، کشمیری دروازے، اور دہلی دروازے سے "دین دین" کے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہو گئے۔ شہر کے ہندو مسلم عوام نے اُن کی خاطر مدارات کی، قلعہ سلیم گڑھ پر جو توپچی فلیتے جلائے بیٹھے تھے اُنھوں نے فلیتے پھینک دیئے اور ہتھیار لے کر ساتھ ہو گئے ۔

دہلی میں ۱۱ مئی کی صبح کو معمول کے مطابق سرگرمیاں شروع ہو چکی تھیں۔ گرمیوں میں چونکہ اسکول کالج صبح کھلتے تھے اس لئے دہلی کالج کا پروفیسر رام چندر، جس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، کالج جا چکا تھا۔ نواب جھجر کا کارندہ کاشی پرشاد حسب معمول صبح کو گھوڑے کی سواری پر نکلا، جیون لال اپنا روزنامچہ (ڈائری) لیکر کیپٹن ڈگلس سے ملنے گیا اور پھر کچہری چلا گیا۔ پہاڑ گنج کا تھانہ دار معین الدین بھی کلکٹری عدالت میں ایک مقدمے کے سلسلے میں پہنچا ہوا تھا۔ دہلی کا کمشنر سائمن فریزر ابھی بستر سے نہ اٹھا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ رات سے شراب کے نشے میں مست پڑا تھا

انقلابی سپاہی لال قلعے کے سامنے

انقلابی سوار سپاہی جو سب سے پہلے دہلی پہنچے تھے، لال قلعے کے جھروکے

کے نیچے آئے، یہ تقریباً تیس چالیس تھے، بعض کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں، بعض کے پستول اور کارتوس۔ ان کے ہمراہ کچھ سائیس بھی تھے جن کے سروں پر گٹھریاں تھیں اکثر وردی میں تھے اور بعض بغیر وردی کے۔ انھوں نے باقاعدہ بادشاہ کو سلامی دی شور مچانا شروع کیا:

"دہائی ہے بادشاہ سلامت کی۔ ہم دھرم کی جنگ میں مدد کے طلب گار ہیں۔"

یہاں روایتیں مختلف بیان کی جاتی ہیں۔ ظہیر دہلوی کے بیان کے بموجب حکیم احسن اللہ نے تسبیح خانے میں آکر سواروں سے بات چیت شروع کی۔ چند سوار زیر جھروکہ آکر کھڑے ہو گئے، گھوڑوں سے اترے اور بادشاہ کو مخاطب کیا:

"حضور آپ دین دنیا کے بادشاہ ہیں تمام ملک آپ کا فرماں بردار ہے....."

انھوں نے اپنی خدمات، انگریزوں کی دغابازیاں، میرٹھ کے حالات اور کارتوسوں کا واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ کے جو الفاظ اس کے جواب میں ظہیر دہلوی نے نقل کئے ہیں وہ یہاں کی گفت گو معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جھروکے میں بہادر شاہ نہیں آئے۔ بلکہ ڈوگلس نے بات کی۔ بادشاہ کی بات چیت دیوان خاص میں انقلابی سپاہ سے بعد میں ہوئی ہوگی۔ یعنی:

"سنو بھائی! مجھے بادشاہ کون کہتا ہے۔ میں تو فقیر ہوں، ایک تکیہ بنائے اپنی اولاد کو لیے بیٹھا ہوں، بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی، سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی.... میرے پاس خزانہ نہیں کہ تم کو تنخواہ دوں، فوج نہیں کہ تمھاری مدد کرسکوں، ملک نہیں کہ تحصیل کے لئے نوکر رکھوں۔ ہاں یہ کرسکتا ہوں کہ انگریزوں سے تمھاری صلح

کرادوں ...."

حکیم احسن اللہ نے اپنی یادداشت میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ انقلابی سپاہ کے شہر میں داخل ہو جانے کے بعد پچاس باغی سپاہی اور بڑی تعداد میں سوار فوج کے لوگ اچانک دیوان خاص میں آئے اور کہا کہ "ہم دین کے لئے جنگ کرنے آئے ہیں اور بادشاہ کو سلام کرنا چاہتے ہیں" چھاؤنی سے ایک رجمنٹ آئی، اس نے بھی یہی کہا۔ بادشاہ باہر آئے اور یہ گفتگو کی[1]۔ بہرحال، جھروکے پر اس درمیان میں قلعے کا کپتان ڈوگلس یا کمشنر فریزر آئے اور باغی سپاہ سے کہا:

"کیا یہی تمھاری نمک خواری ہے کہ ہم نے تمھیں پرورش کیا اور آج تم ہمارے مقابلے کو تیار ہو"

باغیوں نے جواب دیا ــــــ "کوئی شک نہیں، ہم کو سرکار نے پالا اور پرورش کیا مگر ہم نے آج تک نمک حرامی نہیں کی، جہاں سرکار نے جھونک دیا ہم آگ اور پانی میں آنکھیں بند کرکے کود پڑے، کابل پر ہم گئے، لاہور ہم نے فتح کیا، کلکتے سے کابل تک ہم نے جانیں دیں۔ اب جبکہ سرکار کا قبضہ ہوگیا تو ہمارے دین کے درپے ہوئی ہے۔ ہم کو مرجانا قبول ہے مگر بے دین ہونا نہیں" ــــــ فریزر نے قسمیں کھا کر یقین دلانا چاہا کہ ہم انصاف کریں گے مگر جواب ملا:

"غریب پرور ــ! ہم کو سرکار کے قول پر بھروسہ نہیں جس نے اکثر جگہ

---

[1] احسن اللہ کی یہ یادداشت اصلی حالت میں دستیاب نہیں، اس کا ترجمہ جو ایک انگریز افسر نے کیا، انڈیا آفس کی لائبریری لندن میں مورخ جون کے فائلوں میں ہے اور پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے رسالے (جنوری ۱۹۵۸ء جلد ۶ حصہ اول) میں میموئرز آف حکیم احسن اللہ کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔

دھوکا دے کر ملک گیری کی ہے۔ آج ہم اطاعت کریں گے اور کل ہم کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ ہم کو بھنگی کے ہاتھ پھانسی پانے سے تلوار سے مرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

یہی تکرار تھی کہ ایک بپھرے ہوئے سپاہی نے فریزر پر گولی چلا دی مگر وہ تسبیح خانے کے ستون پر لگی اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گرا جو آج بھی اسی طرح موجود ہے۔ فریزر خوف زدہ ہو کر قلعے کے اندر بھاگ گیا اور باغی سوار راج گھاٹ دروازے سے شہر میں داخل ہوئے۔[1]

مقدمہ بہادر شاہ میں بیانات اور دیگر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ فریزر نہیں بلکہ کپتان ڈوگلس باغیوں سے گفتگو کرنے آیا اور اُسے بہادر شاہ نے بلوایا تھا اگر باغی سپاہ کے قریب جانے سے منع کیا تو اُس نے اُوپر ہی سے بات کی۔ یہ سواروں کا پہلا دستہ تھا۔ ساورکر کا کہنا ہے کہ تقریباً دو ہزار سپاہی سوار و پیدل میرٹھ سے آئے اور بہادر شاہ سے رہنمائی کی درخواست کی۔ جب بہادر شاہ نے خزانہ اور فوج نہ ہونے کا عذر کیا تو انھوں نے کہا کہ "ہم تمام انگریزی خزانے لوٹ کر آپ کے قدموں میں ڈال دیں گے" جب بادشاہ نے رہنمائی قبول کی تو مسرت انگیز شور سنائی دیا۔[2] احسن اللہ کی یادداشت میں ہے کہ بادشاہ خاموشی سے اندر چلے گئے، شام ہوتے ہوتے اور بھی باغی سپاہ جمع ہو گئی جو دیوانِ عام، سلیم گڈھ، نقار خانے وغیرہ میں مقیم ہوئے۔ مؤرخ چارلس بال نے بھی اپنی کتاب میں (جلد اوّل۔ ص ۴۷) بادشاہ اور سپاہ کی گفتگو نقل کی ہے۔ ایک بیان یہ ہے کہ بادشاہ دیوان

---

[1] ظہیر دہلوی: داستانِ غدر/ ۵۶۔۵۴

[2] 2. SAVARKAR: p. 121

خاص میں تخت پر بیٹھے، سپاہی اُن کے آگے سے سر جھکا کر گذرتے اور وہ اُن کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے شہر کے دروازوں سے جو باغی داخل ہوئے اُنھوں نے دریا گنج میں انگریزوں کے مکانات کو لوٹنا اور آگ لگانا شروع کر دیا تھا۔" (راج گھاٹ دروازے کی سڑک جو کھائی پر چوکی دریا گنج کی چوڑائی میں سنہری مسجد کے سامنے جا کر تمام ہوتی ہے وہاں سنہری مسجد کے نیچے چورا ہا ہے۔ ایک سڑک تو لال قلعے کے نیچے ہوتی ہوئی لال ڈگی کو جاتی ہے اور ایک راستہ خاص بازار کو جاتا ہے اور یہیں سے قلعے کا میدان شروع ہے اور جنوب کے جانب میں دو سڑکیں برابر دہلی دروازے کو جاتی ہیں، نہر حائل ہے اور ایک سڑک کہ جو گوشۂ جنوب و مشرق میں دریا گنج کو جاتی ہے اس میں اوّل ہی سڑک کے کنارے پادری کا بنگلہ ہے۔ یہ پادری صاحب اوّل تو ہندو تھے پھر عیسائی ہو گئے، اوّل انہی پر چوٹ ہوئی۔" اس کو قتل کیا گیا اور کشت و خون یہیں سے شروع ہوا۔ اس کے بعد قریبی ہسپتال میں چمن لال کو قتل کیا اور ہسپتال میں توڑ پھوڑ کی۔ [1]

لال قلعہ۔ بہادر شاہ اور زینت محل

دہلی کے حالات اور ماحول کو ذہن میں رکھ کر آگے بڑھنا مناسب معلوم ہوتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ بغاوت ۱۸۵۷ء کا حال یہاں چھوڑ کر ان حالات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے۔

دہلی اور لال قلعے کی زندگی پر یوں تو صدہا کتابیں اور مآخذ ہیں لیکن ہم عصر اور

---

[1] ظہیر دہلوی: داستانِ غدر/ ۵۶ ۔ یہ عیسائی چمن لال اپنے دواخانے کے سامنے کھڑا تھا۔ خاص بازار اب نہیں ہے، موجودہ سبھاش پارک (ایڈورڈ پارک) کے مقام پر تھا۔

مستند تاریخی یادداشتوں میں نیشنل آرکائیوز کے 'فارن پولٹیکل ریکارڈ' کے علاوہ اس فائل میں تقریباً آٹھ سو صفحات کی جلد پیلیس انٹیلی جینس (Palace Intelligence) کے نام سے ہے یہ محکمہ لال قلعے میں انگریزوں نے سیاسی مقصد سے جاسوسی اور خبریں حاصل کرنے کے لئے قائم کیا تھا، ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۶ء تک کا ریکارڈ ہے اور اس دور کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالتا ہے۔ فارسی روزنامچہ 'خلاصہ اخبار' (قلمی) یا کورٹ ڈائری بھی بہادر شاہ اور لال قلعے کی رپورٹ (۵۰-۱۸۴۹ء) ہے۔ 'اخبار دربار ابوالمظفر سراج الدین بہادر شاہ' (قلمی) بہادر شاہ کی تخت نشینی کے ابتدائی ایام کا روزنامچہ ہے۔ اس کے علاوہ 'پنجاب گورنمنٹ ریکارڈ' میں بھی کافی مواد یعنی دہلی کے انگریز ایجنٹ کی رپورٹ ہے جو مطبوعہ شکل میں ہے۔ دہلی سے نکلنے والے اخبارات (اردو فارسی) بھی اس دور کی تصویر سامنے لاتے ہیں چنی لال، جیون لال اور معین الدین کے روزنامچے جنھیں مٹکاف نے انگریزی میں ترجمہ کر کے (Two Native Narratives) شایع کیا اور جن کا ترجمہ حسن نظامی نے 'غدر کی صبح شام' کے عنوان سے چھاپا۔ [۱] عبداللطیف کا قلمی روزنامچہ (مرتبہ خلیق احمد نظامی) بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک انگریز فوجی افسر کیتھ ینگ نے کتاب (Delhi ——— 1857) لکھی جو محاصرۂ دہلی کے زمانے میں پہاڑی پر مقیم تھا۔ میجر ہڈسن کی کتاب (Twelve Years of a Soldier) ——— اور گرتھیڈ کے خطوط ہم عصر ماخذ ہیں۔ ظہیر دہلوی کی 'داستانِ غدر' چشم دید حالات پر مشتمل ہے۔ سرسید کی کتاب 'آثار الصنادید' اور بعد میں بشیر الدین

---

[۱] پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے حال ہی میں یہ اصل روزنامچہ حاصل کر کے 'خدنگِ غدر' کے عنوان سے مرتب کیا ہے جسے 'دہلی یونیورسٹی' شعبۂ اردو کی طرف سے شائع کیا گیا۔

کی "واقعاتِ دارالحکومت"، دہلی کے حالات، عمارتوں اور اس دور کے مشاہیر کا تفصیلی حال بیان کرتی ہیں۔ "آثارالصنادید" ۱۸۵۷ء سے تقریباً دس سال پہلے کی ہے اور "واقعاتِ دارالحکومت" ۱۹۱۹ء کی۔ ان کے علاوہ (G.DOGG) (جی۔ ڈاگ) کی کتاب (Revolt in India) (ہندوستان کی بغاوت) بٹلر کی کتاب "ویدوں کی سرزمین" (Land of Vedas) جو ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی۔ سی۔ ایف انڈریوز نے ذکا اللہ دہلوی کی سوانح ۱۹۲۹ء میں مرتب کی جس میں اس دور کی عام زندگی اور حالات سے غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ جیمس لینزر کی کتاب "لال قلعہ" (The Red Fort) ۱۹۵۶ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ دہلی سے نکلنے والے اخباروں میں "سراج الاخبار" (فارسی) بہادر شاہ کا سرکاری اخبار تھا جو اس دور کے ایک روزنامچے کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں دورانِ بغاوت کی بھی اہم معلومات محفوظ ہیں۔ پرسیول اسپیر کی حالیہ کتاب (Twilight of the Mughals) میں بھی اس موضوع پر تحقیقات کا حق ادا کیا گیا ہے۔ آخری مغل بادشاہ کے دور پر مرزا احمد اختر خلف دارالبخت ولی عہد بہادر شاہ کی کتاب "سوانح دہلی" بھی بعض نئی معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

بہادر شاہ ظفر (سراج الدین) اکبر شاہ ثانی کی راجپوت بیگم لال بائی کے بطن سے ۱۷۷۵ء ۱۱۸۹ھ میں پیدا ہوا۔ جیسا کہ دستور تھا، زمانۂ شہزادگی میں سپہ گری، اسپ شناسی، سواری، تیر اندازی وغیرہ کے فنون میں مہارت حاصل کی لیکن طبیعت شعر و شاعری کی طرف مائل اور آرام پسند تھی۔ اکبر شاہ کے زمانے ہی میں کمپنی پورا اقتدار حاصل کر چکی تھی۔ اکبر شاہ نے اپنے بیٹے مرزا جہانگیر کو ولی عہد بنانا چاہا لیکن وہ انگریز دشمنی میں مشہور تھا اور ریزیڈنٹ پر گولی چلائی تھی جس کی وجہ سے الہ آباد بھیج دیا گیا۔ پھر اکبر شاہ نے مرزا نیلی کو ولی عہد بنانا چاہا مگر کمپنی نے ایک نہ چلنے دی

اور انگریز بہادر شاہ کی ولی عہدی پر رضامند ہوئے جو اُن کے نزدیک مناسب ترین معلوم ہوتا تھا۔ تخت نشینی (۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء) کے وقت اُس کی عمر ساٹھ سال کے قریب تھی۔ اُس کا تمام دن شعر کہنے میں بسر ہوتا اور زرّوشن آرا باغ میں یہ شغل رہتا تھا یہاں تک کہ تخت نشینی کے بعد بھی اُردو اور پنجابی کے پانچ دیوان مرتب کیے[1]۔ وہ تصوف اور فلسفے کی طرف مائل، صلح کُل، مسکین مزاج انسان تھا، چشتیہ سلسلے کے بزرگ حضرت شیخ فخرالدین سے ابتدائی عمر سے ہی بیعت تھا۔ کچھ تو اپنی فطرت کے اعتبار سے انگریزوں کے حسب منشا تھا ہی، اور کچھ یہ کہ اُسے انتظامی قابلیت دکھانے کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا چنانچہ پرسیول اسپیر کو بھی اعتراف ہے کہ "ہمیں اب یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس نے عملی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کر لی تھیں یا نہیں کیونکہ شروع ہی میں ایسے تمام مواقع اس کے لئے ممنوع کر دیئے گئے اور بغاوت بہت بعد از وقت واقع ہوئی ورنہ شاید وہ اپنے وقت کا ایک اچھا آئینی حکمراں ہوتا"[2]۔ وہ مذہبی رجحان رکھتا تھا لیکن تعصب اور تنگ نظری قطعی اس کے مزاج میں نہ تھی، ہندو مسلمانوں کے تہواروں میں یکساں طور پر شرکت کرتا اور شاہی پیمانے پر مناتا تھا۔ اس قسم کے متعدد واقعات اور حوالے ہیں جو طوالت کے خوف سے نظر انداز کرنا پڑ رہے ہیں تفصیلات کے لئے اس سلسلے کے مآخذ اور کتابیں جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا، دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہادر شاہ کے کردار اور عمل کی اسی پُر کشش آب و تاب نے اُسے عوام میں بلا امتیاز انتہائی ہر دل عزیزی بخشی تھی جس کا گواہ سی ایف اینڈریوز

1.,2. MEHDI HASAN: Bahadur Shah and War of 1857 pp. 44-57

SPEAR (P): Twilight of the Mughals p.72

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر

اے ظفر اب ہے تجھی تک اہتمام سلطنت
بعد تیرے نے ولی عہدی نہ نام سلطنت

بھی ہے جو بڑی حیرت سے اپنی انگریزی کتاب 'ذکا اللہ دہلوی' میں بار بار کھُلے الفاظ میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ :

"تاہم قدرت کے اس تمام انقلاب میں، خواہ وہ مراٹھوں کے ماتحت ہوا خواہ انگریزوں کے، دہلی کے لوگ ـــــ ہندو اور مسلمان یکساں طور پر ـــــ عقیدت مندانہ وفاداری کے ساتھ مغل شہنشاہوں سے چمٹے رہے اس بارے میں جو جو بھی شہادت مجھے ملی وہ بالکل قطعی تھی۔ انھیں بہادر شاہ کے ساتھ جو محبت تھی اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ...... اِن (بادشاہوں) کی سب سے بڑی خوبی ان کی رواداری کی شریفانہ روایت تھی جیسے وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی ہندو رعایا کے ساتھ برتتے تھے ... ... نسل و مذہب کی بنا پر بہت کم امتیاز روا رکھا جاتا تھا .... دہلی کے قدیم باشندوں میں جو لوگ ہندو تھے جب میں ان کے پاس اطلاع حاصل کرنے گیا، انھوں نے بغیر کسی پس و پیش کے مجھ سے یہ بات بیان کی کہ آخری مغل بادشاہوں کا برتاؤ اُن کے فرقے کے ساتھ بہت اچھا تھا اور اس سلسلے میں انھیں کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ مابعد کے ایام کی یہ تمام آسودہ خاطری صدیوں کی کوششوں کا نتیجہ تھی اور مغل شہنشاہ، اگرچہ دوسرے اُمور میں ان کے خلاف بہت کہا جاسکتا ہے بجا طور پر اس نیک نامی کے حق دار ہیں ..... نیز ان مغل بادشاہوں نے شاہی دربار کے مسلمان اُمراء پر بھی اچھی طرح ذہن نشین کر دیا تھا کہ وہ ہندوؤں کے جذبات و احساسات کا اُنہی کی طرح خیال رکھیں۔ اگرچہ جاہل اور اَن پڑھ عوام میں مذہب کی کسی توہین کے سلسلے میں کبھی کبھی تنازعات ہو جاتے تھے تاہم یہ تنازعات سوسائٹی کے اُس مخصوص

تنظیم کے لئے کوششیں، سپاہ سے مہربانی کا برتاؤ، عوام کی شکایات بذات خود سن کر ازالہ، مجرم مغل شہزادوں کو سزا دینے کا اعلان وغیرہ۔ یہ تمام واقعات وہ ہیں جن کی تصدیق جیون لال، معین الدین اور عبد اللطیف کے روزنامچوں سے بھی ہوتی ہے۔

بیگم زینت محل سے بہادر شاہ نے ۳۳-۱۸۳۲ء میں شادی کی جب بہادر شاہ کی عمر پچاس سال سے اوپر تھی اور زینت محل کی سولہ سال تھی۔ وہ نواب احمد قلی خاں کی لڑکی تھی جو بہادر شاہ کے دربار کا خاص رکن اور دہلی کے ممتاز لوگوں میں شمار تھا زینت محل کے دادا کا نام 'احسن الاخبار' (۲۵ ستمبر ۱۸۴۶ء) میں نوازش علی خاں بتایا گیا ہے لیکن پروفیسر خلیق احمد نظامی نے عباس قلی خاں لکھا ہے[1]۔ کہا جاتا ہے کہ وہ احمد شاہ درانی کے خاندان سے تھی۔ بٹلر کا کہنا ہے کہ وہ جھٹینر کے جاگیردار کی لڑکی تھی جو دہلی کے شمال مغرب میں ایک سو اسی میل کے فاصلہ پر ہے[2]۔ وہ بہت جلد بہادر شاہ کے دل و دماغ پر قابو پا گئی۔ اُسی کے بطن سے شہزادہ جواں بخت پیدا ہوا جو ۱۸۵۰ء میں گیارہ بارہ سال کی عمر کا بیان کیا گیا ہے۔ ۲۹-۲۸ ستمبر ۱۸۳۷ء کو بہادر شاہ تخت نشین ہوا تو وہ ساٹھ باسٹھ کے لگ بھگ عمر کا تھا۔ اُس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے سابق سوداگر اور موجودہ حاکم معاملات پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے بلکہ اب بادشاہ کے ذاتی معاملوں میں بھی دخل انداز تھے اور اسے اپنے خاص مصاحبوں کے علاوہ کسی کو خطابات دینے کی اجازت بھی نہ رہی تھی۔ لارڈ

---

[1] ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ خلیق احمد نظامی۔ احمد قلی خاں کو شکست دہلی کے بعد جیل میں ڈال دیا گیا اور وہیں انتقال ہوا (تفصیلات کے لئے: رسالہ 'آجکل' دہلی جنوری ۱۹۶۳ء 'بیگم زینت محل' از خورشید رضوی)

[2] BUTLER: Land of Vedas pp. 110-111

آک لینڈ (گورنر جنرل) نے بادشاہ کی نذر کی رسم بند کر دی۔ بہادر شاہ نے اس پر احتجاج کیا جو حسب معمول بیکار رہا۔ بادشاہ کے لئے تخت نشینی اور دربار وغیرہ کی رسمیں بند کر دی گئیں۔ صرف یہی نہیں، دیوان خاص میں جو چاندی کا تخت رکھا ہوا تھا اسے ہٹا کر کہیں تالے میں بند کر دیا گیا اور ۱۸۴۲ء میں دیوان عام میں پابندی عائد کر دی گئی۔ قلعے کے اوپر بھی حکمرانی بہادر شاہ کی نہیں بلکہ انگریز حاکم کی تھی جو قلعہ دار، کپتان قلعہ یا 'صاحب کلاں بہادر' کہلاتا تھا جو نہ صرف قلعے کی سرگرمیوں بلکہ بادشاہ کی ہر حرکت پر نظر رکھتا اور رزیڈنٹ کو اطلاع دیتا تھا۔[1] ایک چشم دید مبصر یعنی اخبار 'ٹائمز' لندن کا نامہ نگار ولیم رسل اپنی ڈائری میں کس مسرت سے کہتا ہے:

> "بادشاہ کے لئے چند حقیر قسم کی مراعات باقی چھوڑ دی گئی تھیں جو اس سابقہ اقتدار کا ایک مذاق تھیں جس کی وہ نمایندگی کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ بھی اس کے جانشینوں سے لے لی جائیں گی اور انھیں قلعے سے بھی نکال کر کہیں اور بسا دیا جائے گا۔ ہم نے اس کے خاندان کے لئے ملازمت کے دروازے بند کر دیئے۔ ہم نے انھیں قلعے میں حقارت آمیز، پسماندہ اور مقروض زندگی گذارنے پر مجبور کر دیا تھا۔"[2]

لال قلعے کے دن رات

لال قلعے میں بہادر شاہ اور اس کے خاندان کے علاوہ سابق بادشاہوں کے خاندان کے لوگ بھی مقیم

۱۔ 1. MEHDI HASAN: Bbahadur Shah p. 90-92

۲۔ 2. RUSSEL: My Diary in India. Vol.2 p. 51

تھے۔ جو 'سلاطین' کہلاتے تھے۔ بہادر شاہ بغاوت سے چار پانچ سال قبل ۷۶ سال پورے کر چکا تھا اس کے باوجود کافی متحرک اور طاقت ور تھا۔ وہ ہر روز سیر و شکار کے لیے نکلتا تھا۔ اس کے اخراجات کافی وسیع تھے اور انگریزوں کی مقرر کردہ پنشن کفالت نہ کرتی تھی۔ زینت محل اس کے مزاج پر اتنی حاوی تھی کہ ۱۸۵۳ء میں اس نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کے ذریعے تمام افسروں کو کاغذات زینت محل کی وساطت سے بھیجنے کا حکم دیا گیا۔ تاج محل بیگم[1] اور شرافت محل بھی اس کی بیویاں تھیں اس کے متعدد بیٹے اور بیٹیاں تھیں ایک بیان میں پندرہ[15] بیٹے اور اکتیس[31] بیٹیاں بتائی گئی ہیں۔ دہلی کے انگریز ایجنٹ کی رپورٹ میں بارہ بیٹے دیئے گئے ہیں جو ولی عہد مرزا فخرو کی موت کے وقت زندہ تھے یعنی:

۱۔ مرزا قویش شکوہ۔ ۲۔ ابوالحسن۔ ۳۔ ظہیر الدین عرف مرزا مغل (شرافت محل کے بطن سے) ۴۔ سہراب ہندی۔ ۵۔ ابوالنصر۔ ۶۔ الغ طاہر۔ ۷۔ خضر سلطان (رحیم بخش بائی کے بطن سے)۔ ۸۔ جوان بخت۔ ۹۔ بختاور شاہ۔ ۱۰۔ کوچک سلطان۔ ۱۱۔ شاہ عباس مرزا۔ ۱۲۔ محمد شیر شاہ۔

ان کے علاوہ ایک دوسری رپورٹ میں یہ نام اور ہیں:

۱۔ دارا بخت میراں شاہ (پہلا ولی عہد)۔ ۲۔ کیومرث۔ ۳۔ فتح الملک بہادر۔ ۴۔ فرخندہ شاہ۔ ۵۔ محمدی بہادر۔

جوان بخت سب سے چہیتا بیٹا تھا جو زینت محل کے بطن سے تھا۔ اس کی شادی نواب ولی داد خاں کی لڑکی سے (مارچ اپریل ۱۸۵۲ء) ہوئی تھی۔ حکیم احسن اللہ وزیر اعظم

---

[1] تاج محل بیگم کا مکان مالی واڑے (کٹرہ خوشحال رائے) میں تھا، بعد میں لالہ رام کشن نے خریدا۔

اور شاہی طبیب کی حیثیت رکھتا تھا، محبوب علی خاں خواجہ سرا ناظر منتظم اعلیٰ یا مختار کے عہدے پر تھا۔ ان کے علاوہ متعدد عہدے دار اور ملازم قلعے میں تھے۔ میر فتح علی داروغہ کہاران، حمید خاں رام پوری جمع دار خاص برادران، ظہیر دہلوی داروغہ قور بیگی، ارتن چند داروغہ شاہی باغات، شیدی قنبر جمع دار حبشی رسالہ، محمد بخش دربان دیوان خاص وغیرہ تھے۔ امید سنگھ جمنا کے پل کا داروغہ تھا۔ ڈوگلس قلعے کے محافظ دستے کا کمانڈر، یا قلعہ دار، تھا۔ سائمن فریزر دہلی کا کمشنر (بعد میں سانڈرس ہوا) اور ہچنسن کلکٹر تھا۔ ان کے علاوہ کوتوال قلعہ، مفتی، قاضی، مختار، متصدی، میر تزک، دربان نقار خانہ، شقہ نگار، چوب دار وغیرہ تھے۔ مقدمات کوتوالی کی وساطت سے بادشاہ کو بھیجے جاتے اور مفتی اور قاضی اُن کے طے کرنے میں مدد کرتے تھے۔ مغل بادشاہ ہندو مسلمان تہوار مناتے اور اُن میں شرکت کرتے۔ مسلمان تہواروں میں عیدین، محرم، بارہ وفات، آخری چہار شنبہ خاص طور پر منائے جاتے، خصوصی تہواروں میں نوروز، پنکھا میلہ، بسنت، بادشاہ کا یوم پیدائش وغیرہ۔ اسی طرح ہندو تہواروں میں سلونا کے موقعے پر بادشاہ کے راکھی باندھی جاتی (ایک بار بہادر شاہ کے راجہ بھولا ناتھ نے باندھی تھی) دسہرے پر ہندو معززین کو خلعت اور اعزاز دیئے جاتے۔ دیوالی پر بادشاہ کو سات اناجوں میں تولا جاتا، ہولی پر بادشاہ سات کنوؤں کے پانی سے غسل کرتا تھا۔[1] بہادر شاہ نہایت وسیع النظر اور کشادہ دل تھا۔ وہ ہندو مسلمانوں کو یکساں طور پر عزیز رکھتا اور دونوں مذہبوں

---

1. Palace Intelligence Record p. 1F

[1] PROCEEDINGS: Indian Historical Congress vol.21 (1958)

محمد ابوظفر بہادر شاہ کے ہاتھ کا ایک طغریٰ

کے معززین اس کے دربار میں تھے جن سے یکساں شفقت اور خلوص کا برتاؤ کرتا تھا۔
وہ مذہباً صوفیانہ عقیدے رکھتا تھا اور مزارات پر حاضری دیتا تھا۔ قلعے میں سابقہ بادشاہوں کے شہزادے 'سلاطین' کہلاتے تھے۔ ان میں بعض حصول علم کے شوقین تھے، بعض شاعر تھے لیکن زیادہ تر شہزادے فضولیات میں اپنا وقت گنوا تے تھے کیونکہ اُن کی آمدنی کا واحد ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جاری کردہ پنشن تھی جس نے انھیں سست اور کاہل بنا دیا تھا۔ قلعے میں ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا۔ [1]

ولی عہدی کے لیے بہادر شاہ کے بیٹوں میں جو رسہ کشی ہوئی اُس پر مختصراً روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ انگریزوں کو بھی یہ انتظار تھا کہ بہادر شاہ کا خاتمہ ہو تو وہ آخری وار کریں چنانچہ جولائی ۱۸۵۳ء میں جب وہ بیمار ہوا تو انگریز حکام نے اس کی موت کے لئے ہدایات جاری کر دیں، دروازوں پر پہرہ لگا دیا گیا، دریا گنج پولس چوکی پر مزید فوج تیار رکھی گئی۔ اُدھر نامزد ولی عہد مرزا فخرو صاحب مضحکہ خیز حد تک ماہیٔ بے آب تھے کہ بادشاہ کے مرنے پر مجھے کتنی دیر انتظار کرنا ہوگا، جانشینی کا اعلان کب کیا جائے گا اور کیا کیا شرطیں لگائی جائیں گی [2] جو بغیر سُنے اُنھیں منظور تھیں۔ مرزا فخرو۔ جو بہادر شاہ کا تیسرا بیٹا تھا، الٰہی بخش کا داماد تھا۔ ۱۸۵۶ء میں اُس کا انتقال ہوگیا۔ اُس سے پہلے ولی عہد ۱۸۴۹ء میں دنیا سے سدھار چکے تھے۔ افواہ تھی کہ مرزا فخرو کو زہر دیا گیا ہے۔

انقلابی سپاہ کا دہلی میں داخلہ، میرٹھ کے انقلابی سپاہی جب ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء

۱؎ 1. Life in Red Fort by Kishan Lal
Proceedings Indian Historical Congress vol.21 p. 480 (1958)

۲؎ 2. Record of Delhi Residency vol.1 (Panjab Govt. Records)

کو جمنا کا پل پار کر کے لال قلعے کے نیچے زیر جھروکہ کھڑے ہوئے تو احسن اللہ وغیرہ کے بیان کے مطابق کپتان ڈوگلس نے اُن سے بات کی۔ شہر پناہ کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ کلکتہ دروازہ اور نگم بود دروازہ پر مسلح فوجی پہرہ تھا، اس جگہ برج پر توپ چڑھی ہوئی تھی پھر آخر کیونکر یہ سپاہی شہر میں داخل ہوئے؟ اس کا جواب ظہیر دہلوی بھی دینے سے قاصر ہیں[1]۔ اُن کا بیان ہے کہ وہ لوگ راج گھاٹ دروازے سے داخل ہوئے یہ واقعات ہماری نظر سے گذر چکے ہیں لیکن ملیسن نے میرٹھ کی سپاہ کے دہلی پہنچنے پر جو کچھ لکھا ہے وہ بے بنیاد نہیں بلکہ قابل غور ہے کہ "میرٹھ میں فوجی افسروں کی سزایابی نے دیسی سپاہ کو اس قدر بے قابو کر دیا کہ وہ بغاوت کی طے شدہ تاریخ کا انتظار بھی نہ کر سکے، وہ سمجھے تھے کہ انگریز بے خبر ہیں اور میرٹھ کی اچانک بغاوت کامیاب بنائی جا سکے گی.... مگر وہ یہ حقیقت بھول گئے کہ خود اپنے دماغوں اور ہاتھوں سے کام کرنے میں وہ اُس متفقہ فیصلے کو روندے ڈال رہے ہیں جو اُن کے لیڈروں کی کمیٹیوں نے اُن کے لئے کیا اور بغاوت کی ملک گیر کامیابی کا پلان بنایا تھا۔ اگر تمام ہندوستان میں یکایک یہ بغاوت ایک ہی وقت میں برپا ہوتی تو مقابلہ ناممکن بن سکتا تھا مگر منتشر حالت میں اور الگ الگ وقت میں برپا ہونے سے اس کی آدھی طاقت ختم ہو گئی۔ اس طرح قبل از وقت بغاوت آخر کار انگریزوں کے لئے جس قدر نفع بخش ثابت ہوئی اسی قدر وہ اصل مقصد کو نقصان پہنچا گئی ..... دہلی کی چہار دیواری میں آ کر تو اُنھوں نے انگریزوں کے لئے آسانی مہیا کر دی اور چوہے دان میں چوہے کی طرح پھنس گئے۔ فوجی اعتبار سے بھی وہ ناقص پوزیشن میں تھے۔"[2]

---

[1] ظہیر دہلوی: داستان غدر/ ۵۶

[2] MALLESON: Indian Mutiny (1891) pp. 88,92

فریزر اور ڈوگلس کا قتل

ڈوگلس نے باغی سپاہ سے بات کرنے کے بعد کلکتہ دروازے کا رُخ کیا، فریزر بھی ہمراہ تھا۔ یہ دونوں تو اُدھر روانہ ہوئے اور انقلابی سپاہ نے راج گھاٹ دروازے سے شہر میں داخل ہو کر دریا گنج میں انگریزوں کا قتل شروع کر دیا۔ پادری چمن لال عیسائی کو قتل کرکے آگے بڑھے۔ اب شہر کے عوام کا بھی ایک بڑا گروہ اُن کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ انقلابی سپاہ کے چند سوار لال قلعے کے لاہوری دروازے پر پہنچ گئے اور وہاں جا کر جب یہ معلوم ہوا کہ ڈوگلس اور فریزر کلکتہ دروازے پر ہیں تو پانچ سوار اُسی طرف روانہ ہوئے باقی سوار "زیر دیوارِ قلعہ لبِ خندق لال ڈگی کی سڑک پر کھڑے رہے"[1]۔ پانچ سوار جو پیچھے کی طرف سے اچانک کلکتہ دروازہ پر پہنچے تو وہاں کے پہرے دار انھیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور نکم بودہ دروازے کی طرف فرار ہو گئے۔ ان سواروں نے رزیڈنٹ کی بگھی کو گھیر لیا۔ رزیڈنٹ اپنی بگھی تیز بھگاتا ہوا قلعے کی طرف چلا۔ ایک سوار نے تلوار سے وار کیا رزیڈنٹ نے پستول سے اس کا خاتمہ کر دیا لیکن اس پر باقی چار سوار اور بھی غضبناک ہو گئے رزیڈنٹ بگھی سے کود کر قلعے کے اندر بھاگا اور کھڑکی میں تالا لگوا دیا تاکہ باغی سوار اندر نہ آسکیں ڈوگلس بھی ہمراہ تھا وہ اپنے مکان پر (قلعے کے دروازے کی اوپری منزل) پہنچا، فریزر ابھی راہ میں تھا کہ انقلابی سپاہ نے پہرہ داروں سے جو اُنھی کے حامی تھے، دروازہ کھلوا کر فریزر کو اور پھر اُوپر چڑھ کر ڈوگلس کو مع پورے کُنبے کے تہِ تیغ کر دیا۔

انقلابی سپاہ لال قلعے میں

ظہیر دہلوی نے ۱۱ مئی کا چشم دید حال بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جس وقت چھوٹے دریبے کے پھاٹک سے باہر نکلا ہوں تو دیکھا کہ تین چار

---

[1] داستان غدر / ۵۷

سوار کُرتے پہنے اور دھوتیاں باندھے ہوئے، سر سے ایک چھوٹا سا انگوچھا لپٹا ہوا فقط ایک کرچ ڈاب میں اور وہ پیپل کے درخت کے سایے میں نہر کی دیوار سے لگے کھڑے ہیں اور ہندو لوگ اُن کی سربراہی کر رہے ہیں کوئی پوریاں لے آیا ہے کوئی مٹھائی کا دونا لیئے آتا ہے کوئی لوٹا پیتل کا پانی سے بھر کر لا دیتا ہے ..... میں سید ھا کوتوالی ہوتا ہوا خونی دروازے کے آگے پہنچا تو دیکھا کہ انبوہِ کثیر بدمعاشان کا ہے اور صرافوں کی دکانیں لٹ رہی ہیں .....“[1]

قلعے کے دیوان خاص میں احسن اللہ اور محبوب علی خاں وغیرہ بیٹھے مقتول انگریز افسروں کے کفن تیار کرنے میں لگے تھے کہ تقریباً تیس انقلابی سوار دیوان خاص کے دالان کے نیچے آئے اور گھوڑوں سے اُتر کر اندر آگئے۔ بقول ظہیر دہلوی ”سب کی ایک وضع تھی گلے میں لٹھے کے کُرتے پاؤں میں ڈھیلے لٹھے کے غرارے دار پائجامے سر پر چھوٹا سا انگوچھا لپٹا ہوا چندیا کھلی ہوئی“۔ انھوں نے احسن اللہ سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ ”یہ کیا سامان ہے“ اُس نے جواب دیا ”آپ صاحبوں نے جو اعمال کیئے ہیں اُس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں آپ نے آگ لگائی ہے ہم بجھا رہے ہیں“ (سبحان اللہ! کیا جواب تھا، کونسی آگ یہ حضرت، بجھا رہے تھے؟) ـــ انقلابی سواروں نے غضبناک ہو کر کہا:

”ارے تم لوگ سب بے ایمان کرسٹان ہو۔ تم سب عیسائی بے دین کرانٹین ہو ....“

غرض یہ کہ ان سواروں نے رسد طلب کی تو احسن اللہ نے گھوڑوں کے اصطبل سے چنے دلوا دیئے۔ اس کے بعد کچھ اور سوار آ گئے اُنھیں بھی اسی طرح ٹالا گیا یہ سوار قلعے کے مہتاب

---

[1] داستانِ غدر/ ۶۵

باغ میں مقیم ہو گئے۔ دن کے گیارہ بجے تک میرٹھ کی پیدل سپاہ بھی شہر میں داخل ہو گئی۔ شاہی ملازمین سے بات کر کے اُنھوں نے شہر میں منادی کرادی، اپنے سپاہی پہرے پر بٹھا دیئے اور دکانیں کھلوا دیں۔

بنک پر حملہ اور لوٹ

دوپہر تقریباً ڈیڑھ بجے کے قریب سرکاری بنک لوٹا گیا جو شمرو بیگم کی کوٹھی میں تھا[1]۔ بنک کا مینیجر برسفرڈ اور اس کے بیوی بچے یہاں قتل ہوئے اور تمام روپیہ (چودہ لاکھ) باغیوں نے لوٹ لیا دو گھنٹے یہ ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد دہلی گزٹ کے پریس میں توڑ پھوڑ ہوئی۔

آگرے کو پیغام

اُدھر تو انقلابی سپاہی اور عوام اس توڑ پھوڑ میں لگے تھے جس کا مزید تذکرہ ابھی اور ہماری نظر سے گذرے گا، اِدھر لال قلعے میں فریزر اور ڈوگلس کے قتل کے بعد تقریباً گیارہ بجے کے قریب قلعہ کے پہرہ دار سپاہی اور ان کے ساتھ انقلابی فوج کے سوار دیوان خاص کے صحن میں داخل ہوئے اور کہا کہ "ہم دین کے لیئے جنگ کرنے کھڑے ہوئے ہیں اور بادشاہ کو سلام کرنا چاہتے ہیں"۔ چھاؤنی سے ایک رجمنٹ آئی اس نے بھی یہی کہا۔ بہادر شاہ باہر آیا تو سپاہ نے اپنی بات دہرائی۔ بادشاہ نے کہا کہ "میرے پاس

---

[1] یہ کوٹھی چاندنی چوک کے شمال میں تھی اس میں دلی لندن بنک تھا جہاں انگریزوں کا خزانہ محفوظ تھا اور اس کے سامنے کا بازار اُردو بازار کہلاتا تھا جو چاندنی چوک کا ایک حصہ تھا اس کوٹھی کے سامنے خونی دروازہ دریبہ کلاں کے سرے پر تھا۔ یہ نادر شاہ کے قتل عام کے زمانے سے خونی دروازہ مشہور تھا۔ شمرو بیگم ضلع میرٹھ کی ایک مسلمان عورت تھی جس نے ایک سیاح (شمرو) سے شادی کر لی تھی یہ لوگ سردھنہ میں رہنے لگے تھے۔ بیگم نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ ۱۸۳۶ء میں مر گئی۔

فوج نہیں، خزانہ نہیں، میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں" (ظہیر دہلوی نے جو بادشاہ کی گفتگو نقل کی ہے وہ غالباً اسی موقعے کی ہے)۔ انقلابی سرداروں نے جواب دیا کہ "آپ ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں ہم ہر چیز مہیا کر دیں گے"۔ بادشاہ ایک کرسی پر بیٹھے اور انقلابی سرداروں نے سامنے آکر سر جھکایا بہادر شاہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھا جس پر تمام سپاہ میں مسرت انگیز شور سنائی دیا۔ احسن اللہ اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ شام کو میں بادشاہ کے پاس گیا اور کہا کہ گورنر آگرہ (مسٹر کول ون) کو ان واقعات کی خبر دینا چاہیے بادشاہ نے شقہ لکھوایا اور ایک سوار کے ہمراہ روانہ کر دیا لیکن خواجہ سرا نے دوسرے کو دے دیا اور اس نے انقلابی سرداروں (گلاب شاہ وغیرہ) کو یہ خبر پہنچا دی انقلابی سرداروں نے یہ سُن کر کہا کہ حکیم احسن اللہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے پہلے اس سے نمٹنا چاہیے۔ چنانچہ شہزادوں اور گلاب شاہ وغیرہ کی آپس میں صلاح ہوئی کہ حکیم اب اس طرح کی حرکت نہ کر سکے۔[1] غالباً یہ پہلا موقع تھا جب انقلابیوں کو حکیم کی دغابازی کا مع ثبوت کے انکشاف ہوا اور وہ اسکے دشمن ہو گئے۔

یہ پیغام آگرے میں کول ون کو پہنچا لیکن اس نے بجائے جواب دینے کے اس کو ایک چیلنج یا الٹی میٹم قرار دیا اور کہا کہ وہ خود بادشاہ بن بیٹھا اور اب ہمیں لکھ بھیجا ہے" ساتھ ہی اس نے راجستھان وغیرہ کے حکمرانوں کو بادشاہ کا یہ خط روانہ کیا تاکہ وہ لوگ بہادر شاہ کو بادشاہ بنتا دیکھ کر انگریزوں کے حامی ہو جائیں۔ دلّی میں

---

[1] یادداشت احسن اللہ خاں (میموائرز آف حکیم احسن اللہ) جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (جنوری ۱۹۵۵ء جلد ۶۔ پارٹ ۱)۔ حالانکہ اسی یادداشت میں یہ بھی لکھا ہے کہ باغیوں نے پھر کچھ کاغذات پکڑے جن سے حکیم کی غداری ثابت ہوتی تھی۔ ص/۱۰

مغل شہزادہ مرزا جواں بخت

شہزادہ مرزا مغل

باغی سوار اور پیدل فوج کے افسروں نے احسن اللہ سے کہا کہ تم اور محبوب علی دونوں انگریزوں سے ملے ہوئے ہو لہذا ہمارا ایک آدمی دفتر میں رہے گا تاکہ ہمیں معلوم رہے کہ تم کیا لکھوا رہے ہو۔ ان دونوں نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسمیں کھائیں کہ ہم کچھ نہیں لکھیں گے۔ [1]

شہزادوں کی کمان

مغل شہزادے ہرگز اس قابل نہ تھے کہ انقلابی فوج کی کمان کر سکیں اس کے جو نتائج نکلے وہ تو آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گے لیکن شہزادے اپنی اس عزت افزائی کے لئے بے چین تھے چنانچہ وہ بہادر شاہ کے پاس آئے اور کہا کہ فوجیں اُن کی کمان میں رہنے کو تیار ہیں انقلابی افسران نے بھی آمادگی ظاہر کی۔ بہادر شاہ بظاہر رضامند ہو گیا۔ اگلی صبح شہزادے پھر آئے اور اپنی تقرری کے پروانے مانگے بہادر شاہ نے کہا کہ "تم یہ کام نہیں جانتے تم بطور افسران کیا کرو گے؟" اس کے بعد انقلابی فوجوں کے افسران نے آکر شہزادوں کی کمانداری کی خواہش ظاہر کی۔ بہادر شاہ نے کچھ خاموش رہ کر کہا کہ "مرزا مغل کمانڈر انچیف کا عہدہ چاہتے ہیں۔ کیا تم تیار رہو"؟ سب نے کہا۔ "ہم تیار ہیں"۔ شہزادوں نے بادشاہ سے سوار ہو کر شہر میں نکلنے کی درخواست کی اور معین الدین خاں بن قدرت اللہ بیگ کو کوتوال بنانے کو کہا جو منظور کیا گیا۔[2] شام کو

---

[1] یادداشت احسن اللہ خاں (میموائرز آف حکیم احسن اللہ) جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (جنوری ۱۹۵۸ء جلد ۶۔ پارٹ ۱) ۔ حالانکہ اسی یادداشت میں یہ بھی لکھا ہے کہ باغیوں نے پھر کچھ کاغذات پکڑے جن سے حکیم کی غداری ثابت ہوتی تھی۔ ص ۱۰/

[2] کچھ دن بعد معین الدین کی جگہ قاضی فیض اللہ کا تقرر ہوا (۸ ہر مئی) جنھوں نے چند دن بعد استعفیٰ دیدیا اور مبارک شاہ خاں کوتوال ہوا۔ محبوب علی خاں کے انتقال پر احمد قلی خاں انکی جگہ مقرر ہوئے۔ (۲۳ ہر جون ۵۷ء)

وحیدالدین خاں نے شہزادوں کو خلعت دیئے جانے کی درخواست کی اور کہا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو باغی فوج آپ سے بُرا برتاؤ کرے گی چنانچہ اِن شہزادوں کو خلعت عطا کرنے کا اعلان کیا گیا:

۱۔ مرزا مغل۔ ۲۔ خضر سلطان۔ ۳۔ مرزا ابوبکر (بن فتح الملک بن بہادر شاہ)۔
۴۔ سہراب ہندی۔ ۵۔ بختاور شاہ۔ ۶۔ مرزا عبداللہ (بن مرزا شاہ رُخ)۔

یہ خلعت دیئے جانے پر بیگم زینت محل کو ناگواری ہوئی کہ جواں بخت کو عہدہ نہیں دیا گیا۔ بہادر شاہ نے کہا کہ وہ وزیر ہوگا اور فوج کے معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔ احسن اللہ کی یادداشت کے الفاظ میں:

"چنانچہ اُسی وقت حضور سے حکم ہوا کہ ایک خلعت واسطے مرزا جواں بخت کے بنائیں کہ وزارت کے اور خاص سرکار شاہی کے کام سے دور رہیں گے اور کچھ فوج سے نہیں اُن کا......"

احسن اللہ کی یادداشت میں ہے کہ عہدے اس طرح تقسیم ہوئے کہ مرزا مغل کمانڈر انچیف۔ مرزا خضر سلطان کمانڈر آف مارچ نمبر ۵۴ رجمنٹ۔ مرزا عبداللہ کمانڈنٹ رجمنٹ ۲۰ (دیلی) سہراب ہندی کمانڈنٹ رجمنٹ ۱۱۔ بختاور شاہ کمانڈنٹ رجمنٹ ۷۔ ابوبکر مرزا کمانڈنٹ کیولری (سوار فوج)۔ بعض جگہ مرزا سیاہ و کا نام بھی فوجی عہدہ داران میں آتا ہے۔ اِن شہزادوں نے میدانِ جنگ کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔

دہلی چھاؤنی

میرٹھ کی بغاوت کا حال جب دہلی چھاؤنی کے انگریز افسروں کو معلوم ہوا تو انھوں نے فوج کو جمع کر کے وفاداری پر لکچر دینا شروع کئے کرنل رپلے نے نصیحتیں کیں تو رجمنٹ ۵۴ کے سپاہیوں نے کہا ——— "ہمیں میرٹھ کے سپاہیوں کے سامنے کر دیجئے ہم اُن سے سمجھ لیں گے" ——— "شاباش"! کرنل خوشی سے چلایا اور رجمنٹ کو مارچ کا حکم دیا مگر جب اُنھوں نے میرٹھ سے انقلابیوں کو قلعے کی طرف جاتے

دیکھا تو باہم سلوٹ کیا اور اُن سے مل گئے، دونوں نے بہادر شاہ کے حق میں نعرے بلند کئے ——— کرنل ریپلے گھبراہٹ میں بپھر چلا آیا مگر ایک سنسناتی ہوئی گولی نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ یہ سپاہی کشمیری دروازے سے شہر میں داخل ہوئے اور دہلی پوری طرح آزاد ہو گیا

بہادر شاہ کی سواری

حکومتوں میں تبدیلی اور انقلاب کے ساتھ بدنظمی اور انتشار بھی ضرور پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ یہاں بھی غنڈوں نے موقع غنیمت سمجھ کر عام لوٹ مار شروع کر دی بقول ظہیر دہلوی "شہر کی یہ کیفیت تھی کہ بدمعاش شہر کے پوربیوں کو ہمراہ لیئے ہوئے بھلے مانسوں کے گھر لٹوا رہے تھے اور جس کو مال دار دیکھا اس کے گھر پر پوربیوں کو لے جا کر کھڑا کر دیا کہ "یہاں میم چھپی ہوئی ہے"۔ لوگوں نے بہادر شاہ سے فریاد کی اور ۱۲ ار مئی کو شاہی اعلان جاری کیا گیا، عہدہ داروں کو قیام امن پر مامور کیا گیا اور اسی دوان بادشاہ نے ہاتھی پر سوار ہو کر جلوس کے ساتھ گشت کیا، بادشاہ کی سواری کے آگے انقلابی سپاہی "بہادر شاہ کی جے" ——— "دین دنیا کے گسُیّاں کی جے" ——— کے نعرے لگاتے چل رہے تھے اور پیچھے ترک سوار "اللہ اکبر" کے نعروں سے فضا میں گونج پیدا کر رہے تھے۔ اس طرح بہت سی کانیں کھل گئیں، باغیوں نے امن کے لئے کوشش کی اور پہرے بٹھا دیئے۔ کہیں کہیں بدنظمی جاری رہی لیکن انقلابی فوجی عام لوٹ مار میں حصہ نہیں لے رہے تھے، یہ کام شہر کے بدمعاش کر رہے تھے۔ [۱]

میگزین پر حملہ

اار مئی کو دوپہر بعد میگزین پر انقلابی سپاہ اور عوام نے حملہ کیا پہلے میگزین کے انگریز افسروں کو پیغام بھیجا گیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں جب اُدھر سے انکار ہوا تو انقلابیوں نے سیڑھیاں لاکر دیواروں پر چڑھنا شروع کیا۔

---

[۱] کنہیا لال: محاربۂ عظیم / ۵۵۔ ذکاءاللہ: تاریخ عروج انگلیشیہ

محاربۂ عظیم میں ہے کہ میگزین کا تمام ہندوستانی عملہ اور خصوصاً دربان رحیم بخش در پردہ انقلابیوں کا حامی تھا اور باہر کے انقلابیوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ میگزین کے انگریزوں نے جب بچنے کی کوئی صورت نہ دیکھی تو پورا میگزین بارود سے اڑادیا۔ ظہیر دہلوی نے یہ حالات اس طرح بیان کئے ہیں:

"کچھ لوگ دریا کی جانب دیوار فصیل پر کھڑے ہوئے تھے اور تین جانب خلائق کا مجمع تھا اور تہہ خانہ کارتوسوں کا زیر دیوار شہر پناہ تھا جب وہ تہہ خانہ اڑا ہے تو پچاس گز دیوار شہر پناہ کی اُڑ گئی جس قدر آدمی ڈنڈی پر تھے وہ اُڑ گئے ..... وہ عورتیں اور بچے جو اور کمروں میں چھپے ہوئے تھے اور پانچ چار بوڑھے جوان جو بچ گئے مگر وہ بھی زخمی ہو گئے تھے اُن کو پوربیوں نے گرفتار کر لیا"[1]

اس حادثے پر نہایت خوفناک دھماکہ ہوا اور تمام شہر ہل گیا۔ اس وقت قلعے میں حکیم احسن اللہ اور اس کے ہمراہی "خانسامانی کے دالان میں بیٹھے ہوئے "یا بدیع العجائب بالخیر" کی تسبیح پڑھ رہے تھے"۔ ! ظہیر دہلوی کا بیان ہے کہ:

"مغرب کی جانب جو نگاہ کی تو دیکھا کہ تنق گرد و غبار اور دھوئیں کا زمین سے لگا کر آسمان تک بندھا ہوا ہے اور لاشیں آدمیوں کی زاغ و زغن کی طرح منڈلا رہی ہیں"

(تقریباً پانچ بجے شام)

الغرض یہاں سے بچے کچے انگریزوں کو گرفتار کر کے انقلابی سپاہی لال قلعے میں دیوان خاص کے صحن میں لائے۔ یہ اندازاً پچاس ساٹھ عورتیں اور بچے جن میں چار پانچ مرد تھے۔ ان کو تسبیح خانے

---

[1] داستان غدر/،، میگزین کے عملے کے ۹ انگریز افسروں میں تین تو ختم ہو گئے۔ ان کا لیڈر یفٹننٹ ولوبی (Lt. G. Willoughby) مع پانچ آدمیوں کے بھاگنے میں کامیاب ہوا مگر میرٹھ کے راستے میں ایک گاؤں کے مجمع نے اس کا کام تمام کر دیا۔

کی سیڑھیوں پر بڑھا دیا گیا اور پھر اُنھیں دیوان خاص میں بھیج دیا گیا۔

میگزین اور تار گھر کا حال

دارا شکوہ (ابن شاہجہاں) کے محل کی جگہ یہ اسلاح خانہ یا میگزین تھا۔ یہاں کئی تہہ خانے پرانے زمانے کے تھے۔ پیچھے کی دیوار اور شہر کی فصیل تھوڑے فاصلے پر تھی۔ اس میں گولا بارود کا بہت بڑا ذخیرہ اور یہ شمالی ہندمیں سب سے بڑا گودام تھا لیکن جب چارلس نیپیر کمانڈر انچیف ہوا تو اُس نے یہاں اتنا بڑا بارود کا ذخیرہ بنائے رکھنے کی مخالفت کی جس کی وجہ سے کچھ بارود اور کارتوس ایک دوسرے میگزین کو منتقل کر دیئے گئے پھر بھی کافی مقدار میں بارود اور کچھ توپیں وغیرہ تھیں یہی توپیں انقلابی سپاہ کے ہاتھ لگیں۔ اب جہاں بڑا ڈاک خانہ (جی۔ پی۔ او) ہے، یہ میگزین تھا جس کو نو انگریزوں نے جان پر کھیل کر بچائے رکھا۔ میگزین کا انچارج لفٹننٹ جارج ڈوبری ویلوبی (Lt.G. Willoughby) تھا۔ اب اس میگزین کا صدر دروازہ اور ایک دوسرا دروازہ موجود ہے۔ صدر دروازے پر بخط انگریزی کتبہ لگا ہوا ہے جس کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ نو انگریزوں نے باغیوں کے جم غفیر کے مقابلے میں چار گھنٹے سے زیادہ سنبھالے رکھا لیکن جب باغی سیڑھیاں لگا کر چڑھنے لگے اور کوئی امید نہ رہی تو اسے پھونک دیا[1]۔ اس میگزین کے قریب ہی تار گھر تھا۔ بعد میں اس تار گھر کی یاد میں اس کے سامنے ایک ستون بنایا گیا تھا جو اب بھی موجود ہے۔ اسی تار گھر سے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بغاوت کی خبر انبالے بھیجی گئی اور پنجاب میں انگریزوں نے دہلی پر حملے کے انتظامات اور اپنی حفاظت کا سامان کیا گویا بقول رابرٹ منٹگمری "تار برقی نے ہندوستان کو بچا لیا"۔ اس تار کا ترجمہ یہ ہے:

"مورخہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء۔ ہم کو آفس چھوڑنا ضروری ہے۔ میرٹھ کے سپاہی سارے بنگلے جلا رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ مسٹر سی ٹاڈ مر گئے کیونکہ آج صبح باہر گئے تھے اور

---

[1] بشیر الدین: واقعات دار الحکومت جلد ۲۔ ص: ۲۹۴-۲۹۲

واپس نہیں آئے۔ ہم نے سنا کہ لنو یورپین قتل کر دیئے گئے۔ اچھا رخصت"

انبالے سے اس تار کی نقل میجر جنرل برنارڈ کو، پھر سر ہنری لارنس چیف کمشنر کو اور جنرل انسن کمانڈر انچیف اور تمام فوجی اسٹیشنوں کو بھیجی گئی۔

اس دوران میں پیدل سپاہ کے دستے برابر دہلی میں داخل ہوتے رہے شہر میں دو آدمی سبز لباس پہنے، اونٹوں پر سوار پکارتے پھرتے تھے کہ:

"اے لوگو! مذہب کا ڈنکا بج گیا ہے"

کسی کو پتہ نہیں وہ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے۔ شہر کے کچھ لوگوں نے اُن کو فرشتہ قرار دیا۔ [1]

دہلی چھاؤنی کی دیسی سپاہ بھی بغاوت پر کمر بستہ ہو چکی تھی جس کے انگریز افسر انبالے روانہ ہوئے، بہت سے راہ میں پانی پت اور کرنال میں مارے گئے اور صرف تین انگریز انبالے تک پہنچے۔ چھاؤنی کی باغی سپاہ نے کشمیری دروازے کے انگریزوں کو قتل کیا اور قلعے میں آ گئی۔ [2]

دہلی میں انتظام

بغاوت کے ہنگامے میں ہر بندوبست اور انتظام تہہ و بالا ہو گیا لیکن انگریزوں کے خاتمے کے بعد انتظامات درست کرنے کے لیئے اقدام کیا گیا۔ "دہلی اردو اخبار" کے فائلوں سے یہ حالات کسی حد تک روشنی میں آتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا اخبار یہ خبریں اس طرح دیتا ہے:

"حضور اقدس، ۷ تاریخ (غالباً رمضان) برائے تشفی اپنی رعایا کے سوار

---

[1] غدر کی صبح شام / ۶۱

[2] "دہلی اُردو اخبار"، ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء م ۲۱ رمضان ۱۲۷۳ھ۔ اس اخبار میں شہر کا مفصل چشم دید حال بیان کیا گیا ہے، نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہے۔

ہوئے۔ ۱۸ تاریخ صدر اعلیٰ مفتی صدرالدین خاں بہادر اور مولوی عباس علی صاحب ورجناب کرم علی خاں صاحب منصف برائے انتظام عدالت فوجداری و دیوانی مقرر ہوئے۔ ۲۰ تاریخ رئیس جے پور و بیکانیر و رئیس الور و دیگر رئیسان ذیشان کے نام شقّے طلب جاری ہوئے۔"

شہر میں موقع دیکھ کر جو لوٹ مار غنڈوں نے شروع کی، یہ اخبار اپنی ۲۴ مئی ۱۸۵۷ء کی اشاعت میں اس کا نقشہ کھینچتا ہے:

"شہر بہت لٹتا ہے بہت لوگوں نے یہ افعال اختیار کیے ہیں کہ تلنگوں کی صورت بنا کے شہر کو لوٹنا اختیار کیا۔ اس طرح سے کہ بندوقیں وغیرہ اسباب و آلات میگزین اور کوٹھیوں سے انگریزوں کے لوٹ اپنے تئیں تلنگوں کے بھیس میں ظاہر کر کے لوٹنا شروع کیا۔ چنانچہ پانچ آدمی کل گرفتار ہوئے انجام کو ظاہر ہوا کہ کوئی تو کہار ہے مسمّن صاحب کا اور ایک اہیر اور ایک چمار ہے جو من کی چھاؤنی میں بناتا تھا اور دو اور چار ۔ ۔ ۔ ۔ جب جھوٹ اور فریب ظاہر ہوا تو صوبے دار اور سپاہیوں نے خوب جوتے مارے اور اب قید ہیں۔ ایک عرضی حضور میں گذری کہ سپاہی شکلیں شہر کی رعیت کو لوٹتے ہیں۔ حضور سے کوتوال شہر کو حکم ہوا کہ گرفتاری عمل میں آوے اور افسروں کو بہت فہمائش ہوئی۔"

ان اقتباسات سے جہاں ایک طرف شہر کی حالت کا نقشہ سامنے آتا ہے، انتظامات کی ہلکی سی جھلک ملتی ہے وہاں دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ باغی سپاہ نے شہر کی لوٹ مار میں حصہ نہیں لیا بلکہ غنڈوں نے اُن کا بھیس بنا کر یہ کام کئے اور انقلابی فوجیوں نے اُن کی جھوٹوں سے تواضع کی۔

انگریزوں کا قتل

بہادر شاہ کی اپیل پر ۱۴۹ انگریزوں کو قلعے میں نظر بند کر دیا گیا تھا مگر باغیوں کو برابر غداری اور جاسوسی کی خبریں ملتی تھیں اور یہ

حقیقت اب اُن سے پوشیدہ نہ رہ گئی تھی کہ حکیم احسن اللہ اور محبوب علی انگریزوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ اُنھیں یہ بھی پتہ چلا کہ اِن انگریز قیدیوں کی مدد سے میرٹھ کے انگریزوں سے نامہ و پیام کیا جا رہا ہے۔ یہ خبریں سن کر اُن کا مشتعل ہو جانا یقینی تھا۔ احسن اللہ کی یادداشت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انقلابی سرداروں نے کچھ کاغذات پکڑے جن سے حکیم احسن اللہ کی غداری ثابت ہوتی تھی اس پر وہ سخت برہم ہوئے۔ [1] اِن حالات نے انقلابیوں کو اس قدر غضبناک کر دیا کہ اُنھوں نے بادشاہ کے منع کرنے کے باوجود تمام انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی تھے کاٹ کر پھینک دیا۔ بعض جگہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ احسن اللہ نے ان انگریزوں کو بچانے کے لیے قرآن مجید اور حدیث کے حوالے دیئے لیکن ظہیر دہلوی نے "داستانِ غدر" میں جو تفصیل دی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسن اللہ گھر سے ہی نہ نکلا۔ [2]

راجہ کشن گڑھ کی کوٹھی میں جو انگریز مقیم تھے اُنھیں بھی باہر لایا گیا (تقریباً تیس)، بہادر شاہ کے ولی عہد نے یہ کہہ کر بچانا چاہا کہ ان کو ہمیں دیدو ہم حراست میں رکھیں گے مگر انقلابیوں نے ان کا کام تمام کرنا ہی بہتر سمجھا۔ جوائنٹ مجسٹریٹ تھیوفلس مٹکاف جان بچا کر بھاگ نکلا جو انگریز اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئے وہ کرنال کی طرف بھاگے مگر ان کو انتہائی مصیبت کا سامنا ہوا۔ ایک انگریز کا بیان ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ہمراہ بھاگا جا تا تھا کہ عوام نے گھیر کر لوٹ لیا۔ اس انگریز نے اپنا سر زمین پر رکھ دیا۔ ایک شخص نے اس کے سر پر پاؤں رکھا، قریب تھا کہ سر تن سے جدا ہو کہ انگریز نے کہا "میں اپنا سر اس نیت سے قربان کرتا ہوں کہ تم میرا سر لینے کے بعد عورتوں کی بے عزتی نہ کرنا" یہ سُن کر لوگوں نے اسے چھوڑ

---

[1] جنرل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی۔ جنوری ۱۹۵۵ء ص/۱۰

[2] داستان غدر/ ۸۵-۸۴

دیا۔ ایک اور انگریز کا بیان ہے کہ لوگ اسے کھینچ کر ایک گاؤں میں لے گئے اور اس سے کہا کہ "تم فرنگیوں نے چاہا تھا کہ ہم لوگوں کو عیسائی بنا دو؟"۔ انھوں نے اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیئے۔ ایک نے کہا "کریم بخش جاؤ اپنی تلوار لے آؤ ہم اس کا سر کاٹیں گے"۔ کچھ انگریز جو کرنال روانہ ہوئے بیان کرتے ہیں کہ بعض جگہ لوگ مہربانی کرتے مگر اکثر جگہ طعنے اور نامہربانیاں ہوتیں۔ حتیٰ کہ کوئی سائے میں بھی نہ بیٹھنے دیتا، پانی بھی میسر نہ آتا۔ جب یہ لوگ بال گڈھ پہنچے تو رانی منگلا دیوی نے ان کی خاطر مدارات کی مگر رعایا نے دھمکی دی کہ اگر ان کو رخصت نہ کیا گیا تو ہم تمہارا موضع لوٹ لیں گے مجبوراً یہ لوگ وہاں سے نکالے گئے[1]۔ یوریین خاتون انگلیسی اپنی سرگذشت میں کہتی ہے:

"ایک وقت وہ تھا کہ شہر میں جو انگریز گذرتا تھا عزت کی نگاہیں اس کے خیر مقدم کو اٹھتی تھیں، ایک وقت یہ ہے کہ ہر ذلیل سے ذلیل ہندوستانی ہماری توہین و تحقیر پر آمادہ ہے جس کی طرف دیکھو آنکھوں سے خون گرا رہا ہے، غصے سے دانت پیستا ہے گو زبان سے نہ کہیں مگر اُن کی زبانِ حال کہہ رہی ہے کہ یہ مملکت ہندوستانی ہے جو بطور وراثت ہم کو ہمارے اجداد سے پہنچی ہے۔ تم دوسرے ملک کے رہنے والے کس حق سے ہمارے اوپر حکومت کر رہے ہو؟ کس دلیل سے حاکم بن کر ہمارے اموال و املاک پر قابض و متصرف ہو؟" [2]

انقلابی فوجوں کی آمد | مختلف جگہوں سے فوجیں بغاوت کر کے دہلی ہیں

---

[1] کنہیا لال: محاربۂ عظیم / ۹۸ - ۸۶

[2] ظفر حسن عاصی (مترجم): ایامِ غدر

داخل ہونے لگیں وہ لوگ اپنے ہمراہ خزانے لائے اور شاہی خزانے میں داخل کر دیئے۔ چنانچہ علی گڈھ، آگرہ، متھرا، مین پوری اور نصیر آباد وغیرہ سے اسی طرح فوجیں دہلی آگئیں۔ یہ عمل نہ صرف انقلابی فوجیوں کے کردار اور ایمانداری کو واضح کرتا ہے بلکہ اس تمام نقل و حرکت اور عمل کے پس منظر میں ایک سوچی سمجھی اسکیم کا پتہ بھی دے رہا ہے جس کا تمام ملک میں جال نہایت ہوشیاری سے پھیلا دیا گیا ہوگا۔ مورخ میلین غلط نہیں کہتا کہ :

"اس ہمہ گیر سازش کے خفیہ ایجنٹوں نے جو فیض آبادی مولوی (احمد اللہ) اور اس کے ساتھیوں نے پھیلائی تھی، اس موقعے پر اپنا کام اس قدر ہوشیاری سے کیا تھا کہ خصوصی طور پر شمالی مغربی صوبوں کے فوجیوں اور عوام کے جذبات کو اس دیوانگی کی حد تک پہنچا دیا تھا جس کی صلاحیت صرف مشرق کے باشندے ہی اپنے اندر رکھتے ہیں" [1]

بلب گڈھ کے راجہ ناہر سنگھ انقلابیوں کے حامی تھے ۲۵ مئی کو راجہ کی طرف سے ایک سوار آیا جس نے اطلاع دی کہ مہاراجہ نے انگریزی فوج دیکھی ہے جو دہلی کی طرف آرہی ہے مگر بعد میں یہ خبر غلط نکلی۔ راجہ نے پلول تک انگریزوں کو نکال دیا تھا۔ جھجر کی باغی فوج بھی خزانہ لے کر دہلی آگئی۔ لیکن اس کے پہلو بہ پہلو غداروں کی سرگرمیاں بھی جاری تھیں ۲۶ مئی ۵۷ء کو کسی نے اسلام گڈھ کی توپوں کو کنکروں اور پتھروں سے بھر دیا۔ باغیوں نے حکیم احسن اللہ اور محبوب علی پر شبہ کیا اور تلواریں نکال لیں مگر بہادر شاہ کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ۲۷ مئی کو بھر دمدموں کی بعض توپوں میں میخیں ٹھونک دی گئیں

---

1. MALLESON: Indian Mutiny (1891) p. 114 [1]

اور باقی میں کنکر پتھر بھر دیئے گئے جس کی وجہ سے انقلابیوں میں بے حد غصہ اور جوش پھیل گیا۔ دہلی کا ایک سیٹھ لچھمن داس روزانہ انقلابی سپاہیوں کی دعوت کرتا تھا۔

انگریزوں کی تیاریاں

دہلی کے تار گھر سے انبالے کو بغاوت کی اطلاع بذریعے تار دیدی گئی تھی جہاں سے اس تار کی نقلیں شملہ کو روانہ کردی گئیں کیونکہ کمانڈر انچیف انسن یہیں مقیم تھا۔ وہ ۱۴ مئی کو وہاں سے آیا اور تیاریاں شروع کیں مگر فوج بگڑی ہوئی تھی اور عوام انگریز کے خون کے پیاسے۔ لہٰذا ایسے آڑے وقت میں پنجاب کے والیانِ ریاست کام آئے۔ یہ پٹیالہ۔ نابھہ اور جیند وغیرہ کے راجہ تھے انھوں نے انقلابیوں کے پیغام بروں کو قتل کرایا، انگریزوں کی امداد کے لئے روپیہ بہایا، فوجیں مہیا کیں، راستوں کی حفاظت کی، انگریزوں کے ساتھ ہو کر دہلی پر حملہ کیا اور جب پنجاب میں بغاوت کا علم بلند ہوا تو نہایت سفاکی سے باغیوں کا قتلِ عام کیا جو انبالے سے جو باغی فوجیں دہلی آرہی تھیں اُن پر پٹیالہ کی "وفادار" فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ آخر کار ۲۰ مئی کو انگریزی فوجیں تیار ہو کر انبالے سے چلیں اور دوسرے مقامات کی انگریزی فوجوں کو جمع ہو کر باغپت پر ملنے کے احکامات کمانڈر انچیف نے جاری کئے۔ لیکن اسی دوران میں (۲۷ مئی) کمانڈر انچیف کو کالرے نے جان بحق کر دیا اور برنارڈ اس کی جگہ مقرر ہوا۔ اب یہ لشکر دہلی کی طرف بڑھنے لگا مگر اس طرح کہ انبالہ اور دہلی کے درمیان ہزاروں گاؤں کے وہ تمام لوگ جو آسانی سے ہاتھ لگے، قطاروں میں کھڑے کیئے گئے اور موت کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ اُن کو صرف پھانسیاں نہیں دی گئیں بلکہ سر کے بال پکڑ کر اٹھایا گیا اور سنگینیں چبھو کر ہلاک کیا گیا، نیز فی برچھوں اور سنگینوں کی مار سے ہندوؤں کے منہ میں گائے کا گوشت ٹھونسا گیا۔

انتظامیہ کورٹ

دہلی میں فوجی اور ملکی انتظام کے لیئے ایک کورٹ بنایا گیا، اس کا دستور العمل دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کورٹ موجودہ زمانے کے جمہوری انداز پر ترتیب دیا گیا تھا چنانچہ دستور العمل کی دفعہ ۱۲ اس طرح تھی:

"اس جلسے میں دس آدمی مقرر کیے جائیں اس تفصیل سے کہ چھ جنگی اور چار ملکی۔ دو شخص پلٹن پیادگان اور دو شخص رسالہ ہائے سواران سے اور دو شخص سررشتہ توپ خانہ سے ..... اُن دس شخصوں میں سے ایک شخص باتفاق غلبہ آرار سے پریسی ڈنٹ یعنی صدر جلسہ اور ایک شخص وِس پریسیڈنٹ یعنی نائب صدر جلسہ مقرر ہوا اور رائے صدر جلسہ کی برابر دو رائے کے قرار پاوے اور ہر ایک سررشتہ میں بقدر ضرورت سکتر مقرر کیے جائیں ...." [1]

یہ کورٹ کمانڈر انچیف کے تحت کام کرتا تھا جس کی منظوری کے بغیر کورٹ کا کوئی فیصلہ لاگو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کورٹ کے جس فیصلے کو کمانڈر انچیف منظوری نہ دے وہ دوبارہ غور کرنے کے لیے کورٹ کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اگر کورٹ اپنے فیصلے پر بضد رہے تو وہ بادشاہ کی منظوری کے لیے بھیجا جائے گا[2] لیکن حالات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کورٹ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ اس کے قواعد پر عمل ہوا کیونکہ شہر کی بدنظمی پر پوری طرح قابو نہیں پایا جا سکا۔ اس کے علاوہ انگریزوں کے وفادار خفیہ طریقوں سے اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ انقلابیوں کو بیگم زینت محل پر بھی انگریزوں کی وفاداری کا شبہ تھا جو بے بنیاد نہیں تھا۔ بادشاہ کی طرف سے قریبی علاقوں کے جاگیرداروں سے رسد مہیا کرنے کی اپیل کی گئی اور اکثر تعلقہ داروں نے مہیا بھی کی لیکن فوجوں کی تنخواہوں کے لیے روپیہ بھی درکار تھا جو ساہوکاروں سے وصول کیا گیا۔ مئی کے آخر میں صورت حال کسی حد تک سدھر گئی کیونکہ روہتک کے انقلابی فوجی ایک لاکھ چھہتر ہزار روپیہ

---

[1] SEN: Eighteeen Fifty Seven p. 75

[2] دہلی میں انتظامی تفصیلات کے لیے ڈاکٹر مہدی حسن کی انگریزی کتاب 'بہادر شاہ اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی' باب ۲ دیکھا جائے۔

539

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بغاوت کے بعد دہلی میں انتظامیہ کورٹ کا دستور۔

لے کر آئے لیکن کچھ ہی دن بعد پھر وہی حال ہوا اور مہاجنوں سے وصول کیا گیا جس کی وجہ سے تاجر طبقہ باغی فوج سے بدظن ہوتا گیا۔ باغی صفوں میں کوئی بھی با صلاحیت لیڈر موجود نہیں تھا ورنہ میرٹھ کی بغاوت کے بعد انگریزوں کی تباہ حالی سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا مگر مئی کا پورا مہینہ گذر کر جون آیا تو باغی سپاہ آپس کے اختلافات میں الجھ کر رہا سہا نظم و ضبط بھی کھونے لگی۔

ہنڈن ندی پر مقابلہ کمانڈر انچیف برنارڈ کی سرکردگی میں انبالے سے اور بریگیڈیر ولسن کے ماتحت میرٹھ سے انگریزی فوجیں یکجا ہو کر ۳۰ مئی کو غازی الدین نگر (غازی آباد) کے قریب آگئیں۔ ادھر سے انقلابی فوجوں نے بڑھ کر اُن کی پیش قدمی کو روکا اور ہنڈن ندی کے کنارے یہ تصادم ہوا باغی فوج کی کمان ایک نوعمر شہزادہ مرزا ابوبکر کر رہا تھا جس نے گولہ باری تو کیا، کبھی بندوق کی آواز یا تلوار کی جھنکار بھی نہ سنی ہو گی۔ یہاں شہزادے صاحب ندی کے پُل کے پاس ایک مکان کی چھت سے جنگ کا "معائنہ" کر رہے تھے۔ اس جنگ کا حال ظہیر دہلوی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ جنگ دوپہر بارہ بجے شروع ہوئی۔ ایک سوار کا بیان تھا کہ "ہماری فتح ہو گئی، گورے مقابلے سے بھاگ گئے۔۔۔ ہنڈن ندی کے اِس پار ہم تھے اور اُس پار وہ تھے۔ جانبین سے توپیں چلتی رہیں ہمارے توپ خانے نے بڑا کام دیا آدمی کے پیچھے گولہ لگا دیا دوسرے یہ بات بھی ہوئی کہ گورے دھوپ کی تیزی اور حرارت آفتاب کی تاب نہ لا سکے۔۔۔۔ لیکن اپنی توپیں وغیرہ سب سامان اپنے ساتھ لے گئے"۔ [1] اس جنگ کے دوران جب باغی فوج کے ایک حصے میں کچھ پسپائی کی شکل پیدا ہوئی تو ایک بہادر سپاہی نے اپنے میگزین میں

---

[1] داستانِ غدر۔ ۸۷

آگ لگا دی جس سے ہولناک دھماکہ ہوا، انگریز کیپٹن انڈریوز اور اس کے سیکڑوں ساتھی لقمۂ اجل ہو گئے، ساتھ ہی یہ بہادر سپاہی بھی کام آ گیا۔ مشہور مورخ جان کے اس کی دلیری پر حیران ہو کر لکھتا ہے:

"اس سے پتہ چلتا ہے کہ باغیوں میں ایسے دلیر اور باہمت لوگ تھے جو قومی مفاد کے لئے جان دینے کو تیار تھے"

گرتھیڈ نے اپنے ایک خط میں اس انقلابی سپاہی کا نام دیوی سنگھ لکھا ہے جس نے فائر کر کے میگزین اڑایا اور اس کے بعد خود دم سادھ کر اس طرح پڑ گیا جیسے وہ مر گیا ہے۔ گرتھیڈ کا بیان ہے کہ ایک انگریز کیپٹن نے ٹھوکر مار کر اٹھایا اور زندہ پا کر کئی سنگینیں اس کے سینہ میں پیوست کر دی گئیں [1]۔ میلین کو بھی اقرار ہے کہ باغی بہادری سے جم کر جنگ کرتے رہے مگر جب انگریزی فوج کے ایک حصے نے ان کے بائیں بازو پر بھی حملہ شروع کیا تو وہ ایک گاؤں کی چہار دیواری میں چلے گئے۔ آخر یہاں سے بھی نکل کر دہلی کی طرف واپس گئے اور اگلے دن پھر مقابل آئے تو ہنڈن کے داہنے کنارے ایک پہاڑی پر مورچہ بنایا اور تقریباً دو گھنٹے دونوں طرف سے گولہ باری ہوتی رہی۔ آخر کار انگریز جنرل نے مخالف توپ خانے کا زور کم ہوتا دیکھ کر عام حملے کا حکم دیا لیکن باغی سپاہی اس سے پہلے ہی گولیوں کی بوچھار کرتے ہوئے واپس دہلی کی طرف مارچ کر گئے۔ اور اس طرح انگریز، جو گرمی کی شدت سے ادھ مرے ہو چکے تھے، یہ جنگ ہار کر بھی جیت گئے۔ یہاں ایک نظارہ اور بھی قابل دید ہے۔ شہزادے صاحب جو باغی فوج کے سردار تھے، ایک مکان کی چھت پر تشریف فرما تھے، اتفاقاً ایک گولہ ان کے قریب آ کر پھٹا اور فضا گرد آلود ہو گئی۔ آپ جھٹ چھت پر سے کود ے اور محافظ دستے کے ساتھ
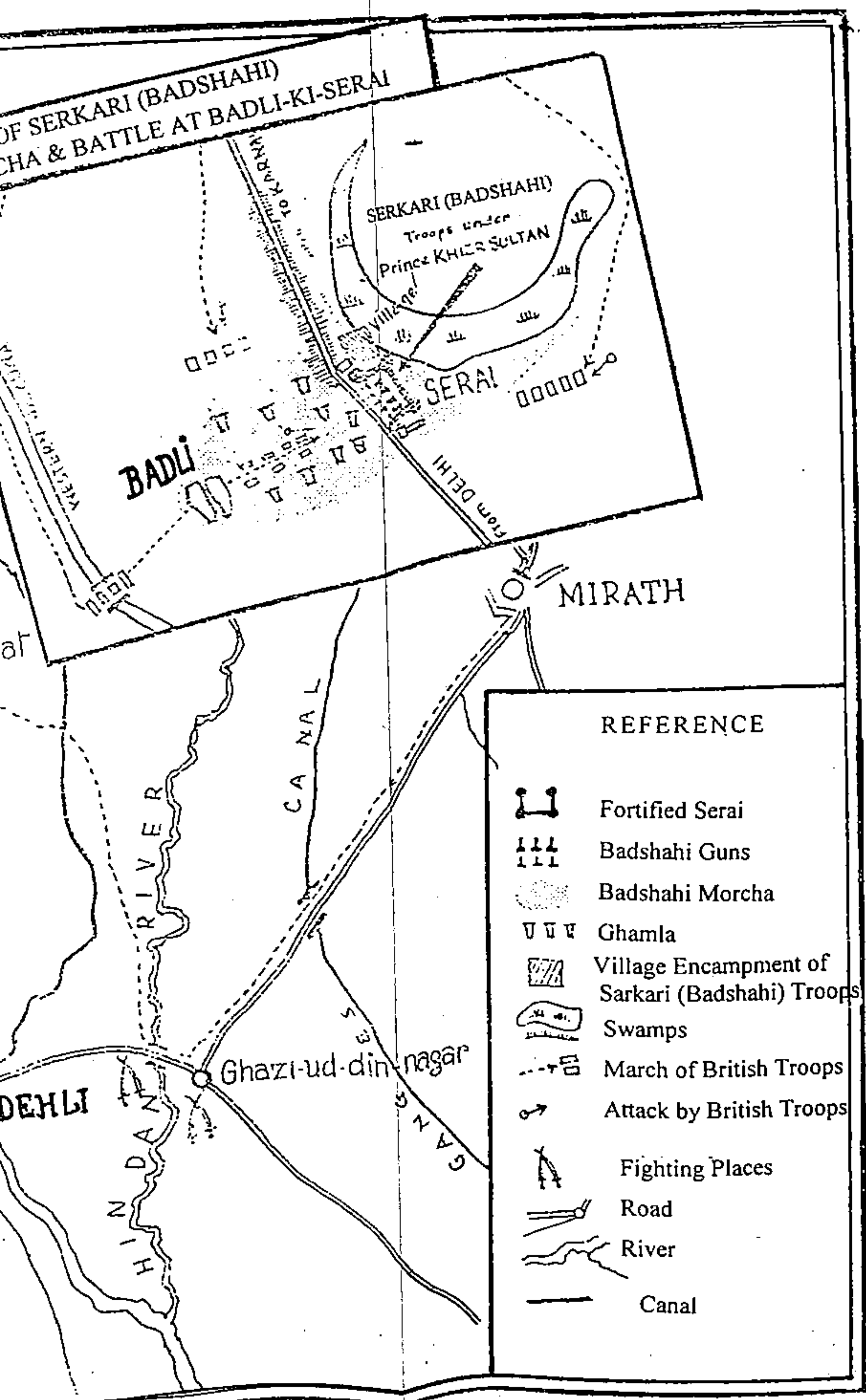
---

[1] 1. GREATHED: Letters Written During the Mutiny

OF SERKARI (BADSHAHI)
CHA & BATTLE AT BADLI-KI-SERAI
TO KARNAL
SERKARI (BADSHAHI)
Troops under
Prince KHIZR SULTAN
Village
SERAI
BADLI
From DELHI
MIRATH
CANAL
RIVER
HINDAN
Ghazi-ud-din-nagar
GANGES
DEHLI
REFERENCE
Fortified Serai
Badshahi Guns
Badshahi Morcha
Ghamla
Village Encampment of Sarkari (Badshahi) Troops
Swamps
March of British Troops
Attack by British Troops
Fighting Places
Road
River
Canal
UTSIDE THE CITY)
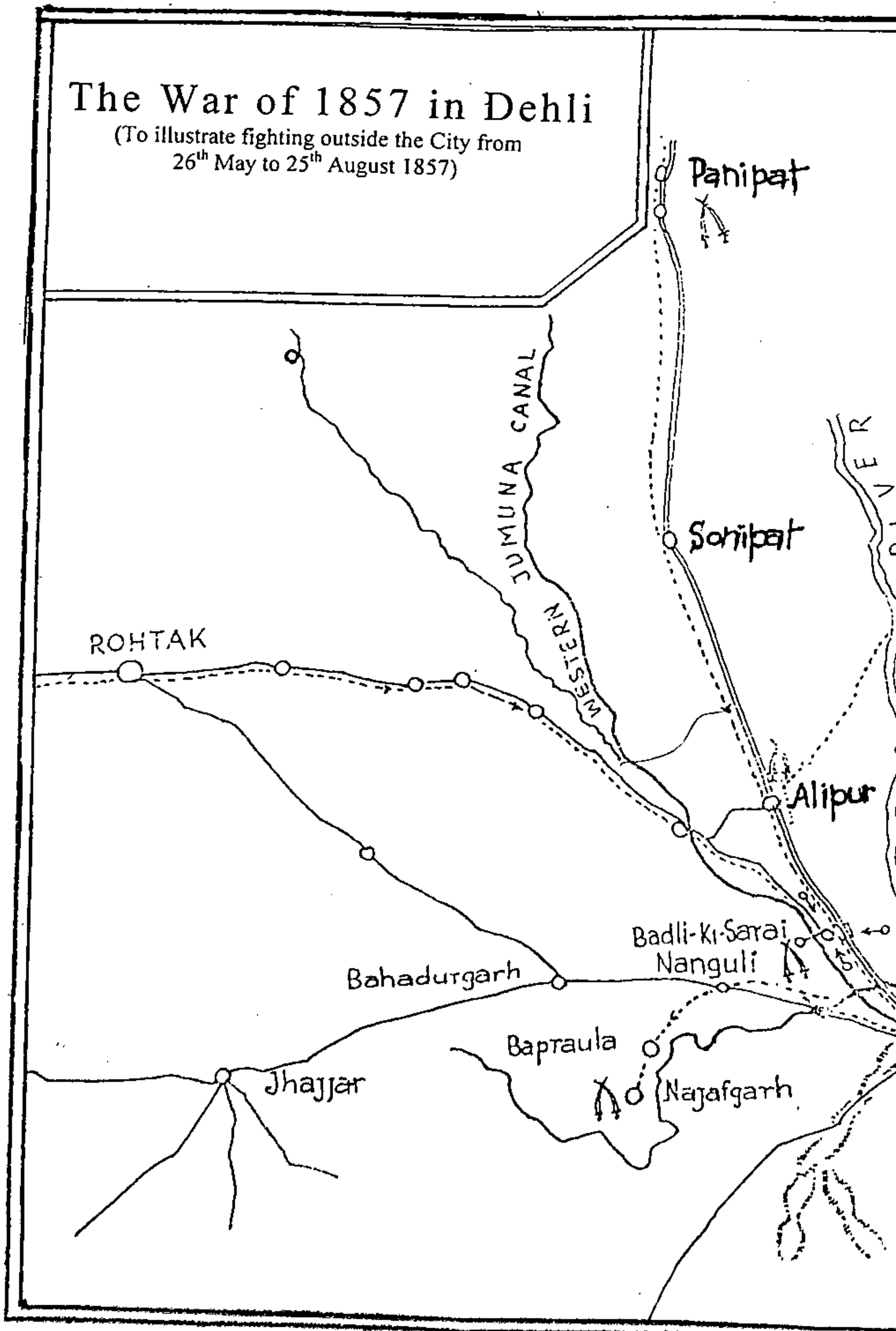
THE WAR OF 1857 IN DEHI

پیچھے کی طرف چلے گئے۔ اس حرکت کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ فوج کے پیر اُکھڑ گئے مگر ان بھگوڑوں سے قدرت نے بھی انتقام لیا یعنی پُل پار کرتے وقت ٹوٹ گیا لہٰذا متعدد آدمی جمنا کی آغوش میں سو گئے [۱]

بادلی کی سرائے پر جنگ

۸ر جون ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوجیں متحد ہو کر علی پور سے دہلی کی طرف بڑھیں انقلابی فوج نے دہلی سے شمالی سمت پانچ میل دور بادلی[۲] پر مقابلہ کیا۔ انگریزی جاسوس تمام اطلاع پہنچا چکے تھے اور انقلابیوں کی ہر نقل و حرکت اور توپوں کی پوزیشن معلوم ہو چکی تھی۔ اُن کے پاس اعلیٰ درجہ کی توپیں اور سامانِ جنگ تھا، وہ تعداد میں انگریزی فوج سے کہیں زیادہ تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے بعد برنارڈ نے اُن کی توپوں پر نمائشی حملے کا حکم دیا۔ انقلابی دلیری سے اپنی توپوں کے گرد جنگ کرنے لگے ان کی پوری طاقت اِدھر لگا کر انگریزی لشکر بائیں طرف سے حملہ آور ہوا، ساتھ ہی ہوپ گرانٹ نے اپنی سوار فوج اور توپ خانہ لے کر پیچھے سے حملہ شروع کر دیا یہ عمل اس قدر فیصلہ کُن تھا کہ انقلابیوں کا اگلا حصہ فوراً بکھر گیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔ یہاں بھی ایک چھبیلا مغل شہزادہ اُن کی کمان کر رہا تھا۔ وہ اس بُری طرح شکست کھا کر ہٹے کہ چھبیس[۲۶] بہترین توپیں اور سامان جنگ وغیرہ چھوڑ گئے۔ اب وہ دہلی کی چہار دیواری میں بند اور انگریز بہ آسانی شہر کے سامنے پہاڑی پر قابض ہو گئے انھوں نے اپنی فوجی پوزیشن

---

[۱] حسن نظامی: غدر کی صبح شام / ۷۷

[۲] یہ مقام بندیل کی سرائے یا سرائے جھڑولہ کہلاتا ہے۔ یہاں اُن دنوں ایک قلعہ نما چہار دیواری تھی جو آج بھی شکستہ حالت میں موجود ہے گاؤں کے شمال میں دو ٹیلے اور ایک پرانی عمارت ہے اس ٹیلے پر انقلابیوں نے توپیں لگائی تھیں، مغرب میں ریلوے لائن ہے۔ اسی جگہ شالامار باغ ہے جہاں سے یہ منظر دکھائی دیتا ہے۔

مضبوط کر کے شہر کو نشانہ بنایا کیونکہ یہ جنگی لحاظ سے بہترین مقام تھا جہاں سے شہر دہلی پر حملہ کیا جا سکتا تھا اور پیچھے سے حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا جہاں سے رسد پہنچ رہی تھی۔ برنارڈ جانتا تھا کہ دہلی کی قسمت کا فیصلہ پورے ہندوستان کا فیصلہ ہوگا۔ اِدھر انقلابیوں میں بہادری اور جرأت کی کمی نہ تھی البتہ فوجی رہنمائی اور جنگی مہارت اُنھیں میسر نہ تھی ــــ اُن کے راہ نما فوجی کمانڈر نہیں بلکہ عیاش شہزادے تھے!

پہاڑی (ریج) کے داہنی سمت سبزی منڈی کی طرف میجر ریڈ اپنی سیمور گورکھا فوج کے ساتھ مقیم ہوا (ہندو راؤ ہاس پر) بائیں طرف فلیگ اسٹاف ٹاور ایک بہترین مشاہدہ گاہ اور پکٹ کا کام دینے لگا۔ اس کی قریب کی مسجد اور ہندو راؤ ہاؤس کی آبزرویٹری کو پکٹ پوسٹ بنا دیا گیا۔ فلیگ اسٹاف ٹاور (باوٹہ) سے جمنا کی سمت میں مٹکاف ہاؤس تھا اور قریب ہی لڈلو کیسل[1] جو انقلابیوں کے لئے مددگار ہو سکتے تھے اور یہاں سے وہ انگریزوں کی پوزیشن پر دباؤ ڈال سکتے تھے مگر اُنھوں نے اِن کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ اُن کا خاص نشانہ ہندو راؤ ہاؤس تھا جہاں ۹ رجون کو بھرپور حملہ کیا لیکن اُسی دن انگریزی کیمپ میں ہوتی مردان سے تازہ فوج آگئی تھی جس نے حملے کو پسپا کیا۔ اگلے دن انقلابیوں نے پیچھے کی طرف سے حملہ کیا اور انگریزوں کا مٹکاف ہاؤس تک قبضہ ہوگیا جو جمنا کے کنارے ہے۔ باغی فوجیں روزانہ پہاڑی کی انگریزی فوج سے مقابلے کرتی رہیں۔ ۱۵ رجون کو انھوں نے مٹکاف ہاؤس پر قبضہ کرنے کی ناکام کوشش کی اور دو دن بعد پھر ایک زبردست تصادم ہوا۔

انگریزی چال کامیاب باغی افواج میں ہمت اور دلیری تھی مگر دوسری طرف جنگی چالیں اور فریب تھا جس کے آگے بہادری ہر جگہ مات کھا گئی

---

[1] لڈلو کیسل میں دہلی کا کمشنر سائمن فریزر رہتا تھا جو ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو مارا گیا۔ مٹکاف ہاؤس جوائنٹ مجسٹریٹ تھیوفلیس مٹکاف کی قیام گاہ تھی جو اُس کے باپ تامس مٹکاف نے ۱۸۳۲ء میں تعمیر کیا تھا۔

چنانچہ ایک ایسی ہی جنگ کا حال، جو سبزی منڈی سے آگے کے علاقے یعنی باغ محلدار خاں کے ترپولیہ (موجودہ پرتاپ باغ) کے قریب ہوئی، ظہیر دہلوی نے "داستانِ غدر" میں بیان کیا ہے کہ ایک دن دو سوار نیلی وردی اور نیلی جھنڈیاں لیے ہوئے لال قلعے کے چھتے میں انھیں ملے جنھوں نے بتایا کہ انگریزوں کی فوج علی پور میں ہے اور ہم نظر بچا کر چلے آئے ہیں، اپنے بھائی بندوں یعنی انقلابی فوجیوں کو اطلاع دینے آئے ہیں کہ حملے کے وقت ہم تم میں آملیں گے ذرا اس بات کا خیال رکھنا۔ اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ فوج کے افسر کس طرف ہیں۔ چنانچہ انھیں بتایا گیا کہ "تم چھتے سے نکل کر بائیں ہاتھ کی جانب ترپولیہ سے اور نہر سے اُدھر سیدھے چلے جاؤ۔ اور آخیر کو قلعے کا دروازہ آئے گا اور پرانا پُل جمنا کا، اُس کے اوپر سے گذر کر سلیم گڈھ کا دروازہ آئے گا اس دروازے کے اندر چلے جانا وہ سب افسر تم کو موجود پائیں گے" یہ دونوں سوار انقلابی افسروں سے بات کر کے اور تمام جائزہ لے کر چلے گئے۔ اگلے دن صبح تین چار بجے کے قریب علی پور کے نزدیک جنگ کی تیاری کے بعد توپیں چلنا شروع ہوئیں۔ انگریزی فوج کا سخت نقصان ہو رہا تھا کہ اسی دوران میں ایک دستہ جو نیلی وردیوں میں تھا اور نیلی جھنڈیاں لیے ہوئے تھا انقلابیوں کی توپوں پر حملہ آور ہوا یہ دھوکا کھا گئے اور خیال کیا کہ یہ وہی دستہ ہے جس کے سوار شام کو آئے تھے اس لئے ان پر فیر نہیں کیا لیکن یہ گوروں کا دستہ تھا۔ جب فریب معلوم ہوا اور فیر کرنا چاہا تو وہ لوگ بہت قریب آ چکے تھے، دست بدست جنگ کے بعد توپیں انگریزوں نے چھین لیں اور اُن کا رُخ باغی فوج کی طرف کر کے گولہ باری شروع کر دی۔ پیادہ فوج میں بھی سخت مقابلہ ہوا مگر توپیں چھن جانے سے انقلابی فوجوں کو سخت نقصان ہوا وہ دھوکا کھا کر پیچھے ہٹنے لگیں اور بدحواس ہو گئیں۔ بھاگنے والوں میں سب سے آگے اِن فوجوں کے کمانڈر مرزا خضر سلطان تھے ــــــ!

اِنقلابی سپاہیوں کی جگرداری

اس جنگ کا ایک چشم دید بیان ظہیر دہلوی کی زبان سے سُنیئے، وہ کہتے ہیں کہ جب گوروں نے

توپوں پر قبضہ کیا تو بھی باغیوں نے ہمت نہ ہاری اور دست بدست جنگ کرتے رہے:

"غرض کہ کتنی دیر تک یہ ہنگامۂ جدال و قتال گرم رہا کیونکہ بندوقوں کی باڑوں کی صدا متصل دو گھنٹے کے قریب تک آتی رہی اور بعد اس کے مختلف فٹ فیر کے طور پر آوازیں آنے لگیں آٹھ بجے کا عمل ہو گیا تھا، میں قلعہ اپنی نوکری پر جاتا تھا جب جوہری بازار کے پھاٹک سے سڑک پر آیا ہوں تو میں نے دیکھا کہ زخمی بکثرت شہر میں آرہے ہیں اور ایک ایک زخمی کے ہمراہ تین تین چار پوربیے لپٹے ہوئے اور اسے لیے چلے آرہے ہیں۔ سڑک پر خون گرتا چلا جاتا ہے اور تمام سڑک گلرنگ ہو رہی ہے اور خون کی افشاں ہوتی چلی آتی ہے جیسے ہولی میں زمین پر رنگ گرتا ہے۔ دو سوار میری برابر سے نکلے میں نے دیکھا کہ اُن کے سینوں پر گولیاں لگی ہوئی ہیں اور چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے اور پشت پر بھمباتے کھلے ہوئے تھے اور کلیجے اور پھیپھڑے کے ٹکڑے اور خون کے لختے پریچے پڑے تھے۔ دائیں ہاتھوں میں ان کے تنیچے اور بائیں ہاتھوں میں گھوڑوں کی باگیں تھیں اور کسی طرح کا کرب اور بدحواسی اُن کے بُشرے سے ظاہر نہیں تھی اچھی خاصی طرح اُن کے ہوش و حواس قائم تھے اور آپس میں باتیں کرتے چلے آتے تھے مجھے آج تک اس امر کا تعجب ہے کہ اتنی دیر تک وہ زندہ سلامت کیونکر رہے اور پانچ کوس تک زندہ کیونکر چلے آئے۔۔۔۔ ایک زخمی کو دیکھا اُس کا ہاتھ کہنی پر سے اُڑ گیا تھا اور کٹے ہوئے بازو سے خون گرتا چلا آتا تھا اور اپنے پاؤں سے چلا آتا تھا اور دو ایک پوربیے اس سے کہتے ہوئے آتے تھے کہ بھیّن ہم تم کو ہاتھوں پر اٹھا کر ڈیرے پہنچا دیں تو وہ کہتا تھا کہ نہیں میرے پاس نہ آؤ۔ غرض کہ اس طرح زخمی سوار پیدل ملے"۔ [1]

---

[1] ظہیر دہلوی: داستان غدر/ ۹۲

انقلابی فوجوں کے ایک افسر نے اس لڑائی کا حال یہ سنایا کہ توپوں پر قبضہ ہونے کے بعد فوج پیچھے ہٹنے لگی اسی دوران میں لکھنؤ کا رسالہ مدد کو پہنچا اور کہا تم میدان چھوڑ دو ہمیں ان پر دھاوا کرنے دو چنانچہ وہ رسالہ گوروں پر حملہ آور ہوا اور اس قدر سخت جنگ ہوئی کہ ان میں سے صرف تھوڑے سے سوار بچ کر آئے۔ انقلابیوں نے اب بھی ہمت نہیں ہاری پیچھے ہٹ کر محلدار خاں کے باغ کے قریب ترپولیہ کے تینوں دروں کے اندر گھوڑچڑھی توپیں لگا دیں اور گولہ باری شروع کی۔ باقی ماندہ فوج ترپولیہ کے اندر کی سڑک کے دونوں طرف باغوں کی چہار دیواری کے پیچھے چھپ گئی۔ جب تینوں توپیں بیکار ہو گئیں تو انگریزی فوج نے پیچھا کرنا شروع کر دیا اِدھر انقلابی فوجیں گھات لگائے بیٹھی ہی تھیں چنانچہ:

"جب باغیوں نے دیکھا کہ فوج انگریزی داخل سڑک دو باغیہ ہوگئی اور بیچ میں آگئی، یکبارگی باغات کی دیوار کے پیچھے سے کھڑے ہو کر دونوں طرف سے باڑیں جھونک دیں۔ اس وقت اس فوج کا یہ حال ہوا جیسے کبوتروں میں چھرّہ مار دیا۔ بہت آدمی ضائع ہوئے اور باغیوں کا تعاقب چھوڑ کر اُولٹے چھاؤنی کہنہ کی طرف روانہ ہوگئے اور فوج باغی یہ سمجھ کر کہ جان بچی لاکھوں پائے شہر میں داخل ہوئی اور شہر میں گھس کر دروازے بند کر لئے۔" [1]

انقلابیوں نے اس کو اپنی فتح خیال کیا، طرّہ یہ کہ پہاڑی کے مورچے والوں نے جب اس فوج کو آتے دیکھا تو وہ بھی پہاڑی پر ڈانڈا ڈیرہ چھوڑ کر شہر میں آگئے۔ ان لوگوں نے توپیں میگزین اور خیمے ڈیرے وہیں چھوڑ دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے پہاڑی کا مورچہ خالی دیکھ کر بنے بنائے مورچوں پر قبضہ جما لیا[2] قدرت نے انقلابیوں کو یہ بہترین موقع دیا تھا

---

[1] [2] داستان غدر/ ۹۵-۹۴۔ اس جنگ کی تاریخ ظہیر دہلوی نے نہیں دی غالباً جون کے تیسرے ہفتے میں ہوئی۔

کہ وہ بھاگتے ہوئے انگریزوں کا پیچھا کر سکتے تھے اور بہ آسانی اُنھیں جہاں تک چاہتے بھگا دیتے مگر اس سے نہ صرف اُنھوں نے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ پہاڑی کا مورچہ بھی دشمن کو گویا مفت پیش کر دیا اور شہر میں بند ہو کر بڑی بڑی توپیں شہر کے برجوں پر چڑھا دیں۔ انگریز علی پور پر قابض ہو گئے بلکہ آگے کے تمام مقامات پر اُن کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اگلے دن پھر ایک تصادم ہوا مگر کل کی جنگ سے انقلابی فوجوں میں بددلی پھیل چکی تھی۔ پھر بھی مرزا مغل نے اعلان کیا کہ فوج ہر وقت تیار رہے، میں اپنے مقام پر مضبوطی سے قائم ہوں مجھے شکست کا کوئی اندیشہ نہیں۔

بادلی اور علی پور کے عوام دہلی کے دیہاتی عوام نے بھی انگریزوں کے خلاف جنگوں میں شرکت کی چنانچہ علی پور کے عوام نے دہلی کی طرف آتی ہوئی انگریزی فوج کا مقابلہ کیا[1]۔ اسی طرح سے بادلی کے عوام نے بھی منظم ہو کر مقابلہ کیا ان کے علاوہ اسی نواح میں خام پور۔ حمید پور۔ سرائے اور بھال گڈھ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ [1]

انقلابیوں کی جنگیں بادلی کی جنگ کے بعد سے روزانہ انقلابی فوجیں شہر سے باہر آکر انگریزوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ چنانچہ ۱۰ جون کو جنرل صمد خاں کی سرکردگی میں حملہ آور ہوئیں۔ صمد خاں نواب جھجر کے خسر تھے، اُنھوں نے انگریزوں کے طریقۂ جنگ سے کام لینا چاہا یعنی انگریزوں سے کہلا بھیجا کہ مجھے نواب جھجر نے آپ کی مدد

---

[1] دہلی کی شکست کے بعد ان گاؤں کے عوام کو گھیر گھیر کر گولی اور پھانسی کا نشانہ بنایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بعض کو کولہو میں پیلا گیا۔ پھانسی پانے والوں میں ہنس رام اور تلسی رام وغیرہ تھے۔ بادلی میں سرائے کے اندر بہت سے سپاہی کام آئے۔ یہ مقام آزاد پور سے ایک میل آگے ہے جہاں علی پور روڈ بڑی سڑک سے ملی ہے۔

کے لئے بھیجا ہے مگر یہ ترکیب کارگر نہ ہوئی تو براہ راست حملہ کیا۔ شام کو فوجیں شہر میں آگئیں اور کشمیری دروازے کے مورچے سے گولہ باری جاری رہی۔ مقتول انگریزوں کے سر کاٹ کر اُن کا شہر میں گشت کرایا گیا۔ انگریزوں نے بھی کشمیری دروازے پر گولہ باری شروع کر دی تھی مگر ادھر سے ماہر توپچی کالے خاں نے اس قدر شدت سے گولہ باری کی کہ انگریزی توپوں کے منہ بند کر دیئے تمام شہر میں اس کی جرأت و بہادری کے چرچے ہو گئے۔ انگریزی توپ خانے فریزر کی کوٹھی اور فتح گڈھ پر تھے اور انقلابیوں کے سلیم گڈھ، کشمیری دروازے اور کابلی دروازے پر۔ باغی فوجوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ پہلے دیوان عام (لال قلعہ) میں بارود تیار کی جاتی تھی مگر پھر اس کو شمرو بیگم کی حویلی (محلہ چوڑی والان) میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۲ رجون کو باغیوں نے مٹکاف ہاؤس اور سبزی منڈی کی طرف سے حملہ کیا۔ ۱۳ رجون کو ہندو راؤ ہاؤس کی طرف حملہ آور ہوئے۔ اور ۱۵ رجون کو پھر حملہ کیا۔ ۱۷ رجون کو عیدگاہ پر مورچہ بنانا شروع کیا جو انگریزوں کے لئے کافی خطرناک ثابت ہوتا۔ یہ دیکھ کر انگریزی فوجیں اُن کے مقابل آئیں تاکہ یہ مورچہ بنانے نہ دیا جائے۔ چنانچہ ایک گھمسان کی جنگ دست بدست ہوئی اور جب تک ایک ایک انقلابی سپاہی کام نہ آگیا عیدگاہ پر قبضہ نہ ہونے دیا۔

نیمچ اور نصیر آباد کی فوجیں

۱۸ رجون کو نیمچ اور نصیر آباد اور مرار کی باغی فوجیں دہلی پہنچیں جو جنرل سدھاری سنگھ اور غوث محمد خاں کی کمان میں تھیں نیمچ کی باغی فوج کا ایک سردار بھاگیرت مصر بھی تھا۔ یہ فوجیں آگرہ ہوتی ہوئی دہلی پہنچیں جہاں سے کوٹہ کنٹینجینٹ بھی ان کے ہمراہ ہو گئی۔ آچنیرہ پر اُنھیں الور سے آتی ہوئی فوج ملی جنھیں راجہ بینی سنگھ نے کول ون (انگریز گورنر آگرہ) کی درخواست پر مدد کے لیے بھیجا تھا۔ اس فوج کو باغی فوج نے شکست دی۔ بعد میں کچھ لوگ باغی فوج میں شامل ہو گئے اور باقی قیدی بنا کر دہلی لائے گئے۔ ان قیدیوں میں چیماجی بھی تھا جو الور کی فوج کا سردار تھا۔ ان متحدہ فوجوں نے دہلی آکر انگریزوں پر پے در پے حملے کیے اور پھاٹکر

مصر نے ایسی بہادری دکھلائی کہ اس کو پانچ رجمنٹوں پر بریگیڈیر جنرل بنایا گیا[1]۔ ۱۹ر ۲۰ر جون کو نصیر آباد کی فوجیں حملے کے لئے نکلیں اور انگریزی فوج پر پیچھے سے (سبزی منڈی) حملہ آور ہوئیں۔ اُن کا حملہ بے پناہ تھا اُنھوں نے انگریزوں کی کئی توپیں چھین لیں اور بعض اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ پنجابی ریاستوں کی فوجوں نے بار بار اُن پر حملہ کیا مگر بُری طرح پسپا ہونا پڑا۔ رات ہو گئی مگر گھمسان کی جنگ جاری تھی، انگریزوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، وہ سوائے توپیں بچانے کے اور کچھ نہ کر سکے۔ رابرٹ کا بیان ہے کہ "باغیوں نے ہمیں بری طرح پسپا کر دیا تھا"۔ انقلابیوں کے پاس بارود وغیرہ ختم ہو گیا، اُنھوں نے میگزین اور سامان جنگ لینے کے لیے شہر کو آدمی بھیجے مگر پہرے والوں نے روک لیا مجبوراً یہ فتح مند فوج اگلے دن شہر میں واپس آ گئی اور انگریزوں نے اُن اہم مقامات کو مدافعت سے خالی پا کر پھر قبضہ کر لیا جو ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ اس جنگ میں ہوپ گرانٹ بری طرح زخمی ہوا اور ایک ہندوستانی 'وفادار' نے اس کی جان بچائی۔ انقلابی فوجوں نے اپنی اس فتح کی اہمیت کو محسوس نہ کیا کہ اُنھوں نے دشمن کو کس حال میں پہنچا دیا ہے۔ اگر وہ اس مقام کو نہ چھوڑتے تو پنجاب سے انگریزوں کا رابطہ ٹوٹ جاتا اور وہ پہاڑی پر محصور ہو کر رہ جاتے مگر رات میں انقلابیوں کے واپس آ جانے سے انگریز پھر اپنی پوزیشن درست کر کے سنبھلنے کے قابل ہو گئے۔

جنگِ پلاسی کی یاد

دو دن کے بعد انقلابی فوجیں پھر دشمن کو للکارنے کے لیے نکلیں۔ یہ ۲۳ر جون تھی جو ملک کی تاریخ میں یادگار ہے۔

---

[1] ۳۰ر اگست کو نجف گڈھ پر شکست کے بعد نیمچ بریگیڈ منتشر ہو گیا۔ دہلی کی شکست کے بعد باقی ماندہ سپاہی لکھنؤ چلے گئے اور کچھ خان بہادر خاں کی فوج میں شامل ہوئے۔
(جوالا سہائے، لائل راجپوتانہ - ۲۰۷)

چنانچہ پوری تیاری کے ساتھ وہ یہ تہیہ کر کے نکلے کہ "آج پلاسی کی جنگ کا بدلہ لیں گے"۔ سورج کی ہر کرن اور ہوا کا ہر جھونکا آج پلاسی اور سراج الدولہ کی یاد دلا رہا تھا۔ جیسے ہی سورج بلند ہوا، انقلابی فوجیں لاہوری گیٹ سے باہر آنا شروع ہو گئیں۔ انگریز بھی آج کے لیے تیاریاں کر رہے تھے اُن کا ضمیر پکار کر کہہ رہا تھا کہ آج میدان پلاسی کی تاریخی دغابازیوں کی قیمت ادا کرنا ہوگی ــــ آج فرزندانِ وطن اپنی قومی شکست و تذلیل کا بدلہ لیں گے اور آج کلائیو کے سیاہ کرتوتوں کا حساب چکانا پڑے گا۔ جوتشیوں نے پیش گوئی کی تھی کہ سو سال بعد انگریزی راج کا خاتمہ ہو جائے گا اور پلاسی کی جنگ سے جو داغ وطن کے دامن پر لگا تھا، آج اس کے مٹانے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ قومی جذبات کی بیداری اور دیش بھگتی کی لگن ہی تو تھی کہ اُس وقت سے سو سال پہلے سیکڑوں میل دور بنگال کی سرزمین کی یاد دہلی میں انقلابی سودائیوں کو تڑپا رہی تھی۔ جس کا اعتراف تمام انگریز مورّخ کر رہے ہیں۔

انگریزوں کو پنجاب سے مدد پہنچ چکی تھی، اُنھوں نے اپنے پیچھے کے تمام پُل توڑ دیئے۔ آج بھی سبزی منڈی سے اُن پر حملہ ہوا۔ برطانوی انفینٹری نے حملہ روکنا چاہا مگر بار بار دھکیل دی گئی۔ شہر کی فصیل سے توپ خانہ آگ اُگل رہا تھا۔ دوپہر بارہ بجے تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ میجر ریڈ، جس کا ہیڈ کوارٹر ہندو راؤ ہاؤس پر تھا (موجودہ ہندو راؤ ہسپتال)، محاصرۂ دہلی کی یادداشت میں کہتا ہے:

"بارہ بجے باغیوں نے پوری قوت اور ہمت سے حملہ کیا۔ کوئی بھی ان کی دلیرانہ جنگ سے بازی نہ لے جا سکتا تھا۔ اُنھوں نے انگریزی دستوں پر اور میری پوزیشن پر بار بار حملے کیے۔ ایک مرتبہ تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے پسپا ہو جانا چاہیے۔ شہر کی توپوں سے اور اُن بھاری توپوں سے جو وہ ۱۰ پینے ساتھ لائے تھے زبردست خوفناک آگ برس رہی تھی اور میری پوزیشن کو پوری طرح تہہ و بالا کر دیا تھا"۔[1]

---

[1] 1. SEN: p. 82 SAVARKAR: p. 294

FORREST: vol 1 p 94

جب انگریزوں کی تمام امیدیں ٹوٹنے لگیں تو پنجاب کی تازہ دم فوجوں کو میدان میں لایا گیا[1] انقلابی فوجیں دن بھر کی جنگ سے تھکی ہوئی تھیں، اُن کو اب مسلح اور تازہ دم فوج سے سامنا تھا مگر وہ برابر اُسی ہمت اور دلیری سے جنگ کرتے رہے اور کسی فتح و شکست کے بغیر یہ دن تمام ہو گیا۔

انگریزی کیمپ میں فوجوں کی آمد

۲۴ر جون کو انگریزی کیمپ میں نیویل چیمبرلین (Neville Chamberlain) پنجاب سے دہلی پہنچا جسے پنجابی فوجوں کی کمان دی گئی اور بعد میں ایڈ جوئینٹ جنرل بنایا گیا کرنل چیسٹر کی موت سے یہ عہدہ خالی تھا۔ چیمبرلین کے ساتھ ہی ایک انجنیر الگزنڈر ٹیلر بھی جس نے بعد میں دہلی پر حملے کا پلان مکمل کیا۔ بیرڈ اسمتھ کو روڑکی سے طلب کیا گیا۔ پنجاب سے برابر فوجیں پہنچ رہی تھیں اور اب کل ملا کر چھ ہزار چھ سو آدمی ہو گئے تھے۔ حملے کے لئے ۳ر جولائی مقرر کی گئی لیکن جاسوسوں نے خبر دی کہ اس دن باغی پوری طاقت سے حملے کا پلان بنا رہے ہیں اس لیے یہ دن ملتوی کر دیا گیا کیونکہ انگریز اچانک حملہ کرکے دہلی فتح کر لینے کا خواب دیکھ رہے تھے جو اس طرح شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔[2] لارڈ کیننگ نے مدراس، رنگون اور بمبئی سے تازہ فوجیں طلب کر لی تھیں۔

جنرل بخت خاں

۲ر جولائی کو صوبے دار جنرل بخت خاں اپنے چودہ ہزار لشکر اور خزانے کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ لارڈ رابرٹ کا کہنا ہے کہ

---

[1] 1.,2. SEN: Eighteen Fifty Seven pp. 82,83

SAVARKAR: p. 294

[2] FORREST: History of the Indian Mutiny Vol.1 p. 94

"روہیلکھنڈ کی فوجوں نے کشتیوں کا پل پار کر کے کلکتہ دروازے سے شہر میں داخل ہونا شروع کیا ہم لوگ پہاڑی سے صاف دیکھ رہے تھے کہ ہزاروں سپاہی پورے قواعد اور تنظیم کے ساتھ فوجی بینڈ بجاتے اور جھنڈے لہراتے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔"[1] بہادر شاہ نے مرشد قلی خاں (زینت محل کا باپ) کو استقبال کے لئے شاہدرے بھیجا۔ بخت خاں کی آمد سے انگریزی کیمپ میں کھلبلی پڑ گئی۔ وہ اس کی بہادرانہ زندگی اور کردار سے واقف تھے۔ وہ چالیس سال سے فوج کی رہبری کر چکا تھا۔ اور پہلی جنگ افغانستان میں شریک تھا۔ وہ اُس وقت عمر کی اُس منزل میں تھا کہ اسے گھوڑے پر چڑھنا بھی دشوار تھا۔ جیون لال نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ وہ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے آبا و اجداد اسی شاہی نسل سے تھے جس سے شاہ دہلی کا تعلق تھا۔ بعض جگہ اسے سلطان پور کا باشندہ اور اودھ کے شاہی خاندان کا رشتہ دار بیان کیا گیا ہے۔ ایک انگریز کیپٹن ویڈی (WEDDY) نے اس کو عظیم الشان شخصیت کا مالک بیان کیا ہے۔ بعض انگریز اس کو ایک 'بھاری بھرکم، فارسی داں، انگریزی سوسائٹی کا دلدادہ، بے حد ہوشیار، سمجھ دار اور بلند کردار کا شخص بتلاتے ہیں'[2]۔ بخت خاں کے ہمراہ نانا صاحب کے بھائی بالا صاحب بھی دہلی آئے اور مجاہدین کی ایک جماعت بھی تھی جس کی رہنمائی مولانا سرفراز علی کر رہے تھے جنہیں 'امیر المجاہدین'

لے 1. SAVARKAR: p. 296

لے۲۔ سین/۴۴۰۔ بخت خاں کے بارے میں مزید حالات روہیلکھنڈ اور اودھ کے باب میں بیان کیے جا رہے ہیں۔ ظہیر دہلوی نے اپنی کتاب (ص۔ ۲-۱۰۱) میں بخت خاں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اِن بیانات کے پیشِ نظر بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے اپنی انگریزی کتاب (بہادر شاہ...) میں لکھا ہے کہ بخت خاں کے ساتھ جو مجاہدین تھے وہ رام پور، مرادآباد، رجب پور، اور امروہہ وغیرہ سے ہمراہ آئے تھے (بحوالہ اخبار الصنادید مولفہ نجم الغنی جلد دوم ص ۳۰۶)

کہا جاتا تھا۔ بہادر شاہ نے بخت خاں کو انقلابی فوجوں کی کمان سپرد کر دی، لارڈ گورنر کا خطاب دیا۔ بخت خاں نے شہر کا انتظام درست کیا، کوتوال کو حکم بھیجا کہ اگر شہر میں بدنظمی ہوئی تو تمہاری خیریت نہیں۔ نمک اور شکر سے ٹیکس ہٹایا، عوام کو مسلح کیا اور دوسری اصلاحات جاری کی گئیں۔ مگر عیش پرست مغل شہزادے اُن سے حسد کرنے لگے۔ اب تک مرزا مغل سب کچھ تھے اب بخت خاں کے آگے کچھ نہ رہے۔ چنانچہ فوجوں کو بخت خاں کے خلاف بھڑکایا گیا، بہادر شاہ کے پاس شکایتیں بھیجیں، انگریزوں سے ساز باز کا الزام لگایا۔ ان حالات میں بخت خاں کا دل برداشتہ ہو جانا یقینی تھا۔ اس نے بہادر شاہ سے شکایت کی۔ شاہ نے جواب دیا کہ "مجھے تمہاری وفاداری پر پورا بھروسہ ہے افسوس ہے کہ لوگ تمہاری دل آزاری کرتے ہیں۔" چنانچہ بعد میں بخت خاں نے تنگ آ کر صرف بریلی کی فوج کو اپنی کمان میں رکھا علاوہ ازیں مان سنگھ کے جمع کردہ پانچ ہزار مسلح سپاہی بھی اسی کی کمان میں دیئے گئے۔ بخت خاں نے اپنی تمام فوج کو چھ ماہ کی تنخواہ پیشگی ادا کر دی تھی اور اس کے ہمراہ چار لاکھ روپیہ بھی تھا۔ اس طرح اس فوج نے بادشاہ پر کوئی بوجھ نہیں ڈالا بلکہ آسانیاں مہیا کر دی تھیں۔ بخت خاں نے انتظام اپنے ہاتھ میں لے کر شہر میں انگریزی جاسوسوں کو بھی پکڑا، انگریزی کیمپ کو خوراک بھیجنے والوں کو گرفتار کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ کی طرف سے بھیجی گئی رسد جو بیس[۲] گاڑیوں میں تھی، روک لی گئی۔ جیون لال کو جاسوسی اور غداری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بخت خاں کی فوجیں شہر سے باہر دہلی دروازے اور اجمیری دروازہ کے باہر میدان (موجودہ رام لیلا میدان) میں پریڈ کرتی تھیں۔ اس زمانے میں انگریزی کیمپ کے بہت سے ہندوستانی اور متعدد سکھ شاہی فوج میں شامل ہو گئے

2. MEHDI HASAN: Bahadur Shah -II pp. 234-235 [ملہ ۲]

جنرل بخت خاں کی آمد سے پہلے معین الدین ولد قدرت اللہ بیگ کوتوال تھا لیکن عوام کی شکایات پر اسے برخاست کر کے ۲۸ مئی کو قاضی فیض اللہ مقرر ہوا جس نے کچھ دن بعد استعفیٰ دے دیا اور مبارک شاہ کو توال بنایا گیا۔ متھرا سے باغی فوج خزانہ لے کر آئی ان کے ہمراہ سعید الدین کے مجاہدین بھی تھے۔ شہزادہ محمد عظیم لکھیا پلٹن اور ہانسی رسالہ لیکر آئے اُن کے ہمراہ بھی کچھ مجاہدین تھے، روپیہ بھی ہمراہ لائے۔ محبوب علی کا ۲۳ جون کو انتقال ہوا اور خانم بازار میں مزار حضرت شاہ کلیم اللہؒ کے احاطے میں دفن ہوا۔ اسی جگہ احمد قلی خاں کا تقرر کیا گیا[1]۔ بخت خاں نے دہلی کے قریب پہنچ کر عریضہ بھیجا کہ وہ فوجی دستے لے کر دہلی میں داخلے کی اجازت چاہتا ہے۔ احسن اللہ کی یادداشت میں بیان کیا گیا ہے کہ پُل ٹوٹا ہوا تھا، پیدل فوج پار نہیں ہو سکی اس لیے اس کو درست کرایا گیا تب تمام فوج آئی اگلے دن بخت خاں دربار میں آیا وہ اپنے رسالداروں، افسروں اور جہادیوں کے ساتھ تھا۔ بادشاہ کے سامنے آکر سادے طریقے سے سلام کیا اور اپنی تلوار نکال کر بادشاہ کو پیش کی۔ بادشاہ حیران ہوئے مگر اس کے ساتھیوں کی بہادری کی تعریف کی۔ رسالدار محمد شفیع اور مولوی امداد علی نے کہا کہ بادشاہ اس کو تلوار اور بکلر (Buckler) عنایت کریں۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا مگر بخت خاں نے قاعدے کے مطابق نذر پیش نہیں کی، اُس نے کہا:

> "میں نے سنا ہے کہ آپ نے شہزادوں کو فوج کے عہدے دیئے ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہے، مجھے اختیار دیجئے میں سب انتظام ٹھیک کر دوں گا۔ یہ لوگ انگریزی فوج وغیرہ کے قاعدے کیا جان سکتے ہیں"

مولانا سرفراز علی اور مولانا عبد الغفور کی طرف سے شہر میں اعلان جاری ہوا۔ یہ دونوں

---

[1] یادداشت حکیم احسن اللہ (جس کا حوالہ اوپر دیا گیا)

بخت خاں کے ہمراہ تھے۔ بخت خاں نے اعلان کیا کہ شہر کے تمام لوگ مسلح ہو کر باہر نکلیں "مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین ہیں اور شہر کے مسلمانوں سے جہاد کے لیے ان کے ہمراہ شریک ہونے کی اپیل کی گئی ہے، بادشاہ احسن اللہ اور صدر الدین وغیرہ سے کہیں کہ وہ بھی مولوی صاحب کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں"[1] (بخت خاں کو شاید ابھی احسن اللہ کا احوال معلوم نہیں تھا)۔ اسی دوران میں غوث محمد خاں اور سدھاری سنگھ نیمچ بریگیڈ لیے کر آ رہے تھے۔ غوث خاں نے عریضہ بھیجا کہ بخت خاں نے اس کو علی پور پر حملہ کرنے کے لیے لکھا ہے لیکن وہ پہلے اپنے آپکو بادشاہ کے رُوبرو پیش کرے گا۔ غوث خاں جو نیمچ کی باغی فوج کا سردار تھا، دونوں ہاتھوں سے محروم تھا۔ اس کے ہاتھ جنگ میں توپ کے گولے سے اُڑ گئے تھے۔ مولوی لیاقت علی بھی بخت خاں کے ہمراہ بادشاہ سے ملے۔

شہزادے صاحب کی خرمستیاں

بخت خاں کو آئے ہوئے چند ہی دن گذرے تھے کہ اس کے خلاف عرضداشتیں شروع ہو گئیں اور ۵ر جولائی کو طالع یار خاں[2] نے اُسے 'گورنر' کا خطاب عطا کیے جانے کے خلاف عریضہ پیش کیا۔ اُدھر مغل شہزادوں کی خرمستیاں قابل دید تھیں۔ ۶ر جولائی کو مرزا ابوبکر نے اپنے سوار فوجیوں کے ہمراہ ترا ہا بہرام خاں کے ایک حصے پر حملہ کیا، وہ نشے کی حالت میں تھا۔ اس نے منشی اکرام الدین اور فرخندہ زمانی بیگم کے گھر لوٹ لیے ــــ وہ اہلیت بھی انہی کارناموں کی رکھتے تھے ــــ بادشاہ بہت ناراض ہوئے، بخت خاں کو پروانہ جاری کیا کہ ابوبکر کو قید کر کے لائیں، معلوم ہوا کہ وہ مرزا مغل کے گھر میں ہے لہٰذا خضر سلطان کو حکم ہوا کہ گرفتار کریں اور سوار فوج کی کمانڈری سے برخاست

---

[1] یادداشت حکیم احسن اللہ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا۔

[2] طالع یار خاں کو حسن اللہ نے باغی فوج کا ایک افسر بتایا ہے۔

کر دیں[1]۔ اسی طرح کی حرکتیں دوسرے شہزادوں سے کبھی سرزد ہوتی رہیں۔ جگل کشور اور شیو پرشاد نے شکایت کی کہ شہزادوں نے ان کو لوٹنے اور گرفتار کرنے کی دھمکی دی۔ بعض باغی افواج کے سپاہیوں نے بھی شہر کے عوام کو تنگ کیا[2]۔ کاشی پرشاد کا بیان ہے کہ بادشاہ نے شہزادوں کو سختی سے قابو میں کیا[3]۔ ڈاکٹر سین نے اپنی انگریزی کتاب (اٹھارہ سو ستاون) میں لکھا ہے کہ بادشاہ کی ناراضگی اور سخت تادیبی کارروائیوں کے باوجود ان آوارہ شہزادوں پر کوئی اثر نہیں ہوا البتہ بہادر شاہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

> "بہادر شاہ نے دیانت داری کے ساتھ عوام کے لیے اپنا فرض نبھانے کی پوری کوشش کی۔ کمزوری اور ناتوانی کے باوجود اپنی ذمہ داریوں سے کبھی دامن نہیں بچایا۔ اس نے ۲۷ر جون کو مرزا مغل کے نام ایک سخت تہدیدیہ آمیز خط لکھا۔"[4]

عوام میں خوف و ہراس تھا، انگریزی 'وفاداروں' کی کارروائیاں اور بھی ہراساں کر رہی تھیں یہاں تک کہ مشہور توپچی قلی خاں کو بھی انگریزوں سے ساز باز کا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا جس نے اُس زمانے میں گولہ باری سے ناموری حاصل کی تھی۔ انگریزوں کے مقابلے میں فیصلہ کن کامیابی نہ ہونے سے صورت حال اور بھی نازک ہوتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ قلعے میں بھی انقلابیوں کے خلاف کارروائیاں برابر جاری تھیں۔

انگریزوں کو شکستیں

بخت خاں نے اپنی اسکیموں کو بروئے کار لانا شروع کیا، ۴ر جولائی ــــــــــ کو پیچھے سے حملے کیے، انگریزی فوج کی رسد کاٹنے کے لیے دستے روانہ کیے۔ ۹ر جولائی کو انقلابیوں کے ایک

---

[1] یادداشت حکیم احسن اللہ۔ سین/۸۵

[2]، [3] سین/۸۴۔ بحوالہ مٹکاف اور میور

[4]

1-4. SEN: Eighteen Fifty Seven pp. 84,85

سوار دستے نے انگریزی توپخانے کے بکٹ پر دھاوا کیا، سنگین بردار لشکر کو شکست دی اور توپخانے کے ہندوستانی سپاہیوں کو للکار کر کہا کہ وہ توپیں لے کر شاہی فوج کی طرف آئیں۔ اسی وقت سبزی منڈی کی طرف بھی زبردست جنگ ہو رہی تھی۔ کئی انگریز افسر کام آگئے ایک افسر کو انقلابی سپاہی نے گھوڑے سے گرا کر مار ڈالا اور اس کے سینے پر کھڑا ہو گیا۔ دور سے جب ایک انگریز افسر نے گولی ماری تو دوسرا سپاہی جھپٹا، تینوں کا مقابلہ کیا جن میں ایک کو قتل اور دوسرے کو زخمی کر دیا۔ انگریزوں کو ان مقابلوں میں سخت نقصان اٹھانا پڑا لیکن اس کا انتقام تہذیب کے علم برداروں نے اُن ہندوستانی سپاہیوں اور نوکروں سے لیا جو انگریزوں کی خدمت کر رہے تھے چنانچہ گوروں نے بے شمار ایسے کالوں کو کاٹ کر پھینک دیا جن کا کوئی قصور نہ تھا مشہور مورخ جان کے اور راٹن نے اس واقعے کا ذکر اور اعتراف کیا ہے[1]۔

جنرل بخت خاں نے ایک حملے میں تیس ہزاری کا مقام انگریزوں سے چھین لیا۔ بہت سے افسر اور گورے ہلاک ہوئے سامان جنگ ہاتھ آیا۔ ۱۲ر جولائی کو آگرے میں انگریزوں کی شکست کی خبر سن کر بخت خاں نے شہر میں اعلان کرایا اور اکتیس[31] توپیں اس وقت اس خوشی میں داغی گئیں۔ اس کے بعد ۲۸ر کو نصیر آباد، جھانسی وغیرہ کی باغی فوجوں نے دشمن پر حملے کیے۔

۱۴ر جولائی کے شدید حملے کے دوران انقلابیوں نے ہندو راؤ ہاؤس اور سبزی منڈی

لہ 1. KAYE & MALLESON: Vol.II p. 581

ROTTON: Chaplain's Narrative of the Siege of Delhi p. 134

SEN (S.N): p. 89

پر پوری قوت سے حملہ کیا، شہر کی فصیل سے توپ خانہ آگ برساتا رہا اور جنگ تمام دن جاری رہی اسی جنگ میں چیمبرلین زخمی ہوا۔ اس موقعے پر تیسرے کمانڈر انچیف ریڈ نے استعفےٰ دیا اور اس کی جگہ آرچڈیل ولسن (Archdale Wilson) مقرر ہوا۔ تمام ذرائع برباد ہوتے نظر آرہے تھے اور انگریزی کیمپ میں محاصرہ اٹھالینے کی تجویز پر بحث ہو رہی تھی۔ ۱۸ر جولائی کو انقلابیوں نے پھر حملہ کیا اور دن بھر جنگ جاری رہی۔

دہلی کی جاں باز عورت

مغل شہزادوں کی بدمعاشیوں، جاسوسوں کی پوشیدہ کارگذاریوں اور انقلابی صفوں میں انتشار کے ساتھ ہی جواں مردوں کی لاج ایک عورت نے رکھ لی جو ہر روز مردانہ لباس پہن کر اور سبز صافہ باندھ کر گھوڑے پر سوار ہوتی، شہر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرتی اور مردانہ وار جنگ میں ان کی رہنمائی کرتی ہوئی انگریزی فوج پر حملہ آور ہوتی تھی۔ اس کا وار بے پناہ ہوتا تھا، وہ دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی ڈال دیتی تھی۔ اگر اُس کے ساتھی بھاگ جاتے تو یہ دلیر اور جنگ جو بڑھیا تنہا جنگ کرتی اور پھر زندہ واپس آجاتی تھی۔ "بعض لوگ چشم دید قصہ کہتے ہیں کہ اس عورت میں غضب کی دلیری تھی، اس کو موت کا کچھ بھی خوف نہ تھا، وہ گولوں اور گولیوں کی بوچھار میں بہادر سپاہیوں کی طرح آگے بڑھتی چلی جاتی۔ کبھی اس کو پیدل دیکھا جاتا کبھی گھوڑے پر، وہ تلوار اور بندوق چلانے میں ماہر تھی۔ اس کی جرأت و ہمت دیکھ کر شہر کے عوام میں بڑا جوش پیدا ہوجاتا تھا"[۱] ـــــــ واپس آکر وہ کہاں جاتی تھی؟ وہ کون تھی؟ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ آخر ایک دن (۱۸ر جولائی ۵۷ء) وہ جنگ کرتی ہوئی انگریزی مورچے کے قریب جا پہنچی مگر زخمی ہوکر گھوڑے سے گری اور گرفتار کرکے انبالے بھیج دی گئی۔ اس مجاہد خاتون کی بہادری کوئی من گھڑت افسانہ نہیں ہے چنانچہ گرتھیڈ اپنے ایک خط (۱۹ر جولائی ۵۷ء)

---

[۱] حسن نظامی: بیگمات کے آنسو/ ۱۲۶

میں اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ سبز صافہ باندھے ہوئے تھی۔ قابل غور امر یہ ہے کہ گرتھیڈ نے اس کو ہندوستان کی "جون آف آرک" (جنگ آزادی کی مجاہد) کہہ کر بتایا ہے کہ "وہ نہایت بہادری سے جنگ کر رہی تھی، ہمارے دو تین آدمیوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے نشانہ بنایا، وہ سوار فوج کے حملے کی کمان کر رہی تھی، وہ ایک جہادن ہے[1]۔ ظہیر دہلوی نے بھی اس خاتون کا ذکر کیا ہے:

"ایسے ہی ایک بڑھیا عورت تھی کہ وہ سر کو منڈا سا باندھ کر اور کمر کو دوپٹہ کس کر سب سے آگے ہو جاتی تھی اور لوگوں کو ترغیب دلاتی تھی چلو بیٹا جہاد پر چلو۔ نہ معلوم وہ کٹنی کون تھی۔ روز بازار میں کھڑے ہو کر لوگوں کو لگا کر لے جاتی اور آپ سب سے آگے ہوتی تھی اور پھر وہ بچ کر زندہ سلامت آجاتی تھی اور صدہا آدمیوں کا خون کراتی تھی"۔[2]

ہڈسن نے اس کے متعلق اپنے ایک خط (۲۹ر جولائی) میں ڈپٹی کمشنر انبالہ کو لکھا:

"میں تمہارے پاس ایک مسلمان بڑھیا کو روانہ کر رہا ہوں۔ یہ عجیب قسم کی عورت ہے۔ اس کا کام یہ تھا کہ سبز لباس پہن کر شہر کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتی تھی اور خود ہتھیار باندھ کر اُن کی کمان کرتی ہوئی ہمارے مورچے پر حملہ کرتی تھی۔ جن سپاہیوں کا اس سے سابقہ پڑا وہ کہتے ہیں کہ اس نے بارہا مردانہ وار حملے کیے اور مستعدی سے ہتھیار چلائے اس میں پانچ مردوں کی برابر طاقت ہے جس روز گرفتار ہوئی اس دن گھوڑے پر سوار تھی اور شہر کے باغیوں کو فوجی ترتیب سے لڑا رہی تھی ۔۔۔۔ یہ بہت ہی اندیشہ ناک عورت ہے"

---

[1] 1. GREATHED: Letters... p. 130

[2] داستان غدر/۱۰۳

غرض یہ کہ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو وہ انبالے روانہ کی گئی۔ اس کا وہاں کیا انجام ہوا، ابھی تک ہماری نظر کے سامنے نہیں ہے لیکن اگر تاریخ کے صفحات اس جواں فرد عورت کے تذکروں سے خالی ہوتے تو دہلی کی خونی داستان آپس کے انتشار، افتراق، سازش، حسد اور شہزادوں کے "کارناموں" سے دب کر رہ جاتی مگر اس ایک عورت نے نہ صرف دہلی بلکہ تمام ملک کے آزادی پسندوں کی آبرو رکھ لی اور دشمن سے بے ساختہ "جون آف آرک" کا خطاب لے کر ۱۸۵۷ء کی جدوجہد پر "آزادی کی قومی جنگ" کا تابناک اشارا کر گئی۔

جاسوسوں کی خفیہ کارروائیاں

انگریزوں کے جو جاسوس پورے شہر اور لال قلعہ میں موجود تھے، ہر ہر بات کی خبر انگریزی کیمپ کو لکھ کر روانہ کرتے تھے۔ اسی 'خبرنامے' کا ذکر کیتھ ینگ نے بار بار اپنی کتاب میں کیا ہے اور ایک خط کا تو فوٹو بھی دیا ہے۔ جس میں یہ تازہ خبریں ملتی ہیں۔ اخیر اگست ۱۸۵۷ء کا خبرنامہ ملاحظہ ہو:

> "کل شام تک چھ پلٹن دو رجمنٹ ۱۲ توپ بخت خاں جرنیل بریلی لے کر براستہ نجف گڑھ روانہ علی پور ہوا اور آج جرنیل نیمچ اسی قدر جمعیت ہمراہ لے کر روانہ ہوا اب شہر میں جمعیت کل تخمیناً چار ہزار سوار پیدل مع رجمنٹ نصیرآباد باقی رہے ہے اہلِ شہر ہرگز بمقابلہ سرکار نہیں آویں گے۔ جہادی بھی ہمراہ گئے ہیں مفسدانِ سونی پت یہاں آئے تھے وہ بھی ہمراہ گئے ہیں ..... اگر ایسے وقت میں سرکار حلہ کر دے تو مناسب ہے۔ جس وقت کہ سرکار داخل شہر ہوئی ایک مقابلہ سرکا نہ پڑے گا اور سب مفسد بھاگ جائیں گے اور یہ فساد جبھی تک ہے جب تک دہلی فتح نہیں ہوتی اور یہ دونوں جرنیل جملہ .... اور اسباب ہمراہ لے گئے ہیں اس نیت سے کہ اگر علی پور شکست کھائی تو پھر واپس یہاں نہ آئے جس کا جہاں جی چاہے چلا جائے .... اب بھی اگر کوئی تحریر مرزا الٰہی بخش اور زینت محل

بیگم صاحبہ کے نام آجا دے تو اہلِ قلعہ سے مدد ملنا بموجب اس کے ممکن ہے۔" فقط[1]

شمرو بیگم کی حویلی میں میگزین کا پھٹنا بھی اسی قسم کی کارروائیوں کا ایک حصہ تھا جو احسن اللہ اور زینت محل وغیرہ کی سرکردگی میں انجام دی جارہی تھیں۔ انگریزی کیمپ میں ہڈسن اس جاسوسی محکمے کا انچارج تھا اور اس کے ماتحت کانا رجب علی نہ صرف جاسوسی کے کارنامے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انجام دے رہا تھا بلکہ انقلابی صفوں میں بدنظمی اور انتشار پھیلانے کا کام بھی کر رہا تھا۔[2]

پھوٹ ڈالنے کی کوششیں

انگریزوں کے ان وفاداروں کا یہ بھی پلان تھا کہ کسی طرح ہندو مسلمانوں کے درمیان اختلافات پیدا کرا دیے جائیں اور اس کا سب سے بہتر طریقہ عید پر گائے کی قربانی کا جھگڑا کھڑا کرنا تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بہادر شاہ نے بقرعید کے موقعے پر قربانی گاؤ کو ممنوع قرار دیا تو سب سے پہلے حکیم احسن اللہ نے اختلاف ظاہر کیا۔ اس پلان کا راز کیتھ ینگ کے خط سے پوری طرح فاش ہو جاتا ہے جو انہی صفحات پر ہماری نظر سے گذرے گا۔ علاوہ ازیں گرتھیڈ اپنے ایک خط مورخہ ۲۲ر جولائی ۱۸۵۷ء میں گوالیار کی فوج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مجھے تعجب نہ ہوگا کہ اگر وہاں ہندو راج قائم کرنے کی کوشش ہو........ میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ہو کیونکہ یہ چیز ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دور

---

[1] جاسوسوں کی پوری ایک ٹولی یہ کام کر رہی تھی اور انگریزوں کے ہاتھ گویا خبریں فروخت کی جاتی تھیں۔ یہ خبریں بڑی محنت اور خفیہ طریقوں سے پہنچائی جاتی تھیں اور روپیہ حاصل کیا جاتا۔ جاسوسوں میں تراب علی۔ گوری شنکر۔ فتح محمد۔ کلو۔ موہن وغیرہ تھے۔

[2] 2. SEN: p. 83

کردے گی اور اُن (باغیوں) کو نکالنے میں بڑی مدد ملے گی " لے

اسی دوران میں ایک شخص محمد سعید نے، نہ جانے کن اُستادوں، کے اشارے پر ہندوؤں کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا چاہا (۲۰ مئی ۱۸۵۷ء) تو بہادر شاہ نے اسے بلاکر پوچھا اور یہ بتانے پر کہ وہ ہندوؤں کے خلاف جھنڈا اُٹھا رہا ہے بہادر شاہ نے جواب دیا کہ "میرے نزدیک ہندو اور مسلمان ایک ہیں" کے غرض یہ کہ اس طرح کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔

انقلابیوں کا عہد

جنرل بخت خاں نے نجف گڑھ جاکر پڑاؤ ڈالا، پھر سدھاری سنگھ اور غوث خاں بھی اپنی فوجیں لے گئے مگر اُس دن سخت بارش سے توپیں اور میگزین بیکار ہو گیا۔ انگریزی فوج نے گولہ باری کی، اُدھر سے بھی جواب دیا گیا اور اگلے دن یہ باغی فوجیں واپس آگئیں۔ بخت خاں نے انگریزوں پر فیصلہ کن حملے کا پلان بنایا ۲۲ جولائی کو بہادر شاہ سے مشورہ کیا اور تمام جنگی سامان اور مقامات کا معائنہ کیا۔ فوجوں کو جب اُن کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا کہ وہ انگریزوں سے آخر دم تک جنگ کرنے کا عہد کریں اور جو کمزور دل ہوں وہ اپنے اپنے گھر چلے جائیں تو فوج کے ایک ایک فرد کا متفقہ جواب تھا کہ:

"خواہ کچھ ہی ہو، ہم آخر دم تک انگریزوں سے جنگ کریں گے"

ذبیحہ پر پابندی

بہادر شاہ نے بخت خاں کے مشورے سے کوتوال کو حکم بھجوایا کہ بقر عید کے موقعے پر (یکم اگست ۱۸۵۷ء) پر جو شخص گائے ذبح کرے گا اُس کو توپ سے اُڑا دیا جائے گا۔ بخت خاں کی طرف سے کوتوال کے نام ۲۸ جولائی کو حکم بھیجا گیا کہ گائے ذبح کرنے والے کو موت کی سزا کا اعلان کرا دیا جائے۔ کوتوال نے چاندنی چوک

لے 1. GREATHED: Letters Written During the Mutiny p.88

کے مکند لال: تاریخ بغاوت ہند جلد ۱۔ حصہ ۱۔ صفحہ ۳۵

کے تھانے دار کو عام اعلان کے لیے ہدایات دیں کہ کوئی مسلمان جو گائے، بیل یا بھینس کی قربانی کرے گا، موت کی سزا پائے گا۔ اس کے بعد ۲۹ رجولائی کو بادشاہ کی طرف سے کوتوال کو ہدایت کی گئی کہ ذی الحجہ کی ۷ رسے ۱۳ ر تاریخ تک گائے کا کوئی بیوپاری شہر میں داخل نہ ہونے پائے اور تمام شہر کے مسلمانوں کی گائیں عارضی طور پر لے لی جائیں جو تہوار کے دوران میں کوتوالی میں رکھی جائیں مگر شہر کے کوتوال سید مبارک شاہ (رام پوری) نے جواب میں لکھا کہ کوتوالی میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ شہر کی تمام گائیں سما سکیں اور اسی عرضی میں یہ تجویز پیش کہ تمام تھانے داروں کو ہدایت کر دی جائے کہ شہر کے مسلمانوں سے گائے ذبح نہ کرنے کا تحریری عہد لیں۔ ۲۹ رجولائی کو کمانڈر انچیف نے کوتوال کو لکھا کہ تمام قصائیوں کے پاس جتنی کھالیں اور چربی وغیرہ موجود ہیں اس کی فہرست روانہ کی جائے[1] بہادر شاہ نے خود بقر عید کے دن عیدگاہ پر بھیڑ کی قربانی کر کے مثال قائم کی۔

کہا جاتا ہے کہ حکیم احسن اللہ نے ان احکامات پر احتجاج کیا اور کہا کہ وہ علماء سے فتویٰ لیں گے مگر بہادر شاہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ بعض ناواقف احسن اللہ کی حمایت کرتے ہوئے بہادر شاہ اور بخت خاں پر اعتراض کریں گے کہ ذبیحہ گاؤ پر موت کی سزا کہاں تک حق بجانب ہے؟ اور قدرتی طور پر ذہن میں یہ سوال پیدا بھی ہوتا ہے مگر شاید وہ لوگ حیرت سے سنیں گے کہ انگریز اور ان کے وفادار بقرعید کے موقعے سے فائدہ اٹھا کر شہر میں فرقہ وارانہ فساد کرانے کی انتہائی کوشش کر رہے تھے اور انھیں یقین تھا کہ اس موقعے پر تفرقہ ڈال کر ضرور دہلی فتح کر لیں گے یہی وجہ ہے کہ احسن اللہ اس کی مخالفت کرتا نظر آرہا ہے انتظامات کی سختی اور عجلت دیکھ کر

---

[1] یہ تمام دستاویزیں اور کاغذات نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے کمانڈر انچیف کے فرمان میری نظر سے بھی گذر رہے ہیں نیز ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سین کی انگریزی کتاب میں (صفحہ ۹۳) یہ تذکرہ ملتا ہے۔

اندازہ ہو رہا ہے کہ بہادر شاہ اور بخت خاں نے انگریزوں کی یہ سازشیں بھانپ لی تھیں۔ ان کی مایوسی کی عکاسی کرنے اور سازشوں سے پردہ اٹھانے کے لیے کیتھ ینگ کا یہ خط کافی ہے جو اُس نے ۲ر اگست ۱۸۵۷ء کو اپنی بیوی کے نام لکھا:

"بہ ظاہر کل شہر میں زبردست فساد کے لیے ہماری امیدیں پوری نہیں ہو سکیں کم از کم شہر کی خبروں کے متعلق موصول شدہ واحد اطلاع نامے میں اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں ہے۔ بادشاہ نے نہ صرف گائے بلکہ بکری تک کی قربانی کی شہر میں ممانعت کر دی ہے اور اس پر اگر عمل کیا گیا تو یہ یقیناً ہندوؤں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہے چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ لوگ آپس میں لڑتے، ہمارے خلاف متحدہ اور بھرپور حملہ کرنے کے لیے ایک ہو گئے ہیں تاکہ ہمیں برباد کر دیں اور صفحۂ زمین سے ہمارا نام و نشان بھی مٹا ڈالیں۔ جب کہ ایسے انتظامات کیے گئے تھے کہ بادشاہ شام کی نماز ہمارے کیمپ میں ادا کرے" [1]

عید کے دن جنگ

بقر عید (یکم اگست) کے دن دوپہر بعد انقلابیوں نے زبردست حملہ کیا۔ جنگ رات بھر بلکہ اگلے دوپہر تک جاری رہی بار بار حملے کیے گئے، بار بار انگریزی توپخانے کی گولہ باری سے دھکیل دیئے گئے اور بار بار گولیوں کی بوچھار سے بے پرواہ ہو کر جمع ہوتے اور پھر حملہ آور ہوتے رہے [2]۔ رابرٹ کا بیان ہے کہ:

"اس خاص موقعے (بقر عید) پر ہندوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی ملتوی کر دی گئی اور فرنگیوں کو ختم کرنے کے لیے ہندو مسلمانوں کی زبردست متحدہ کوشش رہی

---

[1] 1. KEITH YOUNG: Delhi 1857 p. 171

[2] 2. SEN: p. 93 ROBERT: Forty one years in India p.110

تھی۔ پہلی اگست کی صبح کو مسجدیں اور مندر پُر ہجوم تھے اور تمام لوگ اس زبردست جدوجہد کی کامیابی کے لیے دعائیں کر رہے تھے شام کو ہزاروں کی تعداد میں باغی جوش اور تعصب سے پاگل ہو کر شہر کے دروازوں سے جہاد کے نعرے لگاتے ہوئے نکلے اور آگے بڑھ کر ہمارے دفاع پر حملہ آور ہوئے" ؎۱

ڈاکٹر سین نے اس دن کی بہادری پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے صحیح اندازہ لگایا ہے کہ "گو اُن کی جرأت و ہمت بیحد قابل داد تھی مگر ہمت کے ساتھ فوجی حکمت عملی کا فقدان تھا جس کے بغیر پہاڑی کی منظم اور مورچہ بند فوج کے مقابلے میں کامیابی ممکن نہ تھی انھوں نے دو ماہ تک دشمن کو پہاڑی سے بھگانے کی کوشش کی اُن کے حملے زیادہ تر داہنی طرف سے ہوئے۔ صرف کبھی کبھی وہ پیچھے یا بائیں سے حملہ آور ہوئے لیکن کبھی اُنھوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ پورے کیمپ کو گھیرے میں لے کر چاروں طرف سے بہ یک وقت حملہ کریں۔ کوئی سوچی سمجھی اسکیم اور ماہر دماغ اُن کے ساتھ نہیں تھا۔ تعداد میں زیادہ ہونا ایسے موقعوں پر مفید ہونے کے بجائے نقصان کا باعث ہوتا ہے کیونکہ قواعد داں مسلح فوج کے ساتھ غیر تربیت یافتہ عوام کی ہمراہی سے کامیابی کی بجائے انتشار پیدا ہو جاتا ہے" مسلسل ناکامیوں نے اب انقلابی فوجیوں کے جذبات کو برانگیختہ اور انھیں دل برداشتہ کر دیا تھا۔ وہ اپنی ناکامی کا بڑا سبب احسن اللہ، زینت محل، الٰہی بخش اور اسی طرح کے اہم اشخاص کو قرار دیتے تھے اور یہ اندازہ بہت کچھ حقیقت پر مبنی بھی تھا۔ ۷ اگست کو ان کا بارود کا کارخانہ (چوڑی والان) اُڑا دیا گیا اور یہ واقعہ اس وقت ہوا جب احسن اللہ کارخانے میں جا کر واپس آیا چنانچہ اُسی پر اس سازش کا شبہ کیا گیا اور ایک انگریز کیتھ ینگ یہ اشارہ بھی کر گیا کہ یہ شبہ

؎۱ ہندوستان ٹائمز ۱۵ اگست ۱۹۵۷ء ROBERT: p. 110

فارسٹ کا بیان ہے کہ عید کے دن جامع مسجد میں مسلمان نمازیوں کا ہجوم تھا اور برہمن پنڈت ہندوؤں کے جوش اور مذہبی جذبات کو ابھار رہے تھے۔ (جلد ۱۔ ص ۱۱۳)

بے بنیاد نہیں تھا۔ [1]

باغیوں نے زینت محل پر بھی انگریزوں سے ساز باز کا الزام لگایا چنانچہ اس کی طرف سے بادشاہ سے شکایت کی گئی کہ اس کے گھر پر پہرہ لگا دیا گیا ہے۔ زینت محل کو لے دے کر اگر کوئی تمنا تھی تو بس یہ کہ جواں بخت کو بہادر شاہ کا ولی عہد مان لیا جائے۔ نامزد ولی عہد شہزادوں کا یکے بعد دیگرے موت سے ہم کنار ہو جانا یا کر دیا جانا اس کے لیے میدان صاف ہونا تھا اور تمام دیگر شہزادوں نے 'مرزا قویاش کے علاوہ' جواں بخت کی ولی عہدی پر دستخط کر دیئے تھے مگر بغاوت نے بیگم کے تمام ارمانوں پر پانی پھیر دیا کیونکہ اگر باغی کامیاب ہوتے تو مرزا مغل ان کے سربراہ ہوتے نہ کہ جواں بخت۔

اُدھر الٰہی بخش اپنی خفیہ سرگرمیوں میں مصروف اور احسن اللہ اس کا مددگار تھا۔ رجب علی جو ہڈسن کی طرف سے شہر میں جاسوسی اور انتشار پھیلانے کا کام انجام دے رہا تھا، میگزین پھٹنے کے بعد (۷ اگست) جب باغیوں نے جاسوسوں کی سخت طریقے سے گرفت شروع کی تو بھاگ گیا۔ ان لوگوں کی طرف سے انگریزوں کو یہ شرائط پیش کی گئیں کہ وہ بادشاہ کو پہلی سی مراعات برقرار رکھیں، جواں بخت کو ولی عہد مان لیں تو کشتیوں کا پل اُڑا کر سوار فوج پر قابو پا لیا جائے گا اور انگریزوں کو شہر میں داخل کرا دیا جائے گا لیکن انگریزوں کو چونکہ اب اپنی فتح کا یقین تھا اور یہ پیش کش حالات کی ابتری کی طرف اشارہ کر رہی تھی اس لیے ان شرائط کو رد کر دیا گیا یہاں تک کہ گورنر جنرل کو ۲۰ اگست کے لگ بھگ جب ان شرائط کی اطلاع پہنچی تو اس نے ایک خط میں بہادر شاہ کو پہلی سی وقعت اور مراعات منظور کرنے سے صاف انکار [2]

---

1. K.YOUNG: Delhi 1857 p. 186 — [1]

2. MUIR (W): Records of Intelligence Deptt. Vol. II p.145. — [2]

SEN: p. 96

کر دیا۔ اسی طرح شہزادوں کے خطوط جو گر تھیڈ کو وصول ہوئے، ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیئے گئے۔[1] یہاں سے مایوس ہو کر شہزادوں نے بریگیڈیر ولسن سے بعض شرائط پر معاملہ کرنا چاہا مگر مایوس ہونا پڑا۔ یہ خفیہ کارروائیاں صرف چند مخصوص لوگوں کے علم میں تھیں جن سے بے خبر انقلابی عوام اور فوجیں اب بھی دشمنانِ وطن سے جنگ آزما ہونے کو تیار تھیں۔

انگریزی کیمپ میں مزید فوج

اُدھر جون نکلسن کی سربراہی میں پنجاب سے مزید فوج انگریزی کیمپ میں پہنچی (۱۴ر اگست)۔ نکلسن ایک پینتیس سالہ کنوارا جوان تھا۔ وہ ہندوستانیوں کے لیے دشمنی کے جذبات سے بھرپور دل رکھتا تھا۔ وہ اس سے پہلے پھلور اور سیالکوٹ میں دیسی فوجوں سے ہتھیار رکھوا کر اور بغاوت کچل کر اپنے کو اہل ثابت کر چکا تھا۔ اس لیے بریگیڈیر جنرل بنایا گیا۔ اس کے ہمراہ دو ہزار چار سو پیادہ، چھ توپیں اور کچھ سوار فوج تھی جن کے پہنچنے سے پہلے ہی وہ انبالہ سے یہاں آیا۔ نکلسن دہلی پر حملہ کرنے کے لیے بے قرار تھا مگر ولسن کو جاسوسوں کی اطلاعات سے معلوم ہوا تھا کہ دہلی میں اب باغی افواج چالیس ہزار ہیں۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا اور جب شہر کے عوام بھی انگریزوں کے خون کے پیاسے ہیں تو اُن سے شہر کی سڑکوں پر کیسے مقابلہ کیا جائے گا۔ ولسن کا یہ اندازہ کچھ زیادہ غلط بھی نہیں تھا۔ میجر ریڈ کا بیان ہے کہ کوئی دن مشکل سے ایسا گذرتا تھا کہ جب باغی فوجیں ہمارے اوپر حملہ نہ کرتی ہوں۔

نجف گڑھ کی جنگ

اسی زمانے میں (۲۳-۲۶ر اگست ۱۸۵۷ء) بہادر شاہ کی طرف سے تمام زمینداروں، سپاہیوں، کسانوں، دستکاروں، پنڈتوں، فقیروں، عاملوں، اور تاجروں کے لیے ایک فرمان جاری ہوا جس میں اُن سے دشمنان

---

1. MUIR (W): Records of Intelligence Deptt. Vol. II p. 145 ؎۱
SEN: p. 96

وطن کے خلاف جنگ کی اپیل کی گئی تھی۔ انگریزی اخبار "فرینڈ آف انڈیا" نے اس فرمان کو شایع کر کے اس کو بغاوت کی تاریخ کا سب سے زیادہ انمول اقدام قرار دیا۔ [1]

۲۴/ اگست کو باغی فوج نے پھر ایک بڑا حملہ کیا اور پنجاب سے انگریزوں کا رسل و رسائل اور رسد کاٹنا چاہا۔ لیکن انگریزوں کو ان کے ہر فیصلے کی فوراً خبر ہو جاتی تھی چنانچہ نکلسن نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور نجف گڑھ کی نہر پر تصادم ہوا۔ باغی فوجیں تقریباً تین ہزار گز کے رقبہ میں تھیں بائیں طرف نہر کے پل کے پاس وہ ایک گاؤں پر قابض تھیں اور داہنی طرف ایک چٹان اور سرائے پر۔ نکلسن نے چٹان اور سرائے پر حملہ کیا اور توپوں کی گولہ باری میں پیادہ فوج کو بڑھایا۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ باغی فوجیں پیچھے کی طرف ایک گاؤں میں چلی گئیں اور پھر شہر کی طرف واپس ہو گئیں۔ انگریزی فوجیں نانگلوئی گاؤں سے ہو کر نجف گڑھ پہنچی تھیں۔ ظہیر دہلوی نے نجف گڑھ کی لڑائی کا حال بیان کیا ہے لیکن تاریخ نہیں دی ہے، اندازہ ہے کہ وہ اسی جنگ کا بیان ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہاڑی کے عقب سے رسد بند کر دینے کی صلاح ہوئی اور بخت خاں اپنا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ دوسرے روز سدھاری سنگھ اور غوث خاں اپنا کمپو لے کر گئے لیکن اس دن شدید بارش ہوئی چنانچہ:

"تمام جنگل میں پانی ہی پانی ہو گیا اور ایک خرابی اور ہوئی کہ جس موقعے پر سدھاری سنگھ کا کمپو کا ڈیرا تھا وہاں نشیب تھا اور جھیل تھی نجف گڑھ کی مشہور ہے۔ جبالی ندی کا پانی سب اس میں آتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوئی کہ توپیں بھی پانی میں غرق اور آدمیوں کی بھی کمر کمر پانی چڑھ گیا اور میگزین کی

---

[1] فرینڈ آف انڈیا۔ ۷/ اکتوبر ۱۸۵۷ء بحوالہ مہدی حسن۔ یہ فرمان آخری صفحات پر بطور ضمیمہ شامل ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ڈاکٹر مہدی حسن کی انگریزی کتاب "بہادر شاہ..." / ۲۵۱

پیٹیاں سب دلدل میں پھنس گئیں۔ اُدھر انگریزی فوج نے آکر گولہ اور گراب کا مینھ برسانا شروع کیا اور پسپا بارود کا نہر میں بہا کر نہر کا پُل اُڑا دیا جس سے راستہ بند ہو گیا اُدھر سے بخت خاں کی فوج نے انگریزی فوج پر گولہ باری شروع کر دی دونوں طرف کی مار سدھاری سنگھ اور غوث خاں کے کیمپ پر ہونے لگی اب جائیں تو کہاں جائیں بیچ میں نہر حائل ہے.... غرض کہ تمام ڈیرہ خیمہ میگزین توپیں وغیرہ سب کی سب وہیں رہیں اور ہزار ہا جانیں تلف ہوئیں تھوڑی سی فوج بچ بچا کر صبح کو دہلی پہنچی" [۱]

اِنقلابیوں کو مایوسی

خزانہ خالی تھا، میگزین اُڑ جانے سے سامان جنگ کی بھی قلت ہوگئی، فوجوں میں انتشار پھوٹ اور بدنظمی بڑھ گئی

جنرل بخت خاں اور سدھاری سنگھ برابر انگریزی فوجوں پر حملے کرتے رہے فوج کی تنخواہ کے لیے مشورہ ہوا جس میں مرزا مغل کے علاوہ مرزا خضر سلطان، راجہ دیوی سنگھ۔ سالگ رام۔ رام جی داس اور رائے گنجارام وغیرہ شامل تھے۔ باہمی مشورے کے بعد ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع کرنے کا عہد کیا گیا کیونکہ فوج کو تنخواہ نہ ملنے پر شہر میں اور زیادہ ابتری پھیلنے کا خطرہ تھا۔ دشمن سے برابر تصادم ہوتے رہے، دن بھر لڑائی ہوتی مگر اب پانسہ باغیوں کے حق میں نہیں گرتا تھا مُغل شہزادے اب بھی اپنی خرمستیوں سے باز نہ آئے، وہ مہاجنوں اور دوسرے لوگوں سے فوج کے نام پر لاکھوں روپیہ جمع کرتے اور خود ہضم کر جاتے لہٰذا مہاجنوں کو حکم ہوا کہ وہ جنرل بخت خاں سے گفتگو کریں اور شہزادوں سے واسطہ نہ رکھیں۔ کچھ لوگوں نے مزید روپیہ دینے

---

[۱] داستان غدر/ ۱۰۴۔ بعض بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ غوث خاں اس جنگ میں نہیں تھا وہ اس شکست کی خبر سن کر ایک سکھ رجمنٹ اور کچھ سوار فوج لے کر چلا لیکن راہ میں یہ شکست خوردہ فوج واپس آتی ہوئی ملی نیمچ بریگیڈ اس جنگ میں بالکل تباہ ہو گیا۔ یہ جنگ نانگلوئی کے قریب ہوئی۔

سے انکار کر دیا۔ رام جی داس دو بار بڑی رقمیں دے چکا تھا۔ بہادر شاہ خود بھی مختلف مورچوں پر جا کر گولا باری کا معائنہ کرتے رہے مگر فوج میں تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بڑی بے اطمینانی تھی سب سے زیادہ بدنصیبی یہ تھی کہ باغی فوج کے افسران، مغل شہزادے، کمانڈر انچیف، بخت خان، انتظامیہ کورٹ سب کے سب روپیہ جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر جمع کر رہے تھے چنانچہ ایک ایک شخص سے کئی کئی بار چندہ لیا گیا۔ جیون لال سے ڈھائی ہزار مانگا گیا، اس کا گھر لوٹ لیا گیا۔ مفتی صدر الدین سے دو لاکھ کا مطالبہ ہوا اور آخرکار ۳۱ اگست بعد از خرابی بسیار یہ اعلان کیا گیا کہ جنگ کے لیے چندہ جمع کرنے کا اختیار صرف انتظامیہ کورٹ کو ہوگا۔ بہادر شاہ نے کچھ زیورات اپنے حرم سے لا کر اُن کے حوالے کرنا چاہے لیکن فوجی افسران نے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا:

> "ہم شاہی زیورات کو ہاتھ نہیں لگائیں گے لیکن ہمیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ آپ ہمیں قائم و برقرار رکھنے کے لیے اپنے جان و مال دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔"

زرد کوٹھی کا مورچہ

انھی دنوں کشمیری دروازے کے باہر نصف میل دور انقلابیوں نے زرد کوٹھی میں مورچہ لگایا اور گولا باری کی جس سے انگریزوں کو سخت نقصان پہنچتا تھا۔ نصیر آباد والی فوج اس کی حفاظت کر رہی تھی۔ جب رات کو ڈیوٹی بدلی تو نصیر آباد کے سپاہیوں نے پہرے داروں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کی۔ اُنھوں نے جل کر جواب دیا —— "بھیّن تم سپاہی ہو، ہم سپاہی نہیں؟" —— مگر رات ہوئی تو مزے سے پڑ کر سو گئے اُدھر مخبروں نے انگریزوں کو خبر کر دی چنانچہ گورے اور گورکھے ننگے پاؤں پہاڑی سے اُترے اور دبے پاؤں آ کر پہلے تو اِن سونے والوں کے ہتھیار اٹھا لیے پھر توپوں پر قبضہ کر کے اُن کو بیدار کیا اور بری طرح مارنا شروع کیا۔ یہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ نصیر آباد کی فوج جو پہرہ بدل کر آئی تھی وہ شہر میں داخل نہ ہوئی تھی کہ رات کو دروازہ کھلوانا مناسب نہیں،

وہ کشمیری دروازے کے باہر متصل کی پٹڑی پر لیٹ گئے تھے۔ اب جو یہ بھاگ کر پہنچے تو انھوں نے لعنت ملامت کی اور کہا کہ تم ہمارے پیچھے آ جاؤ اور بندوقیں بھر کر خاموش لیٹ گئے۔ انگریزی فوج یہ سمجھ کر پیچھا کرتی ہوئی آ پہنچی کہ اس وقت دروازہ کھلنے پر شہر میں داخل ہو جائے۔ جب بندوقوں کی زد پر آ پہنچے تو یکبارگی نصیر آباد کے سپاہیوں نے باڑ ماری۔ کشمیری دروازے کے گولندازوں نے یہ آواز سُن کر اوپر سے گراب مارا، اُدھر سیاہ بُرج والوں نے توپیں بھر کر اندھا دھند گراب برسانے شروع کیے " اس تحت یہ نوبت ہو گئی کہ خدا دے اور بندہ لے۔ تعاقب کنندگان کو جان بچانی مشکل ہو گئی وہی مثل ہوئی اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے۔ لاش پر لاش پڑ گئی کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔ بھاگے اُلٹے پاؤں اور جا کر مورچہ لیا"

اور زرد کوٹھی کے مورچے سے شہر پر گولے برسانا شروع کر دیئے۔ رات بھر یہ ہنگامہ رہا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کا ایک بڑا افسر مارا گیا جس کی لاش دونوں مورچوں کے درمیان پڑی تھی اور دونوں طرف سے اُسے حاصل کرنے کے لیے بندوقیں اور توپیں چلتی رہیں وہ لاش عین کشمیری دروازے کے سامنے تھوڑے فاصلے پر پڑی تھی۔ غرض ڈیڑھ دن جنگ جاری رہی آخر رات کے وقت ایک باغی سپاہی نے زمین پر رینگ کر اپنی پگڑی سے لاش کو کھینچ لیا اور ہتھیار وغیرہ اتار کر لاش اسی طرح چھوڑ دی [1]

عوامی جنگ

دہلی میں شہر و دیہات کے عوام نے تحریک ۱۸۵۷ء میں جو نمایاں حصہ لیا اس کی کوئی تفصیل اب موجود نہیں لیکن کہیں کہیں یہ جھلک پھر بھی نظر آ جاتی ہے۔ انگریزی جاسوس گوری شنکر۔ رجب علی۔ تراب علی۔ جیون لال وغیرہ جو 'خبرنامے' انگریزی کیمپ کو بھیجتے رہے ہیں اُن میں یہ حقیقت بھی کسی حد تک دیکھی جا سکتی ہے جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ ڈاکٹر مہدی حسن نے اصل دستاویزوں سے

---

[1] ظہیر دہلوی، داستانِ غدر/ ۱۰۹-۱۰۶

تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:

"ظاہر ہے کہ دہلی کی جنگ اب عوامی جنگ کی صورت میں نمایاں ہو چکی تھی۔ دہلی شہر اور دیہات کے عوام شاہی یا قومی فوجوں کی پوری مدد کر رہے تھے اور وہ اسے آزادی کی فوج کے روپ میں دیکھتے تھے" [۱]

جاسوسوں کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ "نانگلی (نانگلوئی) کے عوام نے نہ صرف باغیوں کی پوری مدد کی بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر جنگ میں حصہ لیا۔ مغل شہزادوں کے علاوہ امرا میں امین الدین خاں، تاج الدین خاں مع اپنے لشکروں کے شریک تھے۔ ایک شہزادہ غلام مصطفیٰ (؟) زخمی بھی ہوا۔ شہزادہ عظیم بیگ ہانسی سے واپس آکر بادشاہ کے ذاتی لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ ایک دیہات کے تقریباً بیس ہزار آدمی جمع ہوئے اور یہ اعلان کیا کہ انھوں نے نیچ بریگیڈ کی بارہ توپیں دوبارہ انگریزوں سے چھین لیں۔ مولانا فضل حق جب سے الور سے یہاں آئے تھے، برابر فوج اور شہر میں عوام کو انگریزوں کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ کرتے رہے۔ نجف گڑھ کے زمینداروں نے بخت خاں کو پوری طرح مدد دینے کا وعدہ کیا پانی پت اور سونی پت کے کچھ زمیندار بھی ان کے حامی تھے۔ بہادر علی خاں (بہادر گڑھ) نے جو اپنے علاقے کو بغاوت کے لیے منظم کر رہے تھے، پیغام بھیجا کہ تمام علاقہ بخت خاں کے ساتھ ہے۔ کچھ سکھوں کو یہ ہدایت دے کر پنجاب بھیجا گیا کہ وہ وہاں باغیانہ جذبات پیدا کریں۔ روہتک کے ایک گاؤں ساہنی میں رسالدار خاں نے رنگاروں کی ایک فوج منظم کی۔ ضلع ہریانہ کے گاؤں توشم (Tosham) میں بھی ایک باغی لشکر تیار کیا گیا۔ یہاں تک کہ پنشن یافتہ لوگوں کو بھی شامل کیا گیا جہاں اُن کے بیان کے مطابق کئی ہزار زمیندار بغاوت کے لیے تیار تھے۔ نانگلی کے زمینداروں نے آکر بہادر شاہ سے شکایت کی کہ انھیں شاہی فوجوں کی امداد

---

[۱] مہدی حسن: بہادر شاہ اور ۱۸۵۷ء (انگریزی)/ ۲۵۸

کرنے کی سزا دی گئی اور اُن کے گاؤں لوٹ لیے گئے ہیں پیچ فوج کے بریگیڈیر جنرل ہیرا سنگھ بہادر شاہ کے دربار میں آئے۔ شاہ نے اُن سے کہا کہ پیچ بریگیڈ کو دوبارہ منظم کریں، انھیں توپیں مہیا کرنے کا وعدہ کیا اور دو ہزار روپیہ سامان کی فراہمی کے لیے عطا کیا۔[1] دادری کے راؤ نے انقلابیوں کی پوری حمایت کی۔ اس نے بادشاہ کو نذر پیش کی، جھنڈا اور نقارہ رکھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے کہا کہ وہ میرٹھ سے انگریزوں کو کمک نہیں جانے دے گا اور لوٹ لوٹ کر پریشان کردے گا۔[2]

تعلقہ داروں کی شرکت

بہادر شاہ کی طرف سے قریبی علاقوں کے تعلقہ داروں کو امداد کیلئے اپیل کی گئی اور پروانہ جاری ہوا جس کے جواب میں آس پاس کے متعدد تعلقہ داروں نے ہر طرح امداد کی۔ ان میں یواڑی کے راؤ تلا رام۔ دادری کے بہادر جنگ خاں۔ مالاگڑھ کے ولی داد خاں۔ جھجر کے نواب عبدالرحمٰن۔ پٹودی کے اکبر علی خاں۔ فرخ نگر کے احمد علی خاں۔ دوجانہ کے حسن علی خاں۔ بلبھ گڈھ کے راجہ ناہر سنگھ[3] وغیرہ تھے بلبھ گڈھ کا راجہ ناہر سنگھ انقلابیوں سے تعاون کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ ایک انگریز کیتھ ینگ نے تو اپنے خطوں میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے۔[4] اسی طرح راؤ تلا رام نے چالیس ہزار روپیہ

---

[1] دہلی نیوز ______ (Delhi News) ______ سے ماخوذ بحوالہ مہدی حسن ۲۵۸ - ۲۶۱

[2] یادداشت احسن اللہ۔ بادلی اور علی پور کے عوام کا حال پہلے گذر چکا ہے۔

[3] ناہر سنگھ کو بعد میں پھانسی دی گئی۔

[4] 4.YOUNG (K): Delhi 1857 p. 262

CHAUDHURI: p. 68

بھیجا اور فوج بھی منظم کی۔[1] مرزا حیدر اودھ اور دہلی کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھا۔ سوات (سرحد) کے اخوند کے سردار کی طرف سے بھی ایک وفد آیا۔ علی گڑھ کے تعلقہ دار امراؤ بہادر خان بہادر خاں (بریلی)۔ مرزا عباس بیگ، ایجنٹ دربار لکھنؤ۔ بہادر گڑھ کے بہادر خاں وغیرہ کی طرف سے پیغامات آئے۔ پورے ملک کے مختلف علاقوں سے باغی فوجوں کے خطوط موصول ہوئے جن میں بادشاہ کی وفاداری کا عہد کیا تھا اور دہلی آکر دشمنوں سے جنگ کرنے کا قصد۔ روہتک۔ حصار۔ کرنال۔ سرسہ۔ بجنور۔ بریلی۔ متھرا۔ مین پوری۔ ریواڑی وغیرہ کے عوام کی طرف سے جو عرضداشتیں آئیں اُن کا تو کچھ شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ میرٹھ کے ہندو تعلقہ داروں کے گاؤں سے عوام کے بھی بے شمار پیغامات آئے۔ جن میں بادشاہ کی طرف سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔[2] مختلف مقامات کی باغی فوجوں کے علاوہ مجاہدین کے گروہ آئے

بہادر شاہ کا کردار

ایس بی چودھری لکھتے ہیں:

"جیسے ہی بغاوت نے ہمہ گیر صورت اختیار کی، بہادر شاہ نے اپنے آپ کو اس کی سربراہی کے لیے اہل ثابت کیا۔ اُس نے سپاہ سے بازپرس کی، اُن کو انگریزوں کو نکالنے کے لیے کوتاہی پر ملامت کی اور انگریزوں کو رسد دینے والوں کو سخت برا بھلا کہا، اس نے روزانہ دیوان خاص میں آنا شروع کر دیا۔ تمام معاملات میں بذات خود حصہ لے کر پوری طاقت اور صلاحیت کا مظاہرہ کیا۔ دوران بغاوت کے اعلانات اور فرمان جو اس کے نام سے جاری ہوئے اس بات کا پورا ثبوت ہیں کہ وہ انگریزوں کے خلاف اس مقدس جنگ کا اصل

---

[1] راؤ تلارام کے مزید حالات ریواڑی کے سلسلے میں اور آخری دور کے باب میں ملیں گے۔

[2] CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 69

سرچشمہ تھا"۔ [1]

بہادر شاہ کے اس کردار کے برخلاف دلائل اس کا دوسرا رُخ بھی سامنے لاتے ہیں۔ کیتھ ینگ نے اپنے خطوں کے مجموعے میں یہ ذکر کیا ہے چنانچہ ۳ر جولائی ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں اس نے لکھا ہے کہ "آج شہر سے جو خبریں ملی ہیں ان میں کہا گیا ہے کہ "بادشاہ ہم سے صلح کی شرطیں طے کرنے کے لیے بے چین ہے" اسی طرح ۱۴ر اگست کے خط میں:

"میں نے ابھی شہر کا خبرنامہ دیکھا جس میں کہا گیا ہے کہ بادشاہ چاہتا ہے کہ سپاہی انگریزوں سے صلح کریں لیکن انھوں نے جواب دیا کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے وہ یا تو فتح کریں گے یا مرجائیں گے۔ بادشاہ نے خود انگریزی کیمپ میں جانے کا ارادہ کیا مگر سپاہیوں نے ایسا نہیں کرنے دیا"۔ [2]

اس طرح کے واقعات کی تصدیق ظہیر دہلوی کے بیان سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ایک موقعے پر جب کسی پوربیے نے بادشاہ سے گستاخی کی، وہ کہتے ہیں:

"... اور بادشاہ نے خفا ہو کر مغلظات گالیاں دینی شروع کیں اور حکم دیا کہ محل کی سواریاں کراؤ اور خواجہ صاحب کو چلے چلو۔ قلعے کو چھوڑ دو اور خود سوار ہو کر جالی کے دروازے تک پہنچ گئے تھے کہ اتنے میں سب افسر جمع ہو کر دوڑ آئے اور بادشاہ کی سواری روک لی"۔ [3]

---

1. CHAUDHURI: Civil Rebellion 1857 p.70

2. YOUNG: Delhi 1857 pp. 104-203

3. داستانِ غدر/۱۰۲۔ ظہیر دہلوی نے اس بدتمیز پوربیے کو بخت خاں کہا ہے مگر تاریخی حالات اور واقعات سے بخت خاں کا جو کردار نظر آتا ہے اسکی روشنی میں یہ بالکل غلط ہے یہاں یا تو ظہیر دہلوی سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہے یا کسی اشارے پر بخت خاں کی تصویر مسخ کرنے کے لیے یہ کام کرایا گیا ہے۔

علاوہ ازیں نہ صرف معین الدین وغیرہ کے روزنامچوں سے بلکہ عبداللطیف کے روزنامچے سے بھی بادشاہ کا کردار مشتبہ نظر آنے لگتا ہے۔ ۱۲ر جون ۵۷ء کو وہ لکھتا ہے۔

"پس بادشاہ نے مسرت کے ساتھ آج مجلس شوریٰ منعقد کی ... بات جو زیر بحث آئی وہ یہ تھی کہ اس طرف سے دل ہٹانا اور انگریزوں کی طرف جانا مناسب ہے سب نے عرض کی کہ یقیناً اب اِن تباہ کاریوں کے ساتھ اس مقام پر رہنا اپنے تئیں خطرے میں ڈالنا ہے ... فرمایا کہ انگریزوں سے دوستی کی کیا شکل نکالی جائے ... پس نواب گورنر جنرل بہادر اور نواب لفٹیننٹ بہادر کو خط ارسال کیا گیا"

پھر ۲۴ر جون کو:

چونکہ بادشاہ نے نواب گورنر جنرل بہادر اور نواب لفٹیننٹ بہادر کو خط لکھا تھا آج قاصد جواب لے کر آیا اس سے دل کو قدرے سکون ہوا، دوبارہ بادشاہ نے محفل آراستہ کرائی، قلم اٹھایا، خط لکھا اور ارسال کر دیا ...." [۱]

حکیم احسن اللہ، جو بہادر شاہ کا داہنا ہاتھ رہا ہے یا جسے وزیر اعظم کہنا چاہیئے ان کارروائیوں میں پیش پیش تھا چنانچہ کئی بار باغیوں نے اسے قتل کر ڈالنا چاہا مگر بادشاہ کی مداخلت سے وہ ہر بار بچ گیا۔ بغاوت کے پہلے دن سے لے کر آخر تک اس کے کردار پر ایسے صدہا دھبے نظر آتے ہیں اور جو نظر نہیں آسکے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اِن وطن دشمن کارروائیوں میں احسن اللہ کے علاوہ بہادر شاہ کی چہیتی بیگم زینت محل بھی پوری طرح شریک نظر آتی ہے جس کو اس ہنگامے میں بھی یہ فکر دامن گیر تھی کہ کسی طرح انگریزوں سے اپنے بیٹے جواں بخت کی ولی عہدی کا اقرار کرالے۔ چناں چہ دورانِ بغاوت میں ہر طرح نظر ڈالنے پر بھی

---

[۱] خلیق احمد نظامی (مرتب): روزنامچہ عبداللطیف/ ۱۴۰ و ۱۳۷۔ ڈاکٹر سین نے بعض اہم کاغذات سے اس کی تصدیق کی ہے ص ۹۵

زینت محل کی کوئی سرگرمی ایسی نظر نہیں آتی جو اُس نے باغیوں کی حمایت میں اختیار کی ہو۔ ہاں اس کے بارے میں اگر کچھ تاریخ کے صفحات پیش کرتے ہیں تو وہ انگریزوں سے سازباز اور خفیہ پیام رسانی کے تذکرے ہیں جنہیں جگہ جگہ دیکھ لیجیے اور بغاوت کے پہلے ہی دن سے یہ سلسلے شروع ہو جاتے ہیں[1] ایس بی چودھری نے اپنی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:

"یہ بات بغیر کسی شک وشبے کے کہی جا سکتی ہے کہ احسن اللہ نے انگریزوں سے پیام رسانی کی، باغیوں کی فوجی کارروائیوں کو اندر ہی اندر ملیا میٹ کرنے کی کوشش کی، انگریزوں کو پہنچانے کے لیے زینت محل اور صدر علی خاں کے تعاون سے رسد کے ذخیرے جمع کیے" [2]

اور بغاوت کے پہلے ہی دن جب انقلابیوں کا پہلا گروہ قلعے میں آکر خوراک اور رسد وغیرہ کا طالب ہوا تو انھیں احسن اللہ نے، جس کے ہاتھ میں بہت کچھ تھا، کیا دیا ــــ؟ بادشاہ کے اصطبل سے گھوڑوں کے چنے ــــ! [3]

کئی بار حکیم احسن اللہ کی یہ کارروائیاں پایۂ ثبوت کو پہنچ گئیں۔ سب سے پہلے ۱۶ مئی ۱۸۵۷ء کو انقلابی سرداروں نے دہلی دروازے سے اس کا مہر شدہ خط پکڑا جو قیدی انگریزوں کی مدد سے لکھا گیا اور اس میں انگریزوں کو مدد کا یقین دلایا گیا تھا۔ اسی خط سے برافروختہ ہو کر انھوں نے انگریز قیدیوں کو بے رحمی سے قتل کر ڈالا ورنہ انقلابیوں کا سر نہیں پھرا تھا کہ جن انگریزوں

---

[1] خورشید رضوی: بیگم زینت محل، رسالہ "آجکل" دہلی مورخہ جنوری ۱۹۶۳ء (مضمون)

[2] CHAUDHURI: pp. 67-68

[3] ظہیر دہلوی: داستانِ غدر/ ۶۸

کی جان بادشاہ کے کہنے سے بچائی گئی تھی انھیں بغاوت سے پانچ دن بعد نکال کر قتل کر دیتے۔

بعض مغل شہزادے بھی، جن کے نام ظاہر نہیں ہوتے، انگریزوں سے ساز باز میں شریک تھے۔ گرتھیڈ اپنے ایک خط (۱۹ر۔۲۳ر اگست) میں کہتا ہے:

"میرے پاس شہزادوں کے خطوط آنا شروع ہو گئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ وہ مکمل طور پر ہمارے حامی رہے ہیں اور صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں ... آج ایک سفیر زینت محل کی طرف سے آیا جو کہ بادشاہ کی چہیتی بیگم اور بڑی اہم سیاسی شخصیت ہے اُس نے شرائط اور معاہدے کے لیے بادشاہ پر اپنا اثر استعمال کرنے کی پیش کش تھی" [1]

جیون لال کی ڈائری میں ہے کہ باغیوں نے ۱۶ر مئی کو ایک خط پکڑا جو انگریزوں کو جارہا تھا اور اس میں جواں بخت کو ولی عہد مان لینے کی شرط پر امداد کا یقین دلایا گیا تھا۔

انقلابی حکومت کے خلاف کارروائیاں

جیسے جیسے دن گذرتے جاتے، شہر کے عوام میں ہراس اور بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا اور اس کا سبب نہ صرف انگریزوں کے وفاداروں کی کارروائیاں تھیں بلکہ انگریزوں کو ابھی تک کوئی فیصلہ کن شکست نہ ہو سکی تھی، نہ انھیں رِج سے ہٹایا جا سکا تھا اور یہ صورت حال عوام و خواص کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہی تھی کہ جو باغی فوجیں اتنی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی انگریزوں کو اُکھاڑ نہ سکیں وہ اب کیا کر سکیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ ایک نہ ایک دن انگریز دہلی کو فتح کر لیں اور اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ یہی سبب ہے کہ بعض افراد نے انگریزوں سے خفیہ نامہ و پیام شروع کر دیئے تھے جن میں راؤ تلارام۔ راجہ بلبھ گڑھ۔ عبدالرحمٰن خاں والی جھجر وغیرہ کے نام کیتھ ینگ نے اپنے خطوط کے مجموعے میں لکھے ہیں کہ اِن

---

[1] GREATHED: Letters Written During the Mutinies of India pp. 205, 217

لوگوں کے پیغامات موصول ہوئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ انقلابیوں کے حامی نہ تھے یا ڈبل رول ادا کر رہے تھے بلکہ حالات کے پیش نظر یہ پیش بندی کرنا چاہتے تھے مگر انگریز اور اُن کے حواری اتنے احمق نہ تھے جو یہ بات نہ سمجھ سکتے۔ [۱]

مختلف مقامات سے اب بھی انقلابی فوجیں، رضا کار اور مجاہدین دہلی آ رہے تھے بعض جگہوں سے عرضداشتیں بھی موصول ہوتی تھیں مگر اب حالات دگرگوں ہو رہے تھے۔ خزانے میں روپیہ نہ تھا۔ انگریزوں کے سیکڑوں جاسوس شہر اور قلعے کے اندر اپنا کام کر رہے تھے جن کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ انگریزوں نے کچھ پٹھان اس غرض سے بھرتی کیے کہ وہ شہر میں داخل ہو کر انقلابیوں سے جنگ کریں اور اس طرح بہ آسانی دہلی پر قبضہ ہو جائے۔ حکیم احسن اللہ نے طے شدہ پلان کے مطابق یہ خبر اڑائی کہ یہ لوگ جہادی ہیں مگر انقلابی افسران پر یہ راز بھی کھل گیا اور اسکیم کامیاب نہ ہو سکی۔ انقلابی افسران احسن اللہ کو اس غداری کی سزا دینے کے لیے اُس کے گھر پہنچے مگر وہ غائب ہو گیا۔ انگریزوں نے ایک اور وار کیا یعنی ہڈسن نے اپنے چند مخبروں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ انقلابیوں کا بارُود کا کارخانہ اُڑا دیں تو ایک ہزار روپیہ روپیہ انعام ملے گا چنانچہ، ۷ راگست ۱۸۵۷ء کو شمرو بیگم کی حویلی میں (چوڑی والان) یہ کارخانہ اُڑا دیا گیا اور انگریزوں کو یہ تحفہ مفت ہاتھ آیا کیونکہ اُس کو اُڑانے والے جاسوس نے قدرت کے ہاتھوں موت کا انعام پایا، وہ خود بھی اسی میں بھسم ہو گیا۔ [۲]

باغیوں نے کارخانہ اڑانے کا شبہ احسن اللہ پر کیا۔ ظہیر دہلوی نے لکھا ہے کہ اُس دن حکیم جی گھر پر نہ تھے۔ ورنہ ضرور مارے جاتے۔ انقلابیوں کا شبہ یقین کی حد تک تھا لہٰذا اب وہ

---

[۱] چنانچہ جھجر کے نواب اور نارسنگھ (راجہ بلب گڑھ) کو پھانسی ہوئی۔ راؤ تلا رام آخر تک جنگ کرتے رہے اور پھر افغانستان چلے گئے۔

[۲] حسن نظامی: غدر کی صبح و شام/ ۸۴

لہٰذا اب وہ احسن اللہ کے قتل کرنے پر تُل گئے۔ بہادر شاہ نے پھر اِس وفادار کی حمایت کی اور اسے قلعہ کے تہہ خانے میں چھپا دیا مگر انقلابی کسی طرح نہ مانے، جان بخشی کا وعدہ کر کے گرفتار کیا اور قید کر دیا۔ صرف اتنا کیا کہ اس کا گھر لوٹ کر سامان عام مجمع کے سامنے جلا دیا حالانکہ انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے کہیں زیادہ اس کا قتل مفید ہوتا۔ شہر میں خوف و ہراس تھا۔ باغیوں نے متعدد جاسوس گرفتار کیے، مرزا الٰہی بخش برابر ان جاسوسوں کی حمایت و امداد کر رہا اور بہتوں کو تہہ تیغ ہونے سے کسی نہ کسی طرح بچا لیا۔ ان میں سے چند کے نام جان لارنس نے گرتھیڈ کے نام ایک خط میں لکھے تھے تاکہ وقت ضرورت ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اِن میں محبوب علی خاں، حسن علی خاں۔ امین الدین خاں۔ الٰہی بخش۔ رام جی داس گڑوالا۔ متھرا داس۔ سالگ رام وغیرہ تھے[1]۔ رجب علی شہر میں اگست تک موجود تھا اور جاسوسی کے جال پھیلا رہا تھا۔

مایوسی

۲۸ر اگست کی رات کو انگریزوں نے کشن گنج والے مورچے پر حملہ کیا۔ تمام فوج کو ہوشیار کر دیا گیا تھا کیونکہ عام حملے کا خطرہ تھا۔ ۲۹ر اگست کو انگریزی توپوں نے تمام دن شہر پر گولہ باری کی۔ خبر ملی کہ انگریز باوٹے پر نئے مورچے بنا رہے ہیں جن سے تمام شہر کو تباہ کیا جا سکے گا۔ بہادر شاہ نے جنگی کونسل کا جلسہ طلب کیا، صورت حال پر غور کیا گیا مگر حالات بد سے بدتر ہو چلے تھے۔ سپاہی اناج کی کمی سے تنگ تھے مزید بارود بلکہ گن ڈھک تک دستیاب نہ ہوتی تھی۔ تاجروں نے کہہ دیا کہ نہ ہمارے پاس گن ڈھک ہے نہ اس کیلئے

---

[1] خط مورخہ ۲۵ر مئی ۱۸۵۸ء بحوالہ سین/ ۹۴۔ حکیم احسن اللہ کے گھر پر کچھ کاغذات برآمد ہوئے جو اس کی غداری ثابت کرتے تھے۔ باغی فوجوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ ان کی تنخواہیں روک کر مصیبت میں مبتلا کرنے والا بھی صرف یہی شخص ہے اور یہ بات انھوں نے دیوان خاص میں برملا کہی (مہدی حسن/ ۲۶۵)

روپیہ۔ مہاجنوں سے شہزادے تقریباً چار لاکھ روپیہ وصول کر چکے تھے، اب ان میں اس سے زیادہ سکت نہ تھی۔ فوجی افسروں اور شہزادوں میں تکرار بڑھ گئی۔ چاندنی چوک کے تھانیدار سید منظر علی کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ٹاٹ کی بوریاں، خیمے بنانے والے اور بیل بھینسیں تک مہیا نہ ہو سکتی تھیں[1]۔ بہادر شاہ نے کہا کہ وہ اپنا سامان بیچ کر فوج کی تنخواہ ادا کریں گے بخت خاں کو اپنے کچھ ہاتھی اور گھوڑے فروخت کرنا پڑے۔[2] فوج کا ماہوار خرچ پانچ لاکھ تہتر ہزار تھا۔ ان حالات میں بھی انقلابیوں کی ہمتیں پست نہ تھیں چنانچہ انگریز ۳ر ستمبر کو پل اڑانے کا ارادہ کر رہے تھے مگر دو ہزار سپاہیوں نے پسپا کر دیا۔ کابلی دروازے کے سامنے مورچہ بنایا تو ادھر سے شدید گولہ باری نے پرخچے اڑا دیئے۔ دوسری طرف انگریزی کیمپ میں رسد کی گاڑیاں اور سامان بحفاظت ۳ر ستمبر کو پہنچ گیا جسے روکنے کے لیے انقلابیوں کی ساری تدابیر آپس کے حسد و رقابت کے ہاتھوں ناکام ہوگئیں۔ اب دشمنان وطن نے دہلی پر حملہ کرنے کے پلان بنانا شروع کر دیئے۔ بخت خاں نے بہادر شاہ سے آکر کہا:

"میں کتنے دن پہلے سے یہ کہہ رہا تھا کہ انگریزوں کی رسد گاڑیاں پانی پت پر روکنے کے لیے فوج بھیجی جائے لیکن کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ آخر کار یہ رسد کی گاڑیاں اُن تک پہنچ گئیں اور اب ہم سخت مصیبت اور خطرے سے دوچار ہیں"۔[3]

۵، ۶ر ستمبر کو بہادر شاہ نے خود مورچوں پر توپوں وغیرہ کا معائنہ کیا، فوجوں کی پریڈ ہوئی، انھیں عہد کرایا گیا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر ڈٹا رہے، یہاں تک کہ ختم ہو جائے شہر میں اعلان کرایا گیا کہ ہر شخص خواہ وہ شاہی ملازمت میں ہو یا نہ ہو، ہندو ہو یا مسلمان، انگریزوں سے

---

[1] خطوط نیشنل آرکائیوز دہلی میں محفوظ ہیں۔ بحوالہ سین/۱۰۳

[2] حسن نظامی: غدر کی صبح شام/۲۲۲

[3] دہلی نیوز بحوالہ مہدی حسن/۲۷۰

جنگ کرنے کے لیے نکلے جو شخص اپنے فرض سے کوتاہی کرے گا اُسے شاہی حکومت کا دشمن تصور کیا جائے گا۔ یہ اعلان تمام شہر میں نقیب نے ڈھول بجا کر بادشاہ اور مرزا مغل کی طرف سے کیا[1]۔ چنانچہ اگلے دن کی خبریں یہ تھیں کہ بریلی اور نصیر آباد بریگیڈ کے علاوہ تمام مقامات کی فوجیں اُس دن جنگ کے لیے نکلیں اور پوری پامردی سے جنگ کی۔ ہندو مسلمانوں نے آپس میں قسمیں کھائیں کہ وہ جنگ سے منہ نہیں موڑیں گے اور دہلی کے در و دیوار نے وہ خونی منظر دیکھا جو آج تک کہیں نظر نہ آیا تھا۔ دشمن نے اب پلان کے مطابق حملہ شروع کر دیا تھا، دن رات توپوں اور بندوقوں کی آوازیں زمین و آسمان ہلائے ڈالتی تھیں۔ انقلابی عوام اور سپاہی اپنا عہد پورا کر رہے تھے اور ان کی لاشوں کے ڈھیر لگے جاتے تھے ____

"دِلّی کے نہ تھے کُوچے، اوراقِ مصوّر تھے"

وفادار رجواڑے پنجاب اور دیگر مقامات کے رجواڑے تو پہلے ہی انگریز کے حامی تھے، اب تو یہ بات صاف نظر آنے لگی تھی کہ انقلابی کامیابی سے ہمکنار نہوں گے۔ بہادر شاہ نے ۴ ستمبر کو جے پور۔ جودھ پور۔ الور۔ بیکانیر وغیرہ کے راجوں کو دستخطی چٹھیاں بھیجیں، جن میں لکھا تھا کہ "میری دلی خواہش ہے کہ فرنگی جس طرح بھی ہو، ہندوستان سے نکال دیئے جائیں لیکن یہ جنگ اُس وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب ایک قابل شخص جو اِس کا تمام بار اپنے کاندھوں پر لے کر منتشر قوتوں کو منظم کر سکے اور اس بغاوت کی رہنمائی کے لیے آگے بڑھے۔ میں ذاتی طور پر حکومت کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ اگر تم دیسی راجگان اپنی تلواریں دشمن کے خلاف بے نیام کرنے کو تیار ہو تو میں اُن کے حق میں شہنشاہی سے مستعفی ہو جاؤں گا جو اِس کام کے لیے منتخب ہوں[2]۔" مگر ان رجواڑوں

---

[1] دہلی نیوز بحوالہ مہدی حسن/۲۷۰

[2] حسن نظامی: غدر کی صبح شام/۲۴۲

کو ملک کی غلامی کا احساس نہ تھا۔ ستم تو یہ ہے کہ وہ غیر جانب دار بھی نہ تھے بلکہ انگریزوں پر رُوپے اور فوج کی بارش کر رہے تھے چنانچہ دھول پور کے راجہ نے پندرہ سو پیدل، کچھ سوار اور چھ توپیں، بیکانیر نے تین ہزار راج پوت، نالی گڈھ کے راجہ نے ایک ہزار گورکھے روانہ کیے۔ جموں کا راجہ بھی فوج بھیج رہا تھا۔ غرض ۴ ستمبر کو تمام نئی تازہ دم اور مسلح فوجیں انگریزی کیمپ میں آگئیں اور انھوں نے مورچہ بندی شروع کر دی۔ اِدھر انقلابی کیمپ میں کوئی ایسا افسر موجود نہ تھا جو تمام فوجوں کو یک جا کر سکے۔ افراتفری اور انار کی کا عالم تھا۔ فوجی اخراجات کے لیے آٹھ لاکھ رُوپے کی ضرورت تھی مگر آٹھ روپے بھی جمع نہ ہو سکتے تھے۔

حملہ شروع ہو گیا

رسد کی گاڑیاں وغیرہ پہنچنے کے بعد انگریز انجینیروں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ایک کھائی کھودی گئی اور داہنی طرف ایک بیٹری تعمیر کی گئی جس نے کابلی اور لاہوری دروازے کی طرف اُنھیں حملے سے محفوظ کیا اور باغیوں کی توجہ اِدھر کر دی۔ جون سے اگست تک سب سے زیادہ دباؤ اسی طرف (ہندراؤ ہاؤس اور سبزی منڈی) رہا تھا اور اگر باغی فوجیں یہاں کامیاب ہو جاتیں تو تمام انگریزی کیمپ کو تباہ کر سکتی تھیں۔ اب انقلابیوں نے اپنی توجہ یہ سوچ کر اِدھر لگا دی کہ شہر پر حملہ اسی سمت سے ہوگا لیکن وہ بائیں طرف یعنی لُڈلو کیسل اور قدسیہ باغ کی طرف سے ہونا تھا۔ انگریزوں نے پہلے کشمیری دروازے، موری دروازے اور واٹر بیسچین (آبی مورچہ) کو نشانہ بنانے کا پلان بنایا تھا جسے انقلابیوں نے دھوکا کھا کر غیر محفوظ اور نظر انداز کر دیا تھا۔ چنانچہ دشمن نے لُڈلو کیسل کے مورچے پر بہ آسانی قبضہ کر لیا جسے انقلابیوں نے مسمار بھی نہ کیا تھا اور یہ انگریزوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا، اُنھوں نے تین نئی بیٹریاں لُڈلو کیسل کے سامنے پرانے کسٹم ہاؤس (آبی مورچے پر) اور قدسیہ باغ میں بنا لیں۔ ان مورچہ بندیوں پر انگریزی کیمپ کے ہندوستانی مزدور کام کر رہے تھے جن میں بہتوں نے اپنی جانیں بھی گنوا دیں مگر پھر بھی روتے رہے اور کام کرتے رہے آخر چار راتوں میں تین بیٹریاں مکمل کر دیں۔ افسوس کہ

انگریز تو اپنی قیمتی جانیں قومی مقصد کی خاطر ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے لیکن ان بے چارے ہندوستانیوں نے چند ٹکوں کی خاطر مُفت میں اپنی جانیں دیں۔

۱۱ ستمبر کی صبح کو نئے تعمیر شدہ مورچوں سے گولہ باری شروع ہوگئی اور ۱۳ تک شہر پناہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔ انجینیروں نے رات میں شگافوں کا معائنہ کرکے بتایا کہ اِن کے ذریعے شہر میں بہ آسانی داخلہ ممکن ہے۔ فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا جن میں ایک کو نکلسن کی رہبری میں کشمیری دروازے کے شگاف سے اندر کی طرف بڑھنا تھا دوسرے کو بریگیڈیر جونس کے ماتحت آبی مورچے کے شگاف سے تیسرے کو کرنل کیمبل کی سرکردگی میں کشمیری دروازے کو بارود سے اُڑا کر شہر میں داخل ہونا تھا جس کی میجر ریڈ رہنمائی کر رہا تھا۔ ان کے علاوہ ایک محفوظ دستہ بریگیڈیر لونگ فیلڈ کی کمان میں رکھا گیا لیکن صبح ہوئی تو حملہ ملتوی کرنا پڑا کیونکہ اندر سے شگافوں کی راتوں رات مرمت کر لی گئی اگرچہ صرف ریت کی بوریوں سے۔ نئے مورچوں سے پھر گولہ باری کی گئی اور ظاہر ہے کہ یہ ریتے کی بوریاں کب تک ٹھہر سکتی تھیں۔

انقلابیوں کی جاں بازی

انقلابی صفوں میں ہمت اور جرأت کی کمی نہ پہلے تھی اور نہ اب۔ مختلف مقامات کے مجاہدین اگرچہ جذبۂ شہادت سے سرشار تھے مگر فوجی تربیت سے بیگانہ۔ وہ جوش و خروش کے اُبلتے جذبات سے دیوانہ ہوکر بقول ڈاکٹر حسین، صرف اپنے سر کے چاروں طرف اندھا دھند تلوار گھمانا جانتے تھے۔ اُن کے بدن پر ثابت کپڑے کبھی نہ تھے، وہ بھوکے مرتے تھے مگر دین اور وطن کا جذبہ انھیں بار بار میدان جہاد میں لاکر کھڑا کر دیتا تھا۔

ایک رات انگریزوں نے سیاہ برج کے مقابل لکڑی کی ٹال میں آگ لگا دی۔ برج والے کچھ نہ سمجھ سکے، دشمن نے اس کے دھوئیں میں مورچہ بنا کر قلعہ شکن توپیں لگا دیں اور گولہ باری شروع کر دی (۸ ستمبر)۔ قدسیہ باغ اور لڈلو کیسل ایک دن قبل ہی اُن کے

قبضے میں آچکے تھے اور کسٹم کوٹھی پر بھی مورچہ بن چکا تھا۔ رات دن گولے برس رہے تھے لیکن اِدھر سے انقلابی پوری شدت سے جواب دے رہے تھے۔ انھوں نے ہر انگریزی توپ کے مقابل توپ لگا دی تھی۔ آخر کار ۱۲ ستمبر کو سیاہ برج کا مورچہ ٹوٹ گیا، انگریزی فوج نے کابلی دروازے پر بھی توپیں لگا دیں۔ ۱۲ ستمبر کو اعلان کیا گیا کہ آج بہادر شاہ خود حملے کی کمان کریں گے۔ یہ سن کر تقریباً دس ہزار آدمی کشمیری دروازے کے قریب جمع ہو گئے اور آدھی رات تک انتظار کے بعد منتشر ہوئے کیونکہ تمام لوگوں کو حملے کی دعوت دی گئی تھی۔ احسن اللہ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ خضر سلطان نے بخت خاں کے حکم سے اعلان جاری کیا کہ آج بادشاہ حملے کے لیے نکلیں گے یہ سنکر بہت لوگ قلعے کے گرد جمع ہو گئے اور جو ہتھیار ملا وہ لے کر آئے مگر بادشاہ یا شہزادہ کوئی نہ نکلا اور لوگ ساری رات انتظار کر کے صبح واپس گئے۔ اگلے دن (۱۲ ستمبر) مولوی سرفراز علی اور مولوی عبدالغفور بادشاہ کے پاس بارہ بجے کے بعد آئے اور کہا کہ وہ سوار ہو کر نکلیں اور فوج کی قیادت کریں ورنہ سپاہ میں اضطراب پیدا ہو گا کہ آخر کیوں بادشاہی ملازمین پہاڑی پر حملہ کرنے نہیں جاتے جبکہ انھیں حکم دیا گیا ہے، وہ کبھی لاہوری دروازے سے آگے نہیں گئے؟ آخر کار کافی دیر بات چیت کے بعد بہادر شاہ کی سواری باہر آئی۔ کچھ فوجی افسران قلعے کے دہلی دروازے سے باہر آئے اور لال ڈگی پر ٹھہر گئے، میں بھی وہاں گیا، عوام نے بادشاہ سے کہا کہ وہ بڑھ کر میگزین کے آگے توپیں نصب کرائیں۔ اس موقعے پر میں نے (احسن اللہ) بادشاہ کی سواری روک لی، جو بڑھنے ہی کو تھی اور کہا کہ "خدا کے لیے نہ جائیے، گولے یہاں تک آ کر پھٹ رہے ہیں یہ لوگ آپ کو بے عزت کرنا چاہتے ہیں..." آخر بہت کچھ بحث و مباحثے کے بعد شام کے چار بجے بادشاہ کی سواری قلعے میں واپس ہو گئی[1]۔ تو یہ حضرت تھے، بادشاہ کی سواری روکنے والے!۔ یہاں بھی اپنی 'کارگزاری' سے باز نہ رہے۔

---

[1] یادداشت احسن اللہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اگلے دن محمد خاں آیا اور کہا کہ "یہ جھوٹ ہے کہ انگریز شہر میں داخل ہو گئے اور دروازوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ حملے کے دن سو آدمی داخل ہوئے تھے جن میں سے اکثر مارے گئے باقی ماندہ کو فوج جلد ختم کر دے گی لیکن بارود کی بیحد کمی ہے ...." خزانے میں صرف دو ہزار روپیہ باقی تھا، بخت خاں نے کہا "بہتر ہے کہ بریلی، رام پور اور لکھنؤ کے والیان نے جو نذرانے دیئے ہیں وہ خرچ کیے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے بعد قادر بخش آیا اور بادشاہ کو مبارکباد دی کہ باغی افواج کے ایک دستے نے جہادیوں کی مدد سے انگریزوں کو مورچے سے دھکیل دیا ہے، دوسرے سپاہیوں نے تصدیق کی ہے۔

برہمن کی پرارتھنا

احسن اللہ نے لکھا ہے کہ ایک برہمن نے خواہش ظاہر کی کہ اُسے تین دن کے لیے ایک جگہ بند کر دیا جائے اور سامان مہیا کیا جائے، وہ ہون کرے گا تاکہ بادشاہ کی فتح ہو۔ بادشاہ نے قادر بخش کو حکم دیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

انگریزی فوج کا داخلہ

نکلسن کی رہنمائی میں انگریزی فوج کا پہلا دستہ ۱۴ ستمبر کو موری دروازے کے مورچے پر قابض ہوا اور آگے بڑھ کر کابلی دروازے تک پہنچ گیا۔ اب وہ برن بُرجین کی طرف بڑھنا چاہتا تھا مگر آگے بڑھنا ممکن نہ ہو سکا انقلابی سپاہ ایک ایک انچ پر سخت مقابلہ کر رہی تھی، انگریزی دستے کو ان کی فائرنگ سے زبردست نقصان پہنچا۔ افسروں نے ہر چند بہت چلا کر ہمت بندھائی مگر کچھ پیش نہ گئی۔ بار بار وہ آگے بڑھتے اور بار بار دھکیل دیے جاتے۔ میجر جیکب زخمی ہو گیا۔ فوراً ہی نکلسن یہاں پہنچا اور فوج کو اپنے پیچھے آنے کے لیے پکارتا ہوا بڑھا ہی تھا کہ ایک گولی نے اسے بھی گرا دیا۔ جانی نقصان اتنا زیادہ تھا کہ یہ دستہ کابلی دروازے کی طرف پسپا ہو گیا۔ شہر کا ہر مکان ایک مورچہ تھا، ہر کوچہ گڑھی بن گیا تھا، انقلابی فوجیں اور عوام خون کے دریا بہا رہے تھے، چاروں طرف در و دیوار سے مسلسل گولیاں برس رہی تھیں، نکلسن زخمی ہو کر گرا تو انقلابی سپاہیوں نے لات مار کر

زمین پر گرا دیا۔ یہ خوفناک گلی ہر انچ پر ایک انگریز کی بھینٹ لے رہی تھی[1]۔ دوسری طرف آبی مورچے پر بھی دست بدست جنگ ہو رہی تھی

کشن گنج میں جو دستہ داخل ہوا اس کو دو کانوں میں شراب کے ذخیرے مل گئے۔ وہ پی پی کر مست ہو گیا اور انقلابیوں نے اِن مستانوں کی اچھی طرح ٹھکائی کر دی۔ بعض بیانات یہ ہیں کہ شراب کے ذخیرے انقلابیوں نے اسی مقصد کے لیے یہاں جمع کر دیے تھے کہ انگریزی فوج کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ انگریزی دستہ یہاں سے پٹ کر بھاگا اور باڑہ ہندوراؤ کی طرف چلا گیا۔ دوسرا دستہ جونس کی رہنمائی میں آبی مورچے کے شگاف سے بڑھ رہا تھا اُسے بھی بڑھنا دشوار تھا۔ تیسرے دستے نے کیمبل کی رہبری میں البتہ کشمیری گیٹ کو بارود سے اڑا کر راہ بنالی اور شہر کے اندر جامع مسجد تک جا پہنچا۔ چوتھا دستہ ریڈ کی کمان میں سبزی منڈی پہاڑی پور اور کشن گنج کی طرف بڑھا۔

جامع مسجد کی قربانی

جامع مسجد پہنچ کر اِس دستے نے کمک کا انتظار کیا مگر مسجد میں ٹھہرے ہوئے مجاہدین کو جب یہ معلوم ہوا کہ فوج آ رہی ہے تو ایک شخص نے منبر پر چڑھ کر للکارا:

"تمہارے امتحان کا وقت آ گیا۔۔ تم میں کون ہے جو اپنی جان نچھاور کرنا چاہتا ہے؟۔ دشمن سامنے کھڑا ہے جس کو مرنا ہے وہ میرے ساتھ شمالی دروازے کی طرف

---

[1] نکلسن کابلی دروازے کے قریب ایک تنگ گلی میں تھا جو لاہوری دروازے کی طرف جاتی ہے۔ دوبارہ پسپا ہونے کے بعد نکلسن نے خود حملہ کیا اور گولی لگی۔ یہ دروازے اب موجود نہیں ہیں کابلی دروازہ موری گیٹ سے ذرا آگے بڑھ کر تھا۔ نکلسن ۲۳ ستمبر کو زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ قدسیہ باغ کے محاذ میں آبی مورچہ تھا یہی دراصل بدرو برج کہلاتا ہے جسے بعض جگہ اموبرا پیسن بھی لکھا گیا ہے۔ (واقعات دارالحکومت ۷۰-۴۷۱)
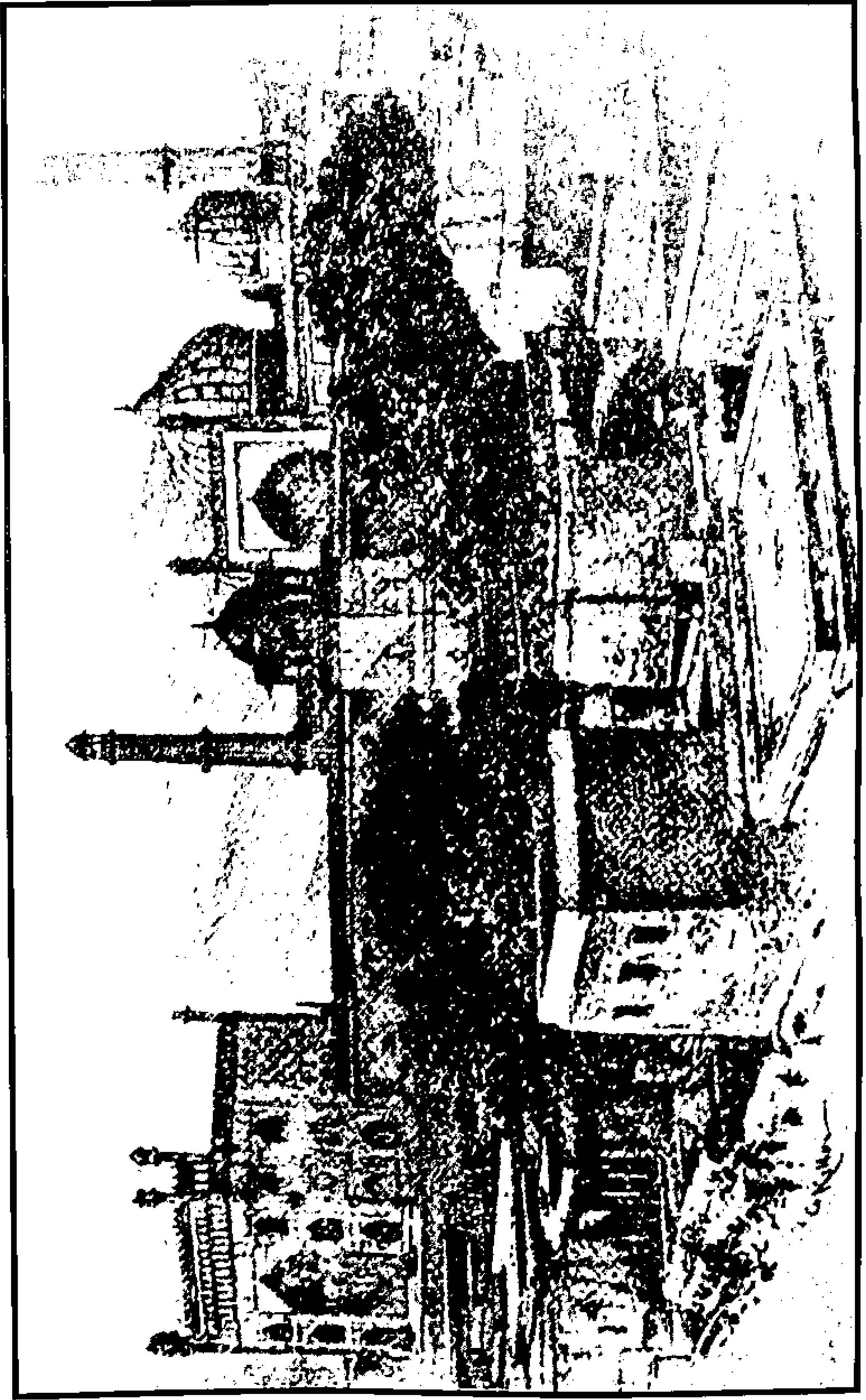
مینا بازار یا خانم بازار ۱۸۶۰ء میں مسمار ہونے سے قبل

آئے اور جسے جان پیاری ہو وہ جنوبی دروازے سے چلا جائے کہ اُدھر دشمن نہیں ہے"۔

اللہ اکبر کے نعروں نے بام و در لرزا دیئے، مجاہدین تلواریں کھینچ کر تیار ہو گئے۔ ایک بھی جنوبی دروازے کی طرف نہیں گیا۔ جیسے ہی وہ شمالی دروازے سے نکلے انگریزی فوج نے گولیوں کی باڑھ ماری، تقریباً دو سو شہید ہو کر گر پڑے مگر انگریزی فوج کو دوسری بار گراب مارنے کی مہلت نہ ملی اور یہ لوگ جن کے پاس صرف تلواریں تھیں، اُن کے سر پر جا پہنچے۔ دست بدست جنگ ہوئی اور دشمن کی فوج اس مجاہدانہ جذبے کی تاب نہ لا کر بھاگنے لگی۔ شہر کے لوگ جو ہاتھ آیا، حتیٰ کہ پلنگ کی پٹیاں تک لے کر نکل پڑے۔ ان مجاہدوں نے انگریزی فوج کا پیچھا نہ چھوڑا اور کشمیری دروازے کے گرجا (سینٹ جیمس) تک بھگا دیا۔ ظہیر دہلوی اس موقع کے چشم دید حالات میں بتاتے ہیں کہ:

"میں وہاں سے چاوڑی کے بازار میں جا پہنچا تو دیکھا کہ واقعی ہزاروں آدمی لاٹھی پٹو نگا۔ تلوار۔ گنڈاسا وغیرہ لیے ہوئے شہر میں پھرتے ہیں۔ غرض کہ جامع مسجد کے نیچے ہو کر گلیوں میں پہنچا تو وہاں عجیب تماشا نظر آیا لاشوں کا ایک ایسا انبار تھا جیسے لکڑیوں کی ٹال لگی ہوئی ہے۔۔۔۔"

اس جنگ کا واقعہ بتانے کے بعد وہ کہتے ہیں:

"ایک غل شور برپا ہوا اور بلوہ ہو گیا۔ لوگ گھروں میں سے لکڑیاں۔ پلنگ کی پٹیاں اور تلواریں لے لے کر دوڑ پڑے۔ اُس بزن میں سے کچھ آدمی مارے گئے جن کی یہ لاشیں موجود ہیں اور باقی بھاگ کر اپنے لشکر چلے گئے۔۔۔ میں نے جامع مسجد سے لگا کر کوتوالی تک لاشیں برابر پڑی دیکھیں۔۔۔ اور ایک ٹین کی نصیلی گراب کی کوتوالی کے حوض کے آگے پڑی دیکھی وہاں سے آگے بڑھ کر جب میں چھوٹے دریبے کے پھاٹک پہنچا ہوں تو میں نے دیکھا کہ پیپل کے

پیڑ کے نیچے ایک توپ کھڑی ہوئی ہے اور کوئی گولنداز وغیرہ وہاں نہیں ہے
... حسب التحقیق واضح ہوا کہ کچھ آدمی اس توپ کو لاہوری دروازے سے
کھینچکر لائے اور یہاں قایم کر کے انھوں نے انگریزی فوج پر گراب مارا اور
اس سے افواج انگریزی کو جو کوتوالی کے آگے کھڑی تھی نقصان پہنچا ......
جب دوبارہ گراب مارا ہے اور اس سے زیادہ نفوس تلف ہونے لگے تو اُن
لوگوں کے پاؤں اُکھڑ گئے" [1]

غرض یہ کہ پورا دن ختم ہوتے ہوتے، انگریزوں نے صرف شہر پناہ کی دیواروں کے ایک حصے پر قبضہ کیا اور شہر کے کچھ حصے میں داخلہ ممکن ہوا۔ باغی فوجیں زیادہ تر اجمیری دروازے سے باہر میدان میں چلی گئیں" اب شہر میں دن کو تو شہر کے آدمی چلتے پھرتے ہیں اور مارنے مرنے پر آمادہ ہیں اور شب کو سپاہ انگریزی نکل کر گھروں میں قتل کر جاتی ہے"[2] اس حملے اس حملے میں انگریزوں کے لگ بھگ بارہ سو آدمی ہلاک و زخمی ہو گئے۔ شہر کا بڑا حصہ، میگزین سلیم گڈھ اور قلعہ وغیرہ انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ ۱۶ ستمبر کو میگزین (کشمیری گیٹ موجودہ جی پی او) پر قبضہ ہوا۔ ۱۷ سے ۱۹ تک سلیم گڈھ پر بمباری کی جاتی رہی اور ۲۰ ستمبر کو لاہوری گیٹ، چاندنی چوک، قلعہ سلیم گڈھ میں داخلہ ممکن ہوا۔ یہاں جو چند سنتری موجود تھے ان کے بارے میں جون کے اور جون گریفتھ سے سُنیے کہ:

"وہاں کوئی ان اہم مقامات پر دفاع کرنے والا نہیں تھا سوائے چند آدمیوں
کے جنہوں نے بے عزتی پر موت کو ترجیح دی۔ شہر خالی ہو چکا تھا مگر وہ اپنی جگہ
جمے رہے۔ اُن کی قسمت میں موت لکھی جا چکی تھی مگر یہ جان کر بھی وہ اس سے
بے پرواہ تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ ہر دروازے پر ایک ایک سنتری موجود تھا،

---

[1] [2] داستانِ غدر / ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵
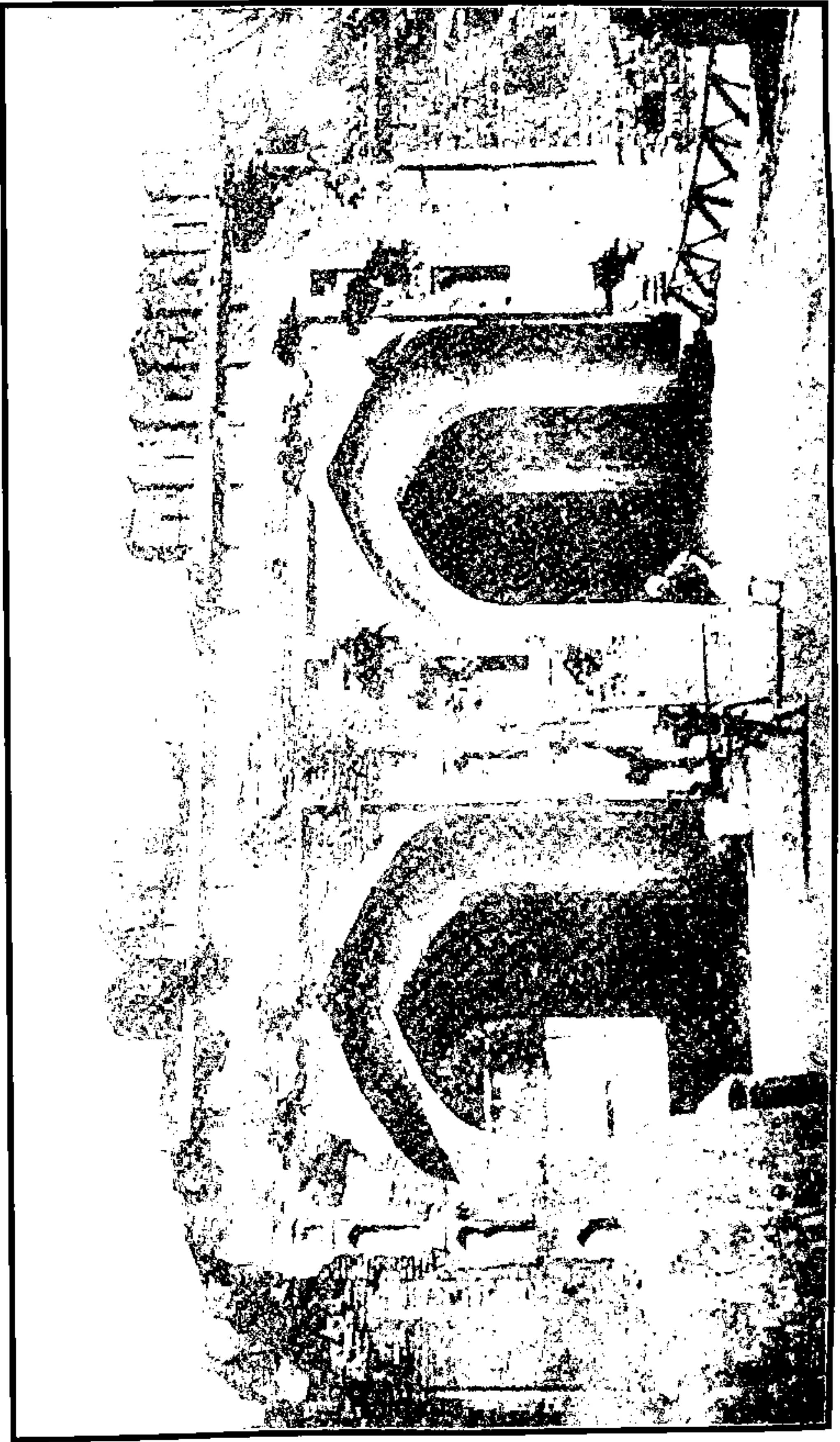
کشمیری دروازہ دہلی

دیوار کی اوٹ میں بڑھے جہاں اُنھیں خوفناک مقابلے سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے قبضے میں فصیل آبی مورچہ (نزد کشمیری گیٹ) سے لے کر کابلی دروازے تک کی دیوار تھی۔ کیونکہ لاہوری گیٹ سے داخل ہونے والے دستے کے انقلابیوں نے کشن گنج میں پرخچے اُڑا دیئے تھے۔

انگریزی فوجوں نے اب جن عمارتوں پر قبضہ کیا وہاں توپیں منصب کر کے قلعے اور جامع مسجد وغیرہ پر مسلسل گولہ باری شروع کر دی۔ ۱۶ ستمبر کو میگزین اور کشن گنج تک بڑھ گئے اور اگلے دو دن میں قدم قدم پر سخت خوں ریز جنگ کے درمیان کابلی دروازہ۔ برن بیچین وغیرہ پر قابض ہو سکے۔ کشمیری دروازہ سے داخلے کا حال میلیسین نے یہ لکھا ہے کہ ۱۳ ستمبر کو جب آبی مورچہ میں، جو کشمیری دروازے سے متصل تھا شگاف پڑ گئے تو انگریز رات کو چپکے چپکے شہر پناہ کی دیوار کے نیچے کھائی میں اُتر کر شگاف تک پہنچے اور یہ رپورٹ دی کہ شگاف قابل عمل ہیں ہر چند کہ مورچوں کی دیواروں سے اُن پر فائرنگ ہوئی لیکن وہ بچکر نکل آئے۔ اگلے دن صبح کو انجینئروں کے ہمراہ انگریزی فوج کشمیری دروازے پر بڑھی۔ وہ لکھتا ہے کہ چونکہ باغیوں کو ادھر سے حملے کا اندازہ نہ تھا اس لیے ان کے حواس جاتے رہے پھر بھی انھوں نے مسلسل فائرنگ کی لیکن انجینئر ہوم اور سیلکڈ (Salkeld) مع ہمراہیوں کے بارود کے تھیلے لیکر کھائی کے پار اُتر گئے جس پر ایک جنگلے دار پل بنا ہوا تھا۔ اُنھوں نے اُسے کھلا پایا، باغیوں نے حیرت زدہ ہو کر کچھ دیر کے لیے فائرنگ روک دی۔ یہ اچھا موقعہ پا کر انجینئروں نے بارود کے تھیلے دروازے میں رکھ دیئے لیکن اتنے ہی میں باغیوں کو پھر ہوش آیا اور فائرنگ شروع کر دی۔ ہوم تو کھائی میں کود پڑا لیکن سیلکڈ کو اتنا موقع نہ ملا اور زخمی ہو کر گرا۔ اُس نے بارود کا فتیلہ برگیس (Burgess) کے ہاتھوں میں دیدیا تاکہ وہ آگ لگادے لیکن برگیس بھی گولی سے مارا گیا تب کارمیچل (Carmichael) یہ کام انجام دیتے ہوئے زخمی ہو گیا۔ اسمتھ (Smith) یہ دیکھ کر جھپٹا لیکن فتیلے میں آگ لگ چکی تھی لہٰذا وہ کھائی میں کود پڑا۔ ہوم نے فوراً آگے بڑھنے کے لیے بگل بجانے کا

ڈھماکا کھکر
وہاں سے
دست حملہ
گرا۔ اُدھر
ہوا، عیدگاہ
دستوں کا
ن کے علاوہ
ن
ن نے دونو
ی تھیں کہ
ورالڈلو کیسل

درمیان
یدا ہوگیا کہ
مناسب

کا نقصان
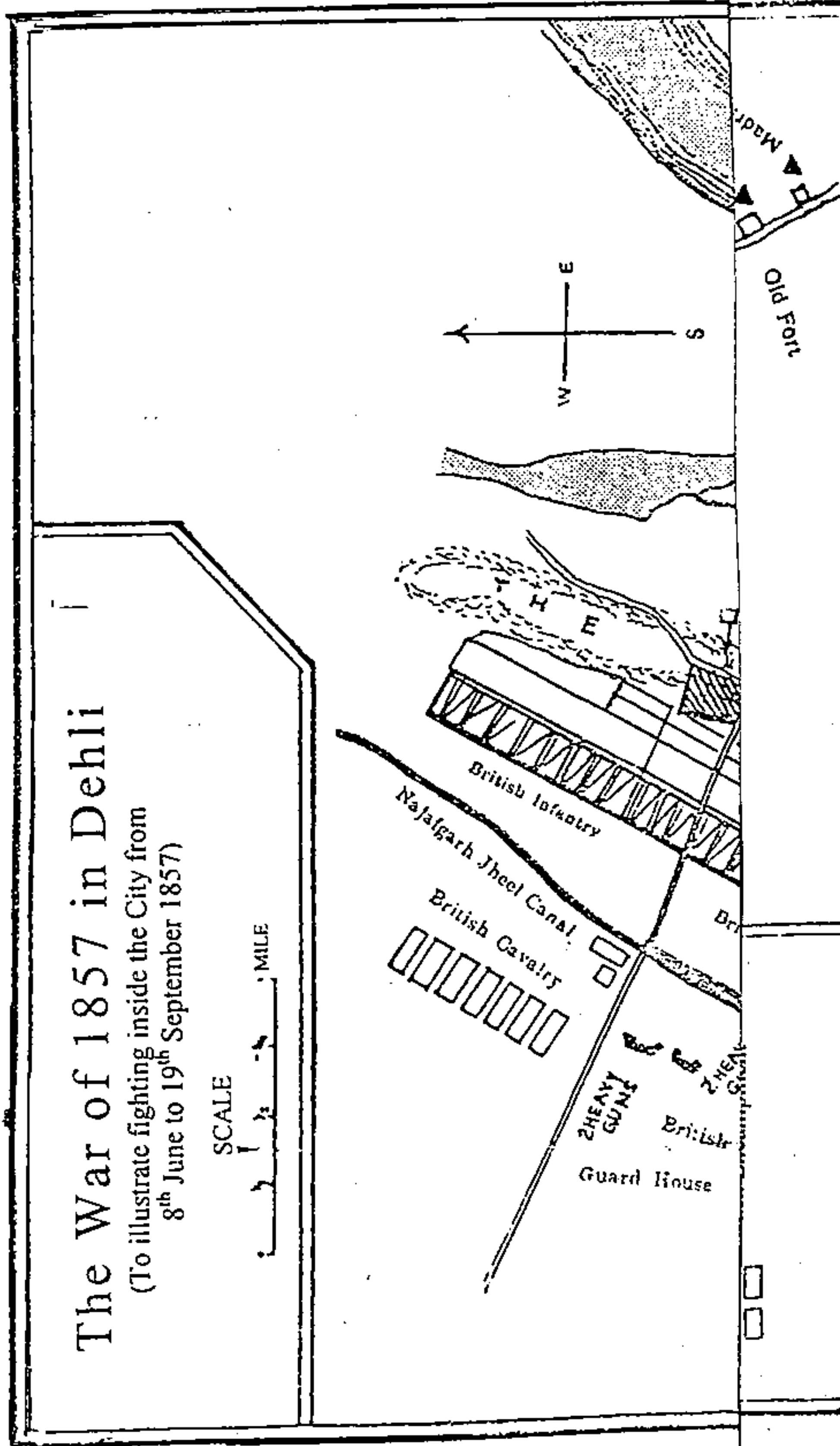
کا میچل
لڈھ سے

اشارہ کیا۔ تین بار بگل بجایا گیا لیکن شور و غل میں سُنائی نہ دیا تو کمانڈر کیمپبل نے دھماکا جھکر خود ہی آگے بڑھنے کا حکم دیدیا۔[1] یہی دستہ بڑھ کر جامع مسجد کے سامنے پہنچا اور وہاں سے پسپا ہو کر بیگم باغ کی طرف آگیا۔ میجر ریڈ کے دستے پر سبزی منڈی میں اس قدر زبردست حملہ ہوا کہ وہ پسپا ہونے کو تھا مگر ہوپ گرانٹ مدد کو آگیا اور ریڈ زخمی ہو کر کھائی میں گرا۔ اُدھر عید گاہ پر بڑھتا ہوا دستہ پسپا ہوا۔ میلیسن نے اتنا ہی لکھا ہے کہ یہ دستہ ناکام ہوا۔ عید گاہ پر حملے میں نہ صرف پسپائی ہوئی بلکہ چار توپیں بھی ہاتھ سے گئیں۔ اس ناکامی نے باقی دستوں کا کام بھی مشکل بنا دیا۔ نکلسن کو بڑھنا ناممکن ہو گیا، وہ اور جیکب زخمی ہو کر گرے، ان کے علاوہ آٹھ فوجی افسر بھی کام آچکے تھے۔ لہٰذا وہ کابلی گیٹ سے پسپا ہوئے۔ جہاں جونس نے دونوں دستوں کی کمان سنبھال لی۔ برن مورچے سے انقلابی توپیں اس قدر آگ برسا رہی تھیں کہ ۵۰۰ گز دور بڑھتی ہوئی سوار فوج میں زبردست کھلبلی اور انتشار پیدا ہو گیا اور مجبوراً لڈلو کسیل کی طرف پسپا ہوئی۔

انقلابی فوجوں میں اختلاف

دہلی پر انگریزوں کے عام حملے کے درمیان انقلابی فوجوں میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ دہلی کو چھوڑ دیا جائے یا نہیں۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ یہاں سے ہٹ کر کسی مناسب مقام پر جنگ کی جائے جب کہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ:

"چاہے ہم میں سے ایک ایک ختم ہو جائے مگر ہم دہلی نہیں دیں گے"

دوسری طرف انگریزی کیمپ میں بھی محاصرہ اٹھا لینے کی تجویزیں تھیں کیونکہ اُن کا نقصان

---

[1] چھ انگریزوں میں سے، جو اس کام میں مصروف تھے دو یعنی برگیس اور کارمیچل مارے گئے۔ تیسرا اسمیلکڈ چند دن بعد مرا۔ ہوم اسی ماہ ستمبر میں مالاگڈھ کے حملے میں کام آیا۔

ناقابل برداشت نظر آرہا تھا۔ انگریز افسروں نے متفقہ طور پر جمے رہنے کا فیصلہ کیا اور انقلابی کسی بات پر متفق نہ ہو سکے۔ ان میں بہت سے دہلی سے چلے گئے اور باقی نے وہیں ختم ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انگریزوں نے پہلے دن ہی مقابلے میں جنگ مشکل دیکھ کر رات کو اچانک حملہ کیا اور یکایک سوتے ہوؤں کو گھروں میں گھس کر ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ یہ مردانہ وار مقابلہ نہ تھا، بزدلانہ کام تھا چنانچہ ہر شخص بدحواس ہو گیا۔ پھر بھی انقلابیوں نے ایک ایک انچ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایک دو دن نہیں ——— ۱۲ر ستمبر سے ۲۴ر ستمبر تک مسلسل ——— ! اس جگر داری اور پامردی کا جواب دنیا کی تاریخ کے صفحات دینے سے قاصر رہیں گے کہ محلات یا مسجدوں میں جب انگریز فوجی داخل ہوئے تو سنتری پہرے دار خاموش اپنی جگہ بندوقیں سنبھالے کھڑے رہے اور ان کے قریب آنے پر اپنی بندوق سے آخری فائر کیا جس کے بعد وہ جانتے تھے کہ ان کے لیے موت ہے مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلے اور مسکرا کر موت کی آغوش میں چلے گئے[1]۔ ہر کوچہ و بازار میدان جنگ کا سماں پیش کرنے لگا۔ دہلی کے در و دیوار انقلابیوں کے خون سے لالہ زار ہو گئے۔ آخر کار تمام انقلابی فوجیں دروازوں سے باہر ہو گئیں، ۲۱ر ستمبر تک شہر پر انگریزی قبضہ ہو گیا۔ شہر کے ہزارہا عوام اجمیری اور دہلی دروازے سے باہر نکلے اور جہاں پناہ پا سکتے تھے چلے گئے۔

جنرل بخت خاں بہادر شاہ کے سامنے

۱۹ر ستمبر کی رات کو جنرل بخت خاں بہادر شاہ کے پاس آئے اور کہا:

"اگرچہ انگریزوں نے دہلی کو لے لیا ہے لیکن اس سے ہمارا کچھ زیادہ نقصان

---

[1] SAVARKAR : Indian War of Independence p. 342

Map of Delhi in 1857
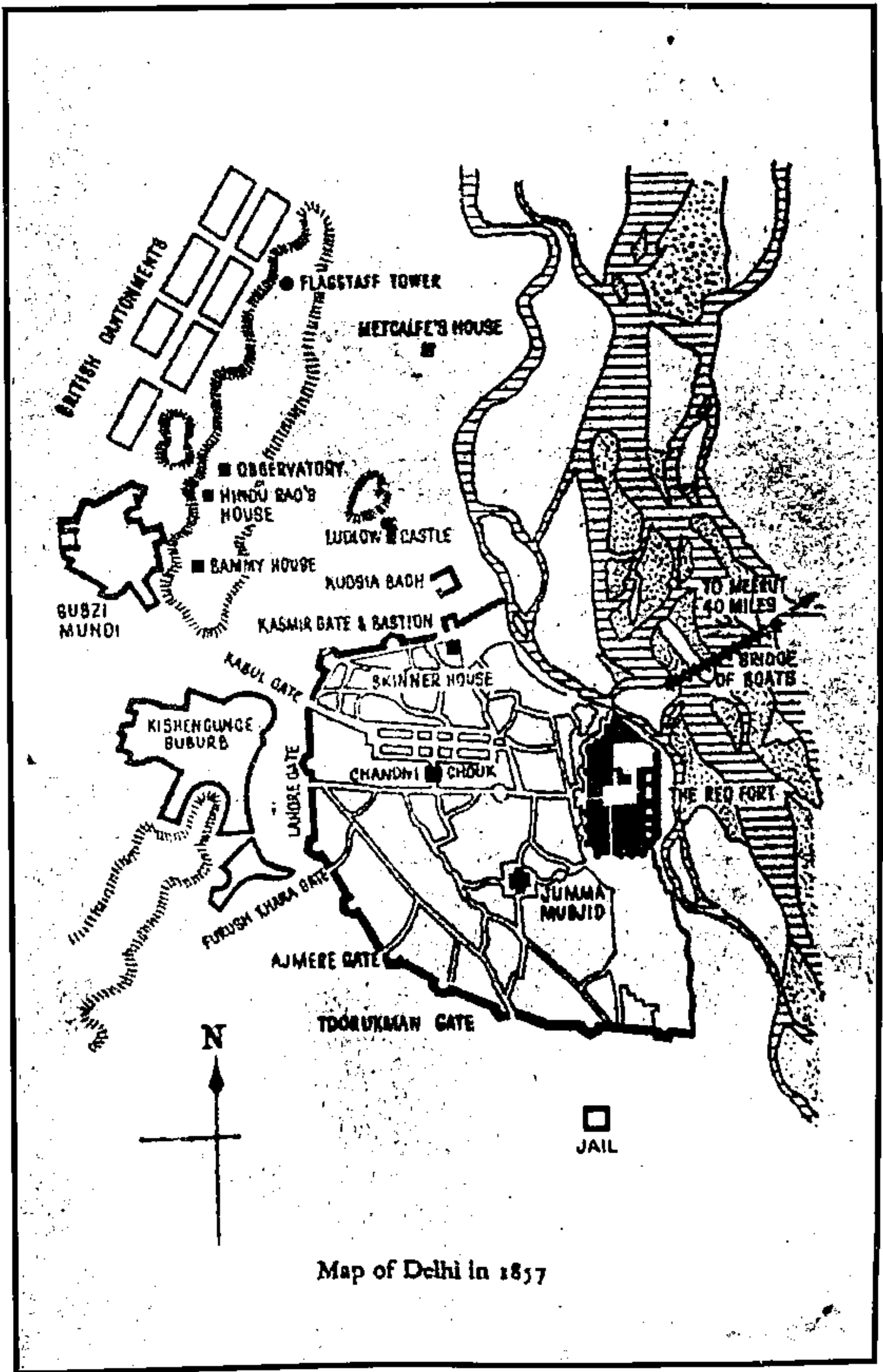
۱۸۵۷ء میں دہلی کا نقشہ

نہیں ہوا۔ تمام ملک ہمارے ساتھ ہے۔ ہر شخص کی نظر آپ کی ذات پر لگی ہوئی ہے۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں میں پہاڑوں میں بیٹھ کر ایسی مورچہ بندی کروں گا کہ انگریزوں کا فرشتہ بھی نہ آسکے گا۔ دہلی پایۂ تخت ہے، فوجی قلعہ نہیں ہے لڑائیوں کے لیے ایسے مقامات مناسب نہیں ہوتے۔ چند مہینے جو ہم نے مقابلہ کیا یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں۔ ہمارا شہر نشیب میں تھا اور انگریز پہاڑی پر۔ کوئی ناتجربہ کار فوج بھی پہاڑی پر ہوتی تو فتح دشوار نہ تھی۔ پھر سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ حضور کے صاحبزادے مرزا مغل کمانڈر انچیف بنا دیئے گئے وہ لڑائی کے فن سے ناواقف تھے۔ اگر وہ میرے کاموں میں رخنہ نہ ڈالتے اور میرے منصوبوں میں حارج نہ ہوتے تو یقیناً اسی خود سر فوج سے دشمن کو شکست دیتا۔۔۔ ہم کو آپس کے بگاڑ اور ایک دوسرے پر بھروسہ نہ کرنے کے سبب وہ قوتیں جو دشمن کے مقابلہ میں صرف ہوتیں خانگی جھگڑوں میں بیکار ضائع کرنا پڑیں۔ مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔۔۔ تمام ہندوستانی ریاستیں چپ چاپ بیٹھی ہیں جس وقت ہمارا پلہ ذرا بھی ہوگا وہ ہماری مدد کے لیے اُٹھ کھڑی ہوں گی۔۔۔۔ آپ یقین کیجیے کہ اگر آپ محفوظ مقامات سے انگریزوں کا مقابلہ کریں گے تو تمام ملک ساتھ دے گا۔ آدمی، رسد، ہتھیار اور روپیہ ہم کو اس افراط سے مل سکتے ہیں کہ انگریز اپنے ملک کے بچے بچے کو ہم پر چڑھا لائیں تب بھی ہم صدیوں تک ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔۔۔ جہاں پناہ کے سامنے یہ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے کہ حضور کے باپ دادا نے اس سے بڑھ بڑھ کر شکستوں اور ناکامیوں کا مقابلہ کیا ہے“ [1]

---

[1] حسن نظامی: دہلی کی جانکنی/ ۳۸-۳۷

بہادر شاہ اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ اور اگلے دن بخت خاں سے ہمایوں کے مقبرے میں ملنے کو کہا۔ مگر الٰہی بخش کے سپرد انگریزوں کی طرف سے یہ کام تھا کہ وہ بہادر شاہ کو انقلابی فوج کے ساتھ نہ جانے دے۔ وہ منشی رجب علی کے ذریعے تمام خبریں پہنچا رہا تھا۔ چنانچہ بخت خاں کے جاتے ہی بہادر شاہ کے پاس آیا، نہایت چکنی چپڑی باتیں کیں، بڑھاپے کا احساس دلایا، برسات کے دل آزار موسم کی دہائی دی، چھوٹے چھوٹے شہزادوں اور بیگمات کی تکلیفوں کا نقشہ کھینچا، انگریزوں سے معاملات کی صفائی کرانے کی ذمہ داری لی، شاہی خاندان کو محفوظ رکھنے کا یقین دلایا اور کہا:

"مجھ کو ذرا بھی یقین نہیں کہ باغی کسی جگہ جم کر مقابلہ کر سکیں گے۔ بخت خاں نے جو کچھ کہا اس کو تو میں مانتا ہوں بے شک ہندوستان کی ریاستیں اور عوام دل سے آپ کے ساتھ ہیں لیکن میں یہ نہیں مانتا کہ باغی فوج آپ کے یا بخت خاں کے قابو میں رہ سکے گی"۔

بہادر شاہ یہ باتیں سُن کر خاموش ہو گئے، کوئی فیصلہ شاید نہ کر سکے تو ایک خواجہ سرا نے کہا:

"حضورا صاحب عالم (الٰہی بخش) تو انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں۔ آپ بخت خاں کی گذارش پر توجہ فرمائیے۔ مرنا اور تکلیف اٹھانا تو زندگی کے ساتھ ہے"

بہادر شاہ اپنے متعلقین کے ہمراہ ہمایوں کے مقبرے میں چلے گئے۔ پہلے درگاہ حضرت نظام الدینؒ گئے۔ وہ اُس دن تین وقت کے فاقے سے تھے ——— اُف یہ زار و نزار بوڑھا درگاہ حضرت نظام الدینؒ میں مزار سے تکیے سے لگا بیٹھا ہے، سفید داڑھی پر گرد و غبار ہے، چہرہ اُترا ہوا ہے۔ درگاہ کے متولی سے مانگ کر بیسنی روٹی اور سرکہ کی چٹنی کھا رہا ہے!

الٰہی بخش نے ہر ہر بات کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ حکم ملا کہ ۲۴ گھنٹے بادشاہ کو روکے رکھے۔ بخت خاں پھر بہادر شاہ سے آکر ملے۔ بہت دیر تک بحث و تکرار رہی۔ بہادر شاہ

جانا چاہتا تھا مگر الٰہی بخش روک رہا تھا۔ اس نے کوئی حربہ کارگر نہ دیکھا تو بخت خاں سے تلخ انداز میں کہا:

"لارڈ گورنر صاحب! کل آپ نے فرمایا تھا کہ میں حضور کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھوں گا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جہاں پناہ کی آڑ میں آپ خود حکومت کرنا چاہتے ہیں .... آپ مغلوں سے صدیوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں ... میں جانتا ہوں آپ پٹھان ہیں اور پٹھان سیکڑوں برس تک کینے کو نہیں بھولتے"۔

یہ بے ہودہ گفتگو سن کر بخت خاں نے اپنی تلوار پر ہاتھ ڈالا اور قریب تھا کہ انگریزوں کا یہ کاسہ لیس اپنا سر کھو بیٹھے کہ بادشاہ نے روک کر کہا:

"بہادر۔ مجھے تیری ہر بات کا یقین ہے اور میں تیری ہر رائے کو دل سے پسند کرتا ہوں مگر جسم کی قوت نے جواب دے دیا ہے اس لئے اپنا معاملہ تقدیر کے حوالے کرتا ہوں، مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو، بسم اللہ کرو، یہاں سے جاؤ اور کچھ کرکے دکھاؤ۔ میں نہیں، میرے خاندان میں سے نہیں، نہ سہی، تم یا کوئی اور ہندوستان کی لاج رکھے، ہمارا فکر نہ کرو، اپنے فرض کو انجام دو"۔

میلیسن کا اندازہ غلط نہیں ہے کہ بابر کی نسل کا یہ آخری تخت نشین اگر جوان ہوتا تو وہی کرتا جو بخت خاں چاہتا تھا مگر وہ بوڑھا اور کمزور تھا اس لئے مجبور رہا۔ احسن اللہ نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ کے قلعے سے چلے جانے کے بعد وہ خود بھی ہفتے کے دن شام کو وہاں سے روانہ ہوا تو عوام نے اسے بُرا بھلا کہا، گالیوں سے نوازا۔

بہادر شاہ کی گرفتاری

بخت خاں مایوس ہو کر چلے گئے تو الٰہی بخش نے ہڈسن کو اطلاع دے دی اور وہ گرفتار کرنے کے لئے آپہنچا۔

بہادر شاہ نے الٰہی بخش کو گھور کر دیکھا ______ "ذرا تم نے مجھ کو بخت خاں کے ساتھ جانے سے روکا، اگر انگریزوں کو مجھ سے کچھ سروکار نہیں تھا، جیسا کہ تم نے کہا، تو وہ گرفتار

کرنے کیوں آئے ہیں"؟ ——— یہ غدار کیا جواب دیتا، سر جھکائے چپ چاپ کھڑا رہا۔ بہادر شاہ نے بخت خاں کو بلانا چاہا مگر اب "چڑیاں کھیت چگ گئی تھیں" وقت گذر چکا تھا۔ ہڈسن نے اس موقعے کا بیان اس طرح کیا ہے کہ بہادر شاہ کے قلعے سے جانے کے بعد بھی اس کے پاس نامہ بر آتے رہے۔ جو زینت محل کی طرف سے تھے جو بادشاہ پر اپنا اثر استعمال کرنے کی بعض شرائط پر پیش کش کر رہی تھی۔ یہ شرائط اور ان کی منظوری، اب ظاہر ہے کہ انگریزوں کے لیے مہمل تھی۔ لہٰذا ہڈسن گرفتار کرنے پہنچا تو مقبرے کے دروازے کی پرانی عمارت میں کھڑا رہا اور زینت محل کے پاس پیغام بر بھیجے۔ دو گھنٹے بعد جواب آیا کہ بادشاہ اپنے آپ کو حوالے کرنے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کے سامنے جان بخشی کا عہد کیا جائے، جان بخشی کے عہد میں ہڈسن کا کیا جاتا تھا، اقرار کر لیا گیا اور کچھ دیر بعد آہستہ آہستہ ایک جلوس باہر آنا شروع ہوا جس میں سب سے آگے زینت محل کی سواری تھی ——— اس وقت انھیں ہی سب سے آگے ہونا چاہیئے تھا ——— جب یہ سواری باہر آئی تو چوب دار نے بلند آواز میں اس کا نام پکارا اس کے بعد پالکی میں بادشاہ برآمد ہوا تو ہڈسن نے آگے بڑھ کر ہتھیار رکھنے کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا "تم ہی ہڈسن بہادر ہو؟ ۔ اگر ایسا ہے تو وہ عہد اپنی زبان سے دہراؤ۔۔۔۔"[1] اس کے بعد بہادر شاہ نے ہتھیار دیدیئے۔ یہی جواں بخت کے ساتھ پیش آیا اور یہ جلوس شہر کو روانہ ہو گیا، لاہوری دروازے سے چاندنی چوک میں ہوتا ہوا قلعے میں پہنچا۔ ہڈسن بہادر شاہ کو قتل کرنے کا حامی تھا اور ولسن بھی اُس سے متفق تھا لیکن مصلحت اسی میں سمجھی گئی کہ اُسے زندہ رکھا جائے۔ افواہ تھی کہ پیشوا نانا صاحب بہادر شاہ کو رہا کرانے کے لیے دہلی آئیں گے۔ انگریز حکام نے خفیہ ہدایات جاری کر دیں کہ اگر ایسا ہو تو

لہ 1. HUDSON: Twelve Years Soldier Life p. 303
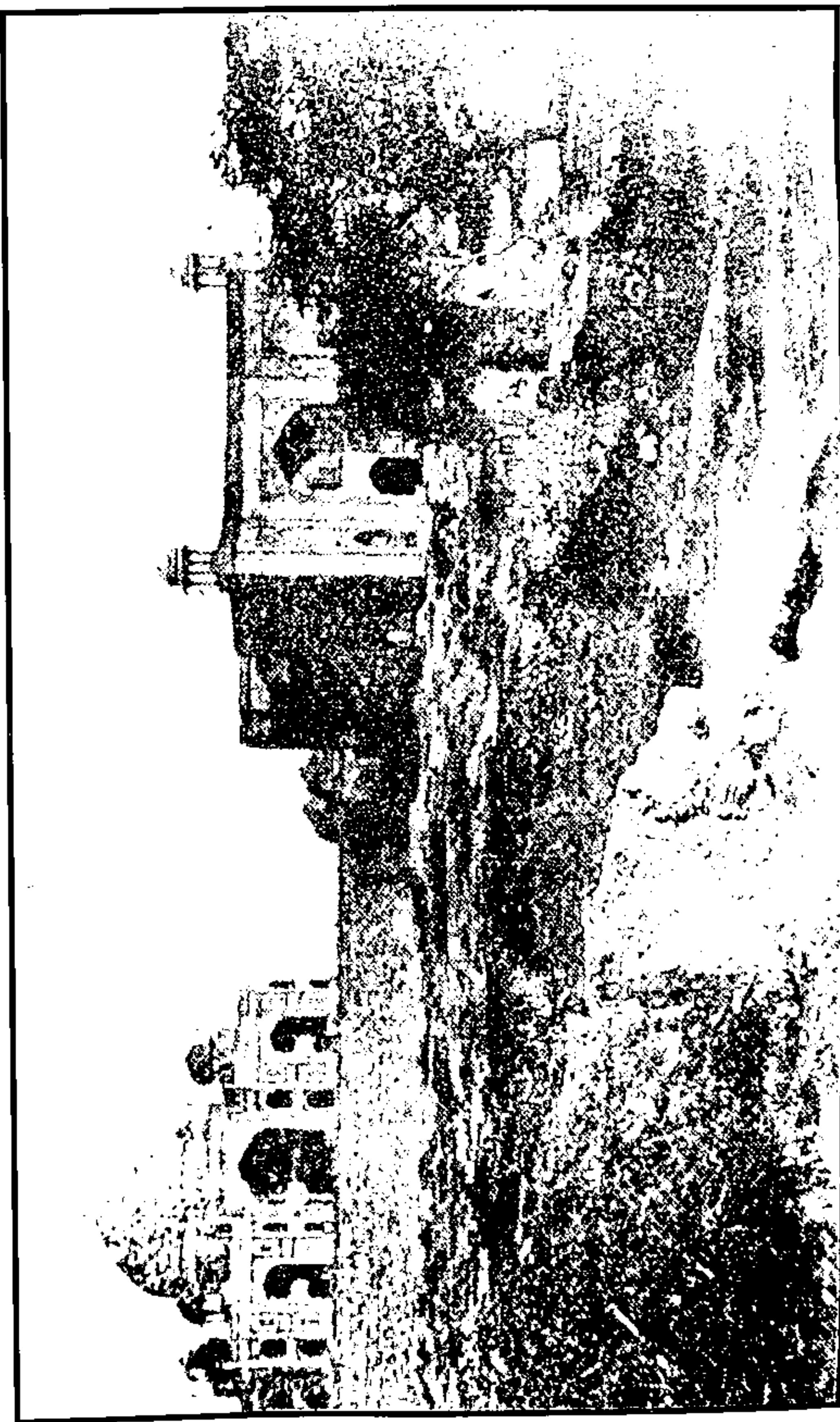
۱۸۵۷ء میں ہمایوں کے مقبرہ کا منظر جہاں سے بہادر شاہ ظفر اور ان کے شہزادوں کو حراست میں لیا گیا

بہادر شاہ کو فوراً گولی ماردی جائے۔ [1]

مُغل شہزادے

بہادر شاہ کی گرفتاری کے بعد الٰہی بخش اور رجب علی کا ایک کارنامہ ختم ہوا تو اب یہ دونوں ہڈسن کے ہمراہ شہزادوں کی گرفتاری کے لئے آئے۔ شہزادوں نے بھی جان کی امان چاہی مگر ہڈسن نے کہا کہ "انھیں غیر مشروط طور پر آجانا چاہیئے"۔ شہزادے اس پر کچھ برہم ہوئے، اُن کے رفیقوں نے بھی یہی صلاح دی کہ "تیموری نسل کے لوگ اس طرح مجبور ہو کر قید نہیں ہوا کرتے، تلوار اٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں، پھر یا قسمت یا نصیب کا معاملہ ہوتا ہے۔ ... ہم کو بھی دلیرانہ کام کرنا کرنا چاہیئے۔ ہڈسن اور اس کے ہمراہ تنلو سواروں کو ہم تھوڑی دیر میں شکست دے سکتے ہیں۔ مرنا ہی ہے تو بہادری کی موت کیوں نہ مریں" ...... مگر الٰہی بخش پھر سمجھانے بیٹھ گیا اور شہزادوں کو مقابلے سے باز رکھا۔ ہڈسن اُن سب کو لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں خونی دروازے اور پرانے جیل خانے کے پاس (دہلی دروازے کے سامنے) رتھوں میں سے اتارا، ان کے کپڑے اُتروائے اور اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ یہ شہزادے مرزا مغل۔ مرزا ابوبکر مرزا خضر سلطان اور مرزا عبداللہ وغیرہ تھے ——— صرف یہی نہیں دنیا کے تمام سفاکوں اور ظالموں کو شرم سے گردن جُھکا لینا چاہیئے کہ اس گرگ دہن آلود نے شہزادوں کا خون پیا [2] ——— ! اُن کے سر خوان میں رکھ کر بہادر شاہ کے سامنے بھیجے گئے کہ

"یہ ہے آپ کی وہ نذر جو بند ہو گئی تھی ———"

---

[1] BALL: Vol. II p. 184 BALL: Vol. II p. 184

[2] حسن نظامی: دہلی کی جانکنی/۵۲۔ ظہیر دہلوی نے ان شہزادوں کی تعداد تیس بیان کی جن میں بہادر شاہ کے بیٹے۔ پوتے۔ نواسے اور داماد وغیرہ تھے۔ (ص ۱۲۴) یہ لوگ ۲۱ستمبر کو قتل کیے گئے۔

بہادر شاہ نے انھیں دیکھ کر کرب و اضطراب میں مُنہ پھیر لیا اور کہا۔

"الحمدللہ ——— ! تیمور کی اولاد اسی طرح سُرخ رُو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی ہے"۔

شہزادوں کی لاشیں کوتوالی پر اور اُن کے سر خونی دروازے پر لٹکا دیئے گئے، بعد میں دریا میں پھینک دیئے گئے۔

بہادر شاہ قید میں

بہادر شاہ کو زینت محل کے مکان (لال کنواں) میں قید کیا گیا۔ اس دوران میں اس کے ساتھ جو برتاؤ ہوا، ایک نظر اُس پر بھی ڈال کر آگے بڑھیں۔

ہڈسن جب بہادر شاہ کو گرفتار کر کے شہر کے لاہوری دروازے پر پہنچا تو وہاں ایک آفیسر نے یہ معلوم کر کے کہ پالکی میں شاہ دہلی گرفتار ہو کر آیا ہے ہڈسن کو مبارک باد اور سیلوٹ دینا چاہا لیکن ہڈسن نے ایسا نہیں کرنے دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہادر شاہ یہ احترام اپنے لیے سمجھ لے۔ اس کے بعد وہ لوگ ویران چاندنی چوک سے گزرے[1]۔ اول تو انگریزوں کو اس پر اعتراض تھا کہ بہادر شاہ کے گولی کیوں نہیں ماری گئی پھر یہ خبریں اُن میں بے چینی پھیلانے لگیں کہ قید میں اس کے ساتھ 'اچھا برتاؤ' ہو رہا ہے اور اسے قلعے میں کیوں رکھا گیا ہے مگر ایسا نہیں تھا۔ انگریز مصنف جی ڈاگ خود تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"میں مسٹر ساونڈرس اور ان کی بیوی کے ہمراہ اس بد قسمت اور مجرم بدمعاش کو دیکھنے گیا۔ ہم سیڑھیوں پر چڑھے اور ایک چھوٹا سا دروازہ ایک کمرے میں کھلا جس کو درمیان میں ایک چٹائی کھڑی کر کے تقسیم کر دیا گیا تھا جس کے پیچھے ایک عورت کوئی بدبودار چیز پکا رہی تھی۔ ایک حصے میں پلنگ تھا جس پر ایک سفید داڑھی کا آدمی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ کمرے میں کوئی دوسرا فرنیچر نہیں تھا اور مجھے یہ

---

1. DOGG (G): History of the Revolt pp. 313-356 [1]

کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ میرے دل میں نفرت کے جذبات کے ساتھ ہی کچھ رحم کا جذبہ بھی اُبھر آیا..... وہ ایک ایسے اندھیرے کمرے میں قید پڑا تھا جسکو شاید اس کا ادنیٰ ملازم بھی پسند نہ کرتا۔ جب جوان بخت نے میرا اور مسٹر ساانڈرس کا نام اس کے سامنے لیا تو اس نے سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا، وہ کچھ بڑبڑایا، جو سمجھ میں نہ آسکا..... معلوم ہوا کہ بیگم بھی ہم سے ملنا چاہتی ہے چنانچہ ایک نسبتاً اندھیرے چھوٹے اور گندے کمرے میں گئے جہاں آٹھ دس عورتیں، پلنگ کے گرد بیٹھی تھیں اور پلنگ پر ایک کالی، موٹی اور سیانی عورت تھی جس کی طرف میری توجہ دلائی گئی ..... اس عورت (زینت محل) نے مجھے یہ اعزاز دینا چاہا کہ میں اس کی چارپائی پر بیٹھ جاؤں مگر میں نے انکار کر دیا کیونکہ وہ بہت گندی تھی مسٹر ساانڈرس میرے انکار پر ہنسے اور بولے کہ چھ مہینے پہلے ایسا کرنا تمھاری جان سے بھی زیادہ قیمتی عزت بخش تھا، بے شک ایسا ہی تھا ” [1]

ابھی یہ داستان ختم نہیں ہوئی، ایک انگریز جیمس لینرر کی زبان سے اور سُن لیجئے کہ :

”بہادر شاہ (قید میں) ہمیشہ ایک عام سی چارپائی پر پالتی مارے بیٹھا رہتا اور آگے پیچھے ہلتا رہتا تھا گویا وہ قرآن کی آیتیں آہستہ آہستہ پڑھ رہا ہے بیگم اسے یورپینوں سے بولنے سے روکتی تھی اور اگر کوئی سوال کرتا تو وہ خود جواب دیتی تھی۔ بوڑھے بادشاہ کو دو آنے روز خوراک وغیرہ کے لیے دیئے جاتے تھے کمشنر ساانڈرس نے دیکھا کہ آفیسر اور سپاہی اس کے ساتھ نہایت ہی تحقیر آمیز برتاؤ کرتے اور فخر یہ کہتے کہ ہم نے بادشاہ کو کھڑے ہونے پر مجبور کیا کہ ہمیں سلام کرے بعض نے اس کی داڑھی پکڑ کر کھینچی تاکہ دیکھیں وہ کیا کرتا ہے مگر

---

[1] DOGG (G): History of the Revolt p. 357

اس نے کچھ نہ کیا بیگم اور شہزادیاں اس کے ساتھ پردے میں تھیں مگر انگریز سپاہی بے جھجک جب چاہتے وہاں گھس جاتے"۔ ؎۱

ریو ولیم بٹلر اپنی کتاب "لینڈ آف ویدا" (Land of Vedas) میں لکھتا ہے:

"تاہم اس حالت میں ناممکن تھا کہ اُسے دیکھنے پر دل میں رحم کے جذبات پیدا نہ ہو جائیں" (۴۲۳)

آہ! بہادر شاہ نے اپنے لیے جس برتاؤ اور بے عزتی کو بخت خاں کے ساتھ نہ جا کر خود ہی منتخب کر لیا، اُس سے تو بہتر تھا کہ اُسے گولی سے اُڑا دیا جاتا اور آنے والی نسلیں شرم و افسوس کے آنسو نہ بہاتیں۔ وہ اگر ۲۱ ستمبر کو حملے کی کمان کرنے کے لیے نکل کر احسن اللہ کے کہنے سے واپس نہ لوٹتا تو تاریخ کے صفحات چاہے وہی سامنے لاتے جو ہونا تھا مگر اُس کا نام رانی جھانسی۔ بیگم حضرت محل۔ نانا صاحب۔ ٹیپو سلطانؒ جیسے بہادروں کی فہرست سے خارج نہ ہوتا اور آیندہ نسلیں ہمیشہ اس کا نام لے کر سر بلند رکھتیں۔

بہادر شاہ کا مقدمہ اور انجام

ہمایوں کے مقبرے سے قید کر کے جب بہادر شاہ کو قلعے میں لایا گیا تو انگریز سپاہیوں نے اُسے گالیاں دیں اور خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ اُنھوں نے لال قلعے کے لاہوری دروازے پر ایک خاکہ بنایا جس میں اُسے پھانسی پر لٹکا ہوا دکھایا گیا تھا۔ اُسے اُن کے درمیان کھڑا کیا گیا تو ایک سپاہی نے اُسے دانت دکھا کر چڑایا اور ران پر ہاتھ مارا۔ اس گستاخی کو ایک حبشی غلام برداشت نہ کر سکا اور اس بد تمیز انگریز کو اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اس حبشی غلام کو فوراً ہی انگریز سپاہیوں نے مار ڈالا۔

؎۱ 1. LEASOR: The Red Fort p. 349,350

بہادر شاہ کی یہ توہین اور ذلت آمیز برتاؤ دراصل انگریزوں کے نزدیک ہندوستان کی تذلیل تھی اور اسے واقعی تمام ملک اور انقلابی عوام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی جس کا ایک سرسری اندازہ ہم کر چکے ہیں۔ واقعات کا سلسلہ برقرار رکھنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا تھا کہ دہلی اور بہادر شاہ کے باقی حالات کسی آیندہ باب میں بیان ہوں لیکن اس اہمیت کے پیش نظر ہم بہادر شاہ اور مغل خاندان کے افراد کا حال یہیں بیان کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جنوری ۱۸۵۸ء میں بہادر شاہ پر ایک ملٹری کمیشن کے تحت لال قلعے کے دیوان خاص میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس پر چار الزام تھے یعنی پہلا یہ کہ سپاہ کو بغاوت کے لیے اُبھارنا۔ دوسرا یہ کہ اپنے بیٹوں، دہلی اور شمالی ہند کے عوام کو انگریزی حکومت کے خلاف جنگ اور بغاوت پر آمادہ کرنا۔ تیسرا یہ کہ اپنے آپ کو شہنشاہ کہلانا۔ چوتھے یہ کہ قلعے کے ۲۹ انگریزوں کے قتل کا باعث ہونا۔ مقدمہ ۴۲ دن جاری رہا اور اسے چاروں الزامات کا "مجرم" گردانا گیا۔ اس مقدمے میں بھی بہادر شاہ کا بیان 'بہادری' یا 'شاہی' کا کوئی مظاہرہ نہیں کرتا۔ اُس نے تمام الزامات سے انکار کیا، اپنے کو بے بس بتایا اور باغیوں کو بے قابو۔ غرض یہ کہ اسے جلا وطنی کی سزا سُنا کر، ۷ اکتوبر ۱۸۵۸ء کو رنگون روانہ کر دیا گیا۔ اُس کے ہمراہ جو لوگ روانہ ہوئے اُن میں جواں بخت۔ شاہ عباس مرزا (دونوں بہادر شاہ کے بیٹے)۔ زینت محل۔ زمانی بیگم (جواں بخت کی بیوی) رقیہ سلطان بیگم (جواں بخت کی سالی) ممتاز دلہن (جواں بخت کی ساس) تاج محل بیگم (بہادر شاہ کی بیوی) ان کے علاوہ چار کنیزیں، پانچ خدمت گار، گیارہ دیگر خواصیں اور رصیلیں وغیرہ تھیں۔ الہ آباد کے راستے سے گئے جہاں ۱۲ نومبر کو پہنچے۔ چودہ افراد نے دہلی واپس جانے کی خواہش ظاہر کی جن میں تاج محل بیگم۔ ممتاز دلہن وغیرہ بھی تھیں۔ الہ آباد سے یہ قافلہ مرزا پور پہنچا اب یہ کُل گیارہ افراد باقی رہ گئے تھے۔ بلسہ۔ دیناپور مونگیر بلیا۔ کھلنا وغیرہ ہو کر ۴ دسمبر کو ڈائمنڈ ہاربر اور ۹ دسمبر ۱۸۵۸ء کو رنگون پہنچے۔

رنگون میں زندگی کے آخری دن اس بوڑھے مظلوم نے کس طرح گذارے، پہلے تو خود

اُسی کی زبانی سُنیئے :

شمع جلتی ہے پر اس طرح کہاں جلتی ہے
ہڈی ہڈی مری اے سوزِ نہاں جلتی ہے

اور پھر ان قیدیوں کے انچارج کیپٹن ڈیوس (Captain H.N. Davies) کے خط (۳ر اگست ۵۹ء) سے یہ حالات سامنے آتے ہیں کہ ان قیدیوں کو ایک معمولی سے مکان میں جو کہ مین گارڈ کے قریب تھا، رکھا گیا۔ یہ تسلو مربع گز کے رقبہ میں لکڑی کا بنا ہوا مکان تھا جو زمین کی سطح سے بلند تھا۔ اس میں چار کمرے تھے۔ ان ۱۶ افراد کے کھانے پینے پر گیارہ روپے روزانہ خرچ آتا تھا، ہر اتوار کو انھیں ایک روپیہ ملتا تھا اور ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو دو روپے فی کس۔ قلم کاغذ وغیرہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ پبلک کو ان سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ بہادر شاہ تمام دنیا سے بے پرواہ لیکن بے چینی اور کرب کے عالم میں اپنے دن گذارتا تھا۔ زینت محل جو ادھیڑ عمر کی تھی، اچھی صحت رکھتی تھی، انگریز افسران سے بار بار اپنے اُس کارنامے کا ذکر کرتی تھی کہ اُس نے بغاوت شروع ہوتے ہی شمال مغربی صوبجات کے گورنر مسٹر کول وِن کو آگرے اطلاع بھیجی تھی ــــــ احسن اللہ یہ سہرا اپنے سر باندھتا ہے۔ زینت محل کو اپنے زیورات وغیرہ ہاتھ سے جانے کا بہت غم تھا جو بیس لاکھ کی لاگت کے تھے اور سانڈرس نے اُس سے چھین لیے تھے۔ اُسے اپنے خزانے کا بھی غم کھائے جاتا تھا جس کے کھو جانے میں وہ احسن اللہ کا ہاتھ بتاتی تھی ــــــ گویا آپس میں بھی یہ چھینا جھپٹی ہوئی ہے جو احسن اللہ کے دامن پر ایک اور داغ ہے اور اس کے کردار کی جھلک نظر آتی ہے۔ جواں بخت اور مرزا عباس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دونوں اچھے جوان تھے مگر کم پڑھے لکھے تھے یہاں تک کہ اپنے ملک کے بارے میں بھی بہت کم معلومات تھی [1]

---

[1] مہدی حسن : بہادر شاہ اور ۱۸۵۷ء (انگریزی) ۴۲۱-۴۲۱ (باقی صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمایئے)
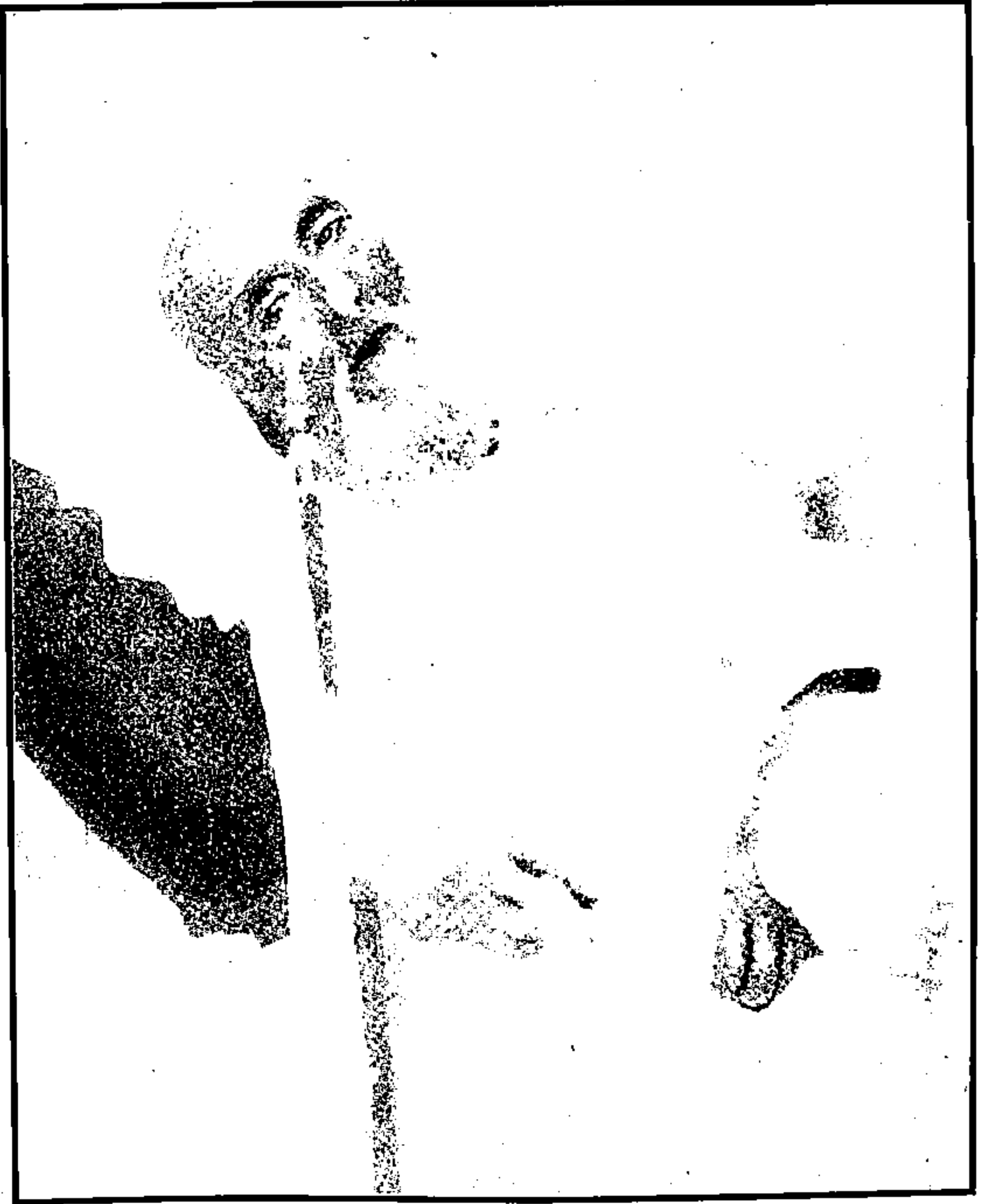
بہادر شاہ ظفر کی آخری گھڑیاں، رنگون

شمع جلتی ہے پر اس طرح کہاں جلتی ہے
ہڈی ہڈی میری اے سوز نہاں جلتی ہے

آخرکار رنگون کے اس چھوٹے سے مکان میں ، ۷ نومبر ۱۸۶۲ء بروز جمعہ نواسی ۸۹ سال کی عمر میں بہادر شاہ کا انتقال ہوگیا اور اسی دن دفن کر دیا گیا۔ ۱۸۸۶ء میں زینت محل نے بھی دنیا سے کوچ کیا اور اپنے شوہر کے پہلو میں مدفون ہوئی۔ دونوں قبریں کچی اور شکستہ تھیں ، بیری کا درخت سایہ کر رہا تھا۔ وہ چونکہ گھوڑ دوڑ کا میدان بنا دیا گیا تھا اس لیے یہ قبریں بھی پامال ہوگئیں اور اس طرح مظلوم ظفر کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی :

پسِ مرگ قبر پر اے ظفر کوئی فاتحہ بھی کہاں پڑھے
وہ جو ٹوٹی قبر کا تھا نشاں اُسے ٹھوکروں سے اُڑا دیا

بعض جگہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ سب پینتیس آدمی تھے۔ جواں بخت کے ایک بچہ جمشید بخت تھا اور ایک رنگون جا کر پیدا ہوا۔ جہاں ان لوگوں کو رکھا گیا تھا۔ وہیں اب بہادر شاہ کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۰۳ء میں کچھ ہندوستانی وہاں پہنچے اور اُنھوں نے فاتحہ پڑھنے کے لیے قبر کا کھوج نکالا۔ اسی زمانے میں ایک اپیل بھی جاری کی گئی تاکہ ایک مقبرہ بنوایا جائے مگر حکومت نے اجازت نہیں دی۔ ۱۹۳۴ء میں یا اس سے کچھ قبل موجودہ مقبرہ بنوایا گیا۔ جواں بخت کو مولمین (برما) بھیج دیا گیا۔ وہیں اس کا انتقال ہوا (۱۸۸۲ء) قبر کا کچھ پتہ نہیں۔ جمشید بخت نے انگریزی میں تعلیم حاصل کی تھی ، رنگون سنٹرل جیل کے سامنے ایک بنگلے میں رہتے تھے اُنھوں نے رنگون میں بھی شادی کی اور غالباً ایک لڑکا سکندر بخت پیدا ہوا جو آج کل موجود ہے۔ جمشید بخت کا ۱۹۲۱ء میں انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے چاہا کہ بہادر شاہ کے پہلو میں دفن کر دیا جائے مگر حکومت نے اس کی اجازت نہ دی کیونکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

جواں بخت کے بارے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بہادر شاہ کے قید ہونے کے بعد اس نے انگریز افسروں کو باغیوں کی اسکیموں اور دہلی کے امراء کے سازش میں شریک ہونے کی گراں قدر معلومات فراہم کیں جس سے اشارہ ملتا ہے کہ دہلی میں بڑے پیمانہ پر بغاوت کی خفیہ سازش ہوئی۔

اس زمانے میں تحریکِ خلافت اور کانگریس کا زور تھا اور ۱۸۵۷ء کا بھوت، انگریزی دماغوں کو پھر پریشان کر رہا تھا لہٰذا تابوت کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ رونق زمانی نے ۳ر اپریل ۱۹۳۰ء کو انتقال کیا [1]

بہادر شاہ نے اپنی زندگی کا احوال ایک شعر میں بیان کر دیا ہے:

دنیا میں بلا سے اگر آرام نہ پایا
ہم نے یہی پایا کہ بُرا نام نہ پایا

انقلابی عوام، شہزادے اور سلاطین [2]

بغاوت کے بعد جن لوگوں کو پھانسی دی گئی اُن کا شمار ممکن نہیں۔ چاندنی چوک میں کوتوالی کے سامنے پھانسیاں نصب تھیں، انگریز حکام کرسیوں پر بیٹھ کر یہ تماشا دیکھتے اور لُطف اندوز ہوتے تھے۔ مغل خاندان کے بھی بے شمار افراد کو پھانسیاں دی گئیں جن میں بہت سے بغاوت میں شریک بھی نہیں تھے۔ غرض یہ کہ "جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ بھی قابلِ دار ہے" کا سماں تھا۔ بعض مغل شہزادوں کے نام جنہیں سزا ہوئی کاغذات میں ملتے ہیں مثلاً: مرزا نادر بخت ولد اقتدار بخت۔ مولا بخش ولد رحیم بخش۔ کریم بخش ولد ماہو مرزا۔ ابو عباس ولد مرزا مظفر۔ محمد شکوہ ولد عباس شکوہ۔ حسین بخش ولد قادر بخش۔ عابد الدین عباس عرف منجھلے ولد ظہور الدین۔ مشیر الدین ولد قادر بخش۔ معین الدین

---

[1] سالنامہ "دورِ جدید"، رنگون ۱۹۵۶ء۔ بہادر شاہ کا موجودہ کٹہرہ اور تبر پبلک چندے سے بنوائی گئی۔ ۱۹۳۸ء میں ایک وکیل کی تجویز پر میونسپلٹی نے اس سڑک کو "ظفر شاہ روڈ" کے نام سے موسوم کر دیا۔ رونق زمانی جواں بخت کی بیٹی تھی۔

[2] سابق بادشاہوں کی اولاد "سلاطین" کہلاتے تھے اور بہادر شاہ کی اولاد "شہزادہ"

بیگم زینت محل رنگون میں آخری ایام زندگی

ولد اللہ بخش۔ قادر بخش ولد مرزا مکھو۔ قطب الدین ولد قادر بخش۔ نورالدین ولد مرزا آلو۔ معزالدین ولد مرزا میڈھو۔ عنایت حسین ولد اقتدار بخت۔ محمد بخش ولد ایزد بخش۔ غلام محمدی ولد کریم بخش۔ غلام عباس ولد آغا جان۔ کبیرالدین ولد قطب الدین۔ مرزا بہادر ولد مرزا بلند۔ والاشکوہ مرزا بلندی۔ ننھے ولد کریم الدین۔ مبارک ولد مرزا منجھلے۔ مرزا بلندی ولد مرزا مکرم۔ کالے ولد مرزا آغا جان یہ سب سلاطین تھے۔ ہڈسن نے جن شہزادوں کو قتل کیا ان کی تعداد بعض جگہ تیس کے قریب بتائی گئی ہے۔ ان میں چند نام جو سامنے آتے ہیں وہ اپنی جگہ پر بیان ہو چکے ہیں۔ کچھ نام اور بھی ہیں جنہیں مختلف سزائیں دی گئیں لیکن وہ یا تو گرفتاری کے وقت یا سزا کا اعلان سنکر جاں بحق ہو گئے۔ ان میں حسین بخش ولد مرزا آنگی۔ بہادر ولد ممن۔ کامران ولد مرزا بابر۔ بابر شکوہ ولد حسین بخش۔ الٰہی بخش ولد شجاع الدین۔ عثمان ولد غلام فخرالدین۔ حسین بخش ولد علی بخش۔ اللہ بخش ولد خدا بخش۔ قادر بخش ولد مرزا جان۔ غلام نعیم الدین ولد نادر بخت۔ احمد جان ولد خرم بخت۔ ریاض الدین تھے۔ مرزا نادر شاہ کو بغاوت میں عملی حصہ لینے کے جرم میں لونی گاؤں سے گرفتار کیا گیا۔ یہ بہادر شاہ کا پوتا تھا۔ تیرہ[۱۳] سلاطین مولمین (برما) اور کراچی بھیجے گئے۔ ان میں ناظم شاہ ولد اکبر شاہ۔ خدا بخش ولد حیدر شکوہ۔ فرخ شاہ ولد مرزا کوثر امام بخش ولد علی بخش۔ تراب شاہ ولد روشن الدین۔ ضیاءالدین ولد شکورالدین۔ مصلح الدین ولد حسین بخش کو مولمین اور مرزا بابر ولد ماہ رُخ۔ نظام الدین ولد بابر۔ خدا بخش ولد بابر۔ مرزا چھوٹے ولد بختاور بخش۔ احمد شکوہ ولد محمد شکوہ۔ اصغر ولد شاہ رُخ کو کراچی بھیجا گیا۔

یہ شہزادے اور سلاطین لال قلعے میں مقیم تھے اور فضول تفریحوں، کھیلوں اور بازیوں میں وقت گذارتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی سے جو وظیفہ بہادر شاہ کو ملتا تھا وہ ان میں بٹ بٹا کر پانچ[۵] دس روپے فی کس پڑتا تھا، یہی ان کی گذر اوقات کا ذریعہ تھا جس نے انہیں کاہل مزاج اور ناکارہ بنا دیا تھا۔

شہر دہلی کے معزز لوگوں میں جو نام کہیں کہیں سامنے آتے ہیں اُن سے بغاوت کی ہمہ گیری

کا ہلکا سا نقشہ نظر آتا ہے، چند قابل ذکر افراد یہ ہیں :

مرزا احمد بیگ ولد محمد حاجی: کلید خانے کا داروغہ ۔ مرزا مغل کے مشیر خاص ۔ شکست دہلی کے بعد الور گئے مگر گرفتار ہوئے اور گوڑگاؤں میں پھانسی دی گئی ۔

قدرت اللہ بیگ ولد مرزا ظفریاب عرف مینڈھو ۔ لکھنؤ سے بہادر شاہ کو برجیس قدر کی تخت نشینی کی اطلاع دی ۔ ۲۹ راگست ۱۸۵۷ء کو ایک ہزار سپاہ اور خزانہ لے کر دہلی آئے ۔

مولانا شاہ احمد سعید مجددی ولد شاہ ابوسعید ۔ سجادہ نشین خانقاہ شاہ غلام علیؒ ۔ جامع مسجد میں جہاد کا جھنڈا بلند کیا ۔ جہاد کے فتوے پر دستخط کیے ۔ بغاوت کے بعد حجاز چلے گئے ۱۲۷۷ھ میں وفات پائی ۔

احمد علی کارندہ راجہ ناہر سنگھ ۔ بہادر شاہ کے دفتر سے عرض داشتیں اور دیگر کاغذات برآمد ہوئے ۔ نواب احمد علی خاں ۔ فرخ نگر کے حکمراں ، بلوچ ، بہادر شاہ کا ساتھ دیا ۔ پھانسی پائی ۔

احمد قلی خاں بن عباس قلی خاں ۔ زینت محل کے باپ ۔ دربار کے خاص رکن شکست دہلی کے بعد فرار ہوئے مگر گرفتار اور قید ہوئے جہاں وفات پائی ۔ مکان ضبط ہوا ۔

اکبر علی جھجر کے مشہور ماہر جنگ ، پچاس سواروں کے ہمراہ دہلی آئے ۔

امید سنگھ ۔ دہلی کے معزز فرد ۔ دربار شاہی سے وابستہ تھے ۔

بہادر جنگ خاں ۔ نواب بہادر گڑھ ۔ بغاوت میں حصہ لیا ۔ گرفتار اور ریاست ضبط ۔ لاہور بھیج دیئے گئے ۔

راجہ بھولا ناتھ ۔ بہادر شاہ کے درباری ۔ خلعت عطا ہوا ۔

حکیم عبدالحق ۔ بہادر شاہ کے درباری تھے ۔ پھانسی ہوئی ۔

نواب عبدالرحمن خاں ۔ جھجر کے نواب ۔ بغاوت میں حصہ لیا ۔ گرفتار ہو کر پھانسی ہوئی

عظیم علی (رسالدار) ۔ روپیہ فراہم کرنے کے لئے جھجر بھیجے گئے ۔ نواب صاحب کے ملازم تھے ۔

غلام فخرالدین بن علی بخش ۔ کوٹ قاسم کے تحصیلدار ، ۱۰ رمئی ۱۸۵۸ء کو گرفتار ۔ دہلی کوتوالی

میں قید اور ۱۱ اگست ۱۸۵۸ء کو رہا ہوئے۔

قاضی فیض اللہ خاں کشمیری، پہلے سررشتہ دار تھے ۱۸۵۷ء میں دہلی کے کوتوال ہوئے پھانسی پائی۔ دریا گنج میں حمید منزل انہی کا مکان تھا۔

میر حیدر حسین۔ توپ خانے کے داروغہ تھے۔ بغاوت میں عملی حصہ لیا۔ ۱۸ جولائی کو سامان جنگ کم ہونے کی اطلاع دی۔ خانم بازار کے باشندوں نے یہ کام اپنے ذمے لیا اور نئے آلات جنگ بالکل انگریزی طرز کے بنا دیئے

عبدالحق — کوڑ گاؤں کے تحصیلدار تھے۔

تفضل حسین — سونی پت کے تحصیلدار۔

نواب سید ضیف الدین حیدر۔ بہادر شاہ کے درباری مشوروں میں شریک رہے۔

میر محمد حسین — پہلے الور میں ملازم تھے۔ بغاوت کے دوران بخت خاں سے ملتے رہے اور قلعے میں آمد و رفت رہی۔ پھانسی ہوئی۔ عالی شان حویلی کلاں محل میں تھی۔ میر تفضل حسین کے پوتے تھے۔

بختاور شاہ — شاہی خاندان کے فرد۔ پھانسی ہوئی۔

میاں محمد امین — محلہ بھوجلہ پہاڑی پر اپنے مکان میں گوروں پر گولی چلائی سنگینوں سے ہلاک کیے گئے مگر اپنے قاتل کو بھی قتل کر دیا۔

غلام نظام الدین۔ شاہ کالے صاحب کے بڑے فرزند اور سجادہ نشین۔ بغاوت کے الزام میں جائداد ضبط۔ حیدر آباد چلے گئے پھر دہلی واپس آئے۔ ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی، مہرولی میں دفن ہوئے۔

منیر الدین (مرزا)۔ تھانے دار پہاڑ گنج۔ بغاوت کے دوران بہادر شاہ نے شہر میں امن قائم کرنے کا کام سپرد کیا۔

نواب محی الدین۔ مجاہدین کو دو ہزار روپیہ دیا۔

محمد شریف ۔ نام ور مصوّر۔ تمام مکان اور اسباب خیرات کر کے مجاہدین میں شامل ہوئے۔ کام آئے۔

نامعلوم اپنے گھر والوں کو قتل کر کے جہاد کے لیے نکل گیا۔

مولوی امام علی زینت محل کے استاد۔ بغاوت سے کچھ پہلے مولوی عنایت علی سے بیعت کی جو تحریک ولی اللّٰہی کے رہنما تھے۔ تیلی واڑے میں رہتے تھے

گینڈا مل : متصدی لال قلعہ

ہیرا لال : وکیل بہادر شاہ

کنور گوپال سنگھ۔ ولد سالگ رام مہاجن۔ کنور کا خطاب پایا۔ بہادر شاہ نے شادی میں خلعت دیا۔ دربار سے خاص تعلق تھا۔

مدن گوپال سابق پیشکار مرزا شاہ رخ۔ عہدۂ دیوانی پر فائز ہوئے۔

غلام معین رسالدار : ٹونک سے تقریباً پانچ سو مجاہدین کے ساتھ آیا۔ پندرہ سو مجاہدین اور جمع کر کے منظم کیے۔ انگریزوں پر حملے کیے۔

مولوی میر محبوب علی ۔ بغاوت کو جہاد کہنے کی مخالفت کی تھی۔ اس پر انگریزوں نے گیارہ گاؤں انعام دینا چاہا تو یہ پروانہ پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا "کیا یہ میں نے تمہارے لیے کیا تھا؟ میرے نزدیک مسئلہ یونہی تھا اس لیے لوگوں کو منع کرتا تھا۔"

مکند لال : بہادر شاہ کا پرائیویٹ سکریٹری، اندرونی تمام راز اسے معلوم تھے مقدمہ بہادر شاہ کے دوران اپنے بیان میں بتایا کہ میرٹھ کی بغاوت سے بیس دن پہلے یہ اطلاع دہلی میں آگئی تھی۔

قادر داد خاں : ساکن کابل۔ فریزر کو قتل کیا۔ بغاوت میں شامل ہوا۔

شاہ حسن عسکری : بہادر شاہ کے پاس آمد و رفت تھی۔ شاہ ایران سے رابطہ قائم کیا

اور رشیدی قنبر کے ذریعے سے بہادر شاہ کا خط ایران بھجوایا ۔ پھانسی ہوئی ۔

حیدر شکوہ اور مرزا مراد ۔ دونوں مرزا خان بخش ولد سلیمان شکوہ کے بیٹے ۔ بغاوت سے چند سال پہلے لکھنؤ سے آئے اور شاہ حسن عسکری کے ہمراہ بہادر شاہ سے مل کر شاہ ایران کو خط لکھوایا جو رشیدی قنبر کے ذریعے بھجوایا گیا ۔ پھر لکھنؤ واپس گئے اور اپنے بھائی مرزا نجف کو مرزا بلاقی ولد مشرف الدین ولد مرزا آغا جان کے ہمراہ ایران بھیجا ۔ رابطہ قائم کیا ۔ اور بہادر شاہ کو یہ اطلاع بھیجی ۔

مرزا علی اور حمید خاں جمع دار ۔ دونوں کے ذریعے بغاوت سے تین سال پہلے پیادہ انگریزی فوج کے کچھ لوگ بہادر شاہ سے بیعت ہوئے ۔ انگریز ریذیڈنٹ نے یہ خبر پا کر پابندی لگائی ۔

"محاربۂ عظیم" مؤلفہ کنہیا لال میں دہلی کے حالات بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ :

شہر میں یہ حال تھا کہ بام ہا و دریچہ ہا و دیوار ہائے مکانات سے اس فوج پر گولیاں برستی تھیں ۔۔۔۔ اور باغیوں کی آہنی توپ بہت نقصان کرتی تھی اور غلولہ ہائے نیا دیق ہر چہار طرف کوچہ و بازار میں علی الاتصال پڑتے تھے ۔۔۔ ہر مکان بمنزلہ ایک کوٹ کے تھا اور ہر گھر ایک گڑھی بنا ہوا تھا اور باغی ہر قدم پر انگریزی فوج کو مارتے تھے ۔" (ص ۳۸۰ - ۳۸۱)

دہلی کے اخبارات

لارڈ کیننگ (گورنر جنرل) نے ہندوستانی اخباروں کے بارے میں کہا تھا :

" اس بات کو لوگ نہ تو جانتے ہیں نہ سمجھتے ہیں کہ گذشتہ چند ہفتوں میں دیسی اخباروں نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کر دیئے ہیں ۔ یہ کام بڑی مستعدی چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا " ۔ (۱۳ ؍ جون ۱۸۵۷ء)

گورنر جنرل کا یہ قول ملک کے عوام میں اُس انقلابی رنگ و روپ کا عکس دکھا رہا ہے جو تحریک ۱۸۵۷ء کے دوران نظر آیا اگر صرف دہلی کے اخبارات پر نظر ڈالیں تو انقلابی جذبات کا یہ دریا موجزن دکھائی دے گا۔ دہلی سے بغاوت کے دوران میں چند اخبارات خاص طور پر نمایاں تھے مثلاً "دہلی اردو اخبار"[1]۔ "صادق الاخبار"[2]۔ "سراج الاخبار (فارسی) وغیرہ۔ 'دہلی اردو اخبار' جولائی ۱۸۵۷ء میں 'اخبار الظفر' کے نام سے نکلا۔ 'سراج الاخبار' فارسی میں تھا اور بہادر شاہ کے روزنامچے کی حیثیت رکھتا تھا۔ 'صادق الاخبار' مورخہ ۱۹ مارچ ۱۸۵۷ء میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ :

"ایک اشتہار نام نہاد شاہ ایران دہلی میں گذر گاہوں پر آویزاں کیا گیا ہے ہمارے ایک دوست اس اشتہار کو کہ پشت جامع مسجد پر آویزاں تھا نقل کرلائے تھے اکثر لوگوں نے اس کو دیکھا خلاصہ مضمون اس کا یہ ہے کہ اہل اسلام کو نصاریٰ (انگریز) کی مدد و معاونت سے پرہیز کرنا واجب ہے ..... آگے محمد صدیق خاں نامی کوئی شخص کہ اس اشتہار کا مشتہر ہے لکھتا ہے کہ چھٹی مارچ تک نو سو سپاہی ایرانی مع افسران کلاں داخل ہند ہو چکے ہیں اور پانچ سو خاص دہلی میں بہ تبدیل صورت و لباس وارد ہیں۔ خصوص بندہ محمد صدیق خاں چوتھی مارچ کو داخل ہوا اور اس نے تمام اشتہارات جاری کیے"

---

[1] یہ دہلی کا پہلا اخبار تھا ۱۸۳۶-۳۷ء میں جاری ہوا، ایڈیٹر محمد باقر ولد مولانا محمد اکبر تھے۔ پہلے دہلی اخبار، اور بعد میں "دہلی اردو اخبار" کے نام سے نکلتا رہا۔ جولائی ۱۸۵۷ء میں اس کا نام "اخبار الظفر" ہو گیا۔

[2] اس نام کے دو اخبار دہلی سے شائع ہوتے تھے۔ ایک کے ایڈیٹر شیخ امداد حسین تھے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی بند ہو گیا۔ دوسرا جس کے ایڈیٹر جمال الدین (یا جمیل الدین) تھے، جاری رہا۔

اسی اخبار کی اشاعت مورخہ ۳۱ر اگست ۱۸۵۷ء میں خبر "اندور" کے عنوان سے لکھا . . . "

واضح ہوتا ہے کہ اندور میں محمد سعادت خاں رسالدار خلف بخشی حفیظ نے چالیس تن نصاری کو تحت سیف جہاد کھینچا اور چھاؤنی بالنسرے کی لوٹ لی اور پھونک دی اور تمام خزانہ و اتواپ قبض و تصرف میں کر کر معہ جمعیت بارہ ہزار سپاہ کہ اونمیں سی دو ہزار سوار اور آٹھ پلٹنیں باقی مجاہدین ہیں بارے وہ شریک ہونے دین کی بالاتفاق فوج حیدرآباد راہی دہلی ہونگے ۔ خدا کرے کہ جلد روہیلہ شجاعان اندرسی آملیں تا کہ سب لشکر ملکر یہاں آئے اور ہمارے شاہ کی سپاہ کو کامل تقویت ہو "

"اردو اخبار" کا اقتباس (مورخہ ۲۴ر مئی ۱۸۵۷ء جلد ۱۹ ۔ نمبر ۲۱) :

" . . . . . بعض آدمی از روئے قسم کہتے ہیں کہ جس دن پہلے ترک سوار یہاں آئے تو آگے آگے سانڈھنیاں بھی دیکھی گئیں جن پر سبز پوش سوار تھے پھر دفعتہً وہ نظر سے غائب تھیں صرف ترک سوار قتال کرتے تھے بلکہ جو شخص انگریز کو پاتا تھا کھیرے ککڑی کے طرح کاٹ ڈالتا تھا اور بُری طرح سے ٹانگ گھسیٹکے پھینک دیتا تھا"۔

اسی "اردو" اخبار کا ایک اور اقتباس (۲۱ر جون ۱۸۵۷ء) بعنوان " فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے " :

" . . . عہدہ ہائے جلیل القدر کہ جن میں زیادہ کی انتہا نہ تھی کم سی کم صدہا روپیہ مہینا ہوتا تھا سب آپس میں اپنی ہم رنگوں کو دیتی تھی بموجب مثل مشہور اندھا بانٹے ریوڑیاں اور پھر پھر اپنوں کو دے ۔ خیر خرچ اونکا بھی ظاہر ہے کہ بہت بند و بست و تنگ چشمی و خشک مزاجی سے صرف کرتے تھے باقی ہزارہا و لکھا روپیہ بچاتے اور اپنی ولایت کو لے جاتے تھے غرض اونکا روپیہ کیسی طرح

ہمارے ہندوستان میں نہیں پھیلتا تھا اور انکی زر ومال سے ہم لوگوں کو
کچھ فیض نہ تھا اور اہل ہند جو نوکر ہوتے تھے تو سیکڑوں آدمیوں میں چند
آدمیوں کی نوبت سیکڑوں پر پہنچتی تھی اب ....."

اس اقتباس سے نہ صرف محب الوطنی کے احساسات عیاں ہیں بلکہ خراب اقتصادی حالت کی دھندلی سی تصویر بھی سامنے آتی ہے۔

'دہلی اردو اخبار' نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کا چشم دید حال بتاتے ہوئے لکھا :

"..... دیکھا کہ جانب بازار کشمیری دروازے سے لوگ بلا تحاشا بھاگے چلے آتے ہیں ..... بے تکلف واسطے دریافت حال کے سیدھا اُسی طرف روانہ ہوا کہ زیر کوٹھی سکندر صاحب پہنچ کر ایک آواز بندوقوں کی باڑھ کی سامنے سے سُنائی دی آگے چلا تو دیکھا کہ صاحب بہادر جیو شمشیر برہنہ در کف سراسیمہ و بدحواس بے تحاشا بھاگے چلے آتے ہیں اور پیچھے پیچھے ان کے چند تلنگے بندوقیں سر کرتے چلے آتے ہیں اور عوام شہر بھی کسی کے ہاتھ میں لکڑی اور کسی کے ہاتھ میں پلنگ کی پٹی کسی کے ہاتھ میں بانس کا ٹوٹا اُوس کے درپے چلے آتے ہیں بلکہ بعضے بعضے آدمی شہر کے جی چلا کر دور سے مار بھی بیٹھتے ہیں وہ سب انگریز کو لیے ہوئے جانب زینت باڑے سے نہر کی طرف لے چلے اور حقیر بہ جانب میدان نصیر گنج چلا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ فخر المساجد کے آگے بیس پچیس تلنگہ متفرق کھڑے ہیں اور لوگ اُن کو طرف مسجد کے اشارہ کرتے ہیں۔ غرض دیکھا کہ چند تلنگہ مسجد میں گئے اور پیہم بندوقیں مار کر سب کو وہاں بندوق کی راہ سے سیدھا ملک عدم کو پہنچا دیا۔ آگے بڑھ کر پیش گرجا گھر اور زیر کوٹھی کالنس صاحب دیکھا کہ دو سو تین سو ترک سوار اور تلنگہ کھڑے ہوئے ہیں اور اُن میں سے متفرق ہو کر اِدھر اُدھر پھیلتے جاتے ہیں اور ایک ایک سے سوال ہے کہ بتاؤ انگریز

کہاں ہیں اور جو کوئی پتہ نشان بتلاتا ان میں سے دو چار سپاہی فوراً اسکے ساتھ ہو لیتے تھے .....“ [۱]

جہاد کا فتویٰ

بغاوت کے دوران میں مختلف جگہوں سے جو مجاہدین دہلی آئے اُن کا کوئی مفصل حال محفوظ نہیں صرف کہیں کہیں یہ اشارات اور چند نام انکے سرداروں کے ملتے ہیں جو اپنی اپنی جگہ بیان کر دیئے گئے۔ لیکن پورے ہندوستان میں ان لیڈروں نے کس طرح مجاہدین کو منظم کیا اور دہلی آکر کیا خدمات انجام دیں یہ پتہ نہیں چل سکتا۔ دہلی کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں یہ مجاہدین دور دراز مقامات سے یہاں پہنچے اُن میں سے کچھ جامع مسجد اور کچھ دیگر مسجدوں میں مقیم تھے اُن کے پاس اپنی ضروریات کے لیے بھی روپیہ نہ تھا، بدن پر کپڑے ثابت نہ تھے اور بھوکے مرتے تھے مگر دین و وطن کے جذبات سے سرشار تھے۔ علماء نے جس طرح جہاد کی رُوح تمام ملک میں پھونکی تھی اسی کا یہ کرشمہ تھا۔ چنانچہ بخت خاں کے آنے کے بعد جامع مسجد میں جو جہاد کا فتویٰ مرتب ہوا وہ ہم اخبار ”الظفر“ سے نقل کرتے ہیں۔

”کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ اب جو انگریز دلی پر چڑھ آئے اور اہل اسلام کی جان و مال کا ارادہ رکھتے ہیں اس صورت میں اب اس شہر والوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں اور اگر فرض ہے تو وہ فرض عین ہے یا نہیں اور اُور لوگ جو اور شہروں اور بستیوں کے رہنے والے ہیں انکو بھی جہاد چاہیئے یا نہیں۔ بیان کرو اللہ تمکو اجر دے“

---

[۱] کشمیری دروازہ بازار گرجا سینٹ جیمس کے سامنے ریلوے اسٹیشن کی طرف جانے والی سڑک کہلاتی ہے۔ مقامات کی تشریح اور تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو واقعات دارالحکومت مؤلفہ بشیرالدین جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ - ۳۰۲

جواب۔ درصورت مرقومہ فرض عین ہے اوپر تمام اس شہر کی لوگونکی اور استطاعت ضرور ہے اوسکی فرضیت کے واسطے چنانچہ اس شہر والونکو طاقت مقابلہ اور لڑائی کی ہے بسبب کثرت اجتماع افواج کی اور مہیا اور موجود ہونے آلات حرب کے تو فرض عین ہونے میں کیا شک رہا اور اطراف وحوالے کی لوگونپر جو دور ہیں باوجود خبر کی فرض کفایہ ہے ہاں اگر اس شہر کے لوگ باہر ہو جائیں مقابلہ سے یا سستی کریں اور مقابلہ نہ کریں تو اسصورت میں اونپر بھی فرض عین ہو جائیگا اور اسی طرح اور اسی ترتیب سے ساری اہل زمین پر شرقاً اور غرباً فرض عین ہوگا اور جو عدو اور بستیوں پر ہجوم اور قتل اور غارت کا ارادہ کریں تو اوس بستی والوں پر بھی فرض ہو جائیگا بشرط اونکی طاقت سے۔ دستخط

اس فتوے پر جن علماء کے دستخط ہیں انکے نام یہ ہیں:

سید الحبیب احقر العباد نور جمال عفی عنہ۔ العبد محمد عبدالکریم۔ فقیر سکندر علی۔ سید محمد نذیر حسین۔ رحمت اللہ۔ مفتی محمد صدرالدین۔ مفتی اکرام الدین۔ معروف سید رحمت علی۔ محمد ضیاء الدین۔ عبدالقادر۔ فقیر احمد سعید احمد۔ محمد میر خاں العبد مولوی عبدالغنی۔ خادم العلماء محمد علی۔ فریدالدین۔ محمد سرفراز علی۔ سید محبوب علی جعفری۔ ابو احمد محمد حامی الدین۔ العبد سید احمد علی۔ الٰہی بخش۔ محمد کریم اللہ۔ مولوی سعیدالدین۔ محمد مصطفےٰ خاں ولد حیدر شاہ نقشبندی۔ محمد انصار علی ـــــ مولوی سعیدالدین۔ حفیظ اللہ خاں۔ محمد نورالحق۔ محمد ہاشم۔ حیدر علی۔ سید محمد۔ محمد امداد علی عفی عنہ۔ سید عبدالحمید عفی عنہ۔ محمد رحمت اللہ خاں مفتی عدالت عالیہ سراج العلماء ضیاء الفقہا۔ محمد علی حسین رسول الثقلین قاضی القضاۃ خادم شرح شریف۔

دہلی کے مقابلے دہلی میں مئی سے ستمبر ۱۸۵۷ء تک جو مختلف معرکے ہوئے ان میں چند خاص کی نشاندہی سبزی منڈی کے قریب فتح گڑھ کے منارے پر دی گئی ہے جو بغاوت کی یاد میں انگریزوں نے بنوایا تھا۔ جنگوں کی تاریخیں اور مقامات یہ ہیں:

① ہنڈن کی جنگ ـــــ ۳۰ر مئی
② غازی الدین نگر کی جنگ ـــــ ۳۱ر مئی
③ بادلی کی سرائے پر جنگ ـــــ ۸ر جون
④ ہندو راؤ ہاؤس کے عہدہ داروں سے جنگ ـــــ ۹ر تا ۱۱ر جون
⑤ فلیگ اسٹاف ٹاور (باوٹہ) اور سبزی منڈی پر حملے ـــــ ۱۳ر جون
⑥ مٹکاف کے قراول پر حملہ ـــــ ۱۳ر جون
⑦ کشن گنج پر حملہ ـــــ ۱۷ر جون
⑧ انگریزی کیمپ پر حملہ ـــــ ۹ر تا ۲۰ر جون
⑨ سبزی منڈی کا معرکہ ـــــ ۲۳-۲۷ر-۳۰ جون
⑩ علی پور کا معرکہ ـــــ ۴ر جولائی
⑪ انگریزی کیمپ پر حملہ ـــــ ۹ر جولائی
⑫ سبزی منڈی کے معرکے ـــــ ۱۴ر تا ۱۸ر جولائی
⑬ ٹریلوین گنج کا معرکہ ـــــ ۲۰ر جولائی
⑭ مٹکاف ہاؤس کا معرکہ ـــــ ۲۳ر جولائی
⑮ کشن گنج کا معرکہ ـــــ یکم اگست
⑯ قدسیہ باغ کا معرکہ ـــــ ۱۲ر اگست
⑰ نجف گڑھ پر مقابلہ ـــــ ۲۵ر اگست

دہلی میں ۱۸۵۷ء کی یادگاریں

پرانی دہلی، جسے شاہ جہاں نے ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء میں، لال قلعے کی تعمیر کے تقریباً دس سال بعد شاہجہاں آباد کے نام سے بسایا تھا[1]، نصف دائرے کی شکل میں تھا۔ یہ بدرو برج سے جو جنوب مشرق کے کونے میں ہے جمنا کے داہنے کنارے پر آباد ہے۔ ۱۸۵۷ء میں آبادی تقریباً دو لاکھ تھی۔ جمنا کی طرف لال قلعہ کا پھیلاؤ ہے۔ قلعے کے اندر کا رقبہ طول میں ایک ہزار گز اور عرض میں پانچ سو گز ہے جس میں ۱۸۵۷ء کے بعد فوجی بارکیں بنا دی گئی ہیں اور زیادہ تر محلات اور عمارتیں مسمار کر دی گئیں، صرف چند بطور یادگار باقی ہیں۔ شہر کا اندرونی رقبہ سوا مربع میل ہے۔ شہر کی فصیل کے مختلف دروازے تھے۔ اگر ہم کشمیری دروازے سے چلیں جو شہر کے شمال میں ہے اور جو ۱۸۵۷ء میں معرکہ آرائی کا مقام رہا ہے، تو شہر کا چکر اس طرح لگا سکتے ہیں کہ سب سے پہلے شمالی رخ پر موری دروازہ، جو ۱۸۶۸ء میں توڑ دیا گیا، پھر مغرب میں کابلی دروازہ تھا، یہ بھی اب نہیں رہا، اس کے بعد لاہوری دروازہ، یہ بھی نہیں رہا، جنوب مغرب میں اجمیری دروازہ، جنوب میں ترکمان دروازہ اور دلی دروازہ، مشرق میں راج گھاٹ دروازہ اور راج گھاٹ دروازہ۔ کلکتہ دروازہ شمال مشرق میں تھا جس کے مقام پر ایک راستہ بنا کر ایک نمبر (انگریزی) ۱۸۵۲ء میں لگا دیا گیا ہے اور اب یہاں ریلوے پل ہے۔ کیلا گھاٹ دروازہ شمال مغرب میں اور نگم بودھ دروازہ شمال مشرق میں دریا کی طرف ہیں۔ پتھر گھاٹی دروازہ اب توڑ دیا گیا۔ بدرو دروازہ شمال مشرق میں تھا۔ یہ سب چودہ دروازے تھے۔ ان کے علاوہ چودہ کھڑکیاں کہلاتی تھیں۔ شہر دہلی بھوجلا اور جھوجلا نام کی دو پہاڑیوں پر بسایا گیا ہے۔ بھوجلا پہاڑی تو وسط میں ہے اور جھوجلا شمالی مغربی فصیل سے ملی ہوئی ہے۔ پہلے ایک نہر کابلی دروازے سے

---

[1] شہر بسانے کی تاریخ میر یحییٰ کاشی نے "شد شاہجہاں آباد از شاہ جہاں آباد" نکالی ہے جس سے ۱۰۵۸ھ نکلتے ہیں۔

داخل ہو کر شہر اور قلعے میں ہوتی ہوئی دریا میں جا ملتی تھی۔ شہر کی فصیل جو چھ میل لمبی تھی اور اس کے گرد خندق تھی، جگہ جگہ سے گرا کر صاف کر دی گئی ہے۔ لال قلعے کے لاہوری دروازے (متصل چاندنی چوک) کا فاصلہ جتنا کشمیری دروازے سے ہے تقریباً اتنا ہی اجمیری اور دہلی دروازوں سے بھی ہے۔ شہر کے پُر رونق بازاروں میں خانم کا بازار اور خاص بازار اب نہیں ہیں یہ قلعے اور جامع مسجد کے درمیان ۱۸۵۷ء تک موجود تھے۔ شہر کی شمالی فصیل کے باہر کشمیری اور موری دروازوں سے نکل کر عیسائیوں کا قبرستان اور قدسیہ باغ وغیرہ ہیں جس کی مغربی حد رج (Ridge) اور مشرق میں جمنا ہے۔ پہاڑی سے اُدھر پرانی چھاؤنی تھی (موجودہ دہلی یونیورسٹی کیمپس) جہاں جون سے ستمبر ۱۸۵۷ء تک انگریزی فوج محاصرہ کیے پڑی رہی۔ اسی جگہ مغربی رُخ پر نجف گڈھ .... کی جھیل سے نکالی گئی نہر ہے جس کے کنارے پر ۱۸۵۷ء کا فوجی قبرستان ہے۔ اس سے آگے چل کر آزاد پور سے تقریباً میل دو میل کے فاصلے پر بادلی کا وہ میدان جنگ ہے جہاں ۸ رجون کو انقلابی فوجوں نے مقابلہ کیا اور یہیں سے انگریزی فوج داخل ہو کر رِج (پہاڑی) پر قابض ہوئی۔ بادلی کا یہ مقام بُندیل کی سرائے کہلاتا ہے۔ کتب تاریخ میں 'بادلی کی سرائے' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے سامنے شالامار باغ ہے۔ تاریخی اہمیت کے حامل مقامات کا تذکرہ چند کتابوں کی مدد سے حسب ذیل ہے۔

لال قلعہ: لاہوری دروازے (متصل چاندنی چوک) پر سہ منزلہ عمارت میں قلعے کے انگریز عہدہ دار یعنی کپتان قلعہ (یا صاحب کلاں) وغیرہ رہتے تھے ۱۸۵۷ء میں ڈگلس کپتان قلعہ تھا۔ ۱۸۱۱ء سے یہاں فوجی گارڈ مقرر کیا گیا جب اکبر شاہ کے بیٹے نے رزیڈنٹ سٹین پر گولی چلائی ۱۸۵۷ء میں اسی دروازے کے سامنے سائمن فریزر اور ڈگلس، پادری جننگ، ان کی لڑکی، ہچنسن وغیرہ مارے گئے۔ دیوان خاص کے جنوب میں سنگ مرمر کے بنے ہوئے چند کمرے ہیں۔ درمیان میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے۔ یہ عمارت

تسبیح خانہ کہلاتی ہے۔ چبوترے پر جو پیچھے ہے، ایک دالان بنا ہوا ہے جو تسبیح خانہ کہلاتا ہے۔ جب میرٹھ سے انقلابی سپاہی دہلی پہنچے تو بہادر شاہ یہیں موجود تھا۔ ڈوگلس نے یہاں آکر بات کی جس پر ایک سپاہی نے گولی چلائی۔ ظہیر دہلوی کا کہنا ہے کہ اس سے تسبیح خانے کا ستون کا ٹکڑا ٹوٹ کر گرا۔ اسی سے ملا ہوا برآمدہ نما جھروکہ ہے جہاں سے عوام بادشاہ کے درشن کیا کرتے تھے یہ مثمن برج کے متصل ہے اس پر جو گنبد ہے وہ ۱۸۵۷ء کے بعد کی تعمیر ہے۔ اس کے نیچے خضری دروازہ ہے جس سے چند سیڑھیاں اُتر کر جمنا کے کنارے میدان میں پہنچ جاتے ہیں اسی دروازے سے کپتان ڈوگلس باہر جا کر انقلابیوں سے بات کرنا چاہتا تھا جو نیچے کھڑے ہوئے تھے۔

جامع مسجد: شاہ جہاں نے ۱۰ شوال ۱۰۶۰ھ م ۶ اکتوبر ۱۶۵۰ء میں جامع مسجد کی بنا ڈالی تھی۔ لال قلعے سے تقریباً ایک ہزار گز کے فاصلے پر بھوجلا پہاڑی پر بنائی گئی، خاص بازار کے، جواب موجود نہیں، مغربی سرے پر بنی ہوئی ہے۔ ۱۸۵۷ء میں اس مسجد میں بہت سے مجاہدین کا قیام تھا جو مختلف مقامات سے مغرض جہاد دہلی آئے اور آخر تک جنگوں میں حصہ لیتے رہے اس کے شمالی دروازے پر شکست دہلی کے بعد انگریزی دستے سے ان نہتے مجاہدین نے نکل کر مقابلہ کیا جس کا ذکر ظہیر دہلوی نے بھی کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسجد ضبط ہو گئی۔ یہاں فوجیوں کا اصطبل بنا یا گیا۔ ۲۸ نومبر ۱۸۶۲ء کو بہت کوشش کے بعد مسلمانوں کو واپس کی گئی۔ یہاں تک بے حرمتی کی گئی کہ جو انگریز بعد میں بھی دیکھنے آتے تو جوتے نہیں اتارتے تھے۔ لارڈ کرزن نے ۱۸۹۹ء سے اتنا کیا کہ جوتوں پر موزہ چڑھا کر مسجد میں آیا۔ مسجد کے مشرقی دروازے کے سامنے خاص بازار تھا اس دروازے سے قلعے تک کی سڑک، کو سڑک خاص کہا جاتا تھا۔ خاص بازار سے خانم کے بازار اور خان دوراں کی حویلی کو راستہ جاتا تھا یہ بازار قلعے کی فصیل کے برابر سرادگیوں کے مندر تک چلا گیا تھا۔ اس جگہ کو مسمار کر کے بعد میں ایڈورڈ پارک (موجودہ سبھاش پارک) بنایا گیا ہے مشہور ہے کہ خانم کے بازار میں نئی ساخت

کے اسلحہ تیار کر لیے گئے تھے جو انگریزی ہتھیاروں سے بازی لے گئے تھے غالباً اسی لیے اس بازار سے انتقام لیا گیا۔ خاص بازار سے آگے گلابی باغ تھا جہاں بعد میں ایک حوض لال ڈگی کے نام سے بنایا گیا، اب یہ بھی نہیں ہے۔

دریا گنج : لال قلعے کے دلی دروازے کے برابر والی سنہری مسجد کے سامنے ایک سڑک شہر پناہ کے دلی دروازے تک چلی گئی ہے۔ اس سڑک کے مشرقی جانب ۱۸۵۷ء سے پہلے ایک ڈاک بنگلہ تھا جس کے مغرب میں اکبر آبادی مسجد تھی جسے مسمار کر دیا گیا۔ سنہری مسجد سے ایک سڑک راج گھاٹ دروازے کو گئی ہے اس سڑک کے جنوب میں فصیل کے پاس بہت سے مکانات زیادہ تر عیسائیوں کے تھے اور کچھ پادری بھی رہتے تھے۔ ان میں ایک گھوڑا گاڑی کے ٹھیکے دار کا تھا چونکہ کشتیوں کا پل اُس زمانے میں راج گھاٹ دروازے کے سامنے ہی تھا۔ ۱۸۵۷ء میں ان سب کا صفایا ہو گیا۔ چھاؤنی کا باغ راج گھاٹ کی سڑک کے سیدھی طرف تھا اور یہیں بنگال کی سفر مینا پلٹن (سیپر ما ئینرز) جو ۱۸۵۲ء میں رڑکی چلی گئی، مقیم تھی۔ باغ کے مشرق کی طرف سڑک ایک دو منزلہ مکان کی طرف جاتی ہے جس میں نواب جھجر رہتے تھے۔ یہی وہ مکان تھا جس میں پہلے فیروز پور کے نواب شمس الدین رہتے تھے اور اُن کے بعد علی بخش خاں رہتے تھے جنہوں نے ایک باغ بھی یہاں لگایا۔ قریب ہی زینت المساجد ہے۔ خیراتی دروازے کے آگے پلٹن کا ہسپتال تھا جس میں بغاوت شروع ہونے تک نمبر ۲۸ لائٹ انفنٹری کا پہرہ تھا۔ اسی مقام پر ایک پرانی بارہ دری تھی اور یہاں راجہ کشن گڈھ رہتے تھے یہی وہ مکان تھا جہاں ولیم فریزر دعوت میں آیا اور واپسی میں قتل ہوا جس کا الزام نواب شمس الدین پر لگایا گیا۔ ۱۸۵۷ء میں یہاں مسٹر آلڈول گورنمنٹ پنشنر رہتا تھا۔ انقلابیوں نے یہاں حملہ کیا جن کے ساتھ دہلی کے عوام بھی کافی تعداد میں تھے۔ دوران مقابلہ ہوا آخر کار آلڈول اور اس کا لڑکا جان بچا کر بھاگے باقی کا کام تمام ہوا اور ان کی لاشیں وہیں خندق میں ڈال دی گئیں۔ آلڈول کی بیوی کو قلعے میں لیجایا گیا۔ مگر جب نقار خانے کے سامنے سب کا

قتل ہوا تو یہ وہاں سے بھی بچ نکلی۔ اسی مکان کے محاذ میں بلندی پر ایک اور مکان تھا جس میں راجہ بلبھ گڑھ مقیم تھے۔ فیض بازار ہی میں اکبرآبادی مسجد تھی جسے مسمار کر کے ایڈورڈ پارک بنا۔
الٰہی بخش کا رنگ محل : محلہ گنج میر خاں کے علاقے میں ترا ہے پر ایک محل غدار الٰہی بخش کا تھا جو بعد میں اس کے بیٹے ثریا جاہ کے قبضے میں رہا پھر الٰہی بخش کی پوتیوں کے پاس رہا پھر تحصیل کچہری بنا دیا گیا۔ یہ مرزا جمشید بخت کا بنایا ہوا ہے الٰہی بخش نے خرید لیا تھا۔ ثریا جاہ کو آٹھ سو روپیہ ماہانہ گویا باپ کی 'وفاداریوں' کا انعام ملا کرتا تھا۔
جامع مسجد کے شمال میں پائے والان کا بازار ہے یہیں شیخ ضیاء الدین کا مکان تھا جو داروغہ محمد بخش (ساکن موضع بستی) کے بیٹے تھے اور پہاڑی دھیرج کے علاقے میں بغاوت کے دوران خبر رسانی اور جاسوسی کا 'کارنامہ' انجام دیتے تھے اسی انعام میں کچھ زمین بعد میں انھیں ملی۔
پھاٹک بدل بیگ۔ احسن اللہ کا مکان : حویلی بدل بیگ کا دروازہ لب سڑک بازار سرکی والان (لال کنواں) میں ہے اس کا دروازہ حکیم احسن اللہ نے بنوایا تھا۔ جس نے یہ مکان خریدا تھا۔ احسن اللہ کا خاندان ہرات سے آیا تھا۔ اس کے باپ نے طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ احسن اللہ کو اکبر شاہ ثانی نے طبیب شاہی مقرر کیا تھا۔ بہادر شاہ کے عہد میں اس کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا۔ احسن اللہ کا ایک مکان مہرولی میں بھی تھا۔ بعض بیانات سے ظاہر ہے کہ وہ قلعے میں بھی رہتا تھا۔
زینت محل کا مکان : لال کنوئیں پر اسی کے نام سے ہے۔ اس کا عالیشان پھاٹک لب سڑک ہے۔ ۵۷ء کے بعد مہاراجہ پٹیالہ کے قبضے میں آیا۔ یہ ۱۲۶۲ھ میں بہادر شاہ نے غالباً زینت محل کے لیے بنوایا تھا جو بعد میں رنگون تک اپنی وفاداریوں کا رونا روتی رہ گئی اور کچھ نصیب نہ ہوا۔
شمرو بیگم کی کوٹھی : چاندنی چوک کے شمال میں ہے اونچی کرسی دے کر بنائی گئی ہے

پشت پر باغ بھی تھا اس میں پہلے دلّی لندن بینک تھا اور اسی بینک میں انگریز حکام کا روپیہ جمع رہتا تھا۔ اسی میں بینک مینجر برسفرڈ، اس کی بیوی اور لڑکیوں کو قتل کیا گیا۔

خونی دروازہ : بازار دریبہ کلاں کے سرے پر چاندنی چوک میں واقع ہے اس کا تذکرہ ظہیر دہلوی نے 'داستان غدر' میں کیا ہے۔ نادر شاہ کے زمانے میں اس دروازے کے آگے قتل عام ہوا تھا اسی نسبت سے خونی دروازہ مشہور ہوا۔ اب یہ دروازہ باقی نہیں رہا

کوتوالی چبوترہ : چاندنی چوک کی سنہری مسجد سے ملحق کوتوالی کی عمارت ہے (میجسٹک سینما کے سامنے) یہاں ایک چبوترہ تھا، جو اب نہیں رہا۔ اسی چبوترے پر اُن مغل شہزادوں کے لاشے لٹکائے گئے تھے جنہیں ہڈسن نے قتل کر کے خون پیا تھا۔ یہیں پھانسیاں نصب تھیں جہاں باغیوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔

مسجد فتحپوری : چاندنی چوک کے سرے پر ہے۔ یہ مسجد بھی بغاوت کے بعد انگریزی انتقام کا نشانہ بنی اور مع دکانوں کے ضبط کر کے دکانیں نیلام کر دی گئی تھیں۔

نمک حرام کی حویلی : مسجد فتحپوری سے اسٹیشن کی سڑک یعنی مشن روڈ پر کوچہ گھاسی رام میں یہ عالی شان حویلی ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ منشی بھوانی شنکر کو مرہٹوں کے دور میں ایک معزز عہدہ پر مامور ہو کر ذمہ داری سپرد کی گئی مگر یہ منشی انگریزوں سے مل گیا اور مرہٹوں نے اسے موقوف کر دیا انگریزوں نے اس کو انعام میں پنشن دی اسی لیے لوگ اسے 'نمک حرام' کہنے لگے اور اس کا مکان نمک حرام کی حویلی کہلایا۔ منشی کو یہ بات ناگوار ہوئی اور انگریز آقاؤں سے داد فریاد کی، احکام جاری ہوئے کہ کوئی اس نمک حرام منشی کو 'نمک حرام' نہ کہے مگر ہر شخص کی زبان پر یہی چڑھا رہا۔[1]

کشمیری دروازہ : (۳۹-۱۸۳۸ء)۔ شہر کا شمالی دروازہ تھا، بغاوت ۱۸۵۷ء

---

[1] بشیرالدین : واقعات دارالحکومت۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۷ (۲۴۷)

کے دوران یہ بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ گولہ باری سے اس کے در و دیوار چھلنی ہو گئے جو اسی طرح موجود ہیں۔ یہ دروازہ ڈبل ہے یعنی دو پھاٹک ہیں پہلے اس کے آگے ایک پُل بنا ہوا تھا۔ یہاں ایک پتھر ۱۸۷۶ء میں نصب کیا گیا ہے جس پر یہ تفصیل دی گئی ہے کہ ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب انگریزی فوج نے حملہ کیا تو سورج نکلنے کے وقت شدید گولہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے پُل پار کر کے چند انگریزوں نے بارود سے دروازے کا داہنا پٹ اُڑا کر حملہ آوروں کے لیے راستہ بنا لیا اس کام میں چند انگریز کام آئے۔ سالکلڈ سخت مجروح ہوا۔ اسی علاقے میں سینٹ جیمس گرجا عیسائیوں کا قبرستان ہے جہاں ولیم فریزر کی قبر ہے جو ۲۲ مارچ ۱۸۳۵ء کو قتل ہوا۔ علاوہ ازیں ۱۸۵۷ء میں جو انگریز مارے گئے اُن میں سے بھی بعض کی قبریں ہیں۔ گرجا کے شمال میں تامس تھیافلیس مٹکاف کی قبر ہے جو ۱۸۵۳ء میں فوت ہوا یہ جون تھیافلیس مٹکاف کا باپ تھا جو بغاوت کے وقت دہلی کا جوائنٹ مجسٹریٹ تھا۔

تار گھر: کلکتہ دروازے سے نصف میل کے فاصلے پر تار گھر تھا۔ اسی مقام پر ایک ستون اُن انگریزوں کی یاد میں بنا ہوا ہے جنھوں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو بغاوت کی خبر تار سے انبالہ سے پہنچائی تھی۔ اس پر یہ تفصیلات اور تار کی نقل کندہ ہے۔

میگزین۔ داراشکوہ کے محل کی جگہ پر میگزین تھا۔ یہاں ۱۸۵۷ء میں بارود، ہتھیار، توپیں، بندوقیں وغیرہ موجود تھیں اس پر ۱۱ مئی ۵۷ء کو حملہ کیا گیا اور انگریزوں نے بارود سے اُڑا دیا۔ اب صرف اس کے دروازے جی پی او (جنرل پوسٹ آفس) کے سامنے موجود ہیں۔ دروازے پر کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے قریب ہی انگریزوں کا پرانا قبرستان ہے۔

مندر گھاسی رام: بمقام چھتہ شاہ جی، نائی واڑہ۔ گھاسی رام کھتری کا بنوایا ہوا ہے جس کے آبا و اجداد میں جھٹامل محمد شاہ کا ملازم تھا۔ بغاوت ۵۷ء میں گھاسی رام نے انقلابیوں کا ساتھ دیا تھا لہٰذا یہ مندر ضبط ہو گیا تھا۔

مندر گلاب رائے مہر چند: چاندنی چوک، کوچہ سکھانند میں ہے۔ گلاب رائے کا بنوایا ہوا ہے جن کے باپ سہارن بیر سنگھ تھے جنھوں نے سہارن پور بسایا تھا۔ اور جنکو اکبر نے جاگیر دی۔ ان کی چھٹی پشت میں سالگ رام مہاجن تھا جس کا ذکر بغاوت کے دوران میں جگہ جگہ آتا ہے۔ اس نے شاہی نوکری چھوڑ دی تھی اور ۱۸۲۵ء میں انگریزی حکومت نے خزانچی مقرر کیا تھا۔

مٹکاف ہاؤس: کشمیری دروازے کے باہر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ ٹامس تھیا فلس مٹکاف نے ۱۸۴۴ء میں بنوایا۔ اس کے تہہ خانوں میں کچھ انگریز دوران بغاوت چھپے رہے۔ انقلابیوں نے یہاں لوٹ مار کی اس زمانے میں یہاں جون تھیافلس مٹکاف (جوائنٹ مجسٹریٹ) رہتا تھا۔ اسی کے شمال میں رج یعنی وہ پہاڑی ہے جہاں انگریزی فوج دہلی کا محاصرہ کیے پڑی رہی۔ یہاں پر باؤڈہ یعنی فلیگ اسٹاف ٹاور ہے۔ اسی اطراف میں قدسیہ باغ اور لڈلو کیسل (کمشنر سائمن فریزر کی قیام گاہ) ہے۔

قدسیہ باغ میں ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد بھی ہے جو بغاوت کے دوران گولہ باری سے اس حال کو پہنچی۔ قدسیہ باغ کے ایک حصے میں نکلسن کا مجسمہ لگا ہوا تھا جو کابلی دروازے اور لاہوری دروازے کے درمیان کی ایک تنگ گلی میں ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مارا گیا۔ یہ مجسمہ اب ہٹا دیا گیا ہے۔ کشمیری دروازے کے سامنے والے حصے میں ایک چبوترے پر تھا۔ قدسیہ باغ میں انگریزی توپ خانے پڑے ہوئے تھے۔ اس باغ کے سامنے پانی برج (یعنی واٹر بیسچن جو دراصل بدرو برج ہے اور بعض جگہ موبرا (Moira) بیسچن لکھا گیا ہے) اور کشمیری برج کے شگاف ہیں اور جنوب مشرق کے کونے میں وہ قبرستان ہے جہاں نکلسن دفن ہے۔ شمالی مغربی کونے میں لڈلو کیسل ہے جہاں ۱۸۵۷ء میں سائمن فریزر کمشنر رہتا تھا۔ موری دروازے کے باہر الگزینڈر کا بت منصب تھا، اب ہٹا دیا گیا ہے۔ اس پر کتبے بھی لگے ہوئے تھے۔ ٹیلر انگریزی فوج کا انجینئر تھا جس نے دہلی پر

حملے کے لیے پلان تیار کیا تھا۔

فتح گڑھ کا مینار: سبزی منڈی کے قریب چار درجے کی لال پتھر کی یہ لاٹ اُس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج کا کیمپ تھا۔ یہ اُسی یادگار کے طور پر بعد میں بنی ہے اس پر متعدد کتبے ہیں جن پر محاصرۂ دہلی کے دوران کی تفصیلات، جنگوں کی تاریخیں، ان میں حصہ لینے والوں کے نام وغیرہ کندہ ہیں۔

کشن گنج: یہ محلہ سبزی منڈی کے قریب موجود ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بغاوت کے دوران مورچہ بندی رہی اور مقابلے ہوئے۔ آگے چل کر بارہ ہندو راؤ ہے۔

نواب نبی بخش خاں

اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں نواب نبی بخش معزز عہدے پر تھے اور انگریز ایجنٹ کے یہاں بادشاہ کے وکیل رہے تھے۔ جب بغاوت ۱۸۵۷ء کے دوران لال قلعے میں انگریز پناہ گزیں قتل کیے گئے تو نواب نبی بخش نے بہادر شاہ کو ایک عرضداشت بھیجی:

"حضور پر روشن ہے کہ آفریدگار عالم کو انصاف کو پسند ہے اور ظلم ناپسند اس لیے عرض رساں ہوں کہ جو افسرانِ فوج واسطے قتل مقیدان میم و بچوں کے عرض کرتے ہیں اگر نزدیک حضور انور کے مناسب ہووے تو حضور افسران سے براہ انصاف ارشاد فرمادیں کہ حسب عرض تمہاری کے مابدولت نے تمہارے سر پر ہاتھ رکھا اور دین کے شریک ہوئے اور ان کو قتل کرنے میں دین ہمارا جاتا ہے، ایک فتوا اور ایک پیوستہ اس باب میں طلب کرو اگر وہ حکم قتل کا دیویں تو کرو ورنہ ہم خلاف شرع حکم قتل کا نہ دیویں گے نہیں تو جو تمہارے دل میں حسرت ہے اول مابدولت کے لیے کرو۔ امیدوار کہ افسران فوج سے ساتھ دباغت کے معروضہ بالا ارشاد فرمایا جاوے۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال و سلطنت تاباں و درخشاں باد۔

عرضی فدوی نبی بخش خاں

سفیر حضرت عرش آرام گاہ۔"

انگریز قیدیوں کو لال قلعے میں جن حالات میں قتل کیا گیا وہ اپنی جگہ پر ہماری نظر سے گذر چکا ہے سسٹلہ نے اپنے رسالے 'خیر خواہ مسلمانان ہند' حصہ دوم میں نواب نبی بخش کی یہ عرض داشت نقل کرکے انھیں انگریزوں کا وفادار ظاہر کیا ہے لیکن اس عرضی سے کہیں یہ 'وفاداری' جلوہ نہیں دکھاتی کسی مذہب کی رُو سے عورتوں اور بچوں کا قتل جائز نہیں۔ یہی بات اس عرضی میں کہی گئی ہے لیکن چونکہ ان انگریز قیدیوں کی مدد سے دہلی میں خفیہ وطن دشمن کارروائیاں کی جارہی تھیں جن کا انقلابیوں کو پورا پتہ لگ گیا، اسی پر غضبناک ہوکر انھیں قتل کیا۔

بغاوت کے لیے سازش تھی؟

ملک کے تمام بڑے شہروں اور فوجی مرکزوں میں بغاوت کی تیاریاں کی گئیں وہ چھان بین کے باوجود انگریزوں پر آشکارا نہ ہوسکیں لیکن جہاں بھی کوئی اشارہ ان کے ہاتھ آیا وہ تمام انگریز مورخوں کی یادداشتوں اور تاریخوں میں محفوظ ہوگیا جس سے اِن سازشوں کا ایک سرسری اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہادر شاہ کے مقدمے میں کئی بیانات اور شہادتیں اس سلسلے میں ملتی ہیں۔ مثلاً کیپٹن مارٹینو اپنے بیان میں کہتا ہے کہ سپاہیوں نے مجھے بہت پہلے بتادیا تھا کہ بغاوت ہونے والی ہے اور میں نے انبالہ کے فوجی ہیڈکوارٹر میں یہ رپورٹ دی تھی۔ احسن اللہ نے کہا کہ والنٹیر رجمنٹ نمبر ۳۸ این آئی کے سپاہی بتاتے تھے کہ بغاوت سے پہلے وہ میرٹھ کی سپاہ سے رابطہ قائم کرچکے تھے اور میرٹھ وغیرہ سے خطوط آرہے تھے کہ وہ لوگ دہلی آئیں گے۔ جاٹ مل نے بیان کیا کہ بغاوت سے چند دن پہلے قلعے کے پہرہ داروں سے اُس نے سُنا تھا کہ میرٹھ میں ہنگامہ ہونے پر باغی سپاہ دہلی آئے گی اور یہ تمام معاملہ دیسی افسروں کے ذریعہ طے ہوا تھا۔ میجر پیٹرسن (۵۴ این آئی) کا بیان ہے کہ سپاہ کے رویہ سے بغاوت کی سازش کا پتہ لگتا تھا۔ مجھے جو اطلاعات ملیں اُن سے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے باخبر تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ پچھلے ستمبر میں لفٹیننٹ ویبرٹ نے مجھ سے کہا تھا کہ رجمنٹ کے صوبیدار میجر امام بخش نے کیپٹن رسل کو بتایا تھا کہ ۱۱ مئی سے دو ماہ قبل ہماری رجمنٹ کی لائنوں میں آدمی برابر آتے جاتے

رہے اور سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کرتے رہے (کیپٹن رسل ۸ر جون ۵۷ء کو مارا گیا) ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل میجر ایف جے ہیریاٹ (J. Hariot) نے تمام اہم دستاویزیں اور کاغذات سامنے رکھتے ہوئے ایک طویل بیان مقدمہ بہادر شاہ میں قلم بند کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ دہلی دربار میں سازشیں اور خفیہ کارروائیاں عرصہ دراز سے ہو رہی تھیں۔ اس نے متعدد حوالوں کے علاوہ میگزین کے کریم بخش کا ذکر خاص طور پر کیا ہے جو میگزین (کشمیری گیٹ) میں ملازم تھا، فارسی کا عالم و فاضل شخص تھا، دیسی سپاہ کو محضر اور خطوط بھیج رہا تھا کہ وہ اپنے افسروں کا اعتبار نہ کریں اور کارتوسوں کے متعلق چربی کی خبریں غلط نہیں ہیں۔ وہ شروع ہی سے سازش میں شریک تھا اور جب میگزین پر حملہ ہوا تو یہ باغیوں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھا۔ دہلی کی سازش کا ایک اہم رکن شاہ حسن عسکری[۱] تھے جن کا اس مقدمے میں بیان بھی ہوا

---

[۱] شاہ حسن عسکری دہلی گیٹ کے قریب رہتے تھے۔ شیخ ابراہیم چشتی کے خلیفہ محمد چشتی تھے جن کے خلیفہ اور بھتیجے شاہ غلام سادات۔ غلام سادات کے دو فرزند نصیر الدین اور حسین بخش ہوئے۔ نصیر الدین کے بیٹے شاہ صابر بخش چشتی (ف ۱۲۳۷ھ / ۱۸۲۱ء) مشہور بزرگ تھے۔ شیخ حسین بخش کے بیٹے حسن عسکری تھے جو شاہ سلیمان تونسوی (ف ۱۲۶۷ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ عاشق الہٰی میرٹھی نے "تذکرۃ الخلیل" میں شاہ حسن عسکری کا وطن رام پور منہیاران لکھا ہے ص/۱۰۔ (نیز ملاحظہ ہو واقعات دارالحکومت جلد دوم ص ۱۳۲ و علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۴ ص ۲۹۴) حسن عسکری کی شادی انبیٹھہ کے انصاری خاندان میں ہوئی۔ قلعے میں بہت سے شہزادے اس خاندان سے سلسلۂ بیعت منسلک تھے۔ ۵۷ء سے چار سال قبل بہادر شاہ سے رابطہ قائم ہوا۔ بہادر شاہ کی ایک بیٹی ان کی مرید تھیں۔ وہ دہلی کی شکست کے وقت پوشیدہ ہو گئے۔ پہلے قطب گئے پھر گڑھی ہرسارو الکھنوتی گئے۔ گنگوہ میں گرفتار ہوئے جہاں امام صاحب کے مقبرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ انھیں پھانسی دی گئی۔

اور جگہ جگہ ذکر آیا ہے۔ ۲۴ر مارچ ۱۸۵۷ء کو شمالی مغربی صوبے کے گورنر کو دہلی سے محمد درویش نامی شخص نے خط لکھ کر شاہ حسن عسکری کی کارروائیوں کا حال لکھا ہے کہ تین چار ماہ ہوئے قسطنطنیہ کی طرف دو آدمی شاہ دہلی کا خط لے کر کاروان (قافلے) کے ساتھ گئے جو مکّہ جا رہا تھا یہ حسن عسکری کے ذریعے بھیجے گئے جنھوں نے بہادر شاہ کو بتایا تھا کہ شاہ ایران کی فوجیں بہت جلد قندھار اور کابل کی راہ سے ہندوستان پر حملہ کریں گی اُنھوں نے دو آدمی تیار کیے جو بھیس بدل کر ایران روانہ ہوئے۔ قلعے میں دعائیں بھی ہوتی تھیں اور شاہ صاحب عصر و مغرب کی نماز کے درمیان عمل پڑھتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائیں۔ ایلچی سیدؔ کے ایک شخص شیدی قنبر کے ذریعے حسن عسکری نے ۱۸۵۶ء میں بھی ایک خط ایران روانہ کیا تھا۔ ایک بیان یہ ہے کہ جب مرزا حیدر شکوہ اور مرزا مرید (دونوں بیٹے مرزا خان بخش ولد سلیمان شکوہ) لکھنؤ سے دہلی آئے تو اُنھوں نے حسن عسکری کے توسط سے بہادر شاہ سے کہا کہ وہ شاہ ایران کو خط لکھے شیدی قنبر کو محبوب علی خاں کے ذریعے سَو روپے دیئے گئے اور خط بھیجا گیا۔ اس کے بعد حیدر شکوہ لکھنؤ واپس گیا۔ اس سے پہلے حیدر شکوہ نے اپنے بھائی مرزا نجف کو، جو بہادر شاہ کا دور کا عزیز بھی تھا، ایران بھیجا اور بہادر شاہ کو یہ اطلاع دی جو مولوی باقر کے اخبار میں چھپی۔ اسکے بعد شیدی قنبر کو بھیجا گیا۔

جے۔ اے۔ بی پامر نے اپنی کتاب میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے کہ میرٹھ کی بغاوت کیلئے کافی عرصے پہلے سے پلان بنا لیا گیا تھا[1] بعض ذرائع سے اندازہ ہوتا ہے کہ پورے ملک کے لیئے ۳۱ر مئی بغاوت کے لیئے طے کی گئی لیکن میرٹھ اور انبالے میں طے شدہ تاریخ

---

1. PALMER (J.A.B): Mutiny Outreak at Meerutt pp. 129,131 لہ

Parliamentary Papers No.263 vol.630

ROBERTS: 41 Years in India p. 431

YADAV: pp. 39-52

سے پہلے ہی ۱۰ رمئی کو بغاوت کا پلان بنا لیا گیا چنانچہ انبالہ میں بھی اسی تاریخ کی صبح کو بغاوت ہوئی۔ کیو براؤن نے لکھا ہے کہ اپریل ۱۸۵۷ء میں نمبر ۵ این آئی کے ایک سپاہی شام سنگھ انبالہ کے حاکم فورسائتھ (Forsyth) کو اس سازش کے بارے میں اطلاع دے دی تھی اور ایک پولس افسر یعنی بازار کو توال نے بھی ایسی سازش اور ہنڈتوں کی پیش گوئی کی طرف اشارہ کیا تھا۔[1] مئی ۱۸۵۷ء کے پہلے ہفتے میں اسی شخص شام سنگھ نے پھر یہ اطلاع دی کہ ہندو مسلمان اپنے مذہب کے لیئے جنگ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں اور دیسی فوجی افسروں میں خفیہ طور پر تمام اسکیم بنائی جا رہی ہے جس کی عام سپاہیوں کو خبر نہیں ہے۔ چند دن بعد پھر اسی طرح کی اطلاعات آئیں۔ کیو براؤن نے بغاوت کی اسکیم کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو ۱۰ رمئی اتوار کو انبالہ میں نئے گرجا گھر کی عبادت کے موقعہ پر بروئے کار آنی تھی لیکن عین وقت پر (۹ رمئی کو) انگریزوں نے طے کیا کہ نئے گرجا گھر کی بجائے پرانے چرچ میں حاضری دی جائے جو گورہ سپاہ کی بارکوں کے درمیان واقع تھا۔ اس طرح بغاوت کی اسکیم نادانستہ طور پر بیکار ہو گئی کیونکہ پرانے چرچ پر انگریز سپاہ کے درمیان ہونے کی وجہ سے وہ سہولتیں موجود نہ تھیں۔ پھر بھی ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو صبح نو بجے انبالہ کی دیسی سپاہ نے بغاوت کی ناکام کوشش کی جس پر آسانی سے قابو پا لیا گیا۔

انبالہ اور میرٹھ وغیرہ کی سپاہ میں بغاوت کے لیئے جو خفیہ سازش ہو رہی تھی اس کا اشارہ کیپٹن مارٹینو کو مارچ ۱۸۵۷ء میں ہی مل گیا تھا اور اُس نے حکام کو یہ اطلاع پہنچائی تھی۔ انبالہ میں آگ لگنے کی وارداتیں ۲۶ رمارچ سے شروع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ۱۳ را اپریل

---

[1] 1. CAVE BROWN: Punjab & Delhi in 1857 vol.1 pp. 48,49

Punjab Govt. Records, vol.7 p. 35

سے یکم مئی تک تقریباً روزانہ کسی نہ کسی فوجی بارک میں آگ لگتی رہی لیکن مجرموں کو گرفتار کرنا تو درکنار، ان کا پتہ بھی نہ لگ سکا۔ پنجاب گورنمنٹ کے مطبوعہ ریکارڈ میں یہ تمام حالات بیان کیئے گئے ہیں کہ ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان کرنے کے باوجود آگ لگانے والوں کا پتہ نہ چل سکا۔[1] جیمس لنٹ نے اپنی کتاب میں ایک سپاہی سیتارام کا یہ بیان درج کیا ہے کہ اودھ کی ضبطی کے بعد شاہ اودھ اور شاہ دہلی کی طرف سے مختلف جگہوں پر آدمی بھیجے گئے تاکہ دیسی سپاہ کے رجحان کا پتہ لگائیں۔ اِن آدمیوں نے دیسی سپاہ کو بہ یک وقت بغاوت کرنے اور انگریزوں کو نکالنے کا احساس دلایا۔ یہ شخص سیتارام تلوئی (اودھ) کا رہنے والا تھا۔[2]

دہلی کی ریاستیں

دہلی سے ملحق سات ریاستیں تھیں۔ ان میں جھجر سب سے بڑی ریاست تھی جس کا محصول چودہ لاکھ روپیہ سالانہ تھا، باقی دادری (بہادر گڑھ) پاٹودی، بلبھ گڑھ، دوجانہ، لوہارو، فرخ نگر چھوٹی ریاستیں تھیں۔ یہ ریاستیں انگریزوں نے ''وفاداری'' کے صلے میں قائم کی تھیں لیکن تحریک ۱۸۵۷ء کے آغاز پر علاقے کے عوام اور فوجیوں نے والیان ریاست پر دباؤ ڈالا کہ وہ بہادر شاہ کا ساتھ دیں۔ مجبوراً والیان ریاست کو بہادر شاہ کی حمایت کا رخ اختیار کرنا پڑا لیکن ان میں سے اکثر نے یا تو خود کو بچائے

---

[1] YADAV (K.C): Revolt of 1857 in Haryana p. 40-51

[2] LUNT (James): From Sepoy to Subedar, Last Chapter.

رکھا اور یا دوغلی پالیسی اختیار کی جس سے بغاوت کی تحریک کو نقصان پہنچنا ظاہر تھا۔

جھجر کا نواب عبدالرحمٰن خاں تھا[1]، کچھ پیادہ اور سوار فوج اس کی ملازمت میں تھی۔ دہلی میں بغاوت ہوتے ہی یہاں کی فوج اور عوام میں بغاوت کے آثار نمودار ہو گئے لیکن نواب نے گورنر آگرہ (لیفٹیننٹ کول وِن) کو خط لکھا جس کے جواب میں گورنر نے انگریزی ایجنٹ ہاروے کی مدد کرنے کی ہدایت کی، نواب نے ہاروے سے رابطہ قائم کرکے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ اس نے گڑگاؤں اور روہتک کو فوجی دستے بھی انگریز حکام کی درخواست پر روانہ کیے۔ ۱۴ رمئی کو چارلس تھیوفلس مٹکاف یہاں بھاگ کر آیا۔ نواب نے اپنے خسر صمد خاں اور امداد علی کو اس کی حفاظت کے لیے ہدایت کی لیکن جب شہر کے عوام کو یہ خبر پہنچی تو نواب کے خلاف ہنگامہ برپا ہونے لگا۔ مٹکاف کو نواب کی شکارگاہ چھوچھک واس میں پوشیدہ کیا گیا لیکن اگلے دن صبح کو اُنھیں نواب کی طرف سے حکم ملا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں اس پر مٹکاف کو بے حد غصہ آیا اور کہا کہ وہ نواب کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کے بعد نواب نے چھ سات انگریز عورتوں اور بچوں کو بھی پناہ دی اور اُنھیں انگریزی کیمپ میں پہنچایا۔ نواب کے اس عمل نے انقلابی سرداروں کو بدظن کر دیا اور بہادر شاہ نے اُسے فوراً دہلی آنے کے لئے لکھا مگر نواب دہلی آنے سے کترا تا رہا۔ بہادر شاہ کی طرف سے روپیہ اور سامان جنگ وغیرہ بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا، نواب نے یہ بھی نہ کیا۔ آخر کار بہادر شاہ کی طرف سے ایک معتبر افسر کو بطور ایجنٹ بھیجا گیا جس نے یہاں کے معزز لوگوں اور صمد خاں سے رابطہ قائم کیا، سب نے نواب پر دباؤ ڈالا کہ وہ فوراً بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ مجبور ہو کر اُس نے تین سو

---

[1] رقبہ ۱۲۳۰ مربع میل، آبادی ایک لاکھ دس ہزار سے کچھ اُوپر۔ ۱۸۰۶ء میں قندھار کے بہرائچ پٹھان نظابت علی خاں کو انگریزوں نے عطا کی جس کے بعد فیض محمد ۱۸۲۴ء میں نواب ہوا جس کا جانشین فیض علی (۱۸۳۵ء) اور پھر عبدالرحمٰن (۱۸۴۵ء) نواب ہوا۔

سوار صمد خاں اور ابراہیم علی کی سرکردگی میں دہلی روانہ کیے (۲۱ مئی) اور اپنے ایک نمایندے غلام نبی کو شاہی دربار میں مقرر کیا۔[1] اس کے بعد بہادر شاہ کی طرف سے اُسے بار بار روپیہ بھیجنے کے لیے لکھا گیا مگر نواب نے کوئی اثر نہ لیا آخر کار جب بہادر شاہ کا عتاب آمیز فرمان آیا تو نواب نے یہ بہانہ کر دیا کہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے لیکن دوسری طرف پہاڑی پر مقیم انگریزی فوج کے لیے نہ صرف میگزین بلکہ روپیہ بھی بھیجتا رہا[2] اور بہادر شاہ کو خوشامدانہ انداز میں خط بھی لکھتا رہا۔ دہلی سے ایک رسالدار افسر (مجاہد علی خاں) کو جھجر بھیجا گیا کہ وہ نواب سے روپیہ وصول کرے مگر نواب نے روپیہ ادا کرنے سے انکار کر دیا پھر عظیم خاں اور مرزا خدا بخش کو فوجی دستے کے ساتھ بھیجا گیا تب جا کر نواب نے صرف ساٹھ ہزار روپیہ دیا اور باقی چالیس ہزار کا وعدہ۔ وہ برابر دہلی کو لکھتا رہا کہ روپیہ نہیں ہے حالانکہ گیارہ لاکھ روپیہ اس کے خزانے میں تھا۔ نواب کی اس دوغلی چال نے یہ رنگ دکھایا کہ دونوں طرف سے کوئی بھی اُس سے خوش نہ ہوا، شکست دہلی کے بعد اسے چھوچک واس سے گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا جس میں ٹھکاف نے اس کے خلاف بیان دینے میں نمایاں رول ادا کیا۔ نواب کی تمام عرض داشت اور گذارش احوالِ واقعی بیکار ثابت ہوئی (۱۴ دسمبر ۱۸۵۷ء) اور فیصلہ پھانسی کا صادر ہوا۔[3]

۱۔ امور خارجہ کا غذات اور تاریخ جھجر مؤلفہ غلام نبی بحوالہ یادو۔ ۸۹

YADAV: Revolt of 1857 in Haryana p. 89

۲۔ معین الدین: خدنگِ غدر۔ ۸۶ و یادو۔ ۹۱

۳۔ نواب کو ۲۳ جنوری ۱۸۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔ یہ نظارہ انگریز تماش بینوں کے لئے بہت ہی فرحت بخش تھا کیونکہ اس کا دم دیر میں نکلا اور قلابازیاں ان کے لیے تفریح کا سامان تھیں۔ (ذکاء اللہ: تاریخ عروجِ انگلیشیہ۔ ۷۱۰)

فرخ نگر ایک اور چھوٹی سی ریاست ۲۲ مربع میل کے رقبے میں تھی جو دلیل خاں بلوچ نے ۱۷۴۱ء میں قائم کی تھی (محمد شاہ کی عطا کردہ) لیکن ۱۸۰۳ء میں انگریزوں نے یہاں کے حکمران عیسیٰ خاں کو جنگِ مرہٹہ میں مدد نہ کرنے پر سزا دی اور ریاست کتر کے موجودہ سائز پر کر دی۔ عیسیٰ خاں کے بعد یعقوب علی اور پھر احمد علی نواب ہوا جس نے بغاوت کے دوران قابلِ ذکر رول ادا نہیں کیا۔ وہ بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا (۱۲ مئی ۱۸۵۷ء) اس کے بعد اُس کا سارا وقت راؤ تلارام سے لڑنے میں گزرا اور انقلابیوں کو مدد نہیں پہنچائی۔ انگریزوں کی نظر میں پھر بھی مجرم گردانا گیا، گرفتار کر کے ۱۲ جنوری ۱۸۵۸ء کو مقدمہ چلا تو اس نے سارا الزام اپنے چچا غلام محمد خاں پر رکھا اور اپنا بچاؤ کیا مگر فیصلہ خلاف ہوا (۲۲ جنوری ۱۸۵۸ء) اور اگلے دن پھانسی ہوئی۔ اس کے بعد کا حال معین الدین نے 'خدنگِ غدر' میں یوں بیان کیا ہے:

"بعد ثبوتِ جرم رئیس جھجر و بلب گڈھ و فرخ نگر نے پھانسی پائی۔ لاشیں انکی ہمراہ دیگر پھانسی یافتہ شہر کے بیرون لاہوری دروازہ کے قریب درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ ایک گڈھا کھدایا گیا تھا اُس میں ڈال دی گئیں۔ ریاستیں ضبط ہو گئیں جھجر کے علاقے میں پرگنہ نارنول مہاراجہ پٹیالہ کو بطور انعام کے ملا۔"

بلبھ گڈھ کا راجہ ناہر سنگھ تھا جو ایک چھوٹی سی ریاست (تقریباً دو سو مربع میل تھی[1]۔ ناہر سنگھ بغاوت شروع ہونے کے وقت دہلی میں تھا وہ انگریزوں کے

---

[1] اٹھارویں صدی کی پہلی دہائی میں گوپال سنگھ نے قائم کی جو جاٹ قبیلے سے تھا۔ ناہر سنگھ اسی کی اولاد میں تھا، کمزور دل اور شریف طبع تھا۔ گوپال سنگھ کا بیٹا چرن داس تھا جسکے بیٹے بلّم سنگھ نے قلعہ بلبھ گڈھ بنوایا اور شہر بسایا تھا۔

خلاف کسی سرگرمی میں حصہ لینے میں پس وپیش کر رہا تھا لیکن ریاست کے عوام کے جذبات اور دہلی کا قرب اُسے انقلابیوں کے ساتھ رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ ۲۰ مئی کو دہلی سے بہادر شاہ کے حکم پر اپنی ریاست میں آیا اور یہاں انتظام درست کیا، بہادر شاہ کو متعدد خطوط لکھے جو مقدمات میں پیش ہوئے، قلندر بخش خاں کے ہمراہ کچھ سوار سپاہی دہلی بھیجے، مگر اِن لوگوں نے جاسوسی کے جال بچھائے، نذیر الدین خاں کو بجدر اپور کا پولس افسر مقرر کیا جسے بعد میں بہادر شاہ کے فرمان پر برخاست کیا گیا۔ پالی اور پلول گاؤں کے کچھ لوگ لوٹ مار کرنے لگے، دہلی تک کی سڑک صاف نہ تھی لہٰذا اُس نے مناسب انتظامات کیے۔ احمد علی دہلی میں اس کا ایجنٹ تھا جو بہادر شاہ کے دربار میں حاضر رہا۔ راجہ نے پولس چوکیاں اور ٹیکس وصولی کے دفاتر قائم کیے۔ دوسری طرف انگریزوں سے بھی خط وکتابت اور رابطہ قائم کیا۔ وہ خود دہلی نہیں آیا اور نہ روپیہ بھیجا۔ انگریزوں کو اپنے علاقے سے بحفاظت گذر جانے دیا۔ آگرے کے کمشنر ہاروے کو اس نے درخواست کرکے قلعے میں ٹھہرایا، انگریز حکام مثلاً کول وِن (گورنر آگرہ) جنرل آلسن کمانڈر انچیف، لارڈ کیننگ وائسرائے، ہاروے کمشنر آگرہ ڈویژن، کیتھ ینگ جج ایڈوکیٹ جنرل دہلی وغیرہ کو خط لکھتا رہا اور اپنی وفاداریاں ظاہر کرتا رہا۔ اُس نے پہاڑی پر مقیم انگریزی فوج میں بھی اپنے آدمی بھیجے اور خبریں بھی خفیہ طور پر انھیں پہنچاتا رہا۔ دوسری طرف جب دہلی کے انقلابیوں کو اسکے ڈبل رول کی خبریں ملتی تھیں تو وہ اس کی تردید میں بہادر شاہ کو خط لکھتا تھا۔ ایک بار باغیوں نے ایک بگھی پکڑی جو ناہر سنگھ کے آدمیوں کے ہمراہ کچھ انگریزی خط بھی لیجا رہی تھی مگر اُس نے اسکی بھی تردید اور صفائی پیش کی[1] مگر اُس کا یہ دوغلا کردار کسی کام نہ آیا، اسے دسمبر ۱۸۵۷ء میں مقدمہ چلا کر مجرم ثابت کیا گیا اور ۲ جنوری ۱۸۵۸ء کو پھانسی کا فیصلہ سنادیا گیا، ۹ جنوری کو کوتوالی (چاندنی چوک) پر

---

[1] فارن پولٹیکل کاغذات ومقدمہ بہادر شاہ

پھانسی دی گئی۔ انگریزوں کے خلاف اس نے کوئی عمل نہیں کیا تھا بلکہ انھیں ہر طرح کی امداد پہنچائی تھی۔

ریاست پٹودی کا نواب اکبر علی خاں تھا جس کی چونتیس مربع میل کی ریاست ۱۸۰۶ء میں انگریزوں کی مدد کرنے کا انعام تھی۔ وہ فیض طلب خاں کا جانشین ہوا (۱۸۲۹ء)۔ اس نے بھی بہادر شاہ کو چند خطوط لکھے اور دوسری طرف انگریزوں سے وفاداری دکھاتا رہا اور بھاگتے ہوئے انگریزوں کو پناہ دی۔ اسے کوئی سزا نہیں ملی۔ اسی طرح دوجانہ کا نواب حسن علی خاں ولد دوندے خاں بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا، بغاوت کے دوران دہلی میں رہا، انقلابیوں کو کوئی مدد نہیں پہنچائی، بلند شہر سے گرفتار ہوا مگر سزا سے بچا رہا۔ بہادر گڑھ کا نواب بہادر جنگ خاں ایک چھوٹی سی (۴۸ مربع میل) ریاست کا والی تھا۔ وہ جھجر کے بانی نواب نجابت خاں کا چھوٹا بیٹا تھا۔ ۱۸۰۶ء میں گدی پر بیٹھا۔ (بعمر ۲½ سال)۔ ۱۳ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی سے طلب کیا گیا۔ اُس نے تیرہ۱۳ دن بعد جواب دیا کہ ریاست میں بدنظمی کے سبب حاضری سے قاصر رہے، انقلابی سرداروں کو کوئی مدد نہیں پہنچائی، صرف اپنے حکیم پیر بادشاہ خاں اور وکیل لچھمن سنگھ کے ذریعے چار اشرفیاں بطور نذر بھیجیں۔ شکست دہلی کے بعد اُس پر معمولی طریقے سے مقدمہ چلایا گیا ایک ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کرکے لاہور بھیج دیا گیا۔ لوہارو کے نواب امین الدین خاں نے بھی دیگر نوابوں کی طرح کوئی قابل ذکر امداد بہادر شاہ کو نہیں پہنچائی، ڈبل رول ادا کیا سزا سے بچ گیا۔[1]

---

[1] لوہارو کا بانی احمد بخش خاں تھا جو راجہ الور کا وکیل رہ چکا تھا اور لارڈ میک اور راجہ الور کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا تھا (۱۸۰۳ء)، جس کے انعام میں دونوں طرف سے جاگیر ملی امین الدین ۱۸۳۵ء میں اپنے بڑے بھائی شمس الدین کے بعد جس کو انگریزوں نے پھانسی دی، تخت نشین ہوا۔ بغاوت کے وقت دہلی میں تھا، بہادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔

دہلی کی ریاستوں کے باغی سردار

دہلی سے متعلق ریاستوں کے عوام نے بغاوت میں جو حصہ لیا وہ سرکاری کاغذات میں کہیں کہیں جھلکتا ہے لیکن اُن کا مکمل طرزِ عمل اور سرگرمیاں منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ مذکورہ بالا ریاستوں کے نوابوں کا بہادر شاہ کی حمایت پر آمادہ ہونا دراصل اِن ریاستوں کے عوام کے دباؤ کی وجہ سے ممکن ہوا۔ انقلابی سرداروں میں سے صرف چند نام کاغذات میں نظر آتے ہیں مثلاً نواب جھجر کا درباری بہادر علی جسے شاور زنے گرفتار کیا، دسمبر ۱۸۵۷ء میں پھانسی ہوئی۔ فرخ نگر کے دلاور خاں ولد اسلام خاں کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ جمع دار جسونت سنگھ نواب جھجر کی فوج میں ملازم تھا۔ اُسے جھجر کی شکست کے بعد ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو گولی سے مارا گیا۔ جواہر سنگھ نواب جھجر کے میگزین کا داروغہ تھا، اسے بھی اکتوبر ۱۸۵۷ء میں گولی ماری گئی۔ بلبھ گڈھ کے شیخ کریم بخش نے نمایاں حصہ لیا، دہلی جاتی ہوئی انگریزی فوج کو روکنے کے لیئے مقابلہ کیا، ۱۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی میں پھانسی ہوئی۔ خیرات علی ساکن نارنول (جھجر) نے بھی بغاوت میں نمایاں حصہ لیا، دہلی جاتی ہوئی انگریزی فوج سے مقابلہ کیا، ۱۰ جنوری ۱۸۵۸ء کو دہلی میں پھانسی پائی۔ نواب جھجر کے درباری خدا بخش اور محمود علی اور رحیم بخش کو بھی دسمبر ۱۸۵۷ء میں پھانسی ہوئی۔ جھجر کے پولس جمعدار رام بخش کو ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو گولی ماری گئی۔ نواب جھجر کا ایک اور درباری رام رچھپال تھا جسے نواب کے ساتھ چھوچک واس سے گرفتار کرکے دسمبر ۱۸۵۷ء میں بمقام دہلی پھانسی دی گئی۔ نواب جھجر کا خسر اور رسالدار صمد خاں گرفتار نہیں ہوا وہ پہلے قلعہ کانونده اور پھر نارنول گیا جہاں دہلی سے آئے ہوئے انقلابی دستوں کی کمان سنبھالی اور انگریزی فوجوں سے دلیرانہ مقابلہ کیا۔

عوام کا مقابلہ

دہلی سے متعلق ریاستوں اور قرب وجوار کے علاقوں میں یہاں کے عوام نے دہلی پر بڑھتی ہوئی انگریزی فوجوں کا بھرپور مقابلہ کیا جس کا اندازہ سرکاری کاغذات میں اُن لیڈروں کے تذکروں سے ہوتا ہے جنہیں اس جرم میں سزائیں دی گئیں لیکن فوجی تنظیم اور باصلاحیت راہ نما نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کامیاب

نہ ہوسکے بالآخر دہلی کی شکست کے بعد اِن علاقوں پر انگریزی فوجوں نے دھاوا کیا (تفصیل پنجاب کے حالات میں بھی ملاحظہ ہو)۔ ۶/ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو ریواڑی میں راؤ تلارام کا قلعہ برباد کیا گیا۔ اس کے بعد بریگیڈیر جنرل شاورز کی سرکردگی میں کوسلی ہو کر یہ فوجیں چھوچک واس پہنچیں جو جھجر سے دس میل دور نواب کی شکارگاہ تھی۔ ۱۶/ اکتوبر کو یہاں نواب جھجر کو گرفتار کیا گیا۔ اگلے دن جھجر پر مزید فوجی مدد کے بعد حملہ ہوا، نواب کی باقی ماندہ فوج رات میں فرار ہو گئی اور جھجر کا قلعہ مع ۲۱ توپ، تیس ہزار ہتھیار، ہاتھی گھوڑے وغیرہ ہاتھ لگا۔ شاورز نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ ہڈسن کی ماتحتی میں کنونڈ کی طرف بڑھا جہاں جھجر کا خزانہ تھا۔ درمیان میں دادری کے نواب کو گرفتار کیا گیا۔ کنونڈ پر جھجر اور دہلی کے انقلابیوں نے جمع ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کیا مگر پسپا ہوئے اور کنونڈ کا قلعہ جو ہر لحاظ سے بہترین تھا، قبضے میں آیا جہاں ہتھیاروں اور میگزین کا ذخیرہ بھی تھا۔ اس کے علاوہ نواب کا خزانہ (۵ لاکھ) ہاتھ لگا۔ شاورز ۲۲/ اکتوبر دہلی کے لیے روانہ ہو گیا۔ لیکن اس تمام علاقے خصوصاً گوڑگاؤں (میوات) کے ہر گاؤں میں عوام ابھی تک کھلی بغاوت کر رہے تھے۔ شاورز نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ "گوڑگاؤں میں مجھے ایسا معلوم ہوا گویا چاروں طرف دشمنوں سے گھر گیا ہوں" اس کے اوپر ہر طرف سے حملے ہوئے اور انقلابی عوام سے لڑتا بھڑتا فرخ نگر پہنچا جہاں نواب احمد علی خاں کو گرفتار کیا۔ سوہنہ سے چند میل دور جا کر اسے پھر ایک زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ بہادر میواتیوں نے پے در پے حملے کیے جن کی بہادری کا اعتراف سرکاری رپورٹوں میں صاف طور پر کیا گیا ہے[1]۔ ۳۱/ اکتوبر کو وہ بلبھ گڈھ پہنچا اور راجہ ناہر سنگھ کو گرفتار کیا۔ والیان ریاست کی گرفتاری کے بعد انگریزی فوجیں ان کے محلات پر ٹوٹ پڑیں۔ دہلی کے آفیشیٹنگ کمشنر سانڈرس نے جنرل پینی (کمانڈر دہلی فیلڈ فورس)

---

[1] امور خارجہ کے خفیہ کاغذات اور خط و کتابت بحوالہ یادو۔ ۱۱۵

کو اپنے ایک خط مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۸۵۷ء میں فرخ نگر، جھجر اور بلبھ گڈھ کی لُوٹ کا حال لکھا ہے کہ کس طرح نہ صرف سیکڑوں گھوڑے بیل اور بھینسیں بلکہ ہر چیز لُوٹی گئی، ان کے زنانہ محلوں کو جس طرح بے دردی سے نشانہ بنایا گیا اس کا تھوڑا سا اندازہ سانڈرس کے اس خط سے بھی ہوتا ہے۔ بلبھ گڈھ کے بارے میں جہاں فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی شاورز راجہ کو گرفتار کر چکا تھا، وہ لکھتا ہے:

"سپاہی راجہ کے زنانہ محل میں داخل ہو گئے اور اس کی عورتوں سے نہ صرف روپیہ اور زیورات بلکہ ان کے کپڑے بھی چھین لیے" [1]

دیگر سرکاری کاغذات سے بھی ثابت ہے کہ راجہ کی عورتوں کو ننگا کیا گیا اور اس کے بعد جو برتاؤ ہوا وہ لکھنے کے قابل تھا بھی نہیں۔ یہاں ایک چشم دید مبصر کا بیان بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

"بہادر جنگ خاں رئیس دادری کہ اس کا وکیل مقام پہاڑی پر حاضر تھا، بروقت طلبی سرکار خود آکے حاضر ہوا۔ رئیس پٹوڈی بدونِ طلبی خود آکے حاضر ہوا یہ رئیس غدر میں اپنی قوت سے زیادہ فوج باغی سے لڑا تھا، آخر شکست کھا کے بھاگ گیا تھا۔ گھر اس کا فوج باغی نے لُوٹ لیا ۔۔۔۔ رئیس بلبھ گڈھ بھی قید ہو کے آیا کہ بروقت ہنگامۂ دہلی بادشاہ کی طرف سے فوجداری بیرونِ شہر کا سب اختیار اس کو دیا گیا تھا۔ ایک انگریز منڈرو صاحب جو پناہ گیر جا کے بلبھ گڈھ میں آیا ہوا تھا وہ وہیں مارا گیا۔ رئیس لوہارو بروقت ہنگامۂ دہلی شہر میں مقید فوج باغی ہو گئے تھے، شہر سے نکل نہ سکے۔ علاقہ زمینداران نے لُوٹ کے گڈھی قصبہ بوڑھیڑہ کو مسمار کر دیا تھا۔ یہ نالشی سرکار میں حاضر ہوئے ۔۔۔ ریاستیں ضبط ہو گئیں۔ جھجر کے علاقہ میں سے پرگنہ نارنول مہاراجہ پٹیالہ کو بطورِ انعام

---

[1] سی بی سانڈرس کا خط بحوالہ یادو۔ ۱۷۴ د ۱۱۶

کے ملا۔ پرگنہ کانونارہ مہاراجہ مذکور نے اپنے روپے سے خرید لیا۔ پرگنہ کانتی باول مہاراجہ نابھ کو خیر خواہی میں بطور انعام مرحمت ہوا۔ دادری ضبط ہو کے بہادر جنگ خاں رئیس دادری کا ہزار روپے ماہانہ مقرر ہو کے لاہور میں رہنے کا حکم ہوا۔ پرگنہ دادری خیر خواہی میں مہاراجہ جیندھ کو عنایت ہوا۔ وابستگان جھجر کی رسم دار بہ قدر خورد و نوش پنشن مقرر ہو گئی، لدھیانہ میں رہنے کا حکم ہوا۔ پاٹودی، دوجانہ لوہارو بدستور اپنی صورت پر قائم رہے۔“ [1]

نواب جھجر کا خسر عبدالصمد خاں، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، یہاں سے فرار ہو کر نارنول پہنچا اور راؤ تلارام کے ہمراہ انگریز فوجوں کا مقابلہ کیا۔ پھر راجپوتانہ کی طرف نکل گیا اور جنگوں میں حصہ لیتا رہا جن کا ذکر مناسب جگہوں پر نظر سے گزرے گا۔ دادری کے والی بہادر جنگ خاں کا بھتیجا نواب محمد علیخاں (ولد شیر جنگ) دہلی میں (کوچہ چیلان) رہتا تھا۔ شکست کے بعد گورے اس کے مکان میں گھس گئے تو عورتیں کنوئیں میں کود گئیں۔ نواب نے تین گوروں کو ہلاک کیا اور پھر خود بھی کام آیا۔ مکان توپ سے اڑا دیا گیا۔

---

[1] معین الدین بخار نگیہ غدر ، ۸۷

۱۸۵۷ء کے مجاہدین آزادی کی ایک ٹکڑی

آگرہ ـ علی گڑھ اور میرٹھ ڈویژن

آگرہ ڈویژن میں اٹاوہ، مین پوری، ایٹہ، فرخ آباد اور متھرا وغیرہ کے علاقے شامل ہیں۔
آگرہ شمال مغربی صوبوں کے گورنر کول وِن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ یہاں عیسائی مشنری پادری اپنے مذہبی پرچار کے کاموں میں مصروف تھے، ان کے اسکول ہندوستانی بچوں کو عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنے کا فرض آہستہ آہستہ انجام دے رہے تھے۔ لیکن اس کے رد عمل میں ہندوستانی اور خصوصاً مسلمان علمار پادریوں سے مناظرے اور عیسائیت کا رد عمل کرنے میں ہمہ تن منہمک تھے مولانا احمد اللہ شاہؒ نے یہاں دورے کیے اور تقریریں کیں جس سے نہ صرف مذہبی رجحان پیدا ہوا بلکہ غلامی کا احساس بھی۔ انھوں نے یہاں علمار کی ایک جماعت "مجلس علمار" بھی قایم کی تھی۔ مولانا احمد اللہ کی آمد کی بدولت کچھ عرصہ پہلے ایک ہنگامہ بھی ہو چکا تھا جسے بغاوت کا پیش خیمہ سمجھنا چاہیئے۔

انقلاب کا پیش خیمہ ـ وِلسن گردی

۴۶ ـ ۱۸۴۷ء میں مولانا احمد اللہ شاہؒ نے آگرے کو اپنا مرکز بنا کر جہاد کی تبلیغ شروع کی وہ مفتی انعام اللہ صدیقی کے یہاں مقیم ہوئے جہاں آگرے کے اکثر علمار اور رئیسوں کا مجمع رہتا تھا۔ ان میں شاہ محمد قاسم دانا پوری[1] ۔ غلام امام

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شہیدؔ[1]۔ مولوی کریم اللہ (جج)[2] وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ علماء اور معززین نے مولانا احمد اللہؒ کے عزم جہاد کی تائید کی اور امداد بہم پہنچائی۔ مولانا احمد اللہؒ اپنے رفیقوں کو لے کر شاہجہانپور کی طرف روانہ ہوئے لیکن انگریز حکام نے کسی طرح اس بارود کی بو سونگھ لی اور مذکورہ حضرات پر رشوت ستانی کے الزام میں مقدمہ قائم کر دیا جس کی سماعت کے لیے مراد آباد کا جج وِلسن بلایا گیا۔ مقدمے کا ثبوت بہم نہ پہنچ سکا، صرف شاہ قاسم کو سزا ہوئی۔ اس کا اصل مقصد رشوت ستانی نہیں تھا بلکہ انگریزوں کو یہ غم و غصہ تھا کہ یہاں کے علماء، مفتی، صوفی اور معززین جہاد کی حمایت کیوں کر رہے ہیں۔ اسی سال (۱۸۴۷ء) تمام وکلاء اور عہدہ دار جو وِلسن گردی کی لپیٹ میں آئے ترک وکالت و ملازمت کر کے علیحدہ ہو گئے شاہ قاسم بھی داناپور چلے گئے[3]۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت تک اس وِلسن گردی کو دس سال کا عرصہ گذرتا ہے۔ اس دوران میں پادریوں سے علماء کے مناظرے ضرور منظر عام پر رہیں تاہم بغاوت کی کسی سازش کا پتہ نہیں چلتا لیکن ایسی کارروائیوں کا عدم وجود بھی قرین قیاس نہیں۔ جے ڈبلو شیرر نے اپنی کتاب میں نواب ولی داد خاں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ آگرے کی بغاوت کی سازشوں میں شریک تھے اور وہ

(حاشیہ متعلقہ صفحہ گذشتہ)

[1] ابو العلائی ابن سید تراب الحق، سلسلے کے سجادہ نشین تھے، پہلے الہ آباد کچہری میں ملازم رہے۔ ۱۸۴۵ء میں آگرہ صدر نظامت میں مسل خواں تھے، تصانیف اسرار قاسمی، اعجاز غوثیہ وغیرہ

---

[1] ولد شاہ غلام محمد ساکن امیٹھی (لکھنؤ)۔ عربی فارسی کے عالم، عاشق رسولؐ تھے۔ فارسی میں "کلیات شہید" اردو میں "انشائے بہار بے خزاں" تصانیف ہیں ۱۸۷۶ء میں وفات پائی۔

[2] آگرے کے جج، ساکن بچھراؤں ضلع مراد آباد۔ مفتی انعام اللہ کے دوست تھے ۱۸۵۸ء میں وفات پائی

[3] قادری (حامد حسن)، داستان تاریخ اردو ص ۳۱۶

خود اُن سے اِسی زمانے میں ہمیں ملا بھی تھا۔ ۱؎

عیسائیت کا پرچار

آگرہ، فتح گڑھ اور فرخ آباد کے علاقے عیسائی پادریوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ یہاں مشنری اسکولوں میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ انہی کی زبانی سنا جائے تو بہتر ہے۔ رابرٹ اسٹوارٹ فلرٹن کے خطوط جو اُس نے انگلینڈ وغیرہ کو لکھے، کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک خط میں وہ لکھتا ہے:

"تمہیں یہ سُنکر حیرت ہوگی کہ کچھ لڑکے کس طرح بائیبل سے جوابات دیتے ہیں جو روزانہ ان کو پڑھائی جاتی ہے وہ اس کی سچائی کے قائل ہیں۔ اپنی ذات پات کے ڈر سے مندروں میں جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتے ہیں کہ اُن کا دھرم جھوٹا ہے"۔

ایک اور خط مورخہ ۷ جنوری ۱۸۵۲ء کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"تقریباً سَو بچے عیسائیت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ان میں سے یقیناً بڑی اکثریت عیسائی بن جائے گی ...... کام جاری ہے اور نتیجہ جلد نظر آئے گا چاہے میں اُسے دیکھنے کو زندہ نہ رہوں" ۲؎

چپاتیاں تقسیم ہوتی ہیں

فروری و مارچ ۱۸۵۷ء میں تمام ملک میں چپاتیاں تقسیم کی گئیں جن کی تفصیلات ہم علیحدہ باب میں بیان کر چکے ہیں۔ آگرے کے علاقوں میں بھی یہ چپاتیاں تقسیم ہوئیں چنانچہ پادری فلرٹن ایک خط میں کہتا ہے:

"اب مجھے یقین ہے کہ یہ چپاتیاں سپاہیوں نے تقسیم کرائیں اور ان کی وضاحت یہ تھی کہ ہم مختلف ذات پات کے لوگ ایک دوسرے سے الگ ہیں لہٰذا آؤ ہم ایک بار

۱؎ 1. SHERER (J.W): Daily Life During the Mutiny

۲؎ 2. LUCAS (J.J): Memoirs of Robert Fullerton p. 46

اس روٹی سے ایک ہوجائیں اور غیر ملکیوں کو اپنے دیش سے نکال دیں"۔[1]
انہی حالات نے مسلمان علماء کو آگرے کی طرف کھینچا جنھوں نے پادریوں سے معرکتہ الآرا مناظرے کیے، کتابیں لکھیں اور تقریریں کرکے عیسائیت کارد کیا۔ ان علماء کے ساتھ یہاں کے اسسٹینٹ سرجن ڈاکٹر وزیر خاں[2]، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا فیض احمد بدایونی بھی تھے۔

بغاوت کی آگ

۱۱ر ۱۲ر مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ کی خبریں آنے پر آگرے میں دہشت اور ہراس بڑھ گیا۔ ۳۰ر مئی کو دو پلٹنیں جو خزانے کی حفاظت کے لیے متھرا بھیجی گئیں، باغی ہوکر دہلی چلی گئیں لہٰذا اگلے دن باقی ہندوستانی سپاہ سے ہتھیار چھین لیے گئے کیونکہ دیسی سپاہ کی بغاوت کے امکانات پیدا ہوگئے تھے چنانچہ گوالیار کی بغاوت کے بعد آگرے کی گوالیار کنٹنجنٹ بھی باغی ہوگئی۔ ۱۳ر جون کو نصیر آباد کے باغی دستے قریب آگئے۔ افواہ تھی کہ بھرت پور کے باغی اِن سے مِل کر آگرے پر حملہ کریں گے۔ اس درمیان میں مختلف جگہوں پر آگ لگتی رہی۔ ۱۲ر جون ۱۸۵۷ء کو جمنا کے مشرقی کنارے پر آگ لگتی نظر آئی اسی طرح ۱ر جون کی رات کو دو جگہ آگ لگی۔ انگریزوں کو مختلف جاسوسوں کی بہم کردہ اطلاعات سے تصدیق ہو گئی کہ یہ آگ بغاوت کی ابتداء ہے اور انقلابیوں کو آگاہ کرنے کے لیے لگائی جارہی ہے۔ ۲۰ر مئی کو نیٹو انفنیٹری کا ہسپتال بھی جلادیا گیا۔ علاقے کا لفٹیننٹ گورنر کول وِن یہیں مقیم تھا۔ بغاوت

---

[1] 1. LUCAS: Memoirs p. 75

[2] وزیر خاں شرفائے افاغنہ ساکن بہار سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد محمد نذیر زمیندار تھے۔ ڈاکٹر وزیر نے انگریزی تعلیم مرشد آباد میں حاصل کی اور ڈاکٹری انگلینڈ میں تکمیل کی۔ عبرانی اور یونانی زبانیں سیکھیں، عیسائیت کا مطالعہ کیا۔ ان کا آگرے میں تقرر ہوا۔ انہوں نے پادریوں سے مناظرے میں حصہ لیا اور کتابیں بھی لکھیں وہ مجلس علماء کے رکن بھی تھے۔ بغاوت میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا ہے آخر میں شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ رہے اور مکہ معظمہ چلے گئے۔

کی خبروں نے انگریزوں میں دہشت پیدا کر دی اور انہوں نے قلعے میں پناہ گاہ بنا لی۔ میگزین اور غلہ وغیرہ سب طرح تیار کر لیا، عیسائی اور انگریز قلعے میں رات بسر کرنے لگے۔ اس درمیان میں نیمچ اور نصیر آباد میں بغاوت کے بعد خبریں آئیں کہ وہاں کی باغی سپاہ بمع شہزادہ فیروز شاہ اس راہ سے دہلی جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نصیر آباد کی سپاہ تو الگ ہو کر دہلی چلی گئی مگر نیمچ کے انقلابی سپاہیوں نے آگرے کا راستہ لیا اور راجہ الور کی فوج کو اچنیرہ کے مقام پر شکست دے کر آگرے سے چار میل دور قیام کیا۔ یہاں انگریز اور عیسائی سب قلعے میں بند ہو گئے، تمام چھاؤنی اور خزانے پر کوٹہ کنٹنجنٹ کے سپاہی پہرے پر مقرر کیے۔ اسی کوٹہ کنٹنجنٹ رسالے کو مقابلے کے لیے بھیجا گیا مگر جیسے ہی انقلابی فوج سامنے آئی، اس رسالے کے سپاہیوں نے انگریزوں سے کہا کہ "تم رسالے میں سے چلے جاؤ، ہم سے نوکری کے واسطے دین نہیں چھوڑا جاتا" یہ کہہ کر "دین دین" کہتے ہوئے باغی فوج میں جا ملے۔

۳ر جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے قلعے میں پناہ لی۔ ڈاکٹر سین نے لکھا ہے کہ انگریزوں نے یہاں بغاوت کو مسلمانوں کی تحریک سمجھ کر مذہبی اختلافات کو ہوا دینا چاہا، گوالیار اور بھرت پور کے جاٹ اور مرہٹہ دستے طلب کیے۔ بھرت پور کے دستے تو پوری طرح مسلح نہ تھے اور گوالیار کے دستوں پر بھروسہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں بھرت پور کے دستوں نے نیمچ کے باغی سپاہ کا مقابلہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ۵ر جولائی کو نیمچ اور نصیر آباد کے باغی دستے آگرہ پہنچے تو کوٹہ کنٹنجنٹ بھی باغی ہو گئی، موضع شاہ گنج پر انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ باغی فوجوں میں آزمودہ اور قواعد داں سپاہی تھے اور ایک پلٹن کی کمان شیخ نیاز علی صوبیدار کر رہا تھا جس کے دونوں ہاتھ جنگ میں زخمی ہو گئے تو دوسرے انقلابی سردار نے الور کی سپاہ کو للکارا کہ "تم کیسے دین کے شریک ہو، ہماری مدد نہیں کرتے" اُنہوں نے جواب دیا کہ "ہمارے ہتھیار تم نے چھین لیے اور قیدی بنا کر رکھا ہے ہم کیا مدد کر سکتے ہیں" چنانچہ اس سردار کمانڈر نے انھیں ہتھیار واپس کر کے آزاد کر دیا کہ جو چاہو کرو اسی دوران ایک انقلابی دستے نے جو دائیں طرف سے بڑھا تھا، اچانک حملہ کیا، اِدھر

الور کی فوج نے توپ کی زد پر رکھ لیا جس سے انگریزی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے، انقلابیوں نے پیچھا کیا اور گورے بمشکل تمام بھاگ کر قلعے میں واپس پہنچے۔ عوام نے یہ خبر پاتے ہی انگریزوں کے بنگلوں اور سرکاری دفتروں میں آگ لگادی۔ عیسائی آبادی (چھ ہزار) بھی قلعے میں بند ہوگئی جس کا محاصرہ نہیں کیا گیا۔ باغی فوجیں ایک دو دن ٹھہر کر متھرا کے راستے سے دہلی روانہ ہوگئیں۔ متھرا پر سیٹھ لکھمی چند نے کل فوج کی دعوت کی اور تین لاکھ روپیہ دیا، فوج آگے بڑھی۔ بھرت پور سے آگے قصبہ ہوڈل اور کوسی پر انگریزی فوج سے پھر مقابلہ ہوا جن کے ساتھ جے پور، بھرت پور وغیرہ کے والیان ریاست کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ سب فوجیں شکست کھا کر بھاگیں۔ مشہور ہے کہ شہزادہ فیروز آگرے ہی میں مقیم رہا اور باغی لشکر کے ہمراہ دہلی نہیں گیا۔ فتحپور سیکری میں حضرت شیخ سلیم چشتی رح کا مزار ہے۔ یہاں ان کی اولاد کے افراد بھی انقلابی جذبات رکھتے تھے چنانچہ عبدالحی جو اُس وقت مزار کے منتظم تھے مع خاندان بغاوت میں شامل ہوئے۔ اُنھوں نے نیمچ کے انقلابیوں کو پیغام بھیجے کہ وہ آگرے پر حملہ کریں اور ان کی مدد بھی کی، تحصیلدار کو گرفتار کر لیا اور بہادر شاہ کی حکومت کا اعلان کیا[۱]۔ فتحپور سیکری کے انقلابیوں کا سردار لال خاں میواتی تھا جس کی رہنمائی میں یہاں کے میواتی کافی عرصے تک بغاوت کرتے رہے۔ دھول پور کے انقلابی بھی یہاں آگئے تھے اور انگریزی فوجوں سے تصادم میں بلندی پر واقع عمارتوں سے بیحد استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ فروری ۱۸۵۸ء

۱؎ انگریزی قبضے کے بعد عبدالحی یہاں سے باہر چلے گئے اور امن بحال ہونے پر واپس آئے۔ سزا سے تو بچ گئے لیکن الاؤنس (وظیفہ) ضبط ہوا اور عہدے سے برخاست ہوئے۔

Proceeding Indian Historical Record Commission vol.21 p. 3 (1944)

میں انقلابیوں کی آخری پارٹی نکالی جاسکی۔

مفتی انتظام اللہ شہابی نے اپنی کتاب "غدر کے چند علماء" میں لکھا ہے کہ آگرے پر حملہ کرنے والی فوجوں کی رہنمائی شہزادہ فیروز کر رہا تھا لیکن "قیصر التواریخ" کا بیان ہے کہ شہزادے نے دہلی کی شکست کے بعد آگرے پر حملہ کیا۔ ڈاکٹر حسین نے بھی یہی لکھا ہے اور یہی قرین قیاس ہے کہ شہزادہ مع فوج ۶را اکتوبر ۱۸۵۷ء کو آگرے میں داخل ہوا اور اس کے چند روز بعد (۱۰را اکتوبر) گرتھیڈ اپنی فوج لے کر آیا۔

آگرے کے انگریز حکام نے اپنی فوجی طاقت کی نمائش کے لیے دستے روانہ کیے مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہ دستے صرف ہاتھرس تک گئے، غازیوں سے ایک ناکام تصادم ہوا اور واپس آگئے۔ ان کے واپس آتے ہی شہر پر انقلابیوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ ۹ر ستمبر کو کول وِن کا انتقال ہوگیا چند دن بعد دہلی پر انگریزی قبضے کی خبر آئی لیکن اس کے ساتھ ہی دہلی کے انقلابی متھرا پہنچ گئے اور کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کیدھر جائیں گے، اندور کے انقلابی پہلے ہی دھول پور میں موجود تھے۔ اگر دونوں مل کر قلعے پر دھاوا بولتے تو انگریزوں کی جان پر بن جاتی۔ مگر دہلی کے انقلابیوں نے جمنا پار کی، اندور والے آگے نہ بڑھے۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں گرتھیڈ اس علاقے سے انقلابیوں کو نکالنے کی مہم پر آیا جس کو اندور کے انقلابیوں نے آگے بڑھ کر اچانک جنگ پر مجبور کر دیا۔ لیکن انقلابیوں کو شکست ہوئی اور آگرہ انگریزی قبضے میں آگیا۔ اس کے بعد شہر کے انقلابی عوام کے حالات جاننے کے لیے پادری فلرٹن کا چشم دید بیان سُنیے:

"جن جن لوگوں سے ہم ملے وہ ہمیں بے شک انگریزی فوج کی موجودگی اور اقتدار دوبارہ قائم ہونے پر بے چینی اور کرب کے عالم میں نظر آتے تھے۔ سب سے زیادہ افسوس تو یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی اُن تیاریوں کو کبھی نہ چھپایا جو انگریزی فوج سے مقابلے کے لیے کر رہے تھے جبکہ وہ ان کے سر پر موجود تھی" [1]

---

[1] 1. LUCAS: Memories p. 154

آگرے کے انقلابی جذبات

پادری فلرٹن کے مذکورہ بیان کے علاوہ انگریز حکام کی رپورٹیں بھی عوام کے جذبات کی عکاسی کرتی ہیں، چنانچہ
ڈبلیو میور نے بمبئی ٹائمز کو ایک خط (۱۲ر جون ۱۸۵۷ء) میں آگرے کے حالات تحریر کیے جس میں یہ بتانے کے بعد کہ آگرے کے عوام میں بغاوت کے جذبات اور سازشیں موجود تھیں، لکھتا ہے:

"اپنی انتہائی ذلیل ذہنیت کی بدولت وہ لوگ تمام ہندوستانیوں کے دلوں میں بغاوت کی آگ بھڑکانے میں کامیاب ہوئے اور عیسائیوں کے خلاف سخت دشمنی کے جذبات بیدار کر دیئے۔" [1]

شہری عوام کے ساتھ گاؤں کے لوگ بھی بغاوت میں شریک تھے۔ عام طور پر یہ شعر پڑھا جاتا اور انگریزوں کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا:

نہ ایران نے کیا نہ شاہِ روس نے
انگریز کو تباہ کیا کارتوس نے [2]

خفیہ رپورٹوں میں لکھا گیا ہے کہ ہر گاؤں ایک چھوٹا سا قلعہ بن گیا دیہاتی عوام جو باغیوں سے ہمدردی رکھتے تھے اُن کے ساتھ ہی بیک وقت بغاوت پر اُٹھے اور شاہ دہلی کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ [3] آس پاس کے تمام علاقوں میں بغاوت پھیل گئی تھی۔ فیروزآباد کے علاقے میں تو فروری ۱۸۵۸ء میں بھی بڑے حصے میں بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ [4]

---

1. Freedom Struggle in UP vol.5 pp. 696-700 ــــہ ۱
2. Record of Intelligence Deptt. NWFP Vol.1 p. 454 ــــہ ۲
3.,4. Freedom Struggle in UP vol.5 pp. 415, 914 ــــہ ۳

سوراؤں کے سنگرام سنگھ نے انقلابیوں کی راہ نمائی کی۔ لال رتن سنگھ نے ساکیت میں اور حسن مرزا نے علی گنج میں اقتدار حاصل کر لیا اور نواب فرخ آباد کی طرف سے بحیثیت تحصیلدار کام کیا۔ کاسگنج انقلابیوں کا خاص مرکز بن گیا یہاں اسد علی خاں بہ طور تحصیلدار مقرر ہوئے۔ دسمبر میں مُلسی کے مقام پر سمٰعیل خاں (پسرولی داد خاں) سے انگریزی فوج کا تصادم ہوا اور پھر پٹیالی پر۔

آگرے کے انقلابی سرداروں میں سید کرم علی کو جو بغاوت سے پہلے ٹرانسپورٹ کے محکمے میں ملازم تھے، جرم بغاوت میں پھانسی دی گئی اور ان کا محلہ قاضی پاڑہ مسمار رہوا (مزار قلعہ آگرہ کے پُل پر ریلوے لائن کے پاس ہے)۔ سید اکبر زماں عالم و فاضل تھے، مجید تخلص کرتے تھے، آگرہ کالج اور فوجی محکمے میں منسلک رہے۔ مولانا احمد اللہؒ کی مجلس علماء کے رُکن اور خفیہ سازشوں میں شریک تھے۔ غالباً کالے پانی کی سزا ہوئی۔ لال خاں میواتی نے انقلابیوں کی رہ نمائی کی اور جنگوں میں حصہ لیا، گر تھیڈ کے حملے میں شکست کے بعد فتح گڈھ چلے گئے جہاں نومبر ۵۸ء تک جنگوں میں شریک رہے۔ دولہ شاہ تارکش نے بھی آگرے کے معرکوں میں حصہ لیا، انھیں پھانسی ہوئی۔ میر صفدر علی وکیل کو بھی پھانسی ہوئی۔[1]

متھرا میں نمبر ۴۴ اور ۶۷ رجمنٹ نے ۳۰ مئی ۵۷ء کو بغاوت کی جیل گارڈ دستہ بھی شریک ہو گیا جس کے بعد پورا علاقہ تیزی کے ساتھ بغاوت کی لپیٹ میں آگیا۔ عوام نے انگریزی راج کو درہم برہم کر کے نیا نظام قائم کیا اور بہادر شاہ کی حکومت کا اعلان کر دیا۔[1] جب نیمچ کے انقلابی دستے ۵ رجولائی کی جنگ میں انگریزوں کو شکست دے کر چلے گئے تو دیبی سنگھ نے چند گاؤں پر اپنے اقتدار کا اعلان کیا۔ سری رام بھی بغاوت کا سرغنہ تھا۔[2] اس علاقے کے دیگر زمیندار راجاؤں نے بھی ایسا ہی کیا۔ دیوکرن نے تحصیل اور تھانے لوٹے۔ ستمبر ۵۷ء میں کرامت علی کو شاہ دہلی کا گورنر قرار

لہ 1.2. CHAUDHURI: pp 81-83

لہ ۲ سری رام اور دیبی سنگھ کو پھانسی ہو Freedom Struggle in UP vol.5 p.696
آگرے کے محمد شاہ کو کلکتہ بھیجا گیا۔

دے کر انقلابی حکومت قائم کی گئی جو گرتھیڈ کے حملے پر ختم ہوئی۔ اس دوران میں متھرا سے شمال مغرب میں چھتا کے مقام پر یہاں کے انقلابی زمیندار آخیر تک انگریزوں کے مقابلے پر جمے رہے اور ۵۷ء کے خاتمے تک ان علاقوں میں امن قائم نہ ہو سکا۔ آگرے کی پولیس بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ مراد علی کوتوال اور شارت علی سپرنٹنڈنٹ نے کھلم کھلا شاہ دہلی کی حکومت کا اعلان کیا۔ داروغہ وزیر علی نے ایک تحصیل کو لوٹنے میں حصہ لیا۔ گوجر سردار دیوہنس (ساکن دھول پور) نے تین ہزار فوج جمع کر کے ارادت نگر کا تحصیل اور تھانہ لوٹا۔ ۹ جولائی ۵۷ء اس کے ساتھ بھوانی شنکر بھی اسی طرح کی سرگرمیوں میں مصروف تھا۔ فیروز آباد۔ خیرا گڈھ۔ فتح آباد وغیرہ کی تقریباً تمام آبادی عملی طور پر بغاوت میں شریک تھی۔ کبھرا کا گوجر زمیندار لچھمن سنگھ اپنے علاقے میں بغاوت کا لیڈر تھا مجسٹریٹ ہیوم کی رپورٹ کے مطابق جن مقامی زمینداروں نے بغاوت کی رہ نمائی کی ان میں کرولی کے رانا مہندر سنگھ رورو (Ruro) کے راجہ۔ بہریہہ کے روپ سنگھ۔ سکندرہ کے راجہ بھاؤ چکرا نگ کے نرنجن سنگھ۔ رام پرشاد اور ریتم سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے چند راجاؤں نے اکتوبر ۵۷ء میں گوالیار کی باغی فوجوں کی امداد کی جو یہاں حملہ آور ہوئیں۔ سامیتھر کے قلعے پر مختلف زمینداروں نے زبردست مقابلہ کیا۔[1] کچھ زمینداروں نے نواب فرخ آباد کو یہاں آنے کے لیے پیغام بھیجے جس کا ناظم ۳ دسمبر ۵۷ء کو پہنچا اور انگریزوں کے وفادار کنور زورا ر سنگھ کو شکست دی۔ اگرچہ اٹاوہ ۶ جنوری ۵۸ء کو انگریزی قبضے میں آ گیا لیکن انقلابی زمینداروں کو عرصہ

---

1. CHAUDHURI: pp. 81-83 — ۱؎

Freedom Struggle vol.5 p. 696

2. Hume's Report quoted by Kaye vol.3 p.223 (Chaudhuri 85) — ۲؎

تک دبایا نہ جا سکا۔ روپ سنگھ (بھریہ کے راجہ کا چچا) نے اورایہ (Auraiya) پر قبضہ کرلیا اور ۷ فروری ۵۸ء کو ایک سخت خوں ریز معرکے کے بعد بھی اسے ہٹایا نہ جا سکا۔ اس کے فوجی دستوں نے شیراگڈھ کے گھاٹ پر کشتیوں کے پُل پر پہرہ لگایا اور کالپی کے انقلابیوں سے رابطہ قائم کرلیا۔ اُدھر چمبل ندی اور جمنا کے درمیانی علاقوں میں چکرا نگر کے خوشحال سنگھ اور اس کے بیٹے نرنجن سنگھ نے قبضہ کر رکھا تھا۔ [1]

اعتماد پور میں ہمت پور کے زورآور سنگھ نے انقلابیوں کی سربراہی کی تحصیل کو لوٹا۔ فتح آباد کے گاؤں میں میگزین اور توپیں وغیرہ جمع کی گئیں۔ جے دیال اور منگل سنگھ نے گاؤں کے عوام کو منظم کیا۔ گنگا سنگھ نے لکشمن پور میں بغاوت کی رہنمائی کی۔ مارچ ۵۸ء میں اِٹاوہ سے ۲۵ میل دور اجیت مل پر قبضے کے لئے جنگ شروع ہوئی، قرب و جوار کے عوام نے فوج تیار کرکے انگریزی فوجوں پر زبردست حملے کیے۔ ۱۱ اپریل ۵۸ء کو انقلابیوں نے یہاں جمع ہوکر مقابلہ کیا اور گھسان کی جنگ کے بعد پسپا ہوئے مگر نرنجن سنگھ نے جمنا پار کرکے گوہانی میں مورچہ بنالیا ابھی تک اجیت مل پوری طرح قبضے میں نہ آیا تھا کہ مئی ۵۸ء میں پھر لال پوری گوشائیں (نانا صاحب کا پروہت پیغام بر) رُوپ سنگھ اور نرنجن سنگھ حرکت میں آگئے۔ نرنجن نے پھپھوند کو لوٹ لیا۔ آخر کالپی کی شکست (۲۳ مئی ۵۸ء) کے بعد ان کے حوصلے پست ہونے لگے لیکن اکتوبر ۵۸ء تک جدوجہد کسی نہ کسی طرح جاری رہی اور ۷ دسمبر ۵۸ء کو فیروز شاہ کے یہاں پہنچنے پر پھر بغاوت کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں۔ ۸ دسمبر کو ہرا چندرا پور پر فیروز شاہ نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ [2]

---

[1] Hume's Report quoted by Kaye vol.3 p. 223 (Chaudhuri 85)

CHAUDHURI: p. 85

[2] CHAUDHURI: p. 86

فرخ آباد اور فتح گڑھ

۱۷۷۷ء سے فتح گڑھ میں انگریزی فوج کی چھاؤنی بنائی گئی تھی اور ۱۸۰۱ء کے معاہدے سے یہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آیا۔ نواب کی پنشن (۱۰۸۰۰۰ روپیہ) مقرر کر دی گئی اور وہی سب کچھ ہوتا رہا جس نے اودھ اور روہیل کھنڈ کے عوام کو تنگ کر کے "بہ جنگ آمد" کا مصداق کر دیا تھا۔ ۱۴ مئی کو فرخ آباد کے علاقوں میں میرٹھ کی خبریں پہنچیں۔ نیٹو انفنٹری نے فتح گڑھ میں بغاوت کی۔ مئی کے آخر تک چاروں طرف بغاوت کے شعلے بلند ہو گئے تھے اور شہر و دیہات کے عوام ہتھیار سنبھال چکے تھے۔ جون ۵۷ء کے شروع میں یہ بات بالکل عیاں ہو گئی کہ فرخ آباد کے نواب تفضل حسین خاں[۱] انقلابی رجحان رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہاں ۴ر جون کو بغاوت کے بعد ۱۸ر جون ۵۷ء کو باقاعدہ تاج پوشی کر کے حکمراں بنا دیا گیا۔ انگریز قلعے میں قید ہو گئے۔ ایک انگریز افسر کی بیوی (مسز ہگنبیل) کا بیان ہے کہ "میرے شوہر نے مجھے نواب سعادت خاں کی پناہ میں دے دیا تھا جو بغاوت میں شریک تھے مگر اس کے باوجود پناہ گزینوں کی حفاظت بھی کی۔"

عوام کے جذبات یہاں بے حد مشتعل تھے۔ ہومز نے لکھا ہے کہ صوبے کے شمال و مغرب علاقوں میں اتنے جوشیلے اور امن دشمن لوگ کہیں نہ تھے جتنے کہ فرخ آباد میں تھے۔ انقلابی حکومت قائم ہونے کے بعد اشرف خاں۔ ملتان خاں۔ حیدر علی۔ محمد تقی نواب کی پریوی کونسل کے رکن بنائے گئے کہا جاتا ہے کہ نواب اشرف خاں یہاں بغاوت کے روح رواں تھے۔ وہ نواب کے مشیر خاص کے عہدے پر متمکن ہوئے[۲] معصوم علی۔ مراد علی۔ محسن علی اور احمد یار خاں مختلف علاقوں کے ناظم بنائے

---

[۱] نواب تفضل حسین خاں نصرت جنگ کے بیٹے اور تجمل حسین خاں کے بھتیجے تھے جن کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ ۳ر دسمبر ۱۸۴۶ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۸۵۸ء میں ان کے پاس تین ہزار کے قریب فوج تھی فرخ آباد کے کلکٹر نے انہیں سنجیدہ مزاج المصوری کا ذوق رکھنے والا، بہترین منتظم اور خوش اخلاق بتایا ہے۔

[۲] بعض جگہ یہ نام عشرت خاں ہے۔ دہلی کے ساکن، انگریزی پنشن یافتہ اور بنگش کے نواب خاندان سے تھے، کچہری کے تمام انتظامات سنبھالے۔

گئے، تقریباً آٹھ ہزار فوج جمع کی گئی۔ وزیر علی نواب کے نائب تھے۔ احمد یار خاں نے جو تقریباً ڈیڑھ دو ہزار آدمی لے کر آئے تھے مہو دروازے کے پاس قیام کیا ان کے ساتھ نمبر ۱۰ این آئی کے افسران صوبے دار امیر خاں اور امام بخش بھی تھے انھوں نے نواب کو بُلا کر انھیں بغاوت میں حصہ لینے پر آمادہ اور مجبور کیا۔ نواب نے تامل کیا تو انھیں دھمکی دے کر مجبور کیا گیا انھوں نے کچھ دن بعد اپنا آدمی انگریزوں کے پاس فتح گڈھ بھیجا کہ وہ جو کچھ کر سکتے تھے کیا اب وہ باغیوں کے قبضے میں بے بس ہیں تھارن ہل نے ۲۲ جون ۱۸۵۷ء کو اس پیغام کا جواب دیا۔ نواب اپنے زنانے مکان میں خاموش بیٹھے رہے تو احمد یار خاں اُن کے گھر پر گئے، تمام افسران فوج نے جن میں مہو کے پٹھان سردار، آغا حسین، گنگا سنگھ اور ایک ڈوبے سردار شامل تھے، نواب کا حکم ماننے کا عہد کیا اور فتح گڈھ کے انگریزوں پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ فتح گڈھ میں نمبر ۱۰ این آئی اور پولیس نے سیتاپور کی باغی فوج کے یہاں پہنچنے پر انہی کے اشارے سے بغاوت کی اور خزانے پر قبضہ کیا۔ انگریزوں نے قلعے میں یا اِدھر اُدھر بھاگ کر جان بچائی۔ کچھ کانپور کو بھاگے اور کچھ کو ایک زمیندار ہردیو بخش نے پناہ دی۔ بھاگتے ہوئے انگریزوں پر گاؤں والوں نے جگہ جگہ فائرنگ کی۔ قلعے میں پناہ لینے والوں پر محاصرہ کر کے فائرنگ کی گئی اور پھر سُرنگ لگا کر اُڑانے کی کوشش کی گئی کئی انگریز افسر مارے گئے اور آخر کار یہاں سے بھاگ نکلے (۴ جولائی ۱۸۵۷ء) تو پیچھا کیا گیا کشتیوں پر بیٹھ کر بھاگتے انگریزوں پر فائرنگ کی گئی۔ گاؤں والوں نے بھی انھیں نشانہ بنائے بغیر نہ چھوڑا جن کے سردار گنگو سنگھ اور چھتر سنگھ تھے۔ غلام علی خاں سابق کوتوال محمد آباد اب فرخ آباد کا کوتوال تھا۔ جس نے قلعے کے محاصرے میں مدد کی، عیسائیوں اور انگریزوں کو گرفتار کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ مہاجنوں اور بنیوں میں کافی ہر دل عزیز تھا اُس نے بغاوت کے دوران اعلان کر دیا کہ گائے ذبح نہ ہو اور قصائیوں پر ٹیکس عائد کیا[1]۔ ٹھاکر جگت سنگھ پانڈے فتح گڈھ کا کلکٹر بنایا گیا۔ گنگا سنگھ اور آغا حسین اس کی مدد کے لیئے دیئے گئے۔ کورٹ کے ممبران

۱؎ 1. Freedom Struggle in UP vol.5 pp. 743-760

میں گنگا سنگھ، شیو غلام ڈکشٹ اور پنڈت پمبر بھی شامل تھے۔[1] مفتی کورٹ میں احمد علی، عبدالواحد اور ایک قاضی شریک تھے۔ سابق حکومت کے تمام اہلکاروں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ ان کے علاوہ لیکھا سنگھ (الہ گنج) اور بھوانی کے پولندر سنگھ نے سیتا پور کے آئے ہوئے باغیوں کی مدد کی۔[2] اس علاقے کے انقلابیوں کی ہمت اور شجاعت کی کہانی متعدد سرکاری رپورٹوں میں بیان کی گئی ہے خصوصاً اسمٰعیل خاں محسن علی۔ نرمل سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ چار بار نواب کی فوج نے مقابلے کیے۔ پہلے ۲۳ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کو قنوج پر کھپر کا سنگج، پٹیالی، (۱۴ر، ۲۷ر دسمبر) اور آخر میں کالی ندی پر ۲ر۳ر جنوری ۱۸۵۸ء کو۔ اسی جنگ میں ٹھاکر پانڈے کام آیا۔ ایک اور انقلابی سردار نظیر علی خاں نے فرخ آباد میں جم کر مقابلے کیے۔ فتح گڈھ کی شکست کے بعد بھی جنرل نیاز محمد خاں کیمپ میں داخل ہوئے جنھیں ہوپ گرانٹ نے ۱۰ر جنوری کو شکست دی۔ اس کے بعد معصوم علی کی فوج بھی شکست کھا کر منتشر ہو گئی۔ اس دور کے انگریزوں کی رائے کے مطابق "ہر ہندوستانی انگریز کا دشمن بنا ہوا تھا اور وہ چاروں طرف باغیوں سے گھر گئے تھے"۔[3]

دہلی کی شکست کے بعد فرخ آباد اور فتح گڈھ انقلابیوں کا خاص مرکز بن گئے تھے۔ جنرل بخت خاں بھی یہاں آکر ٹھہرے۔ شہزادہ فیروز۔ ولی داد خاں اور راجہ تیجا سنگھ (مین پوری) یہاں کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ فیروز شاہ اور کوچک سلطان ۲ر جنوری ۱۸۵۸ء تک مقیم

---

1. CHAUDHURI: pp.87-89
2. Narrative of Events vol.1,2 (Chaudhuri: 88-89)
3. The "Englishman" Dec.17,1857 quoted by Chaudhuri

تھے۔ (نواب کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوئے) آخرکار فرخ آباد کو تین طرف سے انگریزی فوجوں نے آگھیرا دہلی سے سیٹن (Seaton) کی فوج بڑھی، کمانڈر انچیف کیمپل نے وال پول کو مین پوری کی طرف سے بڑھایا اور خود گنگا کی طرف سے حملہ کیا۔ ہڈسن کی فوج بھی ساتھ ہوگئی۔ راستے میں ان کا مقابلہ نہیں ہوا صرف چھبرامئو پر ۲۷ سواروں کو انقلابیوں نے کاٹ ڈالا اور کالی ندی کا پُل توڑ دیا۔ انگریزوں نے پُل کی مرمت کی تو چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی لیکن یہ اس وقت ہوئی جب پُل کی مرمت ہوچکی تھی اگر پُل کی مرمت سے پہلے انقلابی فائرنگ کرتے تو انگریزوں کو نہ صرف پُل بنانا دشوار ہوجاتا بلکہ اُن کے قدم بھی اُکھڑ جاتے۔ آخرکار چاروں طرف سے گھر جانے پر نواب کی فوجوں کو شکست ہوگئی (۳ جنوری ۱۸۵۸ء) نواب تفضل حسین نے قلعہ خالی کردیا اور اودھ جانے کا فیصلہ کیا۔ اُنھوں نے کچھ جنگی سامان ساتھ لیا اور باقی کو آگ لگادی۔ لیکن پھر بھی گورڈون الگزینڈر، جو اس موقع پر موجود تھا، کہتا ہے کہ یہاں کم از کم ایک لاکھ پونڈ کی مالیت کے سامان کے علاوہ جنگی سامان، میگزین، بارود اور فیکٹری بدستور تھی جو انگریزوں کے ہاتھ لگی۔ [1]

نواب تفضل حسین خاں فرخ آباد سے نکل کر اودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگوں میں شریک رہے جس کا ذکر ان علاقوں کے بیان میں کیا جارہا ہے۔ مئی ۱۸۵۸ء میں انگریزوں کی طرف سے ان کی گرفتاری کے لیے دس ہزار روپے کا اعلان کیا گیا۔ جون ۱۸۵۸ء میں وہ نیپال چلے گئے لیکن راجہ نیپال کی دغابازی نے وہاں بھی نہ رہنے دیا۔ (مزید حالات کے لیے علیحدہ باب "آخری دور" ملاحظہ ہو)

لہ 1. ALLEXANDER(Cordon): Recollections of a Highland Subaltern, p.194-95

SEN (S.N): pp. 234-236

ان کے ساتھیوں میں محسن علی اپریل میں ایک جنگ میں کام آئے۔ ٹھاکر پانڈے کا بھی یہی انجام ہوا[1]۔ وزیر علی کو گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ ڈمبر سنگھ (راجہ ایٹہ) دسمبر ۱۸۵۸ء میں انتقال کر گیا سہادر کے محمد علی چودھری دسمبر ۱۸۵۹ء میں پٹیالی کے قریب گرفتار ہوئے ان کے پاس سے باغیانہ خط و کتابت اور کاغذات برآمد ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ وہ انقلابی سرداروں سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے اور انھوں نے فرخ آباد کے انقلابیوں کی امداد بھی کی، اپریل ۱۸۵۹ء میں مقدمہ چلا کر گولی ماردی گئی۔ نہال سنگھ اپریل ۱۸۵۸ء میں گرفتار ہوا وہ رام بہادر کے ساتھ کچھ عرصہ روہیلکھنڈ میں رہا پھر اپنے وطن ایٹہ لوٹ آیا اور یہاں بغاوت دوبارہ منظم کرنے کی کوشش کر رہا تھا[2]۔ فرخ آباد کی شکست کے بعد بھی انقلابی حوصلے پست نہ ہوئے اور انھوں نے قائم گنج پر قبضہ کر لیا پھر فروری ۱۸۵۸ء میں شمس آباد پر سخت گھمسان کی جنگیں ہوئیں۔ نیاز محمد خاں نے کیمپل میں ہوپ گرانٹ کو شکست دی۔ فروری ۱۸۵۸ء میں سورج پور کا راجہ۔ تیج سنگھ اور دوسرے جاگیرداروں کے علاوہ ولی داد خاں بھی آ گئے تھے محسن علی میورا گھاٹ بلگرام پر تھے۔ نرمل سنگھ مہدی گھاٹ پر حشمت علی کے دستوں کی کمان کر رہا تھا منصب علی بھی قریب موجود تھے۔ تمام گھاٹوں پر حملے کا پلان تھا اور آپس میں پورا رابطہ قائم تھا ملتان خاں کی کمان میں تین بار کیمپل پر حملے کیے گئے۔ (مارچ اپریل ۱۸۵۸ء)[3]

---

[1] اخبار فرینڈ آف انڈیا کی خبر تھی کہ نواب فرخ آباد نانا صاحب سے برابر خط و کتابت کرتے رہے تھے۔ (فریڈم اسٹرگل یوپی / ۲۶-۹۲۴)

[2] 2. Freedom Struggle in UP vol.5 p.887,940

[3] نرنجن سنگھ ۹ مئی ۱۸۶۱ء کو مع ساتھیوں کے گرفتار ہوا۔ ملتان خاں کو سات سال قید (جولائی ۱۸۶۱ء) کی سزا ہوئی۔ احمد یار خاں بھی گرفتار ہوئے۔ اپریل ۱۸۵۸ء کی جنگوں میں محسن علی کام آ گئے جنج سنگھ (ازبت

مین پوری۔اٹاوہ اور ایٹہ

علی گڑھ میں بغاوت کی خبریں جب ۲۳ مئی ۵۷ء کو مین پوری اور اٹاوہ پہنچیں تو یہاں بھی عوام بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ مین پوری کے حکام نے ایک شخص اجے ناتھ سنگھ کے جیونتی جانے کی خبر سنی۔ یہ شخص میرٹھ کی بغاوت میں حصہ لے چکا تھا۔ اس کی گرفتاری کے لیے سپاہی بھیجے گئے جنھوں نے اس کو جیونتی سے ہٹادیا اور افسران سے آکر کہہ دیا کہ یہاں اس نام کا کوئی نہیں۔ بغاوت کے بعد یہاں کی باغی فوج خزانہ اور میگزین لے کر دہلی چلی گئی۔

یہاں راجہ تیج سنگھ انقلابیوں کے ساتھ تھا۔ مین پوری کے تمام علاقے مثلاً بھوگاؤں، بنی گنج کُروَلی وغیرہ کے عوام نے فوج کے ساتھ بغاوت میں حصہ لیا۔ نمبر ۱۹۔ این آئی نے ابتدا کی، خزانے پر حملہ ہوا۔ بھوگاؤں کا تحصیل اور تھانہ لُوٹا گیا۔ راجہ تیج سنگھ چوہان راجپوت سردار تھا۔ اُسے ۱۸۴۰ء کی انگریزی اصطلاحات کی بدولت کافی نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ وہ خفیہ طور پر انقلابی تحریک اور سازش میں شریک رہا[1] اُس کا ایک عزیز راؤ بھوانی سنگھ وفاداری، کا دم بھر رہا تھا۔ تیج سنگھ اُس زمانے میں نینی تال میں تھا واپس آکر اُس نے انگریزوں کو یقین دلایا کہ وہ امن قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ کچھ دن بعد ساگر کی انقلابی سپاہ مین پوری آگئی۔ خیال یہ تھا کہ راجہ نے اُنھیں بلایا تھا۔ انگریزوں نے مدد چاہی تو تیج سنگھ نے کہلوادیا کہ اسے اپنے ساتھیوں پر بھروسہ نہیں ہے لہٰذا انگریز آگرے کو فرار ہوگئے اور راجہ نے ۲۹ جون ۵۸ء تک تمام انتظام سنبھال لیا، تھانہ تحصیل مقرر کی ٹیکس وصول کیے، آس پاس کے انقلابیوں کی مدد

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ)

سنگھ کا بھائی) اجودھیا سنگھ۔ امراؤ سنگھ۔ گنگا سنگھ وغیرہ پر مقدمات چلائے گئے۔

له 1. Freedom Struggle UP vol5 pp. 663-64

CHAUDHURI: p.84

کی اور اعلان کیا کہ اگر کوئی انگریزوں کا جاسوس پایا گیا تو سخت سزا پائے گا۔ [1]
جب ہوپ گرانٹ کی فوج اکتوبر ۵۸ء میں یہاں سے گذری تو تیج سنگھ ہٹنے پر مجبور ہو گئے لیکن پھر فوراً واپس آئے اور انگریز کے 'وفادار' بھوانی سنگھ کو بھگا دیا جس نے آگرے میں پناہ لی۔ اپریل ۵۸ء میں انھوں نے مین پوری ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ وہ نواب فرخ آباد کے ہمراہ اودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگوں میں برابر حصہ لیتے رہے۔[2] ٹھاکر اکبر سنگھ بھی مین پوری کا انقلابی سردار تھا۔ جس نے بغاوت کی رہنمائی کی۔

اٹاوہ میں (آگرے سے نستر میل) بغاوت بڑے پیمانے پر تھی۔ سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ چند ہی ضلعوں میں بغاوت اتنی نمایاں رہی جتنی کہ یہاں تھی۔ یہاں کے کلکٹر ایلن ہیوم نے ایک خاص فوج بنا کر سڑکوں پر تعینات کی لیکن جب میرٹھ کے انقلابیوں نے جسونت نگر کا محاصرہ کیا (۱۹ر مئی) تو ہیوم کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ جون ولیم کا بیان ہے کہ عوام نے پوری طرح متحد ہو کر انقلابی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ سپاہ نے ہتھیار رکھدینے کے حکم پر بظاہر تو ہتھیار رکھدیئے لیکن پھر اچانک اٹھا لیے، انگریز افسروں کو قتل کر دیا اور ایک مندر میں پناہ لی۔ یہ دیکھ کر ڈنیل کچھ فوج لے کر آیا اور مندر پر حملے کا حکم دیا لیکن سوائے ایک کے کوئی اور آگے نہ بڑھا اور ڈنیل کے ساتھ اس کے اس دیسی فرماں بردار کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ۲۳ر مئی کو تمام دیسی فوج نے بغاوت کر دی، انگریزی کیمپ پر حملہ کیا، خزانہ لوٹا، جیل توڑا اور دہلی روانہ ہو گئی۔ بیچارے کلکٹر کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ زنانے لباس میں فرار ہو جائے۔ دیسی سپاہ کے ساتھ ہی شہری اور دیہاتی عوام میواتی، جولاہے، راج پوت وغیرہ بغاوت

---

1. Freedom Struggle UP vol5 pp. 663-64 ؎۱

CHAUDHURI: p. 84

؎۲ تیج سنگھ نے ایٹہ پر حملے کا ارادہ بھی کیا لیکن فوج ناکافی ہونے کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ کنور روپ سنگھ نے انھیں آخر کار ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا (۱۱ر جون ۵۹ء)، پنشن دیکر بنارس بھیج دیا گیا۔ (سین / ۳۶۳)

میں شامل ہوئے[1]۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں علی گڈھ کے برہمن کی قربانی کی خبریں آنے پر ۲۳ مئی ۱۸۵۷ء کو تمام فوج نے 'ہر ہر مہادیو' کا نعرہ لگایا اور بغاوت شروع ہوگئی۔ سکروّلی کے رانا مہندر سنگھ، بیلہا (Belah) کے راجہ، بہریہ کے روپ سنگھ اسکندرہ کے راجہ بھاؤ، چکر نگر کے نرنجن سنگھ۔ رام پرشاد اور پریتم سنگھ وغیرہ باغیوں کے سردار تھے۔ ساملیتھر کے قلعے پر پرانے زمینداروں نے جم کر مقابلے کیے جن میں سے کچھ نے گوالیار کی باغی فوج کی مدد کی جو اکتوبر ۱۸۵۷ء میں یہاں آئی۔ ۶ جنوری ۱۸۵۸ء کو اٹاوہ پر دوبارہ انگریزی قبضے کے بعد بھی باغی سردار ہمت نہیں ہارے۔ نہ صرف شیر گڈھ گھاٹ پر ان کا قبضہ تھا بلکہ ضلع کے پورے جنوب مغرب علاقے پر قابض تھے۔ کئی بار انھیں ہٹانے کی کوشش ناکام ہوئی روپ سنگھ نے دلیل نگر میں بغاوت کی اور ادرایہ پر قبضہ کیا جسے ۸ فروری ۱۸۵۸ء کو ایک سخت خون ریز جنگ کے بعد نکالا جا سکا۔ انقلابیوں نے کالپی سے رابطہ قائم کر رکھا تھا، چکر نگر پر خوشحال سنگھ اور اس کے بیٹے نرنجن سنگھ کا قبضہ تھا۔ میواتی تاج خاں کی سربراہی میں تھے۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں اجیت مل (اٹاوہ سے ۲۵ میل) پر سخت جنگیں ہوئیں[2]۔

ایٹہ میں علی گڈھ کی خبریں آنے پر پوری دیسی فوج نے شہر چھوڑ دیا۔ جب مین پوری اور اٹاوہ

---

1. Freedom Struggle in UP vol.5 pp.663-64 ؎۱

CHAUDHURI: Civil Rebellion During the Mutinies p. 84

CHAUDHURI: 85

KAYE: vol.3 pp 220-223

SEN: p. 332

SAVARKAR: p. 165

2. CHAUDHURI: p. 86 ؎۲

Freedom Struggle in UP vol.5 p 773

Imperial Gazetteer vol.1 p.455

کے باغی پہنچے تو تمام علاقے میں بے چینی اور بغاوت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ کاسگنج میں ڈمبر سنگھ اور رنگ بہادر نے رہنمائی کی۔ مین پوری کے راجہ کا بھائی درجن سنگھ اس کی مدد کو پہنچا۔ اگست ۵۷ء میں انقلابیوں نے مانک پور پر حملہ کر کے لوٹا۔ انگریزوں نے بھیکم پور کے داؤد خاں کو اگست ۵۷ء میں کاسگنج بھیجا مگر وہ نواب فرخ آباد کے حکام سے مل گیا۔ یہاں نواب کی طرف سے جولائی ۵۷ء میں حسن مرزا کو تحصیلدار، عظیم اللہ کو تھانہ دار مقرر کیا گیا تھا۔ اگست ۵۷ء میں اسد علی خاں تحصیلدار بنا۔ اکتوبر ۵۷ء میں گرتہیڈ کی فوج کے آنے پر باغی یہاں سے ہٹ گئے مگر کاسگنج پر قبضہ کیے رہے[1]

بھٹونا کے پٹھان حرمت خاں۔ علی جان خاں۔ نظام علی۔ محمد حسین اور دل شیر خاں وغیرہ کی رہنمائی میں تھے انھوں نے دیسی سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کیا، سازشیں کیں اور کاسگنج وغیرہ کے علاقوں میں بغاوت کی۔ سہاور کے چودھری محمد علی کے پاس کاغذات برآمد ہونے کا سراغ ملا۔ ان سب کو بعد میں پھانسی ہوئی۔ ضلع ایٹہ کے جن لوگوں کو ضبطی جائداد اور دوسری سزائیں ملیں اُن میں چند یہ تھے:

عظیم اللہ (ساکن علی گنج)
محمد حسین خاں وغیرہ
محمد علی خاں (سہاور)
ہمت علی خاں (سراول)
ٹیکارام (ساکن سمّود)
امانت علی اور تہور خاں
شیر سنگھ اور میگھ سنگھ (ساکنان ملاواں)

---

[1] دسمبر ۵۷ء میں مختلف انگریزی فوجیں بڑھیں تو کرنل سٹین کی فوجوں نے کنگیری (ضلع علی گڈھ) پر باغیوں کو شکست دے کر کاسگنج پر قبضہ کیا۔ (امپیریل گزیٹیر جلد ۱ ص ۴۶۸)

جودھا سنگھ (ساکن تادر باڑی)

فیروز آباد کے بڑے حصے میں فروری ۱۸۵۸ء تک بغاوت دبائی نہ جاسکی تھی۔ انگریز حکام کی خصوصی رپورٹ تھی کہ یہاں کے باشندے ابھی تک ہتھیار سنبھالے ہوئے ہیں۔ زمینداروں نے نمایاں طور پر حصہ لیا۔ وہ اِدھر اُدھر بھاگ جاتے مگر بعد میں پھر جمع ہو کر مقابلہ کرتے تھے۔ ان میں بھدوریہ کا راجہ سب سے اہم تھا جس پر انقلابی سرداروں سے رابطہ رکھنے اور اپنے ہم ذات راجہ گونڈہ سے خط و کتابت کا شبہ تھا۔[1] پرگنہ باہ کی بغاوت میں کچورا کے راجہ نے بھی حصہ لیا۔ ۱۸۵۸ء کے شروع میں انقلابی سردار رحیم علی خاں[2] دوآبہ کے علاقے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ ایٹہ اور سکندرہ راؤ کے درمیان گرانڈ ٹرنک روڈ پر تھا۔ گنگا سنگھ نے موقع پا کر ایک پولیس چوکی پر حملہ کر دیا۔

عام بغاوت اِن علاقوں کی بغاوت کا مختصر احوال انگریز ینڈرڈف کی زبانی سُنیئے، اپنی کتاب میں کہتا ہے:

"The Populace was all in arms..."

تمام آبادی ہتھیار لے کر بغاوت پر کمربستہ تھی۔۔۔۔ دیہات کے ہندو بھی مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مسلمان پورے طور پر اور ہندو آبادی کا تین چوتھائی حصہ باغی تھا۔"

ایک جگہ یہ کہانی وہ اس طرح سناتا ہے:

"یہاں تک کہ دہلی کے آس پاس اور وہ بھی ہمارے دہلی فتح کر لینے کے

---

[1] Freedom Struggle UP vol,5 p. 916

[2] رحیم علی پر آگرے میں مقدمہ چلایا گیا۔ (اکتوبر ۱۸۵۹ء)

ہفتوں بعد حالات کیا تھے؟ ــــــ صرف چند میل کے دائرے میں چاروں طرف ہمارے دشمنوں کے مضبوط قلعہ بند گاؤوں کا سلسلہ تھا جن میں ہزارہا بدمعاش اور زخمی سپاہی وغیرہ اُمڈے آتے تھے"۔ ؎۱

میرٹھ کے قریبی علاقے

میرٹھ میں بغاوت شروع ہونے اور انقلابی سپاہ کے دہلی کی طرف بڑھنے کے حالات ہماری نظر سے گزرے۔ تسلسل قائم رکھنے کیلئے مناسب تھا کہ میرٹھ ڈویژن کے دوسرے علاقوں کے حالات بعد میں بیان کیے جائیں۔

میرٹھ کے دیہات اور قصبوں میں جو زبردست عوامی بغاوت ہوئی وہ سرکاری رپورٹوں سے کسی حد تک سامنے آئی ہے کمشنر ایف ولیم کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بغاوت کی ابتدا ہوتے ہی ان علاقوں کے عوام نے بعض جگہوں پر فوجی بغاوت سے پہلے ہی جد و جہد شروع کر دی تھی۔ ۱۱، ۱۲ مئی ۵۷ء کو سردھنہ کی تحصیل پر راج پوت اور دوسرے دیہاتی عوام نے حملہ کیا اور قیدی رہا کیے گئے۔ تحصیل بناور میں قلندر خاں کی راہ نمائی میں انقلابی سرگرمیاں رنگ لائیں۔ اکل پور کا راج پوت سردار نرپت سنگھ (جو انتہائی خوب رو اور صحت مند نوجوان تھا) سردھنہ پر حملے میں پیش پیش تھا۔ انگریزوں نے خزانے پر حفاظتی انتظام کر لیا تھا۔ انقلابیوں نے باشندوں پر ٹیکس لگایا۔ جمنا پر کشتیوں کے پل کو تباہ کر دیا، بعض مقامات پر لوٹ مار بھی ہوئی۔ جب اکل پور کو انگریزی فوج نے تباہ کر دیا تو نرپت سنگھ اور اس کے ساتھی یہاں بہادری سے مقابلہ کرتے ہوئے کام آئے انگریزی فوج کا ہیڈ کوارٹر (سردھنہ) بیگم سمرو کے قلعے میں تھا۔

---

1. DUFF: he Indian Rebellion... Series of Letters p. 112 ؎۱

Freesom Struggle in UP vol.5 pp. 895-910, 1023

ماوی جاٹ قبیلے کے سردار شاہ مل سنگھ (عرف مہو سنگھ) کا نام انقلابیوں میں سرفہرست نظر آتا ہے جو بجرول کا زمیندار تھا۔ شاہ مل سنگھ نے بہادر شاہ کی حمایت کا اعلان کیا اور دہلی سے صوبے داری کا پروانہ حاصل کیا۔ اُس نے بڑوت کی تحصیل کو جلایا، باغپت کا پُل توڑ دیا اور ہنڈن ندی کے پُل پر حملہ کرنے کا پلان بنا رہا تھا۔ دیولا اور لبسودھ وغیرہ گاؤں اس کی سرگرمی کا خاص مرکز تھے چنانچہ لبسودھ میں انگریزی فوج سے اُس نے سخت مقابلہ کیا۔ یہاں انقلابیوں نے دہلی بھیجنے کے لئے جو رسد اور اناج کے ذخیرے جمع کیے تھے وہ بعد میں انگریزوں کے ہاتھ لگے۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب یہ اناج کے ذخیرے اتنے زیادہ تھے کہ فوج کی تمام گاڑیاں اُن کا صرف ایک حصہ ڈھو سکتی تھیں۔[1]

شاہ مل سنگھ نے آس پاس کے علاقے میں جو چوراسی دیس کہلاتا ہے، اعلان کر دیا کہ جو لوگ ہتھیار اٹھا سکتے ہیں وہ نکل آئیں اور اس کی مدد کریں۔ عوام اس کے جھنڈے تلے ہو گئے۔ اُس کا کھلا اعلان تھا کہ وہ گوروں سے جنگ کرے گا اور یا تو اُنھیں نکال دے گا یا خود ختم ہو جائے گا۔ اُس نے بہادر شاہ کو امداد کے لیے لکھا اور دہلی سے سوار و پیادہ فوج مع توپوں کے دیولا بھیجی گئی مگر جاسوس برابر انگریزوں کو خبریں دے رہے تھے جس کی بنا پر وہ لبسودھا اور دیولا کی طرف بڑھے اور ان گاؤں کو جلا دیا۔ جب دہلی سے امدادی فوج پہنچی تو یہ سب گاؤں جل چکے تھے۔ چوپارا، جعفرآباد، جوہری اور بنج پوری وغیرہ گاؤں نے پوری طرح بغاوت

لہ 1. Narrative of Events p. 406

CHAUDHURI: Civil Rebellion p.64

DUNLOP (H.W): Services with Khaki Resala pp. 46,70,107

JOSHI: Ed. Symposium p. 197

میں شرکت کی۔ اِن گاؤں کو خالی کر کے انقلابی عوام شاہ مل سنگھ کے ساتھ دوسرے گاؤں میں چلے گئے انگریزوں کو شاہ مل سنگھ کا اتنا ڈر غالب تھا کہ ایک بار شور بلند ہوا اور پتہ چلا کہ شاہ مل سنگھ بلدوانی سے نکل کر اِدھر آرہا ہے تو انگریزی فوج وہاں سے ہٹ گئی۔ شاہ مل سنگھ کا بھتیجا بجّا دہلی کی شاہی فوج میں جنرل تھا۔ اُس نے سیکری۔ ببسودہ اور بڑوت میں انگریزی فوج سے کئی جگہ تصادم میں حصہ لیا اور سرسولی میں جا کر چوراسی دیس کے لوگوں کو دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی یہاں باغیوں کا ایک اور لیڈر سنجارام بھی تھا۔ باغپت اور بڑوت کا تحصیلدار کرم علی جو ضلع روہتک کا ساکن تھا، بڑوت کا سرکاری خزانہ لے کر فرار ہوا، اس کا دوسرا ساتھی دیولا کا راج پوت زمیندار تول سنگھ تھا۔ سولانہ گاؤں کے راجپوتوں نے بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ ہنری ڈنلپ نے اپنی کتاب میں شاہ مل سنگھ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ پانچ ہزار آدمی تھے جو زیادہ تر گوجر تھے۔ گوجروں کی پوری آبادی باغی تھی۔[1] اس مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ مل سنگھ ایک جنگ میں کام آگیا (بمقام بڑوت)۔ اُس کا سر بالس پر رکھ کر انگریزی فوج نے اونچا کیا تاکہ یہ بات مشتہر ہو جائے اور باغیوں کے حوصلے پست ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، انقلابیوں نے حملے بند کر دیئے اور پسپائی اختیار کی۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ اگر دہلی سے آنے والی فوج شاہ مل سنگھ سے آملتی تو ہمارا صفایا ہو جاتا ——— اِسی دوران میں نرپت سنگھ بھی ایک جنگ میں کام آگیا۔ ڈاسنہ، مسوری۔ اور ناہل وغیرہ کے علاقوں میں ایک راجپوت مسلمان رہنمائی کر رہا تھا، اس کا علاقہ ضبط کر کے ایک انگریز عورت کو دیدیا گیا۔ اسی طرح شورو زپورا اور انگد پور وغیرہ کے گوجرا اور جاٹ باغیوں

---

1. DUNLOP (H.W): Services & Adventures... pp.67-95, 108 ؎

کی زمین ضبط ہوئی چوراسی دیس کے جاٹ چودھری کے ساتھ بھی یہی ہوا[1]۔ باغپت کا تھانے دار وزیر خاں بظاہر انگریزوں کا وفادار تھا مگر خفیہ طور پر دہلی سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ بعد میں میرٹھ جیل میں قید کیا گیا۔

سہارن پور۔ رُڑکی

سہارن پور کے علاقوں میں بغاوت کے لیے جو سازشیں ہو رہی تھیں اُن پر اگرچہ ہمیشہ کے لئے پردہ پڑ گیا لیکن ڈسٹرکٹ گزیٹیر سے ایک سازش کا پتہ چلتا ہے جو ۱۸۲۴ء میں بڑے پیمانے پر کی گئی۔ انقلابی رہنما پورے دوآبہ علاقے کی بیک وقت بغاوت کا پلان بنا رہے تھے لیکن وقت سے پہلے یہ راز کھل گیا اور بغاوت آسانی سے کچل دی گئی[2]۔ اس سازش سے ۱۸۵۷ء تک کے زمانے میں بھی یہاں ایسی خفیہ جد و جہد کا وجود بعید از قیاس نہیں ہے۔ ۱۸۵۷ء میں بھی یہاں جیل کے محافظ دستے کے سپاہی اور کوتوال قرب و جوار کے گوجروں اور شہر کے انقلابیوں سے مل کر بغاوت کی اسکیم بنا رہے تھے۔ چند میل کے فاصلے پر گوجر جمع تھے جو شہر پر حملے کی تیاریاں کر رہے تھے مگر یہ خبریں انگریز افسروں کو پہنچ گئیں چنانچہ جیل گارڈ دستے سے ہتھیار لے لیے گئے اور فوجی مدد طلب کی گئی۔ گوجروں نے یہاں تو حملہ نہیں کیا لیکن رُڑکی کو آزاد کرا لیا جہاں ۳۰ مئی کو دوبارہ انگریزی فوجوں نے قبضہ کر لیا۔

۲ جون ۵۷ء کو سہارن پور میں فوجی بغاوت ہوئی اور منتشر حالت کی وجہ سے جلد قابو پا لیا گیا کچھ لوگ بھاگ کر بجنور چلے گئے، کچھ گرفتار ہوئے۔ ۱۳ جون کو ایک سوار دستے نے بغاوت کی اور اگلے دن ایک گاؤں میں مقابلہ ہوا۔ یہاں سے پسپا ہو کر دوسرے گاؤں میں باغیوں نے مورچہ لگایا، دوبارہ تصادم ہوا۔ یہاں گوجر اور رنگار وغیرہ قبیلے بغاوت میں شریک تھے۔ مانک پور (منگلور) کے امراؤ سنگھ نے اپنی عملداری کا اعلان کیا۔ نکور کا تحصیل تھانہ بھی برباد ہوا جب

---

[1] باغی میرٹھ ۲۹

[2] ڈسٹرکٹ گزیٹیر جلد ۱ ص ۲۷۳

مجسٹریٹ مقابلے کے لئے نکلا تو بدھا کھیری کے فتوا نے باغیوں کی رہنمائی کی۔ گاؤں کے عوام سے سخت معرکے ہوئے (۲۰ جون ۵۷ء) ان جنگوں میں گاؤں کے عوام کی عزم وہمت کا اعتراف سرکاری رپورٹوں میں کیا گیا ہے۔ دیوبند میں انقلابیوں نے اور بھی زیادہ پامردی کا مظاہرہ کیا۔ یہاں اُن کا زبردست اجتماع تھا (مجسٹریٹ رابرٹسن کی رپورٹ)۔ ۲۲ جولائی کو محمود پور اور دیوبند کے قریب پھر جنگ ہوئی لیکن دہلی کی شکست کے بعد کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور باغیوں پر ہولناک مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دیگر مظالم کے علاوہ ستره گاؤں جن کی آبادی بغاوت میں شریک تھی، جلائے گئے۔

میرٹھ کے مزید حالات

ہنری ڈنلپ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ بغاوت سے پہلے سورج کنڈ کے قریب جو فقیر نمودار ہوا تھا اس کے بارے میں بعد میں یہ رپورٹ تھی کہ وہ دہلی کا ایک شہزادہ ہے جو فقیر کے بھیس میں گھوم رہا ہے میرٹھ کا تحصیل دار گنگا پرشاد تھا جو گورنمنٹ کالج بریلی کا انگریزی تعلیم یافتہ تھا، اپنے چشم دید بیان میں لکھتا ہے کہ اپریل ۵۷ء کے آخر میں نمبر ۳ کیولری بارک کے کچھ حصہ میں آگ لگی، پھر دوسرے تیسرے دن اس طرح کی وارداتیں ہوئیں۔ ۱۰ مئی کو جب شام کے ۵ بجے کے قریب بغاوت کی خبر ملی، میں نے باہر آکر دیکھا کہ ایک بڑا ہجوم صدر سے شہر کی طرف آرہا ہے۔ نمبر ۳ سوار فوج (کیولری) کا ایک سوار پوری تیزی سے نئے جیل خانے[۱] کی طرف جارہا تھا اور چلا کر کہہ رہا تھا کہ "بھائیو! ہندو مسلمانو! — جلدی کرو۔ دین کی جنگ میں ہمارے ساتھ شریک شریک ہو جاؤ ...." پھر ایک اور سوار اسی طرح گذرا اور فوراً ہی پچاس کے قریب سوار

---

[۱] نیا جیل خانہ سول لائن اور سورج کنڈ کے درمیان تھا۔ پرانے اور نئے جیل سے تقریباً اٹھارہ سو قیدی رہا ہوئے۔ دیہاتی عوام برابر بڑی تعداد میں شریک تھے۔
(ڈنلپ/۳۶)

گذرے۔ وہ سب نئے جیل کی طرف جا رہے تھے، کافی تعداد میں سپاہی اُن کے ساتھ تھے۔ مغرب کے قریب انھوں نے اپنے ساتھیوں کو آزاد کرا لیا اور میں حیرت میں پڑ گیا جب دیکھا کہ سینکڑوں کی تعداد میں عوام صدر سے آ رہے ہیں جن میں سب ہی سپاہی نہیں تھے ہزارہا دیہاتی بھی برابر باغیوں کے ساتھ شریک رہے۔ وہ لوگ "علی علی!" کے نعرے لگا رہے تھے۔ وہ ایک مکان کی طرف آئے جو پہلے مسٹر بلنٹ کا تھا اور پھر کچہری میں پہنچے، دونوں جگہوں کو لوٹ کر آگ لگا دی۔ کچھ باغیوں کا غول جن میں جیل کے نجیب (پہرہ دار) بھی تھے عوام کے ہمراہ جیل توڑنے کے بعد واپس آ کر ان کے ساتھ شامل ہوا جو کچہری میں لوٹ مار کر رہے تھے۔ اس کے بعد وہ تحصیل کی طرف آئے اور مجھ سے خزانے کی چابیاں مانگیں میں نے دو کو گولی ماری۔ اس پر تمام مجمع سے شور بلند ہوا ——— "علی! علی۔ نعرۂ حیدری" ——— میں بھاگ کر پوشیدہ ہو گیا اور اُنھوں نے تحصیل اور میرا مکان لوٹ لیا۔[1] گنگا پرشاد کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں سے وفاداری کے شوق میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس تمام ہنگامے میں صرف مسلمان حصہ لے رہے تھے اسی لیے وہ بار بار اس نعرے کو دہرا رہا ہے حالانکہ واقعات کے آئینے میں یہ بات غلط ہے۔

دہلی میں کشمیری دروازے کے قریب میگزین کو آگ لگا کر جو انگریز بچ کر بھاگے اُن میں لیفٹننٹ ولوبی لیفٹننٹ بٹلر اور انگیلو لفٹنٹ ہانکساوپ اور دہلی کالج کا اسٹورات کے علاوہ چھ اور تھے ڈنلپ نے شکست دہلی کے بعد ڈسٹرکٹ آفیسر کی حیثیت سے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے دہلی سے بھاگ کر ہنڈن ندی کے کنارے نیگ پور گاؤں میں پناہ لی تھی جہاں انھیں اچھا برتاؤ اور کھانا وغیرہ ملا اور ایک باغ میں رکھا گیا۔ لیفٹننٹ اوس بورن زخمی تھا اسلئے جب اور لوگ کوم ہیڑا گاؤں گئے تو وہ نہ جا سکا۔ وہ ڈھور بری کے مقام پر پہنچا جہاں سے سید

---

[1] ڈنلپ: خاکی رسالے کی مہم (انگریزی): ص ۳۴-۳۱

اشرف علی نے میرٹھ بھجوا دیا۔ ولوبی کی پارٹی کوم ہیڑا گاؤں پہنچی جہاں ایک اچارج برہمن کنا نے بلوایا اور ہتھیار طلب کیے۔ انکار کرنے پر یہ سب قتل کر دیئے گئے تین آدمی کوم ہیڑا میں قتل ہوئے اور بقیہ قریبی نہر کے کنارے۔ آس پاس کے گاؤں بتوہرا۔ غیاث پور۔ سوہنہ۔ کندوراوغیرہ تھے۔

۱۵ر جون کو کچھ سکھ ڈنلپ کے پاس آئے جسے ڈسٹرکٹ آفیسر مقرر کیا گیا۔ یہ فرسٹ اودھ کیولری کے تھے جو بغاوت کر کے دہلی روانہ ہو چکے تھے۔ ان سکھوں کو ملازم رکھ لیا گیا اور ان میں سے ایک تمن سنگھ کو ایک مسلمان سوار (نصیر خاں) کے ساتھ بریلی بریگیڈ میں بھیجنا طے ہوا۔ بریلی بریگیڈ جنرل بخت خاں کی سرکردگی میں دہلی جا رہا تھا اور اس وقت گجرولہ پر تھا۔ اس سکھ کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ بریلی بریگیڈ میں جو سکھوں کی کمپنیاں شامل ہیں انھیں ورغلا کر الگ کر دے۔ یہ سکھ فقیر کا بھیس بدل کر گیا مگر بریگیڈ میں پہنچ کر نصیر خاں نے باغیوں کو پوری بات بتا دی۔ لہٰذا وہ مارا گیا اور نصیر خاں باغی بریگیڈ کے ہمراہ دہلی چلا گیا۔ بڑوت کے قریب ایک بوڑھا سکھ جو کہ بہت پہلے سے ملت پور گاؤں میں رہتا تھا، یہاں باغیوں کی رہنمائی کر رہا تھا، چند ماہ بعد اسے پھانسی دی گئی۔ شاہ مل سنگھ نے بڑوت میں ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف ایسٹرن جمنا کینال کے بنگلے کو اپنا مرکز اور دربار بنایا تھا۔ یہاں کی جنگوں میں انگریزی رپورٹ کے مطابق ۱۶۵ باغی سیکری پر، ۱۵۰ سے زیادہ لسبودھ میں اور لگ بھگ اس سے کچھ زیادہ بڑوت میں کام آئے۔ شاہ مل سنگھ کے بھتیجے نے ماوی جاٹوں کے گاؤں سرسولی جا کر دوبارہ چوراسی لیس کے باغیوں کو جمع کیا۔ ہنڈن ندی کے کنارے ستارام رہنمائی کر رہا تھا۔ [1]

---

[1] ہنری ڈنلپ/۵۸۔۔۔۵۰ ۔ گوجر آبادی شمال مشرقی صوبوں میں تھی۔ وہ سرسہ، ریواڑی، دہلی، میرٹھ اور علی گڈھ وغیرہ کثیر تعداد میں آباد تھے۔ کچھ بندیل کھنڈ کے شمالی علاقوں میں بھی تھے یہ لوگ اپنے آپ کو راجپوتوں کی اولاد بتاتے تھے جو نچلی ذات کی عورتوں سے پیدا ہوئی۔ ان میں کچھ کھیتی باڑی اور کچھ لوٹ مار کرتے تھے۔

مظفر نگر ہنری ڈنلپ، جو یہاں انگریزی فوجوں کا کمانڈر تھا، مظفر نگر کے بارے میں بتاتا ہے کہ یہ ضلع انتہائی پریشان کن حالت میں تھا۔ بڑی تعداد میں مسلمان، ماوی جاٹ اور دوسرے لوگ بنولی اور بڑسولی وغیرہ سے آکر بڑہانہ میں جمع تھے[1] یہاں فوج کی بغاوت سے پہلے ہی عوام میدان میں آگئے تھے اور ۱۴ مئی کو تحصیل لوٹی گئی، جیل خانہ لوٹا، بنگلوں میں آگ لگا دی گئی۔ ۲۱ جون کو رجمنٹ ۴ (بے قاعدہ) نے بغاوت کی اور افسروں کو قتل کیا، انگریزی راج کا خاتمہ ہو گیا، ستمبر تک بغاوت بڑے پیمانے پر پھیل چکی تھی چنانچہ کمشنر اور مجسٹریٹ کی رپورٹ میں ہے کہ "بغاوت اتنے وسیع پیمانے پر تھی کہ گاؤں کے عوام خصوصاً جنوب مغرب کے گاؤوں کی تقریباً تمام آبادی باغی نظر آتی تھی"[2]

ضلع مظفر نگر کے علاقوں تھانہ بھون، شاملی اور کیرانہ وغیرہ میں بہت سے علماء نے جن کی راہ نمائی حضرت حاجی امداد اللہؒ کر رہے تھے، تحریک میں جہاد کی روح پھونکی اور انگریزی فوجوں سے مقابلہ کیا۔ تھانہ بھون کے قاضی[3] اور کاندھلہ کے خیراتی خاں بھی انقلابی رہنما تھے۔ کیرانہ۔ شاملی۔ دیوبند۔ گنگوہ۔ نانوتہ وغیرہ سے لوگ تھانہ بھون پہنچے اور مجلس منعقد ہوئی۔ تمام علماء شریک تھے۔ محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی نے جہاد کے خلاف رائے دی آخر فیصلہ جہاد کے حق میں ہوا۔ سب سے پہلے باغ شیر علی کی سڑک پر مقابلہ ہوا اور کامیابی ہوئی

---

[1] 1. DUNLOP: Services & Adventures...p.117

[2] 2. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp.75-77

[3] قاضی محبوب علی اور ان کے بھتیجے عنایت علی ولد سعادت علی تھانہ بھون کے رئیس تھے۔ عنایت علی کے بھائی قاضی عبدالرحیم ہاتھی خریدنے سہارنپور گئے، کسی نے مخبری کر دی کہ یہ باغی ہیں لہٰذا انھیں مع ساتھیوں کے پھانسی دیدی گئی۔ اس واقعے سے عوام میں سخت غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔

پھر شاملی کی طرف بڑھے۔ علماء نے بہادر شاہ سے بھی رابطہ قائم کیا۔ پہلا حملہ میگزین پر کیا گیا جو سہارنپور سے شاملی جارہا تھا۔ انقلابیوں کے پاس اگرچہ دیسی ساخت کی توڑے دار بندوقیں اور تلواریں تھیں لیکن کامیابی ہوئی اور ہتھیاروں کا ذخیرہ ہاتھ آیا۔ اس کے بعد جب کلکٹر کے آنے کی خبر ملی تو وہ شاملی پر حملہ آور ہوئے۔ حافظ ضامن علی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی اس حملے میں شریک تھے۔ سوانح قاسمی، مؤلف گیلانی میں ہے کہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی بھی اس جہاد میں شریک ہوئے (ص ۱۰۳)۔ مقامی حکام نے اپنی رپورٹوں میں انقلابیوں کے جوش و خروش سے بھرپور دلیرانہ حملوں کا حیرت سے ذکر کیا ہے۔ انگریز فوج نے پسپا ہو کر تحصیل میں پناہ لی۔ انقلابیوں نے تین دن محاصرے کے بعد تحصیل کا دروازہ توڑ لیا، ضامن علی شہید ہوئے۔ جب تحصیل لٹ جانے کی خبر سہارنپور پہنچی تو فوج روانہ کی گئی اور تھانہ بھون کا محاصرہ کر کے گولہ باری کی گئی۔ اس توپ خانے کا افسر حضرت حاجی امداد اللہ کا معتقد تھا اور انقلابی ذہن رکھتا تھا، اُس نے توپوں کے منہ اوپر کی طرف کر دیئے اگلے دن صبح کو انگریز حاکم کو اس کا علم ہوا تو افسر توپ خانہ کو گولی سے اُڑا دیا گیا اور اب باقاعدہ گولہ باری شروع ہوئی مگر قصبے کے انقلابیوں نے باہر آ کر حملہ کیا اور شکست دی۔ شاملی کا جاٹ زمیندار مہر سنگھ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں ہے کہ تھانہ بھون بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ یہاں قاضی محبوب علی اور ان کے بھتیجے عنایت علی نے دلیرانہ مقابلہ کیے۔ انگریزوں نے سکھوں اور گورکھوں کی مدد سے سات گھنٹے کی جنگ کے بعد انقلابیوں کو پسپا کیا۔ قاضی عنایت علی یہاں سے نکل کر بجنور اور نجیب آباد وغیرہ میں جنگ کرتے رہے۔[1]

---

[1] بجنور کی شکست کے بعد عنایت علی دیوبند اور بھوپال گئے، جو دمہ پورا اور رالور میں مقیم رہے اور یہیں وفات پائی۔ مولانا گنگوہی جولائی ۱۸۵۹ء میں گرفتار ہوئے مقدمہ چلا لیکن رہا ہوئے۔ باقی علماء کے حالات علیحدہ باب میں بیان کیے جا رہے ہیں۔ شاملی کا تحصیلدار ابراہیم خاں 'وفادار' تھا، انقلابیوں کا مقابلہ کرتا رہا اور مارا گیا، قصبہ رام پور منہیاران کا ساکن تھا۔ سرسید نے اپنی کتاب 'خیر خواہ مسلمانانِ ہند' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

قصبہ کیرانہ میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی نے انقلابیوں کی راہنمائی کی۔ دھولانا کی راج پوت آبادی نے یہاں تھانے پر حملہ کیا، پولس کو نکال دیا اور تھانے دار تراب علی کو گرفتار کرلیا۔ اس کے بعد اپنی سرگرمیوں کی دہلی اطلاع بھیجی اور ہدایات طلب کیں[1]۔ جب انگریزی فوج سرحد پہنچی تو انقلابیوں کو فوراً تمام خبریں مل گئیں۔ ہنری ڈنلپ نے حیرت سے لکھا ہے کہ ہر جگہ ان کے ہمدرد موجود تھے اور اُن لوگوں میں بھی تھے جو باغی نہیں کہے جاتے تھے[2]۔ خیراتی خاں نے بدھانہ پر قبضہ کیا اور دہلی بھی گیا تاکہ مدد حاصل کرے مگر ناکام رہا۔ مظفر نگر کے جوائنٹ مجسٹریٹ اور دیگر افسروں کی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ یہاں سید زمینداروں نے دیہاتیوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور بغاوت کی سازشوں میں اُن کا خاص حصہ تھا۔ دیہاتیوں نے بڑی تعداد میں حصہ لیا۔ پولیس نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ تحصیلدار سید امداد حسین اور کوتوال احمد حسن بھی بغاوت میں شریک تھے۔ شمالی علاقوں میں قاضی عنایت علی کی سرگرمیاں جاری تھیں ہنڈن سے جمنا کی نہر تک تمام علاقہ باغیوں کے قبضے میں تھا۔ سید زمینداروں نے ایک مقام دربار پر جمع ہو کر بغاوت کا پلان بنایا۔ دوسرے زمینداروں سے رابطہ قائم کیا اور دیہاتیوں کو آمادہ کیا کہ وہ مہاجنوں کو ماریں اور شہر میں آجائیں۔ رات میں انھوں نے اپنے ساتھیوں کو لیکر انگریزوں کے بنگلے جلا دیئے۔ بغاوت کے خاص سردار ابوالحسن۔ مظہر حسن۔ محمود حسن۔ محمد حسن حسام الدین۔ فیروز علی۔ معظم علی۔ فتو۔ نوردا۔ نتھا۔ بھوندو۔ ٹھاکر رام لال۔ خدا بخش۔ ہنری حسن

---

[1] تراب علی کا سر کاٹنے پر دہلی کے انقلابیوں نے انعام کا اعلان کیا تھا۔ اسکو راج پوتوں نے گرفتار کرکے دہلی بھیجنے کے لئے لکھا لیکن مولانا کے راجپوتوں نے اسے رہا کرا لیا۔

[2]-[3] 1,2. DUNLOP: Services & Adventures pp. 119, 121

گلاب شاہ فقیر وغیرہ تھے۔

کاندھلہ کے خیراتی خاں پنڈاری کے خلاف ۲ ستمبر ۵۷ء کو فوج بھیجی گئی۔ انگریزی اقتدار دوبارہ قایم ہونے کے بعد بھی رضا خاں سرگرم تھا اور شاہ دہلی کے نام پر فوج جمع کر رہا تھا، انگریز حاکم کی رپورٹ کے بموجب تھانہ بھون میں بغاوت کی شدت کا سبب یہ تھا کہ قاضی عنایت علی کے بھائی (عبدالرحیم) کو سہارنپور میں پھانسی دی گئی تھی۔ چنانچہ دہلی کی شکست کے بعد بھی یہاں باغیوں سے تصادم ہوئے۔ شاملی میں مجاہدین کا جوش وخروش اس قدر شدید تھا کہ انھوں نے اُن سرکاری ملازمین کو بھی قتل کر دیا جنھوں نے تحصیل کی مسجد میں پناہ لی تھی (رپورٹ ۱۱ اکتوبر ۵۷ء) شاملی کا غلام محی الدین رسالدار بھی بغاوت میں شریک تھا۔ مظفر نگر کے علاقوں کا ایک اور باغی سردار مہراب خاں تھا جس کی سرگردگی میں ایک بڑی فوج دسمبر ۵۷ء تک منڈاور (ضلع بجنور) میں تھی۔ آخر کار ۲۳ اپریل ۱۸۵۸ء کو اسے مکمل شکست ہوئی۔ مارچ اپریل ۵۸ء میں مارٹے خاں جو نواب محمود کا سپہ سالار تھا، مع فوج سرگرم تھا۔ محمد خاں اور عنایت علی بھی اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تھے۔ یہ سب ملا کر چار ہزار سوار و پیادہ فوج تھی۔ جنوری ۵۸ء میں نواب محمود کی فوج نے کھنکل، ہردوار اور جوالا پور پر حملہ کیا۔ مایا پور پر قبضہ کر لیا اور رڑکی پر حملہ کرنے والے تھے۔ ۱۱ جنوری ۵۸ء میں بجنور کے انقلابی دوآبہ کے علاقوں پر حملہ آور ہوئے۔ کئی دن کی جنگوں اور مقابلوں کے بعد اُنھیں منتشر کیا جا سکا اسپریل گزیٹر میں تھانہ بھون کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قصبہ بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ قاضی محبوب علی اور اس کا بھتیجا عنایت علی کی رہنمائی میں عام باشندے کھلی بغاوت کر رہے تھے۔ تھانے تحصیل پر قبضہ اور شاملی میں ایک سو تیرہ آدمیوں کا قتل اُن کے باہمت کارناموں کی کھلی مثالیں ہیں۔ شاملی سے مہر سنگھ نے بھی بہادر شاہ سے رابطہ قایم رکھا۔ قاضی محبوب علی نے انگریز فوجوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ [1]

---

[1] گیلانی ؛ سوانح قاسمی جلد ۲/ ۱۲۹

میرٹھ میں جب یہ خبریں ملیں کہ نواب ولی داد خاں نے ایک بڑی فوج منظم کرکے گلاوٹھی بھی بھیجی ہے اور ہاپوڑ پر حملے کا خطرہ ہے تو ۲۱ جولائی کو انگریزی فوج اُدھر روانہ ہوئی اور اگلے دن ہاپوڑ پہنچی جہاں ولی داد خاں نے باغی دیہاتیوں کے ایک غول کے پیچھے اپنی پیدل اور سوار فوج چھپا رکھی تھی۔ یہاں ایک جنگ ہوئی اور انقلابیوں کے دو سردار جو مورچوں (پکٹ) کے انچارج تھے (اسمٰعیل خاں اور حاجی منیر خاں) زخمی ہوئے۔ ہنری ڈنلپ کا خیال ہے کہ اگرچہ بڑی تعداد میں ہندو مسلمان عوام بغاوت میں شریک تھے مگر سولانا گاؤں کے راج پوت ان میں نمایاں تھے (سولانہ ضلع میرٹھ، ہاپوڑ دہلی کے راستے پر ہے)۔ [1]

بلند شہر

میرٹھ ڈویژن کے کمشنر ایف ولیم نے میرٹھ میں بغاوت کی خبر سُن کر علاقے کے تعلقہ داروں کو بُلایا اور رسد کے لئے کہا۔ پہاسو۔ چھتاری۔ شکارپور اور خان پور وغیرہ کے تعلقہ داروں نے آدمی مہیا کیے لیکن اس درمیان میں بغاوت شروع ہو گئی۔ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو نمبر ۹ رجمنٹ کے سپاہیوں نے انقلاب کا بگل بجا دیا۔ مجسٹریٹ کی رپورٹ ہے کہ وہ انتہائی جوش و غصے کے جذبات سے بھرپور تھے۔ نہ صرف شہری عوام بلکہ دادری اور سکندرآباد وغیرہ کے گوجر اور دیہاتی بھی سرکاری دفتروں کو برباد کرنے میں پیش پیش تھے۔ سکندرآباد میں ۱۲ مئی سے ہی ہراس پھیل چکا تھا۔ ۱۹ مئی کو ایک باغی رجمنٹ شہر میں آئی اور تمام سرکاری انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اسی رات کو گوجروں نے حملہ کیا۔ سکندرآباد کے قاضی کمال الدین رئیس شہر اور کوتوال، تحصیلدار وغیرہ بھاگ گئے۔ باغی سرداروں میں کلو (زمیندار چیتی)۔ پیر بخش خاں (تل بیگم پور) کے علاوہ دیگر زمیندار اور

---

[1] 1. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 75-77

DUNLOP: Services ... pp. 119-121

سلیم پور۔ رام پور وغیرہ کے گاؤں کے عوام۔ گڈھ مکتیسر کے چودھری تہور علی خاں۔ امراؤ سنگھ۔ نادر خاں وغیرہ شامل تھے۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب "کوئی گاؤں گوجروں اور گیروؤں کا ایسا نہیں تھا جس نے بغاوت میں حصہ نہ لیا ہو"۔ ؎۱

کلکٹر نے خزانہ میرٹھ پہنچانا چاہا، رجمنٹ نمبر ۹ سے قول وقسم لے کر ہمراہ کیا اور تین انگریز بھی ساتھ کیے مگر جب یہ لوگ میرٹھ دہلی کے دوراہے پر پہنچے تو دہلی کی طرف چل پڑے اور انگریزوں سے کہدیا کہ تم میرٹھ چلے جاؤ ورنہ مارے جاؤگے، کسی کو مارا نہیں اور خزانہ دہلی لے گئے۔ علاقے کے کچھ اور باغی سرداروں میں ہردیو۔ روپ رام۔ رام سہائے۔ بنسی (نگلہ چراؤ)۔ چھیدو (نگلہ نین سکھ) ضابطے خاں۔ کدم سنگھ گوجر (پیتم پور) تھے۔ نواب ولی داد خاں اس علاقے کے منتظم اور سردار تھے جنھیں بہادر شاہ کی طرف سے ۲۶ مئی کو یہاں کا صوبے دار مقرر کیا گیا۔ انھوں نے مالگذاری وصول کی، گلاؤٹھی پر قبضہ کر کے آگرہ میرٹھ کے درمیان انگریزوں کے رسل ورسائل کا سلسلہ کاٹ دیا اور خورجہ تک قبضہ کر لیا۔ اُن کے خاص ساتھیوں میں کشن سنگھ۔ بھگونت سنگھ اور رام امراؤ سنگھ (دادری) تھے جو بغاوت اور جنگ کی اسکیم بناتے تھے۔ ۱۱ رجون ۱۸۵۷ء تک ولی داد خاں ان علاقوں پر پوری طرح قابض ہو چکے تھے۔ انگریزوں کو ایک جنگ میں شکست ہوئی جس کی اطلاع انھوں نے بہادر شاہ کو بھیجی اور مدد کی درخواست کی۔ چنانچہ بہادر شاہ کی طرف سے حکم ہوا کہ گلاب سنگھ۔ رام چندر اور دو پلٹنیں رائے ولی داد خاں کی مدد بھیجے جائیں (۱۴ رجون ۱۸۵۷ء م ۲۱ رشوال ۱۲۷۳ھ) ؎۲۔ ۲۰ رجون کو دو ہزار انگریزی فوج لے نواب ولی داد کے مرکز مالاگڈھ پر چڑھائی کی۔ تین سو غازیوں نے اسمٰعیل خاں کی کمان

؎۱ 1. Freedom Struggle in UP Vol.5 pp.43-57

؎۲ 2. Collectorate Mutiny Basta

؎۳ 3 Freedom Struggle UP vol.5 p.57

میں مقابلہ کیا اور فتح پائی۔ [1]

امروہہ کے چالیس انقلابی جن میں مہربان علی خاں اور مظفر علی خاں شامل تھے، دہلی کے لیے روانہ ہوئے تھے لیکن غازی آباد سے نواب ولی داد خاں انھیں اپنے ساتھ مالا گڈھ لے گئے (۲۰ مئی ۱۸۵۷ء) یہ لوگ یہاں فوج بھرتی کرنے اور دیگر انتظامات میں مدد کرتے رہے۔[2] فوج میں جو گوجر بھرتی ہوئے اُن کا سالار امین گوجر تھا۔ تمام گوجر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ انھوں نے راج پوتوں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر سکندر آباد پر قبضہ کر لیا تھا۔ اُدھر گڈھ مکیشر پر بریلی کی انقلابی فوج کے حملے کا خطرہ تھا لیکن ۲۲ جون ۱۸۵۷ء کو ان فوجوں نے جنرل بخت خاں کی کمان میں گڈھ کے قریب گنگا پار کی اور دہلی روانہ ہو گئیں۔ انگریزی فوجوں سے انقلابیوں کے برابر مقابلے ہوتے رہے۔ ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو، پھر ۲ اگست اور ۱۰ ستمبر کو گلاؤٹھی پر اسمٰعیل خاں کی کمان میں جنگیں ہوئیں۔ آخر کار، ۲۸ ستمبر کو گرتھیڈ کی فوجوں نے انھیں منتشر کیا اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کو مالا گڈھ کا قلعہ مسمار کیا گیا۔[3] اس آخری جنگ میں شکست کا سبب یہ تھا کہ جب انگریزی فوجیں بابو گڈھ پر آئیں تو انقلابی فوجیں گلاؤٹھی کے قریب پڑی تھیں۔ انگریزوں نے مخبروں سے اطلاع پا کر رات میں اچانک حملہ کر دیا جس سے بے خبر انقلابی فوجیں بدحواس ہو کر پسپا ہو گئیں اور اس شکست سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ نواب ولی داد اپنے ساتھیوں کے لیکر فرخ آباد

---

[1] خط ولی داد خاں بنام بہادر شاہ مورخہ ۲۰ جون ۱۸۵۷ء م ۲۷ شوال ۱۲۷۳ھ (بلند شہر کلکٹریٹ میوٹنی بستہ)

[2] عباسی: تاریخ امروہہ۔ جلد ۱

[3] 3. CHAUDHURI: pp. 77-79

GOUGH: Old Memoirs p. 116

MALLESON: vol2 p. 89

اور پھر روہیل کھنڈ کے علاقوں میں برابر جنگوں میں شریک رہے۔ اسمٰعیل خاں اور رحیم علی نے بھی جدوجہد جاری رکھی چنانچہ لکھنؤ کی شکست (مارچ ۱۸۵۸ء) کے بعد بھی یہاں رحیم علی کی رہنمائی میں انقلابی سرگرمیاں جاری تھیں۔ [1]

بلند شہر کے انقلابی

ان علاقوں کے انقلابی سرداروں میں منیر خاں اور خلیلیہ کے رحیم علی کے علاوہ پنڈراول کے حرمت خاں (رحیم علی کے رشتہ دار) اپنے قلعے پر فوجی تیاری کے ساتھ جمے رہے اور مالاگڈھ کے انقلابیوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ خان پور کے عبداللطیف خاں نسیم خاں۔ رحیم الدین تھے۔ عبداللطیف اُن میں نمایاں رہے، اُنھوں نے مارچ ۱۸۵۸ء تک انقلابیوں کی ہر ممکن مدد کی۔ اُن کے چچا عظیم الدین ولی داد خاں کے ساتھ رہے اور بعد میں سزا پائی۔ شاہ مل سنگھ جاٹ کے خاندان میں سجّا اور بھگتا اپنے گاؤں کے عوام کی رہنمائی کر رہے تھے۔ عبداللطیف کو مارچ ۱۸۵۸ء میں جہانگیر آباد سے گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ حاجی یاد اللہ خاں سابق تھانہ دار کلاؤ ٹھی بھی بغاوت کے جرم میں مالاگڈھ کی شکست کے بعد گرفتار ہوئے، موضع اینچانہ کے ساکن تھے، جائداد ضبط ہوئی مگر جان بچ گئی۔ انوپ شہر کی چوہان رانی نے بھی بغاوت میں حصہ لیا اور آزادی کا اعلان کیا۔ عنایت خاں بن عبدالقادر نے بہادر شاہ کو عرضداشت بھیجی۔ [2]

دہلی کی شکست کے بعد گریتھیڈ ایک فوج لے کر بڑھا اور یہاں انقلابیوں کو پسپا کر کے آگرے

---

[1] Freedom Struggle UP vol.5 p.112

[2] CHAUDHURI: pp. 77-79

Freedom StruggleUP vol.5 pp.57-74

SEN: p.226

پر حملہ آور ہوا۔ انگریزی قبضے کے بعد نہ صرف بلند شہر بلکہ دادری۔ دنکور۔ خورجہ اور سکندر آباد وغیرہ کے بے شمار لوگوں کو پھانسیاں دی گئیں۔ گوجروں کے گاؤں کے گاؤں راکھ کا ڈھیر کر دیئے گئے اور ضبط ہو کر نیلام ہوئے۔ میرٹھ کے مجسٹریٹ آر۔ ایچ ڈنلپ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ "تمام ضلع کے گوجر کھلی بغاوت میں شامل ہیں"۔ بلند شہر میں کالے آم (متصل کچہری) پر پھانسیاں دی جاتی تھیں۔ ولی داد خاں کے مزید حالات علیحدہ باب "آخری دور" میں بیان ہو رہے ہیں۔ ؎۲

گلزار علی انوپ شہر تحصیل کے مسلمان نگاروں نے بھی بغاوت میں حصہ لیا۔ سہراب خاں تحصیلدار بنا اور نبی بخش اس کا مددگار۔ یہ علاقہ کافی عرصے تک انقلابی سرگرمیوں کا نشانہ بنا رہا۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں خبر تھی کہ امروہہ کے سید گلزار علی کی کمان میں یہاں روہیل کھنڈ کے باغیوں کی ایک فوج موجود ہے۔ گلزار علی کو خان بہادر خاں کی طرف سے جنرل مقرر کیا گیا تھا۔ رحیم علی بھی انوپ شہر پر حملے کی تیاری کر رہا تھا وہ راج پورہ پر تھا اور ۲۶ اپریل ۱۸۵۸ء کو گنگا پار کرنے والا تھا۔ مئی میں اس کی فوج منتشر ہوئی لیکن نصیر پور (نزد بھوج پور گھاٹ) پر انقلابی فوجیں اب بھی موجود تھیں۔ ؎۳

علی گڑھ نمبر ۹۔ این آئی (نیٹو انفنٹری) کے کچھ دستوں نے اچانک بغاوت کی اور دہلی روانہ ہوئے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کی رات کو علی گڑھ کے قریب ایک گاؤں میں شادی کی تقریب تھی جس میں نمبر ۹۔ این آئی کے کچھ سپاہی بھی شریک تھے۔ یہاں ایک زمیندار

؎۱ و ؎۳ 1-3. Freedom Struggle UP vol.5 pp.96-107,121

؎۲ ولی داد خاں کے دادا نے ایک مشہور بزرگ حضرت سید محمود مالا المال کرمانی سے عقیدت کی بنا پر اپنے قلعے کا مالا گڈھ نام رکھا تھا (کیفیت بلند شہر مؤلف لچھمن سنگھ۔ تواریخ بلند شہر مؤلف منگل سین ص ۵۰) مالا گڈھ کا قلعہ سکندر آباد کے علاقے میں تھا۔

نے علی الاعلان بیان کیا کہ وہ بغاوت میں حصہ لے رہا ہے اور آیندہ کے لیے پلان بنا رہا ہے۔ یہ خبر بعض سپاہیوں نے اپنے افسروں کو پہنچا دی چنانچہ ۲۰ مئی کو اس زمیندار کو گرفتار کرکے پھانسی دیدی گئی لیکن یہ دیکھ کر ۹۔ این آئی کے ایک سپاہی نے اپنی وردی پھینک دی، بغاوت کا اعلان کیا اور چلّا کر کہا "یا خدا ہم کو بھی پھانسی دلا" یہ تقریباً مغرب کا وقت تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد بنگلوں اور چھاؤنیوں میں آگ لگنے لگی۔ ہاتھرس کیولری نے بھی بغاوت کردی اور دہلی روانہ ہوگئی۔ ۲۰ مئی کو ایک برہمن (نرائن) کو پکڑا گیا جو بغاوت کی اسکیم بنا رہا تھا اور فوجیوں کو یقین دلا رہا تھا کہ گاؤں کے عوام بغاوت میں اُن کا پورا ساتھ دیں گے۔ اسے ۲۰ مئی کی شام کو پھانسی دی گئی بعض جگہ بیان کیا گیا ہے کہ برہمن نے بلند شہر کے سپاہیوں کو برات کے جلوس کی شکل میں نکلنے اور اچانک بغاوت کرنے کے لیے تجویز کیا تھا اس پلان کو بروئے کار لانے کے لیے اختلاف اور مباحثہ ہوا۔ اس دوران میں سپاہیوں نے انگریز افسروں کو خبر کردی۔ برہمن کو علی گڈھ لاکر تمام ہندوستانی سپاہیوں کے سامنے پھانسی دی گئی۔ برہمن کے خاموش مُردہ جسم نے سپاہیوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کا وہ کام انجام دیا جو برہمن کے الفاظ سے کبھی نہ ہوا ہوگا جذبات سے بھر کر ایک سپاہی آگے بڑھا تلوار میان سے کھینچی اور برہمن کے لٹکے ہوئے جسم کی طرف اشارہ کرکے چلایا ——

"دوستو! یہ شہید خون میں نہا گیا۔ ہمارے دین پر قربان ہوگیا" [1]

سپاہیوں نے اپنی تلواریں میان سے کھینچ لیں اور غضبناک ہوکر بغاوت پر آمادہ ہوگئے! انگریز جوش و غصے کا یہ منظر دیکھ کر تھرتھرا اُٹھے اور رات ہونے سے پہلے ہی چُپ چاپ علی گڈھ سے نکل گئے۔ اس طرح برہمن کی قربانی نے انگریزی اقتدار کا چراغ آن کی آن میں گُل کردیا۔ حکام

---

[1] 1. SAVARKAR: p.161

SEN: p.322

کی رپورٹ کے بموجب برہمن کے اس واقعے کی خبروں نے آس پاس کے علاقوں مثلاً مین پوری اٹاوہ اور ایٹہ وغیرہ کی دیسی سپاہ میں بھی بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ گاؤں میں عرصے تک سخت بغاوت ہوتی رہی جس سے یہ قیاس لگانا غلط نہ ہوگا کہ یہ برہمن ان تمام علاقوں کی دیسی فوجوں سے رابطہ قائم کر چکا تھا اور شہر اور دیہات کے عوام کو سپاہ کی بغاوت کے ساتھ ہی ہتھیا اٹھانے کے لیئے تیار کر رہا تھا۔

یکم جون ۱۸۵۷ء کو چوہان راجپوت راؤ بھوپال سنگھ نے کھیر پر قبضہ کر لیا لیکن واٹسن نے گرفتار کر کے پھانسی دیدی اس پر چوہانوں، جاٹوں اور دیگر عوام نے بدلہ لیا۔ کھیر پر حملہ کر کے سرکاری عمارتیں جلا دیں اور حکام کو مار بھگایا۔[۱]

مسجدوں میں جہاد کا اعلان کیا گیا، مسلمان مجاہدین سر بکف میدان میں نکل آئے اور ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو واٹسن کی فوج پر مدراک (علی گڑھ سے ۶ میل) پر حملہ آور ہوئے۔ انگریز حکام کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ تمام مسلمان اور دوسرے لوگ جو باغی تھے، گوالیار کی فوجوں سے روزانہ نامہ پیام کر رہے تھے۔[۲] ۲ جولائی کو پوری آبادی میں سخت جوش اور غصے کی آوازیں سنائی دیں، ڈھول بجائے گئے، جھنڈے بلند ہوئے، ہر تھانہ چوکی جلا دی گئی اور جب دست بدست جنگ شروع ہوئی تو واٹسن زخمی ہوا۔ گوالیار کے دستوں نے بھی بغاوت کر دی۔ جاٹوں کی راہ نمائی امانی سنگھ کر رہا تھا

۱؎ 1 .Freedom Struggle UP vol.5 pp.656-662

CHAUDHURI: Civil Reellion...1857 p.80

۲؎ 2. Freedom Struggle UP vol.5 p. 662

وہ اس علاقے کے باغیوں کا سردار تھا۔ ؎۱

ولی داد خاں کو بہادر شاہ کی طرف سے علی گڑھ کا صوبے دار اور غوث محمد خاں کو نائب مقرر کیا گیا تھا۔ غوث خاں ۲۸ جولائی ۵۷ء کو یہاں پہنچے۔ انھوں نے قرب وجوار کے جاگیرداروں کو مدد کا یقین دلایا اور فوج بھرتی کی۔ جاگیردار رام بخش۔ ہیرا سنگھ اور گوپال سنگھ ان کے ساتھیوں میں قابل ذکر ہیں نسیم اللہ (سابق وکیل جج) نے بھی بغاوت میں حصہ لیا، غوث خاں کو بلایا اور مدد کی۔ ان کے ساتھ ایک اور لائق اور قابل شخص نیاز احمد بھی تھے۔ منالال ولد چنی لال خزانچی بنا۔ غوث خاں سکندرہ کا جاگیردار تھا۔ وہ آخر جولائی کو یہاں پہنچا لیکن پنچایت نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ نسیم اللہ غوث خاں کا نائب، محبوب خاں تحصیلدار اور حسن خاں کوتوال ہوئے۔

ہاتھرس میں ٹھیم سنگھ اور ٹھاکر گوبند سنگھ وغیرہ نے انتظامات سنبھالے اور امن قائم کیا۔ ۱۲ اگست ۵۷ء کو میجر منٹگمری نے ہاتھرس پر قبضہ کیا اور ۲۴ اگست ۵۷ء کو علی گڑھ کے انقلابیوں سے مٹراک کی سڑک پر تصادم ہوا جو غوث خاں اور مولوی عبدالجلیل کی کمان میں تھے اور رمان سنگھ کے باغ (علی گڑھ کے قریب) میں مقیم تھے۔ اس جنگ میں انقلابیوں کو شکست ہوئی، غوث محمد خاں مالاگڑھ چلے گئے۔ مولوی عبدالجلیل شہید ہوئے۔ ؎۲ انگریزی رپورٹ کے الفاظ میں

"یہ ایک انتہائی حوصلہ مندانہ قسم کی دست بدست جنگ تھی... تقریباً ساٹھ غازی جوش وغصے سے دیوانہ ہو کر تلواریں ہاتھوں میں لیے جھپٹے مگر وہ سب کام آگئے ان ہی میں علی گڑھ کا مولوی عبدالجلیل بھی تھا جو مسلمانوں کے مذہبی تعصب کو ہوا دینے

؎۱ امانی سنگھ بھرت پور سے گرفتار ہوا اور مقدمہ چلا۔

؎۲ مولوی عبدالجلیل بن ریاض الدین چھتاری سے آئے تھے اور مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کرنے میں پیش پیش تھے۔ زیادہ تر مسلمان انہی کی ترغیب پر میدان میں آئے۔ آپ کی اور دیگر شہدا کی قبریں علی گڑھ جامع مسجد کے شمالی حصے میں ہیں جو 'گنج شہیداں' کہلاتا ہے۔

میں سب سے زیادہ سرگرم تھا۔" [1]

آگرہ اور علی گڑھ کی جدوجہد

آگرہ ڈویژن کے علاقوں پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف دیسی سپاہ بلکہ تعلقہ دار، زمیندار، شہری و دیہاتی عوام بڑے پیمانے پر بغاوت میں شریک تھے۔ دہلی وغیرہ پر انگریزی قبضے کے بعد بھی وہ دشمن کو سرمیدان للکارتے رہے۔ خاص سرداروں میں الٰہی بخش ولد کھمانی خاں میو قبیلے کا رہنما تھا۔ مولوی مظفر علی، ایک بلند پایہ عالم دین جو بھیکم پور میں تھے اور تحریک میں حصہ لینے کے لیے اپنے طلبا، اور ساتھیوں کو لے کر علی گڑھ آئے، جنگ میں حصہ لیا، شہید ہوئے [2]۔ دلدار علی ولد وزیر علی خاں زمیندار دان پور اور رحم علی خاں ولد مظہر علی ولد دوندے خاں لال خانی رئیس کو نہ بھی شہید ہوئے۔ اُن کا گاؤں علی گنج غارت ہوا۔ امراؤ لال بھی باغی سردار تھا، سومنا کا تھانے دار مقرر ہوا، حسین خاں میواتی کوتوال کول، نواب دولہ تحصیلدار اترولی بنایا گیا۔ نیاز احمد نے بھی نسیم اللہ [3] (ولد حکیم علیم اللہ) وغیرہ کے ہمراہ انتظام سنبھالا۔

جنوری ۱۸۵۸ء تک اکثر علاقے انگریزی قبضے میں آچکے تھے لیکن انقلابیوں کی فوجیں اب بھی جمنا کے کنارے مختلف گھاٹوں پر موجود تھیں۔ اُدھر مندسور کے ایک ہزار روہیلے شہزادہ فیروز

---

[1] ایس بی چودھری: ص ۸۰

[2] مظفر علی جید اور متبحر عالم، درس و تدریس میں مشغول تھے، ذرّہ تخلص کرتے تھے۔ شیخ فریدالدین عطار کا پند نامہ انیس المسلمین کے عنوان سے ترجمہ کیا (۱۲۶۷ھ) جو غیر مطبوعہ ہے۔

[3] مولوی نسیم اللہ مولانا عبدالجلیل کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ عربی فارسی کے عالم اور شاعر بھی تھے مفتی صدرالدین آزردہ کے بھی شاگرد تھے۔ طب کی تعلیم حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کی۔ مرزا غالب سے تعلقات تھے، وکالت کا امتحان بھی پاس کیا اور ججی میں وکیل رہے۔

کی کمان میں تھے۔ مارچ ۵۸ء میں پھپھوند کا تحصیل تھانہ لوٹا گیا، ادائیہ پر اب تک ان کا قبضہ تھا۔ نانا صاحب کے ایجنٹ بندیل کھنڈ میں سرگرم تھے۔ ترورو کے راجہ کے پاس سے جو کاغذات برآمد ہوئے اُن سے باغیانہ سازشوں کا سراغ ملا لیکن راجہ نے زہر کھا کر جان دیدی (۱۵ مارچ ۵۸ء) مارچ ۵۸ء کے آخر میں پھر بعض مقامات پر انقلابیوں نے قبضہ کرلیا، ان کے پیدل اور سوار دستے اورائیہ کے قریب بڑی تعداد میں موجود تھے، وہ گولا بارود بھی بنا رہے تھے۔ ۲۹ مارچ کو انھوں نے وینکت سنگھ کی سربراہی میں حملہ کیا۔ انگریزوں نے اگرچہ آس پاس کے تمام گاؤں جلا دیئے جو بغاوت میں شریک تھے لیکن اجیت مل گاؤں پر اب بھی اُن کا قبضہ تھا۔ اٹاوہ کے کلکٹر ہیوم کی رپورٹ یہ ہے کہ

"آس پاس کے تمام گاؤں کی آبادی دشمن کی مدد کر رہی ہے یہ گاؤں شاہ پور، راج پور، رام نگر اور آیانہ وغیرہ ہیں اس لیے ہم نے متعدد گاؤں جلادیے اور یہ سزا یہاں ضروری سی معلوم ہوتی تھی"[1]

اسی دوران میں راجہ تیج سنگھ (مین پوری) نے اورائیہ پہنچ کر انقلابیوں کی مدد کی اور ہیوم کی فوج تیج سنگھ کے خوف سے واپس لوٹ گئی۔ انقلابی اجیت مل کی طرف بڑھے، انگریز افسر بدحواس ہوگئے۔ انھوں نے نرنجن پر اور چکرا نگر کے راجہ پر اپریل مئی ۱۸۵۸ء میں اچانک حملے کیئے لیکن اٹاوہ پر پھر انقلابیوں نے قدم جما لیے[2] آیانہ پر روپ سنگھ کا قبضہ تھا۔ آہستہ آہستہ انقلابی بندیل کھنڈ میں داخل ہونے لگے (ملاحظہ ہو "آخری دور")

مین پوری کے علاقے مصطفےٰ آباد کے قریب اہیروں نے مارچ ۵۸ء تک باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔ رتن سنگھ کا انگریزی فوجوں نے پیچھا کیا۔ تیج سنگھ نے کالی ندی پار کی۔ اُس کا بھی

اے۔۲ 1,2. Freedom Struggle in UP vol.5 pp 780,782

Foreign Deptt. NWFP Narrative of Events.

پیچھا ناکام رہا۔ مئی ۵۸ء میں انقلابی نبی گنج میں جمع تھے جہاں اُنھوں نے تار کاٹے، گاڑیاں جلا دیں اور علی گنج چلے گئے۔ گنگا سنگھ کی گرفتاری پر پانچ ہزار روپے کا اعلان تھا۔ رحیم علی مع فوج کے جنوری ۵۸ء میں ہاتھرس کی طرف بڑھا اور گنگا پار کر کے علی گڈھ میں داخل ہو گیا۔ مئی ۵۸ء میں بھی اکبر آباد اور سکندرہ راؤ کے علاقوں میں باغی گروہ سرگرم تھے۔ اکبر آباد میں منگل سنگھ اور مہتاب سنگھ ان کے رہنما تھے۔

الور کا راج پوت راجہ بنی سنگھ 'وفادار' تھا لیکن عوام، جن میں میو قبیلے نمایاں تھے، کھلے عام بغاوت کر رہے تھے۔ اُنھوں نے راجہ کی فوج کو شکست دے کر مار بھگایا۔ 'مرقع الور' مؤلفہ مخدوم تھانوی میں یہ حالات اس طرح بیان ہوئے ہیں:

> "میوان نے مجتمع ہو کر ہر طرف ایک شور و غل مچایا، اگرچہ ان کی سرکوبی کو فوج راج سے بھیجی گئی لیکن وہ آگ اُن سے منطفی نہ ہوئی چار سو ایک ہنگامہ آرائی تھی اور ہر میو کو بصورت دیو خود نمائی تھی۔۔۔ جب فوج راج متعینہ پتوکرہ نے باغیان کو جو اس طرف آنکلے تھے دبایا اور باغیوں نے دلیرانہ پھر کر فوج راج کو مار بھگایا تو میوان نے لشکر راج ہی پر ہاتھ صاف کیا اور گھوڑا اور اسباب ادن کا جو ہاتھ لگا لوٹ لیا اور تجارہ کی باگر گھاس جلا گئے اور زر گاواں سرکاری لوا لے گئے" [1]

اسی دوران میں انگریز حکام کی طرف سے راجہ کے پاس پیغام آیا کہ وہ بغاوت دبانے کے لیے فوج بھیجے چنانچہ ایک فوج منظم کر کے ٹھاکر چمپا جی (ولد راجہ بہادر) اور خواص میاں جی کی سرکردگی میں آگرے کی طرف روانہ کی گئی مگر جیسے ہی یہ فوج اچنیرا پر مقیم ہوئی نیمچ اور نصیر آباد سے آتی ہوئی انقلابی فوج نے آگھیرا۔ راجہ کی یہ 'چہ پدی چہ پدی کا شوربہ' فوج بھلا کیا مقابلہ کرتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ساز و سامان انقلابیوں کے ہاتھ لگا اور راجہ کے جرنیلوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ خواص میاں جی

---

[1] مخدوم تھانوی: مرقع الور مطبوعہ ۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ ص ۱۵۴-۱۵۵

معین الدین: خدنگِ غدر / ۲۰۵

جان سے ہاتھ دھو بیٹھا، باقی بچے ہوئے لُٹے لُٹائے واپس آ گئے۔ ٹھاکر جیمان جی جو اس فوج کا سالار تھا انقلابیوں کے ساتھ ہو گیا اور دہلی چلا گیا، راجہ کی طرف سے اس کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہوا۔ راجہ نے پھر بغاوت دبانے کے لئے منشی اموجان کو مقرر کیا کہ اسی درمیان راجہ چل بسا۔ انقلابیوں کے لشکر اور میو قبیلے کے عوام پر قابو دشوار ہو گیا۔ چنانچہ :

"در حالتِ پریشانی میں ان کو پا کر میو گرد آئے اور مثلِ مور و ملخ اُون کے دل چھائے۔ سپاہِ راج کو ہجوم بند خار ہوا کہ پیچھا چھڑانا اُن سے دشوار ہوا بمشکل تمام منشی اموجان اس بھیڑوں کے چھتے سے نکل کر تجارہ آئے"[1]

انقلابی فوجوں نے آگرے کے قریب شاہ گنج پر انگریزی فوجوں کو شکست دی۔

---
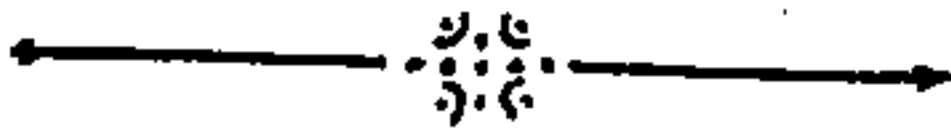
[1] مخدوم تھانوی۔ مرقعِ الور مطبوعہ ۱۸۷۶ء / ۱۲۹۳ھ ص ۱۵۳ - ۱۵۵۔
معین الدین ؛ خدنگِ غدر / ۲۰۵

اَودھ

اَودھ ہر حیثیت سے بہتر اور زرخیز علاقوں میں شمار ہوتا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی بھی عرصۂ دراز سے اسے اپنی دست درازیوں کا نشانہ بنائے ہوئے تھی۔ وارن ہسٹینگز کے عہد سے ہی، جب نواب اَودھ سے پچاس لاکھ روپیہ لے کر روہیلوں کو ہسٹینگز نے پامال کیا تو انگریز رزیڈنٹ اور امدادی فوج، نواب اَودھ کے خرچ پر یہاں رہنے لگی اور یہیں سے ابتدا ہوئی اَودھ کی تباہی اور بربادی کی۔

اَودھ کا الحاق

اَودھ کی الم ناک داستان ہم کسی قدر تفصیل سے گزشتہ صفحات پر بیان کر چکے ہیں۔ واجد علی شاہ کے ساتھ سلوک بھی ہماری نظر سے گذرا اور کچھ آگے آ رہا ہے۔ مختصر یہ کہ جب کمپنی کی شرطیں ماننے سے شاہ نے انکار کر دیا تو انگریزی فوجیں فروری ۱۸۵۶ء میں اَودھ کو گھیر کر لکھنؤ پر چڑھ آئیں۔ اَودھ کی جبریہ ضبطی کا اعلان ہوا اور واجد علی شاہ کو کلکتہ بھیج دینے کا فیصلہ۔

شاہ کی لکھنؤ سے روانگی کا منظر بڑا حسرت ناک تھا وہ قیصر باغ کے مشرقی دروازے سے

نکلے جہاں عوام کا زبردست ہجوم تھا۔ شاہی سواری کانپور روانہ ہوئی اور وہاں چند دن قیام کے بعد الہ آباد میں ٹھہرے جہاں ایک عیسائی کا مکان قیام کے لیے دیا گیا جو انتہائی تکلیف دہ تھا۔ آٹھ دن قیام کا کرایہ پانچ سو روپیہ ادا کیا گیا جسکو بہت قلیل سمجھا گیا اور اس کم حیثیت عیسائی نے شاہ کی تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ یہاں تک کہ شاہ کی سواری کے روکنے کے لیے سڑک پر رسی باندھ دی۔ شہر کے انگریز حاکموں کو بلوایا، شاہ پر نالش دائر کیگئی اور ایک ہزار روپیہ کرایہ وصول کیا۔ یہ سب کچھ افسروں کے اشارے پر ہو رہا تھا۔[1]

راجہ بنارس کی طرف سے استقبال

بنارس کے راجہ ایشری پرشاد نرائن سنگھ کی درخواست واجد علی شاہ کے پاس الہ آباد میں گذری کہ دوران سفر میں بنارس قیام کریں چنانچہ یہ قافلہ الہ آباد سے چل کر بنارس میں داخل ہوا تو یہاں راجہ نے خود شہر کے ناکے پر آکر استقبال کیا، تمام سڑکوں پر پانی کی طرح گلاب کا چھڑکاؤ کیا اور راجہ شاہی سواری کے ساتھ پیدل چل کر آیا۔ شاہ کو زر و جواہر اور نقد روپیہ وغیرہ نذر کیے مگر واجد علی شاہ نے حکم دیا کہ آج ہماری وہ جاہ و حشمت باقی نہیں اس لئے مجبور ہیں، خلعت وغیرہ کی قیمت نقد ادا کی جائے گی اور تمہاری پیش کش میں نے قبول کی مگر دل میں آزردہ نہ ہونا میری امانت رکھ لو جب خدا میرے دن پھیرے گا تو لے لوں گا۔ مہاراجہ بنارس نے کہا کہ اسی روز جہاں پناہ سے خلعت بھی لوں گا۔ مہاراجہ نے شاہ کے قیام و طعام کا نہایت معقول انتظام کیا۔ اس سال اودھ کے الحاق اور شاہِ اودھ کی غم گساری میں کوئی تہوار کبھی نہ منایا۔[2]

---

[1] لکھنو اور جنگ آزادی / ۳۸۔ یہ حالات مرزا احمد رضا قلق نے بھی جو شاہ کے ہمراہ تھے اپنی ایک مثنوی میں بیان کیے ہیں۔

[2] مرزا قلق نے اپنی مثنوی میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس سفر میں ہر طرح تکلیفیں اٹھاتے ہوئے یہ شاہی قافلہ کلکتے پہنچا اور وہاں واجد علی شاہ مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے دوران انھیں فورٹ ولیم کالج میں قید کر دیا گیا۔ یہ ہنگامہ ختم ہونے کے بعد رہا ہو کر مٹیا برج میں رہنے کا حکم ہوا۔ کلکتہ پہنچنے کے بعد خیال کیا گیا کہ ان حالات پر لندن میں فریاد کی جائے۔ لہٰذا شاہ کی والدہ ملکہ کشور بیگم اور بھائی سکندر حشمت، ولی عہد حامد علی وغیرہ ۱۸ جون ۱۸۵۶ء کو لندن روانہ ہو گئے۔

بغاوت کی خفیہ تیاریاں

اودھ میں انقلاب کی چنگاریاں بہت پہلے سے سُلگ رہی تھیں۔ یہاں کے انقلابیوں نے کابل کے امیر دوست محمد کو ایک خط بھی لکھا جس میں آنے والے انقلاب کے لئے مدد مانگی گئی تھی۔ یہ خط اگست ۱۸۵۵ء میں انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ لیکن اودھ کے الحاق پر یہ سرگرمیاں اور بھی تیز ہو گئیں۔ غیر مطبوعہ ریکارڈ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۶ء میں خفیہ بھرتی شروع ہو گئی تھی۔ ایک فقیر قادر علی شاہ اس سلسلے میں بہت سرگرم تھے۔ لکھنؤ کے ایک اخبار "طلسم" نے لکھا تھا:

"چنانچہ جابجا خفیہ بھرتی ہونے لگی۔ عہد و پیمان کے ساتھ اسم نویسی ہونے لگی۔

واہ رے پاس جو کہتا تھا کوئی اس کا یار | نہ کیا اب کے برس آپ نے کوئی تہوار
تو وہ کہتا تھا کہ ہوں عیش میں ہم تو سرشار | اور اس طرح سے لٹ جائے ہماری سرکار
شاہ کیا خاک ہوں کس سے کہیں کس غم میں ہیں | اپنی سرکار کے مٹ جانے کے ماتم میں ہیں

خود واجد علی شاہ نے بھی اپنی نظموں میں یہ حالات بیان کیے ہیں۔ مثلاً حُزنِ اختر وغیرہ میں۔

عشرے کا روز ٹھہرا حسب وعدہ لوگوں کے جتھے اِدھر اُدھر ہوئے مگر حکام خبردار تھے کچھ بن نہ پڑی"۔ (" طلسم"۔ ۱۹ ستمبر ۱۸۵۶ء)

عشرہ محرم ۱۲۷۳ھ م ۱۲ ستمبر ۱۸۵۶ء کا دن مقرر تھا اور اس خفیہ کارروائی میں محمود حسین خاں کمیدان اور نواب محسن الدولہ وغیرہ شریک تھے، بارہ ہزار آدمی بھرتی ہوئے مگر انگریز حکام کو علم ہو گیا۔ نادر علی شاہ نے بھرتی کا اقرار کیا اور محمود حسین کمیدان کے مکان سے تلاشی پر ہتھیاروں کا ذخیرہ برآمد ہوا۔

مولانا احمد اللہ شاہؒ کی سرگرمیاں

اکتوبر یا نومبر ۱۸۵۶ء میں مولانا احمد اللہ شاہؒ لکھنؤ آئے۔ وہ فقیرانہ لباس میں تھے اور تمام ملک میں دورہ کر رہے تھے۔ لکھنؤ میں معتمد الدولہ کی سرائے اور پھر گھسیاری منڈی (گھاس منڈی) میں ٹھہرے۔ بظاہر قوالی کی محفل منعقد کرتے، ارشاد و تلقین کرتے، مرید اور عقیدت مند جمع ہوتے تھے۔ لکھنؤ کا رسالہ "طلسم" لکھتا ہے:

"دو شنبے اور پنج شنبے کو وہاں مجمع کثیر ہوتا ہے شہر کا برنا و پیر ہوتا ہے۔ مجلس حال و قال کی ہوتی ہے لیکن نئی چال کی ہوتی ہے کہ عین جوشِ حال میں فرش پر آگ گراتے ہیں نہ فرش پر دھبّہ لگتا ہے نہ حلق میں چھالے نظر آتے ہیں"

("طلسم"، ۲۱ نومبر ۱۸۵۶ء)

خفیہ انقلابی کارکن بھی فقیرانہ لباس میں لکھنؤ میں ہر طرف سرگرم تھے اور عوام میں بغاوت کی روح پھونک رہے تھے۔ انگریز افسروں کو شبہ ہوا۔ ان فقیروں کو ہٹایا گیا اور پابندیاں لگائی گئیں مگر یہ اپنے کام سے باز نہ آئے۔ ایک جگہ سے ہٹائے جاتے تو دوسری جگہ دھونی رما دیتے۔ مولانا احمد اللہؒ سے بھی باز پرس ہوئی۔ کوتوال نے آکر دھمکانا چاہا۔ ۲۰ جنوری ۱۸۵۷ء) اگر اُنھوں نے کہا۔

" میں جہاد کو فرض جانتا ہوں بے سروسامانی سے لاچار ہوں اگر بہم پہنچے تو

تیار ہوں"

ان کی سرگرمیوں پر بھی پہرہ لگا دیا گیا۔ اُنھوں نے تمام ملک میں خفیہ انقلابی تحریک کا جال بچھا دیا تھا اور یہ سرگرمیاں کم و بیش دس سال سے جاری تھیں اُنھوں نے بغاوت سے تقریباً دو سال پہلے انگریزوں کے خلاف جہاد کا پرچار شروع کیا اور دورے کیے۔ شروع میں صرف مسلمان ان کے عقیدت مند تھے مگر بعد میں ہندوؤں میں بھی ان کی عقیدت و محبت پھیلتی چلی گئی[1]

ایک ہم عصر کا بیان یہ ہے کہ:

"لکھنؤ میں یہ محلہ گھاس منڈی ایک مکانِ معقول میں فروکش ہوا۔ جب شہر لکھنؤ میں سوار ہو کے سیر کو کہیں جاتا، کُل ہمراہی ہتھیار بند ہمراہ ہوتے۔ آگے سواری کے گھوڑے پر ڈنکا ہوتا تھا۔ عملۂ پولس نے جو اِس صورت سے احمد اللہ شاہ کی سواری دیکھی اور شہرت سُنی، صاحب مجسٹریٹ لکھنؤ سے رپٹ کی مجسٹریٹ بہادر نے... عملۂ پولس کو حکم دیا کہ صرف ہتھیار باندھنے کی سواری میں ممانعت کر دو۔ ہتھیار لے کر پولس میں رکھ لو، جب وہ اس شہر سے جاوے، ہتھیار اُس کے، اُس کے حوالے کر دو۔ عملۂ پولس احمد اللہ شاہ کے مکان پر بموجب حکم ممانعت کو گیا ہتھیار طلب کیے۔ احمد اللہ شاہ نے ہتھیار نہ دیے مستعد مارنے مرنے پر ہوا اور یہ کہا کہ میں بادشاہِ اودھ ہوں.... صاحب مجسٹریٹ نے حکم دیا کہ اس سے کہہ دو کہ اگر تمہیں ہتھیار دینے منظور نہیں ہیں تو اِس شہر سے چلے جاؤ۔ عملۂ پولس نے بھی اس حکم کو غنیمت جانا، فقیر کو جا کر سمجھایا، حکم سنایا۔ احمد اللہ شاہ اس حکم سے نپٹ راضی ہو گیا، دوسرے دن فیض آباد چلا گیا۔ چند روز کے بعد

---

[1] ڈاکٹر وزیر خاں کا بیان بحوالہ فریڈم اسٹرگل اترپردیش (انگریزی) جلد دوم ص ۱۴۷

وہاں بھی اسی طرح کے سوار ہونے پر عملۂ پولس متوحش ہوئے [۱]۔۔۔"

فیض آباد کا احوال آگے آرہا ہے اور مولانا احمد اللہ شاہ رح کے بارے میں تفصیل علیحدہ باب آخری دور، میں بھی نظر سے گذرے گی۔

اپریل ۱۸۵۷ء میں ناناصاحب اور عظیم اللہ خاں بھی لکھنؤ آئے۔ اُن کے دورے کا مقصد ظاہر ہے کہ آنے والی بغاوت کے لیے میدان تیار کرنا تھا لیکن اِن سرگرمیوں کی تفصیل سے نہ انگریز حکام واقف ہوسکے اور نہ ہماری نظر کے سامنے آسکتی ہے۔ یہ سازشیں اور تیاریاں ہورہی تھیں کہ بغاوت کا وقت قریب آگیا اور اشتہارات نکلنا شروع ہوگئے۔ یکم مئی ۱۸۵۷ء کو سپاہیوں نے چربی والے کارتوس لینے سے انکار کردیا۔ رسالہ 'طلسم' کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے پہلے ہی بغاوت کے آثار موجود تھے۔ لکھنؤ میں مقیم رجمنٹ نمبر ۱۳- ۴۸ اور ۷۱، این آئی میں رجمنٹ ۴۸ میں سب سے پہلے بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ نمبر ۷ بے قاعدہ سوار فوج مقیم موسیٰ باغ کے سپاہی بھی سازش کررہے تھے۔ جو لکھنؤ سے سات میل دور مقیم تھی ۳ مئی کو ان کے چالیس باغی لیڈر گرفتار ہوئے

سازش کا انکشاف

سپاہ نے کارتوس لینے سے (یکم مئی ۱۸۵۷ء) انکار کیا اور انکے لیڈروں نے بھی بغاوت کی اسکیم بنالی جس میں صوبے دار سرنام سنگھ، جمع دار شیو دین، مُغل بیگ، بھیروں سنگھ اور گلزار خاں وغیرہ شامل تھے۔ اُنھوں نے فوجوں کے نام خط روانہ کیے، اِدھر یہ پُرجوش سپاہی ایک انگریز افسر کے خیمے میں گھس گئے اور اس کو قتل کرنا چاہا مگر اس کے گڑگڑانے پر چھوڑ دیا۔ ۴۲۔ نمبر پلٹن کے نام ایک خط انگریزوں کے ہاتھ لگا جو منڈیاؤں کی چھاؤنی سے بھیجا گیا تھا۔ اس خط سے سراغ پاکر خفیہ سازش کرنے والے گرفتار ہوگئے۔ اِن سپاہیوں نے بغاوت کی سازش میں شرکت کا اقرار کیا اور علی الاعلان

---

[۱] معین الدین: حدنگ غدر ۱۰۸

بغاوت پر آمادہ ہو کر بندوقیں سنبھال لیں۔ اگلے دن ۳۱ مئی کو موسیٰ باغ میں اِن سپاہیوں کو گھیر کر قتل اور پھانسیوں کا دور شروع ہو گیا جس سے عوام اور بھی مشتعل ہو گئے شہر میں اشتہار نکلنا شروع ہو گئے۔ ایک فارسی اشتہار میں مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر اُبھارا گیا تھا۔ ایک اور پوسٹر فوج کی چھاؤنی (کیولری لائن) میں پایا گیا دیواروں پر بھی پوسٹر لگائے گئے جن میں اس موقع پر خاموش رہنے والوں کو انگریز کا تخم اور پیدائشی شور کہا گیا اور لعنت بھیجی گئی تھی۔ ؎۱

فوج میں بغاوت کے آثار

انگریزوں کو فوج میں بغاوت کے آثار نظر آنے لگے اور یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ ہتھیاروں سے یہ آگ بجھ نہ سکے گی لہٰذا وہ ہتھیار نکالے گئے جو فوری طور پر نہ سہی مگر آگے چل کر کامیاب ہو سکتے تھے۔ ۱۲ مئی کو ہنری لارنس نے دربار کیا تقریر کی اور انقلابیوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے لیے اورنگ زیب، رنجیت سنگھ اور حیدر علی پر جانب داری اور دوسرے مذاہب والوں پر ظلم کرنے کے الزامات تراشے مگر اس تُرشی نے بھی یہ نشہ نہ اُتارا یہاں تک کہ جن سپاہیوں کو وفاداری پر انعامات دیئے گئے تھے وہی بعد میں بغاوت میں شامل ہو گئے۔ تاہم ۳۰ مئی تک فضا پُرسکون رہی اور انگریز اس خوفناک سکون سے گھبرا کر رزیڈنسی میں اپنی حفاظت کا انتظام کرنے لگے۔

؎۱ 1. SAVARKAR: p. 147

2. The Bengal Herkaru & Indian Gazette 4th June 1857

Freedom Struggle in UP vol.2 p.10-13

مولانا احمد اللہؒ کی گرفتاری

مولانا احمد اللہ شاہؒ فروری ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ سے فیض آباد چلے گئے اور برابر اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہے[1] آخر مجبور ہو کر ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا گیا۔ پولس نے گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تو مسلح دستے روانہ کیے گئے۔ انگریزی دستے بندوق سے اور مولانا کے ہمراہی تلوار سے مقابلہ کر رہے تھے

اخبار "طلسم" (۶ مارچ ۱۸۵۷ء) لکھتا ہے:

"مثل مشہور ہے تلوار اور گولی کی لڑائی کیا، دو سے پانچ آدمی کی صف آرائی کیا، زخموں سے چُور ہوئے، بادۂ اجل سے مخمور ہوئے ..... شاہ صاحب نے جرأت سے جھپٹ کر ہاتھ مارا تلوار کا پھلڑا ٹوٹ گیا مجبور ہوئے جی چھوٹ گیا۔ اس پر گولی کا زخم سینے پر کھایا .... شاہ صاحب ہنستے گرفتار ہوئے"۔

گرفتاری کی تفصیلات

مولانا احمد اللہ شاہؒ کی گرفتاری پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کیونکہ وہ تحریک ۱۸۵۷ء کی اہم ترین شخصیت ہیں۔

لکھنؤ کے ایک اور اخبار "سحر سامری" نے فیض آباد کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے لکھا تھا:

"ہر گلی کوچے میں معہ ہمراہیان خاص ہتھیار باندھے پھرتے تھے کہ شہر کے مردمانِ پولس یہ حال دیکھ کر براہِ تعرض گھیرتے تھے۔ رفتہ رفتہ خبر ہوئی کہ بلوے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سپاہیانِ سرکار نے تنگ و دو بے شمار کی ہتھیار لے لینے میں

---

[1] مولانا کے تفصیلی حالات کسی آئندہ باب میں بیان کیے جائیں گے۔
جب کہیں جاتے تو ڈنکا بجتا ہوا ہمراہ چلتا تھا۔
سکندر شاہ کے نام سے بھی مشہور تھے۔

تکرار کی۔ کہا کہ "یا سب ہتھیار دیدو یا اسی وقت اپنا راستہ لو"۔ جواب دیا "کہ نہ ہم ہتھیار دیں گے نہ کسی سے جھگڑا فساد مول لیں گے۔ الغرض کوتوال صاحب اور تھرمس بورن کمشنر نے سنّا استفسار حال کے واسطے طلب کیا۔ اِن کو انکار ہوا۔ نہ جانے میں اِصرار ہوا۔ آخر صاحب موصوف (کمشنر) خود تشریف فرما ہوئے بہت فہمائش کی وہ ایک نہ شنوا ہوئے۔۔۔۔" [1]

فیض آباد کے ڈپٹی کمشنر نے ان واقعات کی جو رپورٹ ۱۷ فروری ۱۸۵۷ء کو لکھی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۶ فروری کو شام کے وقت لفٹننٹ تھرمس بورن کو اطلاع ملی کہ ایک فقیر مع اپنے چند مریدوں کے شہر کی سرائے میں مقیم ہے۔ لوگ جوق در جوق اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ فقیر کا کھلا ارادہ ہے کہ وہ لوگوں میں بغاوت پھیلا کر ان کو بلوہ کے لیے آمادہ کرے۔ چنانچہ تھرمس بورن مع چند سپاہیوں کے وہاں پہنچا اور دیکھا کہ سڑک اور دروازے کے علاوہ سرائے کے اندر بھی لوگوں کا بے حد ہجوم ہے۔ مولاناؒ اس وقت نماز کے لیے (غالباً مغرب کی) تشریف لے گئے تھے۔ واپسی پر تھرمس بورن نے اُن سے بات کی اور کہا کہ وہ ہتھیار جمع کر دیں، جب فیض آباد چھوڑیں گے تو ہتھیار واپس مل جائیں گے۔ اس پر مولانا احمد اللہؒ نے جو فقیرانہ لباس میں تھے، مردانہ وار جواب دیا کہ "ہم ہتھیار نہیں دیں گے کیونکہ یہ ہمیں اپنے پیر سے ملے ہیں" اس جواب اور تکرار پر سول گارڈ کے سپاہی بلائے گئے۔ پھر درخواست کی گئی کہ "ہتھیار واپس کر دو اور آزادی سے شہر کے باہر جا سکتے ہو"! جواب پھر دو ٹوک پایا کہ

"فقیر اپنی مرضی سے شہر چھوڑے گا"

اس جواب پر سپاہیوں کو حملے کا حکم دیا گیا اُدھر سے مولاناؒ کے ہمراہیوں نے (بموجب رپورٹ تقریباً دس تھے) مقابلے کی ٹھان لی۔ مولاناؒ نے اسپیشل اسسٹنٹ (لفٹننٹ) پر تلوار

---

[1] اخبار "سحر سامری" رجب ۱۲۷۳ھ م مارچ ۱۸۵۷ء

سونت لی مگر لفٹنٹ مذکور نے مقابلے کی ہمت نہ کی، وہاں سے ہٹ گیا اور پہرہ بٹھادیا تاکہ وہ مجمع منتشر ہو جائے جو جامع مسجد کے قریب جمع ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے مزید فوجی کمک طلب کر لی اور ڈپٹی کمشنر فوربس کو اطلاع کر دی جو دورے پر گیا ہوا تھا۔ ۱۷ فروری کو فوربس معہ چند افسروں کے مولانا کے پاس گیا۔ اس کی فہمائش اور سوالات کے جواب بھی اُسی دلیری اور بے باکی سے ملے جو پہلے ظاہر کی جا چکی تھی اس پر طے کیا گیا کہ ان فقیروں پر اچانک حملہ کیا جائے۔ پہرے دار دستہ، مددگار دستہ، جو رائفل اور سنگینوں سے مسلح تھا، اور دیگر سپاہ حملہ آور ہو۔ مگر مولاناؒ کے ساتھیوں نے یہ اشارہ سمجھ لیا اور وہ سب تلواریں سونت کر سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ لفٹنٹ ٹامس بُری طرح زخمی ہوا جسکو مولاناؒ نے گھائل کیا۔ مولانا کے تین ہمراہی شہید ہوئے خود مع چند جاں نثاروں کے زخمی ہو کر گرفتار ہوئے اور این۔ آئی ہسپتال میں زیر علاج رہے اس فوجی جیل کے ڈاکٹر نجف علی تھے جو مولاناؒ کے معتقد تھے، انھیں جیل میں اچھا کھانا وغیرہ مہیا کرتے رہے اور بغاوت شروع ہونے پر مولاناؒ کے ہمراہ ہو گئے، نمبر ۲۲ رجمنٹ کے ساتھ لکھنؤ گئے جہاں چند ماہ مقیم رہے۔

جس رپورٹ سے یہ حالات لیے گئے اس میں مولاناؒ کے بارے میں ڈپٹی کمشنر نے لکھا ہے :

> "اس فقیر کے متعلق بہت کم قابل وثوق اطلاع مل سکی ہے بازار میں عام طور پر اسکو سکندر شاہ کہتے ہیں وہ انگریزی بولتا اور لکھتا ہے، گو وہ ناقص ہے۔ اس کا بیان ہے کہ وہ مدراس کی طرف سے آیا ہے۔ میری رائے ہے کہ وہ یا تو ملتان کا رہنے والا ہے یا سندھ کے قریب کا۔ بعض کاغذات جو اس گروہ کے پاس پائے گئے وہ بہت ہی مشتبہ قسم کے ہیں" [1]

گرفتاری کے بعد مولاناؒ پر مقدمہ چلایا گیا جس کی تفصیل فیض آباد کے حالات میں پیش کی جا رہی ہے۔

---

[1] فاروقی (ابرار حسین) : مآثر دلاوری ۹۹

یہاں وہ چوک کی سرائے میں مقیم تھے۔

لکھنؤ کی بغاوت اور سازشیں

۳۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو رات کے نو بجے توپ چلی اور منڈیاؤں کی چھاؤنی میں بغاوت کا بگل بج گیا۔ چھاؤنی میں آگ لگادی گئی۔ باغی سپاہ سیتاپور روانہ ہوگئی۔ اگلے دن ۳۱ رمئی کو شہر میں جوش وخروش پھیل گیا، محلہ منصور نگر میں میر عباس نے جہاد کی ترغیب دی۔ تحریک ولی اللّٰہی کے ہم نواؤں نے جلوس نکالا، مفتی گنج کے آس پاس جمع ہوئے۔ ایک انگریز قتل بھی کیا گیا اور کوتوالی کی طرف بڑھے۔ کئی تھانے لوٹے اور منڈیاؤں کی چھاؤنی میں آگ لگادی۔ پولس سے تصادم کے بعد گرفتاریوں اور پھانسیوں کا بازار گرم ہوا[1]۔ میر عباس کو بھی پھانسی ہوئی۔

اس موقعے پر ایک گہری سازش کا ہلکا سا سراغ ملا جو شہر اور چھاؤنی کے اشتراک سے کی جارہی تھی۔ اس میں خاص طور پر شرف الدولہ۔ رکن الدولہ اور مسیح الدولہ شریک تھے لیکن سازش کی پوری معلومات نہ ہوسکی شرف الدولہ کہ شاہ اودھ کا درباری تھا[2]۔ گرفتار ہونے والوں میں مصطفےٰ علی خاں (شاہِ اودھ کے بھائی) راجہ تُلسی پور اور دو بھائی جو دہلی کے شاہی خاندان سے تھے، شامل تھے۔[3]

انگریز افسر اور مجسٹریٹ شاہی محلوں میں بھی گھس گئے، امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کی

---

[1] مچھی بھون قلعہ کے پاس پھانسیاں دی گئیں۔

[2] شرف الدولہ نے اودھ کے محاصرے میں بھی حصہ لیا اور انقلابی حکومت میں بھی شریک تھا مگر آخر میں غداری کی وجہ سے ایک مسجد میں مولانا احمد اللّٰہ کے ساتھیوں نے اُسے قتل کردیا (لکھنؤ کی شکست کے بعد)

[3]

3. HUTCHINSON: Narrative of Events pp.71-75

اولاد میں جو لڑکے تھے انھیں گرفتار کیا اور مرزا اسلیمان شکوہ (خاندان مغلیہ) وغیرہ کو بھی پکڑ لیا۔ بیگم حضرت محل نے یہ دیکھ کر برجیس قدر کو لباس تبدیل کر کے چھپا دیا اور وہ گرفتاری سے محفوظ رہا۔ کمشنر ہنری لارنس نے خطرے کے آثار دیکھ کر ریذیڈنسی اور مچھی بھون میں پناہ گاہیں بنالی تھیں۔ پورے اودھ میں بغاوت کی آگ لگ چکی تھی۔ ۳ رجون تک سیتاپور، بہرائچ اور گونڈہ آزاد ہو گئے لیکن کوئی متحدہ پلان اور اسکیم نہ ہونے کی وجہ سے ہر باغی رجمنٹ نے الگ الگ طریقہ کار اختیار کیا۔

فیض آباد میں بغاوت

مولانا احمد اللہ شاہؒ کو گرفتار کر کے ہسپتال میں زیر علاج رکھا گیا اور اُن پر مقدمہ چلایا گیا۔ عدالت میں مولاناؒ نے عدالت کی تعظیم بھی روا نہ رکھی، ہر بات کا نہایت دلیری سے جواب دیا۔ "تواریخ احمدی" مؤلفہ فتح محمد تائب (قلمی) یہ حالات نظم میں اس طرح بیان کرتی ہے:

جواب ایسے دیتے تھے دنداں شکن ۔۔۔ نہ ثابت ہوا جرم شمشیر زن
نہ جھکتے تھے آداب و تسلیم کو ۔۔۔ رکھا طاق پہ رسم تعظیم کو
سواری سے اپنی اُترتے نہ تھے ۔۔۔ کہیں رو بکاری سے ڈرتے نہ تھے

مقدمے کا فیصلہ وہی ہوا جو ہونا تھا یعنی پھانسی کا حکم سُنا دیا گیا لیکن یہ فیصلہ خود انگریزوں کے لیے ہی پھانسی ثابت ہوا اور تمام فیض آباد مشتعل ہو کر بغاوت پر اُٹھ کھڑا ہوا۔ عوام نے ۸ رجون کو جیل خانے پر حملہ کیا ہندوستانی فوجی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ دلیپ سنگھ کی رہنمائی میں سب سے پہلے جیل خانہ توڑ کر مولاناؒ کو آزاد کیا اور اپنا سردار بنا لیا۔ اب مولاناؒ فیض آباد کے حاکم تھے اور انگریز محکوم ـــــ لیکن اِن محکوموں کے ساتھ جو چند دن پہلے مولاناؒ کو پھانسی دینے کا فیصلہ دے چکے تھے، کیا سلوک کیا گیا؟ پہلے مولانا احمد اللہؒ نے سب اسسٹنٹ سرجن نجف علی کی معرفت حکم بھیجا کہ اپنی وردیاں ہمارے حوالے کر دو چنانچہ انگریزوں نے ایسا ہی کیا۔ [1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انگریزوں کے بیانات یہ ہیں کہ انگریز افسروں کو گرفتار کر کے قید کر دیا گیا اور پھر اُنھیں فیض آباد سے نکلنے کے لیے کہا گیا، پہرہ لگایا گیا کہ اُن کی لوٹ مار نہو، ذاتی سامان لے جانے کی اجازت دی گئی۔ اتنا ہی نہیں، ابھی اور سُنیئے کہ اُن کے لئے کشتیاں تیار کرا کر اُن کو نوسو روپے اخراجات کے لیے دیئے گئے۔ [1]

جب انگریز افسروں نے فوج سے تعمیل حکم کے لئے کہا گیا تو سپاہیوں نے ادب سے جواب دیا کہ "اب ہندوستان آزاد ہے، ہم اپنے ملکی افسران کے ماتحت ہیں اور یہاں واجد علی شاہ کی حکومت ہے" ـــــ فیض آباد سے بھاگتے ہوئے انگریزوں کو راجہ مان سنگھ نے اپنے شاہ گنج کے قلعے میں پناہ دی۔ ہنومنت سنگھ اور سردار رستم شاہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن جب انگریزوں نے ہنومنت سنگھ سے اپنا ساتھ دینے کی امید ظاہر کی تو اس راجہ نے کہا ـــــ

"آپ اس ملک میں آئے اور ہمارے بادشاہ کو نکال دیا۔۔۔ میں نے آپ کو پناہ دی ہے مگر اب میں اپنی فوج کے ساتھ لکھنؤ جا کر آپ کو ملک سے نکالنے کی کوشش کروں گا" [2]

رسالدار سید برکات احمد مع فوج سیتاپور سے آکر فیض آباد میں انقلابیوں کے کمانڈر ہو گئے۔ اور یہ فوج محمود آباد ہو کر لکھنؤ روانہ ہوئی۔ گورکھپور کے ناظم میر محمد حسن نے کرنل لی نوکس کے خاندان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

[1] رام سہائے تمنا: احسن التواریخ / ۰۰

---

[1] کنہیا لال: محاربۂ عظیم / ۳۵۴، سین / ۱۸۶

[2] 3. SEN: Eighteen Fifty Seven pp. 187-188

MALLESON: vol.1 pp.407-408

کو پناہ دی اور بحفاظت گورکھپور کے کلکٹر کے پاس روانہ کر دیا۔ شاہ گنج کے انگریزوں کو مان سنگھ نے دانا پور بھیج دیا۔ راستے میں گوپال پور کے راجہ مادھو پرشاد نے بھی ان کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کیا حالانکہ ان سب نے بغاوت نے نمایاں حصہ لیا ہے (سوائے مان سنگھ کے جس نے دوغلا کردار ادا کر دیا ہے)۔ کرنل بی نوکس کا بیان ہے کہ مولانا احمد اللہ شاہؒ نے اس کے خاندان کو پناہ دینے کی پیشکش کی[1] یہ تمام حالات انگریزوں کے بیان کردہ ہیں جو شاید اپنی پوری قوم کی تاریخ سے دشمن کے ساتھ اس فیاضانہ برتاؤ کی مثال پیش نہیں کر سکتے

فیض آباد کے دوسرے علاقے

رائے بریلی میں ۱۰ر جون کو بغاوت ہوئی لیکن یہاں بھی انگریزوں کا خون خرابہ نہیں ہوا۔ آس پاس کے تمام تعلقہ دار بغاوت میں شریک تھے۔ اسی طرح تحصیل ساون کے اور خصوصاً نین کے خان پوریہ قبیلے کے لوگوں نے عملی طور پر بغاوت میں حصہ لیا اور انگریزی حکومت کے تمام مال و متاع کو تباہ و برباد کر دیا۔

فیض آباد میں انگریزوں کے ایجنٹ بھی سرگرم تھے جنھوں نے مولانا احمد اللہؒ کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور دیکھ کر اپنا پرانا حربہ استعمال کیا یعنی یہ مشہور کیا گیا کہ مولاناؒ ہندوؤں کے دشمن ہیں۔ فوری طور پر اس پروپیگنڈے کا اثر بھی ہوا۔ اور ہندو افسران میں کچھ لوگ اُن سے برگشتہ ہو گئے۔ "تاریخ احمدی" (قلمی) میں ہے:

جو ثابت ہوا نیتوں میں فساد — چلے لکھنؤ خسرو شہزاد
کہا فتح ہم کو خدا داد ہے — وہ خود کیا ہیں، کیا انکی امداد ہے

---

1. SEN: pp.187-188 ــلہ

MALLESON: vol.1 p. 407-408

لیکن اس پروپیگنڈے کا اثر جلد ہی زائل ہوگیا اور جب مولاناؒ فیض آباد کا انتظام مان سنگھ کے حوالے کر کے لکھنؤ روانہ ہوئے تو کچھ ہی دور گئے تھے کہ باغی ہندو سپاہی پشیمان ہوکر اُن سے آملے، وفاداری کا پھر سے عہد و پیمان کیا اور لکھنؤ کے لیے ہمراہ ہوگئے۔[1]

مان سنگھ کا کردار بغاوت کے دوران نہایت قابل اعتراض تھا۔ ایک طرف تو اس نے اپنے بھائی رام دین کو نانا صاحب کے پاس بھیجا اور دوسری طرف انگریزوں سے خفیہ خط و کتابت بھی کرتا رہا لیکن اودھ کے دوسرے تعلقہ دار اور جاگیر دار کھلے طور پر بغاوت میں شریک رہے۔ خاص طور پر برہار (Birhar) کے پلوار، حسن پور کے جاگیر دار، بھیل (Bhale) کے سلطان، گھاتم پور کے چوہان، کھپرادی کے رام سروپ، سمن پور تفضل حسین مع اپنے ہمراہیوں کے بغاوت میں سرگرم تھے۔ اُدت نرائن سنگھ نے فیض آباد سے بھاگتے ہوئے انگریزوں پر ہاتھ صاف کیا۔ برہار کا ایک اور زمیندار مادھو پرشاد سنگھ مسلح فوج کے ساتھ میدان میں آگیا۔ اُس نے علاقے کے دوسرے سرداروں کشن پرشاد، شیفو پرشاد اور راجہ پرتھوی پال سنگھ وغیرہ کو بھی آمادہ کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ مادھو پرشاد نے چکلہ دار کا لقب اختیار کیا اور ایک زبردست فوج کے ساتھ جولائی میں اعظم گڑھ پر حملہ آور ہوا۔ اکبر پور کے چندر شین سنگھ اور ادرش سنگھ کی سرکردگی میں راجکماروں نے جمع ہو کر جون پور پر حملے کا پلان بنایا۔ رام نگر کا گور بخش سنگھ بھی انگریزی حکومت کے خلاف صف بستہ ہو گیا تھا۔[2] (ان لوگوں نے فروری ۱۸۵۸ء میں جنگ بہادر راجہ نیپال سے معرکوں میں بھی حصہ لیا)۔

فیض آباد میں توپوں کی مرمت کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ اسمٰعیل خان سابق تحصیل دار درست تو اب شہزاد پور میں تھا اور تعلقہ داروں کی مدد سے فوج جمع کر رہا تھا۔ میر محمد حسن فیض آباد پہنچ چکا

---

1. GUBINS: Mutinies in Oudh pp.154-155 ؎۱

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 121 ؎۲

تھا اور جے لال سنگھ کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ لکھنؤ کے احکامات کے مطابق انھیں دونوں کو جون پور پر حملہ کرنا تھا۔

آغا حسن، سید غلام حسین، ادلا منو چکلہ دار اور نائب اسمٰعیل خاں نے بھی سرگرمی سے بغاوت میں حصہ لیا۔ ان سب کی فوجوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ آغا حسن نے بھی فوج منظم کی۔

میلیسن نے فیض آباد کے باغی تعلقہ داروں کی جو فہرست دی ہے۔ اس میں مذکورہ بالا ناموں کے علاوہ ٹھاکر نرائن، میر باقر حسین، نادر شاہ۔ رگھوناتھ کنور کے نام بھی ہیں۔ [1]

ہچن سن (HUTCHINSON) نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ انس (INNES) نے رستم شاہ (راجہ امیٹھی) ہنومنت سنگھ۔ بہو بیگم۔ ہردیو بخش اور ہنومان گڈھ کے مہنتوں کے وفادارانہ رویے کا بھی ذکر کیا ہے۔ [2]

اس علاقے کے مختلف تعلقہ دار جو مع اپنی فوجوں کے میدان میں آئے اور ان کی تفصیلات ایک انگریز نے گورنر جنرل کو لکھی، اس طرح تھی:

نام سردار	تعداد فوج	توپیں	کیفیت
بربرکا مادھو پرشاد	۱۰۰۰	۲	
اڈت سنگھ (بربر)	۱۰۰۰	۲	
ادریش سنگھ وغیرہ	۵۰۰۰	۵	گومتی ندی پر بریگیڈیر فرینک کا مقابلہ بھی کیا

[1] میلیسن، جلد دوم / ۳۹۸ بحوالہ چودھری / ۱۲۱

[2] 3. HUTCHINSON: Narrative of the Mutinies pp. 70-71

INNES: Lucknow in the Mutinies pp.87-94

CHAUDHURI: Civil Rebellion p.121

ان کے ساتھ اس علاقے کے بے شمار زمیندار اور راجپوت سردار بھی تھے۔	۵	۵۰۰۰	باقر حسین، غضنفر حسین
محمد حسن کو زبردست فوج دے کر امداد کی	۲	۵۰۰	راجہ عباس علی (ٹانڈہ)
عباس علی اور فیض آباد کے چھوٹے راجپوت سرداروں کی فوجیں شامل	۴	۵۰۰۰	محمد حسن
	۳	۲۰۰۰	راجہ جے لال سنگھ اور بینی مادھو
	۷	۴۰۰۰	دیبی بخش سنگھ (گونڈہ)
ضلع گونڈہ کے زمیندار وغیرہ کے آدمی شامل	نامعلوم	۲۰۰۰	راجہ بھنگہ
	۴	۱۵۰۰	راجہ مانک پور
	—	۴۰۰۰	مان سنگھ

فوربس کے اندازے کے مطابق سولہ ہزار فوج عملی طور پر میدان میں تھی اور یہ پوزیشن فروری ۱۸۵۸ء میں قرار دی گئی تھی۔

سندیلہ اور خیرآباد

سندیلہ خیرآباد اور ملیح آباد کے علاقوں میں ۳۰ مئی کو بغاوت شروع ہوئی۔ ہنری لارنس نے کیپٹن گولڈوون کو مقرر کیا جو یکم جون ۵۷ء کو فوج لیکر سندیلے پہنچا لیکن یہاں پہنچ کر لکھنؤ اور سیتاپور میں بغاوت کی خبریں ملنے پر حواس پراگندہ ہوگئے اور وہ بغاوت دبانے کی بجائے خود ہی بچ کر بھاگ گیا اور تمام ضلع میں بغاوت پھیل گئی۔ انقلابیوں نے خزانے پر قبضہ کر لیا، ریکوار ٹھاکروں نے نمایاں حصہ لیا، موضع رُدیہ اور ملاوان پر حملہ کیا، کچہریاں جلادیں۔ سندیلے کے انقلابی ملیح آباد کے قلعے پر قابض ہوگئے جنھیں انگریزوں کے متواتر حملوں کے باوجود کبھی نکالا نہ جاسکا۔ بالآخر ۳۰ جولائی ۵۸ء کو انھوں نے قلعہ خالی کیا اور سندیلہ آگئے۔

اپریل ۵۸ء میں تہربرن مع فوج سندیلے آیا اور انتظامات سنبھالنا شروع کیے راجہ دھنپت رائے جو سندیلہ اور خیرآباد کا سابق چکلہ دار تھا، انگریزوں کی وفاداری میں نمایاں تھا، اسے طلب کیا گیا اور سند وفاداری عطا ہوئی لیکن یہ سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ شہزادہ فیروز شاہ کی فوج سندیلے میں داخل ہوئی، دھنپت رائے اپنی وفاداری کے سبب گرفتار ہوا۔ برجیس قدر کی تخت نشینی پر خیرآباد کے چکلے دار ہر پرشاد اور سندیلے کے چودھری حشمت علی[۱] تھے۔

اب لکڑ شاہ کو ناظم بنایا گیا جس نے گلاب سنگھ کے ہمراہ انتظام سنبھالا جب انگریزی فوج ملیح آباد سے آئی تو لکڑ شاہ اور اسکے ساتھی گلاب سنگھ (کارندہ بردا) کو نکالا۔ لیکن اکتوبر ۵۸ء میں انقلابی راجہ پرشاد نے چھ ہزار فوج اور آٹھ توپیں لیکر پھر سندیلے پر چڑھائی کی۔ دریائے گومتی پار کرکے بہت سے زمینداروں کو ساتھ لے آیا اور ۴ر اکتوبر کو قصبے سے تین میل کے فاصلے پر آکر ٹھہرا۔ انگریز اس سے بدحواس ہوکر اپنے وفادار دھنپت رائے کے مکانات میں پناہ گزیں ہوئے۔ جب ۷ر اکتوبر ۵۸ء کو بارکر فوج لیکر لکھنؤ سے آیا تب باغیوں کو شکست ہوئی[۲]

سندیلے کے ایک اور انقلابی شہید علی امجد خاں بلوچ تھے جن کے باپ محمد علی خاں راجہ درشن سنگھ کی جانب سے بہرائچ اور خیرآباد کے چکلے دار رہ چکے تھے۔ یہ بھی بہرائچ کے چکلے دار

---

[۱] چودھری حشمت علی دو بار سندیلے کے چکلے دار رہے۔ ۵۶ء میں بھی اسی عہدے پر تھے بوجہ باقی داری ملاواں میں نظر بند ہوئے۔ بغاوت ہونے پر رہا کرکے باغیوں نے افسر بنایا، محاصرہ بیلی گارد لکھنؤ میں شریک تھے۔ بعد میں ہتھیار ڈال کر معافی مانگ لی اور جائداد وغیرہ پائی۔ ۲۰ر فروری ۱۸۷۲ء کو انتقال ہوا۔

(تواریخ سندیلہ مولفہ درگا پرشاد - ۲۲۲)

[۲] درگا پرشاد: تواریخ سندیلہ۔ ص ۱۰-۱۱ و ۱۱۶

تھے۔ بغاوت میں شریک ہوکر جنگ کی اور لکھنؤ کی ایک جنگ کے دوران عالم باغ میں شہید ہوئے۔ ان کی نعش سندیلے لائی گئی۔[1]

سیتاپور جو خیرآباد ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر تھا، بغاوت کا مرکز بن گیا۔ انگریز یہاں کمشنر کے بنگلے میں جمع ہوگئے۔ ۲ رجون کو آٹے میں ملاوٹ کی افواہ نے اور زیادہ بغاوت کی چنگاری کو ہوا دی اور اگلے دن بغاوت شروع ہوگئی رجمنٹ نمبر ۴۱۔ این آئی جو لکھنؤ کے باغیوں کا مقابلہ کرنے بھی گئی تھی، باغی ہوگئی اور اپنے کمانڈر کو مار ڈالا۔ نواب علی تعلقہ دار محمود آباد نے سب سے پہلے نمایاں حصہ لیا۔

سلطان پور وغیرہ

گومتی کے دائیں کنارے پر سلطان پور میں فوج نے ۹ رجون ۱۸۵۷ء کو بغاوت کی۔ یہاں کے سرداروں نے انگریزی ہتھیار بند فوجوں کو لکھنؤ جاتے ہوئے روک کر کئی جنگیں کیں، سب سے اہم کردار مہدی حسن نے ادا کیا جو شاہ اودھ کے دور میں چکلے دار کے عہدے پر تھے۔ ان کا ہیڈ کوارٹر جون پور سے بیس میل دور حسن پور میں تھا اور سلطان پور وغیرہ کے تمام جاگیر دار عملی طور پر ان کے ساتھ تھے۔ مہدی حسن نے اس تمام علاقے کا انتظام سنبھالا اور اپنا اثر الٰہ آباد تک قائم کرلیا تھا۔[2] جون پور سے چھتیس میل دور سلطان پور کی سڑک پر واقع ایک مقام چاندا پر ۳۱ راکتوبر ۱۸۵۷ء کو لکھنؤ کی سڑک پر قبضے کے لیے ایک سخت خونی معرکہ ہوا۔ میلیسن اور دوسرے انگریز مورخوں نے اس جنگ کو اُن معرکوں میں شمار کیا ہے جن میں باغی فوجوں نے نہایت استقلال اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ پھر اسی مقام چاندا پر ایک اور زبردست جنگ فروری ۱۸۵۸ء میں ہوئی جب جنرل فرینک اپنی فوجیں لیکر لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہاں مہدی حسن کی دس ہزار فوج تھی جسکی قیادت

---

[1] درگا پرشاد: ص ۲۶۸

[2] چودھری (ایس بی) / ۱۲۳۔ بحوالہ خفیہ کاغذات جو برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کیے گئے۔

بندہ حسن کر رہے تھے۔ باغی فوجوں نے یہاں سے شکست کھانے کے بعد کھدایاں کے قلعے پر قبضہ کرلیا جو اس مقام سے نو میل آگے لکھنؤ کے راستے پر تھا۔ اس مہم میں جو خاص جاگیردار مہدی حسن کے ساتھ تھے اُن میں راجہ حسین علی۔ کالکا بخش (رام پور پرگنہ چاندا)۔ صغرا بی بی (تحصیل سلطان پور) راجہ علی بخش خاں (محمدی گاؤں) اور رشی سنگھ (میو پور) دلیپت شاہ (کھیا)، بیج ناتھ سنگھ (شیلو گڈھ ضلع رائے بریلی) بختاور خاں۔ سیتل بخش سنگھ۔ ارجن سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں[1]۔ 'امپیریل گزیٹیر' میں ہے کہ راجہ ڈیراہ کے علاوہ تمام تعلقہ دار باغی تھے۔ یہاں ان معرکوں سے باغی فوجوں کو اپنی فتح و شکست مقصود نہ تھی بلکہ لکھنؤ کی طرف بڑھتی ہوئی انگریزی فوجوں کی پیش قدمی روکنا مدنظر تھا۔ یہ تفصیلات اپنے مناسب موقعے پر بیان ہوں گی تاکہ واقعات کا سلسلہ برقرار رہے۔

سالون، گونڈا اور سیتاپور

سلطان پور سے باغی سپاہ کے دستے سالون کی طرف بڑھے (۸، ۹ جون ۱۸۵۷ء) اور اسی دوران یہاں کی فوج نے بغاوت کی۔ یہاں بھی انگریزوں کو بحفاظت جانے دیا گیا۔ اُن سے کہا گیا کہ باغی سپاہ انکو پوری حفاظت اور آزادی سے نکل جانے دے گی مگر کچھ دن بعد ایسا نہ ہو سکے گا۔ بہرائچ کی تحصیل کے علاقوں اور گونڈا میں بھی بغاوت ہوئی۔ یہاں سکرورا کی نمبر ۳ رجمنٹ کا خط آیا اور فوج نے انگریزوں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ سیتاپور میں نواب علی تعلقہ دار محمود آباد نے سب سے پہلے اس میں نمایاں حصہ لیا۔ سیتاپور کے عوام ان کے ہمراہ ہو گئے۔ لکھنؤ میں چنہٹ کے معرکے میں بھی خان علی خاں کی رہنمائی میں حصہ لیا۔[2]

---

1. Freedom Struggle in UP vol2 pp.243-250

2. Freedom Struggle UP vol.2 pp. 50-51
WYLIE : English Captives in Oudh p.16

سالون میں فضل عظیم ناظم مقرر ہوئے، نائب روح الامین تھے۔ انھوں نے یہاں سے چودہ میل دور سوراؤں کی کے قلعے میں پڑاؤ ڈالا جہاں قرب وجوار کے علاقوں کی باغی فوجیں بھی جمع ہونے لگی تھیں۔ ۲۴ر اکتوبر ۱۸۵۷ء کے اخبار انگلش مین کی اطلاع تھی کہ سوراؤں میں الٰہ آباد کے ناظم مہدی علی خاں خیمہ زن تھے جنکے ہمراہ شاہ پور کے زمیندار سنگرام سنگھ اور نصرت پور کے بینی بہادر سنگھ بھی تھے۔ ان سب نے تقریباً چھ ہزار فوج اور چھ توپیں جمع کر لی تھیں اور مقامی باشندوں سے چار آنہ فی روپیہ ٹیکس وصول کیا۔[1] دیگر علاقوں مثلاً فتحپور، کھجوا، کھیکرو وغیرہ میں عوام کی بڑی تعداد نے بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ اس دوران میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ فضل عظیم نے الٰہ آباد تک قبضہ کر لیا (اکتوبر تا دسمبر ۱۸۵۷ء) انکے ہمراہ دیوان غلام مرتضےٰ، شیو درت سنگھ، دیار جن اور وکل سنگھ (ساکن چوراسی) بھی تھے۔ سالون کے علاقے شنکر پور کے رانا بینی مادھو سنگھ اور ان کے بھائی جوگراج سنگھ بھی تھے جنہوں نے لکھنؤ وغیرہ میں بیگم حضرت محل کے ساتھ مختلف جنگوں میں شرکت کی، پندرہ ہزار فوج تیار کی اور لکھنؤ کی مدد کے لیے بھیجی۔

تحصیل سالون کے خان پوریہ قبیلے اور زمین کے عوام جن میں کاہن پور کے بھگوان بخش۔ امیٹھی کے راجہ لال مادھو سنگھ، اترا چند پور کے راجہ شیو درشن سنگھ، حسن پور کے راجہ حسین علی وغیرہ بغاوت میں مع اپنی فوجوں کے شریک تھے۔ اُدت نرائن، پلوار سردار مادھو پرشاد، اکبر پور کے ادریش سنگھ، چندریش سنگھ بھی شروع سے بغاوت میں شریک تھے۔ ادریش سنگھ اور چندریش سنگھ نے گومتی کے کنارے بھی ایک تصادم میں مقابلہ کیا اور جون پور پر حملے کی تیاری کی۔ ان کے ساتھ رام نگر کے گور بخش سنگھ بھی شامل تھے۔[2]

1.CHAUDHURI: pp.39.91

2.CHAUDHURI: pp.118-121

گونڈا کا راجہ دیبی بخش شروع سے ہی بغاوت میں مع اپنی فوج کے شریک تھا اسکے پاس بیس ہزار فوج تھی۔ لکھنؤ کی شکست کے بعد وہ راپتی ندی کے پار چلا گیا۔ بغاوت کے بعد زیادہ تر تعلقہ داروں نے ہتھیار ڈال دیے مگر راجہ گونڈہ اور رانی تلسی کو آمادہ نہ کیا جا سکا اگرچہ انگریزوں کے نزدیک گونڈہ کے راجہ کا دامن 'جرائم' سے پاک تھا۔[1] اسی طرح بہرائچ کے بھی تمام تعلقہ دار باغی فوجوں اور عوام کے ساتھ تھے۔ 'امپیریل گزیٹئر' میں ہے کہ انھیں انگریزوں کی آراضی اصلاحات (Land Policy) سے بہت کم نقصان پہنچا تھا۔[2]

چنہٹ کی جنگ

مئی اور جون ۱۸۵۷ء میں تقریباً تمام اودھ میں بغاوت کے شعلے بلند ہو چکے تھے۔ منڈیاؤں چھاونی کے باغی فوجی دستے مدکی پور پہنچے اور پھر سیتاپور چلے گئے۔ اِدھر لکھنؤ میں تقریباً پانچ ہزار جوانوں نے کوتوالی پر حملہ کیا، انگریزوں کی طرف سے مقابلہ کیا گیا۔ آخر کار جون کے وسط تک انگریزی اقتدار تمام اودھ میں ختم ہو گیا۔ اب چاروں طرف سے باغی فوجیں لکھنؤ سے بیس میل دور نواب گنج میں جمع ہو کر لکھنؤ پر حملہ آور ہونے والی تھیں۔ چنانچہ ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو جب یہ فوجیں بارہ میل دور چنہٹ پر آ گئیں تو ہنری لارنس کچھ فوج لیکر نکلا۔ اس مقام پر ایک سخت معرکہ ہوا، انگریزی فوجیں پسپا ہو کر بھاگیں، اوپر سے قیامت خیز گرمی نے بھون ڈالا اور لارنس اپنی توپیں تک چھوڑ کر بھاگ آیا۔ سیتاپور کے باغی عوام اور فوجیں خان علی خاں کی رہنمائی میں تھیں۔ سید برکات احمد بھی باغی افواج کے رہنما تھے۔

مولانا احمد اللہ شاہ مع فوج اس معرکے میں شریک تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر انگریزی

۱؎ 1. Imperial Gazetteer, vol. 2 p.395

۲؎ 2. CHAUDHURI: pp. 118-121

Imperial Gazetteer vol.2 p.395

توپوں پر قبضہ کیا۔

انگریز اب رزیڈنسی میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے اور انقلابی فوجیں فاتحانہ طور پر لکھنؤ میں داخل ہوئیں لیکن اس فتح سے پورا فائدہ اس لئے نہ اٹھایا جاسکا کہ بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا نہیں کیا گیا۔

جنگ کی تفصیلات ہنری لارنس نے اپنے جاسوسوں سے ۲۹ر جون ۱۸۵۷ء کو یہ اطلاع پاکر نواب گنج میں جمع ہونے والی انقلابی فوج کے ہراول دستے چنہٹ پر آگئے، انگریزی فوجوں کو منڈیاؤں کی چھاؤنی سے رزیڈنسی اور مچھی بھون میں بلالیا اور جنگ کی تیاری کرکے ۳۰ر جون کی صبح کو بریگیڈیر انگلس کے ساتھ اپنے لشکر کو لیکر نکلا جس میں پیدل دستوں اور رسالوں کے علاوہ توپ خانہ اور آٹھ انچ دہانے والی خندقی توپیں تھیں۔ یہ لشکر چنہٹ کے قریب اسمٰعیل گنج پہنچگیا۔ انقلابی فوجیں گاؤں کے چاروں طرف آم کے باغوں میں مورچہ لگائے ہوئے تھیں، انگریزی لشکر جیسے ہی زد پر آیا انھوں نے باڑ مارنا شروع کردی۔ بدحواس گورے اور سکھ فوجی ایک دوسرے پر ڈھیر ہوگئے۔ یہ دیکھ کر لارنس نے توپ خانہ بڑھانے کا حکم دیا لیکن انقلابی سپاہی درختوں کی آڑ سے نکل کر توپوں پر اس طرح جھپٹے کہ یہ وار بھی بیکار گیا۔ یہاں تک کہ خندقی توپیں کھینچنے والے دو ہاتھی اس حملے سے گھبرا کر مع توپوں کے اس طرح بھاگے کہ سکندر اور راجہ پورس کی جنگ کا سماں باندھ دیا، اپنی ہی صفوں کو درہم برہم کیا اور انقلابی لشکر میں جا پہنچے۔ سکھ رسالے اور اودھ آرٹیلری کے توپچی گھبرا کر ماہ نگر کی طرف بھاگے۔ دائیں بائیں سے تو انگریزی لشکر گولیوں کی زد پر تھا ہی، ایک باغ سے انقلابیوں کا توپ خانہ بھی آگ برسانے لگا۔ ہنری لارنس نے بہت ہاتھ پیر مارے مگر اب انقلابی سپاہ کا اتھاہ سمندر گولیوں کی بوچھار کرتا ہوا بڑھتا چلا آتا تھا۔ انگریزی لشکر کو پیچھے ہٹنے کے سوا چارہ نہ رہا اور انقلابیوں کے محفوظ دستے ہر طرف سے نکل کر امنڈ پڑے۔

اب انقلابی سپاہ کے دَل فتح مندیوں کا بگل بجاتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے (ساڑھے دس گیارہ بجے کے قریب) اور ریذیڈنسی کا محاصرہ کر لیا۔ مچھی بھون کی انگریزی فوجیں ہنری لارنس کے اشارے پر ۳۰ رجون کی رات کو جب ریزیڈنسی میں آگئیں تو مچھی بھون کو رات کے بارہ بجے لفٹننٹ ٹامس نے بارود سے اُڑا دیا۔ شہر میں بدنظمی روکنے کے لیئے مولانا احمد اللہ نے جا بجا چوکیاں قایم کیں اور پہرے بٹھا دیئے۔ محمود خاں کوتوال لکھنؤ بھاگ کر ملیح آباد پہنچا۔ نواب محسن الدولہ موضع سمن پور میں جا چھپا کیوں کہ انگریزوں کا وفادار تھا۔

برجیس قدر کی تخت نشینی

لکھنؤ پر انقلابیوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد تخت نشینی کا سوال پیدا ہوا۔ کیولری (سوار فوج) سلیمان قدر کو تخت پر بٹھانا چاہتی تھی اور پیادہ فوج (انفینٹری) برجیس قدر کو جس کی حمایت راجہ جے لال سنگھ اور ممّو خاں کر رہے تھے۔ جے لال سنگھ نے بیگمات کو جمع کر کے اُنھیں برجیس قدر کی تخت نشینی کے لیئے آمادہ کیا، اس تمام کارروائی کا ایک محضر اقرارنامہ تیار کرایا اور فوجی افسروں کو سمجھا کر فضا ہموار کی۔ تخت نشینی کی رسم چاندی والا بارہ دری میں انجام دی گئی۔ باغی فوج کے افسران نے اپنی شرائط پیش کیں۔ ان کی میٹنگ تارا کوٹھی میں ہوئی۔ جیا ل. جے لال سنگھ نے اُن سے بات کی اور برجیس قدر کی تخت نشینی کے لیے آمادہ کیا۔ ان فوجی افسروں میں برکات احمد رسالدار۔ اُمراؤ سنگھ۔ شہاب الدین۔ رگھوناتھ سنگھ۔ مخدوم بخش نیپال سنگھ۔ راج مند تیواڑی وغیرہ تھے، شرائط یہ تھیں:

۱ دہلی سے جو احکام صادر ہوں گے ان کی تعمیل کی جائے گی اور برجیس قدر کا لقب 'شاہ' یا 'وزیر' ہوگا یا جو بھی بہادر شاہ تجویز کریں گے۔

۲ وزیر کا انتخاب فوج کرے گی۔

۳ فوجی افسروں کا انتخاب فوج کے مشورے سے ہوگا۔

۴ انگریزی ملازمت چھوڑنے سے آج تک کی ڈبل تنخواہیں دی جائیں گی۔

۴۔ لال بارہ دری لکھنو میں شہزادہ برجیس قدر کا تخت شاہی پر جلوس اودھ کے راجگان اور تعلقہ داران بھی حاضر دربار ہیں۔

۵ ۔ انگریزوں کے وفاداروں کے ساتھ برتاؤ میں مداخلت نہ ہو۔

یہ شرائط تحریری شکل میں تھیں، جے لال سنگھ نے بلند آواز سے پڑھ کر سنائیں جو منظور کی گئیں اور بیگم حضرت محل[1] کو دے دی گئیں۔ مختلف عہدے اس طرح تقسیم کیے گئے۔

شرف الدولہ : نائب وزیر اعظم

مہاراجہ (غالباً بال کشن) : دیوان

علی رضا بیگ : کوتوال

میر واجد علی : دروغہ ڈیوڑھیات

راجہ جوالا پرشاد : منشی

ممو خاں : دیوانِ خانہ

جے لال سنگھ : وزیر جنگ

میر کاظم علی : داروغہ میگزین

ٹھاکر دیال : امور خانہ اور تنخواہ انچارج۔

۵ر جولائی ۱۸۵۷ء م ۱۸ر ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ مغرب سے کچھ قبل واجد علی شاہ کے گیارہ سالہ بیٹے برجیس قدر رمضان علی کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ برکات احمد اور شہاب الدین نے تاج پہنایا، مبارک باد اور نذر دی۔ جے لال سنگھ کو خلعت سرفرازی عطا ہوا اور چکلہ داری دریا باد کے علاوہ چار رجمنٹوں کی کمان سپرد کی گئی۔ اگلے دن بیلی گارڈ پر سخت حملہ کیا گیا جس میں سید برکات احمد مردانہ وار اندر داخل ہو گئے۔ 'خدنگ غدر' میں ہے کہ وہ سیتا پور اور فیض آباد کی باغی فوج کے کمانڈر تھے، اس موقعے پر سر میں گولی لگنے سے ہلاک ہوئے۔

---

[1] حضرت محل کا نام امراؤ بیگم تھا۔ وہ دربار کی ایک رقاصہ تھی۔ واجد علی شاہ نے اپنے حرم میں داخل کر لیا اور حضرت محل کا خطاب دیا۔

معین الدین نے اپنی اس یادداشت میں ان کے لیے رُستم وقت، بہادر، اور مدبر کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لکھا ہے کہ ان کے مرنے سے فوج کا بھی جی چھوٹ گیا۔

جے لال سنگھ کی اہم خدمات

راجہ جے لال سنگھ کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ اس نے بیگمات اور فوجی افسران کو برجیس قدر کی تخت نشینی پر رضامند کر کے ایک بنیادی اختلاف کو ختم کرایا بلکہ وہ تمام انتظامات میں کلیدی رول ادا کر رہا تھا جنگی تیاریوں کی نگرانی کی، سول اور ملٹری کورٹ کی تنظیم کی، انٹیلی جنس (جاسوسی) محکمہ قائم کیا۔ روپیہ مہیا کرنے کا انتظام کیا، بھاگتے ہوئے انگریزوں کو پکڑ کر قید کیا (جیل خانہ بھی اُسی کے چارج میں تھا) نئی فوج بھرتی کی، ہتھیار بارود وغیرہ مہیا کیا، بیلی گارڈ کے محاصرے کی نگرانی کی جب انگریزی فوجیں عالم باغ پہنچیں تو تمام انتظامات کی دیکھ بھال کی وہ اس دوران میں اسی مقام پر (کربلا تال کٹورہ) قیام پذیر رہا اور کسی وقت وہاں سے کہیں نہیں گیا، یہاں تک کہ گھر بھی نہیں۔ جب لکھنؤ شکست ہوا تو وہ اُس وقت بھی دریا باد کے علاقے میں روپیہ اور فوج جمع کرنے میں مصروف تھا۔ یہاں سے کُرسی جا کر فوج منظم کی۔ جب بیگم حضرت محل بٹولی میں تھیں تو جے لال نے اُنھیں خط لکھا کہ وہ حملے کے لیے بڑھ گئے ہیں اور دوبارہ لکھنؤ فتح کر لیں گے لیکن یہاں انگریزی فوج پہنچ گئی اور وہ شکست کے بعد بٹولی (تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی) چلا گیا[1]۔ شہر میں لوٹ مار شروع ہوئی تو کورٹ بنانے کی تجویز کی جس کا وہ صدر چُنا گیا اور وزیر جنگ بھی مقرر ہوا۔ تمام عہدے اسی کی رائے سے تقسیم کیے گئے۔ کانپور کی سڑک پر نگرانی کے لیے محافظ دستہ مقرر کیا اور خود بھی وہاں گشت جاری رکھی۔ ایک بار ایک انگریز اس سڑک پر پکڑا جو ٹیلی گراف کے تار توڑنے کی کوشش کر رہا تھا[2] اُسے قتل کر کے اس کا سر بیگم حضرت محل کے پاس بھیجا۔ سدرسانی کا کام بھی اسی کے سپرد تھا۔ اُس نے قیصر باغ کی بارہ دری کے

---

[1] مقدمہ جے لال سنگھ میں بیانات۔ بحوالہ فریڈم اسٹرگل ان یوپی ۹۴ جلد ۲

[2] بمقام بنی جو لکھنؤ کانپور روڈ پر لکھنؤ سے سترہ میل دور ہے۔

تہہ خانوں میں فوج کے لیے ہزاروں من غلہ جمع کرا دیا تھا۔

مختلف چکلہ دار برجیس قدر کی تخت نشینی کے بعد اودھ کے مختلف علاقوں میں حسب ذیل چکلہ دار یا ناظم مقرر کیے گئے۔ [۵]

خیر آباد : ہر پرشاد

بیسواڑہ : راجہ ہیرا لال و صفدر علی خاں

رسول آباد : چودھری منصب علی

سلطان پور : مہدی حسن خاں

بانگر مئو : راجہ شیو ناتھ سنگھ

سالون : فضل عظیم

گونڈہ بہرائچ : راجہ دیبی بخش سنگھ

سندیلہ : چودھری حشمت علی

عباس مرزا کو وکیل مقرر کیا گیا اور تحفے تحائف لے کر بہادر شاہ کو نذر کرنے کے لیے دہلی روانہ کیا گیا۔

رزیڈنسی کا محاصرہ انگریز چنہٹ کی جنگ کے بعد رزیڈنسی (لکھنؤ) میں پناہ گزیں ہو چکے تھے اور انقلابی فوج اسے توڑنے کے لیے گھیرے ہوئے تھی۔
ان کے پاس چند کم زور توپیں تھیں جبکہ رزیڈنسی میں چاروں طرف بڑی توپیں موجود تھیں۔ جگہ جگہ اونچے دھس اور کھاٹیاں بنا کر ایک مضبوط قلعہ سا بنا دیا گیا تھا۔ اندر کھانے پینے کا ہر سامان حتیٰ کہ شراب تک موجود تھی۔ انقلابیوں نے (ایک بیان کے مطابق) اسے سینتیس[۳۷] بار

---

[۵] رام سہائے تمنا: احسن التواریخ / ۷۰ - ۶۹۔ خدنگِ غدر مؤلفہ معین الدین میں ہے کہ بہادر شاہ کا سکہ جاری کیا گیا۔ (ص۔ ۱۱۰)

حملہ کرکے بارود سے اُڑانے کی کوشش کی اور قریب کے مکانوں سے زبردست فائرنگ کی اس محاصرے میں انگریزوں کا بیحد نقصان ہوا، ہنری لارنس بھی ۴ جولائی ۱۸۵۷ء کو جان کھو بیٹھا اور ۱۰ اگست کو انقلابیوں نے ایک سُرنگ اُڑا کر دیوار کے شگاف سے اندر داخل ہونا شروع کر دیا لیکن اندر سے سکھ فوجیوں کی مدد سے مقابلہ کیا۔ محاصرہ جاری رہا اور ۵ ستمبر کو پھر ایک بھرپور حملہ کیا گیا۔

رزیڈنسی کے اس محاصرے میں مولانا احمد اللہؒ اپنے جاں باز ہمراہیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ایک بار تو وہ رزیڈنسی کے صدر دروازے تک پہنچ گئے تھے لیکن گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔[۱] انھوں نے گولہ گنج سے قیصر باغ تک چند ایسی توپیں مٹی کے دھسوں پر چڑھائیں کہ جن سے رزیڈنسی کے پرخچے اُڑ جائیں مگر اس حملے سے پہلے اوٹرم اور ہیولاک فوجیں لے کر آگئے۔ اس دوران میں زمینداروں اور تعلقہ داروں کو شرکت کے لیے بیگم حضرت محل نے حکم نامہ جاری کیا۔

جنرل اوٹرم کانپور سے فوج لے کر بڑھ رہا تھا اور انگریزوں کے ہندوستانی جاسوس اس کوشش میں مصروف تھے کہ آنے والی انگریزی فوج سے رابطہ قائم کریں بالآخر دو ہندوستانی انگد تیواڑی اور قنوجی لال کامیاب ہوئے اور جان پر کھیل کر رزیڈنسی کے انگریزوں کی باہر سے خط و کتابت کرادی جس سے انگریزی فوجوں نے شہر میں داخلے کے لیے نقشہ وغیرہ آجانے پر پلان تیار کیے۔ لکھنؤ میں باغی فوج کی تعداد انگریزوں کے

---

[۱] یہ واقعہ جمعہ کے دن شام کے وقت پیش آیا۔ مولانا نے صدر دروازے پر پہنچ کر اپنے جاں بازوں کو حملے کیلئے للکارا اور پکار پکار کر فرض یاد دلایا۔ ایک بیان یہ ہے کہ اس موقعے پر ایک بم پھٹا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔

اندازے کے مطابق دو لاکھ تھی اور یہ تعلقہ دار خاص طور پر سرگرم تھے:

راجہ مان سنگھ۔ حشمت علی (سندیلہ) گور بخش سنگھ۔ نواب علی خاں (محمود آباد) بینی مادھو۔ لال مادھو (کالاکنکر ضلع پرتاب گڈھ) منصب علی (رسول آباد) لونی سنگھ (محفولی) وغیرہ

باغی فوجیں سید برکات احمد کی کمان میں تھیں اور تعلقہ داروں کی فوجیں خان علی خاں کی لے

انتظامیہ فوجی کورٹ

راجہ جے لال کی تجویز پر ایک کورٹ کا قیام عمل میں آیا جو فوجی افسروں پر مشتمل تھا اور جنگی کونسل کا کام کرتا تھا اس کورٹ کی میٹنگ زیادہ تر چاند والی بارہ دری میں ہوتی اور کبھی کبھی چھپر والا اصطبل، تارا کوٹھی اور دل کشا وغیرہ میں۔ کورٹ کا سپرنٹنڈنٹ راجہ جے لال تھا۔ اس کے ممبران یہ تھے: ٢ے

شیخ سکھن رسالدار۔ واجد علی رسالدار فرسٹ اودھ کیولری۔ جہانگیر خاں کپتان آرٹیلری۔ گھمنڈی سنگھ کپتان اورکی رجمنٹ۔ راج مند تیواری رگھوناتھ سنگھ کپتان پولس بٹالین۔ اُمراؤ سنگھ (پولس بٹالین) سید برکات احمد رسالدار نمبر ۱۲ بے قاعدہ کیولری۔ ممو خاں۔ شرف الدولہ۔

لے 1. RAIKS: Notes on the Revolt p.97, SEN: p.107

٢ے برجیس قدر کے سکّے پر یہ اشعار تھے:

سکہ زد بر سیم و زر چوں مہر بدر — نیرّ دیں میرزا برجیس قدر
سکہ زد از فضلِ حق بر اشرفی مہرو بدر — اختر سلطان عالم میرزا برجیس قدر

مظفر علی خاں۔ میر کاظم علی (داروغہ میگزین) سنگم سنگھ۔ سرجو سنگھ (بیگم کی نئی رجمنٹ کے کپتان)

اس کے علاوہ ایک اور بھی انتظامی کورٹ تھا جس کی میٹنگ حضرت محل کے مکان میں ہوتی تھی[1] مگر جب مولانا احمد اللہ شاہ، ممو خاں اور شرف الدولہ میں اختلاف ہوا تو یہ کورٹ دو حصوں میں بٹ گئے۔ ممو خاں کے ساتھی نگینہ والی بارہ دری میں اور مولانا کے ہمراہی تارا کوٹھی میں میٹنگ کرتے تھے۔

جیل خانہ پہلے امام باڑہ غلام حسن محلہ رکاب گنج میں تھا مگر کچھ قیدی قیصر باغ میں رکھے گئے۔ جب اور بڑھے تو تمکین علی خاں کے مکان واقع گنگنی شکل تالاب کے نزدیک رکھے گئے۔[2]

نانا صاحب لکھنؤ میں

اگست ۵۷ء میں نانا صاحب لکھنؤ آئے تو جے لال سنگھ نے فتح پور چوراسی پر جا کر استقبال کیا۔ نانا صاحب چودھری کی گڑھی سے مع اپنے کنبے کے برآمد ہوئے، لکھنؤ آکر شیش محل میں ٹھہرے۔ جس کو خاص طور پر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس موقع پر بے شمار تحفے بیگم حضرت محل کی طرف سے نانا صاحب کو پیش کئے گئے۔

آپس کا اختلاف اور کشمکش

دہلی کی طرح لکھنؤ نے بھی آپس کے اختلاف کا الم ناک نظارہ دیکھا۔ بیگم حضرت محل کی بہادری اور غیر معمولی جرأت سے لوگ بہت متاثر تھے۔ وہ قیصر باغ میں خود کچہری کرتی تھیں۔

---

[1] 1. Freedom Struggle UP vol. 2 pp.101-111

[2] کارروائی مقدمہ جے لال بحوالہ فریڈم سٹرگل یوپی جلد ۲ ص ۱۱۱-۱۰۱

انگریزوں نے ان کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا جگہ جگہ اعتراف کیا ہے کہ لہ

"By all accounts was vigorous minded and energetic woman."

(وہ ہر لحاظ سے نہایت طاقت و ذہن و دماغ کی ایک مستعد عورت تھی")
بیگم کی ہر دل عزیزی کے علاوہ برجیس قدر سے انقلابی سپاہ کی محبت بھی قابل دید تھی۔ "قیصر التواریخ" میں ہے کہ باغی سپاہ کے افسر برجیس قدر کو سینے سے لگاتے اور کہتے کہ تم کنھیا ہو"۔ ۲ے
مولانا احمد اللہ شاہؒ جو فیض آباد سے لکھنؤ آگئے تھے انقلابی عوام اور فوجیوں میں انتہائی عقیدت اور احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُن کے اشارے پر ہزاروں محبان وطن جانیں نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے اور عوام و خواص میں یہ عقیدت مندی بڑھتی ہی چلی جاتی تھی لیکن اس بڑھتی ہوئی مقبولیت نے جہاں عام لوگوں میں وطنی اور قومی جذبات کی رُوح پھونکی وہاں ایک طبقے کو اُن سے بدظنی اور حسد پر آمادہ کر دیا۔ بیگم حضرت محل کے ساتھ ہر جگہ ممّو خاں کا نام آیا ہے۔ تاریخ کے صفحات اِس شخص کی جرأت، بہادری یا دانش مندی کا کوئی پہلو پیش نہیں کرتے بلکہ بعض جگہ یہ تذکرے ملتے ہیں کہ اس کی حرکتوں نے بنے بنائے کام بگاڑ دیئے۔ بیگم اور مولاناؒ کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے میں اس نے اہم رول ادا کیا، شیعہ سُنّی اختلاف کو ہوا دی اور طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کرتا رہا۔ اِس کے ایک ساتھی شرف الدولہ کی دغابازی تو ثابت بھی ہو گئی جس کو مولاناؒ کے ساتھیوں نے

لہ 1. Freedom Struggle UP vol.2 p.117

۲ے فریڈم اسٹرگل یوپی (انگریزی) جلد دوم/۱۶۶ بحوالہ قیصر التواریخ جلد دوم / ۲۳۰

قتل کیا۔[1] لیکن ہمارا خیال ہے کہ ممو خاں نے بھی کسی نہ کسی موقعے پر انگریزوں سے ساز باز ضرور کی ہوگی اس کے سگے بھائی پر یہ الزام ثابت بھی ہوا تھا کہ وہ سازش کر کے انقلابیوں کی توپوں میں بھوسہ بھرنے میں شامل تھا۔

بیگم حضرت محل اور مولانا احمد اللہ شاہؒ کی کشیدگی نے یہ رنگ دکھایا کہ ایک پارٹی منظم کر کے مولاناؒ کو لکھنؤ سے نکالنے کی تدبیریں کی جانے لگیں۔ بعض سپاہیوں کا حال اس افراتفری میں یہ تھا کہ وہ کبھی ممو خاں کے ساتھ ہو جاتے اور کبھی معافی تلافی کر کے مولاناؒ کے ساتھ آ ملتے تھے۔ اس انتشار سے نقصان پہنچنا یقینی تھا۔ اُدھر انگریزوں کو بھی یہ حالات معلوم ہوتے رہتے تھے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق ختم ہو چکا ہے، انتشار اور افتراق کا دور دورہ بڑھتا ہی جاتا ہے، لے دے کر اگر کچھ ہے تو انگریز کے خلاف نفرت کا جذبہ اور جوش و خروش ہے۔ غرض یہ کہ مولاناؒ نے یہ عداوتیں دیکھ کر شہر چھوڑ دیا اور شہر سے باہر ایک باغ (حکیم مہدی کی سرائے) میں قیام کیا۔ لکھنؤ میں آپ کا قیام تار ا کوٹھی (موجودہ اسٹیٹ بنک) میں تھا۔ اس دوران میں علی نقی خاں سابق وزیر واجد علی شاہ اور نواب منورالدولہ وزیر سابق امجد علی شاہ کے گھر باغیوں نے لُوٹ لیے بلکہ منورالدولہ کی جان کے بھی لالے پڑ گئے، گرفتار ہوا، شرف الدولہ نے جان بچائی اور برجیس قدر کو بندوق سکھانے کا استاد مقرر کیا گیا۔ کچھ انگریز مرد عورت سیتا پور سے قید کیے گئے

---

[1] شرف الدولہ کی انگریزوں سے ساز باز کا راز اُس وقت کھُلا جب لکھنؤ خون میں نہا کر شکست ہونے کو تھا، اُس نے انگریز فوجیوں کو ڈولیوں میں بٹھا کر شہر میں داخل کرا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریز فوجوں کو رہنمائی مل گئی اور وہ کامیاب ہوئیں۔ جب انقلابیوں کو پتہ چلا تو اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا گیا۔ اس کا نام محمد ابراہیم تھا۔ یہ سابق شاہ اودھ محمد علی شاہ کا وزیر تھا۔

تھے، مع محمود خاں کوتوال مفرور کے برجیس قدر کے دربار میں حاضر کیے گئے۔ بیگم نے عورتوں کو زنانہ محل میں بہ نگرانی داروغہ واجد علی رکھنے کا حکم دیا۔ انہی عورتوں کو میر واجد نے شکست لکھنؤ کے بعد انگریزوں کے سامنے پیش کر کے انعام پایا۔ انگریز مردوں کو بیگم نے قید کرنے کا حکم دیا لیکن انقلابیوں نے مع کوتوال محمود خاں انھیں قتل کر دیا۔ اس کوتوال کے ظلم سے سب لوگ عاجز تھے۔ اس کے بعد علی رضا بیگ کوتوال مقرر ہوا۔

ہیولاک مصیبت میں

جنرل ہیولاک ایک بڑی فوج لے کر کانپور سے لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن اِدھر انقلابی عوام چپے چپے پر خون کی ندیاں بہانے کے لیے للکار رہے تھے۔ ۱۷؍ جولائی کو وہ کانپور پہنچ گیا۔ ۲۵؍ کو گنگا پار کر کے اودھ میں داخل ہوا اور منگلوار پر کیمپ لگایا لیکن تین دن کے اندر ہی اندر یعنی ۲۸؍ جولائی سے اسے جگہ جگہ سخت مقابلے کرنا پڑے۔ زمینداروں اور تعلقہ داروں کی فوجیں مقابلے کے لیے ہر قدم پر سر بکف تھیں۔

اُناؤ پر جنگ

سب سے پہلے اُناؤ پر ایک زبردست معرکہ ہوا۔ ۲۹؍ جولائی انقلابیوں کو اس مورچے سے ہٹنا پڑا مگر جب انگریزی فوجیں گاؤں کے قریب پہنچیں تو گولیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ شہر کے کچے مکانوں کی دیواروں میں سوراخ تھے۔ اور اُن سے بندوقوں کی نالیاں مسلسل گولیاں برسا رہی تھیں [1]۔ انگریزوں کے ہی بیانات اس جنگ کا کچھ حال ہمیں سناتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں باغیوں کی بے مثال بہادری کے کارنامے نظر آئے۔ پورے گاؤں کو آگ لگا دی گئی مگر اس کے باوجود وہ پوری جرأت اور استقلال سے مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن ان کی شکست کے فوراً ہی بعد ایک اور انقلابی فوج اُناؤ پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھی۔ انگریزوں نے بھی آگے بڑھ کر

---

[1] Freedom Struggle UP vol.2 pp.169-171

اپنا مورچہ بنا لیا۔ باغی اگرچہ اُن کے مورچے اور دفاعی پوزیشن کا پورا اندازہ نہ لگا سکے مگر جس استقلال و پامردی کا مظاہرہ کیا اس کی داد جنرل آئنسن بھی دیئے بغیر نہ رہ سکا۔[1] دیناپور (بہار) میں بغاوت ہو جانے کی وجہ سے ہیولاک کو فوجی امداد ناممکن ہو گئی۔

یہاں سے پیچھے ہٹنے کے بعد انقلابی فوجوں نے فتح پور چوراسی پر پھر ہیولاک کا مقابلہ کیا جہاں اُن کا سردار جسا سنگھ تھا۔ اس کے بعد بشیرت گنج پر ایک اور جنگ ہوئی۔

بشیرت گنج اور نواب گنج کے معرکے

انگریز فوجوں کو اس دوران میں صبح سے شام تک مسلسل جنگ کرنا پڑ رہی تھی۔ ان کے بارود میگزین کا ایک تہائی حصہ ضائع ہو گیا اور ابھی تک لکھنؤ کا ایک تہائی راستہ بھی طے نہ ہو پایا تھا۔ ہیولاک کو بھڑوں کے اِس چھتّے میں آگے بڑھنا دشوار ہو گیا اور وہ کسی نتیجے پر پہنچے بغیر منگل وار پر واپس آ گیا۔ ۳ اگست کو اسے کچھ فوجی اِمداد مل گئی۔ ۴ اگست کو وہ یہاں سے پھر روانہ ہوا اور بشیرت گنج پہنچا۔

جب ہیولاک کان پور سے روانہ ہوا تو نانا صاحب پھر کان پور آ گئے اب ان کے ساتھ گوالیار اور ساگر کی فوجیں بھی تھیں۔ اُدھر داناپور کی تین رجمنٹوں نے بھی بغاوت کر دی تھی۔ انقلابی فوجیں پھر بشیرت گنج پر قابض تھیں۔ یہاں دوبارہ تصادم ہوا۔ انقلابیوں نے ایک گاؤں بیچ پور سے انگریزی فوج پر گولہ باری اور فائرنگ کی جہاں انھوں نے پیچھے ہٹ کر مورچہ بنا لیا تھا لیکن یہاں سے شکست کے بعد پانچ میل دور ہٹ کر نواب گنج میں صف آرا ہوئے اور بشیرت گنج سے بھی زیادہ مضبوط

---

[1] MARSHMAN: Memoirs of Havelock p.331

پوزیشن میں تھے۔ انگریز افسروں کے بیانات کے مطابق :

"جنگ جُو آبادی نے دفاع کیا اور ایک نہایت ماہر تربیت یافتہ فوج نے، جسے ہمارے ہی افسروں نے تربیت دی تھی، ہمارا مقابلہ کیا۔ ہر گاؤں ہمارے مقابل کھڑا تھا، زمیندار اور جاگیردار متحد ہو کر ہمارے خلاف جنگ کے لیے اُٹھے تھے۔" لے

نانا صاحب یہاں سے بارہ میل دُور مع فوج کے موجود تھے۔ پوری گوالیار کنٹنجنٹ نے بغاوت کر دی تھی۔ اُدھر دینا پور کی باغی فوج مرزا پور ہو کر نانا صاحب کے جھنڈے تلے آرہی تھی انگریز جنرل نے اِن حالات سے بدحواس ہو کر لکھنؤ کی فتح کا خیال چھوڑ دیا۔ وہ پھر منگل وار پر لوٹ آیا۔ ۲ جاسوسوں نے پھر خبر دی کہ چار ہزار انقلابی فوج مع توپوں کے بشیرت گنج پر آگئی ہے۔ بدحواس اور لاچار انگریزی فوج پھر آگے بڑھی، درختوں کی آڑ لیتی اور بارش میں بھیگتی پہنچی تو دیکھا کہ انقلابی فوجیں تیسری بار پھر بشیرت گنج کے میدان میں مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ اُنھوں نے ڈیڑھ میل بڑھ کر ایک گاؤں بوُرھیا (Burhiya) میں کھائیاں کھود کر مورچے بنالیے ہیں۔ یہ مقام اُنھوں نے بڑی ہوشیاری سے چُنا تھا اور غیر معمولی مہارت سے مورچہ بندی کی تھی، داہنی طرف بیٹری لگائی تھی اور بائیں طرف ایک ٹیلے پر تین توپیں نصب کی تھیں۔ اسی جانب ایک گہری دَل دَل تھی جسے انھوں نے ہری گھاس پھونس سے بالکل چھپا دیا تھا۔ ۱۲ اگست کو انگریزی فوج اس چال سے بے خبر جیسے ہی اندھا دُھند آگے بڑھی،

---

1. Freedom StruggleUP vol.2 pp.175-176 لے

CHAUDHURI: Civil Rebellion p.30 لے

2. MARSHMAN: Memoirs of Havelock

اچانک اس دَل دَل میں پھنس گئی جو بظاہر بالکل سوکھی زمین معلوم ہوتا تھا، فوراً فوراً ہی پیچھے کو بھاگی مگر انقلابی توپوں نے دَل دَل میں پھنسی انگریزی فوج کو نشانہ بنا لیا۔ اِدھر توپوں کے پیچھے انقلابیوں کی پیدل فوج گولیوں کی بارش کر رہی تھی۔ آخر کار ہائی لینڈرز (پہاڑی دستے) سنگینیں لے کر جھپٹے اور توپچیوں کو نشانہ بنایا تب جا کر جان چھوٹی اور انقلابی اِن سنگینوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹے[1]۔ اِن جنگوں کے دوران انقلابی سردار جسّا سنگھ بھی کام آگیا جس نے جنگ میں حصہ لے کر انگریزوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا[2]۔

اُناؤ کا جاں باز ہیرو

اُناؤ کی جنگ کے دوران ایک بہادر انقلابی کا مشہور انگریز مورخ چارلس بال نے حیرت سے ذکر کیا ہے۔ اُس نے اُناؤ کی تاریخی جنگ کا یہ عجیب منظر بیان کرنے کے بعد کہ باغی یہاں پوری طرح مٹی کی دیواروں کے پیچھے چھپے ہوئے اطمینان سے گولیاں برسا رہے تھے اور انگریزی فوج، جسے تین بار پیچھے ہٹنا پڑا، سوائے اس کے کچھ نہ کر سکتی تھی کہ اِن گولیوں کا شکار بن کر ڈھیر ہوتی رہے، لکھا ہے کہ آخر کار سوار فوج واپس ہوئی اور آگ لگانے والے فلیتے پھینکے گئے لیکن یہاں ایک شخص کچی مٹی کے ایک چھوٹے سے قلعے میں پوشیدہ تھا جو اپنے ساتھیوں کی شہادت کے بعد تک زندہ بچ گیا تھا۔ جیسے ہی انگریزی فوج سامنے

۱۔۲
1,2. MARSHMAN: Memoirs of Havelock pp.344-346

Freedom Struggle in UP vol.2 pp. 176-178

۲ رام سہائے تمنا: احسن التواریخ ۸۵ - ۸۴

سے گزری وہ اپنی پناہ گاہ سے اُبھرا اور توڑے دار بندوق سے گولیاں برسانے لگا۔ اُس کی بہادری نے سب کو حیران کر دیا۔ وہ سپاہی نہیں تھا۔ انگریز فوجی اسے بچانا چاہتے تھے، اُسے آوازیں دی گئیں کہ وہ ہٹ جائے مگر اُس پر اثر نہ ہوا، بدستور اپنی جگہ ڈٹا گولیاں برساتا رہا۔ آخر کار چند سکھوں نے جا کر آگ اور دھواں چھوڑا اور وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ جب وہ اُس مورچے کو پار کر کے اپنے دشمن پر آخری وار کرنے جا رہا تھا تو سر میں گولی لگی اور وہ ختم ہو گیا۔[1] چارلس بال نے یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر محفوظ کر دیا ہے مگر اس جانباز انقلابی کے بارے میں کیسے بتایا جائے کہ وہ کون تھا۔ اُناؤ کی جنگ پر میکلائڈ انس نے بھی حیران ہو کر لکھا ہے کہ "شہر کی سڑکوں پر یہ عجیب فائرنگ ایسی تھی کہ ہم دشمن کو چھو بھی نہ سکے اور وہ ہمیں سزا دیتا رہا"۔[2]

کان پور پر جنگ

ہیولاک نے فتح پائی مگر سخت نقصان اٹھایا۔ وہ ۲۹ر جولائی کو منگلوار سے بڑھا تو ۱۵۰۰ آدمی تھے اور جب ۳۱ر جولائی کو واپس لوٹا تو صرف ۸۵۰ آدمی تھے۔ دوسری بار ۴ر اگست کو بڑھا تو پھر یہی صورت درپیش ہوئی۔ اس کے مقابل تین ہزار انقلابی فوج تھی۔ رُوئیا اور دُوندیا کھیڑہ کے تعلقہ داروں کے علاوہ فرخ آباد میں نواب کی کمان میں فوج موجود تھی۔ کانپور میں ساگر اور گوالیار کی فوجیں تھیں۔ دانا پور کی بغاوت نے اور بھی حواس باختہ کر دیا اور ہیولاک پیچھے ہٹ آیا، فوج میں ہراس اور ناامیدی تھی، کمانڈر انچیف کو اُس نے اپنی لاچاری کا حال لکھا۔ اسی حالت میں ایک اور معرکہ ۱۲ر اگست ۱۸۵۷ء کو بورڑھیا کی چوکی پر ہوا اور وہ پھر پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اِن معرکوں میں دوندیا کھیڑہ کے

لہ 1. CHARLES BALL: Vol.2 pp 16-23

لہ 2. INNES: Sepoy Revolt pp.155-157

راؤ رام بخش۔ ترون سرائے کا جسا سنگھ۔ ہر جو ر سنگھ۔ ہنتھی سنگھ وغیرہ مقابل تھے۔ منگلوار پر تمام قریبی علاقوں کے لوگ شریک تھے۔ ہیولاک کانپور کو واپس لوٹ گیا مگر یہاں ۱۶ اگست کو پھر مقابلہ کرنا پڑا۔ اس جنگ میں انقلابیوں کی پامردی اور استقلال کو خود ہیولاک نے اِن الفاظ میں خراج تحسین ادا کیا ہے:

"مجھے یہ اعلان کرکے باغیوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیئے کہ وہ پامردی اور استقلال سے لڑے۔" [۱]

ابھی نانا صاحب کی ایک اور فوج کالپی میں موجود تھی اور ہیولاک چاروں طرف سے گھر گیا تھا۔ الہ آباد کی سرکاری رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہاں اودھ کے زمینداروں اور عوام کے علاوہ دوآبہ کے زمیندار بھی مقابل تھے اور آخر اگست میں صرف گرانڈ ٹرنک روڈ انگریزوں کے قبضے میں تھی۔ [۲]

لکھنؤ میں انقلابی فوجیں

لکھنؤ میں اودھ کے تعلقہ دار اور فوجیں جمع تھیں۔ فورسیں مچل کا خیال حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ "یہ اندازہ لگانے کے لیے بہت زیادہ بصیرت کی ضرورت نہیں کہ اودھ کی تمام آبادی ہمارے مقابلے میں تھی" انگریز افسروں کی پوشیدہ خط و کتابت سے صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے کہ اکتوبر ۵۷ء تک مان سنگھ۔ ہنومنت سنگھ۔ بینی مادھو رگھوناتھ اور اس کا بیٹا (بسوا ناتھ بخش)۔ بھگوان بخش۔ مادھو سنگھ دیبی بخش۔ ہری ونت سنگھ (ساکن کربا) وغیرہ مع فوجوں کے موجود تھے۔ شنکر پور

---

[۱] فارسٹ: ہسٹری آف دی انڈین میوٹنی۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۵
سین: ص ۲۰۷

[۲] چودھری: ص ۱۳۱ (رپورٹ ایم ایچ کورٹ)

(رائے بریلی) سے بینی مادھو کا بھائی جوگراج فوج اور توپیں لے کر ستمبر میں پہنچا۔ پرگنہ دال منو کے بسنت سنگھ ساکن سمیر پتیرا کے علاوہ وجے بہادر۔ جگن ناتھ بخش اور رام پرشاد (ساکن نین) وغیرہ تھے۔ الہ آباد کی طرف شیخ احمد علی اور فیض آباد میں آغا حسن وغیرہ فوج منظم کر رہے تھے۔ اور کشن سنگھ کے قلعے (دھورورا) میں علاقے کے راجکماروں کے علاوہ ایک ہزار فوج اور توپیں تھیں۔ مہدی حسن فیض آباد سے جون پور پر حملے کی تیاری کر رہا تھا جس کے ساتھ پرتھی پال، مہادیو پرشاد اور کشن پرشاد وغیرہ تھے۔ سرائے میر (اعظم گڈھ) کا منصب علی کٹارئیہ میں بینی مادھو کی فوج کا سردار تھا۔ مہدی حسن نے ۳۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو چاندا پر جنگ کر کے انگریزوں کو جون پور کی طرف دھکیل دیا، بیگم اودھ کی طرف سے اُسے خلعت دیا گیا، اس کا پڑاؤ حسن پور (جون پور سے ۲۰ میل) پر تھا۔ انگریز افسر پی کارنیگی کی خفیہ رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جون پور اور اعظم گڈھ پر کئی طرف سے حملے کا پلان بنایا گیا تھا۔ ایک فوج سلطان پور، دوسری فیض آباد اور تیسری گورکھپور سے بڑھنے والی تھی۔ اُدھر گوالیار اور اندور کے باغی سپاہ کانپور سے سولہ میل تھے۔ اکبر پور اور بھوگنی پور کے زمینداران کو رسد فراہم کر رہے تھے۔ الہ آباد کے قریب سالون کا ناظم فضل عظیم اور نائب ناظم روح الامین مع فوج سوراؤں پر موجود تھے۔ جبلپور تک کھلی بغاوت ہو رہی تھی۔ فیض آباد کے قریب اکبر پور۔ جلال پور، شہزاد پور، سلطان پور بغاوت کے مرکز تھے۔ بینی مادھو۔ جے لال سنگھ۔ مادھو پرشاد۔ مہدی حسن۔ خدا بخش۔ غلام حسین یہاں فوجوں کی کمان کر رہے تھے اور نومبر ۱۸۵۷ء میں اُنھوں نے پے در پے حملے کیے۔ انگریز فوج جون پور کی طرف پیچھے ہٹ گئی، جنرل فرینکس کو بنارس کی طرف بڑھنے کا حکم ملا۔ انقلابی آپس میں رابطہ قائم کیے ہوئے تھے اور تنظیم کے ساتھ بڑھ رہے تھے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جون پور پر حملے کا پلان کیوں ناکام رہا۔ مورخ چودھری کا کہنا ہے کہ "یہ اُن چند اچھے موقعوں میں سے ایک تھا

جہاں با صلاحیت رہنمائی اور بہتر پلان کے ساتھ انگریزوں کو شکست دی جا سکتی تھی"۔ اُدھر لکھنؤ میں اوٹرم سخت مصیبت میں تھا۔ آس پاس کا تمام علاقہ بغاوت پر کمر بستہ تھا اور رسد تک ناممکن"۔ [1]

لکھنؤ میں تعلقہ داروں کی جو فوجیں (اکتوبر۔ دسمبر) جمع تھیں اُن کا اندازہ انگریزی جاسوسوں نے الگ الگ قائم کیا ہے۔ اِن میں ہردت سنگھ (بہرائچ)۔ رگھوناتھ سنگھ (رائے پور)۔ ہردت سہائے (چردا) شام شنکر سنگھ (زورا پور)۔ مادھو سنگھ (امیٹھی) کے علاوہ چینگا پور اور کمار قبیلے۔ بھنگا۔ تلسی پور اور نان پارہ کے تعلقہ دار بھی تھے۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ محمود آباد کا کمانڈر خان علی خاں ان کی کمان کر رہا تھا۔ سب ملا کر ایک لاکھ کے لگ بھگ کا اندازہ ہے۔ میلیسن نے ایک لاکھ بیس ہزار بتایا ہے سپاہ نے کم تنخواہ (۹ روپے) پر کام کرنا منظور کیا۔ عالم باغ پر حملے میں پاسی قبیلے کے بارہ سو آدمی شامل ہوئے جو تیر و کمان سے جنگ کر رہے تھے۔ شاہ نجف پر مقابلے میں بھی تیر و کمان کا استعمال ہوا۔ انقلابی فوج کے سرداروں میں کیپٹن صوبے سنگھ۔ اکی پال سنگھ گجادھر سنیل سنگھ۔ امراؤ سنگھ۔ فدا حسین۔ گوری شنکر۔ راج مندر تیواری مخدوم بخش۔ آغا حسن۔ علی باقر۔ بہادر علی۔ ہری سنگھ۔ میر تقی علی۔ شہریار۔ تہور خاں رسالدار۔ علی بخش خاں۔ محمد اکبر اور سید برکات احمد وغیرہ اور تعلقہ داروں میں، جو مع فوج کے لکھنؤ آئے۔ رگھوناتھ سنگھ (ربوا۔ رائے پور) کشن دت پانڈے۔ رگھوناتھ (بیسواڑہ)۔ راجہ تلوئی۔ لال بہادر۔ بینی بہادر۔ راجہ نواب علی (محمود آباد)۔ امراؤ سنگھ (مہوا) راجہ حسین علی۔ کالکا بخش (چاندا) صغرا بی بی (مینار پور)۔

---

[1] سرکاری رپورٹیں اور خفیہ خط و کتابت محفوظ در کامن ویلتھ ریلیشن آفس لندن

بحوالہ چودھری ۴۵-۳۷، ۱۳۱-۱۳۰

CHAUDHURY (S.B): Civil Rebellion pp. 37-45, 130-131,

علی بخش (محمدی گاؤں)۔ دلیپت شاہ (بھدائن)۔آنندی۔ خوشحال سنگھ (گوسائیں گنج) سُکھ درشن سنگھ (سمر وتا) لال بلونت سنگھ (کالا کانکر)۔ گلاب سنگھ (نرول)۔ ڈگ نجے سنگھ (چھونا)۔ ہیرا دتت سنگھ۔ بسنت سنگھ۔ جگن ناتھ بخشی۔ راج پال سنگھ۔ (لبنا برٹیھا) وغیرہ تھے۔ علاقہ روتیا کے نرپت سنگھ نے اپنی غیر حاضری کا سبب اس طرح تحریر کیا:

"پروانہ کرامت نشان حضور مشعر اجلاس فرمائی آیا۔ سرفراز و ممتاز کیا۔۔۔ خانہ زاد کی گڈھی سے علاقہ انگریزی قریب ہے فقط دریائے گنگ درمیان ہے۔ خانہ زاد کا آنا مصلحتِ وقت نہیں ہے۔ انشاء اللہ اگر کفار قصد عبورِ گنگ کریں گے اقبالِ سرکار سے مقابلہ کر کے قتل کروں گا۔ واجب تھا عرض کیا گیا"۔[1]

رزیڈنسی کے انگریز لکھنؤ میں رزیڈنسی کے محصور انگریزوں کا حال بد سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔ انقلابیوں کی طرف سے اعلان کیا جا رہا تھا کہ ہیولاک کو پیچھے ہٹا دیا گیا ہے۔ کھانے پینے کا سامان کم ہوتا چلا جاتا تھا، بیماریاں پھیل رہی تھیں۔ جاسوس بھیجے گئے تو وہ کبھی اچھی خبر نہ لائے۔ ۱۱ راگست کو ایک حصہ گرا اور کچھ لوگ دب گئے۔ باہر سے مسلسل گولیاں برس رہی تھیں۔ انگریزوں کو اپنے ہندوستانی ساتھیوں، یہاں تک کہ سکھوں پر بھی شک و شبہ تھا۔ برجیس قدر کی تخت نشینی سے انقلابیوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ مگر بیلی گارد کے انگریز قیدی اپنے افسروں کو کھوتے جاتے تھے۔ انقلابی اِن انگریزوں کو یہاں سے نکال نہ سکے۔ اُن کی تعداد میں تعلقہ

داروں کی غیر منظم، غیر تربیت یافتہ ٹکڑیاں اضافہ ضرور کر رہی تھیں مگر جنگی امداد نہ پہنچا سکتی تھیں۔ ہیولاک اور محصور انگریزوں کے درمیان ایک ہندوستانی انگد تیواری کی عنایت سے خط و کتابت بھی ہوئی۔ اسی کے ذریعے ۴ر اگست کو بھی ایک پیغام آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم چار دن میں لکھنؤ پہنچ جائیں گے۔ انگد تیواری انقلابیوں کے ہتھے بھی چڑھ گیا اور جب رہا ہوا تو ہیولاک دوبارہ کانپور جا چکا تھا۔ ۲۹ر اگست کو انگد پھر ایک خط لے کر آیا۔ نانا صاحب بھی لکھنؤ آ کر محاصرے میں شریک ہو گئے تھے۔ جنرل بخت خاں بھی دہلی سے واپس آ کر شریک ہوا۔ شہزادہ فیروز بھی لکھنؤ آ گیا تھا۔ شروع ستمبر میں راجہ مان سنگھ (شاہ گنج) نے مع فوج لکھنؤ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ۱۶ر ستمبر کو محصور انگریزوں نے پھر انگد کو ایک خط لے کر بھیجا کہ انکی حالت ناقابل برداشت ہو چکی ہے۔ لفٹیننٹ جیمس گراہم نے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ باہر کے انقلابی انگریزوں کے ساتھی ہندوستانیوں کو طعنے دیتے تھے کہ وہ غدّار ہیں اور دین کے خلاف جدوجہد میں حصہ لینے کا عذاب مول لے رہے ہیں۔ ۲۲ر ستمبر کو پھر اوٹرم کا ایک خط آیا جس میں انگریزی فوجوں کے قریب آ جانے کی خبر تھی، ۲۵ر ستمبر کو ہیولاک اور اوٹرم رزیڈنسی میں داخل ہوئے[۱]۔ رزیڈنسی توڑنے میں انقلابیوں کی ناکامی آپس کی پھوٹ، بدنظمی اور گولہ بارود کی کمی کا نتیجہ تھی۔

عالم باغ

عالم باغ کی انگریزی فوجوں سے بھی برابر مقابلہ ہوتا رہا۔ کیونکہ کچھ انگریزی فوج یہاں رہ گئی تھی اور درمیان کا پل اڑا دیا گیا

۱۔ جیمس اوٹرم اس سے پہلے ایران میں تھا، بغاوت شروع ہونے پر طلب کیا گیا، ۱۳ر جولائی کو کلکتہ پہنچا (بمبئی سیلون ہو کر) دانا پور اور کانپور ڈویژن کی فوجی کارروائیاں اس کی کمان میں دیدی گئیں، بیرام پور سے بنارس تک بغاوت کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی

تھا۔ انقلابیوں کی بنائی ہوئی سُرنگوں کو انگریز مورخ مارش مین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اوٹرم کی رائے میں وہ اُس زمانے کے فن جنگ کے اعتبار سے بے نظیر تھیں۔

عالم باغ پر مولانا احمد اللہ رح نے بار بار حملے کیے۔ راجہ جے لال نے بھی حملہ کیا۔ ۲۰ر ستمبر کو انگریزی فوجیں پھر لکھنؤ کی طرف بڑھنے لگیں۔ ہیولاک گنگا پار کرکے منگلوار پر ایک تصادم (۲۱ر ستمبر) کے بعد آگے بڑھا۔ اُدھر جیمس اوٹرم اپنی تازہ دم فوج لے کر آگیا۔ اس بار باغی فوجوں سے مقابلے کرنا نہیں پڑے باغیوں نے بنّی کا پُل بھی تباہ نہیں کیا اور انگریزی فوج بہ آسانی عالم باغ کے قریب آگئی۔ ۲۳ر ستمبر کو چار باغ پر جنگ ہوئی جو رات کو بھی جاری رہی۔ عالم باغ پر اچانک حملے میں ہندوستانی چوکی کے آدھے سے زیادہ سپاہی قتل ہوئے۔ ۲۵ر کو ناکہ ہنڈولہ کے قریب نہر غازی الدین حیدر کو پار کرکے غیر معروف راہ سے انگریزی فوج داخل ہوئی اور قیصر باغ کے شمال مشرق میں پہنچی۔ انقلابی توپیں اس موقعے پر خاموش رہیں۔ بیگم حضرت محل مردانہ لباس میں تلوار لے کر محل سے باہر نکل آئیں۔ موتی محل۔ خورشید منزل اور قیصر باغ کی توپوں نے آگ اُگلنا شروع کردی، پیدل فوج بھی مقابلے پر آگئی اور تارا کوٹھی سے لال بارہ دری تک لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ مکانات سے بھی گولیاں برس رہی تھیں۔ عورتوں نے بے پناہ پتھر برسائے، سڑکوں پر دو دن متواتر جنگ ہوئی۔ ہیولاک کے سات سو بائیس آدمی ہلاک ہوگئے، جنرل نیل شیر دروازے کے پاس ہلاک ہوا۔ انگریز سپاہی چھتر منزل کے صحن سے ہوکر ریذیڈنسی میں داخل ہوگئے اور انقلابیوں نے دوبارہ محاصرہ کرلیا، پرانی اور نئی دونوں فوجیں اندر بند ہوگئیں۔ انگریزی فوجیں بیگم کوٹھی پر قبضہ کرتی ہوئی سکندر باغ پہنچیں اور موتی محل پر ٹھہر گئیں۔ پھر خاص بازار سے دائرے کی شکل میں گھوم کر چھتر منزل پہنچیں۔

لکھنؤ میں خوں ریز جنگیں

نیا کمانڈر انچیف کولن کیمپل کلکتے میں زبردست

تیاریاں کر رہا تھا۔ مدراس۔ سیلون اور چین سے آنے والی فوجیں جمع کی گئیں اور پوری تیاری کے بعد ۳ نومبر ۱۸۵۷ء کو کانپور پہنچا جہاں ونڈہم کی ماتحتی میں کچھ فوج چھوڑ کر ۹ نومبر کو لکھنؤ پر حملہ آور ہوا۔ عالم باغ میں انگریزی فوج کا پڑاؤ تھا، اُدھر رزیڈنسی کے انگریزوں کو تمام اطلاعات مل رہی تھیں۔ انھیں ایک ایسے رہنما ضرورت تھی جو کولن کیمپبل کی فوج کو اوٹرم کا تجویز کردہ راستہ بتا سکے۔ رزیڈنسی کا ایک انگریز ہندوستانی لباس پہن کر اور منھ پر سیاہی لگا کر اس کام پر آمادہ ہوا اور پرانے وفادار، قنوجی لال کے ہمراہ رات کی تاریکی میں انگریزی کیمپ میں آ گیا۔[ا] جہاں ۳۶ ہزار سے زیادہ لشکر موجود تھا۔ راہ نمائی پا کر اس لشکر نے کوچ کیا (۱۳ نومبر)۔ انقلابیوں نے ناکہ ہنڈولہ سے تالاب فتح علی خاں تک فوجیں لگا دی تھیں، تال کٹورے تک مضبوط مورچے بنا لئے تھے۔

اودھ کے تمام علاقوں میں اس دوران میں زبردست بغاوت ہو رہی تھی۔ ایک موقعے پر تو گورنر جنرل یہ فیصلہ کرنے والا تھا کہ رزیڈنسی پر حملے کا خیال ترک کر دے۔ کیونکہ ریوا وغیرہ میں بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ اودھ کے زمینداروں میں نئی تنظیم کی بنا پڑ رہی تھی۔ لکھنؤ، جون پور اور اعظم گڈھ وغیرہ کے لئے مہدی حسن کی فوج تیار ہو رہی تھی۔ متحدہ طور پر منظم جد و جہد کی رپورٹ تمام انگریزی جاسوس اور حکام (مثلاً پی کارنیگی وغیرہ) دے رہے تھے۔ فیض آباد میں توپ فیکٹری قائم کی گئی۔ سیسہ پگھلانے اور چھرّے بنانے کا کام شروع ہوا۔ متعلقہ داروں کو امداد کے لئے آمادہ

ا۔ اس انگریز (کوانا گ) کو بیس ہزار نقد اور وکٹوریہ کراس کے علاوہ اسسٹنٹ کمشنر کا عہدہ ملا۔ قنوجی لال کو تحصیلداری اور پانچ ہزار روپیہ۔

کیا گیا۔ گوپی گنج وغیرہ میں مالگذاری جمع کی جا رہی تھی۔ ہنومان گنج کے قریب ناظم اور نائب ناظم اپنی فوجوں کے ساتھ تھے۔ یہ غیر معمولی سرگرمیاں بغاوت کی عوامی نوعیت کا پورا ثبوت بہم پہنچاتی ہیں ضلع فتحپور کے کھجوا اور کھیکیرو میں باغی عوام اور سپاہ بڑی تعداد میں موجود تھے۔ گورکھ پور اور باندہ پر انقلابی علم لہرا رہا تھا۔[1]

لکھنؤ میں دل کشا سے شاہ نجف تک جا بجا توپیں لگی تھیں۔ نقشے کے مطابق کولن کیمپبل ۱۴ر نومبر کو عالم باغ اور قلعہ جلال آباد سے جنوب کی طرف بڑھا۔ انقلابی فوجیں اس قدر پامردی سے مقابل ہوئیں کہ اگرچہ تالاب فتح علی خاں کی چوکیاں گولہ باری سے مسمار ہو گئیں مگر دل کشا باغ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ لا مارٹینیر[2] (La Martiniere) پر قبضے کے بعد اب ان کا نشانہ موتی محل تھا لیکن انقلابیوں کو دھوکا دینے کے لئے بیگم کوٹھی پر فائرنگ کی گئی۔ ۱۶ر نومبر کو اس فوج نے گومتی کے قریب نہر پار کی اور سکندر باغ پر حملہ کیا۔ انقلابیوں کو اس طرف حملے کی امید نہ تھی اسی لئے دوسری سمت کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ یہاں اُن کے پاس توپیں بھی نہیں تھیں، توڑے دار

---

[1] چودھری/ ۹ ۳ - ۴۰ بحوالہ کاغذات پارلیمنٹ لندن۔ غازی مجاہدین کے رہنما مولوی مسیح الزماں۔ اجیر علی اور ببر علی تھے۔ (چودھری/ ۱۳۲)

[2] دل کشا انیسویں صدی کے شروع کی تعمیر ہے، والیان اودھ کی شکار گاہ تھی اس کے قریب ایک خوب صورت پارک تھا۔ مارٹینیر ایک فرانسیسی کلاڈ مارٹن کا بنوایا ہوا ہے جو بحیثیت سپاہی ۱۷۵۲ء میں کاونٹ ڈی لالی کے ہمراہ ہندوستان آیا۔ ۱۷۶۱ء میں انگریزوں نے گرفتار کر لیا اور پانڈیچری سے بنگال بھیج دیا پھر وہ انگریزی فوج میں کیپٹن ہوا، اودھ دربار سے وابستہ رہا اور اہم حیثیت حاصل کی۔ اس عمارت میں کالج اسکی وصیت کے مطابق بنایا گیا۔ یہ اسکی رہائش گاہ تھی، یہیں دفن ہوا۔ بغاوت کے دوران میں اسکی قبر کھود کر ہڈیاں پاش پاش کر دی گئیں۔

بندوقیں نئے ساز و سامان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں جن سے انگریزی فوج مسلح تھی بلکہ جدید قسم کی توپیں بھی ہمراہ تھیں۔

سِکندر باغ کی جنگ

انگریزی فوجیں ابھی سکندر باغ[ل] پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ اُن پر تین طرف سے گولہ باری شروع ہوگئی یعنی داہنی طرف سکندر باغ سے، بائیں طرف بارکوں اور سرائے سے، سامنے میس ہاؤس اور قیصر باغ سے۔ ایڈوانس گارڈ کو ٹھہرنا دشوار ہوگیا تو ہوپ گرانٹ کا بریگیڈ اور نمبر ۹۳ مدد کو پہنچی۔ باغ کے نزدیک ایک سو بیس[۱۲] مربع گز جگہ میں بیس گز اونچی چہار دیواری اور گوشوں پر گول مورچے بنے ہوئے تھے، صرف ایک دروازہ تھا جس پر دو منزلہ عمارت (گارڈ روم) بنی تھی۔ اس مورچہ نما جگہ کے شمالی رُخ پر ایک پویلین بنا ہوا تھا اور ہر طرف سے مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی۔ کولن کیمپبل نے دیوار کا جنوب مشرقی کونہ منتخب کیا کہ شگاف پیدا کیا جائے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہی بیٹری کا کیپٹن ہارڈی مارا گیا، چودہ[۱۴] انگریز افسر اور چھ توپچی جاں بحق ہوئے، بیس گھوڑے گرے۔ انگریزی توپوں نے شگاف ڈالنے کا کام شروع ہی کیا تھا کہ انقلابی فوج کا ایک دستہ بائیں طرف سے حملہ آور ہوا جس کو اڈرین ہوپ نے مقابلہ کر کے ہٹایا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی گولہ باری کے بعد تین[۳] مربع فٹ شگاف (سلطان گنج کی طرف) ہوگیا جو زمین سے تین فٹ کے قریب بلند تھا۔ کولن نے فوراً حملے کا حکم دے دیا اور سپاہی اس شگاف سے اندر داخل ہونے لگے جن میں کئی موت کے گھاٹ اُترے۔ انقلابیوں نے اس مورچے پر دھاوا روکنا ناممکن دیکھ کر سکندر باغ کا صدر دروازہ

ل سکندر باغ واجد علی شاہ کی تعمیر ہے، سکندر بیگم کو عطا ہوا تھا "آرام گاہ ظل اللہ" (۱۲۶۴ھ) سے تاریخ نکلتی ہے۔ جو انقلابی یہاں شہید ہوئے ان کی لاشیں

بہبل، فو، ۲۲۰۔
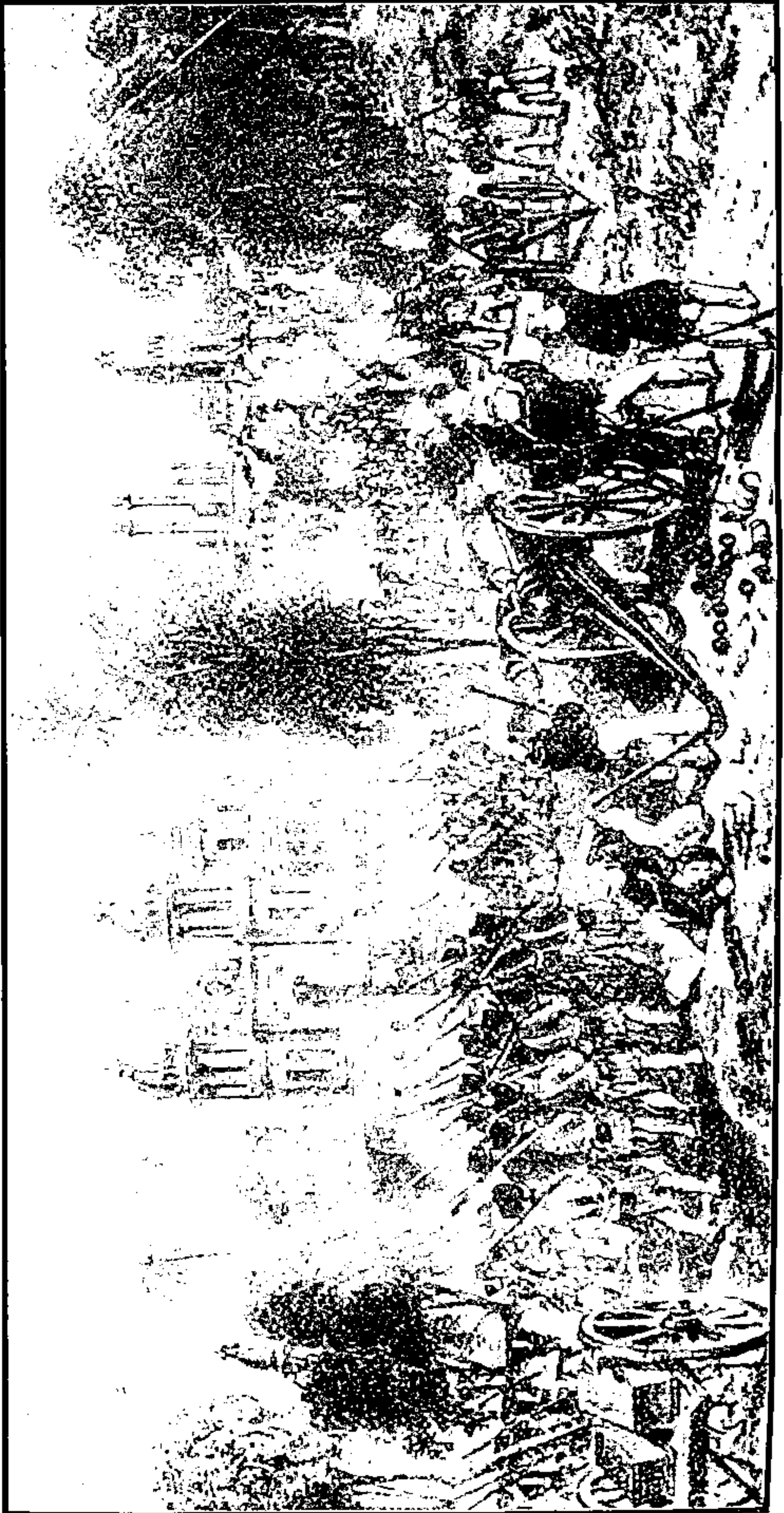
سکندر باغ لکھنو، جہاں ۱۶ نومبر ۱۸۵۷ء کو دو ہزار انقلابی قربان ہوئے

بند کرنا چاہا جسے انگریزی فوج کے ایک سپاہی (مقرّب خاں) نے اپنا بازو درمیان میں پھنسا کر ناممکن بنا دیا اور دروازہ کھلتے ہی فوج اندر داخل ہو گئی۔ یہاں دو[2] ہزار (یا تین[3] ہزار) انقلابی فتح یا موت کا عزم لے کر جمع ہوئے تھے۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب یہ معرکہ شروع ہوا۔ رابرٹس اس موقعے کا چشم دید مبصر ہے جو اس حملے میں شریک تھا۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں دو[2] ہزار سے زیادہ آدمی اس خیال سے جمع تھے کہ جیسے ہی ہماری فوجیں حضرت گنج کی سڑکوں پر پہنچیں گی وہ داہنی طرف سے اچانک حملہ کریں گے لیکن وہ اچانک چاروں طرف سے گھیر لئے گئے۔ انھوں نے جواں مردی سے ایک ایک انچ پر مقابلہ کیا۔ کولن نے چار ۴ بجے کے قریب تازہ دم دستوں کو بڑھا کر زبردست حملہ کیا۔ انقلابیوں کے پاس میگزین ختم ہو چکا تھا لیکن چاروں طرف سے مسلسل گولیاں برسا رہے تھے۔ تمام دن کی خوفناک جنگ کے بعد ڈوبتے ہوئے سورج نے اُن کے ہر فرد کو اپنا عہد پورا کر کے موت سے ہم کنار پایا۔ متعدد انگریزوں کے چشم دید بیانات گواہ ہیں کہ ہر فرد نے اپنی جان نچھاور کر دی ــ لارڈ رابرٹس کا کہنا ہے کہ اس جنگ کا بیان کرنے کے لیے خاص قسم کا قلم درکار ہے۔

سکندر باغ کی سرزمین قسمت کی بھی سکندر نکلی! چشم دید بیانات یہ ہیں کہ تین ہزار انقلابیوں کے خون سے اس طرح تر بہ تر ہو گئی جیسے کھیت میں آبپاشی ہوتی ہے۔ فارسٹ کا بیان ہے کہ شہیدوں کی لاشیں پوری زمین پر "ایک گز اونچے فرش کی طرح بچھ گئی تھیں"۔ رابرٹس کہتا ہے کہ "لاشوں کا یہ ڈھیر میرے سر کی برابر اونچا تھا[1]"۔ کمانڈر انچیف کولن نے حیرانی سے لکھا ہے کہ "میں نے ہتھیاروں کے ایسے بہادرانہ کمالات آج تک

---

[1] 1. ROBERTS: 41 Years in India pp.181-182
FORREST(G.W): Indian Mutiny Vol.2 p.299

نہیں دیکھے۔" فارسٹ نے یہ بیان نقل کر کے لکھا ہے کہ کولن کے اس بیان میں قطعی مبالغہ نہیں کہ [1]

(There never was a bolder feat of arms)

یہ معرکہ تاریخ میں یوں بھی یادگار رہے گا کہ مردوں کے دوش بدوش عورتیں بھی اس جنگ میں حصہ لے رہی تھیں۔ مورخوں مثلاً گورڈون الگزینڈر اور فورلسن میچل وغیرہ نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے۔ میچل نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد انگریز فوجی پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے۔ انھیں ایک پیپل کے درخت کے نیچے کچھ پانی کے گھڑے نظر آئے تو کچھ فوجی پانی پینے کے لیے اُدھر جھپٹے مگر کوئی واپس نہ لوٹ سکا کیونکہ ایک نامعلوم جگہ سے گولیاں چلیں اور سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ درخت اُوپر کی طرف بہت گھنا تھا۔ کپتان نے ایک افسر (کوئیکر ویلیس) کو حکم دیا کہ وہ دیکھے یہاں کوئی باغی تو چھپا ہوا نہیں ہے۔ ویلیس نے گولی چلائی تو پیڑ سے ایک لاش نیچے گری۔ یہ ایک جوان عورت تھی جو لال رنگ کی تنگ جیکٹ اور گلابی رنگ کا ریشمی پاجامہ پہنے تھی۔ وہ پُرانی قسم کی ایک کیولری پستول سے مسلّح تھی، ایک بھرا ہوا پستول اس کی پیٹی میں لگا ہوا تھا اور اس کی تھیلی میں بارود بھری ہوئی تھی۔ اُس نے چھ انگریزوں کو ختم کیا تھا۔ اس کے علاوہ بے شمار عورتیں مردانہ لباس میں اس جنگ میں شریک تھیں۔ گورڈن الگزینڈر کا بیان ہے کہ یہاں کچھ نیگرو حبشی عورتیں بھی تھیں جو جنگلی بلیوں کی طرح خوفناک انداز میں جنگ کر رہی تھیں اور یہ راز ان کی موت کے بعد کھلا کہ وہ عورتیں تھیں [2]

---

[1] 1.FORREST: Indian Mutiny Vol.2 p.299

[2] 2. MITCHELL (F): & GORDON ALEXANDER SFN: p. 242

فریڈرابرٹس ایک خط میں لکھتا ہے کہ "میں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا دو ہزار باغیوں کی لاشیں ڈھیر کی طرح زمین پر بکھری ہوئی تھیں۔ میں ایک ایسے ڈھیر کے قریب گیا تو دیکھا کہ اُن میں کچھ مُردہ اور زیادہ تر زندہ تھے مگر وہ اُٹھ نہ سکتے تھے۔ جب میں اُن کے قریب گیا تو وہ مرتے ہوئے زخمی بھی منفرت و حقارت کے اظہار سے باز نہ رہ سکے۔ اُنھوں نے ہمیں لعنت ملامت کی اور کہا کہ:

"اگر ہم صرف کھڑے بھی ہو سکتے تو تمھیں زندہ نہ چھوڑتے"[1]

انگریزوں کو بھی اس جنگ میں کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ کئی بڑے افسر مثلاً کُوپر اور لمس ڈاؤن وغیرہ بھی مارے گئے۔ میدان دُشمن کے ہاتھ رہا، عزت و شان وطن کی دوبالا ہو گئی ——— میلیسن نے لکھا ہے:

"باغیوں نے جان پر کھیل کر بہادری سے جنگ کی .... ہر کمرے، ہر سیڑھی اور میناروں کے ایک ایک کونے کے لیے جنگ ہوتی رہی۔ نہ کسی نے رحم چاہا اور نہ کسی نے کیا۔ آخر میں جب ہماری فوج نے قبضہ کیا تو دو ہزار سے زیادہ لاشوں کے ڈھیر چاروں طرف پڑے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جتنی فوج سکندر باغ کی حفاظت کے لیے مقرر تھی اُس میں صرف چار آدمی اپنی جگہ چھوڑ کر نکل گئے لیکن ان چار کا باغ چھوڑ کر جانا بھی مشکوک ہے"[2]

سکندر باغ کے بعد

۱۷ نومبر ۱۸۵۷ء کو قدم رسولؐ اور شاہ نجف پر خوں ریز معرکے ہوئے۔ موتی باغ پر بھی سخت جنگ ہوئی۔ گومتی

---

1. ROBERT (F): Letters During the Mutiny p.103 ؎۱
2. MALLESON: Vol.4 p.132 ؎۲

ندی کے اُس پار قیصر باغ اور میس ہاؤس سے مسلسل گولہ باری ہوتی رہی[۱] انقلابیوں کا توپ خانہ حضرت گنج اور چوپڑ کے اصطبل کے درمیان لگا ہوا تھا جسے وہ قیصر باغ کی طرف نہ لا سکے۔ انگریزوں نے موتی محل۔ خورشید منزل اور تارا کوٹھی[۲] وغیرہ پر قبضہ کرکے رزیڈنسی تک حاصل کرلی۔ مولانا احمد اللہؒ نے ۱۷ نومبر کو رزیڈنسی پر بھرپور حملہ کیا۔ خدنگ غدر میں ہے کہ "متصل کالے جیل خانے کے پھر لڑائی احمد اللہ شاہ سے واقع ہوئی" جنرل ہارس مارا گیا۔ سرکولن نے رات میں رزیڈنسی خالی کردی اور لکھنؤ سے باہر نکل گیا۔ ان معرکوں میں وہ خود زخمی ہوا، ۲۴ نومبر ۱۸۵۷ء کو ہنری ہیولاک چل بسا۔ انگریزوں کے چار قیدیوں میں رکن الدولہ محاصرہ ختم ہونے سے پہلے مر گیا۔ تلسی پور کا راجہ عالم باغ پہنچنے سے قبل ختم ہوا۔ ان قیدیوں میں مصطفےٰ علی (سابق نواب اودھ کا بھائی) رکن الدولہ بن سعادت علی۔ محمد ہمایوں۔ مرزا محمد شکوہ

۱؎ قدم رسولؐ غازی الدین حیدر کا تعمیر کردہ ہے۔ اس میں ایک سنگ پارہ تھا جو عرب سے آیا تھا اور جس پر پیغمبر اسلامؐ کے قدم کا نقش تھا۔ ہنگامے کے دوران سنگ پارہ گم ہو گیا شاہ نجف بھی غازی الدین حیدر کی تعمیر ہے، اپنا مقبرہ بنوایا تھا جو نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے مقبرے کی نقل ہے۔ موتی محل سعادت علی خاں کی تعمیر ہے اس میں ایک برج موتی کی شکل کا تھا۔

۲؎ تارا کوٹھی نصیر الدین حیدر کی تعمیر ہے، آلات نجوم رکھے گئے تھے۔ واجد علی شاہ نے اس عملے کو برخاست کر دیا۔ یہ مولانا احمد اللہؒ کی قیام گاہ تھی، کونسل ہوتی تھی۔ یہیں راجہ جے لال سنگھ کو یکم اکتوبر ۱۸۵۹ء کو پھانسی ہوئی اور ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء کو بندے حسن اور شیخ علی کو پھانسی ہوئی۔ (تواریخ نادر العصر)

(دہلی کا شہزادہ) شامل تھے۔

اس درمیان میں وال پول جب لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا تو انقلابیوں کے ایک چھوٹے سے دستے نے اِٹاوہ پر روک لیا۔ پچیس آدمی پُرانی قسم کی بندوقیں لے کر مقابلے کے لئے نکل آئے۔ اُن کے مورچے پر جب گولہ باری یا آگ لگانے سے بھی کام نہ چلا تو انگریزوں نے اس عمارت کو بارود سے اُڑا دیا اور جواں مَردوں کو شہادت کا وہ درجہ مل گیا جس کے وہ تمنائی تھے۔ میلیسن نے ان ۲۵ جانبازوں کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

سکندر باغ کی شکست کے بعد ناامیدی کی لہر دوڑنا یقینی تھا۔ مسلسل گولہ باری سے شاہی محلات میں بھی افراتفری نظر آئی مگر بیگم حضرت محل اپنی جگہ جمی رہیں انقلابیوں کی جرأت وہمت کے ساتھ ہی جاسوسی اور دغابازی کے فتنے اُنھیں خاک میں ملا رہے تھے۔ نئے ہتھیاروں کا موجود نہ ہونا اور مختلف فوجوں میں تنظیم اور باقاعدگی کی کمی شکست کا منھ دکھا رہی تھی۔ دسمبر ۵۷ء میں تارا کوٹھی پر بھی انگریزوں کا قبضہ ہوگیا لیکن اگلے دن (۱۸ دسمبر) کو مولانا احمد اللہؒ نے پھر کوٹھی چھین لی۔ انقلابی فوج نے مولاناؒ کو اپنا چیف کمانڈر بنا لیا تھا۔ [1]

ممّو خاں کا بھائی اور چار گولنداز، جن پر یہ جرم ثابت ہوا کہ اُن کی سازش سے کارتوسوں میں بھوسہ بھر دیا گیا، قتل کیے گیے۔ اس کے علاوہ ایک گولہ بارود جو دربار سے ملا تھا، ناقص ثابت ہوا اور دو آدمی گولی سے اُڑائے گئے۔ مولانا احمد اللہؒ نے بتایا کہ یہ گولے مسولی کے راجہ نے دو انگریزوں کے ہاتھ بھیجے ہیں اور برجیس قدر

---

[1] فریڈم اسٹرگل اتر پردیش۔ جلد ۲/ ۲۵۵-۲۶۰
رام سہائے تمنا: احسن التواریخ / ۸۵-۸۶

کے بعض اہلکار ساز باز کر رہے ہیں۔ ۱۷ر نومبر کو چینی بازار گیٹ کے سامنے چار انگریزوں کو گولی ماری گئی (اس جگہ ایک یادگار قائم ہے)

بیگم حضرت محل نے بنارس اور الہ آباد پر بڑھنے کا حکم دیا (۲۵ر نومبر)، جنگی کونسل کے جلسے ہوئے، جون پور پر حملے کے پلان بنے مگر عمل ایک پر بھی نہ ہوا۔ بیگم نے دل برداشتہ ہو کر ۲۲ر دسمبر کو فوجی سرداروں کے سامنے تقریر کی :

"لکھنؤ خطرے میں ہے، فوجوں میں ہمت نہیں۔ آخر ہونا کیا ہے؟ تم عالم باغ پر کیوں حملہ نہیں کرتے۔ کیا یہ انتظار ہے کہ انگریزوں کو مدد آجائے اور وہ لکھنؤ کو گھیر لیں؟ میں کب تک سپاہ کو تنخواہ دیئے جاؤں جو کچھ نہیں کرتے۔ آج مجھے جواب دو۔ اگر تم جنگ کرنا نہیں چاہتے تو کیا میں انگریزوں سے بات چیت شروع کر دوں؟" [۱]

فوجی افسروں نے یقین دلایا کہ وہ آخر دم تک جنگ کریں گے۔ جب یہ پتہ چلا کہ انگریز راجہ نیپال سے بات کر رہے ہیں اور اُسے کچھ علاقہ دینے کا لالچ دے رہے ہیں تو بیگم نے اُسے خط لکھا اور کچھ مزید علاقے کی پیش کش کی۔ اس مقصد کے لیے چند لوگ نیپال بھیجے گئے تاکہ وہ بیگم کا ساتھ دے۔

کانپور پر تانتیا ٹوپی کا حملہ

انگریزوں کے لیے حالات پھر نازک صورت اختیار کر رہے تھے۔ کانپور سے جاسوس پیغام لایا کہ وہاں انقلابی فوج حملہ آور ہو رہی ہے۔ کولن کیمپبل پھر کانپور کی طرف بڑھا۔ معلوم ہوا کہ گوالیار کی باغی فوج نے کانپور پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ باغی فوج وقت گذرنے کے بعد

---

[۱] خفیہ کاغذات کامن ویلتھ آفس لندن بحوالہ چودھری / ۱۳۳
فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۲۔ ص ۲۶۰

حرکت میں آئی تھی کیونکہ جب اندور کے انقلابی آگرے پر بڑھے تو ان کا ساتھ نہ دیا۔ جب ہیولاک مصیبت میں تھا تو یہ کانپور پر حملہ آور نہ ہوئی۔ جب انگریزی فوج لکھنؤ پر بڑھی تب بھی یہ لوگ غافل رہے اور یہ تمام موقعے گذار کر اکتوبر ۵۷ء میں کالپی کی طرف بڑھے، تانتیا نے کمان سنبھالی اور کانپور پر حملہ ہوا جہاں کولن کیمپبل کچھ فوج ونڈھم کی ماتحتی میں چھوڑ گیا تھا اور تانتیا کو معلوم تھا کہ وہ لکھنؤ پہنچ کر جنگ میں الجھ چکا ہے لہٰذا اس نے شیوراج پور پر قبضہ کر لیا، رسد کاٹ دی (۱۹ر نومبر) تو ونڈھم نے ۲۴ر نومبر کو کالپی روڈ اور نہر کے کنارے پڑاؤ ڈالا پانڈو ندی کے کنارے مقابلہ ہوا، ونڈھم کو شکست ہو گئی، اور اگلے دن دوبارہ شکست کا منھ دیکھنا پڑا تو شہر چھوڑ کر بھاگنے کے سوا چارہ نہ رہا، مع فوج کے گنگا کے پل کے قریب محصور ہو گیا۔ شہر اور چھاؤنی پر انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن وہ پل تباہ نہ کر سکے۔ کولن نے کانپور کا رخ کیا اور ۳۰ر نومبر کو پل پار کر کے کانپور میں آ گیا۔ اس وقت نانا صاحب اور کنور سنگھ بھی یہیں موجود تھے۔ اس موقعے پر کالندر گیر گوشائیں۔ کور سنگھ۔ بھوپال سنگھ۔ نرپت سنگھ۔ (ولد جسا سنگھ) دریا سنگھ۔ عجب سنگھ۔ جودھا سنگھ وغیرہ جنگ میں شامل تھے۔ اکبر پور کے عوام اور چوہان قبیلے نے بھی حصہ لیا۔ آس پاس کے تمام گاؤں (چھتیس ۳۶) کے زمیندار مع فوج اور عوام کے شریک تھے جن میں درگا پرشاد۔ستی پرشاد۔ بھوانی سنگھ۔ جواہر سنگھ۔ بلدیو سنگھ قابل ذکر ہیں۔ دسمبر ۵۷ء کے پہلے ہفتے میں جنگیں شروع ہو گئیں۔ ۶ر دسمبر کو جنرل گنج پر تصادم ہوا۔ کولن نے داہنی سمت کمزور پا کر ادھر سے حملے کا ارادہ کیا لیکن بائیں طرف اور سامنے (قلب) بناوٹی حملے سے انقلابیوں کو غلط سمت میں الجھا کر داہنی سمت پر اچانک حملہ شروع کر دیا۔ گوالیار کے دستوں نے خوفناک فائرنگ کیا سکھ فوجیں پیل کی ماتحتی میں آگے بڑھیں اور انقلابی فوجوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ شیوراج پور پر بھی اسی طرح ہوا (۹ر دسمبر) اور تانتیا کا پلان بکھر گیا کیونکہ اس کی

ہر نقل و حرکت کی خبریں جاسوس انگریزی کیمپ میں پہنچا رہے تھے۔

ہوپ گرانٹ بٹھور پہنچا اور تلاش شروع ہوئی نانا صاحب کے خزانے کی۔ صرف محل ہی نہیں، مندروں کو بھی میدان کر دیا گیا۔ محل کے ایک کنوئیں سے خزانہ نکلا تو فوجیوں کا خیال تھا کہ یہ ان کے لیے ایک بڑا "انعام" ہوگا۔ چاندی سونے کی بے شمار چیزوں کے ساتھ شاہی ہودہ بھی برآمد ہوا۔ اشرفیاں، سونے کی مُہریں اور سکّے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ گورڈون الگزینڈر اور فوربس میچل کا بیان ہے کہ صرف سونے کے سکّوں کا اندازہ ۲ لاکھ پونڈ کی مالیت تھی مگر فوجی ہاتھ ملتے رہ گئے اور یہ "برٹش گورنمنٹ" کی ملکیت قرار پایا۔ رابرٹس کا بیان ہے کہ صرف چند چاندی کے برتن برآمد ہوئے [1]

فرخ آباد اور فتح گڑھ پر یورش

ابھی تک فتحگڑھ کا علاقہ، جو ایک اہم مقام تھا، انقلابیوں کے قبضے میں تھا یہاں ایک توپ فیکٹری بھی قائم کی گئی تھی۔ دوآبہ کے وسطی علاقوں کی حالت دسمبر میں انگریزوں کے لیے بے حد خطرناک ہوگئی۔ اکتوبر میں علی گڑھ تک انکے قبضے میں آگئے مگر گنگا کے اُس پار دسمبر تک بھی انقلابی پرچم بلند تھا۔ ہوپ گرانٹ کی فوج مین پوری اور اٹاوہ ہو کر آگرے سے کانپور تک آگئی اور قنوج پر نواب

---

1. GORDON ALEXANDER: Recollections pp. 194-195

FORBS MITCHELL: Reminicenses pp. 135. 152

SEN: pp. 233-234 ROBERTS: p. 212

CHAUDHURI: p. 106

'Manuj Das: article in Illustrated Weekly May 22, 1977

فرخ آباد کو شکست دی (۲۳ اکتوبر) لیکن گرانٹ کے جاتے ہی پھر برطانوی اقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ راجہ تیج سنگھ نواب کے ساتھ ہوگیا۔ بخت خاں۔ نواب ولی داد خاں اور شہزادہ فیروز نے دورے کیے۔ عوام نے ایٹہ پر حملے کا پلان بنایا۔[1] پٹھانوں اور روہیلوں نے بڑی تعداد میں گنگا پار کر کے انگریزی علاقوں پر دھاوا کیا، سٹین کی فوج سے تصادم ہوئے (۱۴ر دسمبر ۵۷ء بمقام کاسگنج اور ۲۷ر کو پٹیالی وغیرہ پر)۔ مین پوری پر انگریزی قبضے کے بعد ان کی جدوجہد دھیمی ہوتی گئی۔ فرخ آباد انقلابی سرگرمی کا مرکز بنا ہوا تھا، نواب کو ہتھیار ڈالنے کے لیے بہت کچھ لالچ دیئے گئے مگر بیکار رہا۔ آخر کار تین طرف سے گھیر کر انگریزی فوجیں بڑھیں جن میں سٹین کے علاوہ دال پول اور کولن کیمپبل کی فوج بھی تھی۔ کالی ندی کے کنارے خدا گنج پر ۲ر جنوری ۵۸ء کو تصادم ہوا۔ ہوپ سے شمس آباد پر اور سٹین سے دوسری جگہوں پر جنگیں ہوئیں۔ نواب کو شکست ہوئی اور اُن سے جنگی سامان ساتھ لے کر اودھ جانے کا فیصلہ کیا۔ مورخ ایس بی چودھری نے اخبار "انگلش مین" کے حوالے (۱۷ر دسمبر ۵۸ء) سے لکھا ہے کہ اُس دور کے انگریزوں کی رائے یہ تھی کہ "ہر ہندوستانی ہمارا مخالف بنا ہوا ہے" کیونکہ باغی سپاہ کے ساتھ گنگا کی وادیوں کے عوام بھی تھے۔ فرخ آباد کی شکست کے بعد باغی فوج گنگا پار کر کے روہیل کھنڈ کی طرف چلی گئی۔ کیپٹن اُلیور جونس نے لکھا ہے کہ باغیوں نے انگریزوں کو پل درست کرنے کی مہلت دیدی اور وہ ذخیرے بھی برباد نہ کیے جو اُن کے قبضے میں تھے یہاں تک کہ فتح گڈھ قلعے میں توپ فیکٹری

---

[1] دہلی کے دو شہزادے جنوری ۵۸ء تک یہاں تھے۔ نواب فرخ آباد (تفضل حسین) کو فرخ آباد کے کلکٹر نے سنجیدہ مزاج، فنکارانہ ذوق کا حامل، بہترین منتظم اور با اخلاق قرار دیا ہے (۱۸۵۹ء)

بھی بدستور تھی۔ اِن جنگوں میں ٹھاکر پانڈے بھی کام آیا، ایک اور باغی لیڈر نظیر علی خاں نے فرخ آباد میں جم کر مقابلے کے بعد ہتھیار ڈالے۔ نادر خاں گرفتار ہوا۔ جو نانا صاحب اور محمد حسن کے ساتھ جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔ چارلس بال نے لکھا ہے کہ نادر خاں نے ہم وطنوں کو پکار کر کہا کہ وہ اپنی تلواریں بے نیام کر لیں اور انگریزوں کو ختم کر کے آزادی حاصل کریں[1]۔ جنرل نیاز محمد خاں شمالی سمت سے کمپیل میں داخل ہوا اور ۱۰؍ جنوری ۱۸۵۸ء کو ہوپ گرانٹ نے شکست دی اس کے بعد معصوم علی کو بھی شکست ہوئی۔ انگریزی اور نیپالی فوجیں گھاگرا پار کر کے امرپور پہنچیں تو قلعے کے چونتیس ۳۴ آدمی مقابلے پر ڈٹ گئے، آخر دم تک جنگ کی اور ہر ایک موت سے ہم کنار ہوا (فروری ۱۸۵۸ء)۔ دوسری طرف جنرل فرینکس فوج لے کر بڑھ رہا تھا جو سلطان پور اور بدایوں میں بندے حسن اور محمد حسن سے جنگ کر چکا تھا۔ اس طرح مختلف سمتوں سے یہ فوجیں لکھنؤ کے قریب ہونے لگیں۔

اودھ پر حملے کی مہم

فتح گڈھ کی شکست نے روہیل کھنڈ کا راستہ صاف کر دیا کمانڈر انچیف کولن بریلی اور شاہجہانپور کی طرف بڑھنا چاہتا تھا لیکن گورنر جنرل کیننگ کی رائے میں اودھ زیادہ اہمیت رکھتا تھا کیونکہ دہلی کے بعد ہر آنکھ لکھنؤ پر لگی ہوئی تھی۔ اوٹرم عالم باغ میں تھا، نیپالی فوج جولائی میں گورکھپور میں آ چکی تھی۔ جنگ بہادر اب دس ہزار فوج لیکر خود سرحد پر آ گیا۔ کولن فتح گڈھ سے کانپور ہو کر ۲۰؍ فروری ۱۸۵۸ء کو اُناؤ پہنچا۔ رابرٹس کا بیان ہے کہ نانا صاحب کے بارے میں بار بار افواہیں ملتی تھیں کہ وہ قریب

ﻟﮧ 1. C.BALL: Vol.2 p.222

SAVARKAR: p.394

ہی (فتح پور چوراسی) موجود ہیں۔ وفادار "انجور تیواری" یہ مصدقہ خبر لایا کہ وہ انگریزی کیمپ سے پچیس میل دور ایک قلعے میں ہیں۔ ہوپ گرانٹ فوراً پہنچا (۷ار فروری) مگر نانا صاحب یہاں سے نکل گئے۔ جھنجلاہٹ میں اور کچھ نہ سُوجھا تو قلعہ مسمار کر دیا گیا۔ اس کے بعد مختلف جگہوں پر انقلابیوں سے تصادم ہوئے اور ۲۳ر فروری کو میاں گنج پر ایک زبردست معرکہ ہوا ایر کولن نے جنگ بہادر کا انتظار کیا۔ انگریز جانتے تھے کہ یہ گدھا ہماری مدد کر کے اپنی پہاڑیوں میں (نیپال) واپس چلا جائے گا لہذا کیوں نہ اس سے کام نکالا جائے سب سے پہلے اودھ کے انقلابیوں سے چاندا پر تصادم ہوا (۱۹ر فروری ۵۸ء) پھر بھدایاں۔ سلطان پور اور بادشاہ گنج پر مقابلے ہوئے۔ آگے بڑھ کر مَنہصب علی نے مقابلہ کیا۔ پھر دیراہ پر جنگ ہوئی آخر کار ۴ر مارچ کو وہ لکھنؤ سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا مگر جنگ بہادر ار تک پہنچ سکا۔ عالم باغ میں اوٹرم بڑی مشکل میں تھا کیونکہ مقابلہ آسان نہ تھا۔ انقلابیوں نے چھ بار حملہ کیا مگر کامیابی اُن کی قسمت میں نہ تھی۔ ایک بار رسالار رہا ویر دیوتا کے روپ میں آیا تاکہ جنگ میں مذہبی رنگ پیدا ہو جائے۔ اُن میں کوئی قابل رہنما نہ تھا اور ہندوستانی جاسوس انگریزوں کو اُن کے تمام اقدامات سے قبل از وقت آگاہ کرتے رہے۔

فارسٹ نے ان الفاظ میں اقرار کیا ہے:

"باغی سپاہ کے بھاری نقصانات سے ثابت ہو گیا تھا کہ اُن میں ہمت کی نہیں بلکہ دہلی کی طرح قیادت کی کمی ہے"۔ [1]

یکم مارچ کو ہوپ گرانٹ بھی لکھنؤ کے قریب بنیٹرا پر آ گیا۔ مہدی حسن جس نے نومبر ۵۸ء

---

[1]

میں انگریزوں کو جون پور تک دھکیل دیا تھا، فرینکس کی پیش قدمی روکنے کے لیے چاندا پر مقابل ہوا۔ اس کے بعد واری چلا گیا اور بدھائن کے قلعے پر قبضہ کیا، امیرا پور پر مقابلہ کیا پھر وہ گورا اکٹاری (ضلع سلطان پور) میں تھا۔ بادشاہ گنج پر ۲۳ر فروری ۱۸۵۸ء کو گھمسان کی جنگ کی۔ انگریز مورخوں نے تسلیم کیا ہے کہ یہ جنگیں حب الوطنی سے بھرپور جذبات کے ساتھ لڑی گئیں۔ چاندا کی جنگ میں بندہ حسن انقلابیوں کی کمان کر رہا تھا اور بادشاہ گنج پر غفور بیگ (جو پہلے شاہ اودھ کا فوجی افسر رہ چکا تھا)۔ چاندا پر راجہ ہنومنت کا بیٹا لال پرتاپ سنگھ کام آیا جس کا انتقام لینے کے لیے ہنومنت سنگھ نے اپنے قلعے کالا کانکر پر مورچہ بندی کی اور فوج منظم کی۔ مہدی حسن نے ۵ر مارچ کو جنگ بہادر سے کاندو ندی پر مقابلہ کیا پھر انگریزی فوج کی رسد لوٹ لی۔ رام نگر کا تعلقہ دار گربخش سنگھ بھی ان جنگوں میں شریک تھا۔[1] نانا صاحب فروری کے دوسرے ہفتے میں نوبت گنج میں تھے۔ آپا صاحب سنتیل گنج میں فوج منظم کر رہا تھا۔ راجہ شیوراج پور، راجہ مین پوری اور معصوم علی وغیرہ میورا گھاٹ اور تلگرام میں تھے۔ نرپل سنگھ، حشمت علی کی فوج کو مہدی گھاٹ پر کمان کر رہا تھا۔ منصب علی اور خان علی کو رسول آباد بھیجا گیا۔

۲ر مارچ ۱۸۵۸ء کو اوٹرم گومتی ندی پار کر کے فیض آباد روڈ پر آ گیا۔ اگلے دن سے سخت مقابلے شروع ہو گئے۔ اوٹرم بینک ہاؤس پر قبضہ کر کے لوہے کے پل تک آ گیا۔ اِدھر لکھنؤ میں دفاع کی تیاریاں کی گئیں۔ خندقیں، مورچے، جنگی سامان، گھروں کی دیواروں میں سوراخ وغیرہ ہوئے مگر شمالی سمت دھیان نہیں دیا گیا

لہ 1. Freedom Struggle UP Vol.2 pp.273,278,319

کیونکہ اس طرف سے حملے کا امکان نہ تھا۔ انگریزوں نے جاسوسوں سے معلومات پاکر اسی طرف سے حملہ کیا اور ساری پیش بندیاں بیکار ہوگئیں۔ اسی دوران میں بیگم کا وزیر مال راجہ بال کرشن چل بسا۔ وہ خود بھی میدان میں نکلیں جس سے جوش و خروش میں اضافے کے علاوہ کچھ نہ ہوا۔

مولانا احمد اللہ شاہؒ کی سرگرمیاں

مولانا احمد اللہ شاہؒ نے اپنی جد وجہد میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ ساورکر نے لکھا ہے:

"یہ غیر معمولی شخص جو لکھنؤ کو بچانے کے لیے میدان میں تھا اور جو اپنی قابلیت کے لحاظ سے بہترین تھا، چار مہینے سے بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں تھا اور اپنی موجودگی سے جوش و احساس کی روح پھونک رہا تھا، میدانِ جنگ میں بھی اور کونسل ہال میں بھی"۔ [1]

اُن کو یہ فکر تھی کہ دشمن کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے مگر آپس کے اختلافات نے ایسا نہونے دیا۔ وہ پھوٹ اور نفاق سے بددل نہوئے اور اپنی تقریروں سے

---

[1] ساورکر / ۵-۴۰۴۔ رتن لال بنسل ایک مضمون میں کہتے ہیں ـــــ "دس دس ہزار آدمیوں کی بھیڑ اُن کی تقریر سننے کے لیے اکٹھا ہوتی تھی۔ مولوی احمد شاہ ان کو بتاتے کہ انگریز کس طرح اس ملک میں بڑھتے گئے اور اگر پورا ملک ان کے قبضے میں چلا گیا تو اس کا نتیجہ عام جنتا کے لیے کیا ہوگا ... اور مولوی احمد شاہ کی زبان میں کچھ ایسا جادو تھا کہ کئی کئی گھنٹے یہ ہزاروں آدمی بُت بنے ہوئے ان کی تقریریں سنتے رہتے تھے ... اس طرح ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے دلوں میں مولوی احمد شاہ نے دیش بھگتی کا سچا جذبہ پیدا کر دیا۔" (دنیا ہند ستمبر ۱۹۴۷ء)

غیرت وحمیت کی لہر دوڑادی۔ اُن سے جب حالات کی نزاکت کی بابت پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

"مبارک اور پُرامید لمحات گذر چکے ہیں، حالات بے جوڑ ہیں مگر اب ہمیں صرف اس لیے لڑنا ہے کہ یہ ہمارا فرض ہے"!

اُنھوں نے ۲۲ر دسمبر کو ایک بہترین جنگی پلان بنایا اور عالم باغ پر بہ یک وقت دو طرف سے حملہ کرنے میں پیش قدمی کی لیکن دوسرا سردار اپنی فوج کو قابو میں نہ رکھ سکا اور یہ پلان بھی بیکار ہو گیا۔ اسی دوران میں بعض فتنہ پرور لوگوں نے اُن کے اور بیگم حضرت محل کے درمیان کشیدگی پیدا کرادی، اُنھیں گرفتار کرلیا گیا لیکن جلد ہی عوام اور سپاہ کے اصرار پر رہا کرنا پڑا۔ ساورکر نے لکھا ہے کہ "جب بھی انقلابیوں نے عالم باغ پر حملہ کیا، مولوی ہمیشہ سب سے آگے نظر آتا تھا"۔ ۱۵ر جنوری ۵۸ء کو جب خبر ملی کہ انگریزی فوج کانپور سے تازہ کمک لے کر آرہی ہے تو یہ اُلجھن پیدا ہوگئی کہ اس کو کیسے روکا جائے۔ دیر ہو جانے پر کامیابی کا امکان کم تھا۔ اس لیے مولانا احمد اللہؒ اپنی فوج لیکر کانپور کی طرف بڑھے اور اپنی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھا مگر جاسوسوں نے اوٹرم کو خبر کردی اور اس نے مقابلے کے لیے فوج روانہ کردی۔ اس تصادم میں مولاناؒ کے ہاتھ پر گولی لگی اور اُنھیں پھرتی سے ڈولی میں بٹھا کر لکھنؤ پہنچا دیا گیا۔

ویدی ہنومان برہمن

مولاناؒ کے زخمی ہو جانے کے بعد اُن کے پلان کو پورا کرنے کا بیڑہ ویدی ہنومان برہمن نے اٹھایا اور ۱۷ر جنوری کو انگریزی دستوں پر دلیرانہ حملہ کیا۔ یہ برہمن صبح دس بجے سے چھ بجے شام تک، بعض اطلاعات کے مطابق ۹ بجے رات تک،

لڑتا رہا اور زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔[1] بیگم حضرت محل ناکامی اور مایوسی سے شکستہ دل نہوئی۔ لندن ٹائمز کے نامہ نگار کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ بیگم نے بڑی طاقت اور اہلیت کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے تمام اودھ کو برجیس قدر کی حمایت میں کھڑا کر دیا تمام سرداروں نے وفاداری کی قسم کھائی ... بیگم نے ہمارے خلاف مسلسل جنگ جاری رکھی۔ ان رانیوں اور بیگموں کے جوشیلے کردار کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زنانے محلات میں رہتے ہوئے بھی کس قدر عملی اور دماغی قوتوں کی مالک رہی ہیں۔" [2]

لکھنؤ پر حملہ

۱۵ / فروری ۵۸ء کو مولانا احمد اللہؒ زخمی ہونے کے مہینہ بھر بعد پھر میدان میں نکل آئے تھے۔ وہ کولن کیمپبل کے پہنچنے سے پہلے اوٹرم کو عالم باغ سے نکالنا چاہتے تھے، ان کی تمام کوششیں خاک میں مل رہی تھیں، فتنہ پرداز اور انگریزوں کے وفادار اُن کے اور بیگم حضرت محل کے درمیان کشیدگی کو ہوا دے رہے تھے۔ بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس کشمکش سے تنگ آکر اُنھوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر (تارا کوٹھی) کو چھوڑ دیا اور گومتی کے پار قصر گنو گھاٹ پر، جو علی نقی خاں کا مکان تھا، قیام کیا اور پھر اسے بھی چھوڑ دیا۔ انہی حالات نے مؤرخ ہومز کو یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ:

> "اگرچہ باغی بزدل تھے مگر اُن کا لیڈر جذبات اور صلاحیت کے اعتبار سے ایک بڑی تحریک چلانے اور ایک بڑی فوج کی کمان سنبھالنے کی پوری اہلیت رکھتا تھا اور یہ فیض آباد کا مولوی احمد اللہ شاہ تھا۔"

---

[1] [2] ساورکر / ۴۰۶ - ۴۰۷ (رسل کی ڈائری۔ ص ۲۷۵)

مولاناؒ کو ایک طرف دشمنانِ وطن کے لشکر کا سامنا تھا تو دوسری طرف اپنے ہم وطن شریر عناصر کا۔ انھی شریروں کی بدولت لکھنؤ میں انقلابی سپاہ نے لوٹ مار بھی کی اور اس افراتفری سے دشمن کو فائدہ پہنچا۔

فروری ۱۸۵۸ء میں سندی۔ بلگرام اور فتح گڈھ میں راجہ کٹرہ (Kutra) انقلابی فوجوں کی کمان کر رہا تھا اسی کے ساتھ راجہ مین پوری اور معصوم علی خاں وغیرہ تھے۔ نانا مئو میں نرپل سنگھ فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ انگریزی اور نیپالی فوجیں لکھنؤ پر حملے کے لیے تیار تھیں[1] اور کولن کیمپبل (کمانڈر انچیف) ایکم مارچ کو عالم باغ کی فوج سے آملا۔ اوٹرم دوسری سمت سے بڑھا اور ۲ر مارچ ۱۸۵۸ء کو تصادم شروع ہو گئے۔ انگریزی فوجیں جاسوسوں کی اطلاع پر مشرقی سمت گومتی ندی کی طرف سے حملہ آور ہوئیں جس سے تمام پیش بندیاں بیکار ہو گئیں۔ ۲ر مارچ کو دلکشا باغ پر حملہ ہوا مگر انقلابیوں نے پیش قدمی روک دی۔ ۶ر مارچ کو گومتی پر پل بنا کر انگریزی فوج پار اُتری اور جہنہٹ سے آدھ میل جنوب کی طرف مورچہ بنایا۔ ۹ر مارچ کو چکر کوٹھی پر حملہ کیا، انقلابیوں نے جنرل مارٹن کی کوٹھی پر مورچہ لگایا۔ بخت خاں نے چکر کوٹھی پر مقابلہ کیا۔ بیگم حضرت محل نے شرف الدولہ کو مقابلے کے لیے بھیجا مگر وہ میدان سے بھاگ گیا (کوکرال نزد بادشاہ نگر) تو مولانا احمد اللہؒ نے، جو چکر کوٹھی میں تھے، ککرال پر مورچہ لگایا اور اگلے دن معمولی تصادم کے بعد انھیں ہٹنا پڑا وہ سرائے آغا میر چلے گئے۔

۱۔ چودھری ۵۴-۵۷

1. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 54-57
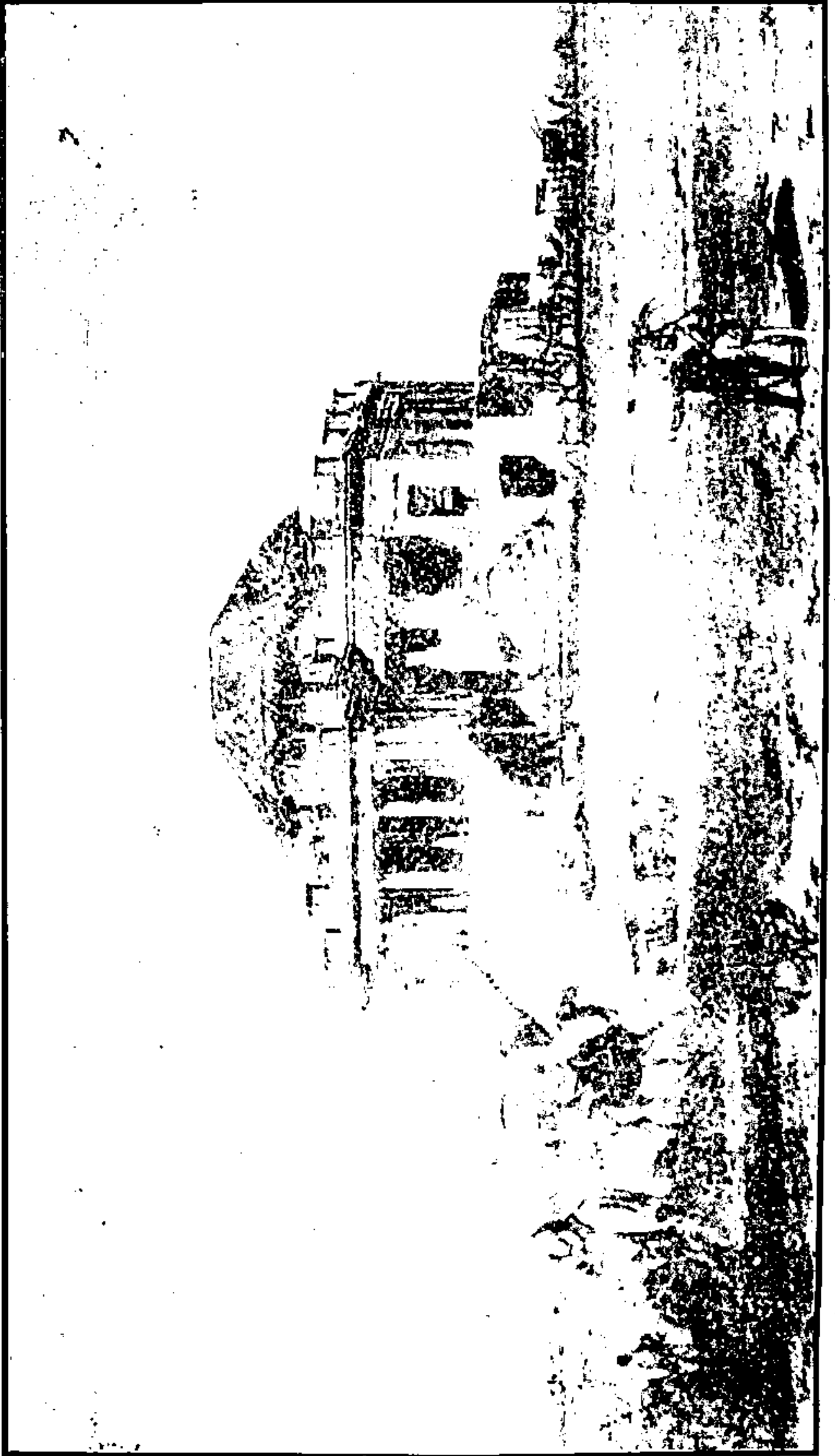
چکر کوٹھی لکھنو میں مولانا احمد اللہ کی قیام گاہ

چکروالی کوٹھی انقلابی فوج کے ایک حصے کا مرکز تھا اس کے بارے میں میجنڈی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہاں ایک مختصر گروہ انگریزی فوج کا مقابلہ کرتا رہا اور باقی فوج نے جو بڑی تعداد میں تھی تیزی اور آن بان کے ساتھ (تقریباً چھ سات سو تھے) کوٹھی خالی کر دی[1] جب کوٹھی پر انگریزوں نے قبضہ کیا تو اس کی نچلی منزل میں دس بارہ آدمی مقابلے پر ڈٹے گئے۔ میجنڈی کا خیال ہے کہ یا تو انھیں یہ پتہ نہ تھا کہ ان کے ساتھی یہاں سے چلے گئے ہیں اور یا وہ کسی مقصد سے یہاں تھے۔ ان کے نکالنے کی تمام تدبیریں بیکار گئیں اور انھوں نے اندر داخل ہونے والے کتنے ہی انگریز فوجیوں کو آسانی سے شکار بنایا۔ چھت میں سوراخ کر کے گولے پھینکے گئے تب بھی کچھ نہ ہوا کیونکہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جا کر محفوظ رہے۔ پھر آگ لگائی گئی جس سے کچھ لوگ نکل کر فرار ہوئے مگر تین پھر بھی اندر موجود تھے جیسے ہی ایک انگریز افسر کمرے میں گیا، ان میں سے دو نے، جو چھپے کھڑے تھے، اس کے گولی ماری اسی طرح ایک اور افسر نے دھوکے سے جان گنوائی۔ میجنڈی کو یہ دکھ ہے کہ ان چند انقلابیوں نے کئی افسروں کی جانیں لے لیں لیکن یہ نتیجہ نکالنا اب دشوار نہیں کہ دس بارہ جانباز کیوں یہاں پوشیدہ تھے کیونکہ اس دوران میں ان کے تمام ساتھی انگریزوں کی دسترس سے بہت دور جا چکے تھے۔ صرف ایک آدمی زندہ ہاتھ آیا جس سے اس تمام جدوجہد کا بدلہ اس 'خوبی' سے چکایا گیا کہ میجنڈی کا قلم بھی کانپ اٹھا ہے۔ اسے آگ پر بھونا گیا، کچھ سکھ اور انگریز اس 'کارنامے' میں شامل تھے۔ (۸، ۹ مارچ ۱۸۵۸ء)

---

[1] 1. MAJENDIE: UP Among the Pandies pp. 173-177, 180-181

انگریزی فوجیں اب شہر کے قریب پہنچ چکیں تھیں، بادشاہ باغ اور مارٹینیران کے قبضے میں آگئے۔ اوٹرم کے دستوں نے گومتی کے بائیں کنارے پر مضبوط پوزیشن بنالی تھی۔ ۱۰ مارچ کو بینک ہاؤس پر حملہ ہوا۔ پھر قیصر باغ اور بیگم کوٹھی پر گولہ باری کی گئی۔[۱] بیگم کوٹھی پر تقریباً پانچ ہزار انقلابی تھے۔ انگریز مورخوں نے لکھا ہے کہ یہاں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ خود کمانڈر انچیف کیمپبل نے بیان کیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ سخت اور خوں ریز معرکہ تھا۔ ہڈسن کا بھی یہیں کام تمام ہوا۔ صرف بیگم کوٹھی کے صحن میں آٹھ سو ساٹھ لاشیں تھیں۔ ۱۴ مارچ تک لکھنؤ پر قبضہ ہوگیا مگر دو تین دن بعد تک جنگ جاری رہی۔ انقلابی فوجیں جنگ کرتے ہوئے پتھر کا پل پار کرکے فیض آباد اور کچھ موسیٰ باغ کی طرف نکل گئے۔ تمام انگریز مورخوں نے ان جنگوں میں اپنے حریفوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ موتی محل۔ تارا کوٹھی۔ چھتر منزل وغیرہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ قیصر باغ میں داخلہ شروع ہوا لیکن اس دوران میں بھی انقلابیوں نے بہ یک وقت پتھر والا پل پار کرکے دال پول کے دستے پر اور عالم باغ کی طرف حملہ کیا۔ دس ہزار انقلابی موسیٰ باغ میں تھے۔ ۲۲ مارچ کو ہوپ گرانٹ لکھنؤ سے کچھ دور

۱؎ بیگم کوٹھی چند محلات کا مجموعہ تھی اس کے گرد مضبوط چار دیواری اور گہری کھائی تھی۔ یہ عمارتیں حیات بخش اور نور بخش وغیرہ سعادت علی خاں کے زمانے کی تعمیر ہیں۔ نور بخش کوٹھی کے بالاخانے سے ہیولاک نے گولہ باری کی اور قیصر باغ کی راہ نکالی۔ قیصر باغ واجد علی شاہ کی تعمیر ہے (۱۸۵۰ء)۔ نوابانِ اودھ کا خطاب "قیصر" تھا۔ (تواریخ نادر العصر)

۲؎ 2. ROBERTS: 41 Years in India pp. 225-229

EDWARDS (M): Battles of Indian Mutiny p. 131

کرسی کے مقام پر پہنچا جہاں انقلابی مقابلے کے لیے جمع ہوئے اور یہاں پھر ایک سخت مقابلے کے بعد انھیں ختم کیا جا سکا۔ رابرٹس اس موقعہ پر موجود تھا جسکا بیان ہے :

"ناممکن ہے کہ باغیوں کی جواں مردی اور استقلال کی تعریف نہ کی جائے جن میں سے ہر ایک موت سے ہم کنار ہوا"[1]

شہر لکھنؤ میں انگریزی فوجیں داخل ہوئیں تو ۱۱ر مارچ سے دس دن تک جنگ ہوئی۔ ہر کوچہ و بازار میں ہر مکان مورچہ بنا ہوا تھا۔ گھروں کی دیواروں میں سوراخ تھے جن سے گولیاں برس رہی تھیں۔ سڑکوں پر عوام نے دست بدست جنگ میں خون کی ندیاں بہادیں۔ میجنڈی جو اس موقعے پر موجود تھا، لکھتا ہے کہ ہر گھر پر مقابلہ ہوا، ہر مکان میں دو تین لاشیں اور مقابلے کے آثار ملے اور اس دوران میں سڑکوں پر متواتر جنگ ہوتی رہی۔ باہمت باغیوں کے گروہ جگہ جگہ گھروں کے مورچوں پر موجود تھے، انھوں نے خوفناک مقابلے کیے جس کی وجہ سے ہمیں بے شمار محاصرے اور مقابلے کرنا پڑے! ایک مکان پر، جو لوہا پل کے قریب تھا، چھ باغی سپاہی مقابلے پر ڈٹ گئے اور ایک مردانہ وار تصادم کے بعد ہمارے فوجی غالب آسکے۔ ۱۴ر مارچ (۲۷ر رجب ۱۲۷۴ھ) کو قیصر باغ میں بھی داخلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اب بھی ہر ہر انچ پر خوں ریز جنگ جاری تھی۔ ۱۰ر مارچ کو دہلی کے شہزادوں کا خون پینے والا ہڈسن بھی گولی کا نشانہ بنا۔ اوٹرم موسیٰ باغ سے، ہوپ گرانٹ بائیں جانب سے اور کیمبل عالم باغ کی طرف سے بڑھ رہا تھا۔ تمام اہم مقامات پر قبضہ ہو گیا۔ انگریزی فوجیں جب شاہی محلات میں داخل ہوئیں تو بیگم حضرت محل اُس وقت قیصر باغ میں مکان فرحت افزا جو لکھی کوٹھی

---

1. ROBERTS: 41 Years p. 229 ؎

کے پاس) میں موجود تھیں، اُنھوں نے خان علی خاں کو طلب کیا جو فرخ آباد کے ناکے پر تھا، فوراً چار سو سوار لے کر آیا، جب یہ معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ قیصر باغ میں گھر گئیں تو گولہ باری کی پرواہ نہ کر کے قیصر باغ میں گھس گیا اور کئی گھنٹے جنگ کرتا رہا، خود زخمی ہوا اور آدھے سے زیادہ ہمراہی ہلاک۔ جب یہ اطلاع ملی کہ بیگم صاحبہ نکل گئیں تو قیصر باغ سے نکل آیا۔ بعض روایات یہ ہیں کہ نانا صاحب، عظیم اللہ خاں۔ مولانا سرفراز علی۔ نواب فرخ آباد، شہزادہ فیروز، مولوی لیاقت علی، جنرل بخت خاں وغیرہ نے اپنی فوجوں کے ساتھ مقابلہ کیا، نواب گنج اور رسد جانے پر کامیابی بھی ہوئی مگر ممو خاں اور دیگر شرارت پسندوں نے دشواریاں کھڑی کر دیں۔ "احسن التواریخ" کا بیان ہے کہ "فوج انگریزی نے بادشاہ باغ پر قبضہ کر لیا اور برجیس قدر کے مسکونہ مکانات پر گولے برسانا شروع کر دیا۔ جب اس پر بھی باغیوں نے ہار نہ مانی اور برابر لڑتے رہے تب بدولتِ فکرِ رسا و تدبیر ایک عمارتِ بلند قیصر باغ میں داخل ہو گئی اور بلند جگہ سے باغیوں کو نشانہ بنایا۔"[1] مشہور ہے کہ انگریزی فوجیں قصرِ دلکشا سے کوٹھی مبارک بخش (بعد میں گورنمنٹ ہاؤس) میں آئیں وہاں سے امام بارہ سبطین آباد (حضرت گنج) اور پھر قیصر باغ میں داخل ہوئیں اندر آ کر نقرئی بارہ دری کے صحن میں جھنڈا لہرا دیا۔ (نقرئی بارہ دری چینی بازار گیٹ کے اندر اُس مقام پر تھی جہاں بعد میں غلام حسین بٹ کی کوٹھی بنی یہ بادشاہ کے رہنے کی جگہ تھی)

نیپال کا رانا جنگ بہادر فرنکس کے دستوں کے ساتھ انگریزی فوجوں سے آملا تھا۔ اِن کی بہادری کے لیے میجنڈی کا بیان یہ ہے کہ "میں نے مختلف افسروں سے جب یہ دریافت کیا کہ گورکھوں نے کیا کارنامے کیے تو جواب ملا "کچھ نہیں"۔...

---

[1] رام سہائے تمنا: احسن التواریخ ۱۰۳ - ۱۰۵

یہ لوگ بالکل بے کار ثابت ہوئے اِن کی بہادری کے افسانے سُنے تھے مگر گندگی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔" (ص ۱۹۱)

بیگم حضرت محل کی روانگی جنگ کی کوئی صورت نہ رہی تو بیگم دو عورتوں اور برجیس قدر کے ہمراہ (۱۶ مارچ) باہر نکل گئیں۔ خدنگ غدر میں ہے کہ:

"سولھویں دن بیگم صاحبہ مع برجیس قدر کوٹھی چولکھی قیصر باغ میں موجود تھیں صبح کو یکایک گورے ہلّہ کر کے کوٹھی نواب روشن الدولہ پر آچڑھے ..... پھر فوج انگریزی قیصر باغ میں داخل ہوئی اپنا قبضہ کرلیا کوٹھی قیصر پسند پر یاؤٹا یعنی نشان چڑھا دیا بیگم صاحبہ مع برجیس قدر کھڑکی کی طرف سے نکل کے چلی گئیں۔" [1]

کہا جاتا ہے کہ بیگم سرائے معالی خاں (یا میاں خاں) میں شرف الدولہ کے مکان میں آگئیں خان علی خاں بھی قیصر باغ میں جنگ کرنے کے بعد وہاں حاضر ہوا۔ بیگم اپنے مکان فرحت افزا سے کوٹھوں پر ہو کر گھسیاری منڈی کے پھاٹک سے باہر نکلیں۔ شاہ پیر جلیل کے ٹیلے سے مولوی گنج پہنچیں یحییٰ گنج اور نخاس چوک ہو کر خالی دروازے سے غلام رضا کے گھر ٹھہریں وہاں سے شرف الدولہ کے مکان میں آئیں۔ "قیصر التواریخ" میں ہے کہ رات کو غلام رضا کے یہاں قیام کیا۔ پھر محل سرائے حسین آباد گئیں۔ شرف الدولہ نے ساتھ چلنے سے دامن بچالیا اور بہانہ بنایا تو خان علی خاں وغیرہ کے ہمراہ خیرآباد کی طرف روانہ ہوئیں۔ چار دن خیرآباد میں ٹھہر کر مع فوج اور توپ خانہ علاقہ بھدوئی میں راجہ نواب علی خاں کے یہاں ٹھہریں۔ اس دوران کا ایک واقعہ خدنگ غدر میں بیان کیا گیا ہے کہ قاسم خاں رسالدار سوار رجمنٹ ۱۵ (ساکن رام پور) اور شیخ فضل حسین

---

[1] معین الدین: خدنگِ غدر ۱۳۱

قدوائی (ملازم قدیم سرکار اودھ) کے درمیان رات کے وقت جھگڑا ہوا جس میں قاسم خاں مارا گیا لیکن فوج میں افواہ پھیل گئی کہ انگریزی فوج نے شب خون مارا ہے۔ بیگم اپنے خیمے سے نکل کر مع برجیس قدر جنگل کا نس میں چلی گئیں۔ بعد میں ممو خاں نے مشعلیں لے کر تلاش کیا تو بیگم نے بتایا کہ "جب میں نے گوروں کے آنے کا غل سنا تو برجیس قدر کو لے کر مع تلوار یہاں چلی آئی یہ تصور تھا کہ جب میرے پاس کوئی آوے گا تو تلوار ماروں گی"۔

راجہ ہردت سنگھ سوائی تعلقہ دار بونڈی حاضر ہوا اور بیگم کو مع لشکر بونڈی لے گیا جہاں اُنھوں نے بندوبست کیا اور احکام صادر کیے کیونکہ انگریزی عملداری ابھی تک صرف لکھنؤ میں قائم ہوئی تھی باقی تمام علاقوں میں بیگم کی عمل داری تھی۔ راجہ ہرپرشاد کو خیرآباد کا ناظم بنایا گیا۔ خطاب عطا ہوئے اور خلعت دیا گیا۔ کاظم حسین خاں (برادر خورد نبی بخش تعلقہ دار بھیدامئو) ناظم بہرائچ ہوا۔ مولوی محمدؐ کو چکلہ دار بسواباڑی اور دیوا کا کیا گیا۔ محمد حسن خاں، جو واحد علی شاہ کے عہد میں بہرائچ کے ناظم تھے، علاقہ سلطان پور اور گورکھپور وغیرہ میں مقرر ہوئے۔

مولانا احمد اللہؒ پھر لکھنؤ میں

لکھنؤ کی خونی داستان ابھی مکمل نہیں ہوئی، ایک اہم معرکہ باقی ہے جس کے لئے ہم یہ حالات یہاں چھوڑ کر اُدھر رُخ کر رہے ہیں۔ لکھنؤ کو شکست ہوگئی، جنگ کا پانسہ انگریزوں کے حق میں پلٹ گیا مگر مولانا احمد اللہؒ شاہ ابھی تک جنگ کر رہے تھے اور اسی حیرت انگیز جراًت نے ساورکر کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ:

"ہر شخص کو اس سب سے بڑے ہیرو کے احترام میں سر جھکا لینا چاہیے جو مٹھی بھر ساتھیوں کے ہمراہ پھر لکھنؤ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے"۔

موت وحیات سے بے نیاز ہو کر وہ سعادت گنج داخل ہو گئے، ایک مضبوط عمارت میں ۲۱ مارچ کو موجود تھے۔ انگریز مورخوں کو اس بے مثال بہادری پر حیرت ہے کہ مولوی کے پاس صرف دو توپیں تھیں مگر اُس نے اس دلیری سے جنگ کی کہ انگریزوں کو سخت نقصان پہنچا۔ آخر کار

سرزمین اودھ کی جانباز بیگم حضرت محل

دو پلٹنیں لگارڈ کی ماتحتی میں بھیجی گئیں۔ میلیسن سے سنیئے کہ:

"باغیوں کا سب سے زیادہ ضدی اور ہٹیلا سردار مولوی پھر لکھنؤ لوٹ آیا اور شہر کے بیچ یعنی شہادت گنج کی ایک مضبوط قلعہ بند عمارت میں موجود تھا... اُسے نکالنے کے لیے ۲۱ مارچ کو لگارڈ کو بھیجا گیا..... باغیوں نے کبھی اس قدر ثابت قدمی اور استقلال کا مظاہرہ نہ کیا تھا جیسا کہ یہاں دیکھنے میں آیا۔ اُنھوں نے بے مثال بہادری سے اپنا دفاع کیا اور اُس وقت تک نہ نکالے جا سکے جب تک اُنھوں نے ہمارے بہت سے آدمیوں کو قتل اور زخمی نہ کر دیا۔"[1]

لیکن یہ "مولوی" یہاں سے بھی بحفاظت نکل گیا اور چھ میل تک پیچھا کرنا بیکار ہوا۔ خدنگ غدر میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

"بعد اسکے ایک روز احمد اللہ شاہ بھی شہر میں لڑتے رہے اور اسی دن قریب اکبری دروازہ شہر لکھنؤ خاص احمد اللہ شاہ کی تلوار سے ایک افسر انگریزی مارا گیا اور اس افسر کے مارے جانے سے وہ ہلڑ رک گیا..... دوسرے روز احمد اللہ شاہ بھی شہر چھوڑ کے بطرف خیرآباد روانہ ہوئے۔"[2]

بعض انگریز مورخوں نے یہ تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس مقام کو شہر کے درمیان درگاہ حضرت عباس بتایا ہے۔ یہ ایک متبرک درگاہ ہے[3]۔ احسن التواریخ کا بیان یہ ہے کہ

---

[1] 1. KAYE & MALLESON : Vol.4 p. 286

SAVARKAR: pp. 410-11

[2] معین الدین: خدنگِ غدر ۱۳۲

[3] مشہور ہے کہ نواب سعادت علی خاں اس مقام پر سوتے تھے کہ یکایک چونک اٹھے اور بدمزاجی کی خصوصیات بدل کر رحم دل ہوگئے۔ تاریخ درگاہ "ایں گنبدِ جدید بنائے سعادت است" سے نکلتی ہے۔

مولاناؒ نے ۱۸ مارچ کو دوبارہ فوج منظم کر لی، پہلے عیش باغ پر جنگ کی پھر سرائے آغا میر پر، اور اس کے بعد درگاہ حضرت عباس کے احاطے میں ـــــ یہاں عوام اپنے مکانات سے انگریزوں پر اینٹیں پتھر برسا رہے تھے۔ جب انگریزوں نے اس مقام پر قبضہ کیا تو مشرف الدولہ کو خون میں لتھڑا ہوا پڑا پایا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے انگریز فوجیوں کو ڈولی میں بٹھا کر شہر میں داخل کرا دیا اور تمام رازوں سے آگاہ کر دیا۔ اس کا جرم ثابت ہونے پر انقلابی سپاہی اسے مولاناؒ کے سامنے لائے جنھوں نے قید کرنے کا حکم دیا مگر بعد میں کچھ سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا۔ "خدنگِ غدر" میں ہے کہ بیگم حضرت محل کے جانے کے بعد شرف الدولہ نے کل زرِ نقد اشرفی وغیرہ اپنے عزیزوں میں تقسیم کیا باقی کچھ جواہرات طلب کرنے داروغہ عاشق علی کے پاس پہنچا جس نے اسے گھر سے نکال دیا۔ یہ واپس چلا ہی تھا کہ باغی سپاہ نے پٹی توپ پر بٹھا کر مولاناؒ کے روبرو حاضر کر دیا اور پھر قتل کر کے درگاہ حضرت عباس کی بدر رو میں لاش پھینک دی۔ [۱]

مولانا احمد اللہؒ کے ایک ساتھی پیر ظہور علی نے اپنے بیان میں بتایا کہ وہ لکھنؤ کی شکست کے وقت عیش باغ میں مع دو ہزار ساتھیوں کے تھے۔ یہاں سے موسیٰ باغ گئے اور تمام دن جنگ ہوئی۔ شام کو وہ شہر (خانقاہ) میں گئے۔ جنگ اگلے دن بھی ہوئی اور اسی دن وہ باڑی روانہ ہو گئے۔ [۲]

---

[۱] شرف الدولہ برجیس قدر کی تخت نشینی پر وزیر خاص مقرر ہوا تھا بعض بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ شروع ہی سے انگریزوں سے ساز باز رکھتا تھا۔ میلنڈی نے اس کے قتل کا واقعہ موسیٰ باغ میں بیان کیا ہے

[۲] فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۲

لکھنؤ کی بے مثال بہادری

آگے بڑھنے سے پہلے اس دوران کے چند واقعات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ لکھنؤ کے عوام نے جس پامردی کی مثالیں قائم کی ہیں ان کی داستانیں کہیں کہیں انگریزوں کی یادداشتوں میں نظر آتی ہیں یا ہندوستانی مورخ خوف زدہ لہجے میں اشارہ کر دیتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی ہزارہا مثالیں ہوں گی لیکن بعض جگہ بعد از وقت ظہور میں آئیں اور بعض سرداروں کی آرام طلبی سے بیگم حضرت محل سخت دل برداشتہ ہو گئیں چنانچہ جب انگریزی فوجیں محلات شاہی کے قریب پہنچ گئیں تو بیگم نے ڈیوڑھی پر آکر نبی بخش خاں تعلقہ دار بھوانسو کو حکم بھیجا کہ کیا تم اس وقت لڑ وگے جب میرے سر کے بال گوروں کے ہاتھ میں ہوں گے۔ یہ تعلقہ دار اپنے رفیقوں کے ہمراہ کھانا کھا رہا تھا فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچا، صرف تلواریں باندھ کر میدان میں آگیا۔ مشہور ہے کہ دورانِ جنگ میں ایک انگریز نے سنگین کا ایسا وار کیا کہ سینے کو توڑ کر پار نکال دی۔ نبی بخش نے اسی حالت میں تلوار سے ایسا وار کیا کہ قاتل کو بھی جاں بہ حق کر دیا، اس کے ہمراہی بھی جنگ کرتے ہوئے کام آئے مگر انگریزی فوج کی پیش قدمی روک دی۔ بیگم حضرت محل خود بھی مردانہ لباس میں تلوار لیکر نکل آئیں جس سے انقلابیوں کے دل بڑھ گئے اور سخت خوں ریزی ہوئی۔ علی امجد خاں بلوچ پسر محمد علی خاں چکلہ دار نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ایسی جگر داری دکھائی کہ انگریزوں نے حیرت سے تعریفیں کیں۔ دہلی کا معین الدین اپنی کتاب "خدنگِ غدر" میں سکندر باغ کی ایک جنگ کا ذکر کرتا ہے کہ یہاں باغی سکھ رجمنٹ مقیم تھی جس نے جنگ میں حصہ لیا۔ انگریزوں نے جب فوجی امداد مل جانے کے بعد بادشاہ باغ سے حملہ کیا۔ بیگم حضرت محل قیصر باغ کی کوٹھی چوکھی میں موجود تھیں، شرف الدولہ کو حکم بھیجا کہ مقابلے پر جاؤ یہ "حضرت" دس ہزار سپاہ لیکر گئے، انقلابی بڑی پامردی سے جنگ کر رہے تھے کہ دو گولے شرف الدولہ کے ہاتھی کے قریب پھٹے یہ بزدل گھبرا کر بھاگنے لگا کہ کھانا کھانے جاتا ہوں ہر چند انقلابی افسروں نے سمجھایا کہ ایسا غضب نہ کیجیے مگر اس نے ایک نہ سنی اس کے جاتے ہی تمام فوج میں بھگدڑ پڑ گئی انگریزی

فوج نے پیچھا کیا اور گومتی پار کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ راجہ مان سنگھ نے بہادری دکھائی، خطاب اور خلعت پایا۔ بادشاہ باغ سے شرف الدولہ کے بھاگ جانے پر مولانا احمد اللہؒ نے جو چکر کوٹھی میں تھے اپنا مورچہ ککراں پر لگایا اور فوج سے کہا کہ کل ہم دھاوا کریں گے اپنا مورچہ یہیں رہنے دو۔ دو پلٹنیں تیار ہوئیں اور اُن سے عہد و پیمان لیا گیا لیکن جب یہ خبر برجیس قدر کے دربار میں پہنچی تو اہلکاروں نے مشورہ دیا کہ اگر شاہ صاحبؒ لڑائی فتح کر لیں گے تو انھیں قوت و اقتدار حاصل ہو جائے گا اس لیے جتنی فوج ان کے ساتھ ہے سب کو واپس طلب کر لینا چاہیئے چنانچہ آدھی رات کو چوب دار گیا اور کہا کہ تم برجیس قدر کے ملازم ہو یا شاہ جی کے؟ فوج نے جواب دیا برجیس قدر کے چوب دار نے کہا حکم سرکار یہ ہے کہ اسی وقت ہمارے پاس چلے آؤ لہٰذا سب چلے آئے مولانا احمد اللہؒ یہ دیکھ کر سخت بے چین ہوئے مگر جتنے اُن کے ساتھ رہ گئے انہی کو لے کر مقابلے پر ڈٹے رہے صبح انگریزوں نے دھاوا کیا مولاناؒ مع ہمراہیوں کے سرائے آغا میر چلے آئے۔ انگریزوں نے گومتی پر پل باندھ کر مورچے اور چند مقامات پر قبضہ کر لیا ایک موقعے پر حمید اللہ خاں بریلی والے تنہا گوروں پر ٹوٹ پڑے، سات تپنچے خالی کیئے اور کئی آدمی مار کر لوٹ آئے یہی کام شیخ احسان اللہ بیگ نے کیا اس کے بعد قیصر باغ پر گولہ باری شروع ہو گئی آہنی پل پر انگریزوں کا مورچہ بنا، کربلا نصیر الدین حیدر سے لے کر امام باغ تک قبضہ ہو گیا۔ یہاں نواب علی خاں نے پامردی سے مقابلہ کیا۔

راؤ بل بھدر سنگھ راجہ جھلاری

اب ہم پھر بیگم کی سرگرمیوں کا حال بیان کر رہے ہیں۔ احسن التواریخ میں ہے کہ راجہ جھلاری بعزم فتح لکھنؤ نواب گنج بارابنکی آپہنچا، انگریزی فوج سے مقابلہ کیا اور بہادری سے لڑتا ہوا چنہٹ تک آگیا تھا آخر کار اسی جنگ کے دوران کام آیا[1] معین الدین کا بیان ہے کہ بیگم نے تین ڈویژن پچاس ہزار فوج کے تیار کیئے ایک کا سپہ سالار ہردت سنگھ سواتی

---

[1] رام سہائے تمنا: احسن التواریخ ۷-۱۰۵

تعلقہ دار بونڈی کو دوسرے کا یوسف خاں (برادر خورد ممو خاں) کو اور تیسرے کا کلن خاں کو بنایا۔ راؤ بل بھدر سنگھ تعلقہ دار چھلاری کو، جو ایک خوبصورت نوجوان تھا، بلا کر فہمائش کی۔ پہلے نرپت سنگھ سے روئیا پر مقابلہ ہوا دوسرے دن پھر بیگم کے لشکر سے مقابلہ نواب گنج بارابنکی میں ہوا۔ راجہ ہردت سنگھ کی کمان میں بیگم کی فوجوں نے استقلال سے جنگ کی مگر پسپا ہوئی اس کے بعد راؤ بل بھدر سنگھ دو سو راجپوتوں کو لے کر میدان میں آگیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "توپ بندوق کا وقت نہیں رہا.... ایک توپ اور ایک باڑھ بندوق کی مار کے تلواریں میان سے نکال لو پھر جو کرے سو بھگوان"... معین الدین کا کہنا ہے کہ "راجپوتوں کی سپہ گری نے ہندوستان کا بھرم رکھ لیا" راؤ بل بھدر اور اُس کے ساتھی اس جنگ میں کام آگئے اور انقلابی سپاہ واپس بونڈی پہنچی۔ راؤ بل بھدر کی بیوی کو جب یہ خبر پہنچی "اسے کہکر گھوڑے پر سوار ہوئی اور میدان جنگ میں باز کی طرح آئی" کوئی اس کو نہ روک سکا" اپنے دھنی شوہر کی لاش اٹھا کر لے گئی۔ چند روز بعد اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ بیگم حضرت محل کے پاس اس نے عرضی بھیجی تھی کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس خوشی میں توپ سر کرنے کی اجازت دی جائے بیگم نے منظوری دے دی لیکن حسب ضابطہ لشکر کو یہ اطلاع نہ پہنچی۔ دوسرے دن دس بجے رات کے لڑکا پیدا ہوا اور گڑھی چھلاری سے توپ سر ہوئی تو لشکر کو شبہ ہوا کہ انگریزی فوج آگئی لہٰذا مقابلے کی تیاری شروع ہو گئی اور بھگدڑ سی مچ گئی مگر رات کو جب بل بھدر سنگھ کی بیوہ نے یہ خوش خبری بھیجی تب معلوم ہوا کہ توپ اس خوشی میں سر کی گئی تھی [۱] رانا بینی مادھو سنگھ نے اپنے عزیزوں کو چھوٹے بھائی جوگراج سنگھ کی حفاظت میں بیگم کے [ساتھ] روانہ کر دیا اور پھر خود بھی بونڈی چلا گیا بیگم بونڈی میں قیام کے بعد (ایک بیان کے مطابق آٹھ ماہ) نان پارا پہنچیں۔ راپتی ندی پر ایک معمولی تصادم بھی ہوا آگے نبرتی ندی پر نیپالی فوج سامنے آئی بیگم کا لشکر ندی کے کنارے

---

[۱] معین الدین: خدنگِ غدر ۱۳۹-۱۴۲

کنارے بٹول پہنچا۔ ایک دن بھگوان پور (نزد تلسی پور) میں بھی قیام کیا اور راپتی کے کنارے ایک مقام پر رات بسر کی۔ نانا صاحب بھی موجود تھے جنرل حسن خاں کو مقابلے کے لیے چھوڑ کر سب لوگ آگے بڑھ گئے۔

باڑی کا مورچہ

مولانا احمد اللہؒ باڑی (ضلع سیتاپور) روانہ ہو گئے جو یہاں سے ۲۹ میل ہے۔ ۲۶ مارچ کو وہ باڑی پہنچ چکے تھے اور غالباً خیرآباد ہو کر آتے تھے۔ آٹھ ہزار آدمی ہمراہ خیرآباد سے آئے۔ علی محمد خاں اور سید کاظم علی مزید فوج جمع کر رہے تھے۔ جبیب اللہ خاں اور مخدوم بخش بھی ہمراہ تھے۔ راجہ ڈرگ بجے سنگھ اور امراؤ سنگھ وغیرہ تعلقہ داران سے رابطہ قائم کر کے اطلاعات پہنچا رہے تھے اب پلان یہ تھا کہ گوریلا طریقے سے جنگ کی جائے دشمن کی نقل و حرکت کی نگرانی ہو اور اس کی رسد کاٹ کر معطل کر دیا جائے۔ حضرت محل بٹولی میں خیمہ زن ہو گئیں۔ مولاناؒ نے باڑی میں کیمپ لگایا، لکھنؤ سے ہوپ گرانٹ بھاری سامان جنگ اور فوج لے کر باڑی کی طرف بڑھا۔ مولاناؒ نے اپنے کچھ اسکاوٹ اسد اللہ خاں کے ہمراہ روانہ کئے تاکہ معلومات حاصل کریں یہ اسکاوٹ بے دھڑک انگریزی کیمپ میں داخل ہو گئے۔ چوکیدار نے پوچھا "کون جاتا ہے؟" ——— جواب ملا "ہم ہیں ۱۲ ر رجمنٹ کے آدمی" ——— چوکیدار نے جانے دیا۔ اسکاوٹ واقعی ۱۲ ر رجمنٹ کے تھے جو انقلابیوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ تمام معلومات حاصل کر کے مولاناؒ کو آگاہ کیا اور انھوں نے ایک پلان بنایا کہ باڑی سے آگے بڑھ کر چار میل پر ایک گاؤں میں مقیم ہو گئے۔ راجہ نواب علی نے ایک ہزار سپاہ مدد کو بھیجی۔ پلان یہ تھا کہ جب پیادہ فوج اس گاؤں پر قبضہ کر لے تو سوار فوج ایک پوشیدہ راہ سے خفیہ طور پر بڑھ کر انگریزی فوج کے پیچھے پہنچ جائے اور اس طرح گھیر کر حملہ کیا جاتا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ انگریز جنرل اگلے دن صبح کے وقت اسی جگہ پہنچے گا اور اچانک حملے کی تاب نہ لا سکے گا۔ میلیسن نے اس پلان کو بڑا ماہرانہ اور جنگی صلاحیتوں کے کمال کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ضروری تھا کہ مولاناؒ کی گاؤں

میں موجودگی انگریزوں سے پوشیدہ رہے اور پیچھے والی سوار فوج اس وقت تک خاموش رہے جب تک آگے سے حملہ شروع نہ ہو۔ اُنھوں نے سوار فوج کو روانہ کر دیا اور خود وہیں رہے اگلی صبح واقعی بے خبر انگریز جنرل یہاں پہنچ رہا تھا (۱۴ اپریل ۱۸۵۸ء) ۔ صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ پلان کامیاب ہو مگر سوار دستے کی بے صبری سے بکھر گیا کیونکہ اس دستے نے انگریزی فوج کے بازو کی طرف ایک پہلو پر قبضہ کر لیا تھا اور حملے کے لیے تیار ہی تھے کہ ان کے لیڈر کو کچھ توپیں نظر آئیں ۔ انھوں نے مولاناؒ کے سخت احکام کو بھول کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔ اس آہٹ سے انگریزوں کو خطرے کا احساس ہو گیا اور پلان بے کار ہو گیا مولاناؒ نے ایک معمولی تصادم کے بعد گاؤں چھوڑ دیا اور شاہ جہاں پور کی طرف روانہ ہوئے[1]

حضرت محل اور لکھنؤ کو خراجِ تحسین

جب انگریزی فوجیں لکھنؤ کے عوام کا قتل عام کرتی ہوئی حملہ آور ہوئیں تو انقلابی سخت غضبناک ہوئے اور شاہی محل میں جا کر مطالبہ کیا کہ انگریز قیدیوں سے بدلہ لینا چاہیئے۔ ان کے حد سے بڑھے ہوئے اصرار اور غصے پر چند انگریز حوالے کر دیئے گئے مگر جب یہ مطالبہ کیا گیا کہ عورتیں بھی ان کے حوالے کی جائیں تو ـــــ چارلس بال کی زبانی سنئے کہ ـــــ

"عورتوں کا احترام کرتے ہوئے بیگم نے صاف انکار کر دیا اور ان کو فوراً اپنی نگرانی میں زنانے محلات میں بلا لیا"

---

[1] اطلاع تھی کہ مولانا بسوا چلے گئے پھر خیر آباد میں تین دن قیام کیا وہاں سے محولی گئے جو لونی سنگھ تعلقہ دار متھولی (ضلع محمدی) کے علاقے میں ہے۔
(ملاحظہ ہو بابِ آخری دور)

لکھنؤ کے انقلابی عوام نے تقریباً تمام انگریز مؤرخوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ سب سے پہلے مارش مین کے الفاظ (ص ۵۱۷):

"لکھنؤ میں باغیوں نے جو مقاومت کی وہ ایسی سخت تھی کہ کبھی انگریزی فوج کو سابقہ نہیں پڑا تھا حتیٰ کہ دہلی میں بھی ایسی مقاومت نہیں کی گئی تھی۔ ان کے جوش بیگم اودھ کی وجہ سے بڑھے ہوتے تھے جو غیر معمولی سرگرمی اور مستعدی کی عورت تھی اور تمام بغاوت کی روحِ رواں رہی"

جون ولیم کے کی رائے ہے کہ:

"دوسری جگہوں پر جنگ کی نوعیت خواہ کچھ بھی رہی ہو لیکن اودھ میں ہماری حکومت عوامی بغاوت ہی کا سامنا کر رہی تھی"

مکلائنڈ انس کا خیال ہے:

"کم از کم اہلِ اودھ کی جدوجہد کو جنگِ آزادی قرار دینا چاہیے"[1]

گورنر جنرل کے نام کورٹ آف ڈائرکٹرز کی خفیہ کمیٹی کے ایک خط مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء سے اقتباس:

"...... ان حالات میں جو معرکہ آرائیاں اودھ میں ہوئیں ان کی حیثیت ایک جائز جنگ کی ہے نہ کہ بغاوت کی"[2]

کمانڈر انچیف کیمپبل کا اعتراف:

حال ہی میں اودھ کے عوام کے زبردست دلیرانہ جذبات کا جو تجربہ ہوا ہے اس

---

1. SAVARKAR: pp. 401-402 — ۱ھ

2. MAJUMDAR : Sepoy Mutiny p. 224 — ۲ھ

Secret Letters, E.I. House London No. 1954

Freedom Struggle UP Vol.2 p. 340-41

کے پیشِ نظر یہاں باغیوں کو تباہ کرنے کے لیئے کم از کم تیس ہزار فوج کے بغیر قدم نہیں اٹھایا جا سکتا"۔[۱]

آخر کار تمہیں شکست ہو گی!

بیگمات اودھ کا ایک واقعہ لندن ٹائمز کے نامہ نگار جون ولیم رسل نے اپنی ڈائری میں بیان کیا ہے کہ جب انگریزی فوجیں قتل و غارت گری اور لوٹ مار کرتی نوابی شاہی محلات میں گھس گئیں تو یہاں بہت سی وہ عورتیں اس قتل عام کا نشانہ بن گئیں جو کہیں بھاگ نہ سکی تھیں اور بہت سی بیگمات قید کر لی گئیں۔ایک انگریز کپتان نے مارے خوشی کے بے تاب ہو کر کہا۔

"کیا تم نہیں سمجھتیں کہ یہ جنگ اب ہماری فتح پر ختم ہو گئی ہے؟"

بیگموں نے اپنے جانباز مردوں کا سر بلند کر دیا اور کہا ——

"نہیں۔! بلکہ ہمیں پورا یقین ہے کہ آئندہ ایک نہ ایک دن تمہیں ضرور شکست ہو گی"[۲]

جواں مرد بڑھیا

لکھنو کی ایک بوڑھی عورت کی کہانی بھی اپنی مثال آپ ہے اور بغاوت کی نوعیت کو آشکار کرتی ہے۔میجنڈی نے چشم دید واقعہ اپنی کتاب میں، جس کا حوالہ گذشتہ صفحات میں دیا گیا' بیان کیا ہے کہ لکھنو کی شکست کے چند دن بعد ایک بوڑھی عورت آہنی پل کے پاس گھومتی دیکھی گئی جو پھٹے کپڑوں کے ٹکڑے اور چیتھڑے جمع کر رہی تھی۔بعد میں اُسے مردہ پایا گیا مگر اس کے ہاتھ کے قریب ایک کپڑے کا ٹکڑا پڑا ملا جو موم بتی کی بتی کے مانند آدھا جلا ہوا تھا اور اس کے قریب ہی بڑھیا کے ہاتھ کے پاس

---

۱ 1. CHAUDHURY: Civil Rebellion p.54

۲ 2. RUSSELL: My Diary Vol.1 pp. 338-50

SEN: pp. 240-242

ایک بمبو (بانس) پڑا تھا جس میں آگ سُلگ رہی تھی اور یہ بمبو ایک بڑے بارود کے ذخیرے کی طرف جا رہا تھا[1] یہ وہ وقت تھا کہ لکھنؤ تقریباً سنسان ہو چکا تھا اور پوری طرح انگریزی اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ انگریز افسروں کو حیرت تھی کہ یہ سب کیا ہے؟ تاریخ اس پردے کو نہیں اٹھا سکتی مگر عقل و خرد اس پردۂ راز کو یقیناً اٹھا رہی ہے۔ یہ بڑھیا زبانِ حال سے اپنے جذبات کو آشکار کر رہی ہے ـــــــ کوئی ہے جو اسے سمجھنے سے انکار کر سکے؟ ـــــ گورڈون الگزینڈر نے سکندر باغ کی اُن حبشی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو بقول اس کے جنگلی بلّیوں کی طرح دیوانہ وار جنگ کر رہی تھیں اور انھیں صرف اس وقت پہچانا جا سکا جب وہ سب اس جنگ میں قربان ہو گئیں فوربس میچل نے اس نوجوان عورت کا ذکر کیا ہے جس نے پیپل کے درخت سے متعدد انگریز افسروں کو گولی کا نشانہ بنایا۔ یہ صرف وہ واقعات ہیں جو انگریزوں کے علم میں آئے اور تاریخ کے صفحات پر محفوظ ہو گئے ورنہ نہ جانے کتنی عورتوں نے جان کی بازی لگائی ہوگی۔

اودھ کے تعلقہ دار

مناسب ہوگا کہ اودھ کے تعلقہ داروں کے کردار پر بھی مختصر روشنی ڈالی جائے تاکہ اس خونی باب کے کچھ اہم اور پوشیدہ نکتے بھی سامنے آسکیں۔ لارڈ کیننگ (گورنر جنرل) کا یہ خط اس وضاحت کے لیے کافی اہم ہے جو اُس نے اوٹرم کے ایک خط کے جواب میں لکھا:

"آپ شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ اودھ کے راجاؤں اور زمینداروں نے اس لیے بغاوت کی ہے کہ اُن کو ہمارے مقرر کردہ محصول کی بدولت ذاتی نقصانات پہنچے لیکن میری رائے میں یہ بات کچھ اور قابلِ غور ہے۔ شاید ہی کسی جاگیردار کی طرف سے اس قدر شدید نفرت کا اظہار ہوا ہو جتنا کہ چردا، بھنگا اور گونڈہ

---

[1] MAJENDIE: pp. 336-338

کے راجاؤں کی طرف سے ہوا[1]۔ ان میں سے پہلے کا ایک گاؤں بھی ہم نے نہیں لیا تھا، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا خراج بھی کم کر دیا گیا تھا۔ دوسرے سے بھی فیاضانہ سلوک روا رکھا گیا۔ تیسرے کے چار سو گاؤں میں سے صرف تین لیے گئے تھے اور اس کے بدلے میں اس کا خراج بھی دس ہزار روپے کم کر دیا گیا تھا۔ حکمرانوں کی تبدیلی سے کسی کو اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا کہ راجہ نوپارہ (نان پارہ؟) کو کیونکہ جیسے ہی انگریزی اقتدار قائم ہوا ہم نے اس کو ایک ہزار گاؤں دیئے اور دوسرے حقوق کے علاوہ اس کی ماں کو اس کا سرپرست مقرر کیا لیکن اس کی فوج شروع ہی سے لکھنؤ میں ہمارے خلاف برسرپیکار تھی۔ راجہ دھورواکو بھی ان تبدیلیوں سے کافی فائدہ پہنچا لیکن اسی کے آدمیوں نے کیپٹن ہیرسی پر حملہ کیا، ان کی بیوی کو گرفتار اور قید کر کے لکھنؤ بھیجا۔ اشرف بخش خاں تعلقہ دار جس پر اس کے سابق بادشاہ نے ظلم کیا تھا، انگریزی عہد میں اپنی جائداد کا مالک بنا دیا گیا لیکن پھر بھی شروع ہی سے ہمارے خلاف نفرت کے شدید جذبات رکھتا تھا۔ یہ اور ایسی ہی دوسری مثالیں بالکل صاف طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ ان زمینداروں اور راجوں کے ہمارے خلاف بغاوت کا سبب صرف ان کا ذاتی نقصان ہی نہیں ہے جو ہماری حکومت کے سبب پہنچا۔"[2]

علاوہ ازیں مختلف انگریز مورخوں کے بیانات تعلقہ داروں کے کردار پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ رائس ہومز ان کی سرگرم جد و جہد کو لارڈ کیننگ کے اعلان (۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء)

---

[1] چردا کا راجہ ہردت سنگھ تھا۔ یہ تحصیل نان پارہ ضلع بہرائچ میں ہے۔ بھنگا بھی بہرائچ کے ہی قریب چردا سے متصل نیپال کی سرحد کے قریب ہے۔ گونڈہ کا راجہ دیوی بخش تھا۔

[2] 2. SAVARKAR: pp. 401-402

کے بعد بیان کرتا ہے اور اس طرح گنس وغیرہ کی تردید کرتا نظر آتا ہے لیکن مستند ذرائع کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلقہ داروں نے، سوائے چند کے پوری تحریک میں شانہ بہ شانہ جنگ کی ہے۔ مکلانڈانس نے اقرار کیا ہے کہ چنہٹ کی جنگ میں تین تعلقہ دار شریک تھے[1] گنس کا بیان ہے کہ جولائی ۱۸۵۷ء کے شروع ہی سے کچھ تعلقہ دار ریزیڈنسی کا محاصرہ کرنے والی فوج میں شامل تھے۔ اگست ستمبر ۱۸۵۷ء میں ان کی محاصرے میں شرکت کا گواہ تو مکلانڈانس بھی ہے۔ ہنری لارنس نے ۱۲ر جون ۱۸۵۷ء ہی کو تعلقہ داروں کی فوجی تیاریوں کی رپورٹ دی تھی[2] ۵ر اگست کو بشیرت گنج کے دوسرے معرکے میں تعلقہ داروں کی شرکت کا اقرار انگریزی بیانات سے ہوتا ہے بلکہ یہاں تمام آبادی کی شرکت کا اقرار کرنا پڑا ہے جس کا شاہد کرنل ٹیلر بھی ہے۔ ہیولاک نے جب اودھ پر چڑھائی کی تو اس کی پیش قدمی روکنے کے لیے تعلقہ دار خود صف آرا ہوتے اناؤ وغیرہ کے تعلقہ داروں نے جنگ میں حصہ لیا۔ انس کے بیان کے بموجب مان سنگھ نے ۲۵ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو خاص لکھنؤ میں ہیولاک کی پیش قدمی روکنے میں شرکت کی اکتوبر ۱۸۵۷ء کی خفیہ انگریزی رپورٹیں صاف بتاتی ہیں کہ مان سنگھ۔ ہنومنت سنگھ بینی مادھو بخش بسوا ناتھ بخش۔ اور سنگرام سنگھ وغیرہ لکھنؤ میں بذات خود جنگوں میں شریک تھے[3] بہت سے تعلقہ داروں نے عالم باغ پر حملے میں شرکت کی۔ لکھنؤ میں انقلابی فوجوں کی زبردست طاقت، گورنر جنرل کے مندرجہ بالا بیان، تعلقہ داروں کی جنگی تیاریاں، فیض آباد میں (فروری ۱۸۵۸ء) ان کا مع فوجوں کے اجتماع وغیرہ یہ ثابت کرنے کے لیے کم نہیں کہ انھوں نے کس حد تک

---

1. INNES: p. 19 CHAUDHURI: p. 309 ؎۱

2. MALLESON: Vol.1 p. 410 ؎۲

3. Commonwealth Record Office Secret Letters ؎۳

Vol. 163 Chaudhuri p. 310

حصہ لیا۔ رابرٹ منٹگمری نے جو اپریل ۱۸۵۸ء میں اوٹرم کی جگہ پر آیا، پوری تفصیلی شہادت سامنے رکھ کر یہی کہا تھا کہ "جون سے نومبر ۱۸۵۷ء تک اودھ کا پورا علاقہ انگریزوں کے خلاف ہتھیار لے کر کھڑا ہو گیا تھا"، مارچ ۱۸۵۸ء میں خود اوٹرم نے یہ اقرار کیا کہ "صرف چند کے علاوہ تمام تعلقہ دار بغاوت میں شریک تھے"[1] ایک سرسری اندازے کے مطابق تعلقہ داروں کے ۱۵۷۲ قلعے مسمار کیے گئے۔ اودھ کے حالات میں جن تعلقہ داروں کا ذکر ہوا اُن کے علاوہ دوسرے اہم خفیہ کاغذات سے دریافت شدہ چند کے نام یہ ہیں جو بغاوت میں شریک رہے لیکن اُن کی پوری سرگرمیاں سامنے نہیں آسکتیں، ہیرا دت سنگھ۔ بسنت سنگھ ساکن سمیرپترا۔ رگھوناتھ سنگھ (راتے بریلی) جگن ناتھ بخشی (نین)۔ رام پال سنگھ (بسنا بریٹھا)۔ بھوم دیو سنگھ (جنگھو)، بل بھدر سنگھ۔ بھاؤ سنگھ (بلاس پور) مہاراج سنگھ (ڈنڈی)۔ امیر سنگھ (تردی)۔ چھتر پتی سنگھ (شام پور) سرب دین سنگھ (سیاوی)، فقیر بخش (جھوری)، موہن سنگھ۔ بشیشور بخش ولد سنگرام سنگھ (سنگرور) کنونت سنگھ (کالا نگر)، بلبیر سنگھ (دھوبا)، شیو داس سنگھ (میہہ)، فضل حسین (اٹرام)، مشیوراج غلام سنگھ (دبنیا پور)، حیدر حسین (لکھنؤ)۔ رجب علی بخش اور کالکا بخش۔ راجہ علی بخش خاں (منہدیس گاؤں)، صغرا بی بی (منہیاپور)۔ بیج ناتھ سنگھ۔ بیتل بخش سنگھ (نندر)۔ بختور خاں۔ ارجن سنگھ، جگیشور بخش (بدلا پور) ہے۔ جتنا سنگھ کا بیٹا نرپت سنگھ لکھنؤ کی شکست کے بعد بھی جنگ کرتا رہا اور جب انقلابیوں کو شمال کی طرف دھکیلا جا رہا تھا، رُوئیا (ضلع ملاّواں سندیلہ) کے قلعے پر

لہ 1. Sessional Papers House of Lords Vol.XI

Chaudhuri p. 311

لہ 2. Further Papers presented to Parliament C.R.O. Secret Letters from India.
Chaudhuri: Civil Rebellion pp. 308-312

گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ وال پول ۱۵/اپریل ۱۸۵۸ء کو اس قلعے پر حملہ آور ہوا۔ نرپت سنگھ کے پاس زبردست انگریزی فوج کے مقابلے کے لیے ڈھائی سو آدمی بھی نہ تھے مگر اس نے طے کیا کہ بغیر جنگ کے قلعہ نہ چھوڑے گا لہٰذا ان سب نے پامردی سے مقابلہ کیا۔ انگریز ایک کمزور مورچے سے بڑھے، پھر بھی تسخیر مشکل تھی، فوج پسپا ہونے لگی، ایک افسر جان سے گیا اور ایڈرین ہوپ بھی نشانہ بنا جس کی موت پر انگریزی فوج میں صف ماتم بچھ گئی۔ نرپت سنگھ نے قلعہ چھوڑ دیا اور کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ تاریخیں گواہ ہیں کہ اس شکست کا ان علاقوں پر بڑا اثر پڑا، آس پاس کے زمینداروں کی ہمتیں بلند ہو گئیں جس کی وجہ سے خود کمانڈر انچیف کو آ کر سنبھالنا پڑا[1]

گورکھپور

گورکھپور کی آبادی تیس ہزار کے لگ بھگ تھی اور بغاوت سے پہلے میر محمد حسن یہاں کا ناظم شاہ اودھ کی طرف سے تھا[2]۔ ۲۵/مئی ۱۸۵۷ء کے بعد شورش کے آثار پیدا ہوتے۔ ۳۱/مئی کو موضع پانسا (ضلع دیوریا) کے زمیندار بغاوت میں شامل ہو گئے تھے۔ ۱۷/رجمنٹ این آئی کی کچھ کمپنیاں یہاں مقیم تھیں جس کا ہیڈکوارٹر اعظم گڈھ تھا اس کے علاوہ نمبر ۱۲/رجمنٹ (بے قاعدہ) کا ایک دستہ بھی تھا۔ ۲۵/مئی کو ون یارڈ جج نے کمشنر ٹکر کے حکم سے اختیار سنبھالا اور خزانہ اعظم گڈھ بھیج دیا ۵/جون کے بعد عام بغاوت شروع ہو گئی۔ راجہ نہرپور (راندھیر سنگھ) کے آدمی جو بغاوت میں شریک تھا، میدان میں آ گئے برہل گنج کے قیدی رہا کئے پولیس کو نکال دیا، جمعدار کو قید کیا اور گھاٹ پر قبضہ کر لیا جج کا محرر عزیز الدین جیل گارڈ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔ تعلقدار اور سردار بغاوت میں شریک تھے سگرؤ میں جو بہرائچ کا فوجی اسٹیشن اور سوار اور پیدل فوج کی قیام گاہ تھا، ۹/جون کو بغاوت شروع ہونے پر علاقے کے زمینداروں نے حصہ لیا۔ باونڈی کے راجہ نے اپنا کھویا ہوا حصہ واپس لے لیا جو انگریزی حکومت کے

---

1. INNES: Lucknow & Oudh pp. 247-254
SEN: p. 354 Savarkar: pp.446-48 ۔سلے

۔۲ے محمد حسن سادات بارہہ سے تعلق رکھتے تھے مہدی حسن ان کے بھتیجے تھے۔

۔۳ے فریڈم اسٹرگل یو پی۔ جلد ۴۔ ص ۳۴۵ بحوالہ رپورٹ کمشنر

مطالبات کی نذر ہو چکا تھا۔ دیسی فوجوں نے انگریزوں کے حکم پر اعظم گڑھ کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیا۔ بستی کے علاقے میں بھی انگریزی اقتدار ختم کر دیا گیا۔ سگولی کی سوار فوج کا ایک دستہ فرار ہو گیا۔ ۱۴ اگست تک انگریز مع خزانے اور گورکھا فوج کے، جو مدد کے لیے نیپال سے آئی تھی، اعظم گڑھ چلے گئے۔ جائنٹ مجسٹریٹ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ کا[1] راجاؤں کو اکسا کر راج کرنے کی انگریزی کوشش ناکام ثابت ہوئی اور میر محمد حسن کا اقتدار قائم ہو گیا۔ بستی کی رانی اور بنسی کے راجہ نے مخالفت کی لیکن نگر ستاسی اور امورہا کے راجہ اور زمیندار بغاوت میں شریک رہے۔ شہر پور بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ ۵ جون کو خبر ملی کہ اعظم گڑھ میں نمبر ۱۷ این۔ آئی نے بغاوت کر دی اور بنارس سے رسل و رسائل ٹوٹ گیا۔ اسی دوران میر محمد حسن نے کرنل لی نوکس اور اس کے خاندان کو پناہ دی جو فیض آباد سے آئے تھے اور بحفاظت گورکھپور بھیج دیا۔ مرزا علی حسن نے امورہا کے قریب انگریزوں کے ساتھ ایسا ہی عمل کیا۔ گو تم راج پوت نگر کے راجہ کے جھنڈے تلے بغاوت میں شریک تھے۔ امورہا کے زمینداروں نے نوابی راج قائم ہو جانے کا اعلان کیا۔ تمام علاقوں کے راجاؤں اور بابوؤں نے جلسہ کر کے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ وہ اودھ کی شاہی حکومت کی حمایت کریں گے۔ تحصیل خلیل آباد، کیپٹن گنج اور منصور گنج میں تحصیل وغیرہ لوٹ کر پولیس کو نکال دیا گیا (۱۲ جون)۔ عوامی سرگرمیاں اس قدر منظم تھیں کہ جگہ جگہ مورچے بندیاں اور مٹی کے سوراخ دار ٹیلے نظر آتے تھے جو تنظیم اور ترتیب کی علامت ہے۔ ستاسی کا راجہ (ادت نرائن سنگھ) صلاح مشوروں میں محمد حسن کے ساتھ رہا۔ ۸ جون کو اسی راجہ کے آدمیوں نے شہر کے عوام ساتھ محمد حسن کا پرجوش استقبال کیا جو گورکھپور کا ناظم بن کر آیا تھا۔ جیل گارڈ بھی ہمراہ ہو گیا اور پرشکوہ طریقے سے شہر میں لایا گیا۔ محمد حسن نے انتظام سنبھالا۔ ستاسی نگر۔ نرہر پور۔ بڑھیاپور

---

[1] احمر لاری: مختصر تاریخ گورکھپور (۱۹۷۲ء) / ۲۸-۲۴

چلوپار۔ شاہ پور وغیرہ کے راجاؤں نے فوج منظم کرنے میں مدد دی، افسروں کا تقرر ہوا۔ راجہ ستاسی کا منیجر مشرف خاں نائب ناظم مقرر ہوا۔ گوپال پور کے راجہ کشن کشور نے انگریزوں سے وفاداری دکھلائی اور راجاؤں کو بھڑکانا چاہا مگر ناکام ہو کر بھاگا۔ بنس پور سکھا گھا۔ نہر پور اور دھناولی وغیرہ بغاوت سے خاص طور پر متاثر تھے۔ انگریز حکام آس لگائے بیٹھے تھے کہ راجاؤں کو محمد حسن کے خلاف کھڑا کیا جا سکے گا مگر ان کی تمام آرزوں اور کوششوں پر پانی پھر گیا۔[1] اِن علاقوں میں بار بار گھمسان کے رن پڑے جن میں کنور سنگھ کا بھتیجا ہر کشن سنگھ، مشرف خاں، مولوی علی کریم، دیبی دتہ، دیبی سرن وغیرہ شریک ہوئے۔ نرائن دیال قانون گو اور سابق اسسٹنٹ کلکٹر بھی انقلابیوں کے ساتھ تھے اور سلیم پور میں ان کی مدد کر رہے تھے۔ سنگرام سنگھ بھی مع ہمراہیوں کے شریک تھا۔ جنوری ۵۸ء کے تیسرے ہفتے میں گورکھپور کے کچھ حصے پر جنگ بہادر کی فوجوں کی مدد سے انگریزی قبضہ ہوا، بے شمار گاؤں جلائے گئے ہزاروں کو پھانسی ہوئی۔ مشرف خاں کو بھی جنوری ۵۸ء میں میاں کے بازار میں پھانسی دی گئی لیکن انقلابی رہنما یعنی ستاسی، نگر اور نہر پور وغیرہ کے راجہ ہاتھ نہ آسکے اور اودھ چلے گئے۔ مشرف خاں کی گرفتاری پر پتہ چلا کہ یہ بغاوت کا خاص سرغنہ تھا۔ ایک اور انقلابی سردار ولی محمد بھی گرفتار ہوا۔ نچلول کے راجہ اندرولاسین کی گرفتاری کے لئے مہم بھیجی گئی لیکن ہاتھ نہ آیا اور ترائی میں پناہ گزیں ہوا۔ الاؤنس ضبط اور قلعہ مسمار کیا گیا۔ اس کے بعد بھی فروری ۵۸ء میں اجودھیا۔ شاہ گنج۔ کیرا۔ امورا اور بیلوا وغیرہ میں انقلابیوں سے تصادم ہوتے رہے۔ محمد حسن اور ہر کشن ٹانڈہ میں اپنی فوجیں لے آئے۔ راجہ گونڈہ نے نواب گنج میں فوج جمع کی، راجہ تلسی پور[2] کے لشکر نے شمالی حصہ پر حملے کئے، پولیس چوکیاں برباد کر ڈالیں۔ راجہ گونڈا

---

1. Freedom Struggle UP Vol.4 pp.144-58,294-305, 328 [1]

[2] تلسی پور کا راجہ انگریزوں کی قید میں تھا اور عالم باغ لکھنؤ میں فوت ہوا لیکن اس کی ماں نے بغاوت میں پوری طرح شرکت کی اور مدد کرتی رہی۔ (فریڈم اسٹرگل جلد ۴ ص ۲۱۵۔ ۲۰۵)

نے تمام علاقے کو بغاوت میں شامل کرنے کی سرگرم کوشش کی اور بیلوا گھاٹ پر مورچے لگائے مہدی حسن بھی اسی علاقے میں تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے راجاؤں کے علاوہ امروہہ کا سید گلزار علی بھی موجود تھا۔[1]

ایک زبردست حملے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اس لیے راکرافٹ ۲؍مارچ ۵۸ء کو پوری تیاری کے بعد بیلوا کی طرف بڑھا مگر انقلابیوں کی مضبوط پوزیشن دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے اور چند توپیں ہی چلا کر خیریت سے لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر انقلابی اپنے مورچوں سے انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑے، گھمسان کی جنگ ہوئی (بمقام امورہا ۵؍مارچ) اور انھوں نے انگریزی فوجوں کو گھیر کر اس حملے کا مزہ چکھا دیا۔[2] اس معرکے میں راجہ گونڈہ کے علاوہ بونڈی، اکونا، چرداتان پارا اور گونڈہ بہرائچ کے دوسرے راجہ شریک تھے۔ مؤرخ ایس بی چودھری نے امورہا کے معرکوں کو قومی جنگ (نیشنل وار) سے تعبیر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ تحریک ۱۸۵۷ء کے سب سے زیادہ یادگار اور تاریخی معرکوں میں سے تھے۔ یہاں پسپائی کے بعد محمد حسن اور راجہ گونڈا نے پھر ایک بڑی فوج تیار کر لی اور اب وہ پھر جنگ کے لیے تیار تھے۔ امورہا کی رانی بھی انقلابیوں سے برابر رابطہ قائم کیے ہوئے تھی فیض آباد چلی گئی۔ آخر مارچ ۵۸ء تک بھی محمد حسن کے ساتھ راجہ گونڈہ اور دوسرے تعلقہ دار اجودھیا اور فیض آباد کے علاقوں میں تھے۔ بیلوا کے مورچے پر راجہ گونڈہ کا قبضہ تھا جو یہاں سے دوسرے تعلقہ داروں کے ساتھ بیگم حضرت محل کے پاس چلا گیا (اپریل) امورہا پر محمد حسن کی فوجوں سے جنرل راکرافٹ کو ایک اور جنگ کرنا پڑی (۱۷ اپریل)

۱؎ 1. CHAUDHURI: p. 145

۲؎ 2. Freedom Struggle UP Vol.4 pp. 315-325

Chaudhuri pp. 145-146 (Parliamentary Papers)

NASH: Volunteering in India p. 63

پھر بھی بیلوا پر قبضہ نہ ہو سکا۔ انقلابی سردار اعظم گڈھ پر حملے کی تیاری کر رہے تھے وہ گھاگرا پار کر کے کنور سنگھ کی فوج سے جا ملے۔ محمد حسن کے آنے کی خبر سن کر انگریزوں نے بستی کے مقام کو خالی کر دیا (۲۶ اپریل) مگر خبر غلط نکلی۔ راجہ نگر کی فوج اس جگہ سے قریب آ رہی تھی اور ٹانڈہ سے مہدی حسن کی فوج حرکت میں آ چکی تھی۔ انگریزوں نے خفیہ معلومات حاصل کر کے نگر پر حملہ کیا، انقلابی پسپا ہو کر ٹانڈہ پر آ گئے جہاں مئی ۵۸ء میں مہدی حسن۔ عباس علی خاں اور غلام حسن وغیرہ مع فوج کے موجود تھے۔ راجہ گونڈہ نے دیہاتی عوام کو بھرتی کر کے ایک بڑی فوج تیار کر لی تھی، بیلوا پر اس کا قبضہ ہو گیا، امورہا پر تصادم برابر ہوتے رہے۔ ڈومری کے بابوؤں نے بندھو سنگھ کی رہنمائی میں گورکھپور سے آٹھ میل دور ایک تھانے تحصیل پر دو بار حملہ کیا اور فرار ہو گئے صورت حال یہ تھی کہ گھاگرا ندی کے تمام کناروں پر ہر طرف انقلابی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں اور انگریزی کیمپوں پر حملے برابر ہو رہے تھے۔ وہ لوگ مال گذاری وصول کر رہے تھے اور گورکھوں کا سامان بھی موقع پا کر لوٹ لیتے تھے ان میں راجہ گونڈہ پیش پیش تھا جو بیگم حضرت محل کی ہدایات پر عمل کر رہا تھا[1] نصیر آباد والی باغی سپاہ محمد حسن کے ساتھ شریک ہو چکی تھی کچھ رجمنٹیں بیگم نے بھیجی تھیں جو گھاگرا پار کر چکی تھیں۔ بستی کے علاقے میں انگریز اور ان کا وفادار راجہ مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے محل اور شہر پر انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا۔ ۲۱ر مئی ۵۸ء کی ایک سرکاری رپورٹ میں کہا گیا :

> "دشمن کے حملے برابر جاری ہیں۔ بڑی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ ..... مسٹر برڈ کی ڈومریا کے بابوؤں کے خلاف مہم ناکام ہو گئی ہے"[2]

انگریزی فوجیں پھر بستی پر حملہ کرنے کے لیے بھیجی گئیں تو انقلابی فوجیں اودھ کی طرف کوچ کر گئیں مگر دوسری جگہوں پر حملے جاری رہے۔ بیگم حضرت محل تمام انقلابی افسروں سے

---

[1] ۵۲ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۴۔ ص ۳۴۸ — ۳۴۴

رابطہ قائم کر کے ہدایات جاری کر رہی تھی۔ کئی مقامات سے انگریزوں کو نکال دیا گیا۔ محمد حسن کی فوجیں آمورہا اور بیلوا کے قریب جنگوں میں مصروف تھیں۔ مان سنگھ انگریزوں کے ساتھ ہوگیا تھا جس کو دغابازی کی سزا دینے کے لیے ان فوجوں نے بیگم کے ایما پر محمد حسن کے ساتھ شاہ گنج پر حملہ کیا۔ نانا صاحب بہرائچ میں اور راجہ دیبی سنگھ (گونڈہ) گورکھپور سے دو میل دور تھے۔ بلرام پور کے "وفادار" راجہ کو چہرڈا اور اکونا کی فوجوں نے گھیر رکھا تھا۔ مولوی سرفراز علی اور اُن کا ایک مرید دھمن خاں، جو بستی علاقے کا خاص باغی سرغنہ تھا، نیپال کی ترائی میں چلے گئے[1] بلرام پور کے راجہ نے چاروں طرف انقلابی دستوں کے گھیرے سے پریشان ہو کر چھبیس ہزار روپیہ انھیں دیا۔ انقلابی فوجوں کا مطالبہ تھا کہ وہ بیگم حضرت محل کے رُو برو حاضر ہو۔ انگریزوں کی ہدایات یہ تھیں کہ وہ تمام شرطیں منظور کر لے مگر بیگم کے سامنے حاضر نہ ہو[2]

میر محمد حسن کے ساتھی

انقلابی سرداروں کے مزید حالات علیحدہ باب "آخری دور" میں بیان ہوں گے۔ یہاں صرف اُن تعلقہ داروں کا ذکر کیا جارہا ہے جنہوں نے گورکھپور کے علاقوں میں اہم رول ادا کیا۔ ان میں بلّی سنگھ۔ عباس علی رستاسی کا اُودت نرائن سنگھ۔ شیو پور کا سورت سنگھ۔ راجہ کشن چند۔ حسین علی۔ باقر حسین فیض علی ضمیر علی پرتھی پال سنگھ۔ جعفر علی۔ پرگن سنگھ۔ تحصیل دار فتح علی بیگ (ولد حسن علی)۔ وحید علی (ڈپٹی کلکٹر) اس کا بھائی علی نصر۔ ضمیر علی۔ حسن علی بخش۔ حافظ الٰہی بخش تحصیلدار۔ بھگوان بخش وغیرہ تھے۔ جنہوں نے رسد پہنچائی، جنگوں میں شرکت کی، انتظام سنبھالا اور میر محمد حسن کا پورا

---

[1] دھمن خاں نیپال میں (غالباً جولائی ۵۸ء) گرفتار ہوا۔ ستاستی۔ بڑھیا پار چلو پار۔ شاہ پور۔ تکھڑا۔ پانڈے پار۔ ڈمری وغیرہ کے راجپوت زمینداروں کی ریاستیں ضبط ہوئیں۔ گوپال پور کے کشن کشور کو انعام ملا۔

[2] فریڈم اسٹرگل جلد ۴۔ ص ۳۴۸

طرح ساتھ دیا۔[۱] شیو غلام سنگھ ساکن ردولی کی کمان میں ایک بڑی فوج مئی ۵۸ء میں تھی۔ موضع بستی کی ایک جنگ میں وہ کام آیا۔ تنگر کا راجہ بھی برابر جنگوں میں شریک رہا۔ پرتھی پال سنگھ نے بینی مادھو اور مظفر جہاں سے مل کر اعظم گڈھ پر حملے کی اسکیم بنائی تھی۔ بیسلوا اور امورہا وغیرہ پر باغی فوجوں کا اجتماع انہی کی کمان میں تھا اور انگریزی حکام کی رپورٹوں کے بموجب "وہ باہمت حملے اور مقابلے" کر رہے تھے۔ محمد حسن نے جون جولائی میں امورہا سے ہٹ کر گھاگرا پار کی۔ مان سنگھ نے دوغلا کردار ادا کیا[۲]

بنارس اور الہ آباد کے قریبی علاقے[۳]

بنارس میں بہت سے معزول شدہ حکمراں اور شہزادے مقیم تھے ان میں ریاست ستارا اور نیپال کے حکمراں، دہلی کے مغل شہزادے اور سکھ تعلقہ دار وغیرہ تھے اور یہ لوگ بغاوت

۱؎ فریڈم اسٹرگل جلد ۲۔ ص ۳۴۸

۲؎ مان سنگھ برہمن ولد درشن سنگھ کا خاندان آرہ میں آباد تھا۔ اس کا دادا شاہ گنج میں آباد ہوا۔ اودھ کے دربار میں عزت، انعام اور خطاب ملے۔ درشن سنگھ کے تین بیٹے تھے جن میں مان سنگھ خاندان کا سردار مقرر ہوا۔ بغاوت سے کچھ پہلے قید کر دیا گیا تھا۔ جون ۵۷ء کے شروع میں اس نے انگریزوں کو باغیوں کی سازشوں کی اطلاع پہنچائی اس لیے مفید سمجھ کر بری کر دیا گیا۔ جولائی ۵۸ء میں جب باغی فوجوں نے غداری کی سزا دینے کے لیے گھیر لیا تو اس نے انگریزوں سے مدد طلب کی اس سے پہلے وہ بظاہر لکھنؤ میں انقلابیوں کے ساتھ بھی رہا۔

۳؎ الہ آباد کا علاقہ ۱۸۰۱ء میں نواب اودھ نے کمپنی کو دیدیا تھا جس میں گورکھپور، اعظم گڈھ، مرزا پور، نینی تال، ترائی، الہ آباد، فتح پور، کانپور، مین پوری، اٹاوہ، فرخ آباد، روہیلکھنڈ وغیرہ شامل تھے۔ باندہ، ہمیر پور، جالون ۳-۱۸۰۲ء میں کمپنی کے قبضے میں آئے۔ بنارس اور ضلع مرزا پور وغیرہ شاہ عالم ۱۷۶۴ء میں کمپنی کو دے چکا تھا ۱۷۶۵ء میں کمپنی نے پھر نواب اودھ کو دیا لیکن ۱۷۷۵ء میں پھر لے لیا ۱۸۰۲ء میں نواب فرخ آباد کو پنشن دیکر علیحدہ کر دیا گیا۔

کی سازش میں شریک تھے۔ دہلی کے نمائندے اور مولوی دیسی سپاہ کو آمادہ کر رہے تھے، مندروں اور مسجدوں میں دعائیں ہو رہی تھیں کہ انگریزوں کا خاتمہ ہو[1] باغیانہ خط و کتابت پکڑی بھی گئی، شہر میں اعلانات چسپاں ہوئے اور انقلابی جذبات کھل کر سامنے آنے لگے۔

فوجی سپاہ کی سازشیں الہ آباد اور اعظم گڈھ کے علاقوں میں بھی ہو رہی تھیں۔ افسروں کی رپورٹ ہے کہ نمبر ۱۷ رجمنٹ جس نے اعظم گڈھ میں بغاوت کی، ۵۴-۱۸۵۲ء میں دہلی میں تھی اور اس کے ہندوستانی افسر بادشاہ کو نذریں پیش کرتے تھے۔ اودھ کے الحاق پر نمبر ۱۷، ۱۹ اور ۳۴ رجمنٹوں نے اپنی خدمات شاہِ اودھ کو پیش کی تھیں (الیف ڈبلو بوکس کی رپورٹ ۳ جون ۱۸۵۷ء)[2]

الہ آباد میں علماء اور پنڈتوں نے عوام اور فوج کو بہ یک وقت بغاوت کے لیے آمادہ کر دیا تھا۔ سرکاری عہدہ دار جج اور منصف بھی ان سازشوں میں شریک تھے سب سے زیادہ پیش پیش تھے مولوی لیاقت علی (ولد مہر علی) جن کا وطن تھا موضع مہگاؤں پرگنہ چائل (ضلع الہ آباد)۔ اس وقت ان کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ان کے والد کاشتکار تھے اور چچا فوج میں ملازم۔ لیاقت علی حضرت سید احمد شہیدؒ کے عقائد سے متاثر تھے۔ تعلیم کے بعد تین چار سال انگریزی فوج میں ملازم رہے، عبادت گزار اور پرہیزگار تھے، تبلیغ اور درس و تدریس کو شغل بنایا، نہ صرف عوام اور سپاہی بلکہ انگریز افسر بھی احترام کرتے تھے۔ فوج سے الگ ہو کر دہلی۔ ٹونک۔ رائے بریلی میں قیام کیا۔ مہگاؤں کی مسجد کے امام ہوئے۔ بغاوت سے کچھ قبل انقلابی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے سپرد یہ کام تھا کہ بغاوت کی طے شدہ تاریخ سے مخصوص کارکنوں کو مطلع کریں جس کے لیے دن رات تیزی سے سفر کیا۔ بغاوت

ل۱ 1. First Freedom Struggle U. P. Vol. 4 p. 7-169

ل۲ 2. Freedom Struggle UP Vol. I p. 343-344

کے بعد بھی سرگرمیوں میں معروف رہے جس کا ذکر علیحدہ باب "آخری دور" میں کیا جا رہا ہے۔

اعظم گڑھ

بنارس میں اعظم گڑھ کی بغاوت کے بعد اشتعال پیدا ہوا۔ اس لیے پہلے یہی حالات بیان کر کے آگے بڑھیں گے۔ اعظم گڑھ میں دیسی سپاہ نے ۳ جون کو بغاوت کی۔ نمبر ۱۷۔ این آئی سب سے پہلے باغی ہوئی۔ بھوندو سنگھ صوبے دار (ساکن دیولا ضلع فرخ آباد) اُن کا سردار تھا جو ذات کا اہیر تھا اور بغاوت کی سازشوں میں شریک تھا۔ ان سازشوں کی انگریز حکام کو قبل از وقت ہوا بھی نہ لگ سکی۔ ایک سرکاری بیان ہے کہ:

"حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سازش فوری نہیں تھی بلکہ بہت عرصے پہلے سے ہو رہی تھی اگرچہ ہر رجمنٹ کے صرف چند مخصوص لوگوں کو علم تھا...... انتہائی پوشیدہ طریقے سے بغاوت کا پلان بنانا ہر دیسی رجمنٹ کے آدمیوں کا خاص طُرۂ امتیاز تھا"[1]

دیسی سپاہ نے بھوندو سنگھ کو لیڈر بنا کر بغاوت شروع کر دی (بعد میں یہ سپاہ کانپور میں ناناصاحب اور تانتیا ٹوپی کے ساتھ بھی رہی ہے)۔ اعظم گڑھ میں سپاہ کی بغاوت شروع ہوتے ہی راجپوت، پٹھان اور نہرن قبیلے شامل ہو گئے۔ ان علاقوں کے راجکماروں کے علاوہ بلوار قبیلے کا سردار پرتھوی پال سنگھ (ساکن بنیترا) اپنے سپاہیوں کو لے کر آ گیا اور مہاجنوں سے ٹیکس وصول کیا۔ کوئل سنگھ زمیندار بھی ساتھ ہو گیا۔ نظام آباد۔ سگری۔ گھوسی۔ سکندر پور۔ متو۔ مبارک پور۔ محمود آباد۔ دیوگاؤں۔ چڑیا کوٹ۔ بی بی پور۔ کشن پور۔ مٹھو پور۔ بھگت پور وغیرہ علاقے بغاوت سے متاثر تھے۔ کوئلسا اور اتھرولی کے راجپوت نمایاں تھے۔ سکندر پور ضلع بلیا کے رام نواس نے فوج منظم کر لی تھی اور انھیں اُس وقت تک دبایا نہ جا سکا جب تک کہ اودھ میں بغاوت کو کچل نہ

---

[1] بیانات مقدمہ بھوندو سنگھ ولد رام دین بحوالہ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۴ ص ۹۲ — ۹۱

دیا گیا[1] کولسا میں پلوار سردار مادھو پرشاد نے انتظام سنبھالا اور اعظم گڈھ پر ۱۲ جولائی ۵۷ء کو حملہ کیا۔ تحصیل ماہول پر مظفر جہاں کا قبضہ تھا جہاں اس نے جنگی مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ پرگن سنگھ نے مہاراج گنج کے تھانے پر حملہ کیا اور متعدد حملوں کی اسکیمیں بنائیں۔ رجب علی نے کوتوالی پر حملہ کیا[2] انگریز افسر غازی پور کو فرار ہو چکے تھے۔ دیہاتی عوام ہزاروں کی تعداد میں مسلح شریک تھے اور انگریزی فوجوں سے بار بار تصادم میں حصہ لیتے رہے۔ انکے لیڈر پرتھوی پال اور مادھو پرشاد (تعلقدار برہار) تھے۔ اسی دوران میں کنور سنگھ مع فوج ۱۵ دن یہاں مقیم رہا اور پھر غازی پور چلا گیا۔ کوٹ ناگاؤں کے عوام نے بھپن سنگھ کی رہنمائی میں انگریزوں کی نیل فیکٹری برباد کر دی۔ اعظم گڈھ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ زمیندار جگ بندھن سنگھ کا ایک انگریز سے جھگڑا ہوا۔ جگ بندھن کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا لیکن اس کی لڑکی نے مبارکپور کے قریب مبہور کے زمیندار رجب علی سے مدد چاہی جس نے ایک فوج تیار کر کے انگریزوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور جگ بندھن کو رہا کیا۔ پولس نے تعمیل حکم سے انکار کیا اور بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔

اتھرولی کے گرمی راجہ بینی مادھو کو بیگم حضرت محل نے اعظم گڈھ اور جون پور کا ناظم مقرر کیا (بعض جگہ بینی مادھو کے بھائی جے لال کو ناظم بتایا گیا ہے)۔ ۳ر نومبر ۵۷ء کو اتھرولیا کے تحصیل دار کی رپورٹ تھی کہ باغیوں کی بھاری فوجیں اگلے دن اتھرولیا آنے والی ہیں۔ کولسا کے تحصیلدار کا بیان ہے کہ چار پانچ ہزار باغی مع توپوں کے بینی مادھو اور جے لال کی سرکردگی میں لوہرہ پہنچ چکے ہیں۔ ماہول کا تحصیل دار بیان کرتا ہے کہ باغیوں کی بڑی فوجیں شہزاد پور پر تعینات ہیں۔ ۵ر نومبر کو ماہول کے تھانیدار کی رپورٹ تھی کہ دو ہزار باغی مع چار توپ بسکھری پہنچ چکے ہیں اور ٹانڈہ سے اور آنے والے ہیں۔ دو ہزار اکبر پور میں جمع ہیں۔ اور یہ سب مل کر اعظم گڈھ آ

۱-۲ 1.2 CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 153-56

رہے ہیں[1] ۱۰ نومبر ۱۸۵۸ء تک یہ تصادم جاری رہے۔ انقلابی فوجوں کی شکست کے بعد بینی مادھو کا قلعہ برباد کر دیا گیا۔ اور وہ اودھ چلا گیا۔ نومبر کے آخر میں ہوپ گرانٹ کے حملوں میں مقابلہ کرتے ہوئے وہ گونڈا کی طرف پسپا ہوا۔ انگریز مورخ گبنس کا بیان ہے کہ بینی مادھو کے باغیانہ کردار میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن مادھو پرشاد جولائی کے شروع تک کچھ طے نہ کر پایا تھا بعد میں وہ ہماری دشمنی پر آمادہ ہوا۔ بعض خفیہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ بینی مادھو نے اسے چار لاکھ روپیہ دیا اور مدد حاصل کی۔ یہ بھی انکشاف ہوا کہ بینی مادھو راجہ مان سنگھ سے بھی رابطہ قائم کیے ہوئے تھا اور اس سے مدد بھی ملی۔ کنور سنگھ کے آنے پر ان علاقوں میں پھر بغاوت بھڑک اٹھی۔ جون ۱۸۵۹ء تک بھی سید پور تحصیل میں بغاوت ہو رہی تھی۔

بنارس کی بغاوت

اعظم گڈھ کی خبریں دیسی سپاہ میں ہیجان پیدا کر رہی تھیں کرنل نیل نے، جو مدراس سے آیا تھا، افسران کو حکم دیا کہ سپاہ سے احکام کی تعمیل کرائیں۔ پریڈ کا حکم ہوا، نمبر ۳۷ رجمنٹ کو ہتھیار رکھنے کا حکم ملا۔ کچھ نے تعمیل کی لیکن پھر اپنی بندوقیں اٹھالیں اور فائرنگ شروع کر دی۔ کمانڈنگ افسر مارا گیا۔ باغی سپاہی میگزین پر حملہ آور ہوئے اور انگریزوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ چھاؤنی کے پیچھے سے گولیاں برسانے لگے۔ یہاں سکھ سپاہ بھی باغیوں میں شامل ہو گئی۔ ہوا یہ کہ ایک سپاہی نے انگریز افسر کو قتل کیا۔ جب اس کی جگہ دوسرا آیا تو سکھ سپاہی نے وفتح جوش سے گولی مار دی۔ اس سکھ کو دوسرے 'وفادار' سکھوں نے ختم کر دیا لیکن گورا فوج نے ان سکھوں پر فائرنگ شروع کر دی اور جو توپیں نمبر ۳۷ کی طرف تھیں سکھوں کی طرف مڑ گئیں۔ بے قاعدہ سوار فوج کے زیادہ تر سپاہی باغی ہو چکے تھے، خزانے اور کچہری گارد نے بھی بغاوت کر دی، بنگلوں میں آگ لگی، انگریزوں کا قتل عام ہوا، تار کاٹ دیئے گئے، ریلوے لائن اڑا دی گئی۔

---

1. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 155-157 ؎۱

بنارس میں ۴ جون ۵۷ء کو بغاوت ہوئی لیکن ۱۸ مئی کی رات کو چھاؤنی کے ایک حصے میں آگ لگی۔ اگلے دن کچھ لوگ یہاں شور کرتے پائے گئے اور کچھ شوالے کے قریب دیکھے گئے۔ یہاں دہلی کے کچھ مغل شہزادے تقریباً پچاس سال سے آباد تھے اور سازش میں شریک تھے۔ شہر سے اطلاع ملی کہ کچھ مسلمانوں نے بشیشور مندر میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ انگریز افسر نے راجپوتوں کو بھڑکایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

سازش کا سراغ

بنارس میں بغاوت کے بعد گرفتاریاں ہوئیں، ایک مہاجن کے گھر سے ہتھیار اور خفیہ اشاروں میں لکھے خط برآمد ہوئے جن میں بغاوت کی اسکیم تھی اور مہاجن کو روپیہ مہیا کرنا تھا۔ جلال پور (ضلع جون پور) کے تھانیدار گنگا سرن کی رپورٹ تھی کہ یہاں چند ہرکارے پکڑے گئے جو لکھنؤ سے بھیجے گئے تھے۔ ان میں نجہاری سنگھ خاص آدمی تھا۔ جس نے بتایا کہ ایشوری پرشاد مہاجن ساکن جگدیش پور (لکھنؤ) نے یہ ہرکارے مختلف مقامات کے لیے چھوڑے ہیں اور لکھوا۔ پھول پور اور قاضی سرائے وغیرہ میں سرگرم تھے۔ ان کے پاس فارسی خطوط برآمد ہوئے۔ ہرکاروں کی گرفتاری پر ان کے پاس سے دوسرے ہرکاروں کی فہرست بھی ملی جو ۲۸ شوال ۱۲۷۳ھ کو بھرتی کیے گئے تھے۔ ایشوری پرشاد بنارس میں مقیم تھا۔ دوسرا مہاجن بھیرا پرشاد بھی سازش میں شریک تھا، دونوں کو پھانسی دی گئی۔ "ریڈ پمفلٹ" میں میلیسن نے لکھا ہے کہ بنارس کے مندروں میں ہمارے خاتمے کے لیے پرارتھنا ہوتی تھی مئی ۵۷ء کے آخر میں طوفان کی علامات ظاہر ہوگئیں۔ فوجی شورش نے تیزی سے رنگ بدلا اور قومی بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ بغاوت ہوتے ہی تمام علاقہ انگریزی راج کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ زمینداروں نے وہ کام پورا کیا جسے سپاہ نہ کر سکی لیکن تنظیم نہیں تھی۔ باغی سپاہ نے انگریز عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا اور خزانہ لے کر اودھ روانہ ہوگئی۔[1]

---

[1] 1. Freedom Struggle UP Vol. 4 pp. 3-4, 46-63,
Chaudhuri: p. 157 Red Pamphlet pp. 83-92, 63

مرزا پور کے عوام بھی مشتعل تھے۔ ۳ر جون کو بنارس کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں آنے پر انگریزوں نے حفاظت کے انتظام کر لیے۔ ۱۰ر جون ۱۸۵۷ء آتے آتے یہاں بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ اُدنت سنگھ (پرگنہ بھودوہ) نے آزادی کا اعلان کیا۔ جھوری سنگھ، ماتا بخش، اور سبھا نام سنگھ باغیوں کے سردار تھے۔ سندوپور اور بڑو پور کے زمیندار بھی ساتھ تھے۔ جھوری سنگھ نے ایک انگریز افسر مور کا سر کاٹا تھا۔ پرگنہ بھدوہی میں راجہ بنارس کی جاگیر تھی یہاں اُدنت سنگھ نے دیوان مقرر کیے، فوج بھرتی کی اور ٹرنک روڈ بند کر دی مگر راجہ کے ایجنٹ ورشن لال کی مخبری سے راجہ اور اس کا دیوان گرفتار ہوئے اور پھانسی ہوئی۔ رام بخش اور بھولا سنگھ کو بھی پھانسی ہوئی۔ داناپور کی بغاوت کے بعد وہاں کے انقلابی (اگست ۱۸۵۷ء) رابرٹ گنج میں داخل ہوئے، اور سرکاری سامان لوٹا پھر شاہ گنج (تحصیل رابرٹ گنج) کو لوٹا۔ جوائنٹ مجسٹریٹ مور کا سر کاٹ کر اُدنت سنگھ کی رانی کو پیش کیا گیا اور انگریزی فوج کے ہاتھ صرف مور کا سر کٹا جسم آیا (۴ر جولائی ۱۸۵۷ء)۔ اس دوران میں سکولی میں بھی بغاوت ہو گئی۔ سنگرولی (تحصیل رابرٹ گنج) کا راجہ انقلابیوں کی مدد کر رہا تھا۔ ان علاقوں میں مظفر جہاں۔ مہدی بخش۔ مخدوم بخش وغیرہ سرگرم تھے۔ اور ۲۸ نومبر ۱۸۵۷ء تک بھی ان کے پاس سولہ[16] ہزار فوج تھی۔ وجے گڑھ کے سردار لکشمن سنگھ اور چندیل قبیلے کے سرداروں نے بھی آزادی کا اعلان کر دیا۔ کنور سنگھ اور امر سنگھ کے آنے پر انقلابیوں کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے۔ کنور سنگھ ۲۴ر اگست کو پنا گنج کے راستے سے رام گڑھ پر خیمہ زن ہوا۔ جھوری سنگھ نے سب سے زیادہ نمایاں رول ادا کیا ہے۔ سرکاری کاغذات میں اُسی کو ان علاقوں کا خاص سرغنہ کہا گیا ہے اس کے ساتھیوں میں سرب دین سنگھ، زبر سنگھ، پدم سنگھ، رنڈھیر سنگھ، فقیر بخش، رگھبر سنگھ، چتر جیت سنگھ، رتن سنگھ، ایشوری سنگھ وغیرہ تھے۔ رنڈھیر سنگھ ولد گجراج سنگھ تعلقہ دار سنگرامئو نے ایک بڑی فوج بھی منظم کی تھی۔

جون پور

۵ر جون ۱۸۵۷ء کو جب بنارس کی سکھ رجمنٹ پر گولی چلانے کی خبریں ملیں تو یہاں مقیم لدھیانہ رجمنٹ کے سکھ دستوں نے بغاوت کر دی۔ جگن سنگھ اور

ہرنترائن سنگھ نمایاں تھے۔ انھوں نے راجہ ارادت جہاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ مجسٹریٹ اور دوسرے افسر مارے گئے خزانہ لوٹا اور بنارس کی طرف چلے گئے [1] انگریزوں نے ہینگن لال کے یہاں پناہ لی ضلع کا راج شیلو غلام دوبے کے حوالے ہوا جس کا قبیلہ پیش پیش تھا۔ بنارس اور اعظم گڈھ کا رسل و رسائل کاٹ دیا گیا، ٹیلگراف اور ڈاک برباد کر دی گئی۔ پلوار راجپوتوں نے انگریزی فوج کو پسپا کیا اور توپیں چھین لیں۔ جیسے ہی انگریزوں نے جون پور چھوڑا جگیشور بخش نے بدلا پور گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ اکتوبر ۵۷ء میں یہ علاقہ دوبارہ انگریزی قبضے میں آیا کیونکہ انقلابیوں نے جم کر مقابلہ نہ کیا ورنہ سرکاری رپورٹیں واضح طور پر اعتراف کرتی ہیں کہ "پورا علاقہ بغاوت پر کمر بستہ تھا"

جون پور کے انقلابی سرداروں میں سورج مند مصر، جانکی ناتھ، اشرف خاں، پرتام سنگھ، رام جیت سنگھ وغیرہ تھے۔ ان لوگوں نے انگریزوں کو بحفاظت یہاں سے جانے دیا یہ کام سورج مصر کے ذریعے ہو رہا تھا جو ایک با اثر اور مال دار شخص تھا۔ اکتوبر ۵۷ء تک جون پور آزاد رہا اس کے بعد بھی دکھن (گوپی گنج) کی طرف باغیوں کا قبضہ تھا اور شاہ اودھ کے نام پر مال گذاری جمع کی جاتی تھی۔ کنور سنگھ کا بھتیجا مع فوج موجود تھا۔ گوپی گنج کے جوائنٹ مجسٹریٹ کی رپورٹ کے بموجب "گرانڈ ٹرنک روڈ اور اس کے آس پاس چار پانچ گاؤں ہمارے قبضے میں ہیں، وہ بھی پوری طرح نہیں" آخر نومبر ۵۷ء میں انگریزی فوج یہاں پہنچی لیکن لکھنؤ کی شکست (مارچ ۵۸ء) کے بعد بھی انقلابیوں کی بڑی فوجیں غلام حسن اور مہدی حسن کی سرکردگی میں شمال مغرب میں جمع تھیں جنہیں لوگارڈ نے منتشر کیا۔ مئی ۵۸ء میں جھوری سنگھ نے مچھلی شہر اور مرزا پور پر حملے کیے، جولائی ۵۸ء تک سنگرام سنگھ بھی مع فوج کے سرگرم تھا۔ زبردست تیاریوں کے بعد چاروں طرف سے گھیر کر انہیں نکالا جا سکا۔ جھوری سنگھ اس دوران میں اودھ کے علاقے میں موت سے

---

[1] اقبال احمد: تاریخ جون پور/ ۲۲۸ فریڈم اسٹرگل جلد ۴ ص ۱۷-۱۹ اور رپوڈ صری: ۱۵۲-۱۵۰

ہم کنار ہوا۔

نواب ارادت جہاں بغاوت کی سازشوں میں بہت پہلے سے شریک تھا۔ مشہور ہے کہ ۱۸۵۶ء میں نواب باندہ کے یہاں ایک شادی کے موقعے پر خفیہ جلسہ ہوا پھر الگ الگ مقامات پر جلسے ہوئے اور لائحہ عمل طے کیا گیا۔[1] ارادت جہاں نے بغاوت شروع ہونے پر مال گزاری دینے سے انکار کر دیا اور ۱۲ جون ۱۸۵۷ء کو محل (ماہول) کی حکمرانی کا اعلان کیا، بڑی فوج منظم کر لی۔ ملک مہدی بخش اور رستم شاہ (تعلقہ دار دیراہ) بھی شامل تھے۔ انگریزوں پر چاروں طرف سے انقلابی فوجوں کا دباؤ پڑنے لگا لیکن ۶ دسمبر کو کانپور پر اُن کی شکست نے کسی حد تک یہ پلان بکھیر دیا اور جنرل فرینک نے جون پور سے لکھنؤ کی طرف بڑھنے کا پلان بنایا۔

ارادت جہاں نائب ناظم تھا، اُس کی طرف سے پروانہ جاری ہوا کہ سب تعلقہ دار حاضر ہوں کیونکہ یہاں کے ناظم راجہ بینی مادھو سنگھ آنے والے ہیں (۱۹ اگست ۱۸۵۷ء)۔ ارادت جہاں کا بیٹا مظفر جہاں اکتوبر ۱۸۵۷ء تک ماہول پر حملہ کر کے قابض رہا۔ راج کمار شہزادے اور پلوار قبیلے کے لوگ ہمراہ تھے۔ گورکھا حملے کے بعد جب قلعے پر قبضہ کر لیا گیا تو مظفر جہاں یہاں سے ہٹ کر دوسری دوسری جنگوں میں شامل رہا۔ اس کی گرفتاری پر انعام کا اعلان تھا۔ سرکاری رپورٹوں میں اسے بدترین قسم کے باغیوں میں شمار کیا گیا ہے۔ ارادت جہاں کی رہائش مبارک پور (ضلع جون پور) میں تھی۔ اس نے نذیر حسین کو راجہ حسن علی خاں کے پاس بھیجا یہ شخص اہم رول ادا کر رہا تھا۔ کچھ دن بعد لکھنؤ سے پروانہ آیا اور ارادت جہاں کو نائب ناظم جون پور مقرر کیا گیا، مہتاب رائے دیوان مقرر ہوا۔ ارادت جہاں نے اپنے قلعے پر جم کر مقابلے کیے لیکن ۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء جبکہ وہ پرگنہ ماکل گیا ہوا تھا، مہتاب رائے معمولی مقابلے کے بعد گرفتار ہو گیا۔ دوبارہ انگریزی فوج مبارک پور پر حملہ آور ہوئی تو امر سنگھ اور مخدوم بخش نے اس بہادری سے جنگ کی کہ مہتاب رائے کو آزاد کرا لیا۔

---

[1] اقبال احمد: تاریخ جون پور - ۲۴۸

چار دن تک جنگ ہوئی۔ انگریزوں نے عاجز آکر صلح کی بات چیت شروع کی اور ارادت جہاں کے بھائی فصاحت جہاں کو ورغلا کر دغابازی پر آمادہ کر لیا۔ ارادت جہاں جھانسے میں آ گیا اور دھوکے سے گرفتار کر لیا گیا اور پھانسی دیدی گئی۔ فصاحت جہاں سے پھانسی کے وقت اُس نے کہا۔" بھائی جان۔ اور کوئی حسرت ہے ؟"[۱] بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ مقدمہ چلا کر (فروری ۵۸ء) بمقام مبارک پور پھانسی دی گئی۔ ارادت جہاں کے سپہ سالار امر سنگھ نے قلعہ موجی پور میں مورچہ قائم رکھا اور اپنی حسرت پوری کی کہ تلوار کے جوہر دکھاتا ہوا قربان ہوا۔ (آدم پور)۔ مخدوم بخش مبارکپور میں جنگ کے دوران رُوپوش ہو گیا۔ مظفر جہاں نے مائل میں سولہ[۱۴] ہزار کا لشکر جمع کیا اور باپ کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ اس لشکر میں مخدوم بخش بھی تھا۔ انگریزی فوج پر ایسا کاری حملہ (بمقام تکھ) کیا کہ اُن کے قدم اکھڑ گئے۔ مظفر جہاں اسی طرح ۱۸۶۰ء تک جنگ کرتا رہا اور آخر میں گرفتار ہوا[۱] سنگرامئو پر حسن یار خاں نے حملہ کیا۔ کودھوا پر تصادم کے بعد حسن یار خاں کو شکست ہوئی وہ حسن پور میں مہدی حسن سے مل گیا جو چاندہ پر جنگ میں مصروف تھا (۱۳ اکتوبر ۵۷ء) جون پور کے انقلابیوں نے چاندہ پر تیغ آزمائی کے جوہر دکھائے مگر مہدی حسن کو شکست ہو گئی۔ یکم نومبر ۵۷ء کو انگریزی فوج جون پور آ گئی مگر تین دن کے اندر ہی پھر اترولیا (اعظم گڈھ) جانا پڑا۔ ۲۲ نومبر کو پھر سنگرامئو کی طرف بھاگنا پڑا۔ جہاں مہدی حسن اور مظفر جہاں نے انگریزی فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ مارچ ۵۸ء میں جب کنور سنگھ نے اترولیا پر حملہ کیا تو تکھا پر غلام حسین انقلابیوں کی قیادت کر رہا تھا۔ اور جون پور پر حملہ آور ہونے کو تھا چنانچہ بار بار مقابلے ہوئے۔ جوشی سنگھ بدلاپور کے دُرگ پال سنگھ اور مڑیاہو کے سنگرام سنگھ نے بھی بغاوت میں حصہ لیا اور گرفتار بھی نہ ہو سکے۔ پوربی ضلعوں میں انقلابیوں نے کافی طاقت جمع

---

[۱]، [۲] تاریخ جون پور ۲۴۲۔ ۲۴۸ مظفر جہاں کو آگرہ جیل میں رکھا گیا۔ رہا ہونے پر موضع رڈھولی میں میر حسین علی اور شیر علی کے یہاں پناہ لی۔ یہاں اب مظفر جہاں کی اولادیں ذوالفقار جہاں بقید حیات ہیں۔ (تاریخ جون پور)

تحریک کی تھی۔

سرگرمیاں اور خط وکتابت

اکتوبر ۵۷ء میں کھدواہ کی جنگ کے بعد یہاں انقلابی سرداروں کے کاغذات برآمد ہوئے۔ بدلاپور کے ارجن سنگھ (جگیشور کا بھائی) کے خط تھے جن میں چاندا پر فوجیں جمع کرنے کی ہدایت تھی چنانچہ ۱۴ر اکتوبر کو یہ سب چاندا پر مع فوج کے موجود تھے اور آخر نومبر تک مہدی حسن کے ساتھ رہے۔ بند لیشوری پرشاد۔ بھگلی سنگھ۔ خواجہ حسین بخش، اس کا بھائی احسن بخش وغیرہ فوجوں کے لیڈر رہتے۔ فروری ۵۸ء میں جب جنرل فرنیک اودھ میں داخل ہوا تو مہدی حسن کی فوجوں سے تصادم ہوئے جو بندہ حسن کی کمان میں تھیں۔ اپریل ۵۸ء میں گورکھپور کے ناظم کا بیٹا غلام حسین سرگرم تھا اور اگارڈ سے جنگ کر رہا تھا۔ جھوری سنگھ مئی ۵۸ء میں اودھ (کھمیری) میں آیا پھر الہ آباد چلا گیا۔

جون پور میں اکتوبر ۵۷ء میں چند ہرکارے پکڑے گئے جو خط پہنچانے کے لیے تھے۔ بھیروں پرشاد اور الیشری پرشاد وغیرہ نے یہ جال پھیلایا تھا۔ انہیں اور دیگر ساتھیوں کو پھانسی دی گئی۔

بغاوت کی نوعیت اور اثرات

بنارس ڈویژن میں بغاوت کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لیے سکریٹری گورنمنٹ آف سینٹرل پراونس کے خط کا اقتباس کافی ہے جس میں یہ بتاتے ہوئے کہ باغیوں کا سردار مہدی حسن ہے، لکھا تھا:

> "صرف چند کو چھوڑ کر، جنکی تعداد بہت کم ہے، تمام زمیندار اور تعلقہ دار یہاں ہمارے خلاف ہتھیار سنبھالے ہوئے ہیں" [1]

---

[1] فریڈم اسٹرگل یوپی، جلد ۴۔ ص ۱۶۹

مہدی حسن کا بھتیجا اکتوبر ۵۷ء میں شہزاد پور میں فوج جمع کر رہا تھا۔ بینی مادھو اور برتھی پال وغیرہ اس کی مدد کو آرہے تھے۔ مادھو پرشاد پانچ ہزار آدمی لے کر اعظم گڑھ پر چڑھ آیا۔ مظفر جہاں اور اوریش سنگھ نے جنوری ۵۸ء میں اعظم گڑھ پر حملہ کیا اور حکام کو نکال دیا۔ سومیری کے مقام پر ملتان خاں باغی فوجوں کی کمان کر رہا تھا جس نے انگریزی فوج کو مار بھگایا تو لکھنؤ اور غازی پور سے جنرل لوگارڈ وغیرہ فوج لے کر بڑھے مگر مقابلہ آسان نہ تھا۔ چمبل ندی کے کنارے انقلابی فوجیں مہاراؤ کی کمان میں تھیں۔ اتھرولیا لوٹ لیا گیا۔ کنور سنگھ کی فوج بھی مدد کو آگئی جس میں پلوار سردار بھی شامل تھے۔ انگریزوں کو کوٹلسا پر شکست ہوئی، وہ اعظم گڑھ پر حملہ آور ہوئے ادھر کنور سنگھ کے بھتیجے اور راجہ نرہر پور کی کمان میں انقلابی فوجوں نے دانت کھٹے کر دیئے (۲۴ مارچ ۵۸ء)۔ انگریزوں نے پہلے شہر کے باہر مقابلے کا ارادہ کیا مگر کنور سنگھ کے نام سے ہی انہیں کپکپی چھوٹتی تھی لہٰذا پیچھے ہٹ کر بارکوں میں پناہ لی اور اعظم گڑھ پھر آزاد ہو گیا۔ انگریزوں نے پھر حملہ کیا مگر پھر پسپا ہوئے۔ محمد حسن اور راجہ گونڈہ گورکھپور کے علاقے میں تیاریاں کر رہے تھے۔ انگریزوں کی رسد لوٹ لی گئی اور مہاجنوں سے روپیہ وصول کیا گیا۔ جب انگریز افسر پار کر فوج لے کر بڑھا تو پل پر سخت مقابلے کے بعد مدد کے لیے پہنچ سکا۔

کنور سنگھ کی فوج لگارڈ کے حملے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ ۱۵ اپریل ۵۸ء کو حملہ آور ہوا اور انقلابیوں کو پیچھے دھکیلا۔ مین پوری کا راجہ اور ایا پر فوج لے آیا تھا۔ نشان سنگھ، پرگن سنگھ، غلام حسین، مہدی حسن برابر جنگ کر رہے تھے۔ ٹانڈہ اور فیض آباد میں انقلابی فوجیں جمع تھیں۔ مئی ۵۸ء میں جھوری سنگھ نے مچھلی شہر اور شہزادہ پور پر حملے کئے۔ عوام کی حالت کا اندازہ سرکاری کاغذات کے صرف اس جملے سے لگایا جا سکتا ہے:

"عام آبادی میں بے حد جوش و تردش پیدا ہو گیا ہے۔" [1]

---

[1] فریڈم اسٹرگل جلد ۴ ص ۲۰۴۔ ۱۹۸-۱۹۱

غازی پور کے متعلق یہ رپورٹ تھی کہ جون ۵۷ء سے تمام علاقے میں عوامی جنگ کی صورت حال تھی۔ یہاں رجمینٹ ۶۵ این آئی مقیم تھی اور بلّیا میں شیخ خیر الدین ڈپٹی کلکٹر (ساکن بدایوں) وفادار تھا۔ وہ بغاوت کی خبریں ملنے پر مجسٹریٹ سے ملنے غازی پور آیا اور وہیں مقیم ہو گیا، انگریزوں کے بنگلوں پر پہرہ دیا۔ سرسید لکھتے ہیں :

"اور باوجودیکہ تمام اضلاع گرد و پیش غازی پور مثل اعظم گڑھ و جون پور و گورکھپور و بنارس وغیرہ بگڑ گئے مگر ان افسر نے غازی پور کی سپاہ کو بگڑنے نہیں دیا۔ جب بنارس میں امن ہوا تو غازی پور میں بھی تسلّی ہوئی۔ اس وقت مسٹر راس صاحب بہادر کلکٹر بنارس نے جون ۱۸۵۷ء میں واسطے انتظام علاقہ بلّیا کے روانہ کیا کہ وہاں نہایت مفسدہ برپا تھا اِن افسر نے اپنی رعایا کو اپنے ساتھ جمع کر کے ان کو روکا اور بلّیا کو بچایا۔" [۱]

اِن علاقوں میں جون پور کے انقلابی سرداروں میں خدا بخش کا نام بھی نمایاں رہا،

---

[۱] سرسید: خیر خواہ مسلمانانِ ہند ص ۶۲۔ خیر الدین کا باپ، بھی فوج میں تھا کابل کی مہم میں جاسوسی بھی کی۔ خیر الدین بھی فوج میں رہا اور کابل کی جنگوں میں جاسوسی کی ۴۶-۱۸۴۵ء میں پنجاب کی جنگوں میں انعام پائے ۱۸۵۴ء میں شیوراج پور (کانپور) کا تحصیل دار ہوا ۱۸۵۶ء میں بلّیا کا ڈپٹی کلکٹر ہوا۔ پھر گورکھپور بھیجا گیا جہاں گورکھا فوج کی رسد رسانی اور حسبِ معمول جاسوسی کرتا رہا۔ راکرافٹ کی فوج کے ساتھ رہا۔ ۲۹ فروری ۵۸ء کو پھول پور اور ۵ مارچ کو اموڑہا کی جنگوں میں اس کی جاسوسی سے انگریزوں کو کامیابیاں ہوئیں۔ ۲۵-۲۹ اپریل کو اموڑہا اور یکم مئی کو نگر کی جنگوں میں موجود تھا۔ ۱۰ جون ۵۸ء کو اموڑہا، دہربہا اور جگدیش پور (۲۶ ستمبر) کی جنگ میں رہا پھر نیپال میں انقلابیوں کی جاسوسی کرتا رہا اور گرفتار کراتا رہا (مارچ ۵۹ء)

جس نے دو ہزار آدمی منظم کئے تھے۔ مولوی کرامت علی جو فرازی لیڈر تھے۔ تمام سازش کرنے والوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ حکیم آغا محمد عرف محمد حیدر۔ مہی پال سنگھ۔ بندہ حسن۔ راجہ حسن علی۔ فضل عظیم۔ کشن نرائن وغیرہ تھے۔ [1]

بنارس میں مظالم

بنارس میں بغاوت کچل دینے کے بعد جنرل نیل سکھ اور گورہ سپاہ کے دستے بنائے جنہوں نے دیہات میں قتل عام شروع کیا۔ پھانسی پانے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ دن رات کام ہونے کے باوجود بھی ختم نہ ہوتا تھا لہٰذا پھانسیوں کے تختوں کی ایک لمبی لائن بنائی گئی پھر بھی پھانسی کے 'امیدواروں' کی ایک بڑی قطار موجود تھی۔ درختوں کو کاٹ کر پھانسی کا تختہ بنانے میں چونکہ طوالت تھی اس لیے گلے میں رسّی باندھ کر درختوں کی ہر شاخ پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد نیا طریقہ سُوجھا یعنی پھانسی پانے والے کو ہاتھی پر بٹھا کر درخت کے نیچے لایا جاتا۔ اس کے گلے کو درخت کی شاخ سے مضبوط باندھ دیا جاتا اور ہاتھی کو ہٹا لیا جاتا تھا۔ اس طرح انتہائی تکلیف سے جان نکلتی اور انسانی جسم انگریزی ہندسے 8 اور 9 کی شکل بن جاتے تھے۔ آخر یہ بھی پرانا ہوگیا مگر ابھی ہزاروں باغی زندہ تھے۔ کلیجہ تھام کر سُنیئے کہ تہذیب کے دعوے داروں نے اس مشکل پر بھی قابو پالیا اور اب یہ کیا گیا کہ گاؤں کے گاؤں آگ لگا کر خاک کر دیئے گئے۔ آگ لگاتے وقت انگریزی فوج گاؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا کرتی تھی تاکہ کوئی بچ نہ نکلے۔ جلنے والوں کی دل سوز چیخیں اور ان کا بے بسی سے خاک ہو جانا انگریزوں کے لیے اتنا مفرح ثابت ہوا کہ انھوں نے انگلینڈ کو خط لکھے جن میں یہ حالات تحریر کیے۔ مختلف دستے جو اس مہم پر بھیجے گئے، ان میں سے ایک کا افسر اپنے مشاہدات میں کہتا ہے:

"تاہم آپ کو یہ سُن کر اطمینان ہوگا کہ بیس دیہات صفحۂ زمین

---

[1] چودھری: ۱۵۳-۱۵۲

سے مٹا دیئے گئے"۔[1]

یہ بیس دیہات صرف ایک دستے کی کارگزاری تھی اور یہ سب صرف خلاصہ ہے اُن مظالم کا جن کے بارے میں انگریز مؤرخ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں کہ:

"بہتر ہے کہ نیل کے انتقام کے بارے میں کچھ نہ لکھا جائے"۔

الہ آباد آزاد

الہ آباد کے انگریز افسروں کی خفیہ رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی کہ یہاں مسلمان آبادی زیادہ ہے اس لیے ہمدردیاں اُنھیں لوگوں کے ساتھ ہوں گی جو بغاوت کا پرچم بلند کریں خواہ وہ کسی بھی فرقے کے ہوں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دیسی سپاہ، علماء اور پنڈت پہلے ہی بغاوت کی اسکیم بنا رہے تھے۔ سرکاری عہدہ دار بھی سازش میں شریک تھے اگرچہ وہ اپنی وفاداری کا یقین دلا رہے تھے پھر بھی انگریزوں نے حفاظت کے انتظام کر لیے۔ ۵ رجون کو خبر ملی کہ بنارس کے باغی الہ آباد آ رہے ہیں تو انگریز الوپی باغ میں پناہ گزیں ہو گئے جہاں دیسی سپاہ کی چھاؤنی بھی تھی۔ اُسی دن موضع صمد آباد میں سیف خاں میواتی کے مکان پر انقلابیوں کی پنچایت ہوئی اور بغاوت کا فیصلہ کیا گیا جب ۵ رجون کی رات کو اچانک بگل بجنے پر بغاوت شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ جن سپاہیوں نے ایک دن پہلے تک وفاداری کا یقین دلایا تھا وہی سب سے آگے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ دیسی سپاہ پہلے ہی بغاوت کی اسکیم بنا چکی تھی صرف یہ انتظار تھا کہ سکھوں کو بھی شامل کر لیں[2] باغی سپاہ یکم جون کو ہی بغاوت شروع کر چکی تھی۔ اور دہلی روانہ ہونے لگی۔ انگریزوں کا قتل عام شروع ہوا، عوام نے چوک میں جھنڈا لہرایا۔ نمبر ۶ این آئی نے خزانے پر قبضہ کیا۔ انگریزوں نے قلعے

---

[1] چارلس بال۔ جلد ا ص ۳۴۴
ساورکر — ۱۹۱

[2] 2. SEN: p. 155

میں پناہ لی۔ سرکاری عہدہ دار اور پنشن یافتہ لوگ بھی بغاوت میں شریک تھے۔ میواتی سرگرم کردار ادا کر رہے تھے۔ جن گاؤوں میں عوام پیش پیش رہے اُن میں صمد پور، رسول آباد بیلی بگھارا۔ شاد آباد۔ فتح پور۔ بچھوا۔ کٹرہ۔ کرنل گنج۔ مہادیو پوری۔ بختیارا۔ منہاج پور وغیرہ ہیں۔[1] باغی سپاہ کا رہنما رام چندر تھا جس کے ہمراہیوں نے "رام چندر جی کی جے" کا نعرہ لگا کر ڈھائی ہزار قیدی چھڑائے، انگریزوں کے مکانات لوٹے اور جلائے گئے۔ مولوی لیاقت علی کو اپنا سربراہ بنایا جو ۷ جون ۱۸۵۷ء (جمعہ) کو یہاں پہنچے اور خسرو باغ میں قیام کیا۔ باغی سپاہ اور شہر و دیہات کے عوام ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انھوں نے انتظام سنبھالا، نئے افسران کا تقرر کیا۔ سیف اللہ اور سکھ رائے چائل کے تحصیل دار مقرر ہوئے۔ قاسم علی اور نعمت اشرف کوتوال، ہادی اور فیض اللہ فوجی افسر ہوئے۔ تمام قرب و جوار مثلاً سلیم پور۔ مہگاؤں۔ رسول پور۔ جل گاؤں۔ محی الدین پور۔ بیگم سرائے۔ اُودانی۔ بھبک پور۔ چائل۔ پوان۔ شیخ پور۔ امراؤتھی۔ جیب راج پور۔ بگھارا بیلی۔ عنایت پور۔ عمر پور وغیرہ کے زمین دار اور عوام بغاوت میں سرگرم تھے۔ پرگنہ چائل بغاوت کا خاص مرکز تھا۔ سید آباد۔ فتح پور۔ بچھوا۔ بگھارا۔ سالوری۔ شاد آباد۔ منہاج پور۔ بکسی اور آس پاس کے زمین دار مولوی لیاقت علی کی حمایت کر رہے تھے۔ بسوٹان، سید پور، اسراون۔ مصطفےٰ آباد وغیرہ کی شیعہ آبادی بھی بغاوت میں شامل تھی۔ بھیکا۔ سید سراون۔ قاضی پور وغیرہ میں بغاوت کے سرغنہ ہادی اور فیض اللہ زمین دار تھے۔ چائل کی پولس باغی تھی، پراگوال برہمن بھی رہنمائی کر رہے تھے۔ رسول پور کے سرداروں میں کرم شیر خاں۔ امجد علی۔ سید احمد اور شمشیر خاں میواتی وغیرہ تھے۔ بعض علاقوں کے شیعہ مسلمان بغاوت کو جہاد نہیں سمجھتے تھے سُنّی عوام میں حافظ رحمت اللہ نے اسے جہاد تسلیم نہیں کیا۔ پنشن یافتہ بوڑھے فوجیوں کو منظم کر رہے تھے۔ انگریز افسروں نے مولوی لیاقت علی کو غیر معمولی اہلیت اور تنظیمی صلاحیت کا حامل

---

1. Freedom Struggle Vol. 4 pp. 538-550   ۱ؐ

بتایا ہے۔ وہ الہ آباد کی رپورٹ برابر دہلی بھیجتے رہے۔

انتظام درست کرنے کے بعد مولوی لیاقت علی نے قلعے پر حملے کا حکم دیا لیکن 'وفادار' سکھوں نے اس کام کو مشکل بنا دیا۔ ساورکر کا خیال ہے کہ اگر یہاں سکھ سپاہی عقل و ہوش سے کام لیتے تو قلعہ آسانی سے انقلابیوں کے قبضے میں آجاتا۔ اس دوران نیل الہ آباد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۱ رجون کو وہ الہ آباد کے قریب آیا، گورہ دستے قلعے کی حفاظت پر مقرر کئے اور سکھوں کو باغیوں سے جنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ ایک ہفتے تک انقلابیوں نے نیل کی فوج کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ ۱۷ رجون سے اس کے فوجیوں نے شہر پر چڑھائی شروع کی۔ تصادم ہوتے رہے لیکن شہر میں انگریزوں کے 'وفادار' بھی موجود تھے جنہوں نے دانستہ یہ افواہ اُڑا دی کہ انگریز پورے شہر کو بارود سے اُڑانے والے ہیں یہ افواہ سن کر شہر کے عوام نے بدحواسی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ مولوی لیاقت علی نے بہادر شاہ کے نام اپنی رپورٹ میں بھی یہ ذکر کیا ہے [1]

"تحاریہ عظیم" (مؤلفہ کنہیا لال) میں ہے کہ ایک دستہ سپاہ انگریزوں نے راج گھاٹ پر مقرر کیا، اسی نے نافرمانی شروع کی۔ جب فوج کو مقابلے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے صرف ہوائی فائر کئے، تاکہ باغیوں کا نقصان نہ ہو۔ میدان پریڈ پر پہنچ کر بگل بجایا جس کو سن کر انگریز افسر باہر نکل آئے اور سب وہیں قتل ہوئے۔ پھر باغی فوجیوں نے 'رام چندر جی کی جے' کا نعرہ لگایا، ڈھائی ہزار قیدیوں کو رہا کیا اور خزانہ آپس میں تقسیم کر لیا جبکہ اسے دہلی لے جانا طے ہوا تھا۔

مولوی لیاقت علی کا اعلان

مناسب ہوگا کہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے

---

[1] KAYE: Vol.1 p. 193 SAVARKAR : pp 200-201

Freedom Struggle UP Vol. 4 p 538 Vol.1 p.476

Central Record Office Allahabad File No.3

لیے مولوی لیاقت علی نے جو اعلانات اور پوسٹر شائع کیے ان کا اقتباس دیا جائے:

"جو بہ علتِ ظلم و فساد ساری سلطنت ہندوستان میں خصوص ضلع الہ آباد میں کفرہ فجرہ نصاریٰ علی العموم اوپر ہر ایک مومنین متبع اسلام کرام کے از قبیل غارت گری و آتش زدگی و قتل و پھانسی و کندیدگی مکان و چھاپہ زنی و خوں ریزی علماء و مشائخان و احراق کلام اللہ و احادیث و کتب فقہ وغیرہ ہو رہا ہے اظہر من الشمس ہے اس صورت میں ہر ایک مومنین و مخلصین کو لازم ہے کہ مستعد جہاد ہو جاؤ یں...... سب سامان واسطے تسکین خاطر ضعفا مسکینان اور امدادِ دینِ متین کے انھیں نابکار نصارا بد اطوار سے بلا سبب و کوشش ہم لوگوں کے دلا دیا چنانچہ لشکر سوار و پیادہ و توپ و گولہ باروت و زرِ کثیر خصوصاً قطعۂ شقہ علیہ حضرت فرماں روائے کشورِ ہند ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہِ دہلی خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ، و عموماً امداد و عساکر آتواپ و میگزین جناب برجیس قدر دام اللہ حشمتہم والی لکھنؤ اور ہمراہی تمام راجگان قلمرو لکھنؤ و راجگان قرب و جوار الہ آباد وغیرہ اور اخلاق و اتفاق سارے ہندوستان میں باوصف ہونے اختلاف اقوام و مذاہب کے سو یہ دلائل کامل و براہینِ مدلل کر بندی اوپر اندفاع اس قوم نصارا طاغی و باغی کے ہے۔ مناسب ہے کہ جو بھائی مسلمان اس خبر فرحت اثر کو سُنے وہ فوراً مستعد ہو کر ہمت جہاد باندھیں اور تا شہر الہ آباد تشریف لاویں اور قلعہ بند کفار نابکار کو قلع قمع کر کے بزورِ تیغ بیدریغ اپنی کے خاک میں ملا دیں اور باقی ماندوں کو اس ملک سے بھگا دیں ......"

ایک اور پوسٹر میں نظم کے کچھ شعر یہ تھے۔

واسطے دین کے لڑنا نہ پئے طمع بلاد ۔   اہلِ اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد
اے برادر تو حدیثِ نبوی کو سن لے   باغِ فردوس ہے تلوار کے سائے کے تلے
بارہ سو برس کے بعد آئی یہ دولت آگے   حیف اس دولتِ بیدار سے مومن بھاگے
بات ہم کام کی کہتے ہیں سنو اے یارو   وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو

شہر میں بھگدڑ سے انقلابیوں کے پاؤں اکھڑ گئے پھر بھی انہوں نے کئی معرکوں میں انگریزی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے خسرو باغ اور سرائے خلد آباد وغیرہ میں جم کر مقابلے کیے مولوی لیاقت علی نے ۷ ارجون کو شہر چھوڑ دیا، تین ہزار ساتھیوں کو لے کر سنگرور کیمپ ہوتے ہوئے نانا صاحب کے پاس کانپور پہنچے۔ مشہور ہے کہ دہلی بھی گئے اور شاہی فرمان حاصل کیا۔

انگریزی قبضہ ہو جانے کے بعد بھی یہاں انقلابیوں نے ہمت نہ ہاری اور ہر گاؤں میں مورچہ بندی کر کے مقابلے کی ٹھان لی۔ نیل نے انقلابی سرداروں کا سر کاٹنے پر انعام کا اعلان کیا مگر بیکار رہا۔ ایک انگریز افسر جو اپنی قوم کی لالچ پسندی ذہن میں لیے ہوئے ہے، حیرت سے لکھتا ہے :

> مجسٹریٹ نے باغیوں کے ایک ایسے سرغنہ کا سر لانے پر ایک ہزار روپیہ دینے کی پیش کش کی جو ہندوستانیوں میں کافی معروف تھا پھر بھی ہم سے ان کی نفرت و حقارت کا عالم یہ تھا کہ کوئی اسے حوالے کرنے کے لیے تیار نہ تھا“۔[1]

قرب و جوار میں مولوی لیاقت علی نے ایسی آگ لگا دی تھی کہ انگریز مدت تک

---

[1] 1. SAVARKAR: pp.201-202
CHARLES BALL: Vol.1
CHAUDHURI p. 90

چین سے نہ بیٹھ سکے نہ رسد مل سکی نہ سواری کے جانور نہ بیماروں کی ڈولی اُٹھانے کو کہار۔ عوام نے اتنا زبردست بائیکاٹ کیا کہ گورے کے ہاتھ روٹی بیچنے کے جرم میں ایک نان بائی کے ہاتھ اور ناک کاٹ لی گئی۔ اوپر سے آسمانی بلائیں بھی نازل ہوگئیں اور انگریزی فوج کو ہیضے نے آدبوچا۔

الٰہ آباد پر قبضے (۱۸ جون ۵۷ء) کے بعد عوام کو پھانسی دینے اور گاؤں کو آگ لگانے کا بنارسی ڈرامہ دہرایا گیا۔ جون ولیم کے کا خیال ہے کہ اندازاً چھ ہزار کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، سیکڑوں زندہ جلائے گئے لیکن الٰہ آباد کی شکست کا ایک سبق آموز پہلو بھی ہے جو خدنگ غدر" میں بیان کیا گیا ہے کہ یہاں خزانہ باغی سپاہ نے قبضے میں کرنے کے بعد نیت میں فتور آجانے کے سبب سے آپس میں تقسیم کر لیا اور کچھ شہر کے عوام نے لوٹ لیا۔ اسی بدنیتی کی سزا بھی قدرت کی طرف سے ملی چنانچہ معین الدین "خدنگ غدر" میں کہتا ہے کہ

> "اکثر سپاہی بہ سبب محبت روپے کے بستروں سے اُٹھ کر کہیں نہیں جاتے تھے۔ جب ایسے بلّے رُو بہ رُو قلعے کے گولی بندوق کی زد پر پہنچے تھے تو قلعے پر سے توپ بندوق کے چلتے ہی یکبارگی بھاگ بھاگ کر اپنے بستروں پر آجاتے تھے"

اکثر سپاہیوں نے روپیہ لے کر اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا۔ الٰہ آباد پر قبضے کے بعد جو ہولناک انتقام لیا گیا اس کا جائزہ ممکن نہیں۔ چند انگریزوں کی یادداشتیں اور زبانی روایات محفوظ ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو صرف اِس جُرم میں پھانسی دی گئی کہ وہ ہرے رنگ کے جھنڈے لے کر ڈھول بجاتے ہوئے نکلے تھے۔ الٰہ آباد کا ایک انگریز سوداگر باغیوں کا پتہ لگانے کے لیے مقرر کیا گیا جو بہت سے ہندوستانی سوداگروں کا قرض دار تھا، پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ اِن سب کو پھانسی دلوا دی۔ محلہ چوک میں نیم کے سات درختوں پر شہریوں کو پھانسی دی گئی۔ ان کے علاوہ سیکڑوں دوسرے درختوں پر یہ کام انجام دیا گیا۔ جارج کیمبل اقرار کرتا ہے کہ

"میں جانتا ہوں کہ الہ آباد میں بلا امتیاز قتل عام کیا گیا...... اور اس کے بعد نیل نے وہ کام کیے جو قتلِ عام سے بھی زیادہ معلوم ہوتے ہیں اس نے لوگوں کو جان بوجھ کر اس طرح کی تکلیفیں دے کر مارا جس طرح، جہاں تک ہمیں ثبوت ملے، ہندوستانیوں نے کبھی کسی کو نہیں دیں" [۱]

مشہور ہے کہ محلہ رسول پور اور صمد آباد موجودہ کمپنی باغ کے مقام پر تھے۔ چونکہ یہاں کے عوام نے بغاوت میں نمایاں حصّہ لیا اس لیے ان محلوں کو توپوں سے اُڑا دیا گیا۔ یہاں مشہور بزرگ مولانا عبدالرحیم جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ان کا بڑا بیٹا جنگ باز خاں بھی کام آیا، دو بیٹے حامد اور قادر بچ گئے۔ ان محلوں کی جگہ کمپنی باغ بنایا گیا اور اس نام کے محلے دوسری جگہ بنائے گئے۔ کئی مسجدوں اور مزاروں کے کھنڈر آج بھی کمپنی باغ کے اِردگرد باقی ہیں۔ قلعے کے نزدیک ایک عالی شان جامع مسجد تھی جو توپوں سے اُڑائی گئی، کھنڈر آج بھی موجود ہیں [۲]

گوپی گنج

بنارس کے قریب گوپی گنج میں چھاونی نہیں تھی۔ جولائی میں یہاں سے چھ میل دور ایک گاؤں میں بغاوت کی سازش ہونے کی خبر ملی، مجسٹریٹ وہاں پہنچا لیکن پتہ نہ چلا تو گاؤں جلا دیا گیا۔ جس پر عوام مشتعل ہو گئے اور مجسٹریٹ کی کوٹھی پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، سر کاٹ کر لاش سڑک پر پھینک دی، چند انگریز اور بھی مارے گئے۔ ستمبر ۵۸ء میں ان علاقوں میں باغیوں کی سرگرمیاں اور تنظیم انگریزوں کے لیے خطرناک

---

[۱] ایڈورڈ تھامپسن؛ اور سا اٹ آف دی میڈل (انقلاب ۵۷ء کا دوسرا رُخ)۔ ۸۱
چارلس بال۔ جلد اول ص ۲۵۷ بحوالہ سندر لال ۹۲ - ۹۰

[۲] صمدانی؛ تاریخ الہ آباد۔ ۲۸۴

صورت اختیار کر رہی تھیں یہاں تک کہ اودھ کے تعلقہ داروں نے گوپی گنج اور الہ آباد کے درمیان تمام علاقے پر قبضہ کر لیا اور پھاپھامئو بھی ان کے قبضے میں تھا۔ یہ تعلقہ دار سوراؤں نواب گنج۔ سکندرہ۔ جھوسی۔ مہیہ اور کیوائی وغیرہ سے آئے تھے۔ مجسٹریٹ نے اپنی رپورٹ میں اس خطرناک صورتِ حال کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی سرگرمیاں روز بروز بڑھتے پر ہیں[1]

الہ آباد ڈویژن بغاوت کے بعد

انگریزوں نے الہ آباد کو مرکز قرار دیا اور لارڈ کیننگ (گورنر جنرل) بھی کلکتے سے یہیں آگیا۔ کانپور سے محاصرے کی خبریں آنے پر اس نے ۳۰ جون کو میجر رنیاڈ کو روانہ کیا انگریز مورخ مارش مین نے لکھا ہے کہ "اس کی فوج نے اپنے پیچھے بوشِ انتقام کی علامتیں یعنی برباد شدہ گاؤں اور درختوں سے لٹکتی لاشیں چھوڑیں" ہیولاک کا کمانڈر مقرر ہوا۔ جو جنگِ ایران ختم ہونے پر یہاں پہنچا تھا۔ وہ کانپور کی طرف روانہ ہوا۔ نانا صاحب نے یہ خبر پاکر کچھ دستے مقابلے کے لیے بھیجے مگر اس سے پہلے ہیولاک بھی رنیاڈ سے آکر مل گیا تھا اور یہ فوجیں اب فتح پور کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

بریلی اور شاہجہانپور وغیرہ کی خبریں آنے پر فتح پور کے عوام میں بھی اشتعال پیدا ہوا اور ۹ جون ۵۷ء کو بغاوت شروع ہو گئی۔ جیل خانے، خزانے اور سرکاری عمارتوں پر حملے ہوئے، جج رابرٹ ٹکر مارا گیا، مشن کی بلڈنگ بھی جلادی گئی۔ شہری اور دیہاتی عوام شریک تھے۔ ڈپٹی مجسٹریٹ حکمت اللہ بھی سازش میں شریک رہا تھا جو چند دن پہلے انگریز مجسٹریٹ (جے ڈبلو شیرر) سے ملا اور دوستانہ جذبات کا اظہار کیا لیکن نانا صاحب سے نامہ و پیام کر کے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب شہر کے عوام ہتھیاروں سے مسلح ہو رہے تھے اور بہت سے زمینداروں نے بغاوت سے پہلے ہی میگزین وغیرہ جمع کرنا شروع کر دیا اور فوجی دستے ترتیب

---

[1] پارلیمنٹ (لندن) میں اہم کاغذات بحوالہ چودھری ۲۴ـ۲۳

دے رہے تھے۔ بغاوت شروع ہونے پر حکمت اللہ نے چکلے دار کا لقب اختیار کیا اور پروانے جاری کیے، انگریز باندہ کو فرار ہو گئے۔ سرکاری رپورٹوں کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں:

"ہمارے چاروں طرف تمام علاقے مسلح طور پر بغاوت پر آمادہ تھے۔ کانپور۔ فتح پور۔ الٰہ آباد۔ ہمیر پور۔ مہوبا..... علاقے باغیوں کے قبضے میں تھے ..... برہمن مذہبی نقطۂ نظر کے تحت باغیوں کے حامی تھے۔ مولوی اور پنڈت یقین رکھتے تھے کہ انگریزی راج اس سال ختم ہو جائے گا۔ تمام آبادی نے کھلے طور پر ہماری دشمنی کے کام انجام دیئے۔ ہر پرگنے، ہر ضلعے میں ..... چائل کی پوری پولس باغی تھی۔ یہاں تمام چپراسی، وفعدار، دفتری جمعدار وغیرہ کھلے عام باغیوں کے ساتھ تھے۔ پٹھان نمایاں تھے۔ تمام پولس باوردی مولوی کے ساتھ تھی" [۲]

۱۲ جولائی ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوجیں فتح پور پہنچیں۔ نانا صاحب کی فوج سے مقابلہ ہوا۔

---

[۱] فتح پور کے مجسٹریٹ شیرر نے یہ حال تفصیل سے لکھا ہے اور حکمت اللہ کو شرمیلا سا معمولی خدوخال کا انسان بتایا ہے۔ جو عادات و اطوار میں شان و شکوہ رکھتا تھا اگرچہ باغیوں کے ساتھ تھا لیکن قتل و غارت گری میں حصہ لینے کا قطعی اہل نہیں تھا بعد میں جو کاغذات برآمد ہوئے اُن سے ثابت ہوا کہ وہ نانا صاحب سے خط و کتابت کرتا رہا تھا۔ ایک خط میں اُس نے لکھا تھا کہ اُس نے انگریزوں کی ملازمت کر کے اپنا ایمان داغ دار کیا ہے۔ بعد میں مقدمہ چلایا گیا اور فیصلہ ہونے کے کچھ ہی دن بعد جیل ہی میں انتقال کر گیا۔

[۲] 2. SHERER: Daily Life pp.8, 15, 63

Freedom Struggle UP Vol.4 p. 559-60 , 577

CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 107

جن کی کمان ہولاس سنگھ۔ ٹیکا سنگھ۔ مولوی لیاقت علی اور جوالہ پرشاد کر رہے تھے۔ انھیں پسپا ہونا پڑا، انگریزی فوجیں شہر میں داخل ہوئیں اور آتش زنی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ اب انگریزی فوجیں کانپور کی طرف بڑھیں۔ ایڈورڈ تھامپسن اس فوج کی پیش قدمی کے بارے میں ہمیں زیادہ "تکلیف" میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا اور صرف یہ بتا کر کہ دیہات کو اُن کی تمام آبادی سمیت زندہ جلا دیا گیا، ان الفاظ کے ساتھ خاموشی اختیار کر لیتا ہے کہ:

"اگرچہ اُن بزدلانہ مظالم کے عینی شاہدوں کے تفصیلی بیانات میرے پاس موجود ہیں لیکن میں ناظرین کو اِن رنج زدہ واقعات کے مطالعے سے مزید تکلیف میں ڈالنا مناسب نہیں سمجھتا"۔[1]

اِن علاقوں کے انقلابی رہنماؤں میں مہاراج سنگھ۔ ولایت حسین اور جودھا سنگھ بھی قابلِ ذکر ہیں جو کلیان پور اور کھجوا میں دسمبر ۱۸۵۷ء تک سرگرم تھے۔ جودھا سنگھ اور رام بخش (تعلقہ دار دوندیا کھیڑہ) متحد ہو گئے۔ اودھ کے دو تعلقہ دار ہل بھگوان داس اور سردار سنگھ نے الٰہ آباد اور کانپور کے درمیان سلسلۂ رسل و رسائل توڑنے کی کوشش کی۔ گورودت سنگھ نے میواتیوں کو بھڑکایا۔ فتح پور سے بیس میل کندان پٹی پر ستمبر ۱۸۵۷ء میں ایک تصادم ہوا۔ چار ہزار انقلابیوں نے کھجوا گاؤں پر یکم نومبر ۱۸۵۷ء کو مقابلہ کیا اور بھاری نقصان پہنچایا۔ موضع رام پور کا مہاراج سنگھ۔ پرگنہ بندکی کا ذوالفقار بیگ اور محرم علی خاں نمایاں لیڈر تھے۔ مہاراج سنگھ نے شکست کے بعد دوبارہ حملہ کیا۔

بغاوت کی عوامی نوعیت الٰہ آباد ڈویژن کے حالات پر ڈبلو ٹی گروم ایک خط میں لکھتا ہے:

"ہم یہاں چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہیں، سپاہی، مسلمان، دیہاتی

---

[1] تھامپسن: انقلاب ۱۸۵۷ء تصویر کا دوسرا رخ۔ ۳۲

اور دراصل تمام انسانوں کے درمیان۔۔۔۔ تمام علاقے مسلح ہوکر ہمارے خلاف کھڑے ہیں" [1]

جنرل نیل نے سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا الہ آباد کو لکھا تھا کہ:

"بڑے سوداگروں کی اکثریت نے ہمارے خلاف بدترین جذبات ظاہر کیے ہیں، بہت سوں نے بغاوت میں نہایت ہی سرگرم حصہ لیا"

ڈبلیو۔ایچ رسل نے اپنی کتاب "مائی انڈین میوٹنی ڈائری" میں (ص ۲۷-۲۹) لکھا ہے:

"ہم یہاں مذہبی جنگ سے مقابل تھے نسلی جنگ ـــ انتقامی جنگ ـــ! جو قومی احساسات کے تحت اس امید پر جاری تھی کہ اجنبی اقتدار کا جُوا اُتار کر دیسی حکمرانوں کا راج پھر سے بحال کیا جائے۔"

پرگواں برہمنوں نے بغاوت میں شرکت کی اور ہندو عوام کو مسلمانوں کا پورا ساتھ دینے کے لیے آمادہ کیا۔ مسلمان معززین میں جو لوگ مولوی لیاقت کے ساتھ تھے اُن میں شیخ نیاز اشرف غلام اسمٰعیل۔ محمد حسین۔ چودھری میرن بخش۔ مولوی سید احمد علی۔ مولوی غلام حیدر۔ مولوی امجد علی۔ حسین علی خاں۔ شیر خاں۔ شیخ لطف علی خاں (راجہ سندھیا کا وزیر)۔ شیخ فتح علی (داروغہ) شیخ نجف علی نائب کونواں۔ نجف خاں نائب تھانے دار۔ مسعود علی ساکن بھیک پور۔ طاہر علی ساکن اوجھلینی۔ ثاقب علی ساکن جلال پور اور دلدار حسن وغیرہ تھے [2]

الہ آباد کے حالات

الہ آباد کافی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ کلکتے سے شمال مغرب کے علاقوں کے تمام راستے یہیں سے منسلک تھے، قلعے میں

۱؎ 1. GROOM: With Havelock pp. 6-8

۲؎ 2. CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 90-91, 107-108

میگزین اور ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ یہاں رجمنٹ نمبر۶ اور تقریباً دو سو سکھ سپاہی تھے۔ اس رجمنٹ نے اپنے انگریز افسروں کو بڑی خوبصورتی سے دھوکے میں رکھا۔ یہاں تک کہ انھیں گلے لگا کر گال تک چوم لیے لیکن اسی رات (۶ر جون) طے شدہ پلان کے مطابق بغاوت کرنا تھی۔ ان کی بیرکیں قلعے سے باہر تھیں۔ اچانک بگل بجا، انگریز افسر کھانا کھا رہے تھے کہ بغاوت شروع ہو گئی، بہت سے مارے گئے، باقی قلعے میں پناہ گزیں ہوئے۔ سوار پلٹن کو مدد کے لیے بلایا مگر وہ بھی باغیوں سے مل گئی البتہ سکھ پلٹن وفادار رہی اور قلعے پر باغیوں کا قبضہ نہ ہونے دیا۔ الہ آباد کے پنڈے تمام ہندو عوام میں بغاوت کی روح پھونکنے میں سرگرم تھے۔ ۷ر جون کی شام کو شہر اور چھاونی میں ہرے جھنڈے کا جلوس نکالا گیا، شہریوں اور سپاہیوں نے سلامی دی۔[۱] پرانے موروثی زمین داروں کو بحال کیا جن کی جائدادیں انگریزی نظام میں چھین لی گئی تھیں۔ کم سن لڑکے بھی ہرے جھنڈے لے کر نکلے۔ جون ولیم کے نے لکھا ہے کہ ”گنگا اور جمنا کے بیچ کے علاقوں میں دیہاتی عوام بھی بگڑ گئے..... تھوڑی ہی دیر میں ہندو یا مسلمان ایک بھی نہ بچا جو ہمارے خلاف نہ ہو گیا ہو“[۲]

دیسی فوج میں بغاوت کے لیے اس قدر ہوشیاری سے تمام سازش ہوئی کہ انگریزوں کو کانوں کان پتہ نہ چلا۔ انقلابی سپاہ کو بزرگ صوفی اور معزز مولوی ہدایت دے رہے تھے۔ چنانچہ دائرہ شاہ اجملؒ کے سجّادہ نشین کے بہت سے مرید دیسی سپاہ میں موجود تھے۔ جنھوں نے سازش مکمل ہو جانے پر سجّادہ نشین صاحب کو خفیہ طور پر اطلاع دی کہ بغاوت شروع

---

[۱] سندر لال: سن ستاون ۸۲-۸۲۔ واضح رہے کہ ہرا جھنڈا مغل سلطنت کا پرچم تھا جس پر نکلتے سورج کا نشان بنا ہوتا تھا۔ انگریزی مورخوں نے اسے ”محمدی جھنڈا“ کہہ کر دانستہ غلط فہمی پیدا کی ہے۔

[۲] جون کے۔ جلد دوم ص ۱۹۵ بحوالہ سندر لال ۸۴

ہونے والی ہے آپ حفاظت کا انتظام کر لیں [1]

آگ بھڑکتی رہی!

الٰہ آباد پر انگریزی قبضے کے باوجود اس تمام علاقے میں بغاوت دبائی نہ جا سکی۔ ستمبر ۵۷ء میں اکثر علاقے (مثلاً جھوسی وغیرہ) باغیوں کے قبضے میں تھے۔ اودھ کے تعلقہ دار اور مقامی زمیندار متحد ہو کر مع فوج کے بڑھ رہے تھے۔ انھوں نے مال گزاری جمع کی اور پولیس چوکیاں قائم کیں جیسے ڈبلو شیرر نے بھی لکھا ہے کہ ان کی سرگرمیاں بدستور جاری تھیں۔ مہدی حسن ناظم اور آغا عظیم علی نائب ناظم لکھنؤ سے ہدایات کے بموجب بنائے گئے تھے۔ ان کے ساتھ اودھ کے تعلقہ دار مثلاً رائے پرتھی پال سنگھ۔ رنجیت سنگھ (دودھ پور)۔ رنجیت سنگھ (علاقہ گورا)۔ کالکا بخش۔ سیتا بخش وغیرہ تھے جن کی فوجوں نے نصرت پور کے بینی بہادر سنگھ کے ساتھ مل کر پہلے مرزا پور۔ چوہاری۔ موتیوار۔ سکندرا۔ سوراؤں لیہہ اور کیوائی وغیرہ علاقوں پر قبضہ کیا اور نواب گنج تک قابض ہو گئے۔ راجہ بجے بہادر (پرتاپ گڑھ)۔ گلاب سنگھ۔ اجیت سنگھ۔ سرب دین (دیولی)۔ سلطنت بہادر (بائیس پور)۔ ایشوری بخش۔ چھتر پال سنگھ (سماپور) اور دیگر مقامی زمیندار بھی تھے۔ سوراؤں، گوپی گنج اور پھاپھامئو تک اُن کا قبضہ ہو گیا تھا۔ گوپی گنج کے مجسٹریٹ کی رپورٹ (۲۴ ستمبر ۵۷ء) میں ہے کہ "انگریزوں کو نکالنے اور برباد کرنے کے لیے دو گروہ متحد ہو گئے ہیں۔ ان کی پیش رفت تیزی اور باقاعدگی سے جاری ہے۔ انھوں نے تمام زمینداروں کو بلایا، خراج وصول کیا، ان کی طاقت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے وہ مال گزاری وصول کر رہے ہیں، پولیس مقرر کر رہے ہیں اور آبکاری محکمہ بھی ترتیب دے رہے ہیں" [2] فتح پور کے قریب کھکریرو میں باغی سپاہ بڑی تعداد میں موجود تھی۔ گورکھپور

---

[1] یہ واقعہ موجودہ سجادہ نشین شاہ عبید اللہ صاحب کی زبانی سنا اور عرس کمیٹی کی طرف سے شائع شدہ ایک کتابچے مؤلفہ پنوّلال میں بھی ذکر ہے۔

[2] کاغذات پارلیمنٹ لندن۔ بحوالہ چودھری ۲۴۴

ابھی تک ان کے قبضے میں تھا۔ اکتوبر ۱۸۵۷ء مہدی حسن دو ہزار فوج کے ساتھ حسن پور میں اور ڈوگرا فوجدار پرتاپ گڑھ میں فوج منظم کر رہے تھے سالون (رائے بریلی) کے نائب ناظم فضل عظیم اور روح الامین الہ آباد کے قریب سوراؤں پر قابض ہو گئے اُن کے ساتھ دیوان غلام مرتضیٰ شیو دت سنگھ دیارجن۔ دکل سنگھ (چوراسی کا)، سنگرام سنگھ (زمیندار شاہ پور) وغیرہ تھے۔ جنوری ۱۸۵۸ء تک بھی ان کی سرگرمیاں جاری تھیں اور ایک جنگ بمقام منیٹھا پر شکست کے بعد فضل عظیم بچ کر نکل گیا۔

یہ حالات علیحدہ باب 'آخری دور' میں نظر سے گزریں گے۔

نانا صاحب کا اہم اعلان

الہ آباد کانپور وغیرہ علاقوں میں بغاوت کے دوران نانا صاحب کی طرف سے بحکم شہنشاہِ دہلی ایک اہم اعلان جاری کیا گیا جس میں کہا گیا تھا:

"انگریز اس ملک میں تجارت کے بہانے آئے اور حاکموں میں بدنظمی پھیلا کر دھوکے اور فریب کی چالوں سے ہندو مسلمانوں کی ریاستیں چھین لیں۔ سابق حکمرانوں کو قید کیا اور فقیر بنادیا۔ یہ بات سب جانتے ہیں۔ پھر ہمارا مذہب بدلنا چاہا اور جب کامیاب نہ ہوئے تو طاقت کے استعمال کا ارادہ کیا۔ ظلم و زیادتی اور بے انصافیاں کیں۔ میں خدا کی طرف سے مامور کیا گیا ہوں کہ اِن فرنگیوں کو نیست و نابود کروں اور ہندو مسلمان ریاستیں دوبارہ قائم کروں۔ میں نے نربدا کا شمالی علاقہ فتح کرلیا ہے...... بہادرو! وقت آگیا ہے کہ اپنی تلواریں بے نیام کرو اور اس ظلم و زیادتی کا بدلہ لو جو تمہارے باپ دادا اور بادشاہوں کے ساتھ روا رکھی گئی......" (ترجمہ)

اشتہار کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

"بہ حکم عالی شان بندگی عالی حضور شہنشاہِ دہلی۔ راؤ پنت پردھان پیشوا نے جاری کیا۔"[1]

1. Freedom Struggle UP Vol.4 p. 589
Source Material for History of Freedom Movement Vol. 1 (Bombay)

الہ آباد کے قریبی علاقے

الہ آباد کے قریب تمام علاقوں میں بغاوت کی آگ اکتوبر ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد تک شعلے برسا رہی تھی باغی سپاہ مضبوطی سے جمع ہوکر باندہ، ریوا اور دوسرے علاقوں پر حملے کرتے تھے کوتھی اخبار انگلش مین نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۵۷ء کے شمارے میں خبر دی کہ مہدی علی خاں الہ آباد کا ناظم بن گیا ہے، اور سوراؤں پر خیمہ زن ہے جس کے ہمراہ سنگرام سنگھ اور بینی بہادر سنگھ وغیرہ چھ ہزار فوج اور چھ توپوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ لوگ چار آنہ فی روپیہ کے حساب سے ٹیکس وصول کر رہے ہیں سرکاری رپورٹ یہ تھی کہ تمام علاقہ انگریزوں کی دشمنی پر آمادہ ہے[1] اندیشہ تھا کہ نمبر ۵ بے قاعدہ رجمنٹ سہسرام سے آکر کنور سنگھ سے ملنے کے لیے ریوا ہوکر گزرے گی۔ اسی زمانے میں شاہ پور۔ رام گڑھ، سہاگ پور وغیرہ میں کھلی بغاوت ہو رہی تھی (ستمبر اکتوبر)۔ باندہ میں کنور سنگھ چار ہزار سپاہ کے ساتھ موجود تھا۔ مرزا پور میں ۱۰ جون کو ریلوے کی عمارتیں دن دہاڑے لوٹ لی گئیں۔ باغی سردار اودنت سنگھ (پرگنہ بدودہ) وغیرہ کی وجہ سے خطرناک صورت تھی۔ اودنت سنگھ کو پھانسی دی گئی تو باغیوں نے جوائنٹ مجسٹریٹ مور کو قتل کر دیا۔ جھوری سنگھ نے پالی کی نیل فیکٹری پر حملہ کیا جہاں مور پوشیدہ تھا۔ مغرب میں وجے گڑھ کے مقام پر لکشمن سنگھ ان کا رہنما تھا اور شاہ آباد کے انقلابیوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔ ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کو دینا پور کی باغی سپاہ کو مرزا پور کے قریب اموئی پر شکست ہوئی لیکن ۲۴ اگست کو کنور سنگھ کی آمد پر جس نے پناگڑھ سے گزر کر رام گڑھ پر کیمپ لگایا، عوام پھر کھلی بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ جب امر سنگھ یہاں سے گزرا تو بغاوت کے شعلے پھر بھڑکتے نظر آنے لگے۔ جھوری سنگھ نے آس پاس کے اضلاع میں عوام کو ساتھ لے کر اہم رول ادا کیا[2]

---

[1] بنارس وغیرہ کے سرکاری حکام کی رپورٹ۔ بحوالہ چودھری/ ۱۴۰، ۲۷۶

[2] چودھری: ۱۵۸

کان پور

کان پور کے واقعات اہمیت اِس لیے رکھتے ہیں کہ یہاں سے پانچ میل دور بٹھور میں پیشوا باجی راؤ کا خاندان ایک عظیم الشان قلعے میں اپنے متعلقین (تقریباً سولہ سو) کے ہمراہ جلا وطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ۱۸۱۸ء سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُن کی ریاست پر قبضہ کر کے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن مقرر کر دی تھی۔ باجی راؤ کے تین لے پالک بیٹے دھوندو پنت، نانا، سداشیو پنت دادا اور گنگادھر راؤ بالا تھے جن میں دادا راؤ ۱۸۵۷ء سے پہلے فوت ہو چکا تھا اور ایک بیٹا پانڈورنگا راؤ (معروف بہ راؤ صاحب) یادگار چھوڑا تھا۔ ۱۸۵۱ء میں باجی راؤ بھی فوت ہو گیا اور ایک وصیت کے ذریعے تمام جائداد کے حق دار نانا صاحب[1] قرار پائے۔

---

[1] دھوندو پنت نانا صاحب کی مہاراشٹر کے ایک گاؤں دینو میں غریب ماں باپ (مادھو راؤ نرائن بھٹ اور گنگا بائی) کے گھر ۱۸۲۴ء میں پیدائش ہوئی۔ باجی راؤ کی نیک دلی اور سخاوت کی شہرت سُن کر بہت سے خاندان بٹھور چلے آئے۔ انہی میں مادھو راؤ کا خاندان بھی تھا۔ ان کے تین سالہ بچے نے باجی راؤ کا دل موہ لیا اور ۷ رجنوری ۱۸۲۷ء کو اس بچے کو گود لے لیا گیا۔

نانا کی تعلیم و تربیت شاہی پیمانے پر ہوئی اور جاگیر دار سنگلی کی بھتیجی سے شادی ہوئی۔ وہ جانور پالنے، ہتھیار جمع کرنے اور سیر و شکار کے شوقین تھے۔ جون ولیم کے نے لکھا ہے کہ کسی غیر معقول عادت میں مبتلا نہ تھے۔ انگریزوں سے دوستی رکھی اور سیاست میں دِل چسپی تھی۔ بعض لوگ غلط فہمی سے نانا فرنویس سمجھ لیتے ہیں جبکہ نانا فرنویس اُس سے پچاس سال پہلے سلطان ٹیپو کے عہد میں مرہٹہ سردار تھا۔ شبیر نے نانا صاحب کو غیر اہم اور معمولی خد و خال کا آدمی بتایا ہے۔

باجی راؤ کے مرنے پر کمپنی کی طرف سے پنشن بند کر دی گئی۔ نانا صاحب نے اس پر احتجاج کیا اور ۱۸۵۴ء میں عظیم اللہ خاں کو انگلینڈ بھیجا لیکن ناکامی ہوئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اُن سے بٹھور کے مالکانہ حقوق بھی چھیننے پر تُلی ہوئی تھی۔ کہا یہ جارہا تھا کہ نانا پنشن کا ضرورت مند نہیں ہے کیونکہ باجی راؤ نے کافی جائداد چھوڑی ہے اس لیے انگریزی انصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ نہ صرف پنشن بند ہو بلکہ یہ دولت بھی کسی طرح اُن سے چھین لی جائے۔

عظیم اللہ خاں جس کا نام تاریخ کے صفحات پر نانا صاحب کے ساتھ روشن رہے گا، بغاوت کی اسکیم بنانے میں نمایاں ہے۔ اُس نے لندن میں ناکامی کے بعد یورپ، ٹرکی اور روس وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔ یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہماری نظر سے گزر چکے ہیں۔ ساورکر نے لکھا ہے:

> "۱۸۵۷ء کے کرداروں میں عظیم اللہ کا نام سب سے زیادہ روشن اور نمایاں کرداروں میں ایک ہے۔ جو دماغ سب سے پہلے جنگِ آزادی کے تصور سے متاثر ہوئے اُن میں عظیم اللہ کو نمایاں مقام دیا جانا چاہیئے۔ بغاوت کو منظم کرنے والی بہت سی اسکیموں میں عظیم اللہ کی اسکیمیں خصوصیت سے قابلِ غور ہیں۔"

نانا صاحب کا باغیانہ کردار

نانا صاحب اور کانپور کے حالات پر بے شمار انگریزوں کی یادداشتیں اور کتابیں ہیں جن میں ٹریولیان، موبرے تھامپسن، شیفرڈ، شیرر کی کتابیں، نانک چند کی ڈائری، پی سی گپتا کی حالیہ کتاب وغیرہ صرف کانپور کے واقعات پر ہیں۔ مسز ہورنسٹ انگلیس کی سرگذشت کا بڑا حصہ بھی کانپور سے متعلق ہے۔ مٹکاف نے لکھا ہے کہ مؤرخوں نے نانا صاحب کے کردار کو اچھی طرح نہیں جانچا کہ وہ کس طرح ہندو آبادی کو بغاوت کے لیے آمادہ کر رہا تھا۔ ہومز کا اندازہ ہے کہ وہ والیانِ ریاست کو بہت عرصے سے بغاوت کے لیے تیار کر رہا تھا۔ کرنل ولیمس نے بیان کیا ہے کہ بغاوت منظم کرنے میں بالا صاحب نے

ناناصاحب

بھی حصہ لیا، دو سوار یعنی بشن پور کے رحیم خاں اور باندہ کے مدد علی کو سپاہ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔[1] شیفرڈ کا خیال ہے کہ وہ بغاوت کے وقت کانپور میں موجود نہیں تھے۔ اور باغی جب نواب گنج گئے تب ناناصاحب نے اُن کی دعوت کی۔ ولیم کے نے ایک پیغام بر کے بیان کا ذکر کیا ہے جو میسور کے جوڈیشل کمشنر کے سامنے دیا گیا جس میں کہا گیا ہے کہ ناناصاحب نے کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور روس سے بھی پیام رسانی کی تھی۔ ہندو مسلمانوں نے مل کر یہ سازش کی تھی۔ روس کا جواب یہ تھا کہ "دہلی پر قبضہ کر لو تو امداد دی جا سکتی ہے"

بغاوت کا آغاز

۱۴ ارمئی ۵۷ء کو میرٹھ کی خبریں پہنچیں۔ انہی دنوں بازار میں نیا آٹا بکنے آیا جس کا نرخ کم تھا اور بدبودار بھی تھا۔ افواہ پھیل گئی کہ آٹے میں گائے اور سور کی ہڈیاں پیس کر ملا دی گئی ہیں۔ بے چینی پھیلنے لگی بغاوت کے آثار نظر آئے تو انگریز خوف زدہ ہو گئے۔ جنرل وہیلر نے پریڈ کے میدان میں محفوظ پناہ گاہ بنالی اور ناناصاحب سے کانپور کی حفاظت کے لیے درخواست کی۔ وہ ۲۱ مئی کو کچھ فوج لے کر کانپور آ گئے۔ وہیلر کی رائے سے تجویز ہوا کہ انگریز عورتیں اور بچے ان کے محل میں چلے جائیں۔ بغاوت کے خفیہ جلسے صوبہ دار ٹیکا سنگھ اور شمس الدین خاں کے مکان پر برابر ہو رہے تھے۔ یہاں ناناصاحب کے دو ملازم جوالا پرشاد اور محمود علی اُن کی نمائندگی کرتے تھے۔ انگریزوں کو عید کے دن (۲۵ مئی) بغاوت کا خطرہ تھا۔ یہ تاریخ گزرنے پر کچھ اطمینان ہو گیا۔ اور وہیلر نے کیننگ کو لکھا کہ اب کوئی خطرہ نہیں، (یکم جون)۔ چنانچہ الہ آباد سے آئے ہوئے دستے لکھنؤ روانہ کر دیئے گئے۔ کیونکہ انگریز تمام سازشوں سے بے خبر تھے۔ ۴ جون کی رات کو اچانک نمبر ۲ کیولری نے بغاوت کا آغاز کیا۔ فرسٹ انفینٹری نے ساتھ دیا۔ لیکن اپنے افسروں سے کوئی تصادم نہیں کیا۔ نمبر ۵۳ اور ۵۶ کے دستوں نے یہ رات

لے 1. Evidence of Kanpur by Col. Williams quoted by Chaudhuri p. 100

گزرنے کے بعد صبح کو بغاوت کی۔ بغاوت سے چند دن پہلے ناناصاحب۔عظیم اللہ۔ بالا۔رحیم خاں مدد علی اور دیسی فوج کے لیڈروں کے درمیان سوکھا گھاٹ پر خفیہ بات چیت بھی ہو چکی تھی۔ پروگرام کے مطابق باغی سپاہ نے نواب گنج کی طرف مارچ کیا جہاں کچہری کے قریب ناناصاحب کا کیمپ تھا۔ خزانہ (کلکٹری نواب گنج) ان کے قبضے میں آیا، قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اور میگزین پر بھی قبضہ ہو گیا۔ باغی فوجیں اب دہلی کی طرف بڑھنے لگیں اور پانچ میل دور کلیان پور پر ٹھہر گئیں۔ بعض مؤرخوں کا کہنا ہے کہ ناناصاحب اور باغی فوج کے درمیان پہلے سے کوئی رابطہ نہ تھا لیکن ایک بیان یہ بھی ہے کہ ناناصاحب کے دو سابق ملازموں رحیم علی اور مدد علی نے بغاوت منظم کرنے میں حصہ لیا۔ وہ صوبے دار شیوا سنگھ اور شمس الدین سے برابر رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ناناصاحب باغی فوج کو اپنی رہنمائی میں دہلی لے جانا چاہتے تھے چنانچہ کلیان پور تک ہمراہ گئے مگر عظیم اللہ نے وہیں رہ کر مقابلہ کرنے کی تجویز کی اور بالآخر یہی طے ہوا۔ چنانچہ ۶ جون کو یہ باغی سپاہ واپس کانپور آ گئی، انگریزوں کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر کے فائرنگ شروع کر دی، سرکاری عمارتوں اور بنگلوں کو آگ لگا دی گئی۔ لیکن محاصرے سے قبل ناناصاحب نے وہیلر کو حملے کی اطلاع دی اور اس کے بارہ گھنٹے بعد محاصرہ شروع ہوا صرف گولا باری کی گئی، عام حملہ نہیں کیا گیا۔ انگریزوں نے مقابلہ کیا اور یہ کام وہیلر کے بوڑھا ہونے کی وجہ سے کپتان مور کے سپرد ہوا۔[1]

مولوی سلامت اللہ اور اُن کے ساتھی

دین کے نام پر انقلاب کا پرچم بلند کرنے

---

[1] کنہیالال: محاربۂ عظیم۔ ۱۲۰ و گپتا ۷۰۔۶۹

·1. GUPTA (P.C): Nana Sahib pp. 69-70 SEN: p138 ۱۳۸ : سین

Freedom St. UP Vol. 4 p. 503 فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۴۔ ص ۵۰۳

والوں میں مولوی سلامت اللہ اور قاضی وصی الدین نے ناناصاحب کی حمایت کا اعلان کیا۔ عورتیں بھی میدان میں نکلیں جن میں عزیزن مردانہ لباس میں گھوڑے پر سوار ہوکر نکلتی تھی۔ ناناصاحب کو فوج نے سلامی دی، ٹیکا سنگھ کمانڈر مقرر ہوا۔ انتظامات عظیم اللہ۔ ہولاس سنگھ۔ شاہ علی۔ بابا بھٹ۔ جوالا پرشاد[1] اور رحیم خاں وغیرہ نے سنبھالے۔ ان کے علاوہ ننھے نواب۔ عظیم علی۔ آغا میر شاہ علی۔ باقر علی۔ احمد علی وکیل۔ اور مولوی عبدالرحمٰن قابلِ ذکر ہیں۔ بغاوت کے بعد قاضی وصی الدین کو توال مقرر ہوا (پہلے شیر علی تھا) پھر حاجی خاں (حاجی خانم) کا بیٹا اور پھر ہولاس سنگھ کو توال بنایا[2] احمد علی کو تحصیل دار اور پولس افسر بنایا گیا۔ پناہ گاہ پر حملے میں ایک مورچے کا لیڈر ننھے نواب تھا، پریڈ گراؤنڈ کی طرف باقر علی کمان کر رہا تھا۔ جنوب کی طرف ناناصاحب تھے۔ اور گدا حسین جو لکھنؤ سے فوج لے کر آیا، مدد کے لیے موجود تھا۔ ننھے نواب کے یہاں ہتھیار اور میگزین کا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔

پھوٹ ڈالنے کی کوشش ناکام

انگریزوں نے جاسوس چھوڑے کہ وہ شہریوں کو لالچ دیں اور کسی طرح باغیوں میں تفرقہ پیدا کرادیں، خود شیفرڈ بھیس بدل کر پناہ گاہ سے نکلا تاکہ ننھے نواب سے رابطہ قائم کر کے ناناصاحب کا مقابل بنادے اور پھوٹ ڈلوائے اس کام کے لیے اسے ایک لاکھ روپے کی پیش کش کرنے اور تاحیات پنشن کا وعدہ کرنے کا اختیار دیا گیا لیکن باغیوں کو اس پر شبہ ہوگیا اور اسے یہ کام کرنے سے پہلے ہی جیل میں بند کر دیا گیا۔ ننھے نواب کو ناناصاحب نے اس کے گھر (گلشن بازار) جاکر اپنے ہمراہ لیا تھا۔ اور ہاتھی پر سوار کرا کر لائے۔ محاصرے کے دوران دو مورچے نواب مذکور اور اسکے بھائیوں

---

[1] اس نام کے دو اشخاص تھے ایک رام لال ڈپٹی کلکٹر کے دفتر میں ملازم تھا۔ بعد میں اودھ میں ملازم رہا۔ ۱۸۵۷ء کے ایک دو سال بعد فوت ہوا۔ دوسرا ناناصاحب کا ملازم تھا جسے پھانسی ہوئی۔

[2] ہولاس سنگھ ولد رام سنگھ ذات کرمی، عمر ستر سال ساکن نونو گا ضلع فرخ آباد۔ بغاوت سے پہلے تھانے دار رہا مگر برخاست کیا گیا۔

کے سپرد تھے۔ انگریزوں کا ایک ہندوستانی جاسوس جنرل وہیلر کا خط چڑیا کے پروں میں چھپا کر لکھنؤ لے گیا۔ ایک اور انگریز نے جاسوسی کے لیے نکلنا چاہا مگر گرفتار کر کے ناناصاحب کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور مقدمہ چلا کر جیل بھیج دیا گیا۔

۲۲ جون ۵۷ء جنگ پلاسی کی سو سالہ یادگار کا دن تھا۔ موبرے تھامپسن نے اپنی کتاب "اسٹوری آف کانپور" میں لکھا ہے کہ اس دن باغی سپاہ نے پورے جوش و خروش سے انگریزوں کی پناہ گاہ پر حملہ کیا جس سے اُن کی ہمت بالکل ٹوٹ گئی اور ۲۵ جون کو صلح کا جھنڈا بلند کیا۔ ناناصاحب نے صلح منظور کر لی۔ موبرے تھامپسن کا بیان ہے کہ عظیم اللہ کی طرف سے یہ پیغام آیا کہ جو انگریز ڈلہوزی کی حرکتوں سے بے تعلق ہیں اور ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں وہ الہ آباد چلے جائیں۔

ناناصاحب کی شرافت

۲۶ جون کو صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے عظیم اللہ اور جوالا پرشاد گئے۔ نانا کی طرف سے کہدیا گیا کہ

> "کانپور چھوڑ دو، تمہاری جان بچ جائے گی اور اگر تمہارے سپاہی لڑنے کو تیار ہوں تو اپنی عورتوں اور بچوں کو الہ آباد چھوڑ آؤ...... ہم اس امر میں بدعہدی نہیں کریں گے۔ ہم جس کی دستگیری کرتے ہیں اور جو ہم پر اعتماد کرتا ہے ہم اُس سے دغا نہیں کرتے اور اگر اُس سے بھی دغا کریں تو خدا دیکھتا ہے۔ وہ ہم کو اُس کی سزا دے گا"[1]

لیکن اس شرافت اور سچائی کے پرستاروں نے مکاری اور عیاری سے مات کھائی۔

ہندوستان اور انگریز دونوں کی فطرت مختلف تھی اور دونوں اپنی فطرت سے مجبور۔

بعض انگریزوں کا بیان ہے کہ ناناصاحب خود انگریزوں کے پاس آئے اور مذکورہ الفاظ

---

[1] کنہیالال : محاربۂ عظیم۔ ۱۲۶

کہے۔ جنرل وہیلر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر آ گیا اور کہا کہ اگر تم کو بد عہدی کرنا ہے تو ہم کو یہیں ختم کر دو مگر نانا صاحب نے یقین دلایا کہ اُن کا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے۔ پھر نانا کے حکم سے انگریزوں کو الہ آباد پہنچانے کے لیے چالیس کشتیاں تیار کی گئیں اور نانا کے انہی دشمنوں کی زبانی سُنیئے کہ جب انگریزوں نے اُن کشتیوں کو پسند نہیں کیا تو فوراً سو مزدور لگا کر اِن کی مرمت کا حکم دیا گیا، آرام دِہ بنایا گیا، شامیانے، چھتریاں اور تمبو لگائے گئے، غلاف چڑھا کر خوب صورت بنایا گیا کھانے تیار کرا کر رکھے گئے، اناج وغیرہ رکھا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں کو گاڑیوں اور ہاتھیوں پر سوار کرا کر پناہ گاہ سے دریا تک لایا گیا۔ راستے میں دونوں طرف فوج کا پہرہ تھا۔ جنرل وہیلر کا خاندان ایک آراستہ ہاتھی پر تھا اور وہیلر خود پالکی میں تھا۔ اس طرح یہ لوگ عزّت و آرام کے ساتھ ستی چورا گھاٹ پر پہنچے اور کشتیوں میں سوار ہوئے۔ مسز ہورنسٹ انگلیسی اپنی سرگزشت میں کہتی ہے:

> "میں اور میرے بچے ایک گاڑی میں اور دوسرے لوگ اور گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دریا کے کنارے کی طرف جہاں بہت سی کشتیاں موجود تھیں چلے جاتے تھے۔ چونکہ نانا راؤ نے عہد کیا تھا کہ ہم کو نہایت عزّت و آبرو کے ساتھ اپنی حفاظت میں گنگا کے پار اتارے گا اس لیے ہماری حفاظت کو دونوں طرف مسلح سپاہی شفاخانے سے گنگا کے کنارے تک کھڑے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے ایک کثیر جماعت شہر کے تماشائیوں کی کھڑی ہوئی ہمارے جانے کا تماشا دیکھ رہی تھی" [1]

قتلِ عام اور اس کی وجہ

تانتیا ٹوپی، عظیم اللہ اور بالا صاحب قریب ہی ایک مندر کے چبوترے سے یہ سین دیکھ رہے تھے۔ جب انگریز

---

[1] ایام غدر مترجم ظفر حسن عاصی۔ ۱۷۰ (سرگذشت ہورنیسٹ انگلیسی)

سوار ہوگئے تو تانتیا ٹوپی نے ہاتھ ہلا کر کشتیوں کو چلنے کا اشارہ کیا۔ اچانک بندوق اور توپوں کی آوازیں آنے لگیں، انگریز بدحواسی میں کشتیوں سے کودنے لگے، کچھ ڈوبے کچھ بندوق سے ہلاک ہوئے۔ اِس قتلِ عام پر انگریز مورّخ اتنا بلبلائے ہیں کہ شاید آج تک ان کے دماغوں میں اسکی یاد محفوظ ہو گی لیکن اس کی اصل وجہ یورپین عورت ہورٹسٹ انگلیسی نے بیان کی ہے جو خود موقعے پر موجود تھی۔ کہتی ہے:

"اس کا سبب یہ تھا کہ جنرل ہیولاک جنرل وہیلر کی رہائی کی غرض سے کانپور کے نزدیک آیا ہوا تھا۔ جس وقت ہم کشتی میں بیٹھ کر عازم الہ آباد ہوئے، وہ بارود کا ڈھیر جو شفاخانے (انگریزوں کی پناہ گاہ) میں تھا، محافظوں کی غفلت سے جل اُٹھا۔ ہندوستانیوں نے خیال کیا کہ انگریز لوگ پھر جنگ پر آمادہ ہو گئے اور ابھی کانپور سے باہر نہیں گئے، جنرل ہیولاک کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں یہ وجہ تھی کہ ہم سب لوگوں کے قتلِ عام کا حکم دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب ہم لوگوں کی بے گناہی معلوم ہوئی تو نانا راؤ نے اُن لوگوں کو جو قتل سے محفوظ رہے تھے نجات دی۔" (ایامِ غدر)

انگریز مورّخوں نے اس قتلِ عام کا الزام نانا صاحب کے سر رکھا ہے اور اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کی حالانکہ جب اس فرانسیسی عورت انگلیسی کو معلوم ہے تو کیا اوروں کو معلوم نہ ہو گی؟ ___ لیکن اِن مورّخوں کو شاید یاد نہیں رہا کہ جس نانا کو ان کے قلم نے پاک باز، سخی، مہربان، اور بلند کردار لکھا، پسندیدہ عادات کا حامل بتایا، نامعقول عادتوں سے بری قرار دیا، جس نے حملے سے پہلے وہیلر کو آگاہ کیا، جس نے انگریزی جاسوس کو گولی مارنے کی بجائے قید کر دیا، جس نے پروردگارِ عالم کو درمیان کر کے اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا، وہ بدعہدی کر سکتا ہے؟ ___ جو ایک طرف تو یہ کہے کہ "عورتوں اور بچوں کو الہ آباد چھوڑ آؤ بعد میں آکر لڑنا۔" ___ دوسری طرف اِن نہتوں کا قتلِ عام کرے؟ ___ کس قدر عجیب بات ہے کہ پناہ گاہ سے نکلتے وقت تو اِن کو

چھوڑ دے۔ اور جب عزت و احترام کے ساتھ خوب صورت کشتیوں میں سوار کرا دے، کھانے پینے کا سامان مہیا کر دے تو اُن کے قتل عام کا حکم دے! اگر قتل ہی کرنا تھا تو کیا پناہ گاہ سے نکلتے وقت اُن کی ایک بوٹی بھی ہاتھ آسکتی تھی؟ پھر یہ کہ جب یہ سب پناہ گاہ سے دریا کو جا رہے تھے تو شہر کے تماشائیوں کا ایک ہجوم تھا جس نے دریا پر پہنچنے تک یوں بھی نہ کی۔ حالانکہ اُس وقت کانپور میں الہ آباد اور بنارس کے بے شمار ستم رسیدہ جمع تھے ___ وہ جن کی جائدادیں پھونک دی گئی تھیں، جن کے بیٹوں اور باپوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا، جنہیں 8 اور 9 کی شکل بنا کر پھانسیاں دی گئی تھیں، جن کے ننھے بچوں کو آگ میں بھونا گیا تھا۔ جن کے مذہب کو پاؤں تلے روندا گیا، جن کی قوم کو غلام بنالیا گیا تھا ___ اور یہ وہ تھے جن کے سینوں میں انتقام اور اشتعال کی آگ بھڑک رہی تھی ___ قتل ہی کرنا ہوتا تو یہ مشتعل ہجوم راہ میں ہی تکا بوٹی کر سکتا تھا۔

قتلِ عام کے بعد

ستی چورا گھاٹ پر جب قتل عام شروع ہوا تو عوام اور سپاہی بے تحاشا انگریزوں پر ٹوٹ پڑے لیکن غلط فہمی معلوم ہونے پر باقی کو پناہ دی گئی۔ تقریباً ایک سو پچیس[۱۲۵] میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ ناناصاحب کا ایک اشارہ پاتے ہی انگریزوں کے قتل کے لیے اُٹھے ہوئے ہاتھ فوراً ساکت ہو گئے۔ مسز ہورٹسٹ انگلیسی سے سُنیئے کہ:

> "اس درمیان میں نانا راؤ سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں وارد ہوا۔ اُس کے ایک اشارے سے تمام تلواریں نیام میں چلی گئیں اور نانا راؤ ہم سب کو اپنے آگے کر کے مثل قیدیوں کے شہر کی طرف روانہ ہوا"

یہ لوگ شہر میں ایک انگریز کے مکان میں رکھے گئے جو بی بی گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔ (بعض جگہ اسمبلی روم لکھا ہے)۔ اس مکان میں ہر طرح کا سامان اور آسانیاں فراہم کی گئیں، خدمت کے لیے نوکر رکھے گئے۔ اِن قیدیوں میں سے ایک عورت اپنے بیان میں کہتی ہے:

"جو بہشتی ناناصاحب نے قیدیوں کو پانی پلانے کے واسطے ملازم رکھا وہ میرے مالک کا قدیم نوکر تھا" [1]

اسی طرح مسز انگلیسی کہتی ہے:

"اس کے (ناناصاحب) حکم سے ہم لوگوں کو ایک انگریز سردار کے مکان میں جگہ دی گئی جہاں ہماری آسائش کا کافی سامان مہیا تھا لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی حکم تھا کہ اس مکان سے نکل کر کہیں باہر نہ جائیں"

(ص ۱۷)

ناناصاحب نے دہلی میں بہادر شاہ کو اطلاع بھیجی کہ اتنی انگریز عورتیں ان کے پاس قید ہیں۔ اِن کا کیا کیا جائے۔ جب باقی بچے ہوئے انگریز گرفتار کر کے لائے گئے تو کہا کہ "اِن کو قتل نہ کرو بلکہ قید رکھو" جب جنرل وہیلر پا بہ زنجیر حاضر کیا گیا تو کہا کہ "جنرل صاحب کے ہاتھ کھول دو" ــــ حقیقت یہ ہے کہ ناناصاحب نے اپنے ملک، قوم اور مذہب کے دشمنوں کے ساتھ اچھے سلوک کی مثال قایم کی ہے۔ اور وہ ظلم وستم نہیں کیا جو ایسے موقعوں پر دنیا میں ہوتا آیا ہے۔ جو بارہا انگلستان نے ہندوستان سے کیا۔ آسٹریا نے اٹلی سے، اسپین مُورس سے اور یونان نے ترکوں سے کیا تھا۔

ناناصاحب کی تخت نشینی اور جنگی تیاریاں

۲۸ جون ۵۷ء کو ناناصاحب نے دربار کیا، سب سے پہلے بہادر شاہ ظفر کی سلامی کے لیے ایک سو اکیس (۱۲۱) توپیں داغی گئیں، فوجی پریڈ ہوئی۔ ناناصاحب دربار میں آئے تو خوشی کے نعرے بلند ہوئے اور اکیس (۲۱) توپوں کی سلامی دی گئی۔ یکم جولائی کو تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی، انعام تقسیم ہوئے، شادیانے بجے لیکن سانس لینے کا بھی موقعہ نہ

---

[1] کنہیالال: محاربۂ عظیم ۱۲۷

کیونکہ انگریز حملے کی اسکیم بنا رہے تھے۔ الہ آباد سے رینالڈ آ رہا تھا۔ لہٰذا نانا صاحب نے بھی فوجیں روانہ کیں اور فوجی افسروں کو خط لکھے۔ ہولاس سنگھ کوتوال کے نام یکم جولائی ۵۷ء کو ایک خط میں لکھا:

"جبکہ خدا کی مہربانی اور شہنشاہ کے اقبال سے پونا اور پٹنا (بندیل کھنڈ کی ریاستیں) میں تمام انگریزوں کو جہنم رسید کر دیا گیا اور دہلی کے پانچ ہزار انگریز شاہی فوج نے نیست و نابود کر دیئے۔ تمہیں چاہیئے کہ یہ اعلان تمام علاقوں میں نقارہ بجا کر کرا دو۔" ؎۱

لکھنؤ کے فوجیوں کے نام خط مورخہ ۱۶ جولائی (۲۳ ذی قعد) کو لکھا:

"ایک ہزار انگریزی فوج چند توپوں کے ساتھ الہ آباد سے کانپور آ رہی ہے مقابلے کے لیے فوج بھیج دی گئی۔۔۔۔ تم فوراً بیسواڑہ کے علاقے سے کچھ دستے بھیجو تاکہ اُنہیں اسی طرف روک دیا جائے۔ میری فوج اِدھر سے بڑھ کر اُنہیں روکے گی اور اس طرح مشترکہ کوشش سے انگریزوں کو برباد کرنے کا کام انجام پا سکے گا۔۔۔۔ اگر اُنہیں تباہ نہ کیا گیا تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ دہلی کی طرف بڑھ جائیں گے اور اُنہیں روکا نہ جا سکے گا۔ دریا کے پار فوراً دستے روانہ کرو۔ شیو راج پور پر اُنہیں گھیرنے اور قتل کرنے کے لیے۔" ؎۲

رینالڈ فوج لے کر بڑھا، ہیولاک مدد کو آ گیا اور فتح گڑھ میں دونوں فوجیں یکجا ہو کر کانپور پر بڑھیں۔ پانڈو ندی کے کنارے بالا راؤ کی سرکردگی میں کانپور کی فوجوں نے مقابلہ

؎۱ 1. Freedom Struggle UP Vol.4 p.602, 611

؎۲ 2. Freedom Struggle UP Vol.4 p.602, 611

کیا، سخت جنگ ہوئی، بالاراؤ زخمی ہوا، انگریزی فوجیں کانپور سے قریب ہوگئیں (۱۵ رجولائی)۔

انگریز عورتوں کی شرارت

جن انگریز عورتوں کو قید کیا گیا تھا اُن کے بارے میں متعدد انگریزوں کے بیانات (مثلاً نیل کی رپورٹ) سے ثابت ہے کہ اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا گیا، بچوں کو دودھ دیا گیا، رکھوالی کے لیے آیا مقرر تھی، ایک بنگالی ڈاکٹر مقرر تھا۔ ہر روز تین بار باہر لایا جاتا تھا، اچھے کپڑے دیے گئے[1] لیکن باہر نکلنے کی سخت ممانعت تھی۔ اس کے باوجود کچھ عورتیں بیرونی لوگوں سے رابطہ قایم کرنے لگیں۔ مسز ٹسٹط انگلیسی بتاتی ہے کہ:

"اس درمیان میں کسی قسم کی تکلیف ہم کو نہیں ہوئی، بہت آرام سے زندگی بسر کی لیکن باوجود اس کے گو نانا راؤ نے اس مکان سے باہر جانے کی سخت ممانعت کردی تھی، چند انگریز عورتیں پھر بھی احاطے سے باہر چلی گئیں اور باہر کے لوگوں سے نامہ و پیام کرنے لگیں۔ خطوط پتھروں میں باندھ کر پھینکے جاتے۔ اسی طرح باہر کے خطوط اندر آتے تھے۔ بعض خطوں سے معلوم ہوا کہ انگریز فوج نے نانا راؤ کو شکست دی" (ص ۱۷۱)

یہ حرکتیں یقیناً ایسی نہ تھیں کہ نانا صاحب اور انقلابی عوام ان عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے مگر نانا صاحب نے صرف اُنہی عورتوں کو پکڑ کر قتل کرایا جن پر الزام پوری طرح ثابت ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ شہر کے عوام ان حرکتوں پر بے حد غصے میں تھے کہ انہی خطوط نے انگریزی فوجوں کی کانپور پر پیش قدمی میں رہنمائی کی تھی لہٰذا ان لوگوں نے غصے میں تمام عورتوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ صرف ایک عورت زندہ بچی جس کے چشم دید بیانات اس کی سرگزشت سے اوپر نقل کیے گئے۔ اس موقعے پر کہتی ہے:

---

[1] GUPTA: Nana Saheb p. 139

"اس کے بعد پھر بہت سے شہر والے ہمارے مجلس میں گھس آئے اور جلے پر حملہ کرنا شروع کر دیا"۔ ۱؎

نانا صاحب کے بارے میں کہتی ہے:

"میں نے نانا راؤ کو اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا، لوگ جو کچھ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں اس کو وہ جانیں مگر میں یہ کہتی ہوں کہ اس قتل و غارت کا باعث وہ نہیں تھا۔ یہ شخص زیادہ سے زیادہ تیس برس کی عمر کا ہوگا۔ چہرہ نہایت کشادہ، صورت نہایت شگفتہ، طبیعت نہایت اچھی، عادات پسندیدہ" ۲؎ (ص ۱۷۱)

نانا صاحب کا انتظام

کانپور میں نانا صاحب نے انتظامات سنبھالے تو بالا صاحب کو گورنر اور جوالا پرشاد کو کمانڈر انچیف بنایا گیا۔ ڈپٹی کلکٹر رام لال اور پانڈو رنگ راؤ صاحب نے خاص رول ادا کیا۔ مشاورتی کونسل نانا صاحب کی صدارت میں بنی جس میں بابا بھٹ۔ عظیم اللہ۔ احمد علی خاں۔ اکبر علی۔ احمد اللہ۔ شاہ علی۔ جوالا پرشاد۔ ٹیکا سنگھ اور مولوی لیاقت علی (الہ آباد) شامل تھے۔ ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ مولوی لیاقت علی کانپور میں محلہ موری ٹولہ میں بخشی کے مکان میں مقیم تھے اور ہمیشہ پچیس ۲۵ سواروں کے ہمراہ نکلتے تھے۔

ایک کونسل ضروری معاملات کو فوری طور پر طے کرنے کے لیے تھی جس میں بالا راؤ

۱؎ ۲؎ ہورٹسٹ انگلیسی فرانسیسی نژاد عورت تھی اس کی سرگزشت کا فارسی ترجمہ تہران میں بہ عنوان "ہورٹسٹ انگلیسی در بلوائے ہندوستان" (۱۸۹۳ء / ۱۳۱۱ھ) کیا گیا۔ مترجم محمد یوسف ہے۔ دوسرا ترجمہ ظفر حسن عاصی امروہوی نے بہ عنوان "ایام غدر" (۱۹۲۳ء) کیا۔ اسی سے اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

تانتیا ٹوپی اور عظیم اللہ شامل تھے۔ مقدمات کے لیے کچہری قایم ہوئی جس میں بابا بھٹ۔ عظیم اللہ۔ شاہ علی۔ احمد علی خاں وکیل اور فتح رام وغیرہ تھے۔ قاضی وصی الدین پولس آفیسر، چودھری جنی سنگھ تھانہ دار، ہولاس سنگھ کوتوال مقرر ہوئے۔ پولس کا انچارج مصطفےٰ خاں تھا۔ گولا بارود کی تیاری پر امام علی مقرر ہوا۔ سابق کوتوال شاہ علی کو محکمہ جاسوسی سونپا گیا۔ عظیم بیگ اور کریم علی ریکارڈ کیپر تھے اور دیوان راؤ میگزین کا انچارج۔ لال پوری گوشائیں نے ہاتھی پر جھنڈا بلند کر کے گشت کی، گنگا گنج کے کوبر سنگھ نے آس پاس کے علاقوں میں بغاوت کو ہوا دی۔ مولوی سلامت اللہ نے جلوس کی صورت میں گشت کیا۔ ریاض علی نے انگریزوں کی پناہ گاہ پر سب سے پہلے حملہ کیا۔ کالکا ہتی سنگھ اور چندی سنگھ وغیرہ نے فوج منظم کی، ستی پرشاد اور محمد طاہر نے نمایاں حصّہ لیا۔ پیشہ ور طبقے کے پانچ ہزار افراد جن میں چوڑی والے اور موچی شامل تھے، بغاوت میں شریک ہوئے۔ سرکاری رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ کانپور کے عوام نے وسیع پیمانے پر بغاوت کی۔ دور دور کے گاؤں اور آس پاس کے زمیں دار شریک تھے۔ نانک چند کی ڈائری یہ تمام تفصیلات مہیا کرتی ہے [1]۔

کانپور کے انقلابی

جن لوگوں نے نمایاں حصہ لیا اُن میں کا کا دیو اور ساسا مئو وغیرہ کے کرمی، چوہان اور راجپوت تھے۔ متھری سنگھ۔ بھدر سنگھ۔ پربوری سنگھ۔ روپ سنگھ۔ رام بخش۔ بھوج سنگھ۔ دیبی سنگھ۔ وجے سنگھ۔ بلدیو سنگھ وغیرہ نے عوام کو کمربستہ کرنے میں رہنمائی کی۔ راجہ ستی پرشاد نے سیونی اور بلہر میں بغاوت شروع کی۔ شکھ راج کے تعلقہ دار نے مدد کی۔ موضع نانا مئو کا ماتی سنگھ باغی رہنما تھا۔ اِن لوگوں نے انگریزی راج دوبارہ قایم ہونے پر بھی جد وجہد جاری رکھی۔ دیگر سرداروں میں رسول آباد کا ہیرا سنگھ، اکھرسہ کا بھوانی سنگھ۔ گجنیر کا لال من سنگھ۔ خان پور کا مانک سنگھ اور الیسری سنگھ۔ سوتی کا جواہر سنگھ

---

[1] ایس بی چودھری: بحوالہ فارسٹ اور نانک چند وغیرہ/ ۱۰۲ ـــ ۱۰۰

اور امراؤ سنگھ۔ علی گڑھ کے ایک شخص امراؤ سنگھ نے اپنی خدمات بہادر شاہ کو پیش کی تھیں۔ اسی نام کا ایک شخص سہارنپور میں سرگرم تھا۔ نہ جانے یہ ایک ہی شخص ہے یا دو ہم نام ہیں[1] چکانی کے راجہ نے تمام زمینداروں سے فوج بھرتی کرنے کا مطالبہ کیا۔ سرکاری رپورٹ کے بموجب وسط جولائی ۵۷ء میں ہر طبقے کے بیس ہزار مسلح آدمی کانپور میں تھے (نانک چند اٹھاون ہزار بتاتا ہے) جن میں گور اور چوہان قبیلے کے علاوہ نار کے راجہ دیریا سنگھ، بھوار اور چندیلہ قبیلے پالی کے زمیندار وغیرہ مع فوجوں کے شامل تھے۔ رسول آباد کے منصب علی پناہ علی اور مبارک علی تین ہزار آدمی لائے (جون ۵۷ء) سابق تحصیل داروں میں جاجامئو کے شاہ علی۔ ساداسلیم پور کے مہاراج بخش، اکبرپور کے لچھمن پرشاد، بلہر کے محمد نذر، بٹھور کے احمد اللہ نے عملی طور پر ناناصاحب کی مدد کی۔ انگریزی قبضے کے بعد بھی ان لوگوں نے ہتھیار نہیں ڈالے۔ گام قبیلے کے بھوانی سنگھ کی قیادت میں جدوجہد جاری رہی۔ مدھر سنگھ اور ایسری سنگھ بھی اسی طرح مقابلہ کرتے رہے۔ ایسری سنگھ ایک بااثر لیڈر تھا۔ بورے، نومبر ۵۷ء تک سرگرم رہنے کے بعد کالپی چلا گیا اور ۱۱ جنوری ۵۸ء کو سکندرہ پر حملہ آور ہوا۔ راجپوت راجاؤں خصوصاً سکندرہ کے راجہ بھاؤ اور گلاب سنگھ نے اپنے علاقوں میں مورچے بنائے۔ انہیں کچلنے کے لیے انگریزوں کو پھر فوج کشی کرنا پڑی۔ گور قبیلے کے نانک سنگھ نے کانپور کی شکست کے بعد ناناصاحب کو دوبارہ حملہ کرنے کی دعوت دی۔

ناناصاحب کی شکست

ہیولاک اور رینالڈ[2] کی فوجیں فتح پور پر یکجا ہو کر کانپور پر حملہ آور ہوئیں۔ ناناصاحب نے مقابلے کے لیے فوجی دستے روانہ کیے اور فتح پور کے قریب ۱۴ جولائی ۵۷ء کو انہیں اچانک جنگ پر مجبور

---

[1] چودھری۔ ۱۰۳

[2] رینالڈ جنگ میں زخمی ہوا اور جولائی اگست ۵۷ء میں سوادا کوٹھی ہسپتال کانپور میں مرگیا۔

کر دیا مگر کامیابی نہ ہوئی، انگریزی فوجیں فتح پور پر قابض ہوگئیں اور انقلابیوں کا سامانِ جنگ بھی اُن کے ہاتھ لگا۔ ہیولاک نے کلیان پور پہنچ کر کمانڈر انچیف کو لکھا کہ وہ ۱۶ر جولائی کو کانپور پہنچ جائے گا لیکن آنگ کے مقام پر پھر نانا صاحب کی فوج سے جنگ کرنا پڑی[1] نانا صاحب کی پیچھے ہٹتی ہوئی فوج نے پانڈو ندی کا پُل توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی اور انگریزی فوجیں کانپور سے چھ[4] میل مہاراج پور میں آگئیں۔ ہیولاک کے جاسوس چاروں طرف چھپے ہوئے تھے۔ اور پوری تفصیلات بہم پہنچا رہے تھے۔ گرانڈ ٹرنک روڈ اور کانپور چھاونی کی سڑک کے کنارے تصادم ہوا۔ یہاں دو زبردست معرکے ہوئے۔ انقلابی فوجیں بٹھور کی طرف پسپا ہوگئیں۔ ہیولاک نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ کانپور کی اس جنگ میں نانا کی فوجیں جس استقلال اور پامردی کا مظاہرہ کر رہی تھیں وہ میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھا[2] انگریز مورّخوں مثلاً شیرر نے اعتراف کیا ہے کہ یہاں باغیوں نے بڑی ہوشیاری سے سُرنگیں بنا کر دفاع کیا اور سنگینوں کی مدد سے بمشکل اُنہیں دھکیلا گیا۔ انگریزی فوج کے جاسوس تمام خبریں پہنچاتے رہے جن میں انجور تیواری قابلِ ذکر ہے۔ جس کی فراہم کردہ اطلاعات پر جنگ کا پلان بنایا گیا۔

۱۷ر جولائی کو جب انگریزی فوجیں کانپور میں داخل ہوئیں تو یہاں کے تمام انگریزوں کا خاتمہ ہو چکا تھا سوائے ایک عورت کے جو یہ داستان سنانے کے لیے زندہ تھی۔

عام شہریوں پر مظالم

کانپور پر قبضے کے بعد یہاں کے باشندوں پر ہولناک مظالم ہوئے۔ ہر جنوں کو انگریزوں کا خون چاٹنے اور دھونے کا

۱-۲ 1,2. GUPTA: Nana Saheb & Rising at Kanpur pp. 130-138

FORREST: State Papers Vol.2 pp. 88-91

SHERER: Daily Life ... p. 99

حکم ہوا۔ بے قصوروں کے گروہ پھانسی پانے لگے۔ چارلس بال کہتا ہے:

"بعض باغیوں نے ضبط و استقلال کی جو مثال مرتے وقت پیش کی وہ ایسی ہی تھی جیسی کہ کسی بلند اصول سے عقیدت رکھنے والے شہیدوں کی ہوا کرتی ہے۔ ایک شخص جو نانا صاحب کے دور میں کانپور کا مجسٹریٹ تھا، گرفتار ہوا اور مقدمہ چلایا گیا مگر وہ تمام کارروائی کو اس قدر لاپرواہی سے دیکھ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہو...... ذرا سی بھی چوں چرا کیے بغیر وہ پھانسی کے تختے پر اس طرح چڑھ گیا جیسے کوئی جوگی سمادھی میں داخل ہو رہا ہو،،

کانپور شکست کے بعد

جنرل نیل کو بریگیڈیر جنرل کا عہدہ مل چکا تھا (۱۲ر جولائی ۱۸۵۷ء) وہ ۲۰ر جولائی کو الہ آباد سے کانپور پہنچا اسے کانپور پر انگریزی قبضے کی خبر مل چکی تھی۔ نواب گنج میں مقیم فوج سے انگریزوں کی پوزیشن مضبوط ہو گئی اُن کی پُشت پر شہر، داہنی طرف گنگا اور بائیں کو نہر تھی وہ بٹھور اور کانپور کے درمیان میں تھے۔ بٹھور کی طرف سے حملے کا خطرہ تھا مگر حملہ نہ ہوا، اور نانا صاحب وسائل کی کمی کے سبب سے فوج منظّم نہ کر سکے اور ۱۷ر جولائی کو اودھ چلے گئے۔ ۱۹ر جولائی کو انگریزی فوجیں بٹھور میں داخل ہوئیں۔ نانا کے محل کو لوٹ کر آگ لگا دی گئی۔ کانپور کے ڈپٹی کلکٹر رام لال کو پھانسی دی گئی (۱۹ر جولائی ۱۸۵۷ء)۔ مہینہ بھر بعد مسمار شدہ محلات پر غصّہ پھر اتارا گیا۔

ہیولاک پھر کانپور میں

ہیولاک نے ۲۴ر جولائی کو دریا پار کر کے اودھ کے حدود میں آ گیا اور نیل کو کانپور کی حفاظت کے لیے چھوڑ گیا۔ نانا پہلے ٹیکاپور گھاٹ (جولائی اگست ۱۸۵۷ء) اور پھر اکتوبر میں فتح پور چوراسی میں تھے۔

ہیولاک کو اودھ میں داخل ہو کر متعدد جنگیں اناؤ۔ بشیرت گنج اور فتح پور چوراسی وغیرہ میں کرنا پڑیں جن کا حال اودھ کے حالات میں نظر سے گزرے گا۔ آخر کار ۱۳ر اگست ۱۸۵۷ء

کو جب وہ کانپور کی طرف واپس ہو رہا تھا تو نانا کی فوج بٹھور میں پھر مقابلے کے لیے تیار تھی کیونکہ کانپور پر شکست کے بعد انقلابی فوجیں اور عوام برابر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ ۱۶ اگست کو بٹھور میں نانا کی فوجوں سے پھر تصادم ہوا۔ نانا کی فوج پسپا ہوئی، لیکن اسی دوران گوالیار کی فوجوں نے بغاوت کر دی اور تانتیا ٹوپی[1] کی رہنمائی میں کالپی آ گئیں۔ اُدھر اودھ کی باغی فوج بائیں طرف سے بڑھ رہی تھی۔ ہیولاک چاروں طرف سے گھر گیا تو گھبرا کر گورنر جنرل کو مدد کے لیے لکھا۔ اس نے لکھا کہ گوالیار کی باغی فوج پانچ ہزار ہے جس کے پاس بیس بائیس بہترین توپیں اور سامانِ جنگ ہے۔ نیل کی رپورٹ کے بموجب ۲۴ اگست کو بھی انقلابی توپیں انگریزی کیمپ پر گولہ باری کر رہی تھیں اور بٹھور سے مغرب کا علاقہ نانا کے قبضے میں تھا۔[2]

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ہیولاک کی فوجوں نے گنگا پار کر کے لکھنؤ کی طرف بڑھنا شروع کیا اوٹرم اور نیل بھی ساتھ تھے۔ اگست میں کولن کیمپبل کمانڈر انچیف بنا دیا گیا تھا۔ اسی دوران دہلی کی شکست کے بعد واپس لوٹتے ہوئے باغی سپاہی سامانِ جنگ اور خزانہ وغیرہ لے کر آئے اور بٹھور کے قریب جمع ہونے لگے۔ نانا صاحب ان کو منظم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب چندر نگر (بنگال) جا کر، جو فرانس کا علاقہ تھا، نپولین سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دو نمایندے چندر نگر پہنچے بھی تھے۔ چنانچہ اپنے ایک خط (اپریل ۱۸۵۹ء) میں نانا نے اس نامہ و پیام کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرانسیسی افسروں سے جو خط و کتابت کی گئی وہ فرانس

---

[1] تانتیا ٹوپی کا اصل نام رام چندر راؤ پانڈو رانگا ہے۔ اس کا باپ پانڈو رنگ بھٹ باجی راؤ ثانی کا ملازم تھا۔ تانتیا ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں اس کا خاندان باجی راؤ کے ساتھ بٹھور آ گیا۔

[2] FORREST: State Papers II pp. 205, 211

کی نیشنل ببلوگرافی (Bibliotheque Nationale) میں اور نیشنل آرکائیوز دہلی میں موجود ہے۔ ؎۱

۹ر نومبر ۱۸۵۷ء کو ونڈہم کی ماتحتی میں کچھ فوج کانپور میں چھوڑ کر کالن کیمپبل لکھنؤ کی طرف بڑھا۔

نادر خاں

اسی دوران فتح گڑھ میں بھی تصادم ہوا اور انقلابی پسپا ہوئے۔ یہاں ناناصاحب کے ایک ساتھی نادر خاں کو پھانسی دی گئی جو متعدد جنگوں میں بہادری کا حیرت انگیز مظاہرہ کر چکا تھا۔ انگریز مؤرخ چارلس بال اس حقیقت کا گواہ ہے کہ پھانسی پاتے وقت نادر خاں نے ہم وطنوں کو پکار کر کہا:

"اپنی تلواریں اُس وقت تک میان میں نہ کرنا جب تک انگریزوں کو ختم کر کے آزادی حاصل نہ ہو جائے" ؎۲

Calling upon the people of India to draw their swords and assert their independence by extermination of the English." (Charles Ball: Indian Mutiny Vol. 2 p.232

تانتیا ٹوپی کا حملہ

گوالیار کی باغی فوج نے تانتیا کی رہنمائی میں ۲۶ر نومبر کو حملہ کیا اور پانڈو ندی پر تصادم کے بعد شہر میں داخل ہو گئیں۔ ونڈہم نے گھبرا کر کمانڈر انچیف کو پیغامات بھیجنے شروع کیے اور کالن کیمپبل پھر کانپور کی طرف بڑھا۔

؎۱ 1. Foreign Political proc. 27th Nov. 1859

؎۲ Gupta pp. 158-159

2. Savarkar: p. 394

اس دوران تانتیا کی فوج نے ۲۷ نومبر کو زبردست گولہ باری شروع کر دی اور پناہ گاہ پر حملہ کیا جس سے انگریزوں میں بھگدڑ مچ گئی، بدنظمی اور انتشار برپا ہو گیا۔ [1] ۲۸ نومبر کو تانتیا کا شہر پر قبضہ ہو چکا تھا۔ انگریزی فوج سے پھر تصادم ہوا۔ انقلابی فوجیں نواب گنج کے پہلو سے بڑھنے لگیں۔ بڑے بڑے انگریز افسر مارے گئے، فوج تباہ ہو گئی۔ اس جنگ کا حال ڈبلو شیرر نے بھی اپنی کتاب (ڈیلی لائف ڈیورنگ میوٹنی) میں بیان کیا ہے (ص ۱۴۲-۱۴۰)۔ اب تانتیا کی فوج نے کانپور کی طرف بڑھتے ہوئے کالن کیمپل کو راستے ہی میں جا لیا تاکہ پل پار نہ کر سکے لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ۳۰ نومبر کو پل پار کر کے کالن کانپور میں داخل ہو گیا۔

تانتیا کی فوج کانپور کو گھیرے ہوئے تھی۔ بائیں طرف پرانی چھاونی (گنگا کے قریب) تک فوجوں کا قبضہ تھا اور ان کا مرکز شہر کے بیچ میں تھا۔ [2] کولن کیمپل نے داہنی طرف سے حملہ کیا۔ تانتیا کی فوج پسپا ہو کر منتشر ہو گئی، نانا لکھنؤ کی طرف نکل گئے۔ تقریباً ایک ماہ تک خزانوں اور قیمتی سامان کو لوٹا گیا۔ تانتیا کے بیان کے مطابق نانا پہلے کالپی گئے اور اودھ کی باغی فوج کی کمان سنبھالی جو وہاں مقیم تھی۔

نانا صاحب کے اعلانات

سندھیا کے وزیر دنکر راؤ کا بیان تھا کہ ۱۸۵۸ء کے ابتدائی مہینوں میں نانا صاحب لکھنؤ سے چالیس میل دور ایک قلعے میں جہاں ان کے خاندان کی عورتوں کے علاوہ دو پلٹنیں اور دس ہزار زمین دار وغیرہ تھے۔ تانتیا کالپی سے فرمان جاری کر رہا تھا جن میں تمام دکھن اور کرناٹک وغیرہ کے

---

1. Gupta p. 161 — ۱ھ

2. GUPTA Nana Saheb p. 163 — ۲ھ

تانتیا ٹوپے

سرداروں کو دعوت دی گئی تھی کہ فرنگیوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے کھڑے ہوں۔ یہ اعلانات "دھوندو پنت نانا پیشوا پردھان" کی طرف سے اور شہنشاہِ دہلی کے حکم سے جاری کیے جا رہے تھے۔[1]
نانا صاحب کی موجودگی کے بارے میں مختلف افواہیں تھیں۔ چنانچہ فروری ۱۸۵۸ء کی افواہ تھی کہ انگریزی کیمپ سے پچیس[۲۵] میل دور فتح پور چوراسی کے قلعے میں ہیں۔ لیکن جب ہوپ گرانٹ وہاں پہنچا تو یہاں سے بھی جا چکے تھے، افواہ تھی کہ بندیل کھنڈ کی سرحد کے قریب ہیں۔ مارچ کے آخر میں وہ شاہجہانپور ہو کر بریلی پہنچے۔

نانا صاحب کے چند ہمراہی

نانا صاحب کے ساتھیوں میں کانپور کے نواب خاندان کے دو بھائی ننھے نواب اور باقر علی تھے۔ بعض جگہ بیان ہے کہ ننھے نواب کو نانا نے مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا۔ یہ تین بھائی تھے۔ شیرر نے لکھا ہے کہ دو بھائی تو یقیناً نانا کے ساتھ تھے مگر ننھے نواب کے بارے میں خیال ہے کہ وہ انگریزوں کا 'وفادار' تھا۔ وہ بغاوت کے تقریباً سال بھر بعد مکہ چلا گیا۔ کانپور پر قبضے کے بعد باقر علی کے شاندار مکان میں انگریزی کیمپ بنایا گیا۔ اور نیپال کے راجہ کو سوادا کوٹھی میں ٹھہرایا گیا۔ دہلی کے تھانے دار، معین الدین نے اپنی یادداشت "خدنگِ غدر" میں لکھا ہے کہ ننھے نواب، نظام الدولہ اور باقر علی پسران معتمد الدولہ تین بھائی کانپور کی شکست کے بعد یہاں سے نکل گئے۔ ننھے نواب اپنی چالاکی سے واپس کانپور آگیا، انگریزوں نے اس کی خاطر مدارات کی اور وہ انگریزی فوج کے ساتھ لکھنؤ گیا۔ پھر کانپور پہ دوبارہ جنگ کے وقت لکھنؤ سے واپس آیا اور انگریزوں کا حامی ہو گیا، گلشن بازار میں رہتا تھا۔

---

1. GUPTA (P.C): p. 166

Foreign Sec. Proc. 28th May 1858 (177-9)

(اس اعلان کا ترجمہ الہ آباد کے حالات میں نظر سے گزرے گا۔)

ناناصاحب کا ایک اور ساتھی بابا بھٹ تھا جو انتظامات میں خاص رول ادا کر رہا تھا۔ کانپور کی شکست کے بعد اس کی قیام گاہ سے اہم ترین کاغذات انگریزوں کے ہاتھ آئے اُن کاغذات سے یہ بھی پتہ چلا کہ بڑے بڑے ہندوستانی عہدہ دار خفیہ طور پر بغاوت کی سازشوں میں شریک رہے ہیں۔

کانپور میں انقلابیوں کی پھانسیوں کا نظارہ شیرر کے الفاظ میں کیجئے:

"جن لوگوں کو پھانسی دی گئی وہ غیر معمولی دلیری اور ہمت کے ساتھ موت سے ہم کنار ہوئے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مسلمانوں کے چہروں پر ناراضگی اور حقارت آمیز تبسم تھا اور ہندوؤں کے چہروں پر بظاہر نہایت تعجب خیز لاپرواہی ..... کچھ ہندوؤں نے تو موت کا بالکل اس طرح سامنا کیا گویا وہ کوئی سفر کرنے جا رہے ہوں"۔[1]

آس پاس کے با اثر زمیندار برابر بغاوت میں شریک رہے چنانچہ اکتوبر ۵۷ء میں گوالیار اور اندور کی باغی سپاہ کے دستے کانپور کی طرف بڑھے تو اکبر پور اور بھوگنی پور وغیرہ کے زمینداروں نے ان کو رسد پہنچائی۔ اکتوبر میں یہ سرگرمیاں پورے عروج پر تھیں۔ گوپی گنج کے جوائنٹ مجسٹریٹ کی رپورٹ میں اقرار ہے کہ انگریزی اقتدار کے علاقوں میں گاؤں کے عوام کی وفاداریاں مشتبہ تھیں۔[2]

ناناصاحب کے ساتھیوں میں جوالا پرشاد نام کے دو اشخاص تھے جیسا کہ ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ مہاراج بخش تحصیل دار ساداسلیم پور ساکن بندکی ضلع کانپور بھی خاص آدمی تھا، بعد میں لاپتہ ہو گیا۔ لچھمن پرشاد تحصیل دار اکبر پور نے بھی مال گزاری وصول کر کے بھیجی، بغاوت کے

---

[1] SHERER: Daily Life pp. 108-109

[2] CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 38

بعد لاپتہ ہوگیا۔ احمد اللہ تحصیل دار بٹھور ساکن ضلع الہ آباد نانا کے دربار میں حاضر رہا۔ بغاوت کا خاص سرغنہ تھا۔ رام لال کے ساتھ انتظامات میں شریک رہا جو کانپور کا ڈپٹی کلکٹر تھا، ۱۹ جولائی ۵۷ء کو ہیولاک کے کیمپ میں پھانسی دی گئی۔ احمد علی تحصیل دار نے کالپی وغیرہ کے درمیان خط وکتابت کا سلسلہ قائم کیا جہاں نانا نے قیام کیا تھا۔ انگریز حکام کی رپورٹوں میں اسے "بغاوت کی اہم ترین خدمات انجام دینے والا" کہا گیا ہے۔

بغاوت کا آخری دور

کانپور اور الہ آباد کے علاقوں میں انقلابی سرداروں کی سرگرمیاں برابر جاری رہیں۔ جنوری ۵۸ء میں سکندرہ کے راجہ بھو اور بھوگنی پور کے قانون گو مدھو سنگھ ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انھوں نے سکندرہ کی تحصیل تھانے پر حملہ کیا۔ سرکاری حکام فرار ہوگئے۔ فروری ۵۸ء میں باغی گروہ مختلف گھاٹوں پر جمع تھے۔ بٹھور کے قریب منصب علی کی کمان میں پندرہ سو آدمی مع توپوں کے تھے۔ مارچ ۵۸ء میں گھاتم پور پر حملہ ہوا۔ فتح پور چوراسی عثمان پور۔ شیوراج پور گھاٹ وغیرہ میں بھی باغی بڑی تعداد میں تھے۔ مئی ۵۸ء میں تحصیل رسول آباد ان کے حملوں کا نشانہ بنی۔ جون میں مدھو سنگھ گرفتار ہوا لیکن اس نے زہر کھاکر خود کو ہلاک کرلیا۔ اسی ماہ میں فیروز شاہ آٹھ ہزار فوج کے ساتھ فتح گڑھ پر تھا۔

روہیل کھنڈ

روہیل کھنڈ ڈویژن میں بریلی۔ بدایوں۔ شاہ جہاں پور۔ مراد آباد۔ بجنور۔ پیلی بھیت۔ رام پور اور نینی تال وغیرہ شامل تھے۔ ان علاقوں میں ۱۸۵۷ء سے متعلق بے پناہ مواد موجود ہے۔ لکھنؤ کے سکریٹریٹ ریکارڈ روم میں الٰہ آباد کے اسٹیٹ آرکائیوز میں اور میرٹھ۔ بریلی۔ سہارنپور۔ مراد آباد کلکٹریٹ میں اصل دستاویزی مواد ہے علاوہ ازیں پارلیمنٹری ڈبیٹ، خفیہ سرکاری کاغذات، ڈائریاں، یادداشتیں، ہم عصری مطبوعہ و قلمی کتب ہیں۔ اس دور کے اردو، انگریزی اخبارات، نیشنل لائبریری کلکتہ میں محفوظ ہیں ان تمام ذرائع کے مطالعے اور انقلابیوں کی خط و کتابت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحریکِ بغاوت طے شدہ منصوبے کے تحت تھی اور عوام کی پوری تائید حاصل تھی۔

سازشیں

بغاوت کے لیے جو سازشیں پورے ملک میں ہو رہی تھیں، روہیل کھنڈ کی راجدھانی بریلی کو بھی ان کے لیے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ حکومت کے بڑے عہدے دار مثلاً خان بہادر خاں (صدر امین) صوبے دار بخت خاں [1] (افسر توپ خانہ)

---

[1] اصل نام محمد بخش بن عبداللہ خاں، اودھ کے شاہی خاندان سے رشتہ داری تھی اور یہ خاندان سلطان پور میں آباد تھا۔ بخت خاں نے فوج میں ملازمت کی، جنگ افغانستان میں نمایاں رہا۔ بعد میں جلال آباد اور پنجاب میں تقرر ہوا صوبے دار بنایا گیا، بہ عہدہ افسر توپ خانہ تقرر ہوا۔ بہادر اور بے باک، سادہ لباس، مذہبی رجحان تھا اور مولوی سرفراز علی سے بیعت کی باقی حالات علاحدہ باب آخری دور، میں بیان ہوں گے۔ شجرہ یہ ہے عبداللہ خاں بن سلطان خاں بن اصالت خاں عرف سمند خاں بن ملک عنایت خاں بن سید خاں بن جہاں خاں بن نظر خاں (نظر خیل) بن جہانگیر خاں ... نواب عبداللہ خاں نجیب الدولہ کے حقیقی بھتیجے تھے اس طرح بخت خاں غلام قادر کے چچازاد بھائی۔
(العلم، کراچی۔ اپریل، جون ۱۹۵۷ء)

محمد شفیع رسالدار وغیرہ ان سازشوں میں شریک بتائے جاتے ہیں۔ اگرچہ سازشیں پوری طرح ہمارے سامنے نہیں آسکیں لیکن انگریزوں نے ان کے آثار کسی نہ کسی طرح بھانپ لیے تھے۔

میرٹھ کے حالات پر کمشنر کی رپورٹ میں ایک فقیر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ "انبالہ ڈپو پر اس کا ظاہر ہونا، سورج کنڈ تالاب کے پاس اور فوجی بارکوں میں اس کی رہائش اور دیسی سپاہ سے اس کا خلا ملا ــــ یہ وہ حقائق ہیں جو شبہات پیدا کرتے ہیں، پھر یہ کہ فقیر کے مقصد یا شناخت کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئیں"۔[1]

مراد آباد کے جج جے سی ولسن نے اپنے خط مورخہ ۲۴ر دسمبر ۱۸۵۸ء بنام سکریٹری گورنمنٹ آف الہ آباد میں اپنی چھان بین کا نتیجہ بیان کیا اور لکھا:

> "۳۱ر مئی ۱۸۵۷ء بروز اتوار بغاوت کے لیے مقرر تھا۔۔۔۔ اس مقصد کے لیے ہر رجمنٹ میں تین آدمیوں کی کمیٹیاں مقرر تھیں۔ ان کمیٹیوں کے زیادہ تر ممبر دہلی کی جنگوں میں کام آ گئے۔ بھولا سنگھ پے حوالدار ۵ نمبر کمپنی نمبر ۲۹ر رجمنٹ اُن میں سے ایک تھا اور مجھے معلوم ہے کہ وہ دہلی میں مارا گیا"۔[2]

روہیل کھنڈ کا کمشنر اپنے خط (۱۷ر نومبر ۱۸۵۸ء) بنام سکریٹری گورنمنٹ N.W.P. میں لکھتا ہے:

> "چپاتیوں کی گردش اگر واقعات سے اس کا کوئی تعلق ثابت ہو سکتا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے کہ بغاوت کے لیے تنظیم تھی۔۔۔۔ یہ بات کہ سپاہی بغاوت کے لیے

---

[1] فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۵ ص ۱۱ــ ۱۰

رابرٹ ہنری ولیس نے اپنی کتاب "خاکی رسالہ" (انگریزی) میں لکھا ہے کہ بغاوت شروع ہو جانے پر معلوم ہوا کہ یہ فقیر دہلی کا ایک شہزادہ تھا جو بغاوت پھیلانے کے لیے بھیجا گیا۔ (WALLACE p.27)

[2] Mutiny Narrative NWP Agar Moradabad p. 1-2

Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 163-165

پہلے سے تیار تھے، اُن کے رویّے اور عمل سے بالکل عیاں ہے۔۔۔۔ دوسری طرف یہاں کے بے حد با اثر ہندو زمین دار ٹھاکروں کا فوراً باغی حکومت سے تعاون اور شرکت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ نئی حکومت بنانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے" [1]

بریلی میں بغاوت کی تیاریاں پوشیدہ طریقوں پر جاری تھیں۔ سرکاری ذرائع سے یہ پتہ صرف اُس وقت چلا جب ۲۲ مئی ۱۸۵۷ء جمعہ کو گورنمنٹ کالج کے استاد مولوی محمد احسن نے محلہ نومحلہ سادات کی مسجد میں تقریر کی۔ سب کچھ کہنے کے باوجود اُنھوں نے اپنا دامن بچائے رکھنے کے لیے مبہم طور پر جہاد کی مخالفت بھی کی۔ شہر میں کافی جوش و خروش تھا، ۲۵ مئی کو عید تھی۔ اگلے جمعے (۲۹ مئی) کو بریلی کا کوتوال بدرالدین بھی اس مسجد میں پہنچا، بخت خاں اور اس کے ساتھی بھی موجود تھے۔ مولوی رحیم اللہ کو وعظ کے لیے کھڑا کیا گیا مگر کوتوال کی موجودگی نے جذبات کو دبائے رکھا۔ نومحلہ بریلی کے سیدوں کی آبادی تھی جو اپنے اثر و رسوخ اور عظمت نسبی کی وجہ سے شہر کے عوام خصوصاً روہیلوں میں بااثر اور معزز تھے۔ یہ لوگ سازشوں میں بھی شریک تھے۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کی شرکت ثابت ہے۔ اُن میں مبارک شاہ خاں، ٹھاکر بے مل سنگھ، سوبھارام مدار علی خاں وغیرہ بھی تھے۔ محمد شفیع رسالدار کے بارے میں منشی ذکا اللہ لکھتے ہیں:

"آٹھویں سواروں کی رجمنٹ میں انگریز افسر جانتے تھے کہ دغاباز بھرے پڑے ہیں جن میں محمد شفیع جو سب سے بڑا افسر تھا وہ سب سے زیادہ دغاباز تھا" [2]

۲۹ مئی کی رات کو فوجی سرداروں کا ایک وفد خان بہادر خاں سے ملا اور اگلے دن خان

---

1. Mutiny Narrative NWP p. 1-2 — ۱
Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 163-165

۲ — ذکا اللہ۔ تاریخ عروج انگلیشہ ۸۲۷۔ محمد شفیع کے ذریعے دیسی سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کیا گیا (فریڈم اسٹرگل یوپی۔ جلد ۵ ص ۱۷۹ــ۱۷۸)

بہادر انگریز حکام سے ملے۔ بریلی کے کمشنر الگزینڈر کا بیان ہے کہ ہاتھ ملاتے ہوئے انھوں نے کہا "اپنی جان بچاؤ" [1]

اچانک بغاوت

بریلی میں بغاوت ہونے سے پہلے دوسرے علاقوں سے لوگ یہاں آنا شروع ہوگئے تھے، بغاوت کی افواہیں بھی تھیں مگر سپاہیوں نے وفاداری کا یقین دلایا آخرکار ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء اتوار (۷ شوال ۱۲۷۳ھ) دن کے دس بجے کے قریب بخت خاں نے توپ چلاکر بغاوت کا اعلان کر دیا۔ جے ایف ڈی انگلس ان حالات کا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

"بریلی کے سربرآوردہ مسلمان دیسی سپاہ کے باغیانہ ارادوں سے پوری طرح باخبر تھے اور انھوں نے شہر کے عوام کو بغاوت کے لیے آمادہ کیا تھا" [2]

غرض یہ کہ توپ سر ہونے کے بعد تمام سپاہ نے اچانک گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ انگریز افسر کچھ قتل اور کچھ نینی تال کو فرار ہوئے "تاریخ روہیل کھنڈ" (قلمی) میں یہ حال اس طرح ہے:

"...... ساتویں شوال روز یکشنبہ ۱۲۷۳ھ کو مطابق ۳۱ مئی ۱۸۵۷ء کے دوپہر کے وقت مسمی محمد بخش عرف بخت خاں صوبے دار توپ خانہ معہ پلٹن نمبر ۱۸، ۶۸ پیادہ کا و آٹھویں رجمنٹ ہندوستانی متعینہ چھاؤنی بریلی کے اپنی سرکار سے نمک حرامی کرکے باغی ہوا...... خان بہادر خاں خلف نواب ذوالفقار علی خاں ابن حافظ رحمت خاں والئی سابق ملک روہیل کھنڈ بہ امداد سوبھا رام و مدار علی خاں وغیرہ بدمعاشان شہر بریلی اور سادات نو محلہ کے کوتوالی میں آکر والئی ملک

---

1. SEN - 348
2. Narrative of Outbreak Bareilly 30th Nov.
   Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 193.

بن بیٹھا "۔ لے

شیخ بدر الدین کوتوال دن میں بارہ بجے کے قریب خان بہادر خاں کے مکان پر پہنچا اور کہا کہ فوج نے بغاوت کر دی، جیل خانہ توڑ دیا گیا۔ ؎۲ اس کے بعد مدار علی خاں پہنچا اور کہا کہ کوتوالی چلئے ورنہ باغی فوج شہریوں اور مہاجنوں کو لوٹنے آرہی ہے۔ خان بہادر اور مبارک شاہ خاں اس کے ہمراہ گئے۔ فیض اللہ، میاں جان اور دیگر سادات نو محلہ بھی ہمراہ ہو گئے۔ بخت خاں نے مصر تیج ناتھ کو بلا کر سرکاری روپے کا حساب لیا۔ یکم جون ۱۸۵۷ء کو مدار علی خاں، سوبھا رام۔ مبارک شاہ خاں۔ احمد شاہ خاں۔ میاں جان۔ سید فیض اللہ وغیرہ خان بہادر کے پاس گئے اور کہا کہ رات محمد شفیع رسالدار اور مولوی امداد علی رسالدار بخت خاں کی طرف سے آئے ہیں کہ آپ انتظام سنبھالیں۔ خان بہادر نے اس پر تامل کیا، سوبھا رام نے کہا "غم نہ کیجئے، ہم روپیہ جمع کریں گے اور اگر دیر ہوئی تو میں ایک یا دو سال کے لیے ایک لاکھ آدمی اور روپیہ دینے کو تیار ہوں"۔ بخت خاں نے کہا کہ "آپ کیوں خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ وہ آپ کو سوبھا رام جیسا وزیر دے رہا ہے جو آپ کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہے...... آپ نہیں مانیں گے تو میں بسنت رام۔ جے مل سنگھ۔ راجہ پوایاں۔ محمد شفیع۔ مولوی امداد علی وغیرہ کو حاکم مقرر کر دوں گا....." سوبھا رام نے کہا "بخت خاں! اب اس بارے میں کچھ نہ کہیئے۔ نواب صاحب نے مجھے پوری بات بتادی ہے۔ میں بعد دوپہر تمہارے پاس آکر تفصیل سے بتاؤں گا۔"

سوبھا رام نے شہر کے لوگوں کی فہرست تیار کی، ملک غلام محمد اور سر تام سنگھ نے ایک ایک رجمنٹ منظم کی۔ نیاز محمد خاں کی سرکردگی میں بہت سے پیادہ اور سوار فوجی رام پور سے آئے۔

لے نیاز احمد خاں، تاریخ روہیل کھنڈ (قلمی) ص ۹۵۔ ۹۴

ؑ۲ جیل خانے کے دروازے کو آگ لگادی گئی۔ یہاں کے تمام سپاہی بھی انقلابیوں کے ساتھ تھے۔ انگریز ملازم ڈاکٹر کو کوتوالی کے سامنے قتل کیا گیا۔ (اخبار الصنادید۔ ۲۷)

امروہہ، سنبھل اور سہسوان وغیرہ میں جو لوگ سوار فوج میں ملازم تھے، آکر شامل ہوئے۔ بریلی میں خان بہادر خاں کو پرانی کوتوالی میں ایک سادہ مسند پر تخت نشین کیا گیا، جلوس کی شکل میں کوتوالی تک لایا گیا۔

خان بہادر خاں کا انتظام

خان بہادر نے ہاتھی پر سوار ہو کر شہر میں گشت کیا۔ اکبر علی خاں۔ احمد شاہ خاں اور مبارک شاہ وغیرہ ہمراہ تھے۔ ہاتھیوں کے آگے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ "انگریزی حکومت ختم ہو گئی اور اب بہادر شاہ بادشاہ ہے"۔۔۔ فضل حق تحصیل دار نواب گنج جعفر علی تھانے دار اور دوسرے سرکاری افسروں نے خدمات پیش کیں۔ ایک دربار منعقد ہوا اور شہر کے تمام معززین کو بلایا گیا۔ پھر خان بہادر خاں نے چھاؤنی جاکر بخت خاں اور محمد شفیع سے بات کی اور انعام اور تحفے تقسیم کیے۔ ۲ جون کو سوبھا رام کو دیوان بنایا گیا۔ وہ نہایت تجربہ کار، دولت مند اور ہوشیار تھا۔ اس کے علاوہ یہ عہدے دار مقرر کیے گئے:

مدار علی خاں اور نیاز محمد خاں: فوج کے جنرل
مول چند: نائب دیوان
مولوی خاں: کیمپدان اور پرگنہ شاہی تحصیل میر گنج کے فارم کا انچارج
برج لال: مختار (اس نے مختلف عہدے دار مقرر کیے)
ہوری لال، (بن سوبھا رام): پے ماسٹر
علی حسین خاں: جنرل سوار فوج
دین دیال: داروغہ توپ خانہ
سیف اللہ خاں: سپرنٹنڈنٹ جیل
رضا الدولہ: اے ڈی سی (خان بہادر)

ان کے علاوہ غوث محمد خاں۔ غلام حیدر خان اور حافظ کلن خاں بھی مختلف عہدوں

پر مقرر تھے۔ [1]

سوبھارام کا انتظام

سوبھارام نے دیوان کا عہدہ سنبھال کر نہایت فراست سے انتظامات کیے، سول ایڈمنسٹریشن منظم کیا ریونیو کلکٹر مقرر کیے، ٹیکس وصول کیے، مختلف عہدوں پر پھپوندن لال، تلسی رام، چیت رام، احمد حسین، غلام یحییٰ، مصر بیج ناتھ، کنہیا لال وغیرہ کو مقرر کیا، فوجی دستے منظم کیے، ٹھاکروں کو بغاوت کے لیے آمادہ کیا، اس کے فہم و تدبّر کی انگریزوں نے بھی بے حد تعریف کی ہے۔

امن قائم کرنے اور ملکی انتظامات کرنے کے لیے جو کونسل بنائی گئی اُس میں سوبھارام بھی شامل تھا۔ ایک اور کمیٹی بنائی گئی جس میں یہ ممبر تھے:

کرامت خاں (حافظ رحمت خاں کی اولاد)

اکبر علی خاں (سابق صدر امین متھرا، خان بہادر کا عزیز ریونیو انچارج)

قاضی غلام حمزہ: قاضی شہر

پنڈت اوبھار تیغ ناتھ: پنڈتوں کا افسر انچارج

ٹھاکر جے مل سنگھ (ٹھاکر کیارا تحصیل بریلی)

کلب علی شاہ۔ جعفر علی (زمین داران)

مولوی سید قطب شاہ

(اس کمیٹی میں بارہ ۱۲ ممبر تھے، سات مسلمان اور پانچ ہندو)

خان بہادر خاں کے عہد کا کچھ اندازہ سرکاری یادداشتوں رپورٹوں اور گواہوں کے بیانات (مقدمہ خان بہادر) سے ہوتا ہے کہ سوبھارام نے بحیثیت دیوان تمام معاملات میں کلیدی رول

---

1. Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 193 [1]

CHAUDHURY : Civil Rebellion.........112

ادا کیا ہے۔ برج لال نے جسے مختار مقرر کیا گیا، متعلقہ عہدے دار مقرر کیے۔ محمد یار خاں نائب پیشکار، غلام قادر کو شاہجہانپور، فضل حق کو پیلی بھیت اور عبدالرحمٰن خاں کو بدایوں کا ناظم مقرر کیا گیا۔ مُول چند کائستھ نائب دیوان تھا۔ بدھولی کے راجہ رگھوناتھ سنگھ کو راجہ کا خطاب اور ٹیکہ دیا گیا۔ رگھوناتھ نے فوج کے لیے آدمی مہیا کیے۔ سیکڑوں راجپوت روزانہ آتے، خان بہادر سے وفاداری کی قسم کھاتے اور فوجی خدمات انجام دیتے۔ شیوگڈھ کے ٹھاکر جے مل سنگھ نے بھی فوج منظم کی۔ راجپوت سرداروں میں دیبی سنگھ۔ سرنام سنگھ۔ کنج بہاری سنگھ۔ نترا سنگھ وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔ اور یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ خان بہادر کو ٹھاکروں اور راج پوتوں کا مکمل اعتماد حاصل رہا۔ اس اعتماد کے حصول میں سوبھا رام اور مُول چند کا بڑا ہاتھ تھا چنانچہ پنڈتوں سے ویاوستھا اور علماء سے فتویٰ حاصل کیا گیا۔ مذہبی عالموں کی کونسل میں جس میں پنڈت اوبھار تیغ ناتھ اور مفتی عنایت احمد، مولوی امانت علی وغیرہ تھے، طے کیا گیا کہ بہ وقت ضرورت حکومت کسی بھی شخص کی دولت کا دسواں حصہ طلب کر سکتی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو کمیٹی بنی اس کا سربراہ تو شی رام تھا اور ممبروں میں مکوّمل مہاجن۔ رام پرشاد مہاجن۔ درگا پرشاد (راجہ رتن سنگھ کا کارندہ) وغیرہ تھے۔ اس کمیٹی نے مہاجنوں کی دولت کا اندازہ لگا کر ٹیکس مقرر کیا اور چار ماہوار قسطوں میں وصول یابی شروع کی۔ رام پرشاد کے گھر میں ٹکسال قائم ہوئی۔ فوجی سرداروں میں کندن سنگھ۔ عظمت اللہ۔ بہاری سنگھ۔ غلام حیدر خاں۔ رگھوناتھ سنگھ۔ احمد حسین خاں۔ رام پرشاد۔ معصوم علی وغیرہ تھے۔[1] لیکن ٹیکس وصول کرنے میں جو زیادتی کی گئی اس سے کچھ لوگ بددل ہو گئے۔

انگریزوں کا قتل

کچھ انگریزوں نے حامد حسن منصف اور امان علی کنبوہ وغیرہ کے مکانوں میں پناہ لی مگر انھیں قتل کر دیا گیا اور لاشیں کوتوالی

1. Narrative of Outbreak at Bareilly Mutiny Records, State Archive, Allahabad

لہ

Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 193, 279, 287.

کے سامنے ڈال دی گئیں۔ کچھ کوتوالی کے سامنے قتل ہوئے کچھ سنہری مسجد کے پاس مارے گئے۔

بہادر شاہ کا فرمان

خان بہادر خاں کی عرض داشت پر بہادر شاہ کی طرف سے ایک شقہ مع خطاب "انتظام الدولہ محافظ الملک" اور خلعت آیا۔ خان بہادر نے شہر سے ڈیڑھ کوس دور جاکر دیپ چند کے باغ کے قریب استقبال کیا اور خلعت پہنا۔ مہر میں "الملک اللہ و الحکم اللہ" کندہ تھا۔ لے

پھوٹ ڈالنے کی کوششیں

انگریزوں کا خیال تھا کہ راج پوت ٹھاکروں اور روہیلوں میں اختلاف پیدا کرکے کام نکالا جاسکے گا مگر سب سے پہلے جس شخص نے خان بہادر کو حاکم تسلیم کیا وہ راجپوت ٹھاکر جے مل سنگھ تھا۔ ۲ے 'وفاداروں' کی سرگرمیاں بھی برابر جاری تھیں۔ تیج ناتھ مصر نہ صرف نینی تال میں مقیم انگریزوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھا بلکہ بدایوں کے کلکٹر ایڈورڈ کی مدد بھی کی۔ خان بہادر نے گائے ذبح کرنے کی ممانعت کرادی تھی اگرچہ اس سے کہیں بے چینی بھی پیدا ہوئی۔ خان بہادر کے ایک عزیز میر عالم خاں نے بلدیو گیر گوسائیں پر باہم اختلاف کی بنا پر حملہ کیا۔ گوسائیں نے میر عالم کو اپنے دفاع میں قتل کردیا۔ گوسائیں پر مفتی کی عدالت میں مقدمہ چلا اور بری کردیا گیا۔ اس کے باوجود میر عالم خاں کے بھائی نے گوسائیں کو مار ڈالا اور قاتل کو انصاف کے رو برو نہ لایا جاسکا۔ ۳ے

نئے نظام سے تاجر طبقے میں ناراضگی کے آثار تھے کیونکہ انھیں بار بار طلب کرکے روپیہ وصول کیا جاتا تھا۔ مصر تیج ناتھ اپنے آدمیوں کے ذریعے جو حرکتیں کر رہا تھا اُس سے انقلابی

لے نیاز احمد خاں: تاریخ روہیلکھنڈ (قلمی) ۹۶-۹۹/ بہادر شاہ کا فرمان ۹ جولائی ۱۸۵۷ء م ۱۷/ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ جاری ہوا جو حبیب الاخبار، مورخہ ۱۶/ جولائی ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا۔

۲ے 2. SEN : 349

۳ے 3. Inglis Report, SEN : 349

حکومت پوری طرح باخبر نہ تھی اسی لیے وہ صرف مالی نقصان برداشت کر کے چھٹکارا پاتا رہا۔ ۱؎ لچھمی نرائن نے بھی مینی تال کو روپیہ بھیجا۔ ایک بار تو یہ روپیہ راستے میں پکڑا بھی گیا۔ شیخ بدرالدین نینی تال کو فرار ہو گیا تھا۔ اکتوبر نومبر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے کپتان گوان کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ ہندوؤں کو خان بہادر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرے اور اس کام کے لیے پچاس ہزار روپیہ صرف کرے لیکن یہ اسکیم ناکام ہوئی اور گوان نے ۱۴ نومبر ۱۸۵۷ء کو لکھا کہ وہ اپنی کوشش میں ناکام ہوا۔ ۲؎ اور یہ روپیہ واپس خزانے میں جمع ہوا۔ غالباً انہی 'وفاداروں' کی بدولت نینی تال سے انگریزوں کو نکالنے کی کوشش ناکام ہوئی حالانکہ اس کے لیے فروری ۱۸۵۸ء تک متواتر اور متعدد بار جد و جہد کی گئی۔ نواب رام پور اور اس کے جاسوس خصوصاً علی بخش خاں بھی برابر انقلابی کارروائیوں کو ناکام بنانے اور ہر طرح کی خبریں اور مدد انگریزوں کو پہنچانے میں مصروف تھے۔

خان بہادر کے اعلانات

خان بہادر خاں کی طرف سے جو اعلانات جاری ہوئے وہ مولوی سید قطب شاہ کے اہتمام سے چھپوائے گئے جو بریلی کالج میں فارسی کے استاد تھے۔ ایک اعلان میں جو بریلی کی شکست کے بعد برآمد ہوا، لکھا تھا:

> "فرنگی ہندو مسلمانوں کے مذہب کے دشمن ہیں اس لیے مذہب کو بچانا ہمارا فرض ہے۔ اگر ہندو مسلمان متحد ہو کر مقابلہ کریں تو فرنگیوں کو مٹا دینا مشکل نہ ہوگا۔۔۔۔ اگر ہندو پوری طاقت سے انگریزوں کو ملک سے نکالنے میں شریک ہوں تو میری سلطنت میں گائے ذبح کرنا بند کر دی جائے گی اور فی الحال اس پر اتنا عمل کیا جائے کہ عام پبلک مقامات پر یا ہندو محلوں میں کوئی گائے ذبح نہ ہو۔ پوری طرح ممانعت انگریزوں کے خاتمے کے بعد عمل میں آئے گی۔" (ترجمہ از انگریزی)

۱؎ اس کو انگریزی قبضے کے بعد راجہ کا خطاب اور جاگیر دی گئی۔

۲؎ 2. Foreign Secret Consultations no. 25

SEN : 352

ایک اور اعلان میں مسلمانوں سے جہاد کی اپیل کی گئی۔ ایک اعلان میں ہندو مسلمانوں سے خطاب ہے، لکھا ہے:

"ہندوستان کے رہنے والو! بڑے انتظار کے بعد ہماری آزادی واپس آگئی ہے اب بتاؤ تم اسے قبول کرتے ہو یا رد کرنا چاہتے ہو؟ تم اس مبارک موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو یا اسے اپنے ہاتھوں سے کھو دینا چاہتے ہو اور فائدے کے خواہش مند نہیں ہو؟ ہندو مسلمان بھائیو! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر تم نے انگریزوں کو یہاں رہنے دیا تو وہ تم سب کو ختم کر کے تمہارے دین اور دھرم کو تباہ کردیں گے۔ ہندوستانیوں کو اتنے عرصے سے انگریزوں نے فریب دے رکھا ہے اور انھیں کی تلوار سے اُن کا گلا کاٹ رہے ہیں..... وہ پھر تفرقہ ڈالنے کا پرانا حربہ استعمال کریں گے..... لیکن ہندو بھائیو! ان کے فریب میں نہ آنا۔ ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ انگریز کبھی اپنے وعدے پورے نہیں کرتے چال اور دغابازی میں طاق ہیں۔ یہ ہمیشہ سے سوائے اپنے مذہب کے اور سب مذہبوں کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ کیا انھوں نے گود لیے بچوں کے حق نہیں چھین لیے؟ کیا انھوں نے ہمارے راجاؤں کے ملک نہیں ہڑپ کیے؟..... اس پاک جنگ میں شامل ہو جاؤ۔ لڑائی کے میدان میں ایک جھنڈے کے نیچے لڑو اور خون کی ندیوں سے انگریزوں کا نام ونشان ہندوستان سے دھو ڈالو۔" [1]

بریلی کے قرب و جوار میں

بریلی میں بغاوت ہوتے ہی آس پاس کے قصبوں میں بھی انقلابی سرگرمیاں رنگ لانے لگیں اور عوام نے بغاوت کر کے بریلی کا رخ کیا۔ آنولے سے کثیر تعداد میں انقلابی عوام بریلی روانہ ہوئے، یہاں نواب کلن خاں (نبیرہ بخشی سردار خاں) نائب ہوا۔ حکیم سعید اللہ، مولوی اسمٰعیل، غالب علی خاں اور شیخ خیر اللہ

---

[1] سندر لال، سن ستاون۔ ۸۷ (یہ اعلان لاہور سکریٹریٹ واقع انارکلی میوزیم میں محفوظ ہے)

وغیرہ باغی سردار تھے۔ غالب علی نے شہزادہ فیروز کی آمد کے موقع پر اس کی دعوت کی۔ [۱] شیخ خیر اللہ نے ٹھاکروں کو بغاوت میں شریک کرنے کا کام انجام دیا۔ حکیم سعید اللہ نے شہزادے کے ساتھ فرخ آباد وغیرہ میں بھی جنگ میں حصہ لیا اور آخر میں امروہہ کے گلزار علی کے ساتھ جنگلوں میں پوشیدہ رہے۔

بریلی میں ہندوؤں کا ایک جلوس بھی خان بہادر کی حمایت میں نکالا گیا جس میں گوپال نند، تیول نند، ایشور نند، گنیش رائے، ہر سکھ رائے اور بھیم سین وغیرہ شامل تھے [۲]۔

غیور ساکنانِ رام پور

رام پور کے نواب یوسف علی خاں انگریزوں کے وفادار تھے مگر ریاست کے باشندے اُن کے مخالف تھے۔ اخبار الصنادید میں لکھا ہے کہ لوگ نواب کو "کرشتان" (عیسائی) کہتے تھے۔

عوام نے جب نواب کو مخالف دیکھا تو جہاد کے لیے باہر چلے گئے کچھ مراد آباد گئے کچھ بریلی۔ تاریخ روہیل کھنڈ اور 'اخبار الصنادید' میں ہے کہ:

" ساکنانِ رام پور غول کے غول آتے تھے اور عہدہ ہائے جلیلہ پر نوکر ہوتے تھے " [۳]

ظہیر دہلوی نے "داستانِ غدر" میں لکھا ہے کہ:

" رام پور کے تیس ہزار آدمی بریلی میں ملازم ہیں اور مردانِ رام پور کا یہ حال ہے کہ ایک ایک کمان دو پٹہ سر سے بندھا ہوا ہے اور اُس پر گوٹا لگا ہوا ہے۔ آدھا دوپٹہ سر سے بندھا ہوا اور آدھا گھوڑے کی رکاب سے نیچے لٹکتا ہوا ہے۔ اور چار چار طپنچے کمر میں لگے ہوئے اور دوہری تلواریں ڈاب میں لٹکی ہوئی ہیں گھوڑوں پر سوار ہیں " [۴]

---

[۱] شہزادہ دو دن آنولہ میں رہا اس کی قیام گاہ 'شہزادے کا تکیہ' کہلاتی ہے۔

[۲] Narrative of Events quoted by CHAUDHURY - 112

[۳] نیاز احمد: تاریخ روہیل کھنڈ ۔ ۹۹ و اخبار الصنادید ۔ ۲۷

[۴] ظہیر دہلوی: داستانِ غدر ۱۴۲

بریلی کے انتظامات درست کر کے بخت خاں مع ایک مسلح فوج دہلی کو روانہ ہوا اور ۹ر جون ۱۸۵۷ء کو یہ لشکر رام پور پہنچا۔ مجاہد غازیوں کی بڑی جماعت اپنے امیر المجاہدین مولانا سرفراز علی گورکھپوری کے ساتھ تھی۔

رام پور

میرٹھ میں بغاوت شروع ہونے کی خبر ۱۱ر مئی کو مرادآباد کے حکام کو مل گئی تھی۔ فوراً ہی بے سی ولسن (جج) صبح کے وقت رام پور آیا اور نواب یوسف علی[1] سے مشورہ کر کے واپس ہوا۔ رام پور میں بغاوت کی تیاریوں یا سازشوں کی تفصیل نہیں ملتی لیکن عوام کا رویہ بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف پہلے سے باخبر بلکہ شریک تھے چنانچہ بغاوت کی خبریں مشہور ہونے پر عوام نے خوشی کے نعرے لگائے[2] اور بقول "اخبار الصنادید" "فساد کی تخم ریزی اور ایک دوسرے سے کنایات بغاوت کرتے تھے" ۱۲ر مئی کو دو تین سو آدمی فرداً فرداً رام پور سے روانہ ہوئے اور مرادآباد کا رُخ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں مولوی منّو نے بلایا تھا۔ اس دوران جب بریلی وغیرہ میں بغاوت ہوگئی تو رام پور کے سفیر شیخ وجیہ الزماں (خلف منعم الزماں ساکن فرخ آباد، چلاواں) کی تحریر سے اطلاع ملی۔ نواب نے مرادآباد کے انگریزوں کو اطلاع کے لیے آدمی دوڑایا۔ مرادآباد میں بغاوت کے بعد انگریز نینی تال کو فرار ہو گئے۔

لیکن عوام کا حال یہ تھا کہ نواب کے ذاتی پہرہ دار بھی انقلابیوں کے ہم نوا تھے جب رات کو نواب کے پلنگ کا پہرہ بدلتا تو جو سپاہی پہرہ بدلوا تا وہ تمام سامان سپرد کرنے کے بعد کہتا کہ ایک کرشٹان بھی ہے (یعنی نواب)۔ حالت یہ تھی کہ:

> "نواب صاحب بحالتِ بیداری اس قسم کے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کلمات سنا کرتے تھے۔ گلی کوچوں میں نواب صاحب اور معتمدین کو اعلانیہ سخت و سُست الفاظ اور کرشٹان کا لفظ استعمال ہوتا تھا"[2]

---

[1] نواب یوسف علی خاں ۹ر اپریل ۱۸۵۵ء کو اپنے باپ نواب سید خاں کی وفات پر تخت نشین ہوئے تھے۔ نواب مہدی علی خاں نے اپنی بیگم شمسہ تاجدار کے لیے والئی ریاست ہونے کا دعویٰ کیا۔

[2] نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد دوم ص ۴۶۷

نواب کے بعض فوجی افسران نے صاف کہہ دیا کہ "اب ہم خان بہادر خاں کی نوکری کریں گے" "اخبار الصناد یدؔ میں اقرار کیا گیا ہے کہ تمام سپاہی ایک ہی قوم اور ایک ہی خیالات کے تھے"۔ نواب نے انگریز حکام کے پاس نینی تال کو درخواست بھیجی کہ روہیل کھنڈ پر حکومت کی اجازت مرحمت ہو مگر صرف مراد آباد کی ملی وہ نینی تال میں مقیم انگریزوں کو برابر سامانِ رسد اور روپیہ بھیجتے رہے۔ ایک بار چار ہزار اشرفیاں بھیجیں۔ چنانچہ بریلی کے انقلابیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے سب سے پہلے اسی کانٹے کو ہٹانا ضروری سمجھا۔ اخبار الصناد یدؔ کے مؤلف کو اعتراف ہے کہ:

"اس میں شک نہیں کہ اگر ریاست کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو روہیل کھنڈ میں انگریزوں کو کسی جگہ پناہ ملنا محال تھا اور دوبارہ حکومت نہایت دقتوں سے قائم ہوتی"

نواب بھی انقلابیوں کے ارادوں سے بے خبر نہ تھے انھوں نے انگریزوں کے مشورے پر تدبیریں شروع کر دیں اور ۹ر جون ۵۷ء کو جب بریلی کی فوج بخت خاں کی کمان میں شہر کے قریب گنیش گھاٹ پر ٹھہری تو ان کو سامانِ رسد دے کر بہلانے کا سامان کیا گیا کیونکہ ویسے بھی نواب کی بارہ تیرہ ہزار فوج نہ مقابلے کے قابل تھی نہ اعتماد کے۔ بخت خاں کی طرف سے مولوی سرفراز علی نے نواب سے بات چیت کی۔ مطالبہ یہ تھا کہ وہ اگر خود شریک نہ ہوں تو فوج سے مدد کریں اور ولی عہد (کلب علی خاں) کو بخت خاں کے ہمراہ دہلی روانہ کریں۔ مگر نواب نے چھ سات ہزار روپیہ دے کر مولوی کو شیشے میں اتار لیا اور بخت خاں نے یہ سب سے بڑی غلطی کی کہ انھیں بدستور چھوڑ کر ۱۲ر جون کو مراد آباد روانہ ہوا ورنہ انقلابیوں کا پلان یہ تھا کہ نواب یوسف علی خاں کو معزول کر کے شمسہ تاجدار بیگم کو حکمراں بنا دیا جائے لیکن وہ شاید نواب کی درپردہ کارروائیوں سے پوری طرح باخبر نہ تھے اسی لیے اس کے چھانسے میں آگئے اور نواب کی جان میں جان آئی۔ شمسہ تاجدار کا شوہر مہدی علی کلکتے میں تھا، نواب نے ایک خط لکھا کہ اُسے فی الحال وہاں روک لیا جائے چنانچہ نظر بند کر دیا گیا۔

نواب روہیل کھنڈ کے انقلابیوں سے خوف زدہ تھے وہ ایک طرف مراد آباد میں انقلابی

سپاہ سے سلامی لے رہے تھے اور دربار کر رہے تھے دوسری طرف انگریزوں کو یہ لکھ رہے تھے کہ وہ باغیوں کے مقابلے سے خوف زدہ ہیں کیونکہ اگر خان بہادر نے ان پر حملہ کر کے تیا پانچہ کر دیا تو وہ انگریزوں کو مدد دینے کے قابل نہ رہیں گے جیسا کہ اب ہیں [1]

نواب نے صرف مختلف مقامات پر بغاوت کو کچلنے ہی کا کام انجام نہیں دیا بلکہ یہ بھی کرتے رہے کہ اپنے جاسوس میرٹھ۔ دہلی۔ بجنور۔ بریلی۔ لکھنؤ۔ کانپور وغیرہ میں مقرر کیے تاکہ خبریں حاصل کریں اور نینی تال کو بھیجی جائیں ساتھ ہی ہر قسم کا سامان رسد کی گاڑیاں بھر کر نینی تال کو جا تا رہا جس کی سربراہی علی بخش خاں کر رہا تھا[2] کمشنر کی طلبی پر مئی ۱۸۵۷ء میں رام پور کی کچھ فوج بلند شہر بھی گئی اور جب وہاں کے عوام اور سپاہ نے بغاوت کی تو اس رام پوری فوج کے بھی بہت سے سپاہی اس میں شریک ہو گئے اور یہ فوج ناکام ہو کر بخیریت واپس چلی آئی دہلی میں جاسوسی کے لیے منشی نہال الدین کو بھیجا گیا جس نے بہادر شاہ کو نذر پیش کی اور جاسوسی بھی شروع کی لیکن بخت خاں نے ایک دن اُسے پکڑ کر اس کا سامان لٹوا دیا اور مخبری کے جرم میں توپ سے اُڑانے کا حکم ہوا، بڑی مشکل سے جان سلامت لے کر بھاگا[3]

بدایوں

بریلی کی انقلابی سپاہ یکم جون کو یہاں پہنچی۔ اس کے پیغام بر پہلے ہی آ چکے تھے۔ سپاہ نے فائرنگ کی اور انگریزوں کے مکانات جلا دیئے۔ عوام کے علاوہ ٹھاکر اور زمین دار بغاوت میں شریک تھے۔ جھلداری کے زمینداروں سیف اللہ خاں اور سعید خاں نے نمایاں حصہ لیا۔ سلیم پور اور داتا گنج وغیرہ کے ٹھاکروں نے رہنمائی کی، منصفی اور تحصیل پر حملے

---

[1] 1. Freedom Struggle. Vol. 5, p. 368

[2] علی بخش خاں کا حال "تذکرہ کاملان رام پور"، مؤلفہ شوق میں بھی دیا گیا ہے۔ کامل ہونے کا احوال تو اسی رسد رسانی سے معلوم ہو رہا ہے۔

[3] نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد ۲۔ ص ۵۱ ـــ ۱۰۰

پکے، ہری سنگھ نے انتظام سنبھالا۔ کیرت سنگھ (ساکن سلیم پور)، پرم سنگھ اور سانول داس وزیر بنائے گئے۔ بسولی کے تحصیل دار مولوی رضی اللہ بھی انقلابی صفوں میں تھے۔ عزیز خاں نے تحزانے پر قبضہ کر کے بریلی میں خان بہادر خاں کے حوالے کیا۔ سہسوان میں ٹھاکر لچھمن سنگھ۔ مولانا نیاز احمد حیدر خاں وغیرہ انقلابی سردار تھے۔ گنور کا تحصیل دار ماجد علی بھی سرغنہ تھا، بدایوں گیا اور عوام میں مقبول ہوا۔ حیدر خاں نواب فرخ آباد کی فوج میں بھی سالار رہا۔

بدایوں کی عوامی بغاوت کا اندازہ یہاں کے انگریز کلکٹر ایڈورڈس کے اس مشاہدے سے لگایا جا سکتا ہے:

"بدایوں میں عوام نے متحدہ طور پر بغاوت کی اور پورا ضلع انارکی اور انتشار کا نظارہ پیش کرنے لگا۔" [۱]

جیل خانے اور خزانے کے ملازمین بھی باغی ہو گئے۔ مولوی فضل رسول نے حفاظت کے انتظامات کیے لیے آفیشیٹنگ کلکٹر سی پی کارمیچل اپنے بیان میں کہتا ہے:

"جب بریلی کے باغی یہاں آئے تو سرائے خالن دھاری، سرائے میرن، نئی سرائے، سرائے ناہر خاں، محلہ ابراہیم پور کے تمام باشندے اور آس پاس کے دیہات مثلاً نگلہ شرقی۔ رسول پور وغیرہ کے تمام عوام متحد ہو کر بغاوت میں شریک ہوئے۔ مرزا منصور بیگ نے سرکاری ہسپتال کو لوٹا۔ گنور کے اہیر زمیندار، نگلہ اہیریا کے شرف الدین، بلسی کے سیتا رام، آنند سنگھ۔ لیکھ راج۔ فتح سنگھ۔ بھاؤ سنگھ (زمینداران اوجھانی) لچھمن سنگھ۔ بھوپ سنگھ مادھو سنگھ۔ داتا گنج کے سردار خاں، محراب خاں (ساکن لکراں)۔ بختاور سنگھ۔ بسولی کے فتح

---

[۱] 1. EDWARDS (W) : Personal Adventure.........p. 16 . 17

Freedom Struggle Vol. V p. 209-213

[۲] حبیب الاخبار بدایوں ۳ ذی قعدہ ۱۲۷۳ھ (۲۷ جون ۱۸۵۷ء)

سنگھ۔ تبی خاں۔ عزیز خاں۔ نارن سنگھ۔ لیکری کے ٹھاکر سہسوان کے حیدر خاں۔ فتح علی خاں۔ راما نند۔ نرائن سنگھ۔ گلاب سنگھ اسلام نگر کے شجاعت علی۔ میر خاں۔ نامر علی۔ دمن سنگھ بدن سنگھ وغیرہ باغی سردار تھے۔[1]

اسلام نگر کے علاقوں میں تو مئی ۵۸ء تک بغاوت کی آگ بھڑکتی رہی۔ 'اخبار الصنادید' کے الفاظ میں "بابو رام نرائن نے اسلام نگر میں ایک ہنگامۂ عظیم برپا کیا" جس کے مقابلے کے لیے نواب رام پور کی فوج ۲۹ مئی ۵۸ء کو پہنچی اور رام نرائن اس جنگ میں کام آیا۔[2]

اس زمانے میں سہسوان پھر انقلابیوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ ۱۷ جون ۵۷ء (۲۲ شوال ۱۲۷۳ھ) کو خان بہادر کی طرف سے عبدالرحمٰن خاں ناظم اور فصاحت اللہ نائب ناظم مقرر ہوئے سابق سررشتہ دار ذوالفقار الدین ڈپٹی مجسٹریٹ اور بسولی کا سابق تحصیلدار رضی اللہ بدایوں کا تحصیلدار ہوئے۔ لچھمن سنگھ اوجھانی کا تحصیلدار اور امراؤ سنگھ (تعلقہ دار بھتولی زمیندار ردولی) کو داتا گنج کا تحصیل دار بنایا گیا۔ کچھ ٹھاکروں نے اس کی مخالفت کی اور ہیرا لال سنگھ کی سرکردگی میں بدایوں پر حملہ کیا جس میں انھیں پسپا ہونا پڑا۔ اسی طرح بسولی وغیرہ میں بھی زمینداروں اور تحصیل دار ننھے خاں کے درمیان کشیدگی رہی۔ عزیز احمد نے سہسوان کے چکلے دار کا لقب اختیار کیا۔ عبدالرحمٰن خاں (ناظم) سے بھی ٹھاکروں کا اختلاف ہوا تو خان بہادر خاں نے ٹھاکر جے مل سنگھ کو بھیجا جس نے صلح صفائی کرا دی۔ عبدالرحمٰن خاں نے ٹھاکروں کو روپیہ دیا۔ تحصیل تھانے اور فوج کی تنظیم کی۔ نیاز محمد خاں نے ٹھاکروں کو ہدایات دیں۔ داتا گنج کے ٹھاکر کیرت سنگھ نے انقلابیوں کا ساتھ دیا۔ کچھ عرصے بعد ۱۰ نومبر ۵۷ء کو عبدالرحمٰن کی بجائے مبارک شاہ خاں ناظم اور احمد شاہ خاں نائب ناظم بنائے گئے۔ اس دوران کچلا گھاٹ پر انگریزوں سے ایک تصادم بھی ہوا۔ (اکتوبر، نومبر)۔ فتح گڑھ پر جنوری ۵۸ء میں انقلابیوں نے حملہ کیا مگر شمس آباد پر ہوپ گرانٹ نے شکست دی اس جنگ میں

---

1. Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 221. 226

2. نجم الغنی: اخبار الصنادید ص ۹۴۔۹۳ جلد ۲

گاؤوں کے ہندو مسلم عوام اور ٹھاکر شامل تھے، دو ہزار مجاہدین (جہادی) بھی تھے، منصور علی بیگ اور بیدار شاہ کے فوجی دستے بھی تھے۔ قادر گنج کے قریب بھی معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ اس دوران بالا بالا یہاں ہوکر شاہجہانپور اور ولی داد خاں اور اسمٰعیل خاں بریلی سے آتے ہوئے سہسوان ہوکر فتح گڑھ گئے۔ دہلی کی شکست کے بعد بخت خاں نے آکر جہاد کا فتویٰ تقسیم کرایا جس سے جوش و خروش میں اضافہ ہوا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں ڈاکٹر وزیر خاں۔ مولوی فیض احمد اور شہزادہ فیروز وغیرہ پہنچے، ککرالہ پر تصادم ہوا (۲۷ اپریل) جہاں جنرل پینی کی فوجیں حملہ آور ہوئی تھیں۔ جنرل پینی جان گنوا بیٹھا اور انقلابیوں کو فتح کے آثار نظر آئے مگر جنرل جونس کی تازہ دم فوجیں آجانے پر انھیں پسپا ہونا پڑا اور ان کے رہنما بریلی چلے گئے جہاں خان بہادر خاں کا اقتدار تھا۔

وفاداروں کی حرکتیں

انگریزوں کے وفادار برابر اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے پنّو لال خط و کتابت کر رہا تھا اس کے نام انگریز حکام کا ایک خط انقلابیوں کے ہاتھ لگا جس میں لکھا تھا کہ تم ٹھاکروں کے ذریعے پھوٹ ڈالنے اور بدنظمی پیدا کرنے کی کوشش کرو[1] انقلابی جنرل نے اس خط کو راز میں رکھا، مشتبہ ٹھاکروں کو بات چیت کے لیے بلایا اور گرفتار کر لیا بختاور سنگھ اور پنّو لال کو سزا دی گئی۔ ایک سردار کو گدھے پر بٹھا کر نکالا اور پھر توپ سے اڑا دیا گیا۔ بھائی سنگھ دھرم سنگھ کو بھی اسی جرم میں قید کیا گیا۔ بہاری لال سابق سب انسپکٹر بھی انگریزوں سے نامہ و پیام کر رہا تھا اور روزنامچہ بھی لکھتا رہا، مارچ ۱۸۵۸ء میں مراد آباد کو فرار ہو گیا۔ مہدی علی رئیس پہاسو بھی 'وفاداروں' میں تھا، شیخو پور کا زمیندار فیاض الدین[2] بھی انگریزوں کی مدد کرتا رہا۔

---

۱ 1. Freedom Struggle UP. Vol. 5 p.325

۲ اس کے بیٹے شیخ عبدالغفار نے ایک پمفلٹ "تریاقِ شورش" ۱۹۰۷ء میں شائع کیا جس میں لکھا کہ بدایوں میں ۱۹ مئی سے بغاوت کی افواہیں تھیں۔ ۲۵ مئی (عید) کو بغاوت شروع ہونے کی افواہ تھی کلکٹر نے معزز مسلمانوں کو طلب کیا اور مشورے کے بہانے اندازہ لگایا۔ بغاوت ۲ جون کو شروع ہوئی۔

کلکٹر کی زبانی

بدایوں کے کلکٹر ولیم ایڈورڈس نے اپنی کہانی کتابی صورت میں بیان کی ہے جس کا ترجمہ "مصائب غدر" کے عنوان سے ہوا۔ اس نے نہ صرف بدایوں بلکہ قریبی علاقوں کا حال بھی بیان کیا ہے کہ کس طرح تمام دیہات اور شہر کے عوام باغیوں کے ساتھ تھے لیکن وہ اس عوامی نوعیت کا سبب کارتوس کو نہیں بلکہ زمینی اصلاحات کو قرار دیتا ہے جس کے نفاذ سے ہزاروں زمیندار زندگی کا سہارا کھو بیٹھے۔ وہ بتاتا ہے کہ کسان اور کاشت کار پوری طرح اپنے زمینداروں کے ساتھ تھے۔ انگریزوں سے دیہاتیوں کی نفرت اس قدر شدید تھی کہ ایک جگہ جہاں انگریزوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں، گاؤں کے عوام گروہ در گروہ آتے، انھیں دیکھتے اور چاروں طرف اس طرح خوشی کے مارے ناچتے تھے جیسے کوئی شادی ہو رہی ہو۔ اُس نے بدایوں وغیرہ کے علاقوں میں ہندو مسلم تعلقات کی کشیدگی پر بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس طرح انگریزوں کو روہیلکھنڈ میں واپس آنے کا موقع مل جائے گا۔"[1]

بدایوں کے انقلابی

انقلابی سرداروں میں فصاحت اللہ خاں (وکیل جج بریلی) نے انتظامات میں کلیدی رول ادا کیا، وہ نائب ناظم مقرر ہوا، بے حد بااثر تھا۔ بعد میں استعفےٰ دینے پر جج بنایا گیا اور محمد یار خاں نائب ناظم ہوا۔ فضل احمد ہیڈ سررشتہ دار بنایا گیا جو فصاحت اللہ کا عزیز تھا، تمام اہم کارروائیوں میں شریک رہا۔ بعد میں ان تینوں کے پاس سے جو کاغذات ملے ان سے پتہ چلا کہ لکھنؤ کے انقلابیوں سے برابر رابطہ رکھے ہوئے تھے[2] یہ اگست ۵۸ء میں فرنگی محل لکھنؤ سے گرفتار ہوئے۔ محمد یار کو پانچ سال جلاوطنی اور ضبطی جائداد کی سزا ملی۔ احمد شاہ خاں نائب ناظم اگست ۵۸ء کو توپ سے اڑایا گیا۔ سہسوان کا مولوی نیاز احمد بھی شہید ہوا۔ حیدر خاں کو گولی ماری

---

1. EDWARDS : Personal Adventure During Indian Rebellion 146-47, 67. ؎۱

2. Freedom Struggle UP Vol. V p. 621-622 ؎۲

گئی (لاش شہباز پور میں دفن ہے)۔ محمد حسن خاں کو بیدردی سے مارا گیا۔ مولوی فضل حق (ساکن شاہجہاں پور) پہلے بدایوں کے ضلعے میں تحصیلدار پھر بغاوت کی ابتدا میں بریلی کھیت کا ناظم بنا، نومبر ۱۸۵۷ء تک بغاوت میں سرگرم، آخر تک بڑی فوج ہمراہ تھی[1] اسلام نگر کے سید محب علی کے بارے میں مخبری کی گئی کہ فتوی جہاد امام باڑے میں دفن کر دیا ہے چنانچہ امام باڑہ کھود کر مسمار کر دیا اور محب علی کو گولی ماری گئی، مولوی علی رضا، ماجد علی اور تفضل حسین کو بھی گولی ماری گئی[2] محسن علی خاں اپریل ۵۸ء میں زخمی ہو کر فوت ہوا۔ مولوی فیض احمد نے جنگوں میں حصہ لیا، ککرالہ کی جنگ میں بھی شرکت کی۔ دیگر سرداروں میں منیر خاں۔ رحیم علی۔ منصور بیگ۔ سیف اللہ وغیرہ تھے۔

شاہجہانپور

۳۱ مئی ۵۷ء (اتوار) کو جب انگریز گرجا گھروں میں تھے، انقلابیوں نے گرجا کو گھیر لیا۔ کچھ مارے گئے باقی پوایاں کو فرار اور پھر محمدی پہنچے۔ گرجا پر حملہ کرنے والوں میں جواہر رائے۔ گنگا دوبے۔ نرائن پانڈے۔ شیو چرن۔ رام نرائن دوبے وغیرہ تھے۔ انگریزی اقتدار ختم ہونے کے بعد نظام علی سابق کوتوال (حال قیدی) کو تھانے کا انچارج بنایا گیا۔ قادر علی خاں اور غلام حسین نے انتظام سنبھالا۔ باغی سپاہ میں گھنشیام سنگھ صوبے دار سب سے نمایاں تھا۔

شاہجہاں پور کی بغاوت کو منظم کرنے میں مولوی سرفراز علی گورکھپوری کا نمایاں رول ہے، انھوں نے تقریریں اور جہاد کی تلقین کی، دیسی سپاہ کو تیار کیا اور ۳۱ مئی سے بیس دن پہلے یہاں آکر بغاوت کی سازش مکمل کر دی۔ مولوی علی کریم کے گھر ہندو مسلمان حاضرین کے سامنے انگریزوں کے خلاف پرجوش تقریر کی۔ اس موقعے پر قدرت علی۔ نظام علی۔ قادر علی۔ عبدالرؤف خاں۔ رستم سنگھ۔ دولت رائے۔ کالکا پرشاد۔ گھنشیام سنگھ۔ منگل خاں وغیرہ موجود تھے۔ (یکم مئی ۵۷ء)

---

1. Freedom Struggle UP. Vol. 5 pp. 327, 621-622

۲۔ مضمون محمد سلیمان۔ الجمعیۃ، یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء

انہی سرگرمیوں کا نتیجہ تھا کہ آس پاس کے تمام گاؤں دلاور پور۔ رس رتھ پور۔ زین الدین نگر۔ نبی پور۔ مصری پور۔ عزیز گنج۔ الّٰہ پور۔ شیرآمئو (پوایاں) دھنیراپور۔ وحھانی پور۔ شہباز پور۔ تواد۔ اندا پور۔ اولاد پور۔ کاری مکر ند پور۔ چونڈیرہ۔ وغیرہ کے عوام بغاوت میں شریک تھے [1]

۱۳ر مئی کو باغی سپاہ مولوی سرفراز علی کے ساتھ بریلی روانہ ہوئی۔ انقلابی رہنماؤں میں قدرت علی (نائب فوج داری سررشتہ دار)۔ نیاز علی۔ حامد حسن ڈپٹی کلکٹر۔ نظام علی (سابق تحصیل دار) چودھری عبد العلی وغیرہ انتظامات میں شریک رہے۔ نواب قادر علی نے حاکم بن کر انتظام سنبھالا۔ بعد میں کچھ لوگ جن میں عبد الرؤف (ڈپٹی انسپکٹر تعلیم)۔ نقش بند خاں۔ فیض خاں۔ غلام علی۔ ناصر خاں (محلہ خلیل) نظام علی (ساکن شہباز نگر)۔ نظام علی کوتوال۔ ستیل سنگھ۔ دولت رائے۔ واجد علی وغیرہ تھے، ۱۵ر جون ۵۷ء کو بریلی گئے اور خان بہادر خاں سے غلام قادر خاں کو ناظم بنانے کی درخواست کی چنانچہ غلام قادر ناظم اور یہ عہدے دار مقرر ہوئے۔

نظام علی خاں (شہباز نگر) : نائب ناظم

خان علی خاں (تحصیل دار بیسل پور بریلی) : نائب ناظم

حامد حسن خاں (سابق ڈپٹی کلکٹر) : نائب ناظم

عبد الرؤف خاں : کمانڈر فوج

ستیل سنگھ : دیوان

فوجی انتظام سنبھالنے والوں میں کالکا پرشاد۔ ظہور خاں۔ اسرار خاں۔ قدرت اللہ مہدی علی۔ نواب حشمت۔ امیر علی۔ حیدر خاں۔ رجب علی۔ ولایت علی۔ ناصر علی (الہ گنج کی جنگ میں شہید)۔ علی حسن۔ منگل خاں وغیرہ تھے۔ ظہور احمد پیشکار اور رؤف احمد (محرر فوجداری) نے

ل 1. Freedom Struggle. Vol. 5, 297-97

CHAUDHURY : Civil Rebellion. 116-125

نمایاں حصہ لیا۔ یہ دونوں بھائی تھے اور کافی باثر تھے (بعد میں اودھ چلے گئے)۔ عبدالرؤف خاں کے بعد واجد علی (سابق ناظر منصفی) کو کمانڈر اور حامد حسن کے استعفے کے بعد نجیب خاں نائب ناظم ہوا۔ مفتی مظہر کریم سررشتہ دار کو مفتی شہر بنایا گیا۔[1]

دوسرے علاقوں مثلاً تلہر۔ کٹرہ میراں پور۔ جلال آباد۔ محمدی وغیرہ میں بھی انگریزی اقتدار ختم کر دیا گیا۔ تلہر میں بغاوت کی خبر پہنچتے ہی یہاں کے رئیس غلام محمد خاں تحصیل دار وغیرہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہاں سے چلے جائیں۔ سرکاری عمارتوں پر قبضہ کیا، قیدی رہا کیے۔ جلال آباد کا تحصیل دار احمد یار خاں ۲؎ پہلے ہی بغاوت کا سرغنہ تھا، یہاں کا ناظم مقرر ہوا۔ فیض اللہ خاں (سابق محافظ دفتر) نے جاسوسی محکمہ سنبھالا۔ تمام سابق عہدہ داروں نے اپنی خدمات نئی حکومت کو پیش کر دیں۔ دیوانی کے ایک سو چار ۱۰۴ اور فوج داری کے اکہتر ۷۱ ملازمین نے انقلابی حکومت میں عہدے سنبھالے۔ ہدایت علی ساکن تلہر اور فیض محمد وغیرہ نے ۱۰ فروری ۱۸۵۸ء کو ہلدوانی پر فوجی مہم میں حصہ لیا۔ دہلی کی شکست کے بعد بھی یہاں مولوی سرفراز علی نے پرجوش کارروائیوں سے عوام کے حوصلے بلند رکھے۔۲؎ ان کی اور مفتی مظہر کریم کی سربراہی میں عید گاہ پر ایک بھاری اجتماع ہوا جس میں انگریزی راج کے خاتمے کی دعا کی گئی۔ کٹرہ میراں پور میں فیض محمد اور غلامی خاں نے فوج منظم کی۔

لکھنؤ کی شکست کے بعد (اپریل مئی ۵۸ء) شاہجہاں پور میں مولانا احمد اللہ شاہؒ کی

۱؎ 1. Freedom Struggle UP. Vol. 5 p. 297-303

مفتی مظہر کریم پیشکار، ممتاز عالم اور فقیہہ، کالے پانی کی سزا ہوئی، جغرافیہ کی ایک کتاب کا ترجمہ کرنے پر قبل از وقت رہا ۱۸۶۲ء میں دریاباد میں انتقال، مولانا عبدالماجد دریابادی کے دادا تھے۔

۲؎ ۲۸ اپریل ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔

2. CHAUDHURY: Civil Rebellion. 117

سرگرمیاں، جنھوں نے انگریز تاریخ نویسوں کو انگشت بدنداں کر دیا ہے آئندہ صفحات (آخری دور) میں بیان ہوں گی۔ اگست، ستمبر ۱۸۵۸ء تک بھی شاہجہانپور میدانِ جنگ بنا رہا۔

عوام کے انقلابی جذبات کا اندازہ انگریزی اخبار کے ایک نامہ نگار کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ

"گورنمنٹ کے ایک نمائندے کا جو ضلع اور اس کے باشندوں سے پوری طرح واقف ہے کہنا ہے کہ ہر ہندوستانی دل سے ہمارے خلاف ہے۔" [۱]

اہم انقلابی سرداروں میں نظام علی خان (بچپوریہ کی جنگ میں کام آیا)۔ قاسم علی کمانڈینٹ۔ اعتقاد علی (سابق روزنامچہ نویس) (جہاد کے لیے دہلی گیا)۔ دولت راؤ بخشی (بچپوریہ میں کام آگیا)۔ رعایت علی ناظم تلہر۔ کفایت علی۔ خادم حسین تحصیلدار تلہر۔ سلطان حسین خان منصف تلہر (خان بہادر کا بھتیجا)۔ سید محمود حسین (مفتی پیلی بھیت)۔ موتی چند۔ جانکی پرشاد۔ میر باز خاں۔ رام سہائے (تلہر)۔ برکت اللہ خاں۔ گردھاری لال (تلہر)۔ امراؤ سنگھ (تلہر)۔ صوبے دار میجر گھنشیام سنگھ۔ سید نیاز علی۔ تراب علی وغیرہ تھے۔ ڈسٹرکٹ گزیٹر میں ہے کہ جنوری ۱۸۵۸ء میں نواب غلام قادر نے حامد حسن، سابق ڈپٹی کلکٹر کو انگریزوں سے خط و کتابت کے جرم میں قتل کرایا۔ فتح گڑھ اور لکھنؤ کی شکست کے بعد نواب فرخ آباد، فیروز شاہ اور نانا صاحب یہاں گزر کر بریلی گئے۔

مراد آباد

روہیل کھنڈ کے دوسرے علاقوں کی طرح مراد آباد میں بھی بغاوت کے لیے سازشیں ہو رہی تھیں لیکن انگریز حکام کو پتہ نہ چل سکا۔ مولوی وہاج الدین (عرف منّو)، مولوی سید کفایت علی کافی اور ایک بیان کے مطابق مولوی سید عالم علی [۲]

---

[۱] Carnatik Telegraphy and Madras Exchange Gazette 23 August 1858, India Gazaette, August 9, 1858 Freedom Struggle UP Vol.5 p. 556

[۲] ان علماء کے تفصیلی حالات علیحدہ باب میں آئیں گے۔

وغیرہ ان سازشوں میں شریک تھے۔ مرادآباد پر جو ہم عصر مطبوعہ و قلمی مواد ہمارے پیش نظر ہے اس میں جے سی ولسن (جج) کی مطبوعہ رپورٹ، کیپٹن فیڈی (نمبر ۲۹ این آئی) کا مسودہ اور ایک سرکاری تاریخ وار بیان جسے آفیشیٹنگ مجسٹریٹ آر ایچ ڈنلپ نے ترتیب دیا (نومبر ۱۸۵۷ء)۔ ایک بیان مقامی شخص گینش پرشاد مترجم عدالت ججی کا مسودہ ہے یہ شخص اکتوبر ۱۸۵۷ء میں مرادآباد سے فرار ہوا۔ ولسن نے اس کی وفاداریوں کی تعریف کی ہے علاوہ ازیں ڈسٹرکٹ گزٹیئر اور ایف ایچ فشر کا لکھا ہوا ریکارڈ مطبوعہ ۱۸۸۲ء بعنوان:

Statistical description & Historical Account of NWFP
part II Moradabad.

اور "تاریخ روہیل کھنڈ" مؤلفہ نیاز احمد ہوہار (قلمی) ۱۸۶۹ء کی تصنیف ہے۔

میرٹھ کی بغاوت کی خبریں ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو پہنچیں اور افواہیں پھیلنے لگیں۔ نمبر ۲۹۔ این آئی اور کچھ دیسی سوار فوج تعینات تھی۔ سی بی سانڈرس مجسٹریٹ، اور جے جے کیمپبل جوائنٹ مجسٹریٹ تھا۔ جے سی ولسن کافی عرصے سے بحیثیت جج مقیم تھا۔ منشی امام الدین کوتوال تھا۔ جے سی ولسن نے بات چیت کی تو پتہ چلا کہ دیسی سپاہ امن و امان کی حامی ہے اور وفادار رہے گی۔ ۱۷ مئی (اتوار) کو اطلاع تھی کہ باغی سپاہ کی ایک پارٹی یہاں پہنچی اور کانگن ندی کے قریب کھیڑہ کے جنگل میں قیام کیا۔ انگریز حکام نے ایک دستہ بھیجا تاکہ گڈھ مکتیسر اور میرٹھ کے درمیان سڑک صاف کریں۔ یہ دستہ پہلے کانگن بھیجا گیا۔ امام الدین نے رات کے وقت جاسوسی کی اور اگلے دن مجسٹریٹ کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ معمولی تصادم کے بعد ایک ہلاک اور آٹھ دس باغی سپاہی گرفتار ہوئے، تیرہ ہزار روپیہ ملا جو وہ اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ یہ نمبر ۲۰۔ این آئی کے تھے اور مظفر نگر کا خزانہ لے کر آئے تھے۔ "تاریخ روہیل کھنڈ" اور "اخبار الصنادید" کا بیان ہے کہ اسی تاریخ سے اطراف مرادآباد میں فساد شروع ہوا۔ ۱۹ مئی کو انہی باغی سپاہ کے پانچ اور سپاہی جو رات کو بچ نکلے تھے، چھاؤنی میں آنے پر گرفتار ہوئے۔ دو سپاہی مقامی فوجی لائنوں میں داخل ہو رہے تھے ان

میں ایک مارا گیا اور ایک زخمی گرفتار ہوا۔ ان سب کو کریمنل جیل بھیج دیا گیا۔ مرنے والا سپاہی مراد آباد کی ۲۹-این آئی کے ایک سپاہی سنسار سنگھ کا سالا تھا چنانچہ اُس نے کچھ آدمی (ایک سو ستر) جمع کر کے جیل پر حملہ کیا۔ جیل گارڈ (سرب سنگھ) نے نہ صرف باغی سپاہ کو بلکہ تمام قیدی (۶۰۰) رہا کر دیئے۔

میلیسن نے اپنی کتاب کی جلد اول میں جو حالات مراد آباد کے لکھے ہیں ان کی دیگر ہم عصر بیانات سے بھی تصدیق ہوتی ہے یعنی یہ کہ سپاہ کی اکثریت ابھی تک وفادار تھی۔ انھوں نے انقلابیوں کا پیچھا کر کے کچھ کو گرفتار بھی کیا۔ امام الدین نے بھی چند کو گرفتار کرایا۔

۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو معلوم ہوا کہ کچھ مسلمان رام پور سے آکر رام گنگا کے کنارے پر شہر کے مقابل جمع ہیں اور انقلابیوں سے رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو "غازی" کہتے تھے۔ (تقریباً دو سو)۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو مولوی منّو نے بلایا تھا۔[1] شہر میں اس خبر سے کافی ہیجان پیدا ہو گیا، دکانیں بند اور سڑکیں ویران ہو گئیں۔ ولسن نے ملٹری سے مدد چاہی اور خود جا کر غازیوں کا مقابلہ کیا، امام الدین بھی ہمراہ تھا۔[2] اسی رات کو باغی گروہ کا سردار (مولوی منّو) پولس کے ہاتھوں مارا گیا۔ غازیوں میں کچھ گرفتار

۱؎ 'اخبار الصنادید' (جلد ۲ ص ۲۲) میں یہ نام 'منتو' لکھا گیا ہے۔ مولوی منّو (وہاج الدین) پوتے تھے مولوی وجیہ الدین کے اور مولوی اسمٰعیل کے بھتیجے جو شاہ اودھ کی طرف سے چند سال قبل لندن گئے تھے۔ جیل توڑنے میں بھی شریک تھے۔

۲؎ سر سید: بخیر خواہ مسلمانانِ ہند (حصہ ۲ ص ۴۲)۔ یہ شخص ۱۸ مئی کو کانگن کے پل پر مقیم باغی سپاہ کی بھی جاسوسی کر چکا تھا۔ اس کے بھائی تاج الدین نے غازیوں پر حملے میں بھی شرکت کی۔ مولوی منّو کو امام الدین نے شہید کیا، عوام اس کے دشمن ہو گئے تو انگریزوں کے ساتھ نینی تال کو فرار ہوا۔ بعد میں بریلی، شاہجہانپور اور محمدی وغیرہ کے معرکوں میں بھی جاسوسی کرتا پھرا۔ رہنے والا بریلی کا تھا۔ وفاداری کے انعام میں تحصیلداری اور ایک گاؤں ملا۔ (خیر خواہ ...... ۴۲)

کر کے رام پور بھیج دیئے گئے۔ دو تین دن بعد خبر ملی کہ سیپرز اینڈ مائنرز کی دو کمپنیاں رڑکی سے بغاوت کر کے آرہی ہیں۔ کچھ فوج ان کے مقابلے کے لیے گئی، پیچھا کرنے پر انھوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ترائی کی طرف چلے گئے۔

۲ر جون ۱۸۵۷ء کو بریلی میں بغاوت کی خبروں نے اب تک کی وفادار سپاہ یعنی نمبر ۲۹۔ این آئی کو بھی بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ انگریز نینی تال کو فرار ہو گئے۔ سرکاری کاغذات اور اصل ریکارڈ سے اس بات کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ شہر کے عوام بلا امتیاز بغاوت پر کمر بستہ تھے۔ سپاہ کے لہجے بدل گئے، طنز اور درشتی سے بات ہونے لگی اور انگریزی اقتدار خاک میں ملتا نظر آیا تو ولسن نے کوشش کی کہ دیسی سپاہ کو مع خزانہ و توپ خانہ میرٹھ روانہ کر دے مگر سب بے سود رہا اور ۳ر جون کو سپاہ نے بغاوت کر دی۔ کچھ انگریز خزانے کی عمارت میں پناہ گزیں ہو گئے تھے مگر اسے بچا نہ سکے اور دو لاکھ ستر ہزار روپیہ انقلابیوں کے ہاتھ آیا۔ جب ولسن اور سانڈرس سوار ہو کر جانے کو تیار ہوئے تو کچھ سپاہیوں نے گھیر کر مارنا چاہا اس پر دیسی افسروں نے انھیں یہ وعدہ یاد دلایا کہ وہ انگریزوں کو قتل نہیں کریں گے تو انھوں نے بندوقیں نیچی کر لیں، 'محاربۂ عظیم' میں بھی یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ جب خزانچی اور انگریزوں کو سپاہ نے قتل کرنا چاہا تو دو حولداروں نے روک دیا اور کہا:

"تم نے عہد کیا ہے کہ کسی انگریز کو نہ مارو گے اس کو یاد رکھو"[1]

سرکاری رپورٹ کے بموجب ۲ر جون ۱۸۵۷ء کو ایک جیل کا برقنداز یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ "پرندوں کے شکاری نے آج قیدی چڑیوں کے لیے اعلان کر دیا ہے کہ کل تم سب آزادی حاصل کر لو گے"[2] دیسی سپاہ کو نواب مجو خاں اور عباس علی خاں کے آدمی بغاوت پر آمادہ کر رہے تھے۔

۱؎ کنہیا لال: 'محاربۂ عظیم' ۔ ۲۲۲

۲؎ 2., FISHER: Statistical Description & Historical Account, Vol. 9 part 2, "Ye shall all obbtain freedom tomorrow."

نواب مجید الدین عرف مجو خاں (بن معین الدین)[1] مراد آباد کے ایک سابق ناظم عظمت اللہ فاروقی کی اولاد اور عباس علی خاں (بن اسد علی) دو نندے خاں کی اولاد تھے۔ مجو خاں کو نمبر ۲۹ این آئی نے ناظم بنایا اور توپ خانہ سوار فوج نے اسد علی کی حمایت کی۔ دونوں گروہ رقابت اور تنازعے کی سطح پر آ گئے تھے کہ نواب رام پور نے آ کر اقتدار سنبھال لیا۔ ریس کورس کے قریب دربار کیا (۴ جون) مجو خاں کو ناظم، سعادت علی کو جج اور نیاز علی کو ڈپٹی کلکٹر بنایا گیا لیکن ۸ جون کو رام پوری فوج اور نواب واپس چلے گئے کیونکہ بخت خاں کے ہمراہ باغی سپاہ بریلی سے رام پور پہنچنے والی تھی۔

بریلی سے جنرل بخت خاں مع فوج ۹ جون کو رام پور اور ۱۴ جون کو مراد آباد پہنچا۔ مولوی سرفراز علی بھی ہمراہ تھے جنہوں نے یہاں فوجی عدالت کے سربراہ کی حیثیت سے انگریزوں کے وفاداروں کو سزائیں تجویز کیں۔ مولوی کفایت علی کافی بغاوت سے کچھ پہلے بریلی جا کر بخت خاں کے ہمراہ یہاں آئے۔ مولوی سید عالم علی (امام شہر) نے کچھ عیسائیوں کو جو مسلمان ہونا چاہتے تھے، کلمہ پڑھایا اور ان کی حفاظت کی اس کے باوجود بخت خاں کے آنے پر چند لوگوں نے اس سے شکایت کی کہ مولوی نے عیسائیوں کو پناہ دی ہے۔ چنانچہ ان عیسائیوں کو بخت خاں کے پاس لایا گیا اور مولوی موصوف کا گھر لوٹ لیا گیا۔ چند انگریز جو شہر میں چھپے رہ گئے تھے ۱۴ جون کو قتل کیے گئے اور ان کی عورتیں بخت خاں کے حوالے کر دی گئیں۔ بخت خاں نے انتظامات درست کیے، نواب رام پور نے جن لوگوں کو قید کر دیا تھا انھیں رہا کیا، مجو خاں کو ناظم مقرر کیا۔ کچھ انگریز عورتیں جو مجو خاں کی حفاظت میں تھیں نواب رام پور کے پاس بھیج دی گئیں۔ یہ روایت کہ ان عورتوں کے ساتھ بدسلوکی روا رکھی گئی، انگریزوں کی من

---

[1] مجو خاں کے خاندان کے دوسرے افراد میں ان کے بیٹے امیر الدین، بہنوئی شبیر علی کے علاوہ رفیع علی خاں، آل علی خاں اور شبیر علی وغیرہ نے بغاوت میں حصہ لیا۔ رفیع علی پر ۱۹ اپریل ۱۸۵۸ء کو مقدمہ چلا کر گولی ماری گئی۔ ان کے بیٹے رضوان علی ۱۹۱۱ء میں فوت ہوئے شبیر علی عاجز کو بھی اپریل ۵۸ء میں گولی ماری گئی۔

گھڑت ہے کیونکہ مراد آباد کے انگریزوں نے اپنے بیانات میں یہ ذکر نہیں کیا بلکہ سر ولیم میور کا بیان ہے کہ:

"انگریز عورتوں کی بے عزتی کی افواہیں، جہاں تک میرے مشاہدے اور تحقیقات کا تعلق ہے، بے بنیاد ہیں اور ان کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا"۔ [1]

۱۷ جون ۱۸۵۷ء کو بخت خاں کی فوج کے ہمراہ نمبر ۲۹۔ این آئی رجمنٹ اور کچھ عیسائی، جو زندہ بچے، ہمراہ گئے۔ دو عیسائی گجرولہ پر قتل کر دیئے گئے کیونکہ وہ انقلابیوں کا میگزین اڑانے کی سازش کر رہے تھے۔ [2] بخت خاں کے جانے کے بعد مجو خاں نے دربار کیا۔ عباس علی نے بخت خاں کے ہمراہ جا کر اپنے والد اسد علی کے لیے مراد آباد کی سند حاصل کر لی (بمقام رجب پور) حاصل کر لی اور پھر اقتدار کے لیے رقابت شروع ہو گئی لیکن اس دوران موضع بیجنا کے بدمعاشوں نے شہر لوٹنے کا چیلنج دیا جس پر دونوں کی رقابت ختم ہوئی اور شہر کی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ اسی زمانے میں ہستا پور کے ایک مہاجن پر دومن کشن سے روپیہ طلب کیا گیا۔ اس کے انکار پر کچھ تنازعہ ہوا چاہتا تھا کہ تصفیہ ہو گیا۔

نواب رام پور نے میدان خالی پا کر پھر مراد آباد کا رخ کیا اور انگریزوں کے ایما پر جن سے یہ نواب برابر نامہ و پیام کر رہا تھا، ۲۴ جون کو مراد آباد پر قبضہ جمایا اور مجو خاں کو ناظم سنبھل مقرر کیا۔ اس وقت نواب ولی داد خاں کی حکومت کی حدیں حسن پور تک پہنچ گئی تھیں، آس پاس کے تمام علاقوں میں انقلابیوں کا عمل دخل ہو گیا تھا۔ ادھر نواب رام پور کے دوبارہ اقتدار سنبھالنے پر مراد آباد کے عوام میں اضطراب تھا اور رام پوری فوج کے لوگ زیادتیاں کرنے لگے تھے چنانچہ نوبت آپس کے فساد تک پہنچی جسے کدو خانی کا واقعہ کہا جاتا ہے۔ آخر کار کٹگھر کے انقلابی سردار دھونکل سنگھ رسالدار کی مداخلت سے امن قائم ہوا۔ [2] وہ اپنے ہمراہیوں کو لے کر کوتوالی پر آیا اور رام پور کے حکام کو چیلنج کیا، کوتوال اندر چھپا ہوا تھا اس کو لے کر نواب کے معتمد حکیم سعادت علی کے پاس گیا اور

---

[1] سر ولیم میور ہیڈ آف انٹیلی جینس کی رپورٹ، بحوالہ ساورکر۔ ۱۲۵

[2] ایضاً

2. FISHER: Vol.9 pp.162-163 (Part 2)

عہد و پیمان کرایا۔[1]

جب شکست دہلی کی خبریں پہنچیں تو انقلابیوں کی سرگرمیاں بجائے کم ہونے کے اور تیز ہوگئیں۔ مسجدوں میں جہاد کی تبلیغ اور وعظ ہونے لگے۔ انگریزوں سے نفرت اتنی تھی کہ نہ صرف لباس بلکہ ہر انگریزی چیز کے لوگ دشمن ہو گئے تھے۔ مولوی زین العابدین نے جہاد کا اعلان کیا۔ ساجد علی خاں۔ صابر علی خاں۔ اکبر علی۔ حفیظ علی وغیرہ نے سرگرم حصہ لیا۔[2] عوام خصوصاً مسلمانوں میں جوش و خروش عروج پر تھا۔ الیف ایچ فشر نے تمام بیانات اور یادداشتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی کتاب میں یہ اقرار کیا ہے کہ:

> "یہ نظریہ، جسے بعض حلقوں کی تائید حاصل ہوئی، کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت صرف فوجیوں تک محدود رہی، نہایت مستند ذرائع سے اُن حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو روہیلکھنڈ میں واقع ہوئے، مشکل ہی سے صحیح مانا جا سکتا ہے۔"[3]

فشر نے اپنے گزٹیر میں یہ بھی بتایا ہے کہ مراد آباد میں گنتی کے چند 'وفادار' گنیش پرشاد تارا چند۔ نند کشور وغیرہ بھی تھے۔

شہزادہ فیروز

مراد آباد کا ایک اہم واقعہ شہزادہ فیروز شاہ کی آمد ہے۔ وہ ۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء (۷ رمضان ۱۲۷۴ھ) کو سنبھل کی راہ سے آیا اور عیدگاہ کے قریب (موجودہ برف خانے کے سامنے) ٹھہرا۔ نواب رام پور کے ہاتھوں کے پھر طوطے اُڑ گئے اور اس غم میں دو دن کھانا نہ کھایا اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ شہر کے لوگ کس کا ساتھ دیں گے، معلوم ہوا کہ فیروز شاہ کی شرکت کریں گے۔[4] شہزادے نے کہا کہ راہ بھول کر آ گیا ہوں، روزہ دار ہوں، شام کو چلا جاؤں

---

[1] نجم الغنی: اخبار الصنادید جلد ۲ ص ۱۶۱-۵۹

[2] چودھری: ۱۱۰-۱۰۹

[3] FISHER: Vol.9 part 2 pp.162-163

[4] نجم الغنی: اخبار الصنادید۔ جلد ۲ ص ۸۲

گا، نہ رسد لوں گا نہ شہر میں داخل ہوں گا۔ اس دوران اس کی فوج نے رام پوری فوج کی توپیں چھین لیں تو یہ فوج فرار ہوگئی۔ نواب کے حامیوں نے قصائیوں کے چودھری (غلام قادر) سے مدد چاہی مگر کورا جواب ملا۔ شہزادے کی فوج تمام شہر میں پھیل گئی اور انگریزوں کے وفاداروں کو سزا دی، رسد بھی وصول کی، سولہ ہزار افراد نے ایک محضر پر دستخط کر کے شہزادے کا ساتھ دینے کا عہد کیا اور شہزادے نے ضروری انتظامات کیے۔ ۲۴ اپریل ۵۸ء کو نواب کی فوج نے شہزادے سے شکست کھائی (متصل مزار شاہ بلاقی)۔ رام پوری فوج کے سامنے آکر شہزادے نے کہا:

"افسوس! تم مسلمان ہو کر ہماری جان کے درپے اور فرنگی کی حمایت میں تکلیف دینا ہم کو گوارا کرتے ہو۔"

رام پوری افسروں نے احمقانہ جواب یہ دیا کہ "ہم تو ایک مسلمان رئیس کے ملازم ہیں"[۱]

غرض، یہ جنگ دن کے بارہ بجے تک رہی۔ نواب کی فوج کا تیا پانچہ کر کے شہزادہ شہر سے باہر گانگن ندی پر مقیم ہوا لیکن رام پور کے افسران اب بھی اس کے خوف سے لرزہ براندام تھے کہ کہیں چھپا ہوا نہ ہو۔ اس دوران جنرل جونس فوج لے کر آ گیا۔ رام پور کے فوجی شہزادے کا چھوڑا ہوا سامان ہی لوٹنا غنیمت سمجھ کر جیسے ہی اس نیک کام میں مشغول ہوئے، میگزین میں آگ لگ گئی اور نہ صرف یہ آرزو بلکہ ستر اسی آدمی بھی خاک ہو گئے۔ ۲۶ اپریل ۵۸ء کی خبر تھی کہ رحیم علی کی فوج سنبھل میں موجود ہے۔

فیروز شاہ کا تمام شہر نے ساتھ دیا۔ سید عابد علی اور سید عبدالرحیم نے رسد اور آدمی مہیا کیے، جنگ میں شرکت کی، بعد میں روپوش ہوئے لیکن گرفتار ہوئے اور پھانسی ہوئی۔ قاسم علی اور پردمن کشن نے شہزادے کی مخالفت کی۔

مرادآباد کے انقلابی

۲۵ اپریل ۵۸ء جنرل جونس مع فوج مرادآباد پہنچا۔ اسی دن دس

---

[۱] اخبار الصنادید، دوم، ص ۸۷

بجے مجوّ خاں کے مکان پر حملہ کیا گیا۔ 'اخبار الصنادید' میں ہے کہ :

"مجوّ خاں ایک مکان کی چھت پر بندوق چلاتے ہوئے معلوم ہوئے۔ سات سپاہی ہتھیار بند ان کو پکڑنے گئے انھوں نے بڑی دلیری سے تین آدمیوں کو تپنچے سے مار ڈالا اور باقیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ آخر کار اور مدد پہنچی اور وہ گولی سے مار دیئے گئے۔"[۱]

فنشر نے سرکاری رپورٹ کی بنیاد پر لکھا ہے کہ مجوّ خاں کو مع ساتھیوں کے گرفتار کر کے شام کو پانچ بجے گولی ماری گئی۔ اس کے بعد اکیس[۲۱] انقلابی سردار گرفتار اور باقی دفاع کرتے ہوئے کام آ گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں عابد علی۔ ساجد علی۔ نیاز علی۔ اسد علی۔ شیخ امانت۔ شبّیر علی وغیرہ تھے مئی ۵۸ء میں بہت سے انقلابیوں کو قتل کیا گیا ان میں دہلی کے دو شہزادے بھی تھے جو فقیر کے بھیس پوشیدہ تھے۔ حاجی سید احمد علی نے فیروز شاہ کا ساتھ دیا، رُوپوش ہوئے۔ مولوی کفایت علی کافی کو اپریل ۵۸ء میں پھانسی ہوئی (جیل کے قریب کنجری سرائے مویشی خانہ کے سامنے دفن)۔ سنبھل کے امام الدین ہادی وکیل نے بھی فیروز شاہ کا ساتھ دیا تھا، پھانسی ہوئی۔ رفیع علی خاں ولد علی رضا خاں اور گلاب سنگھ ولد شب لال بقال ساکن اکبر آباد (رام پور) کو اپریل ۵۸ء میں گولی ماری گئی۔ عابد علی۔ ساجد علی۔ عبد الکریم۔ سید عبد الرحیم وغیرہ کو پھانسی ہوئی۔ مجوّ خاں کے بہنوئی شبّر علی عاجز اور اس کے بھائی شبیر علی کو اپریل میں گولی ماری گئی۔ شبیر علی نے دہلی جا کر مختلف معرکوں میں حصہ لیا تھا۔ محلہ اصالت پورہ کے چودھری غلام قادر کو سزائے موت دی گئی۔[۲]

---

[۱] نجم الغنی: اخبار الصنادید ص ۸۹ (جلد ۲)۔ مجوّ خاں وغیرہ کی قبریں گنج شہیداں میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ گولی مارنے کے بعد ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر شہر میں گھسیٹا گیا اور پکتے ہوئے چونے میں ڈالا گیا۔ ایک بیان یہ ہے کہ کوتوالی پر لاش کی نمائش کی گئی۔

[۲] تفصیلات کے لیے مضمون "مراد آباد اور ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی" "قومی آواز" (دہلی) مورخہ ۱۳ تا ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء مضمون "سنبھل ۱۸۵۷ء کے باغی حکام" "قومی آواز" ۲۷ جنوری ۱۹۹۱ء مضمون "رام پور ۱۸۵۷ء میں" "قومی آواز" ۱۷ جون ۱۹۹۰ء "امروہہ ۱۸۵۷ء میں" "قومی آواز" ۹ مارچ ۱۹۸۶ء

مراد آباد کا سرکاری ریکارڈ

ڈسٹرکٹ گزیٹر میں اعتراف کیا گیا ہے کہ:
"مسلمانوں نے من حیث القوم ضلع بھر میں برٹش گورنمنٹ سے اپنی مخالفت کو نہایت صاف طریقے پر ظاہر کیا۔" (۱۴۶)

سرکاری تحریروں میں مراد آباد کو "دغاباز ضلع" اور "مصیبت خیز علاقہ" کہا گیا ہے (ملاحظہ ہو: سرسید کی "خیر خواہ مسلمانان ہند")۔

حالی نے "حیات جاوید" میں لکھا ہے کہ "خصوصاً ضلع مراد آباد پر گورنمنٹ کا سخت عتاب تھا اور انگریز افسروں کا یہاں اعتدال پر رہنا دشوار تھا" ضلعے کے تمام انقلابیوں کا اگر مختصر احوال بھی دیا جائے تو ایک چھوٹی سی کتاب بنے گی۔ چند کا ذکر یہاں کیا جارہا ہے جو سرکاری ریکارڈ سے لیے گئے ہیں۔

عبداللہ بیگ عرف منّا (فیروز شاہ کے ہمراہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں ترغیب دیتا پھرتا تھا)۔ ہدایت علی (پھانسی)۔ تہور خاں ولد نیاز محمد خاں (کالا پانی)۔ امام علی خاں (رام پور سے گرفتار)۔ عنایت حسین ولد غلام حسین۔ تجمل حسین ولد غلام عباس خاں۔ مہدیو چپراسی فوجداری (پھانسی)۔ علی بہادر ولد امیر خاں (کالا پانی) سنیل چند سپاہی (پھانسی)۔ اندر جیت سپاہی (پھانسی)۔ فتح سنگھ سوار فوجداری۔ کھیم سنگھ سپاہ گارڈ (پھانسی)۔ کلو خاں ولد امیر خاں (کالا پانی)۔ نرنجن سنگھ۔ حسن علی خاں۔ اعلا علی خاں (پھانسی)۔ اسد علی خاں (پھانسی)۔ بھوپ سنگھ۔ امانت اللہ وکیل (پھانسی)۔ یعقوب بیگ (پھانسی)۔ بہادر سنگھ۔ قطب شاہ۔ نعمت اللہ (دہلی میں بمقابلہ سرکار مارا گیا)۔ رام پرشاد (کالا پانی ۱۴ سال)۔ ہیرا سنگھ (مفرور)۔ غلام حسین (پھانسی)۔ حمید الدین ولد امام الدین لال سنگھ (مفرور)۔ کندن سنگھ۔ رام بخش۔ رامو (پھانسی) علاوہ ازیں بلاری کے نجف علی وکیل (ان کے علاوہ ۱۵۶ باغی سردار ہیں) ٹھاکر دوارہ کے منگل خاں ولد کلو خاں۔ امیر الدین (امین منصفی)۔ حسن خاں ولد بجو خاں۔ حسن پور کے غلام قادر (پھانسی)۔ حفیظ اللہ۔ سیف اللہ خاں وغیرہ۔

مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں ملازمین سرکار کی فہرست ہے جو باغی قرار دیے گئے یہ

تریسٹھ افراد ہیں جن میں ڈپٹی کلکٹر نیاز علی سے لے کر مہدیو چپراسی تک شامل ہیں۔ علماء میں بھی بے شمار افراد ہیں جنہوں نے بغاوت میں رہنمائی کی۔ ان میں مولوی منتولے (وہاج الدین) مولوی محبوب علی[1]۔ مولوی زین العابدین (مفرور ہوگئے) مولوی کفایت علی[2] جنہیں پھانسی ہوئی۔ مولوی سراج الدین مولوی شاہ علی۔ مولوی منیر علی وغیرہ شامل ہیں۔ ایس بی چودھری نے نعمت اللہ کے نام کے ساتھ بھی لفظ 'مولوی' استعمال کیا ہے۔ جن کے بارے میں درج ہے کہ 'دہلی میں مارا گیا'۔

جو لوگ وکٹوریہ کے اعلان معافی یکم نومبر ۵۸ء کے بعد رُوپوشی ختم کر کے عدالت میں حاضر ہوئے اُن کی ایک طویل فہرست ریکارڈ میں ہے۔ اس میں سے چند خاص نام یہاں پیش کر رہے ہیں:

۱۔ نیاز علی ولد محب اللہ۔ پٹھان۔ ساکن محلہ کٹّھی مراد آباد

"بہ زمرہ سواران بریلی بعہد خان بہادر خاں نوکر تھا اور ہمراہ نذر کے دہلی کو گیا تھا۔ اور فیروز شاہی میں شریک ہوا اور سرغنہ مفسدان ہے"

۲۔ عنایت حسین ولد غلام حسین سررشتہ دار۔ شیخ۔ مراد آباد

"بجرم بغاوت کے مفرور تھا۔ از خود حاضر ہوا۔ گروہ والا اور نامی ہے۔"

۳۔ عمر خاں ولد رستم خاں۔ پٹھان افغان۔ محلہ کٹّھی مراد آباد

"بہ زمرہ سواران خان بہادر خاں باغی کے نوکر تھا اور ہمراہ تحفہ کے دہلی کو گیا اور ایام غدر میں شر و فساد اس کی ذات سے ظہور میں آئے اور نام بھی اس کا فہرست باغیان مشہور میں درج ہے۔"

۴۔ قمر علی ولد ... سید ... مراد آباد۔ پیشہ نوکری

---

[1]، [2]۔ علماء کا تذکرہ علیحدہ باب میں کیا جائے گا۔

[3]۔ مولوی محبوب علی بن شیخ مدد شیر ارجب پور کے خانوادۂ فریدی سے تعلق ہے۔ بیٹے یعقوب علی (لاولد) تھے۔ ... قبرستان میں مدفون ہیں جہاں اب چھوٹا سینما ہے۔ ریکارڈ میں مقدمے کے کاغذات ہیں۔ دوسرے بھائی غلام علی کی اولاد موجود ہے

"ہمراہ شبیر علی خاں باغی کے دہلی کو گیا تھا۔ اب از خود حاضر ہوا اپنے گھر پر موجود ہے۔"

۵۔ ہدایت اللہ ولد فیض اللہ۔ پٹھان۔ مراد آباد۔

"بزمرۂ سواران خان بہادر خاں باغی کے نوکر تھا اور ہمراہ تحفہ دہلی کو گیا۔"

۶۔ محمد افضل ولد رمضانی۔ شیخ۔ معافیدار۔ امروہہ

"تاریخ مذکور (۱۴/ دسمبر ۵۸ء) کو بہار علی سمدی و انور علی بھانجہ محمد افضل مذکور نے لاش محمد افضل کی تھانہ امروہہ میں پہونچا کر کہا کہ اکرہ سے بارادہ حاضری حضور آتا تھا راستے میں مر گیا۔"

۷۔ مولوی شاہ علی ولد غلام علی۔ سید۔ معافیدار مراد آباد

"مشہور باغی ہے۔"

۸۔ مولوی قمر علی ولد رستم علی۔ سید۔ مراد آباد

"مشہور باغی ہے"

۹۔ مولوی عالم علی۔ سید۔ پیشہ حکمت۔ مراد آباد

"عدالت میں حاضر ہوا۔ مشہور باغی ہے۔" (۱۴/ دسمبر ۵۸ء)

۱۰۔ اللہ داد ولد بہادر خاں۔ پٹھان۔ محلہ کوٹ۔ امروہہ

"بجرم نوکری ولی داد خاں باغی مقام مالاگڈھ کے باغی تھا از خود حاضر ہوا اور اپنے گھر موجود ہے"

۱۱۔ امیر حسن ولد بشارت حسن۔ سید۔ معافیدار امروہہ

"بجرم غارت گری تھانہ تحصیل کے باغی تھا"

۱۲۔ عیوض علی ولد مبارک۔ سید۔ معافیدار امروہہ

"بجرم غارت گری تھانہ تحصیل کے باغی تھا"

۱۳۔ امجد علی ولد اکبر شاہ۔ سید۔ امروہہ

"بجرم ملازمت خان بہادر خاں باغی کے روپوش تھا"

۱۴۔ نجف علی عرف نجو ولد کریم اللہ۔ شیخ۔ امروہہ

"بہ جرم غارت گری تہانہ تحصیل امروہہ اور جانے مالاگڈھ ہمراہی گلزار علی روپوش تھا اپنے گھر آباد ہوا"

۱۵۔ احمد ولد علی بخش۔ کنڈی۔ عطر فروش امروہہ

"بجرم ملازمت مالاگڈھ و شرکت غارت گری تہانہ تحصیل کے مفرور تھا"

۱۶۔ احمد بخش ولد امین الدین۔ شیخ۔ امروہہ

"بجرم ہمراہی مہربان علی خاں و غارت گری تہانہ تحصیل کے روپوش تھا"

۱۷۔ عظیم اللہ عرف نجیب اللہ ولد نتھا۔ شیخ۔ دوکاندار حلوائی نوبت خانہ امروہہ

"بہ ہمراہی مہربان علی خاں و غارت گری تہانہ تحصیل روپوش تھا"

۱۸۔ بنیاد علی ولد لال محمد۔ شیخ۔ شاہی چبوترہ امروہہ

"بجرم ملازمت خان بہادر خاں باغی کے روپوش تھا"

۱۹۔ معصوم علی ولد مردان علی۔ سید۔ معافیدار امروہہ

"بجرم غارت گری تہانہ تحصیل و بہ ہمراہی گلزار علی مہربان علی مشہور باغیان کے روپوش تھا"

۲۰۔ خدا بخش ولد پیر بخش۔ جولاہہ۔ امروہہ

"بجرم نوکری ولی داد خاں باغی مالاگڈھ کے روپوش تھا"

۲۱۔ سبحان علی ولد امداد علی۔ سید۔ معافیدار امروہہ

"بجرم بغاوت روپوش تھا حاضر ہوا" (۱۳ دسمبر ۵۸ء)

۲۲۔ شبیر علی خاں ولد معظم خاں۔ شیخ۔ مغلپورہ مراد آباد

"مشہور باغی ہے"

۲۳۔ عباس علی خاں ولد صمد خاں۔ پٹھان۔ بازار دیوان مراد آباد

"مشہور باغی ہے"

۲۴۔ کریم بخش ولد حسین علی خاں۔ چودھری۔ چودھری سرائے سنبھل۔

"بذریعہ نوکری خان بہادر خاں باغی کے مفرور تھا"

۲۵۔ نجف علی عرف نجو ولد نور علی۔ سید۔ نوگانواں

"بجرم کرنے نوکری ماڑے خاں کے روپوش تھا"

۲۶۔ محمد حسین ولد محمد افضل۔ شیخ۔ معافیدار امروہہ

"یکم جنوری ۵۹ء کو تھانہ امروہہ میں حاضر ہو کر بیان کیا....."

ان کے علاوہ سیکڑوں افراد کے نام ریکارڈ میں ہیں مثلاً عنایت اللہ خاں۔ گوری سنگھ۔ نرجن سنگھ۔ قاسم علی۔ کالے خاں۔ محمد نور خاں (پھانسی)۔ و بیپ چند۔ فقیر شاہ۔ گنگو۔ لچھمن سنگھ (محلہ نواب پورہ)۔ اکبر بیگ (مغل پورہ)۔ موے سنگھ۔ دولت سنگھ (دونوں کٹگھر کے)۔ بھوپ سنگھ۔ مبارک علی خاں (قتل ہوا)۔ یعقوب بیگ (پھانسی)۔ شبیر علی (پھانسی)۔ بہادر سنگھ۔ ہدایت علی (پھانسی)۔ نہور خاں ولد نیاز محمد (کالا پانی)۔ بچھراؤں کے عبداللہ ولد لطف اللہ۔ (کل ۴۲ باغی سرداروں کی فہرست ہے)۔ اومری کے شیخ مظفر حسین۔ حیات نگر کے موے ولد خلاریش قوم انگریز (بجرم نوکری خان بہادر سرسی کے شجاعت علی ولد سید تراب علی۔ بہجوئی کے مہلا ولد سید مراد علی۔ کاشی پور کے مظفر شاہ خاں۔ عباس علی خاں۔ شاہ نواز۔ فقیر محمد وغیرہ۔ نوگانواں سادات کے بھی بے شمار نام ہیں۔ ملازمان سرکار جو فہرست میں پونشھٹھ ہیں (از ۲۵ اپریل لغایت ۷ جولائی ۵۸ء) پھانسی پانے والوں میں نیاز علی خاں ڈپٹی کلکٹر مراد آباد۔ عابد علی خاں ڈپٹی کلکٹر۔ امانت اللہ وکیل دیوانی مراد آباد۔ حامد علی تحصیل دار سنبھل۔ کریم بخش پیشکار سنبھل۔ ابوالفضل سررشتہ دار فوجداری۔ شہاب الدین سوار رجمنٹ ۲۔ علی بخش سوار رسالہ ہشتم۔ امام الدین وکیل دیوانی۔ شاہ محمد خاں سپاہی رسالہ نواب صاحب۔ غلام قادر دفعدار کوتوالی مراد آباد۔ امیر خاں برقنداز کوتوالی امروہہ۔ محمد بخش (ملازم جیل خانہ علی گڑھ کا تھا)۔ تنہا عرف پھکڑ (نوکر جیل خانہ مراد آباد کا تھا اور شامل فوج باغی

ہوکر دہلی کو گیا تھا")۔ غلام قادر خاں چپراسی منصفی حسن پور۔ مہدی یو چپراسی فوجداری۔ دیگر چند اور افراد جن کے نام کے ساتھ سزا 'حوالات' لکھا ہے اُن میں فتح سنگھ سوار فوجداری مراد آباد گھیم سنگھ سپاہی۔ عظیم الدین حسین منصف سنبھل۔ ولایت علی وکیل صدر امین سنبھل چند سپاہی حلیار ضلع پورنیاں۔ اندر جیت سپاہی وغیرہ۔ امروہہ کا ساکن محمد ولیس خاں ناظر ولد عنایت خاں (ساکن محلہ بچھ بھٹی، نزد منڈی چوب بڑا بازار) ۱۸۵۹ء تک رُوپوش تھا۔ بدری سنگھ اور ہیبت رام وغیرہ کا سامان قُرق ہوا۔ ظہور حسن تحصیل دار کاشی پور معطل ہوا۔ ان کے علاوہ شاہ غلام بولن مشہور قادری بزرگ حضرت شاہ بلاقیؒ کے پوتے تھے۔ باغیوں کو کھانا کھلانے کے جرم میں انڈمان بھیجے گئے وہیں وفات ہوئی۔ مولوی سراج الدین مولوی منیر علی مولوی شاہ علی مولوی میر علی وغیرہ کا سامان قُرق ہوا۔ مولوی زین العابدین کے متعلق ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ جہاد کا پرچار کیا۔ سرکار ریکارڈ میں مفرور لکھا ہے۔ شبر علی عاجز اور شبیر علی تنہا دونوں بھائی تھے، اچھے شاعر تھے، ایک کو پھانسی ہوئی۔ رفیع علی خاں ولد علی رضا کو گولی ماری گئی ان کے بیٹے رضوان علی تھے جن کا ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ سید عابد علی اور سید عبدالرحیم (اولاد سید محمد حسین سبزواری۔ مزار محلہ مغل پورہ اول) نے فیروز شاہ کو رسد پہنچائی، پھانسی ہوئی۔ حاجی سید احمد علی نے بھی فیروز شاہ کے ساتھ جنگ میں حصہ لیا، بعد میں رُوپوش، پندرہ سال بعد حج کیا وہاں فیروز شاہ سے ملاقات ہوئی[1] چودھری غلام قادر بن محمد حیات ساکن اصالت پورہ نے نمایاں حصہ لیا، شہابی نے لکھا ہے کہ خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا، پھانسی ہوئی۔

امروہہ اور دوسرے علاقے

ضلع مراد آباد کے علاقوں میں امروہہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جہاں سب سے پہلے بغاوت شروع ہوئی اور شدید صورت حال درپیش ہوئی۔ اگرچہ سازشوں کی تفصیل دستیاب نہیں لیکن ب

---

[1] امداد صابری: شہیدانِ وطن مراد آباد

اندازہ بعید از قیاس نہیں کہ مراد آباد وغیرہ کی طرح امروہہ بھی ان سے متاثر رہا ہوگا۔ جو مراد آباد سے مغرب میں صرف سترہ[17] میل دور ہے۔ یہاں کے بے شمار آدمی میرٹھ وغیرہ کی فوجوں میں ملازم تھے۔ ایک روایت ہے کہ صرف محلہ قریشی کے تیس[30] آدمی میرٹھ کی سوار فوج میں تھے۔ بغاوت شروع ہونے کے وقت ان میں کچھ لوگ چھٹی پر تھے جنھوں نے میرٹھ کی خبریں آنے پر اپنے وطن میں ہی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ مثلاً خلیفہ امان اللہ صدیقی ولد خیر اللہ (محلہ قریشی) نے فوجی خدمات انجام دیں[1]۔ شہر کے ایک مقتدر بزرگ مولوی سید سبحان علی بغاوت سے کچھ قبل بہادر شاہ سے ملے بھی تھے، گمان ہے کہ وہ بغاوت کے سلسلے میں دہلی گئے ہوں گے کیونکہ بغاوت کے دوران انھوں نے بہادر شاہ کو عرض داشت بھیجی جس کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

"پس از چند سال با تمنائے دلی و آرزوئے قلبی غلامانِ عقیدت کیش و دعا گویاں بر آمد کہ سایۂ ظلِ سبحانی بر مفارقِ خلق اللہ کو عقیدت سراپاں بود۔ مگر بہ عالم ظہور ہم منبسط گردید"[2]

ایس بی چودھری نے لکھا ہے کہ ضلع میں سب سے پہلے امروہہ میں بغاوت کا علم بلند ہوا[3]۔ ۱۷ مئی ۱۸۵۷ء کو درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ میں شہر کے تقریباً تیس[30] معزز لوگوں کا جلسہ ہوا، باہر عوام کا ہجوم تھا۔ دو[2] اشخاص کے علاوہ باقی لوگ بغاوت کے حامی تھے۔ چنانچہ ۱۹ مئی کو سید گلزار علی (بن اکبر علی ساکن دربار کلاں)، جو مراد آباد میں مختار تھے، کچھ آدمی ساتھ لے کر یہاں پہنچے اور راتوں رات بغاوت کا منصوبہ بنا کر ۲۰ مئی ۱۸۵۷ء کی صبح کو کئی ہزار آدمیوں نے تھانے اور

---

[1] امان اللہ کو کالے پانی کی سزا ہوئی۔ ۹ فروری ۱۸۶۱ء کو رہا کر دیا گیا۔ امان اللہ کے پرپوتے مولوی عزت اللہ مدرسۂ عربیہ جامع مسجد میں حدیث کا درس دیتے ہیں۔

[2] رضوی (خورشید مصطفےٰ): تذکرۂ بدر چشت ص ۲۴۹

[3] CHAUDHURI: Civil Rebellion p.109

تحصیل پر حملہ کیا، آگ لگائی اور خزانہ (۱۷۰۰۰) لوٹ لیا۔ انگریز حکام پریشان ہوئے مگر کوئی یہاں آنے کو تیار نہ تھا تب ساندرس نے گور سہائے جاٹ (ناظر) کو بھیجا جو ۲۴ مئی کو پہنچا اور پیر سید امین الدین کے عالی شان مکان واقع محلہ قریشی میں ٹھہرا۔[1] جے سی ولسن بھی یہاں آیا، انقلابیوں کو سزائیں دیں اور مکانات مسمار کرائے لیکن مراد آباد میں بغاوت ہوجانے (۳ جون) کے بعد انگریز نینی تال کو بھاگ گئے اور ناظر گور سہائے بھی جان بچاکر بہ مشکل بھاگ نکلا کیونکہ عوام اس کی جان کے لاگو ہو رہے تھے۔

ایک نئی مصیبت یہ آئی کہ موضع بُول کھیڑہ اور لکھوری کے جاٹوں نے امروہہ لُوٹنے کے لیے حملہ کیا، عوام سے مقابلہ ہوا۔ دوبارہ حملے میں اُنھوں نے مہاجنوں کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا شہر والے پھر مقابل ہوئے اور جاٹ ہٹ گئے۔ دوسرے روز پھر چڑھ آئے تو شہر کے تقریباً تمام باشندے متحد ہوکر مقابلے کو نکلے اور شہر آپس کے اتحاد و اتفاق کی بدولت محفوظ رہا۔ 'اخبار الصناد مولفہ نجم الغنی اور 'تاریخ اصغری' میں یہ تفصیلات ملتی ہیں۔

انگریزی اقتدار کو نیست و نابود کرکے انقلابی رہنماؤں نے یہاں کا انتظام سنبھالا گلزار علی نے انگریزی سکّہ منسوخ کرکے پرانا سکّہ رائج کیا۔[2] شہر کے سربرآوردہ حضرات نے بہا شاہ کو عرض داشتیں بھیجی۔ اِن میں سید شبیر علی، شیخ افضل، سید سبحان علی، شیخ بشارت علی وغیرہ تھے۔ پانچ سَو معززین انتظام کے لیے یہاں رہے اور چالیس آدمی ۲۴ مئی (۲۹ رمضان ۱۲۷۳ھ) کو دہلی روانہ ہوئے۔ غازی آباد تک پہنچے تھے کہ ۲ شوال کو نواب ولی داد خاں وہاں سے مالاگڈھ لے گئے

---

[1] یہ وسیع قلعہ نما عمارتیں اب امین الدین کے بیٹے سید نظیر الدین عرف علی جان کے نام پر "علی جان منزل" کے نام سے موسوم ہیں۔ دیوان خانہ اُس دور کی یادگار ہے جو شکستہ ہوچکا ہے۔ را پور کا ولی عہد کلب علی بھی یہاں مقیم رہا ہے۔

2. CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 110

شبیر علی کے نام دہلی سے شاہی شقہ بھی موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ جب تک پوری طرح امن و انتظام قائم نہ ہو، دہلی نہ آئیں۔ گلزار علی نے خفیہ بھرتی کی اور سامانِ جنگ تیار کیا، کئی ہزار سوار و پیدل ہلدور وغیرہ سے بھرتی ہوئے۔ بجنور سے ماڑے خاں بھی مدد کو آ رہا تھا۔ ان تیاریوں میں رُڑکی کا سابق تھانے دار خواجہ حسن بھی شریک تھا۔ نواب رام پور کی طرف سے موسیٰ رضا کوتوال کو مع فوج بھیجا گیا۔ امروہہ کے جملہ معزز ہندو مسلمان اس کے پاس آئے اور یقین دلایا کہ کوئی بد امنی نہ ہوگی فوج واپس لے جائیں لہٰذا یہ فوج واپس ہوئی لیکن نواب کی فوج نومبر ۵۷ء میں غلام ناصر خاں اور حکیم سعادت علی کے زیرِ کمان پھر بھیجی گئی، ۱۹ نومبر ۵۷ء کو گلزار علی کی فوج سے (عیدگاہ کے پیچھے) مقابلہ ہوا جس میں گلزار علی کو شکست ہوگئی اور وہ پُر اسرار طور پر غائب ہوگیا۔

سنبھل میں صاحب سنگھ اور چھدو ساکنان لکھوری وغیرہ نے زیادہ تر لوٹ مار میں حصہ لیا۔ سرائے ترین کے بے شمار افراد بغاوت میں شریک ہوئے جن کے نام سرکاری ریکارڈ میں موجود ہیں مگر یہ فہرست بے حد طویل ہے۔ سنبھل کے قابلِ ذکر افراد میں امام الدین ہادی وکیل۔ قاضی حامد علی تحصیل دار۔ کریم بخش پیشکار۔ اعظم الدین منصف۔ انوار حسین۔ مظہر حسین (ہر دو وکیل) اور مولوی سراج احمد کے نام ہیں۔ اپریل ۵۸ء میں فیروز شاہ مراد آباد جاتے ہوئے اور پھر واپسی میں سرائے ترین کے قریب ننّے خاں کے باغ اور صوفی والا باغ میں ٹھہرا، لوگوں نے رسد دی۔

چندوسی میں دھرما ندیلے نے بغاوت کی رہنمائی کی۔ جنگی خاں مردان خاں اور پورن گا اہیر وغیرہ نے ٹھاکر دوارے میں رہنمائی کی۔ موضع بتنی وغیرہ کے ٹھاکر بھی انقلابی سرگرمیوں میں شریک تھے۔ سہس پور میں بغاوت عروج پر تھی۔ نواب رام پور کے مقرر کردہ افسران نے یہاں جانے سے انکار کیا تو موسیٰ رضا کوتوال خود روانہ ہوا مگر یہاں سب کچھ ہو چکا تھا۔ اور مراد آباد کی باغی رجمنٹ بلاری کے تحصیل دار کو گھیر کر خزانہ طلب کر رہی تھی۔ اسی دوران چندوسی میں بغاوت ہوگئی اور مخدوم بخش۔ بابو رام ترائن وکیل کے ساتھ ہی سعد اللہ خاں ساکن سنبھل وغیرہ نے بغاوت میں حصہ لیا۔ حسن پور میں جاٹوں اور پٹھانوں نے بغاوت پر کمر باندھی چنانچہ

گورسہائے اور نواب رام پور کا داماد محمد رضا خاں پہنچے۔ ٹھاکر دوارہ میں ڈھیلا ندی کے کنارے تصادم ہوا۔ پورن گا اسیر کا بیٹا جنگ میں کام آیا۔

امروہہ کے انقلابی جذبات

امروہہ میں بغاوت کی شدت، اور عوامی جذبات کا اندازہ متعدد انگریز حکام کے بیانات سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً شبیر علی کے مقدمے میں (بہ اجلاس رابرٹ ڈنلپ مورخہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء) تحریر ہے کہ:

"باوجود اسکے سوائے امروہہ کے کوئی دوسرا مقام ایسا نہیں جہاں سرکار انگریزی کی نسبت اس قدر زیادہ دشمنی کا اظہار ہوا ہو یا رعایا اس قدر رضامندی سے بغاوت کرنے کو مستعد ہو گئی ہو"

عدالت اسپیشل کمشنر مرادآباد (۲۷ جنوری ۱۸۵۹ء) میں تحریر کیا گیا ہے کہ:

"امروہہ کے سوائے کوئی جگہ ایسی نہیں جس میں ایسی زیادہ دشمنی اور زیادہ مستحکم تمرّد نسبت عملداری سرکار انگریزی ظہور میں آئی ہو"[۱]

قابل ذکر انقلابی افراد میں شبیر علی کو ضبطی جائداد اور کالے پانی کی سزا ہوئی[۲]۔ بشارت علی خاں کے پردادا درویش علی فرخ سیر کے عہد میں پنج ہزاری منصب پر تھے۔ اس خاندان کے دس معزز افراد بغاوت میں پیش پیش رہے۔ انھوں نے دہلی کو عرض داشت بھی بھیجی اور چالیس آدمی بہ ارادہ دہلی روانہ ہوئے ان میں مظفر علی خاں[۳] مہربان علی خاں (دونوں بھائی)۔ عباس علی خاں[۴] وغیرہ تھے۔ ان لوگوں کو پھانسی اور ضبطی جائداد کی سزا ملی، مکانات (کالی پگڑی) مسمار کیے گئے۔

---

[۱] عباسی: تاریخ امروہہ۔ جلد اول ص ۸۲-۸۰

[۲] تقریباً ۱۸۹۵ء میں انتقال ہوا۔

[۳] مولانا محمد علیؒ کے نانا۔

[۴] عالم فاضل صاحب نسبت بزرگ۔ ایک مسجد (سنہری مسجد) ان کے نام سے ہے۔

بشارت علی کو ۱۰ جولائی ۱۸۵۸ء کو پھانسی ہوئی۔ شیخ محمد افضل بن رمضانی رئیس اور جاگیر دار تھے۔ ان کے بیٹے شیخ احسن نے بھی بہادر شاہ کو عرض داشت بھیجی۔ بغاوت کے دوران شیخ رمضانی کے مکان پر پنچایت بھی ہوتی تھی۔ روایت ہے کہ جب مکانات (منڈی چوب) خالی کرائے گئے تو ایک پالکی میں بٹھا کر شیخ افضل کو مرادآبادی دروازہ لے جایا گیا، راہ میں ہارٹ فیل ہو گیا لیکن سرکاری ریکارڈ میں کچھ اور درج ہے جو ابھی نظر سے گزرے گا۔ مولوی سید سبحان علی بغاوت کے بعد کی دار و گیر سے محفوظ اس لیے رہے کہ نواب رام پور نے اپنے تعلقات کی بنا پر سرکاری کاغذات میں سید سبحان علی مفرور کا تذکرہ بڑھا دیا۔ میر بنیاد علی پیرزادہ بھی معزز رؤسا میں تھے۔ انھوں نے درگاہ شاہ ولایتؒ کے جلسے (۱۷ مئی ۱۸۵۷ء) میں شرکت بھی کی تھی اور بغاوت کے بعد ان کا بیان بھی قلم بند ہوا۔ [۱] شاہ سید محمد امین غازی نے بھی بغاوت میں حصہ لیا۔ وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ بھی جہاد میں شریک رہے تھے ایک فارسی مثنوی "فیروزی نامہ" ان کی تصنیف ہے جس میں بغاوت کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ [۲] یہ دو شعر اسی مثنوی کے ہیں:

ہمی خواستم از در کبریا	کہ از ہند بُرّ قوم بد، بے حیا
نصاریٰ درین ملک گرد و تباہ	گرفتار دہم گشتہ و رُو سیاہ

انگریزی تسلط کے بعد جو لرزہ خیز مظالم ہوئے ان کی یادیں بھی اب محفوظ نہیں، امروہہ میں بغاوت کی نوعیت کو نظر میں رکھ کر صرف تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ "باغیانِ امروہہ" کے عنوان سے ایک طویل فہرست تیار ہوئی اور سزائیں دی گئیں۔ بڑے بازار کے تراہے پر پھانسیاں نصب تھیں اور پھانسی دینے سے پہلے ہاتھ کاٹے جاتے تھے۔

---

[۱] رضوی (خورشید): تذکرۂ بدر چشتؒ ۳۱۲

[۲] تذکرہ علیحدہ باب میں ہوگا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "تذکرۂ بدر چشتؒ" مؤلفہ خورشید مصطفےٰ رضوی ص ۲۰۱۔ اور روزنامچہ عبد اللطیف مرتبہ خلیق احمد نظامی ص ۶۴۔

حسین علی بن امام علی (میر خواجہ ولی جعفر کے پوتے) بھی انگریزی فوج میں تھے، دہلی جاکر جنگوں میں حصہ لیا بعد میں روپوش ہوئے۔ امروہہ میں مکانات مسمار کرائے گئے۔ اولاد میں ڈاکٹر سیف جعفری موجود ہیں۔ محمد ویس خاں ناظر (ساکن محلہ بجر بھٹی نزد بڑا بازار منڈی چوب) لا پتہ ہوگیا۔ ایک سپاہی جنگ باز خاں بھی امروہہ آگیا جس کے نام سے ایک تیم کا درخت موسوم ہے۔ ہو سکتا ہے یہ وہی ہو جس کا تذکرہ ظہیر دہلوی نے "داستانِ غدر" میں کیا ہے۔ امروہہ کے جن لوگوں کو پھانسیاں ہوئیں اُن سب کے نام بیان کرنا ممکن نہیں، صرف چند نام یہ ہیں جو سرکاری ریکارڈ سے لیے گئے:

چراغ علی بن احمد علی (نوگانواں سادات)۔ سید دلاور علی (نوگانواں) فرحت علی (نوگانواں) رام لال (منشی کلکٹر سابق)۔ محمد بخش (بازار رزاق)۔ چھنگا۔ چیتو قوم ہائیں۔ عزیز اللہ۔ ہرکشن۔ فیاض علی خاں۔ وزیر علی۔ ہزبر علی۔ فتح علی۔ نذیر علی۔ آغا میر۔ نیاز علی۔ امداد علی۔ جواہر علی۔ مکٹ بہاری (جائداد ضبط)۔ لچھمن داس (جائداد ضبط)۔ سید ابوالفضل۔ ظہور علی۔ رحیم اللہ برادر کریم اللہ۔ میر عنایت علی۔ محراب علی عرف جمّا۔ نعمت علی گولا باز (۱۹ جون ۵۸ء)۔ علی بخش۔ غلام محمد (مقدمہ و پھانسی ۲ جولائی ۵۸ء)۔ صفدر حسین (۴ اگست ۵۸ء)۔ پیر بخش۔ عظیم اللہ۔ محمد بخش۔ کریم بخش۔ دائم علی (گھیر مناف)[1] وغیرہ کو ستمبر ۵۸ء تک مختلف تاریخوں میں پھانسی اور ضبطی جائداد کی سزا ہوئی۔ گلزار علی نے بریلی کا رخ کیا جہاں خان بہادر خاں نے فوج میں جنرل کا عہدہ دیا۔ ۲۲ جنوری ۵۸ء کی ایک سرکاری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گلزار علی کی فوج آنولہ شہر پر موجود ہے[2] ایس پی چودھری

---

[1] مقدمے کے کاغذات مراد آباد کے سرکاری ریکارڈ میں موجود ہیں جس میں دائم علی کی گرفتاری، شمس الدین خاں ساکن گھیر مناف کی ضمانت پر رہائی اور مقدمے کی تفصیل ہے یہ مقدمہ اس عنوان سے ہے "دائم علی برادر قائم علی ذات شیخ بعلت بغاوت" دائم علی کے پوتے آل نبی لاولد تھے۔

[2] Freedom Struggle Vol.5 p.121

نے مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ بیلوا اموڑہا، بہرائچ وغیرہ کی جنگوں میں (مارچ اپریل ۱۸۵۸ء) گلزار علی نے شرکت کی۔ پارلیمنٹری کاغذات (لندن) کے حوالے سے انھوں نے لکھا ہے کہ

"گورکھپور کی شکست (۵، جنوری ۱۸۵۸ء) کے بعد باغی فوجیں مغرب میں اموڑہا (ضلع بستی) پر دوہری مورچہ بندی کر کے جمع ہوگئیں..... اُدھر روکرافٹ پیہم کوشش کر رہا تھا کہ اموڑہا کی سمت سے گونڈہ کا راستہ بنائے۔ مہدی حسن کے ساتھ گونڈہ، نان پارہ۔ اتروکی اور چہردا کے راجگان کے علاوہ گلزار علی ـــ امروہہ کا باغی سید ـــ وغیرہ نے اپنی فوجیں یکجا کر دی تھیں" ۔[1]

گلزار علی کی شکست (امروہہ) کے بعد نواب رام پور کا عمل دخل ہوگیا ہوگا لیکن یہ باغی ہاتھ نہ آیا، روپوش ہوگیا۔ چوکی پہرے بٹھا دیئے گئے، خصوصاً دربار کلاں میں سخت انتظامات تھے۔ اسی دوران ایک صاحب نے روزانہ رات کو گھوڑی پر سوار نکلنا شروع کیا، چاروں طرف دوڑاتے اور واپس آجاتے، پولس والوں کے پوچھنے پر بتایا کہ گھوڑی چاندنی سے ڈرتی ہے، اسے عادی بنا رہا ہوں۔ جب یہ معمول ہوگیا تو پولس کو اعتراض بھی نہ رہا آخر ایک دن یہ گھوڑی گلزار علی کو لے کر صاف نکل گئی۔

---

[1] سرکاری طور پر صرف یہ اطلاع مرادآباد کے ریکارڈ میں ہے کہ امروہہ کے ایک باغی ظہور علی کی تلاش میں اس کے چند عزیزوں کو بھیجا گیا جنہوں نے ۲۸ ر اکتوبر ۱۸۵۸ء کو یہ بھی بتایا کہ گلزار علی کا انتقال ہوگیا۔ مصطفےٰ علی بریلوی نے اپنی کتاب "خان بہادر خاں" میں بتایا ہے کہ گلزار علی لکھیم پور کھیری کے جنگلات میں پوشیدہ رہے اور صوفیانہ وضع اختیار کرلی۔ حکیم سعید اللہ ساکن آنولہ (بریلی) کے ہمراہ ڈھاک کے جنگلوں میں تھے۔ موضع کھیلم یا علی گنج میں مدفون ہوئے (آنولہ کے نواح میں)۔

نواب رام پور کی وفا شعاری کا انعام

رام پور کے نواب نے جس طرح 'وفا شعاریوں' کی انتہا کی اس کا احوال ہماری نظر سے گذر چکا لیکن ایک لطف کی بات رہی جاتی ہے وہ یہ کہ نواب بے چارے پر ان تمام کارناموں کے باوجود انگریزی عتاب کی برق گرنے کو تھی چنانچہ جب جون ۵۸ء میں انگریز دوبارہ مراد آباد میں آئے تو نواب کے ایک ملازم یعقوب خاں کو ولسن نے گرفتار کر لیا اور کہا کہ "فیروز شاہ کے آنے کی وجہ تم ہی لوگ تھے اور اس نے نواب کے ایماء سے فوج کشی کی تھی" نواب نے فوراً علی بخش کو بھیجا جو یعقوب خاں کو چھڑا کر لایا اور ولسن سے کہا کہ "خیر خواہی اور جاں نثاری کا شاید یہی صلہ تھا جو آپ نے دیا" ولسن صاحب اس بات پر بھی برہم تھے کہ نواب نے بہادر شاہ کو عرض داشت کیوں بھیجی۔ نواب سے یہ بھی شکایت کی گئی کہ اس نے اپنے خاندان کا انتظام کیوں نہ کیا اور کیوں بیشتر افراد انقلابی جذبات رکھتے تھے۔ عنایت علی، نوازش علی، عباس علی وغیرہ تیرہ افراد نے بہادر شاہ اور خان بہادر سے رسم و راہ رکھی، چوالیس عرضیاں اور خط ان لوگوں کے دہلی اور بریلی سے برآمد ہوئے۔[1]

بجنور کے علاقے

بجنور، نگینہ، نجیب آباد اور دھام پور وغیرہ میں بغاوت نے تاریخی حیثیت اختیار کی لیکن آپس کی پھوٹ اور خانہ جنگی کو ہوا دینے میں بھی انگریز اور ان کے وفادار سید احمد (صدر امین) تراب علی تحصیل دار رحمت علی ڈپٹی مجسٹریٹ وغیرہ کسی حد تک کامیاب ہوئے۔

مراد آباد کا جیل خانہ ٹوٹنے کی خبروں نے بغاوت کو ہوا دی۔ سرکاری ملازمین میں زیادہ تر لوگ بغاوت میں شریک تھے۔ رام سروپ جمع دار سے لے کر احمد اللہ خاں تحصیل دار نجیب

---

[1] نجم الغنی: اخبار الصنادید۔ جلد ۲ ص ۹۳-۹۰، ۹۸ نواب موصوف کو ضلع بریلی کے چند گاؤں کی ایک دستی دی گئی جو سوار اور شاہ آباد وغیرہ میں شامل ہے۔

آباد وغیرہ بغاوت کے سرغنہ تھے۔ سب سے پہلے ۲۱ مئی ۱۸۵۷ء کو نگینہ کی تحصیل پر حملہ ہوا اور خزانہ لٹ گیا۔ جب رڑکی کے باغی یہاں پہنچے تو سید احمد نے انگریزوں کو بچایا اور اُن کے بنگلوں پر پہرہ بھی دیا اس کے بعد دوبارہ جب نواب محمود کے حامیوں سے خطرہ پیدا ہوا تو پھر انگریزوں کو بچایا اور میرٹھ روانہ کرا دیا۔ انگریزوں نے ۷ رجون ۱۸۵۷ء کو نواب محمود کو انتظامات سپرد کیے اس دوران بجنور کا جیل خانہ بھی ٹوٹا اور سید احمد (بعد میں سر) نے 'وفاداری' کا ثبوت یہ دیا کہ خزانہ (ڈیڑھ لاکھ) کنویں میں ڈال دیا[۱] نواب محمود خاں[۲] اس دوران بجنور آیا، نگینہ گیا اور ۹ جون کو پھر بجنور آکر انگریز حکام سے بات کی۔ آس پاس کے گاؤں مثلاً فضل پور، جہاں گیر پور، بھوجپور، شیخو پورہ، حسین پور، زائن پور، امین پور وغیرہ میں عوام بغاوت پر آمادہ تھے۔ ایک آدھ جگہ مقابلہ بھی ہوا اور انگریز حکام نے یہ گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے۔ تمام سرکاری ملازمین کا رجحان بھی نواب محمود کی طرف تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر انگریزوں نے بھاگنے کا ارادہ کیا نواب نے کہلوا دیا "کہ فوراً چلے جائیں ورنہ اگر پٹھان بے قابو ہو گئے تو انگریزوں کی قتل و غارت گری شروع کر دیں گے ابھی تک میں نے روک رکھا ہے۔" چنانچہ انگریزوں کے جانے کے بعد نواب محمود کی حکومت باقاعدہ

---

[۱] سر سید نے یہ حالات مخصوص انداز میں "تاریخِ سرکشی بجنور" میں بیان کیے ہیں۔ 'وفاشعاریوں' کا نقطۂ عروج ملاحظہ ہو کہ نواب کو "نا محمود خاں" لکھا ہے۔ قاضی عنایت علی کو 'بدمعاش' اور حرام زادہ کے خطابات عطا کیے ہیں۔

[۲] نواب محمود بن معین الدین عرف بھمبو خاں، نجیب خاں کی اولاد۔ نجیب خاں کو عالمگیر ثانی کے عہد میں نجیب الدولہ کا خطاب ملا۔ ۱۷۵۵ء میں قلعہ پتھر گڑھ بنوایا اور نجیب آباد بسایا۔ اس کی وفات (۱۷۷۰ء) پر ضابطہ خاں جانشین ہوا جس کے بیٹے غلام قادر اور معین الدین عرف بھمبو خاں تھے۔ روہیل کھنڈ پر انگریزی قبضہ ہونے کے بعد بھمبو خاں کو پنشن مقرر کر کے پہلے بریلی اور پھر ۱۸۱۲ء میں نجیب آباد میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ معین الدین کا بیٹا نواب محمود تھا جس کے دو بیٹے معظم علی اور غضنفر علی تھے۔

قائم ہوگئی۔ رام سروپ جمعدار فوج بھرتی کرنے میں سرگرمی سے مصروف تھا۔ جیل خانہ توڑنے میں بھی اس نے رہنمائی کی تھی۔

دوسرے علاقوں مثلاً کرت پور، منڈاور، دھام پور جیسے قصبوں میں بھی بغاوت ہوئی جس میں گوجروں نے نمایاں حصہ لیا۔ ان کے علاوہ بنجارے، میواتی، جاٹ اور چوہان بھی بغاوت میں شریک تھے[1] منڈاور میں بہادر علی خاں بغاوت کا سرغنہ تھا۔ دھام پور کے مولوی قربان علی وغیرہ لکھنؤ گئے، جنگوں میں حصہ لیا، الہ آباد میں گرفتاری اور جائداد ضبط ہوئی۔

نواب محمود کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ تمام سرکاری ملازمین اپنا کام بدستور کریں لیکن سید احمد خاں، تراب علی، رحمت خاں اور رادھا کشن نے اپنے کام ٹھیک طور سے انجام نہیں دیئے اس پر نواب نے غصے سے انھیں وارننگ دی، سید احمد کو طلب کیا اور سمجھایا مگر وفاداریاں اٹل رہیں ہلدور کے چودھری نرپت سنگھ اور تاج پور کے پرتاپ سنگھ نے نواب کی مدد کی، بعد میں اختلاف پیدا ہوا، تھن خرابہ بھی ہوا لیکن پھر صلح ہو گئی۔ اسی شورش اور فساد کی وجہ سے نواب کا اقتدار کچھ عرصے کے لیے ختم ہو گیا اور انتظام سید احمد وغیرہ نے سنبھالا۔ (اگست ۵۷ء)

گنج پورہ (نگینہ) کا منیر خاں چار سو مجاہدین کو لے کر بجنور آیا جس کی وجہ سے انقلابی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ منیر خاں نے سید احمد وغیرہ پر انگریزوں سے پیام رسانی اور سازباز کا الزام لگایا اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی خط و کتابت جے سی ولسن سے جاری تھی۔ منیر خاں نے ان سے گفتگو بھی کی اس کے بعد وہ مع مجاہدین دہلی چلا گیا اور وہاں کام آیا۔

چاند پور کے میر رستم علی اور سید صادق علی وغیرہ[2] بھی بغاوت میں شریک تھے انھوں نے

---

[1] ایس بی چودھری ص ۱۰۹

[2] دونوں بھائی اولاد سید محمود منصب دار عہد اکبری از سادات بارہہ، شاخ کنڈلی والہ بغاوت کے بعد جائداد ضبط۔

بہادر شاہ کو عرض داشت بھی بھیجی اور جواب میں شاہی فرمان (ذی قعدہ مطابق جولائی ۱۸۵۷ء) بھی موصول ہوا۔ نواب محمود کے نام بھی شاہی فرمان (۲۸ ذی قعدہ م ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء) موصول ہوا امیر الدولہ ضیاء الملک نواب محمود مظفر جنگ کے خطابات عطا ہوئے۔

نفاق پیدا کرنے کی تدبیریں

بعض رئیس ایسے بھی تھے جو نواب محمود سے خائف ہونے کی وجہ سے ہم نوا ہو گئے لیکن انگریزوں کی پشت پناہی پاکر رخنہ پیدا کرنے کو تیار تھے۔ سید احمد اور دوسرے 'وفادار' بھی یہی کوشش کر رہے تھے۔ انگریزوں کے لیے اس طرح کے موقعے جو پورے ملک میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملتے تھے، اندھا اور دو آنکھیں کا مصداق ہو گئے چنانچہ اگست ۱۸۵۷ء میں انھوں نے ان رئیسوں کو بلا کر نفاق کے راستے دکھائے اور خطوط بھی اسی انداز سے بھیجتے رہے جن سے ہندو مسلم افتراق پیدا ہو کر انگریزوں کے لیے راہ ہموار ہو جائے۔ چودھری امراؤ سنگھ کے نام ایک خط کے کچھ الفاظ یہ تھے:

> "...اب تم سب ہنود نے اتفاق کر کے اس ظالم نواب کو نکال دیا۔ اگر سابق میں بھی تمہارے باہم ایسا اتفاق ہوتا تو جس قدر فوج باغی اس نواح میں تھی اس کا مارا جانا کیا مشکل ہوتا اور پھر کیا ضرورت پلٹے آنے کی ہم لوگوں کو وہاں سے ہوتی..."

بعض خط سر سید نے "تاریخ سرکشی بجنور" میں بھی نقل کیے ہیں اور "تاریخ روہیل کھنڈ" (قلمی) میں بھی ان خطوں کا ذکر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجنور اور نگینہ وغیرہ علاقوں میں اگست ستمبر ۱۸۵۷ء میں فرقہ وارانہ فساد رونما ہو گیا۔ نواب محمود نے اب جلال الدین خاں کو نائب اور مختار کل بنایا کیوں کہ احمد اللہ خاں کی زیادتیوں سے چودھری ناراض تھے۔ ایک مشاورتی کونسل بھی قائم کی گئی۔ چودھریوں نے پھر سے صلح صفائی کی بات چیت شروع کی نواب کے حکام (اسعد اللہ خاں وغیرہ) نے چودھریوں کو محبت آمیز خط لکھے۔ چودھری رندھیر سنگھ نہٹور آیا اور نواب کی طرف سے خلعت دیا گیا (۲۵ ستمبر ۱۸۵۷ء)۔ پرتاپ سنگھ اور امراؤ سنگھ بھی نواب کے پاس آئے اور خلعت

سے سرفراز ہوئے۔

بجنور کے انقلابی

نواب محمود کا ایک سالار ماڑے خاں (چودھری امام بخش) شیر کوٹ کا ساکن تھا۔ "تاریخ روہیل کھنڈ" (قلمی) میں اس کا نام حسین بخش لکھا ہے۔ اس نے فوج کی تنظیم میں اہم رول ادا کیا، کئی جنگوں میں حصہ لیا، دلیر اور باہمت تھا۔ بجنور میں امن قائم ہو جانے کے بعد قریبی علاقوں کے انقلابی سردار دلیل سنگھ، کدم سنگھ، رضا حسن (چھٹن) اور قاضی عنایت علی وغیرہ مع ساتھیوں کے یہاں آگئے تھے۔ دہلی سے چند مغل شہزادے بھی آگئے۔ ان لوگوں نے چاروں طرف پہرے لگا دیئے۔ قاضی عنایت علی نے متعدد پولیس چوکیوں پر حملے کیے، ۵ جنوری ۵۷ء کو میرن پور کا تھانہ جلا دیا اور کنکھل، ہردوار، جوالا پور، مایا پور وغیرہ پر حملے کیے۔ دسمبر ۵۷ء میں مظفر نگر کا مہراب خاں مع فوج منڈاور میں موجود تھا۔ ۱۴ جنوری ۵۸ء تک ان علاقوں میں معرکے ہوتے رہے۔ احمد اللہ خاں سابق تحصیل دار نجیب آباد و نگینہ (بھانجہ نواب محمود) مختار کل مقرر کیا گیا (بعد میں جلال الدین ہوا)۔ انگریز مصنف رابرٹ ڈنلپ نے اپنی کتاب میں یہ اعتراف کرنے کے بعد کہ بغاوت کے لیے سازش موجود تھی احمد اللہ خاں کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں کہ "ہم اس بار کامیاب ہوں گے کیوں کہ یہ کام اب لائق ہاتھوں میں ہے" (اپریل مئی ۱۸۵۸ء)[1]

احمد اللہ کا بھائی شفیع اللہ بھی فوج کا سردار تھا، بہادری میں نام پیدا کیا اور جنگوں میں حصہ لیا۔ دوسرے انقلابی سرداروں میں عظمت اللہ خاں روہیلہ منصف ٹھاکر دوارہ۔ احمد یار خاں عرف کلن۔ میر امام بخشی۔ حبیب اللہ خاں۔ چھیدا لال جمعدار۔ عباد اللہ خاں سابق پیشکار کاشی پور، شیو رام گوجر۔ کریم اللہ پیشکار دھام پور۔ منیر الدین تھانہ دار نگینہ۔ عبداللہ خاں جمع دار کرت پور۔ راحت علی ساکن نہٹور قابل ذکر ہیں۔ قاضی عنایت علی ستمبر ۵۷ء میں یہاں آیا تھا۔[2] جنگ میں دارا نگر پر مع

---

1. DUNLOP (R.H.W): Services & Adventures with Khaki Resala pp. 152-154

2. انگریزی قبضے کے بعد بندیل کھنڈ اور پھر بھوپال میں ملازمت کی، ۱۹۱۰ء میں بمقام الور انتقال ہوا۔

فوج کے تعینات رہا۔ لالہ متھرا داس نواب محمود کا معتمد ساتھی، چودھریوں سے گفتگو اور دیگر انتظام میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۵ را پریل ۱۸۵۸ء کو انگریزی فوجیں جنرل جونس کی ماتحتی میں نجیب آباد پر پڑھیں اور آخر اپریل تک متواتر جنگوں کے بعد بجنور پر قبضہ کیا۔ نواب محمود بمع اہل و عیال اور عبداللہ خاں۔ شفیع اللہ، عظمت اللہ۔ چودھری رندھیر سنگھ (ہلدور) وغیرہ رام پور ہو کر بریلی گئے۔ نواب کے بھائی جلال الدین کو کوٹ قادر سے گرفتار کرکے ۲۲ را پریل کو نور پور میں گولی ماری گئی۔

ڈاکٹر سریندر ناتھ سین کا خیال ہے کہ بجنور میں کچھ عرصے کے لیے چودھریوں اور سید احمد وغیرہ کی عمل داری ہو جانا اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ بغاوت کو عوام کی حمایت حاصل نہیں تھی لیکن ایس بی چودھری نے مستند حوالوں اور سرکاری کاغذات کی بنیاد پر اس نقطۂ نظر کو غلط قرار دیا ہے۔ خود سب سے بڑے 'وفادار' سید احمد کو اقرار ہے کہ "ہم نے جو پٹھان اور اور لوگ نوکر رکھے تھے اُن کا بلکہ پرانے نوکروں کا بھی خیال نا محمود خاں کی طرف پاتے تھے..... ہر شخص کے دل میں جم گیا تھا کہ سرکاری عمل داری اُٹھ جائے گی اور بے شبہ نا محمود حکومت پر بیٹھے گا۔" انگریز حکام میرٹھ سے برابر اس کوشش میں تھے کہ فرقہ وارانہ فضا پیدا ہو اور ان کے اشارے پر سید احمد وغیرہ اس کوشش میں معاون تھے انہی 'وفاداروں' کے ذریعے چودھریوں سے انگریزوں کا رابطہ قائم تھا لیکن یہ حالات زیادہ دن تک نہ رہے، چودھریوں نے محمود خاں کے پاس آکر خلعت پایا اور صلح کرلی تو 'وفادار' اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

درمیان میں جب چودھریوں اور سید احمد نے انتظام سنبھالا تو سید احمد نے تجویز کیا کہ قدیم دستور کے مطابق اعلان میں جو "ملک بادشاہ کا" کہا جاتا ہے اس کی جگہ ترمیم کرکے "ملک وکٹوریہ شاہ لندن کا" کہا جائے۔ ان 'وفاداریوں' کا اعتراف اس طرح ہوا کہ بعد میں کرا کرافٹ ولسن (جج) نے سید احمد کو شاباش دی اور کہا:

"تم ایسے نمک حلال نوکر ہو کہ نازک وقت میں ہمارا ساتھ نہ چھوڑا اس کے صلے میں اگر تمہاری تصویر بنا کر پشت ہا پشت کی یادگاری اور اولاد کی عزت و فخر کو رکھی جائے تو

بہت کم ہے"

بجنور کے مسلمان سید احمد کے دشمن ہو گئے کہ تم نے چودھریوں سے مل کر فساد کرایا مگر انگریزوں نے "سب سے بڑے وفادار" کا خطاب دیا۔

پیلی بھیت

عید کے دن (۲۵ مئی ۵۷ء) باغیانہ اشتہار چسپاں کیے گئے جو حکام نے ہٹوا دیئے۔ یکم جون کو بریلی کی بغاوت کی خبر سن کر انگریزوں نے متعلقین کو نینی تال بھیج دیا اور خزانہ اپنے وفاداروں کے حوالے کیا۔ ۶ جون کو بغاوت پوری طرح پھیل چکی تھی۔ انقلابی سرداروں میں عبدالرشید خاں۔ غلام ربانی۔ کریم اللہ خاں اور مولوی فخرالدین تھے۔ سید فضل حق تحصیل دار بہیڑی اس سے پہلے رام پور میں نائب سرشتہ دار پھر بریلی کمشنری کے سر رشتہ دار ہو گئے۔ فیروز شاہ کے ساتھ بھی شرکت کی لے

فوجی سرگرمیاں

نواب ولی داد خاں دہلی اور بلند شہر کی شکست کے بعد مرزا کوچک سلطان (بن بہادر شاہ) کے ساتھ بریلی آئے۔ اکتوبر ۵۷ء میں خان بہادر خاں نے فوجی امداد دی کہ مالا گڈھ پر دوبارہ قبضہ کیا جائے۔ ۱۶ اکتوبر کو روانگی طے پائی مگر ملتوی کی گئی۔ بخت خاں اور بالا صاحب فرخ آباد روانہ ہوئے۔ خان بہادر کے ساتھ فوجی سرگرمیوں میں ولی داد خاں کے علاوہ نواب فرخ آباد۔ راجہ تیغ سنگھ اور سوبھا رام کا نمایاں حصہ رہا۔ مولوی سید قطب شاہ (سابق استاد بریلی کالج) نے غازیوں کی فوج منظم کی۔ ہندوؤں میں مہابیر کی جھنڈی کے نام سے پرچم بلند کیا گیا۲ے ۲۳ فروری کو باغی سردار رام بہادر نے مع فوج کچلا گھ...

لے مصطفٰے علی بریلوی نے کتاب "خان بہادر خاں شہید" میں لکھا ہے کہ نواب رام پور نے ... چند بلایا مگر جواب دیا کہ "اب تو تمنائے شہادت ہے۔" رانی جھانسی کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے کام آ... سرکاری رپورٹ کے بموجب ۸ ستمبر ۵۸ء کو بمقام کورنچ کے قریب جنگ میں مارے گئے (بحوالہ فریڈم اسٹرگل ...

1. Freedom Struggle Vol.5 pp. 364-375 ۲ے جلد ۳ ص ۴۵۸-۴۶۹)

(ضلع بدایوں) کے قریب گنگا پار کی۔ ولی داد خاں کے لیے بھی مارچ میں گنگا پار کرنے کی رپورٹ تھی بجنور میں سیف اللہ خاں کی فوج تھی۔ پتھر گڈھ کا قلعہ انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ احمد اللہ خاں۔ ماڑے خاں۔ قاضی عنایت کی سرکردگی میں فوجیں دارانگر پر تھیں۔ کاسگنج کے قریب مارچ ۵۸ء میں انقلابی فوجیں بڑی تعداد میں جمع تھیں۔ ولی داد خاں کے علاوہ اُن کے بیٹے صمد خاں (نواب جھجر کا مشیر) محسن علی خاں اور احمد یار خاں کمان کر رہے تھے۔ شہزادہ فیروز اور کوچک سلطان بھی ہمراہ تھے یہ فوجیں کچلا گھاٹ، بچھوریہ (ضلع فرخ آباد) اور سورج پور گھاٹ سے پار اترنے والی تھیں۔ ناناصاحب کے آنے کی بھی خبر تھی۔ سوبھارام فوجی پریڈ کراتے اور میگزین تیار کرتے میں مصروف تھا۔ شاہ جہان پور میں اسمٰعیل خاں مع فوج (دس ہزار) کے موجود تھا۔ ہلدوانی پر فضل حق کی فوجیں تھیں اور راجہ کاشی پور بھی شریک ہوگیا تھا۔ نیاز محمد خاں سہسوان ہوکر کنتور آرہا تھا۔ ناناصاحب کے بریلی پہنچنے کی اطلاع تھی (۲۴ مارچ ۵۸ء)۔

ان کاروائیوں پر جے سی ولسن اور اخبار فرینڈ آف انڈیا کی رپورٹ یہ تھی کہ باغی روہیل کھنڈ کو مرکز بنا کر چاروں طرف بہ یک وقت حملے اور گوریلا جنگ شروع کرنے والے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ:

"ہم نہ صرف مال گذاری کا روپیہ بلکہ عزت، وقار اور انتظام سب کچھ کھو رہے ہیں ...... کہیں باغیوں میں کوئی حیدر علی پیدا نہ ہوجائے اس لیے دیر کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ یہ کہنا کہ ہم خان بہادر کو شکست دیں گے، خیالی پلاؤ ہے۔"

شہزادہ فیروز کا اعلان

۱۰ اپریل ۵۸ء کو شہزادہ فیروز اودھ سے بریلی آگیا۔ میرگنج پر انقلابیوں کا قبضہ تھا۔ فروری ۵۸ء میں شہزادے کی طرف سے ایک اعلان بریلی سے جاری کیا گیا (۳ رجب ۱۲۷۴ھ م ۱۸ فروری ۱۸۵۸ء) جو تمام روہیلکھنڈ میں تقسیم کیا گیا۔[1] اعلان میں کہا گیا تھا کہ:

---

[1] 1. Freedom Struggle UP Vol.5 pp.385-397

"ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کو معلوم ہو کہ طاقت اور اقتدار خدا کی بڑی نعمتیں ہیں اور یہ کسی ظالم کے ہاتھ میں زیادہ عرصہ نہیں رہتیں۔ گذشتہ زمانے میں انگریزوں نے ہندوستان پر مظالم کیے ہیں اور ہندو مسلمانوں کا مذہب بگاڑنے کے درپے ہیں..... خدا نے چاہا تو وہ بہت جلد نیست و نابود ہو جائیں گے۔ جاننا چاہیئے کہ ان حالات کی بنا پر ہندوستانی اور فرنگیوں میں دشمنی پیدا ہوئی ہے اور اگر وہ دوبارہ طاقت اور اقتدار پا گئے تو یہاں ہر ایک کا مذہب، عزت اور جان و مال تباہ کر دیں گے۔ میں یہاں وہ قرار دادیں دے رہا ہوں جو اُن کی پارلیمنٹ، جوڈیشل کونسل سپریم کورٹ کے مشوروں سے طے پائی ہیں تاکہ ہندوستان کے لوگوں کو آگاہی ہو اور وہ اُن کے ملیا میٹ کرنے پر تُل جائیں۔..... اُن کے پادری اور پرچارک ان قرار دادوں کو لے کر آئے ہیں..... (قرار دادیں)..... اے ہندوستان کے لوگو! ان فرنگیوں کو دیکھو۔ وہ کس قدر تمہارے دشمن ہیں۔ اب اٹھو اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے کمر کس لو۔ اپنے عزم کو پختہ کر لو۔ خدا کی امداد اور بھروسے پر فتح پاؤ گے۔

میں، اس اشتہار کا لکھنے والا، واقعات کا مختصر حال تمہیں سناتا ہوں۔ غور سے سنو اور عمل کرو۔ بغاوت شروع ہونے سے پہلے میں مکہ گیا ہوا تھا جب واپس ہو کر بمبئی پہنچا تو مجھے ان عیسائیوں کی تباہی کی خبر ملی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور میں چونکہ اسلام کا پیرو اور انصاف پسند ہوں اور ظلم سے نفرت کرنے والا ہوں، بمبئی سے واپس ہوتے ہوئے میں نے ہندوستان کے عوام کو سڑکوں اور راہوں میں گوالیار تک جہاد کے لیے پکارا اور آج تک کتنے ہی جنگجو سورما اور سردار مجھے مدد کا عہد دے چکے ہیں۔ گوالیار سے ایک چھوٹی سی فوج میرے ساتھ ہو گئی اور میں نے جنگ کے لیے یکجہتی سے پلان بنانے کا ارادہ کیا مگر میرے ساتھیوں کا مذہبی جوش اسقدر

بڑھا کر نظم وضبط کو بالائے طاق رکھ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ میری رائے کے خلاف آگرے پر بڑھے اور جنگ شروع کر دی۔ وہ تعداد میں کم تھے مگر اس قدر بہادری سے لڑے کہ اگرچہ شکست کھائی مگر ایک ہزار فرنگیوں کو ختم کر دیا۔ میرا ساز وسامان جاتا رہا اور عزیز اور دوست منتشر ہو گئے۔ اُس دن سے آج تک میرا تمام وقت اسی دُھن میں صرف ہو رہا ہے کہ دوبارہ جنگ کی جائے اور گذشتہ تین چار ماہ سے میں چند ریاستی حکمرانوں اور معزز جنگجو لوگوں کو شامل کرنے میں کامیاب ہوا ہوں اور ڈیڑھ لاکھ فوج جمع کر چکا ہوں..... ہم بہت جلد ان فرنگیوں کو ختم کر دیں گے۔ ہر جگہ بارود وغیرہ جمع کیا جا چکا ہے اور روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے۔ باقی ہے، میرا قدم اُٹھانا اور جنگ کرنا۔ یہ خالص دینی مقصد ہے لہٰذا تمام ہندو مسلمانوں کو جاننا چاہیئے کہ جو لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کریں وہ ہمارے ساتھ شامل ہوں اور اس اعلان کو دیکھنے پر امید ہے کہ سب اس جہاد میں شرکت کریں گے کمزور اور بوڑھے ہمارے لیے دعا کریں۔ دولت مند ہمیں روپیہ دے کر امداد کریں اور طاقت ور لوگ میدان میں نکل آئیں لیکن جہاد میں شرکت کے وقت ہر شخص یاد رکھے کہ

اول: وہ لوگ جو برٹیش قدر یا خان بہادر کے ملازم ہیں اس جنگ میں بغیر اپنے آقا کی اجازت کے شریک نہ ہوں کیونکہ یہ دونوں خود بھی فرنگیوں کو نکالنے پر مستعد ہیں اس لیے انھیں چھوڑنا فرنگیوں کی طاقت مضبوط کرنا ہے۔

دوم: جو لوگ شرکت کریں وہ یاد رکھیں کہ ہم دنیاوی فوائد کے لیے ایسا نہیں کر رہے بلکہ عقبیٰ اور حصولِ جنت کے لیے کر رہے ہیں......

سوم: انگریزوں کے خاتمے میں جو دیر ہو رہی ہے وہ خدا ہی کی مرضی سے ہے اور اس لیے ہے کہ فوجیوں نے اپنے سرداروں کا حکم نہ مانتے ہوئے بے گناہ عورتوں

اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کیا ہے اور اس قدر لوٹ مار پر اُتر آئے کہ فتح شکست میں بدل گئی۔ انھوں نے عوام پر بھی ظلم کیے۔ اب ان تمام غلطیوں اور گناہوں کا کفارہ کرو اور جہاد میں شرکت کرو۔ فتح ہوگی۔

چہارم: سب لوگ دین میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور سب کو مل کر دوش بہ دوش اٹھنا چاہیئے ۔۔۔۔۔ میں اپنے اندر بہادری اور جوش کا دریا موجزن پا رہا ہوں میں سر سے کفن باندھ کر اور جہاد کی تلوار لے کر بسم اللہ کہتا ہوا کھڑا ہو رہا ہوں۔ مجھے فتح کا یقین ہے۔ میں تمہیں بار بار پکارتا ہوں۔ آؤ۔ خدا کے لیے آؤ۔! میرے ساتھ شریک ہو جاؤ ۔۔۔ زندگی اپنی محبوب شے کے لیے قربان کر دو۔ جان ایک دن جانی ہے۔ اے حافظ و ناصر تو ہی بتا دونوں میں کون سی راہ درست ہے" (ترجمہ)[1]

(بہادری پریس بریلی میں بہ اہتمام مولوی سید قطب شاہ بذریعہ دروغہ نیاز علی بتاریخ ۱۳ رجب ۱۲۷۴ھ طبع شد)

انقلابی سرگرمیاں

بریلی کے آس پاس تصادم برابر ہوتے رہے۔ ۲۵ اپریل ۱۸۵۸ء کو کرور پر تصادم ہوا یہاں انقلابی دستوں کی کمان اسمٰعیل خاں کر رہا تھا جو پہلے کنور میں تھا اس کی مدد کے لیے فیروز شاہ اور رحیم خاں بھی پہنچے نواب محمود کے بارے میں اطلاع تھی کہ بجنور کی شکست کے بعد امروہہ اور پھر اوکس میں پناہ لی اور پھر مراد آباد ہو کر بریلی گیا۔ نانا صاحب فروری ۱۸۵۸ء میں برا کے مقام پر تھے پھر بریلی گئے۔ نواب فرخ آباد شہزادہ فیروز اور اسمٰعیل خاں بھی بریلی گئے۔ نانا صاحب کے ساتھ اشرف علی (محمد اسحاق تھانہ کانپور کا بھائی) بھی تھا۔ وہ ۱۵ مارچ کے بعد بریلی جا کر

---

[1] ڈاکٹر سین نے اس اعلان کا کچھ اقتباس اپنی کتاب میں دیا ہے۔ یہ مارچ اپریل ۱۸۵۸ء میں تمام روہیلکھنڈ میں تقسیم کیا گیا۔

خان بہادر سے جا ملے، گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور بریلی گورنمنٹ کالج میں ٹھہرایا گیا (۴ مارچ)
خان بہادر نے اپنی فوجوں کا سپریم کمانڈر نانا صاحب کو بنایا۔ فوج از سر نو منظم کی گئی، کچھ سکھ بھی
بھرتی ہوئے۔ نانا صاحب بدایوں۔ بسولی۔ فرخ آباد وغیرہ بھی گئے۔ بابو رام نرائن (چندوسی) سہسوان
آ گیا، خان بہادر نے کرنل کا خطاب دیا ۲۶ اپریل ۵۸ء کی اطلاعات کے مطابق رحیم علی کی
فوج سنبھل میں موجود تھی اور مئی میں سہسوان ہو کر بریلی کی طرف آ رہی تھی۔ بریلی کی شکست
کے بعد خان بہادر۔ نانا۔ سوبھا رام اور فیروز شاہ کے ترائی کی طرف جانے کی خبر تھی جبکہ کچھ باغی
فوج ایک گھمسان جنگ کے بعد پیلی بھیت گئی لیکن ۱۱ مئی کی اطلاع تھی کہ خان بہادر چار
ہزار فوج کے ساتھ گجرولہ میں ہے۔

ہلدوانی، نینی تال وغیرہ نینی تال میں مختلف جگہوں سے بھاگے ہوئے انگریز جمع تھے جن کی
امداد رام پور کا نواب کر رہا تھا۔ خان بہادر کی فوج نے ستمبر ۵۷ء سے فروری ۵۸ء تک بار بار ہلدوانی
پر حملہ کیا، ستمبر اکتوبر میں تو ہلدوانی پر قبضہ بھی کر لیا مگر واپس چلی آئی۔ یہاں پر انقلابیوں نے استقلال سے
جنگ نہیں کی چنانچہ مٹھی بھر انگریزوں کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔

کماؤں کے علاقے میں بھی تحصیل خزانہ لٹا، مارشل لا نافذ کیا گیا۔ رام پور کا مستو خاں
پیادہ اور سوار فوج لے کر آیا۔ رُدر پور میں کوئی انگریز نہیں مارا گیا لیکن بغاوت ہوئی۔ جوہری
خاں میواتی (ساکن بہرائی)۔ سمندر خاں۔ من سُکھ کرمی۔ منگل خاں۔ کرم علی۔ علی شیخ برقنداز۔
اور نسیم خاں نے پٹھانوں، میواتیوں اور باغی عوام کی رہنمائی کی۔ ان کے علاوہ زین خاں۔
عیوض خاں۔ امیر خاں۔ نور خاں۔ فتح علی (ساکن لاما کرہ)۔ نتھو۔ چھدو خاں وغیرہ تھے۔

آخری دور
(اودھ اور روہیلکھنڈ)

یہ باب اس کتاب کا آخری حصہ تھا لیکن واقعات کے تسلسل اور اہمیت کے پیشِ نظر اودھ اور روہیلکھنڈ سے متعلق حالات یہاں پیش کیے جا رہے ہیں ـــــــ باقی حالات دوسری جلد میں ہی بیان ہونگے۔

انگریزوں کو امید تھی کہ لکھنؤ کی شکست سے بغاوت ختم ہو جائے گی لیکن ایسا ہوا نہیں بلکہ انقلابیوں نے زیادہ سرگرمی کے ساتھ جدوجہد شروع کردی۔ لکھنؤ کی شکست سے کچھ قبل اوٹرم کو گورنر جنرل کا اعلان موصول ہوا تھا جس میں برطانوی حکومت کی طرف سے سخت اقدامات اور تعلقہ داروں کی جاگیریں ضبط کر لینے کا اعلان تھا۔ اس اعلان کی اشاعت لکھنؤ شکست ہونے کے بعد کی گئی لیکن اس کی اشاعت نے انقلابی سرگرمیاں پہلے سے کہیں زیادہ تیز کر دیں۔ انگریز مورخ مکلائنڈ انس اور ولیم رسل نے حیرت سے اقرار کیا ہے کہ انگریزوں کی دشمنی کے جذبات نئے سرے سے پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھے اور وسیع علاقوں میں بغاوت پھیل گئی۔[1] اوٹرم نے بہت کچھ

---

1. INNES: Lucknow & Oudh pp. 339-340 ؎۱

RUSSELL: My Diary Vol.1 p. 335 quoted by SEN: p.244

دلاسا دیا مگر تعلقہ دار وعدوں کے جال میں پھنسنے کو تیار نہ تھے ۔ تمام اودھ میں بغاوت کے شعلے بدستور بھڑک رہے تھے۔

مولانا احمد اللہ کی سرگرمیاں

باڑی (ضلع سیتاپور) کا معرکہ ہم بیان کر چکے ہیں (۱۳، ۱۴ اپریل ۱۸۵۸ء)۔ بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ بیگم حضرت محل نے مع برجیس قدر مولانا احمد اللہؒ سے شرمساری اور معذرت کا اظہار کیا۔ یہ پشیمانی غالباً لکھنؤ کی شکست سے پہلے کی کشمکش کے سلسلے میں تھی جو کہ اب بعد از وقت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ برجیس قدر مولاناؒ سے بیعت ہو گیا۔[1] تمام انقلابی سرداروں اور عوام نے مولاناؒ کی بے مثال بہادری اور دانش مندی کو محسوس کر کے اپنی خدمات سونپ دی تھیں اور اُنھیں انقلابی جدوجہد کا محور و مرکز قرار دے لیا تھا۔

آس پاس کے تمام سردار مولاناؒ سے رابطہ قائم کر رہے تھے۔ امراؤ سنگھ اور رام سہائے کے ایک خط (۱۸ اپریل ۱۸۵۸ء م ۴ رمضان ۱۲۷۴ھ) سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنؤ کا شمالی حصہ ویران نظر آتا ہے لیکن جنوب کی طرف جنگ جاری ہے۔ زمیندار اور تعلقہ دار مثلاً مہونا کا راجہ ڈرگ وجے سنگھ، مولاناؒ کی آمد کے منتظر تھے اور پرگنہ کرسی کے زمیندار اُن سے ملنے کے انتظار میں تھے۔ داروغہ میگزین سید کاظم علی کے خطوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجاؤں نے بیس پچیس ۲۵ ہزار آدمی جمع کر لیے تھے۔ رانا بینی مادھو بھی اِن سرگرمیوں میں شریک تھا اور یہ فوج ۲۰ اپریل کو دریا پار کر کے بڑھنے والی تھی۔ مولاناؒ غالباً خیرآباد میں تھے۔ ڈرگ وجے سنگھ نے اپنی گڑھی امریا میں فوج منظم کی، توپیں فراہم کیں اور آس پاس کے علاقوں جاؤ نگر، بہرام گھاٹ، اور کلولی وغیرہ

---

[1] تاریخ احمدی از فتح محمد تائب (قلمی) میں ہے کہ:

دیا ظاں قدموں پہ ماں نے اُسے ۔۔۔ اُٹھایا شہ باخدا نے اُسے
ہوا بیعتِ شہ سے پُر نور وہ ۔۔۔ غبارِ حسد سے ہوا دور وہ

سے رابطہ قائم کر لیا تھا[1] مئی ۵۸ء میں انقلابی فوجیں بہرام گھاٹ۔ مسولی۔ فتح پور۔ سعادت گنج وغیرہ میں بڑی تعداد میں جمع ہو رہی تھیں۔ ڈرگ بجے سنگھ، جو مولاناؒ سے برابر خط وکتابت کر رہا تھا، مضبوط پوزیشن میں تھا۔ اُس نے تھونا کا تھانہ جلاکر ڈھیر کر ڈالا۔ بارہ بنکی میں بھی انقلابی سپاہ جمع تھی۔ ڈرگ بجے سنگھ نے مختلف علاقوں کو لوٹا، علاقہ کرسی میں چنگی لگائی، لکھنؤ جانے والی رسد روک دی اور بیگم کی طرف سے چکلہ دار ہونے کا اعلان کیا۔ جون ۵۸ء میں اُس نے مہندا (فتح پور) اور کھنجا پہ حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ وکٹوریہ کے اعلانِ معافی (نومبر ۵۸ء) کے بعد اسے جان بخشی کا وعدہ کر کے بلایا گیا مگر نہ آیا۔ جب انگریزی فوج بخشی تالاب پر پہنچی تو اُس نے اپنا قلعہ مضبوط کیا اور جنگ کی۔ کیرت سنگھ۔ امراؤ سنگھ اور تھانے دار شیو دین اس کے ہمراہ تھے۔ فروری ۵۹ء تک اس کی سرگرمیاں جاری تھیں[2]

رانا بینی مادھو سنگھ

شنکر پور کے بیسواڑہ راجپوت بینی مادھو سنگھ کا کردار بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ وہ آخر دم تک بیگم حضرت محل کے ساتھ رہا۔ ۱۷ اپریل ۵۸ء کو ہوپ گرانٹ نے شنکر پور پر حملہ کیا لیکن اس کی فوج کو تباہ نہ کر سکا اور واپس آ گیا۔ کمانڈر انچیف نے بینی مادھو کو یقین دلایا کہ اگر وہ خود کو حوالے کر دے تو اس کے مطالبات اور جاگیر کی واپسی پر غور کیا جائے گا لیکن اُس نے صاف کہہ دیا کہ وہ قلعہ حوالے کر سکتا ہے جو اُس کی ملکیت ہے مگر اس کی ذات بادشاہ اودھ کی ملکیت ہے[3] چنانچہ رات کے وقت شنکر پور چھوڑ دیا اور ڈونڈیا کھیڑہ چلا گیا۔ انگریز افسر باوجود کوشش کے کھوج نہ پا سکے۔ ولیم رسل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ ہمارے خصوصی جاسوسی محکمے کی رپورٹ یہ تھی کہ

۱۔ رپورٹ ڈپٹی کمشنر لکھنؤ بہ حوالہ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۲ ص ۲۷۷

۲۔ کارروائی مقدمہ ڈرگ بجے سنگھ بہ حوالہ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۲ ص ۲۹۲

۳۔ 2. SEN: p. 360 FORREST: Vol.3 p. 517

وہ بہ یک وقت تمام مقامات پر موجود ہے۔ کئی بار تصادم ہوئے مگر ہر بار بچ کر نکل گیا۔ اس کی فوج نے بعض جگہ انگریزی فوجوں کو شکست دی۔ بالا صاحب کے نام ایک خط میں اُس نے لکھا تھا کہ "مجھے واقعی اس قدر شاندار جیت نصیب ہوئی ہے۔ یہ حکومت اودھ کا اقبال ہے اور آپ کی مہربانیاں۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ مقتول انگریزوں اور سکھوں کا شمار کیا جاسکے یہاں ابھی انگریز باقی ہیں اور میں انھیں سزا دینے میں مصروف ہوں۔"[۲] ان علاقوں کے انقلابی سردار حیدر خاں اور شنکر لال برابر بینی مادھو سے رابطہ قائم کر کے اپنے کاموں سے باخبر کر رہے تھے۔ ۱۶ر جون ۱۸۵۸ء کو بینی مادھو پورا گاؤں (اناؤ اور رائے بریلی کی سڑک پر) میں تھا اُس نے ایک خط میں مولانا احمد اللہؒ کو مشورہ دیا کہ لکھنؤ پر حملہ کریں، اس وقت فتح آسان ہے۔ ممّو خاں اور بیگم جگور کی طرف جا رہے تھے اور بینی مادھو کو اطلاع دی تھی کہ فوج لے کر آئے چنانچہ وہ سمیری سے ضلع سیتاپور میں خیمہ زن ہوا۔ ایک انگریز مؤرخ نے لکھا ہے کہ بینی مادھو نے ایک اعلان میں لکھنؤ کے باشندوں کو وارننگ دی کہ وہ شہر چھوڑ دیں کیونکہ ہم لکھنؤ پر حملہ کر رہے ہیں۔ ہوپ گرانٹ یہ حملہ روکنے کے لیے بڑھا مگر بینی مادھو نے میدانی جنگ کے بجائے گوریلا جنگ کے طریقے اختیار کیے۔[۳]

انگریزوں کے پلان

لکھنؤ کی شکست کے بعد کولن کیمپبل نے پھر یہ مسئلہ اٹھایا کہ پہلے اودھ کو کچلنے کی مہم شروع کی جائے یا بریلی پر حملہ ہو۔ اُس نے گورنر جنرل کو لکھا کہ "اودھ میں ابھی تک سرگرم بغاوت کا سامنا ہے۔ جیسے ہی ہم باغیوں کو کچل کر بڑھتے ہیں وہ ہمارے پیچھے پھر جمع ہو کر آ موجود ہوتے ہیں۔" گورنر جنرل نے زیادہ

۱۔ 1. RUSSELL: Vol.2 p. 320

۲۔ خط مورخہ ۱۰ر مئی ۱۸۵۸ء بمقام ضلع کھیری (۱۶ر شوال ۱۲۷۴ھ)

۳۔ 3. EDWARD (Mecheal): Battles of Indian Mutiny pp. 131-147

دخل نہیں دیا اور اب پلان یہ بنا کہ پہلے روہیلکھنڈ پر مختلف سمتوں سے حملہ ہو۔ وال پول گنگا کے بائیں طرف، کولن فتح گڑھ سے، پینی دوسری سمت سے اور جونس رڑکی سے داخل ہو۔ وال پول نے بڑھ کر جیسے ہی روئیا کے قلعے پر حملہ کیا، نرپت سنگھ سے شکست کھا کر پسپا ہوا، تاہم رام گنگا کے کنارے کمانڈر انچیف سے طے شدہ اسکیم کے مطابق آملا۔ جنرل پینی البتہ ایک مقام ککرالہ میں اُلجھ کر جان گنوا بیٹھا۔ جونس نے ہردوار کے قریب گنگا پار کی اور بھگنی وال کے جنگل میں انقلابیوں سے تصادم ہوا۔ اس کے بعد مراد آباد پر ٹھہر کر میرگنج پہنچا جہاں شہزادہ فیروز موجود تھا لیکن شہزادے نے بغیر تصادم کے یہ مقام چھوڑ دیا۔ اس درمیان ۳۰ اپریل ۵۸ء کو کولن کیمپبل نے شاہجہانپور پڑاؤ ڈالا اور مختصر فوج جیل کی عمارت میں چھوڑ کر ۲ مئی کو فتح گڑھ پہنچا۔ جونس بھی آملا تھا۔ ۵ مئی کو فریدپور میں دونوں کی فوجیں آگئیں۔ یہاں بریلی کے غازیوں سے تصادم ہوا لیکن اس سے پہلے ہم شاہجہانپور وغیرہ کے حالات بیان کر رہے ہیں۔

مولانا احمد اللہؒ شاہ جہاں پور میں

باڑی سے مولانا احمد اللہؒ نے قصبہ محمدی کا رخ کیا اور شاید موزوں حیثیت دیکھ کر قیام کیا تاکہ شاہ جہانپور، ہردوئی اور فرخ آباد پر حملے کیے جا سکیں۔ یہ تمام کاروائیاں اس قدر خفیہ اور اچانک ہوتی تھیں کہ انگریز حیران و پریشان تھے کہ "باوجود انتہائی کوشش کے مولوی کی روانگی کی سمت کا پتہ نہیں چلتا"۔ جیسے ہی کولن کچھ فوج چھوڑ کر شاہجہانپور سے گیا، مولاناؒ نے حملے کا ارادہ کر لیا لیکن انگریزوں کو جاسوسوں نے چوکنا کر دیا تھا اور انھوں نے محفوظ پناہ گاہ بنالی۔ انقلابی فوج تیزی سے بڑھی، آدھی رات کے بعد چار میل دور قیام کیا، اگلے دن حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ انگریز اس حملے کی تاب نہ لا کر جیل خانے کی عمارت میں بند ہو گئے۔ اس جنگ میں انگریزی فوج تین گنا زیادہ تھی جس میں سکھ اور گورکھے بھی تھے [1]

---

[1] تائب: تواریخ احمدی (قلمی) ص ۹۸ــ۱۰۰

شاہجہانپور کے نواح میں کئی جنگیں ہوئیں۔ ۲۸ اپریل ۵۸ء کو موضع بچپوریہ گھاٹ پر جنگ ہوئی۔ نظام علی خاں کام آگیا اور بخشی رام کائستھ نے بھی جان دی۔ مولاناؒ عارضی طور پر ہٹ گئے لیکن دو تین دن بعد پھر حملہ کیا۔ اس موقعے پر ایک عمارت بھی جلادی گئی (جو جلی کوٹھی کے نام سے مشہور ہے)۔ ۱۱ مئی کے بعد تین چار دن جنگ جاری رہی۔ ۱۱ مئی کو کھنوٹ ندی کے کنارے جنگ ہوئی۔ انگریزی فوج پانچ گنا زیادہ تھی مگر اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد انگریزوں کی پناہ گاہ کا محاصرہ کر کے گولا باری کی گئی، کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۵ مئی تک تمام انقلابی لیڈر یعنی بیگم حضرت محل، شہزادہ فیروز، میاں صاحب (محمدی کا راجہ)۔ نانا صاحب، بخت خاں، ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد، عظیم اللہ خاں، مولوی سرفراز علی نواب تفضل حسین، مولوی لیاقت علی بھی یہاں آپہنچے تھے۔

ایک جنگ قصبہ کانٹ (شاہجہانپور سے ۲۵ میل) میں ہوئی جہاں انقلابیوں کو شکست ہوئی کیونکہ جنرل جونس بھی آگیا تھا۔ مولاناؒ جنگ کرتے ہوئے مغرب کی طرف جاکر موضع سکندر آباد (تحصیل جلال آباد) میں مقیم ہوئے۔ کمانڈر انچیف کولن اب خود ادھر متوجہ ہوا، ۱۸ مئی ۵۸ء یا اس کے کچھ بعد یہاں پہنچا، مختلف سمتوں سے فوجیں روانہ کر کے چاروں طرف سے گھیر لیا تاکہ مولاناؒ بچ کر نہ جاسکیں مگر یہ تمام تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں اور مولاناؒ اسی طرف سے صاف بچ کر نکل گئے جدھر کمانڈر انچیف خود نگرانی کر رہا تھا۔ اس طرح سال بھر کی محنت کے بعد انگریزوں نے جس اودھ سے باغیوں کو دھکیلا، یہ جانباز مولوی اب اسی اودھ میں داخل ہو رہا تھا۔ قصبہ محمدی (لکھیم پور کھیری) میں باقاعدہ مولاناؒ کی حکومت قائم ہوئی، نانا صاحب کو دیوان بنایا گیا، بخت خاں وزیر دفاع، مولوی سرفراز علی قاضی ہوئے۔ راجہ لونی سنگھ بھی ہمراہ تھا۔ سکہ جاری ہوا:

سکہ زد بر ہفت کشور خادم محراب شاہ
حامیٔ دینِ محمدؐ، احمد اللہ بادشاہ

ہردوئی اور فرخ آباد پر حملے مئی ۵۸ء کے آخری ہفتے میں (۲۴ مئی) مولاناؒ نے فرخ آباد کی حدود

تک حملے کیے، بچھپوریہ گھاٹ پر بھی معرکہ ہوا۔ آس پاس کے علاقوں کے پٹھان انقلابیوں کے ہمراہ تھے۔ ایک انگریز افسر کی رپورٹ یہ تھی کہ "وہ پٹھان نہایت احتیاط سے فوجی قافلے کی نوعیت اور روانگی کا وقت معلوم کر کے مولوی کو اطلاع دیتے ہیں۔ انہی کی اطلاع کی بنیاد پر اُس کو ہمارے آخری قافلے کے کُوچ کی خبر مل گئی تھی۔"[۱] چنانچہ سانڈی ضلع ہردوئی پر حملہ کر کے انھوں نے قبضہ کیا یہاں نرپت سنگھ بھی اُن کے ساتھ ہو گیا اور تمام سورج بنسی راجپوت بھی (ایک کے علاوہ) ان کے ساتھ تھے انگریزوں کو یہ اطلاعات کسی طرح نہ پہنچ سکتی تھیں کہ مولوی کی نگاہیں اب کس مقام کو نشانہ بنانے والی ہیں۔ ان افسروں کی حیرانی ان کی خط و کتابت سے پوری طرح عیاں ہوتی ہے۔ مئی کے آخر ہفتے میں پالی (ہردوئی) پر بھی حملہ ہوا، آس پاس کے زمیندار مثلاً کیول سنگھ (راجپوت سردار) موضع بھوگنی کا نرائن سنگھ کے علاوہ گوکل سنگھ، منالال، دیوانی سنگھ اور جملہ ہندو مسلمان سردار مولاناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پالی کا عنایت خاں بھی ان کے ساتھ تھا اور ٹھاکر اُن کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ نرپت سنگھ نے بلگرام کو لوٹا پھر سانڈی کی طرف بڑھا جہاں مولاناؒ کے ساتھ مل کر دھرم پور کی طرف رُخ کر دیا۔[۲] پالی پر مولاناؒ کے حملوں کا ذکر آر۔سی۔ مجمدار نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے لیکن بعض سرکاری کاغذات سے واضح ہوتا ہے کہ پالی، سنڈی اور بلگرام پر حملہ مولوی لیاقت علی نے کیا تھا، کاغذات میں صرف "مولوی" لکھا گیا ہے جس سے اُلجھن پیدا ہوتی ہے[۳]

بریلی میں خوں ریز جنگ

ان حالات کو یہاں چھوڑ کر ہم بریلی کی طرف واپس ہو رہے ہیں جہاں فرید پور میں ۵ مئی کو انگریزی فوجیں یکجا ہو کر

---

[۱] بریڈ فورڈ اسسٹنٹ کمشنر فتح گڑھ کی رپورٹ بحوالہ مآثر دلاوری۔ ۱۶۱۔ شاید اسی جاسوسی کی بنا پر فرخ آباد کے کوتوال غلام علی خاں کو پھانسی دی گئی۔

[۲] فاروقی (ابرار حسین): مآثر دلاوری ۱۶۷-۱۶۵

[۳] 3. Freedom Struggle UP Vol.2 pp.416-429

آ گئی تھیں۔ نانا صاحب۔ بخت خاں۔ فیروز شاہ وغیرہ بریلی آ گئے۔ فیروز شاہ تو بریلی میں رہا، باقی لیڈر مولانا احمد اللہؒ کی مدد کو پہنچے۔ شاہجہانپور سے کولن کی فوج بھی بریلی کی طرف بڑھی۔ بیگم حضرت محل۔ ولی داد خاں۔ راجہ تیجا سنگھ اور بالا صاحب بھی بریلی میں تھے۔ اسکیم یہ تھی کہ گوریلا طریقۂ جنگ اختیار کیا جائے اور شہر خالی کر کے تمام روہیلکھنڈ میں پھیل جائیں۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں مگر جب انگریزی فوجیں بریلی کی طرف بڑھیں تو بہادر روہیلے مقابلے پر تیار ہو گئے۔ دشمن کی زبردست فوجوں سے بغیر مقابلہ کیے ہٹ جانا انھیں گوارا نہ تھا۔ خان بہادر خاں کے پاس بڑی توپیں بھی نہ تھیں پھر بھی شہر سے چار میل دور نکیٹا ندی کے کنارے صف آرا ہوئے اور روہیلوں کی اس سرفروشانہ تگ و تازنے وہ تاریخی جنگ پیش کی جو تاریخ کے صفحات پر غازیوں کی جنگ کے عنوان سے ثبت ہے اور دشمن بھی دل کھول کر داد و تحسین بلند کر رہا ہے۔

پہلے انگریزی توپ خانہ حرکت میں آیا لیکن غازیوں نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے غضب ناک ہو کر حملہ کیا اور پنجاب رائفلس کے دستوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جب سنگین بردار فوج آگے بڑھی تو غازیوں نے ڈھالیں اپنے سروں پر کر لیں، کمر کے بل جھک گئے اور تلواریں گھماتے ہوئے سنگینوں کے نیچے پہنچ کر انگریز فوجیوں کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ آخر کار ایک بھی غازی زندہ نہ بچا۔۔۔ یہ تو ہونا ہی تھا مگر میلیسن، فوربس میچل، ولیم رسل اور دیگر متعدد مصنفوں نے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ میچل اس جنگ کا عینی شاہد ہے، کہتا ہے:

> "سبز رنگ کے صافے اور پٹکے باندھے ہوئے، بائیں ہاتھوں میں ڈھال اور دھار دار تلواریں لیے ہوئے تھے۔ غضبناک ہو کر اندھا دھند حملہ آور ہوئے۔ وہ اپنے جسموں کو جھکائے ہوئے تھے۔ کسی نے بھاگنے کی کوشش نہ کی، مرنے یا مارنے کو نکلے تھے۔"

فوربس میچل نے اندازاً اُن کی تعداد تین سو ساٹھ[۲۶] بتائی ہے۔ سرکولن اُن کا تیزی سے حملہ دیکھ کر حیرت میں رہ گیا، چلا چلا کر صرف اتنا کہہ سکا

"نمبر ۴۲ ــ قدم جمائے رہو، سنگینوں سے مقابلہ کرو ــ یہ غازی ہیں ــ یہ غازی ہیں ــ !"

بعض کتابوں میں ہے کہ یہ غازی قرآن پاک کے الفاظ کی انگوٹھیاں پہنے تھے، داہنی طرف سے "بسم اللہ ـ اللہ ـ دین دین" کے نعرے لگا کر حملہ آور ہوئے۔ لے رسل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ وہ اگرچہ تعداد میں بہت کم تھے مگر اُن کے دلیرانہ حملے نے گوروں کو بد حواس کر دیا اور وہ گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہائی لینڈرز نے ان کی پیش قدمی روکنا چاہی مگر وہ آگے بڑھتے چلے گئے اور کچھ تو انگریزی فوج کے پیچھے تک پہنچ گئے۔ وہ وہیں لڑتے ہوئے ختم ہو گئے مگر گوروں کو بھی یوں کاٹ کر پھینک دیا جیسے گھاس کے پُولے درانتی سے کٹتے ہیں۔ ان میں صرف ایک زندہ بچا تھا جو کسی تاک میں دم سادھے پڑا تھا۔ جیسے ہی کمانڈر انچیف اِدھر آیا، وہ لاشوں کے درمیان سے اُٹھ کر اس پر ٹوٹ پڑا۔ انگریزی فوج کے ایک سکھ نے اس آخری غازی کا خاتمہ کر دیا۔[1]

۵ مئی ۱۸۵۸ء کو شہزادہ فیروز نے بغیر مقابلہ کیے میر گنج (ضلع بریلی) چھوڑ دیا۔ البتہ نکیٹا ندی کے کنارے خان بہادر خاں کے ساتھ تھا۔ ایک چشم دید بیان ہے کہ عین جنگ کے وقت خان بہادر خاں کا ہاتھی بگڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور فوج میں افراتفری پھیلنے لگی لیکن شہزادہ تیغ آزمائی کے جوہر دکھاتا رہا "جس سمت گھوڑے کی باگیں موڑ دیتا صفیں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیتا..... جس وقت مجاہدین اللہ اکبر اور یا علی کے نعرے

لہ 1. MITCHELL: Reminicenses pp. 254-256

CHAUDHURI: Civil Rebellion in Indian Mutinies. P.113

EDWARDS (Mecheal): Battles sof Indian Mutiny p. 147

بلند کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ عرش کے کنگرے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔"[1] آخری جنگ شہر کے متصل چھاؤنی کے قریب ہوئی۔ روایت ہے کہ اس میں ولی داد خاں۔ بنڈے میر خاں اور گل داد خاں وغیرہ شامل تھے۔ ایک انگریز افسر فوربس میچل، جو موقعے پر موجود تھا، اپنی یاد داشت میں غازیوں کی جنگ کے بارے میں لکھتا ہے:

"خان بہادر خاں کی فوج میں غازیوں کی ایک جماعت تھی، یہ شہادت کے نشے میں چور تھے...... دین دین کا نعرہ لگا کر ہمارے سامنے آئے۔ حملہ آور ہونے سے پہلے اُن کا سردار جو ایک بیس سالہ نوجوان تھا، جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا، صف سے آگے بڑھ کر ہم سے یوں مخاطب ہوا۔ "کیا تم میں کوئی حوصلہ مند ہے جو میرا مقابلہ کر سکے؟ اگر ہے تو سامنے آئے۔!" اس کی آواز پر ہماری صفوں میں سناٹا چھا گیا کوئی آگے نہ بڑھا۔ ایک منٹ کے بعد پھر چیلنج دیا اور کہا ۔۔۔ میں پانچ آدمیوں سے تنہا مقابلہ کر سکتا ہوں، لیکن پھر بھی کوئی حرکت نہ ہوئی۔ آخر جھنجلا کر اُس نے تلوار میان سے نکالی اور ہماری صفوں پر اس شدّت سے حملہ کیا کہ چشم زدن میں اٹھارہ ۱۸ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ اس کی بے نظیر شجاعت سے کمانڈنگ آفیسر اسقدر متاثر ہوا کہ اسکو زندہ گرفتار کرنے کا حکم دیا۔...... زخمی ہو جانے کے باوجود جبکہ اس کے ہر عضو سے خون کے فوّارے نکل رہے تھے، اس نے دوبارہ اُسی شدّت سے حملہ کیا۔ جب کمانڈنگ آفیسر نے دیکھا کہ اگر اس کو قتل نہ کیا گیا تو شاید ساری کمپنی (سو آدمی) کا صفایا کر دے گا۔ تو مجبوراً اس نے حکم دیا کہ" سنگینوں سے

---

[1] رسالہ "العلم" کراچی۔ اپریل جون ۱۹۵۷ء ص ۲۷ تاریخ روہیلکھنڈ (قلمی) میں ہے کہ "روز چہار شنبہ ۱۷ رمضان ۱۲۷۴ھ م ۵ مئی ۱۸۵۸ء کے لڑائی ہوئی.... فی الحقیقت اس لڑائی میں فیروز شاہ نے بڑی بہادری کی"

خاتمہ کر دو"۔ یہ سن کر سپاہیوں نے اسے گھیر لیا اور اپنی سنگینیں بہ یک وقت اس کے سینے میں پیوست کر دیں لیکن جب تک اس کی روح جسم میں باقی رہی، برابر اپنی تلوار کے جوہر دکھاتا رہا"۔ [1]

غازیوں کی جواں مردی پر ساورکر کا خراجِ تحسین:

"دنیا کی تاریخ میں بے مثال بہادری اور شہادت کی مثالوں میں کوئی اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی"۔ [2]

خان بہادر خاں نے شہر خالی کر دیا مگر انگریزی فوج کو شہر میں داخل ہونے میں تامل تھا کہ کہیں پھر غازیوں سے پالا نہ پڑ جائے۔ شہر خالی ہو گیا تو یہ فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ خان بہادر اور دوسرے انقلابی پیلی بھیت کی طرف نکل گئے۔

شہزادہ فیروز سندیلے میں

جب قصبہ محمدی میں مولانا کی حکومت قائم ہوئی تو شہزادہ فیروز سندیلے چلا گیا، تھانے تحصیل پر حملہ کیا، بانگر مئو اور صفی پور وغیرہ پر قبضہ کر لیا، تمام زمیندار اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جب انگریزی فوجوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تو خیر آباد گیا۔ وہاں کے ناظم ہر پرشاد اور مولوی محمد کو راجہ گلاب سنگھ کی مدد کے لیے بھیجا۔ اسی طرح مختلف مقامات پر جنگ کرتا ہوا محمود آباد آیا۔ انقلابی افسروں کو جمع کر کے اس نے کہا کہ ــــ "میں نے جان پر کھیلنے کا تہیہ کر لیا ہے تم میں جو شخص سرفروشی کا عہد کرے وہ میرے ساتھ رہے ورنہ جہاں چاہے چلا

---

[1] MITCHELL (Fobes): Reminiceses of the Great Indian Mutiny, p.255

[2] 'العلم' جنگ آزادی نمبر ۸۵ ــــ ۸۴

[3] 2. SAVARKAR: p.451

جائے"۔ کہا جاتا ہے کہ شہزادہ اُس دن فاقے سے تھا۔ "قیصر التواریخ" میں ہے کہ تقریباً ایک ہزار ہمراہیوں کو لے کر باڑی روانہ ہوا۔ گنگا کے ایک گھاٹ سے اتر کر کئی جگہ تصادم میں حصہ لیتا ہوا چلا گیا۔[۱] مشہور ہے کہ وہ بعد میں مولاناؒ کے ساتھ پھر کچھ عرصے کے لیے شامل ہو گیا تھا لیکن سندیلہ اور خیرآباد کے علاقوں میں جو آگ اُس نے لگا دی تھی وہ عرصے تک قابو میں نہ آئی۔ ملیح آباد کے پٹھانوں نے ملکر شاہ کی رہنمائی میں جدوجہد جاری رکھی۔ راجہ ہر پرشاد نے اکتوبر ۵۸ء میں پھر سندیلے پر حملہ کر دیا۔ موہن لال گنج میں شیخ مصاحب علی نے کرمی سردار خوشحال چند کے ہمراہ جنگوں میں حصہ لیا اور دونوں سلیم پور کے قریب جنگ میں کام آئے[۲]۔ اس دوران (جون ۵۸ء) نرپت سنگھ بھی شہزادہ فیروز کے ہمراہ ہو گیا، پورا علاقہ باغی تھا۔ ہم عصر رپورٹوں میں اقرار ہے کہ تمام زمیندار اور تعلقہ دار شہزادے کی مدد کر رہے تھے۔

۲۸ اگست ۱۸۵۸ء کو انقلابی فوجیں سلطان پور میں جمع ہو گئیں، ہوپ گرانٹ سے مقابلہ ہوا اور گھمسان جنگ کے بعد جسے مکلائڈ انس نے "صحیح قسم کی جنگ" کہا ہے انقلابی پسپا ہوئے لیکن ابھی اودھ کے تمام دوسرے علاقوں میں بغاوت ہو رہی تھی۔ رانا بینی مادھو، لال مادھو سنگھ (امیٹھی)، ہنومنت سنگھ نانا صاحب۔ بالا راؤ، جوالا پرشاد، مہدی حسن، محمد حسن میدان میں تھے۔ بغاوت لکھنؤ کے قریب پھر بھڑکنے لگی۔ جب مختلف انگریزی فوجوں نے اِن علاقوں کو گھیرا تو انقلابیوں کو گھاگرا کے پار دھکیلا جا سکا۔ یہاں شہزادہ فیروز بھی بسوا کے قریب اس گھیرے میں آ گیا لیکن اُس نے فوراً سندیلے کے جنوب کی طرف واپس ہو کر گنگا پار کی اور پھر جمنا سے پار اتر گیا اس طرح اودھ کا مغربی

---

[۱] کمال الدین: قیصر التواریخ جلد دوم ص ۴۶۶

[۲] CHAUDHURI: Civil Rebellion pp. 140-41

علاقہ پر سکون ہوا۔[1]

راجہ پوایاں اور مولانا احمد اللہؒ

۲۸ مئی ۵۸ء کو انگریزوں کی طرف سے مولانا احمد اللہ کو گرفتار کرنے والے کے لیے پچاس[50] ہزار روپے انعام کا اعلان کر دیا گیا۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کے درمیان یہ اشارہ بھی کر دیا تھا کہ اب ہم نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے۔

راجہ پوایاں جگناتھ سنگھ بغاوت کے شروع میں انگریزوں کو پناہ نہ دینے کی بنا پر اُن کا دشمن سمجھا جاتا رہا اور مولاناؒ اسے اپنا ہمدرد سمجھتے تھے۔ کچھ عرصے سے اُس کا بھائی بلدیو سنگھ مولانا کے ہمراہ تھا اور راجہ کی شکایت کرتا تھا کہ وہ انگریزوں کا حامی ہو گیا ہے اس لیے اس کے بجائے بلدیو کو گدی پر بٹھایا جائے۔ بلدیو کے پیہم اصرار پر مولاناؒ پانچ سو سواروں کو ہمراہ لے کر پوایاں گئے۔ سواروں کو قریب کے باغ میں ٹھہرایا اور خود دو سواروں کو لے کر گڑھی پر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ بعض کتابوں میں ہے کہ وہ امداد کے لیے راجہ سے ملنے گئے اور اُس نے امداد کا وعدہ کیا تھا لیکن تاریخ احمدی (مولفہ فتح محمد تائب) اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ اس میں بیان کردہ واقعہ مختصر طور پر یہ ہے کہ گڑھی کے دربانوں نے راجہ کے پوجا کرنے کا عذر کیا۔ کچھ انتظار کے بعد مولاناؒ نے ہاتھی طلب کیا اور دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ وہ خود گھوڑے پر سوار تھے کہ اتنے ہی میں گڑھی کے پھاٹک سے، جہاں راجہ موجود تھا، گولیاں چلیں جن سے مولاناؒ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی شہادت واقع ہو گئی۔ یہ واقعہ بروز منگل ۱۵ جون ۵۸ء (۲ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ) کا ہے۔ راجہ کی انگریزوں سے سازباز کا راز شاہجہانپور کے مجسٹریٹ جی پی منی کے ایک خط سے افشا ہوتا ہے جو اس نے روہیل کھنڈ کے کمشنر کو لکھا (۱۷ جون ۵۸ء):

---

[1] CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 141

"اب میں آپ کو مزید رپورٹ دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ پوایاں کا راجہ گذشتہ رات کو یہاں آیا اور اپنے ساتھ مولوی کا سر اور جسم لایا..... اور جس کا کہ میں دن بھر انتظار کرتا رہا۔ دو پہر کے بعد اس کے نہ آنے سے مجھے بے قراری شروع ہوئی..... سر کو پوایاں کے کئی آدمیوں سے شناخت کرالیا گیا کہ یہ مولوی احمد اللہ شاہ کا ہے..... سر کو پبلک کے سامنے کوتوالی پر رکھا گیا اور جسم کو برسرِ عام آج صبح جلا کر راکھ دریا میں بہادی گئی..... میرے پاس چند دوسرے ذرائع سے جو خبریں آئی ہیں ان کے پیشِ نظر میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سخت قسم کا تصادم ہوا..... جب میں نے ضلعے کا چارج لیا ہے میں برابر راجہ پر دباؤ ڈالتا رہا کہ اگر اُس نے حکومت برطانیہ سے ہمیشہ کی طرح پھر وفاداری کا اظہار کیا تو اس کو فائدہ پہنچے گا..... جب مجھے یہ خبر ملی کہ محمدی کے باغیوں کی طرف سے پوایاں پر حملے کے امکانات ہیں تو میں نے اسے لکھا کہ وہ مولوی کو گرفتار کرنے کا یہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے اور مجھے خوشی ہے کہ آخر کار اس میں کامیابی ہوئی اور ایک ایسا باغی لیڈر جو اپنے پیروؤں پر حیرت انگیز اثر کی بنا پر انتہائی پریشان کن ثابت ہوا تھا، نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے" [۱]

گولی لگنے کے بعد راجہ اور اس کا بھائی گڑھی سے باہر آگئے۔ مولانا کے خون آلود سر کو تن سے جدا کیا اور قریب ہی تیرہ میل دور انگریزی کیمپ میں (شاہجہانپور) لے گئے انگریز افسر رات کا کھانا کھا رہے تھے جب راجہ نے اندر داخل ہو کر یہ تحفہ پیش کیا۔ اگلے

---

[۱] یہ خط نیشنل آرکائیوز نئی دہلی میں موجود ہے اور راقم الحروف کی نظر سے بھی گزرا ہے۔ بعض خطوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت کنہیا لال مصنف "محاربۂ عظیم" بھی اس سازش میں شریک تھا۔

دن جسم کو جلا کر راکھ دریا میں بہادی گئی۔ اور سر کو کوتوالی پر لٹکایا گیا۔

خراجِ تحسین

جب یہ خبر انگلینڈ پہنچی تو انگریزوں کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ ہومز خوشی سے بے تاب ہو کر کہتا ہے:

"شمالی ہند میں برطانیہ کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ختم ہو گیا"۔[1]

وہ یہ بھی اعتراف کرتا ہے کہ:

اس پیمانے سے مناسبت دیکھی جائے تو تمام باغیوں میں وہی بادشاہت کے لیے سب سے زیادہ مستحق تھا"

ساورکر بھی اس اقرار پر مجبور ہے کہ:

"مولوی کی زندگی سے عیاں ہوتا ہے کہ اسلام کا سچا پرستار مادرِ وطن کے لیے زندگی قربان کرنا فخر سمجھے گا"

میلیسن کی رائے ہے کہ:

"مولوی بڑا عجیب انسان تھا..... فوجی لیڈر کی حیثیت سے اس کی صلاحیت کے بہت سے ثبوت ملے ہیں۔ کوئی اور شخص یہ ناز نہیں کر سکتا کہ اس نے سر کالن کیمپبل کو دو مرتبہ سرِ میدان شکست دی.... اگر ایک انسان کو جس کے وطن کی آزادی بے انصافی سے چھین لی گئی ہو اور جو اُسے پھر آزاد کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے جنگ کرے، محبِ وطن کہا جا سکتا ہے تو بیشک مولوی ایک سچا محبِ وطن تھا۔ اس نے کسی بیکس کی موت سے اپنی تلوار کو کلنک نہیں لگایا نہ اور بے قصوروں پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اُس نے مردانہ وار آن بان کے ساتھ ڈٹ کر کھلے میدان میں اُن غیر ملکیوں کا مقابلہ کیا جنہوں نے اس کا ملک چھین لیا

---

[1] HOLMES: p.530

تھا۔ ہر ملک کے بہادر اور سچّے لوگوں کو مولوی کو عزت سے یاد کرنا چاہئیے۔" لے

ایک اور مورّخ ٹامس سٹین نے لکھا:

"وہ بڑی قابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف نہیں کرتا تھا۔ اپنے عزم کا پکّا اور مستقل مزاج تھا۔ باغیوں میں اُس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے ہی چپاتیاں تقسیم کرائیں" ۲ے

مولانا احمد اللہ رح کا حُلیہ میلیس نے مولاناؒ کا حُلیہ بھی بیان کیا ہے جس کے مطابق وہ دُبلے لمبے اور گٹھیلے جسم کے تھے۔ آنکھیں بڑی اور گہری تھیں۔ بھنویں گھنی اور آگے کی طرف نکلی ہوئی تھیں۔ عقابی ناک جو آگے سے مُڑی ہوئی تھی۔ ایک اور شخص جسنے شہادت کے بعد شناخت کیا، یہ حُلیہ بیان کرتا ہے کہ "سانولا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں اور بال تمام سر پر تا دوش اور داہنے ہاتھ کی ایک انگلی کٹی ہے"

مولانا رح کے سر کا راز جیسا کہ ابھی بیان ہوا، جسم کو جلا کر راکھ دریا میں بہا دی گئی۔ ایک روایت ہے کہ کربلا کے میدان میں جسم کو جلانے کے بعد گدھوں کا ہل چلوایا گیا۔ 'تاریخِ احمدی' کا بیان یہ ہے کہ

جلایا کیے جسم کو تین روز ۔۔۔ نہ لیکن جلا وہ تنِ جاں فروز

اُن کے سر کو کوتوالی شاہجہانپور پر لٹکایا گیا۔ بعض جگہ بیان ہے محلہ احمد پور میں شہر کے باہر موضع جہاں آباد (یا گنج) میں ایک چھوٹی سی مسجد کے قریب سر کا مدفن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وہ کھیت ہو جہاں جسم کو جلایا گیا لیکن انگریزوں سے یہ توقع بعید از قیاس ہے کہ وہ کوئی مدفن بنا کر یادگار بنا دیں کیونکہ مولانا کی حیرت انگیز مقبولیت کا انھوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا

لے 1. MALLESON: Vol4 p.381

۲ے تاریخ ہندوستان از ذکاءاللہ جلد ۳ ص ۹۲

ہے۔ سوال یہ ہے کہ پھر آخر سر کہاں گیا؟ ـــــ اس کا راز صرف ایک انگریز مورّخ رچرڈ کولیر نے اپنی کتاب (Sound of Fury) میں کھولا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم تک لندن کے رائل کالج آف سرجنیس کے میوزیم میں مولوی کا سر موجود تھا، دیکھنے والوں کے لیے یہ ایک انوکھی اور عجیب شے تھی[1]

راجہ پوایاں پر حملہ

مولاناؒ کی شہادت کی خبر جب محمدی میں پہنچی تو انقلابی سردار جوشِ انتقام سے دیوانے ہو گئے۔ اسمٰعیل خاں نے پوایاں پر حملہ کیا۔ ۲۲ر جون ۵۸ء کے اس حملے میں محمدی کے تعلقہ دار بھی شامل تھے۔ انھوں نے راجہ کی گڑھی چھین لی، تاخت تاراج کیا مگر راجہ ایسا چھپا کہ ہاتھ نہ آیا۔ تمام اودھ میں یہ غم ناک خبر پہنچی انقلابی عوام شکستیں کھانے کے باوجود آگ اور خون کے دریا میں کود پڑے۔ اودھ پھر دشمن کو للکار رہا تھا ـــ نظام علی خاں (یا خان علی خاں) پیلی بھیت کی طرف بڑھا۔ خان بہادر خاں کے ساتھ چار ہزار جاں باز میدان میں نکل آئے۔ نانا صاحب۔ بالا صاحب اور علی خاں میواتی وغیرہ نے روہیل کھنڈ اور اودھ میں تین ہزار سپاہ کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی۔ نواب تفضل حسین اور ولایت شاہ بھی اپنی فوجوں کے ساتھ بڑھ رہے تھے۔ پوایاں کا راجہ کانپ اٹھا، انگریزوں نے اس کی حفاظت کے لیے دستے روانہ کیے۔ گھاگرا ندی کے کنارے چوک گھاٹ پر بیگم حضرت محل کے ہیڈ کوارٹر تھے ان کے پیچھے راجہ رام بخش۔ بھوناتھ سنگھ۔ کنڈا سنگھ۔ گلاب سنگھ۔ بھوپال سنگھ۔ ہنومنت سنگھ وغیرہ اپنی فوجیں لیے ہوئے تھے۔ شہزادہ فیروز بھی یہیں آ گیا تھا۔ راجہ بینی مادھو

---

[1] 1. RICHARD COLLIER: Sound of Fury p. 350

[2] میں جناب محمد صدیق کا ممنون ہوں جنہوں نے میری کتاب "جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء" پڑھ کر مجھے خط لکھا اور اس طرف توجہ دلائی۔ میں نے میوزیم کے ڈائرکٹر کو خط لکھ کر تصدیق چاہی تو جواب میں انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

اپنے قلعہ سے نکل کر کانپور کی راہ سے لکھنؤ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گونڈہ کے راجہ نے راجپوت فوج منظم کر کے گھاگرا کے بائیں کنارے پر انگریزی دستوں کا مقابلہ کیا۔ بینی مادھو نے گوریلا طریقے سے جنگ شروع کر دی۔ اس کے اسّی ہزار ساتھی آودھ کے چپّے چپّے پر پھیل گئے اور انگریزی دستوں پر اچانک حیران کن حملے کیے۔ محمد حسن نے فیض آباد کے قریب کئی بار جنگ کی۔ لال مادھو سنگھ نے امیٹھی پر دفاع کیا۔ ہری چند نے چھ ہزار فوج کے ساتھ سندیلے سے دس میل شمال میں گومتی کو پار کیا۔ ہر بار شکست ہوئی مگر انگریزی فوجوں کو بھی سخت نقصان پہنچایا اور ان کے وفاداروں مثلاً سراؤں کا رام پرشاد اور مان سنگھ (شاہ گنج) کو حملے کر کے مزا چکھا دیا اُن کے جذبات اور ہمتیں ہمیشہ کی طرح بلند تھیں [1]

گرمی کے موسم میں جنگ کرنا انگریزوں کے لیے سخت تکلیف دہ تھا۔ مگر آودھ کے انقلابیوں نے چین نہ لینے دیا۔ بیسواڑہ کے علاقے میں تعلقہ دار مع فوجوں کے میدان میں تھے مولاناؒ کے ساتھی شمالی مغربی اودھ میں اور دوسرے گروہ مختلف جگہوں پر تھے۔ تمام صوبے کی دیہاتی آبادی پوری طرح بغاوت پر کمر بستہ تھی [2] ضلع پورواکے علاقوں میں برابر بغاوت جاری تھی۔ ان کے لیڈر دیوی بخش۔ رگھبر سنگھ (ساکن موروائی)۔ بابو رام بخش اور شیو رتن سنگھ تھے۔ منصب علی اور جیت بہادر نے سکندر پور (اناؤ) پر حملہ کیا۔ رسول آباد اور بلگرام کی پولس تک باغی ہو گئی تھی سندیلے پر حملہ یکم جون کو ہوا۔ مہدی حسن نے فیض آباد اور اجودھیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ پیر پور۔ سمن پور اور بدھا پور وغیرہ کے تعلقہ دار اس کے ساتھ تھے۔ راجہ دیبی سنگھ اور گیا دھر کپتان آخر مئی میں محمد پور میں خیمہ زن تھے۔ وزیر علی منصرم دریا باد بھی راجہ کے ساتھ تھا۔ چکلہ دار غلام حسین اکبر پور کی طرف

---

1. MAJUMDAR: pp. 80-81 ؎۱
2. INEES: Sepoy Revolt pp. 247-254 ؎۲

بڑھ رہا تھا اور نرپت سنگھ روئیا پر فوج جمع کر رہا تھا۔[1]

جولائی اگست ۵۸ء میں بھی یہ سرگرمیاں جاری تھیں۔ حکام کے خطوں اور رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بینی مادھو کے ساتھی کانپور روڈ کے جنوب مشرق میں گاؤں جلا رہے تھے۔ نرپت سنگھ نے ٹیکس وصول کرنا اور گولا بارود بنانا شروع کر دیا، لکڑ شاہ نے سندیلے پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہر پرشاد کے ساتھ نجر آباد کے قریب دس ہزار فوج تھی۔ شہزادہ فیروز بھی انہی علاقوں میں موجود تھا اور تھانوں پر حملے کر رہا تھا۔[2] غلام حسن خاں اور حیدر علی خاں نے فیض آباد سے نکل کر ڈیرا کے قریب حملے کیے۔ دریا باد کے جنوب سندھور کے علاقے پر بھی انقلابیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ خان علی خاں پوایاں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ہر پرشاد محمود آباد تک بڑھ گیا۔ باغی لیڈروں کے خطوط انگریزوں کے ہاتھ لگے جن سے ان کے ارادوں کا اندازہ ہوا۔

بیگم حضرت محل کے رفیق ممو خاں نے اپنی لیاقت اس طرح دکھائی کہ بونڈی پہنچنے پر بیگم سے علیحدہ ہو گیا۔ بخت خاں اور نانا صاحب نے بلرام پور کے راجہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ خان بہادر خاں محمدی کے شمالی علاقے سکندر آباد میں تھے۔ کشف علی اور عنایت علی خاں نے بلگرام کے علاقوں کو گھیر لیا تھا۔ شمن پور کے ملک تفضل حسین۔ بٹا نڈے کے راجہ عباس علی۔ حسن پور کے راجہ حسین علی بھی سرگرم تھے۔ بینی مادھو، جو رام بخش کو مصر کھیڑہ میں چھوڑ کر ساؤن کی طرف گیا تھا، اگست میں امیٹھی کے راجہ لال مادھو سنگھ سے ملنے گیا جس نے بیسواڑہ کے تعلقہ داروں کو سلطان پور میں انگریزوں سے مقابلے کے لیے بلا یا تھا (۲۴ اگست)۔ انقلابی سلطان پور کے قریب پھر سے اپنی فوجی طاقت یکجا کر رہے تھے۔ انگریزی فوجوں نے سندیلے پر حملہ کیا، بروا کے قلعے پر جنگ ہوئی۔

---

[1] Freedom Struggle UP Vol.2 pp. 455-460

[2] Freedom Struggle UP Vol.2 pp.455-460

ہوپ گرانٹ سے مقابلہ

ہوپ گرانٹ مطمئن تھا کہ بغاوت کا سر کچل دیا گیا ہے وہ ۱۲ جون ۵۸ء کو نواب گنج پر حملہ آور ہوا جہاں انقلابیوں نے ایک بار پھر انگریزی فوجوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا اور یہ اقرار خود ہوپ گرانٹ کر رہا ہے کہ ـــــ

"اب بھی ان کے حملے طاقت سے بھرپور تھے..... اُن کو دھکیلنے کے لیے بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ زمینداروں کی ایک بڑی جماعت نے دو توپوں کے ساتھ ہمارے پیچھے سے حملہ کیا۔ میں نے ہندوستان میں بہت سی جنگیں دیکھی ہیں اور بہت سے بہادر جانبازوں کو بھی دیکھا ہے جو فتح یا موت کا عزم کر کے لڑتے ہیں مگر میں نے اتنا شاندار طرزِ عمل آج تک نہیں دیکھا جیسا کہ ان زمینداروں کا تھا.... وہ پیچھے بھی ہٹ رہے تھے تو تلواریں اور بھالے ہماری طرف گھما رہے تھے اور ہمیں مقابلے کے لیے للکار رہے تھے۔ دو توپوں کے آس پاس ایک سو پچیس ۱۲۵ لاشیں ملیں۔ تین گھنٹے تک جنگ کے بعد میدان ہمارے ہاتھ رہا"۔ [1]

اِس طرح کے بہادرانہ مقابلے اودھ کے ہر علاقے میں نظر آئے۔

سلطان پور میں پھر جنگ ہوئی۔ مہدی حسن وغیرہ نے مان سنگھ کے قلعے کو گھیر لیا کیونکہ وہ انگریزوں کا پلڑا بھاری دیکھ کر اُدھر لڑھک گیا تھا۔ ۲۲ جولائی ۵۸ء کو ہوپ گرانٹ کے پہنچنے پر اس کو نجات ملی۔ بیس ہزار فوج اس کا قلعہ گھیرے ہوئے تھی۔ مئی جون ۵۸ء تک گورکھپور میں گھمسان کی جنگیں امورہا اور بیلوا وغیرہ میں ہو رہی تھیں۔ جولائی میں محمد حسن گھاگرا پار چلا گیا۔

اکتوبر ۵۸ء میں کمانڈر انچیف نے پھر سے فوجیں منظم کر کے جنگیں شروع کیں۔

لہ 1. HOPE GRANT: Incidentss of Sepoy War p. 292

SAVARKAR: p. 511

۲۲ اکتوبر (۱۵ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ) کو جبرولی پر جنگ ہوئی۔ بھوانی سنگھ، شیو سہائے اور سلطان سنگھ منفرم نے مقابلہ کیا۔ کالکا پرشاد نے بشیرت گنج (اناؤ) پر حملہ کیا۔ منصب علی میرن گنج میں مع فوج موجود تھا۔ خان بہادر بلگرام کے قریب اور ڈرگ بیجے سنگھ محمدی میں قدم جمائے ہوئے تھے۔ مہدی حسن اور محمد حسن فیض آباد میں پندرہ ہزار فوج کے ساتھ تھے۔ سلطان پور فیض آباد کی سڑک پر بھورتی پور کا قلعہ ان کے قبضے میں تھا۔ سیتاپور اور ملاواں میں فیروز شاہ، نرپت سنگھ، چندرکا بخش اور لکڑ شاہ کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ گونڈہ کا راجہ اپنے ارادوں کا ایسا پکا تھا کہ انگریز افسروں نے مایوس ہو کر اس کے بارے میں لکھا ـــــ

"گونڈہ کا راجہ غالباً آخر دم تک ہمارا مقابلہ کرے گا اور اس علاقے میں سب سے زیادہ مقابلہ کرنا پڑے گا۔"[1]

شہزادہ فیروز کی حکومت

جولائی ۵۸ء میں شہزادہ فیروز نے اناؤ کے علاقے پر حکومت قائم کرلی۔ اس کے ایک خط بنام منصب علی (۱۸ جولائی م ۷ ذی الحجہ ۱۲۷۴ھ) سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں اس کی باقاعدہ عمل داری تھی۔ ۷ اگست کے خط میں منصب علی کو رسول آباد طلب کیا ہے۔ اس دوران گلاب سنگھ نے بروا پر قبضہ کیا۔ اس سے پہلے اُسے رحیم آباد اور سندیلے پر شکست ہوئی۔[2]

ملیح آباد کے پاس جولائی کے آخر تک لکڑ شاہ سرگرم تھا چنانچہ ۱۰ اگست ۵۸ء تک سندیلے کے علاقوں میں فیروز شاہ اور لکڑ شاہ وغیرہ سے جنگیں ہوتی رہیں اور پھر بروا پر جنگ ہوئی اس کے باوجود ان علاقوں میں بغاوت سرد ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔ اکتوبر میں راجہ ہر پرشاد نے سندیلے پر چڑھائی کی۔ مولوی محمد نے ملیح آباد کے قریب مقابلہ کیا۔ ہر پرشاد مدد کو پہنچا، بغیر فتح و شکست کے دو دن سخت جنگ ہوتی رہی۔ انقلابیوں نے سندیلے پر مورچہ جما لیا۔ یہاں

۱-۲ Freedom Struggle UP Vol.2 pp.472-479

شکست کے بعد سہر پرشاد بچ کر نکل گیا۔ مولوی محمد نے صرف سات آدمی لے کر مقابلہ کیا اور جنگ میں کام آیا۔ شہزادہ فیروز بال بال بچ کر گھاگرا کے کنارے بسواں سے نکل گیا اور جنوب میں سندیلے ہو کر گنگا اور پھر جمنا پار کی۔ خان علی خاں مع راجہ بلونت سنگھ نوتن گنگ آباد (محمولی کے جنوب) میں پندرہ ہزار فوج کے ساتھ تھا۔ دو میل دور خان بہادر خاں اور علی پور میں مولانا احمد اللہ کے ساتھی ولایت شاہ مع فوج کے تھے۔ نامدار خاں۔ گلاب سنگھ۔ چندریکا بخش۔ بلدیو سنگھ زمیندار۔ جیت بہادر وغیرہ ستمبر ۵۸ء تک موجود تھے۔ بعض رپورٹوں کے بموجب ولی داد خاں بھی انہی علاقوں میں تھے۔ پہلی جمعیت میں خان بہادر اور ولی داد خاں کی فوجوں سے ایک سخت جنگ ہوئی۔ ۲۸ اگست کو سلطان پور پر گھمسان کا رن پڑا۔

انقلابیوں کے حوصلے

مسلسل شکستیں اور ناکامیاں بھی انقلابیوں کے حوصلے پست نہ کر سکیں اور برابر دلیری سے سرمیدان مقابلہ کرتے رہے۔ ستمبر ۵۸ء میں انھوں نے اکبر پور کے علاقے (فیض آباد اور ٹانڈہ کے درمیان) پر حملہ کیا اور پھر ٹانڈہ پہنچے۔ مہدی حسن سلطان پور کے قریب اور لال مادھو سنگھ امیٹھی میں تھے۔ پرتاپ گڑھ انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ وہ ردولی پر حملہ آور ہوئے۔ نرپت سنگھ کا سپہ سالار مادھو جنگ میں کام آیا۔ مہونا کے ڈرگ بجے سنگھ نے ضلع اناؤ کے گاؤں لوٹ لیے۔ ۲۵ ستمبر ۵۸ء کو دریا باد میں جنگ ہوئی، مصاحب علی نے بارابنکی، پرتاپ گنج اور نواب گنج میں حملے کر کے ہراس پھیلا دیا۔ سلیم پور اور سندی پر جنگیں ہوئیں۔ ۵ اکتوبر کو میاں گنج پر، ۸ کو بیکھومراد پور اور پوایاں پر متواتر حملے اور تصادم ہوتے رہے۔ پاسگوان میں راجہ اشرف علی (محمدی کا) اور خان بہادر کا کمانڈر سردار علی خاں وغیرہ جمع تھے۔ انگریزی فوج پریشان ہو کر چاروں طرف کو بھاگی مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ پاسگوان محمدی کے جنوب مغرب میں ہے یہاں بہان علی خاں کمان کر رہا تھا۔ مظہر خاں۔ ظہور خاں۔ گنگا سنگھ۔ الٰہی بخش۔ میاں صاحب (محی الدین پور)۔ عنایت علی۔ بشارت علی۔ محمد بخش۔ میر خاں (ساکن پالی)۔ رگھبر سنگھ۔ شیخ محمد علی۔ مولوی فضل حق (ساکن شاہجہانپور)۔ سید نثار حسین (ساکن پیہانی)۔ اسمٰعیل

خاں۔ ولایت شاہ وغیرہ اکتوبر ۱۸۵۸ء میں جمع تھے۔[۱] مختلف مقامات مثلاً سلطان پور۔ کانڈو نڈی۔ پرتاپ گڑھ وغیرہ پر برابر جنگیں ہوتی رہیں۔ بینی مادھو نے ۲۹ اکتوبر کو انگریزی فوجوں کو گھیر کر حملہ کیا اور سخت جنگ کے بعد پسپا ہوا۔ ۲۶ کو جنرل بارکر رو ئیا پر بڑھا مگر تربیت سنگھ رات کے وقت وہاں سے جا چکا تھا۔ اس دوران تربیت سنگھ نے امان چاہی جو منظور کر لی گئی مگر پھر اس کا جواب نہ آیا۔ اس پر فالج کا اثر ہو گیا تھا۔ جہانگیر آباد (ضلع لکھنؤ) کے راجہ رزاق بخش نے ہتھیار ڈالے تو اس کے پاس باغیانہ کاغذات برآمد ہوئے۔[۲] مصاحب علی تعلقہ دار ڈھیراہ اور گرمی لیڈر خوشحال چند سلیم پور کی جنگ میں کام آئے۔

وکٹوریہ کا اعلان اور بیگم کا جواب

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو انگلینڈ کی فرمانروا وکٹوریہ کی طرف سے عام معافی کا اعلان کیا گیا۔ ہندوستان ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے براہِ راست برطانیہ کے تاج کا نگینہ بن گیا۔ اس اعلان کے جواب میں بونڈی سے بیگم حضرت محل نے ایک اعلان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ:

> "اگر وکٹوریہ نے حکومت سنبھال لی ہے تو ہماری رعایا کو اس پر اعتبار نہ کرنا چاہیے کیونکہ کمپنی کے قانون، انگریز ملازم، گورنر جنرل عدالتیں وغیرہ شان سابق کے قائم رہیں گی تو پھر وہ نئی بات کونسی ہوئی جس کا فائدہ رعایا کو حاصل ہوگا، جس پر وہ اعتماد کر سکے۔ اعلان میں تحریر ہے کہ کمپنی نے جو عہد و پیمان کیے اُن سب پر کار بند ہوگی۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس چال کو خوب سمجھ لیں۔ کمپنی نے سارے ملک کو شکنجے میں جکڑ لیا ہے۔ اگر یہ صورت قائم رہی تو پھر جدید اصلاح کیا ہوئی ہے۔ کمپنی نے راجہ بھرت پور کو پہلے بیٹا بنایا پھر اس غریب بیکس کا علاقہ ہتھیا لیا۔ ٹیپو سلطان سے کمپنی کی بد عہدی عالم آشکارا ہے۔ لاہور کے راجہ دلیپ سنگھ

۱۔ 1. Freedom Struggle UP Vol.2 pp. 501-518

۲۔ 2. CHAUDHURI: Civil Rebellion p. 132

کو کمپنی کے حکام حیلے سے لندن لے گئے پھر ہندوستان آنے کی اجازت نہ دی۔۔۔ پیشوا کو پونا اور ستارا سے نکال باہر کیا اور زندگی بھر بٹھور میں نظر بند رکھا۔ راجہ بنارس کو آگرے میں قید کر دیا۔ بہار بنگال اور اڑیسہ کے فرمارواؤں کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ خود ہمارے علاقے اس حیلے سے لیے کہ ان سے فوج کی تنخواہ ادا کی جائے گی اور ہمارے ساتھ جو صلح کی (۱۸۰۱ء) اس کی ساتویں دفعہ میں انھوں نے تحریر کیا کہ ہم آپ سے کبھی اور زیادہ کے خواستگار نہ ہوں گے۔ اس لیے اگر وہ سب انتظامات جو کمپنی نے کر رکھے ہیں بدستور قائم رہتے تو اگلی اور موجودہ حالت میں کون سا فرق ہوا؟ یہ تو پرانی باتیں ہیں، ابھی حال میں انھوں نے اپنے سب قول و قرار بالائے طاق رکھ کر اور باوجود اس کے کہ انگریز ہمارے کروڑوں روپے کے دین دار تھے[ا] بلا سبب اس حیلے سے کہ رعایا آپ سے مطمئن نہیں، ہمارا ملک اور مال و اسباب چھین لیا۔ اگر رعایا سابق حکمراں واجد علی شاہ سے غیر مطمئن تھی تو وہ ہم سے کیونکر مطمئن ہو گئی۔ اس کے علاوہ رعایا نے کبھی کسی تاجدار کے لیے اپنی جان و مال کو اس طرح قربان کر کے راج پرستی کا ثبوت نہیں دیا جیسا کہ ہماری رعایا نے دیا پھر کیا سبب ہے کہ ہمارا ملک واپس نہیں دیا جاتا؟......

وکٹوریہ کے اعلان میں یہ بھی درج ہے کہ عیسائی مذہب حق ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ ایک انصاف پسند حکومت کو کسی مذہب کے حق یا باطل ہونے سے کیا سروکار ہے۔ سچا مذہب وہ ہے جو ایک پروردگار کے علاوہ کسی کو نہیں مانتا یا وہ کہ جو تین خداؤں کا قائل ہے؟......

اعلان میں کہا گیا ہے کہ جن لوگوں نے انگریزوں کا خون بہایا یا قتل میں اعانت کی اُن کو سزا بھگتنی ہو گی۔ ایک کم عقل آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اُس کی رو سے خطا کار اور بے خطا

ا الحاق اودھ کے وقت دربار اودھ کے ایک کروڑ اسّی لاکھ سات ہزار دو سو پینتیس[۲۵] روپے ذمّے کمپنی کے واجب تھے۔ یہ رقم الحاق اودھ سے سوخت ہو گئی۔

کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔"[1]

بیگم کا یہ اعلان ایڈورڈس میچیل نے بھی اپنی کتاب میں دیا ہے اور لکھا ہے کہ "اِن الفاظ میں سچائی پوشیدہ تھی۔"[2]

وکٹوریہ کے اعلان کے بعد بھی اودھ کے عوام میں جوش و خروش ہمت و استقلال بدستور تھا۔ چارلس بال اقرار کرتا ہے کہ:

"باغیوں کے سب جتھوں کے ساتھ ان کے ہم وطنوں کی دلی ہمدردی تھی اسی لیے اُن میں بے حد طاقت اور جوش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ لوگ بغیر سامان رسد جہاں چلے جاتے ہر جگہ لوگ انہیں پکا پکایا کھانا پہنچا دیتے..... انھیں ہمیشہ انگریزوں کے حالات کا ٹھیک پتہ رہتا تھا یہی وجہ ہے کہ وکٹوریہ کے اعلان کے ٹھیک چھ مہینے بعد تک اودھ قابو میں نہ آسکا اور شنکر پور۔ ڈونڈیا کھیڑہ۔ رائے بریلی۔ سیتاپور وغیرہ میں برابر جنگیں ہوتی رہیں۔"[3]

انقلابیوں کے خلاف نئی مہم

۱۳ر نومبر ۱۸۵۸ء کو کمانڈر انچیف سر کولن (کلائڈ) نے اسکیم بنائی کہ اس کی فوجیں چار طرف سے اودھ میں داخل ہوں یعنی فتح گڈھ۔ شاہ جہاں پور۔ اعظم گڈھ اور سوراؤں سے۔ لیکن ایک ماہ قبل ہی سندیلے کے علاقے میں جنگ کرنا پڑی۔ اسکیم کے مطابق خان پوریہ قبیلے کے سردار کا قلعہ رام پور کسیہ ۳ر نومبر کو سب سے پہلے نشانہ بنا اس کے بعد امیٹھی کا نمبر آیا۔ یہاں کے راجہ لال مادھو سنگھ نے بغاوت کے شروع میں انگریزوں کو پناہ دے کر الٰہ آباد پہنچایا مگر بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا گیا، جاں بخشی کا وعدہ کیا گیا، پیش کش اس نے منظور کر لی کیونکہ اب

---

1. SEN: p. 357 (Foreign Pol. Cons. Dec. 1858) [1]

2. EDWARDS: Battles of Indian Mutiny p. 188 [2]

[3] چارلس بال: ہسٹری آف انڈین میوٹنی بحوالہ لکھنؤ اور جنگ آزادی۔ ۵۱

مقابلہ ممکن نہ رہا تھا (۱۰ نومبر ۵۸ء)۔ اس کے بعد متھولی کے قلعے پر قبضہ کیا گیا۔ پھر شنکر پور کی باری آئی جو اُس بہادر بینی مادھو کا مسکن تھا جس کی شجاعت کے مدھر گیت آج تک یہاں کے عوام ہولی کے موقعے پر گاتے ہیں۔[1] جب بینی مادھو سے ہتھیار ڈالنے کو کہا گیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ قلعہ حوالے کرنے کو تیار ہے جو کہ اس کی ملکیت ہے مگر وہ اپنی ذات کو شاہِ اودھ کی ملکیت سمجھتا ہے اس لیے وہ خود کو حوالے نہیں کر سکتا چنانچہ قلعہ حوالے کر کے یہاں سے چلا گیا (۱۵ نومبر) اگرچہ کمانڈر انچیف کی طرف سے یقین دلایا گیا تھا کہ جائداد وغیرہ کی واپسی کے بارے میں تمام مطالبات پر ہمدردی سے غور کیا جائے گا بشرطیکہ وہ بغیر مقابلہ ہتھیار ڈال دے مگر وہ اس لالچ میں نہیں آیا۔[2]

روہیلہ سردار خان علی خاں کو، جو پیلی بھیت میں تھا، گھاگرا کے پار نکال دیا گیا تھا۔ بینی مادھو کا پیچھا کرنے کے لیے سر کولن نے چاروں طرف فوجی دستے بھیجے، ٹیلر کا بریگیڈ فیض آباد کی طرف دوڑا، ہوپ گرانٹ رائے بریلی کی طرف گیا، کولن خود بھی بڑھا اور ۱۷ نومبر کو ایک تصادم بھی ہوا مگر بینی مادھو جنوب کی طرف دونڈیا کھیڑہ اور گنگا کے درمیان بچ کر بڑھتا گیا تو کالن نے مغرب کی طرف رُخ موڑا اور ۲۴ نومبر کو پھر بینی مادھو سے تصادم کی نوبت آئی مگر وہ مع فوج دریا کے کنارے شمال کی طرف نکل گیا۔ اس طرح مختلف انگریزی دستے جو گھیرتے ہوئے بڑھ رہے تھے، بار بار مقابلے کے باوجود کامیاب نہ ہوئے اور وہ گومتی اور گھاگرا پار کرتا ہوا نکل گیا۔ بیگم۔ ناناصاحب اور نرپت سنگھ کو بھی گھاگرا کے شمال میں دھکیل دیا گیا۔ گھاگرا کے بائیں جانب مہدی حسن اور راجہ گونڈہ مع فوجوں کے موجود تھے۔ ۲۵ نومبر کو ایک مقابلے کے بعد یہاں سے ہٹے۔ بینی مادھو کا ناکام پیچھا کر کے کالن کیمپبل لکھنؤ آیا اور ۵ دسمبر کو پھر ایک نئی فوج لے کر نکلا۔ بینی مادھو بٹولی میں تھا لیکن یہاں سے بھی نکل گیا۔ کالن نے بالا صاحب

۱؎ سین۔ ۳۶۰ — 1. SEN: p. 360

۲؎ SEN: p. 360

Freedom Struggle UP Vol.2 pp. 518-540

کی تلسی پور میں موجودگی کی خبر پاکر ہوپ گرانٹ کو اُدھر بھیجا۔ تلسی پور کی بیوہ رانی بھی انقلابیوں کے ہمراہ تھی۔ ہوپ گرانٹ بلرام پور پہنچا اور راکرافٹ بھی تلسی پور کی طرف بڑھا جہاں بالا راؤ سے مقابلے کے بعد ہوپ گرانٹ کے ساتھ ہو کر بھنگا سے انقلابیوں کو نکالا۔ کالن اپنی مہم میں ناکام رہا لاچار ہو کر بہرائچ آیا تو بیگم۔ نانا صاحب اور بینی مادھو نان پارہ چلے گئے۔ جب نان پارہ پہنچا تو یہاں سے بھی جا چکے تھے اور ایک مقام بگدیا (Bagidia) میں تھے جہاں ۲۲؍ دسمبر کو ایک تصادم کے بعد یہاں سے راپتی کے کنارے جنگلوں میں ہوتے ہوئے نکل گئے[۱]۔ راجہ تیرہ دا کا قلعہ مسمار کیا گیا کیونکہ یہاں نانا صاحب کی موجودگی کی خبر تھی مگر بیکار رہا۔

انقلابی فوجیں محمدی کے قریب جنگلوں میں بھی موجود تھیں۔ یہاں متھولی کا راجہ لونی سنگھ کمان کر رہا تھا، خان علی خاں بھی ہمراہ تھا۔ نرپت سنگھ اور فیروز شاہ بھی ان سے آملے اور ایک مقابلے کے بعد ہی یہاں سے ہٹائے جا سکے۔ ادمریا کے قلعے پر ڈرگ بیجے سنگھ نے مقابلہ کیا اور قلعہ خالی کر کے گھاگرا پار بیگم کے ساتھ مل گیا۔ بینی مادھو کی فوج زیادہ تر منتشر ہو چکی تھی مگر اب بھی پانچ ہزار آدمی تھے جو بہرائچ کے علاقے میں چلے گئے۔

شہزادہ فیروز، لکڑ شاہ، یعقوب خاں اور ہر پرشاد خیر آباد کے جنوب میں دس ہزار فوج کے ساتھ تھے (۱۸؍ نومبر)۔ لونی سنگھ بھی قلعہ خالی کر کے خیر آباد گیا۔ کیتھر کا تعلقہ دار رتن سنگھ مع فوج کے اپنی گڑھی میں تھا، اس کا بیٹا امراؤ سنگھ ایک جنگ میں کام آیا۔ ۵؍ دسمبر ۵۸ء کو فیروز شاہ نے اکوم گھاٹ (بلہور) پر قنوج کے قریب گنگا پار کی۔ اس کے ہمراہ گلاب شاہ عرف پیر جی محسن علی خاں ساکن شمس آباد۔ مولانا فضل حق (سابق سررشتہ دار دہلی)۔ ہری سنگھ (رجمنٹ ۱۲)۔ یعقوب خاں (۱۷ رجمنٹ کیولری)۔ حمد خاں (ساکن جھجر)۔ سالک رام (۱۱ رجمنٹ کیولری)۔ دلیر سنگھ ساکن پرتھپت گڑھ وغیرہ بھی تھے۔ پہلے اٹاوہ

---

۱ INNES :p. 260-271

Freedom Struggle in UP. Vol. 2, p. 540-41

پہنچے پھر کالپی جارہے تھے۔ جہاں تانتیا ٹوپی موجود تھا۔ شہزادے کے ساتھیوں نے پہلے نانا مئو گھاٹ سے پار اترنا چاہا مگر ممکن نہ دیکھ کر قنوج کے قریب پار اترے۔ ان کے پیچھے ہیزن بارکر فوج لے کر بڑھا اور آگے لکھنؤ سے آنے والی انگریزی فوج کا دستہ تھا لیکن تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور شہزادہ اٹاوہ پہنچ گیا۔

آگرہ اور اٹاوہ کے علاقے

آگرہ ڈویژن یعنی متھرا، مین پوری، اٹاوہ وغیرہ جون ۱۸۵۸ء تک جب تک ہیوروز نے گوالیار فتح نہ کر لیا، انقلابیوں کے متواتر حملوں کا نشانہ بنتے رہے۔ مین پوری کا راجہ تیج سنگھ شروع ہی سے بغاوت میں نمایاں رہا۔ اپریل ۱۸۵۸ء میں اس نے ایٹہ پر حملے کا پلان بھی بنایا تھا۔ اس نے ۱۱ر جون ۱۸۵۸ء کو ہتھیار ڈالے ڈھائی سو روپے ماہوار الاؤنس پر بنارس میں رہنے کی اجازت ملی اور اس کی ریاست ایک وفادار بھوانی سنگھ کو دیدی گئی۔ ٹھاکر اکبر سنگھ بھی ان علاقوں کا ایک باغی سرغنہ تھا۔ علی گڑھ کے نسیم اللہ کو مئی ۱۸۵۸ء میں گرفتار کیا گیا۔ اسی زمانے میں محبوب خاں سابق تحصیلدار علی گڑھ کو پھانسی ہوئی۔ ۲۷ر جولائی ۱۸۵۸ء کو کشن سنگھ نائک کو پھانسی ہوئی جو دیسی سپاہ کو بغاوت پر آمادہ کر رہا تھا۔

اٹاوہ ۶ر جنوری ۱۸۵۸ء کو انگریزی قبضے میں آ گیا لیکن اس کے بعد روپ سنگھ نے اوریا پر قبضہ کر لیا اور ۷ر فروری کو سخت جنگ کے بعد نکالا جا سکا۔ چکر نگر پر خوشحال سنگھ اور اس کے بیٹے نرنجن سنگھ کا قبضہ ہو گیا۔ مارچ ۱۸۵۸ء میں اٹاوہ سے ۲۵ میل دور اجیت مل پر قبضے کے لیے جنگ ہوئی۔ ۱۱ر اپریل ۱۸۵۸ء کو ایک سخت جنگ کے بعد انقلابی پسپا ہوئے لیکن پھر بھی پوری طرح قبضے میں نہ آیا۔ نرنجن سنگھ نے جمنا پار کر کے گوہانی میں مورچہ بنا لیا۔ مئی میں پھر ان سرداروں نے سرگرمیاں شروع کر دیں۔ نرنجن سنگھ نے پھپھوند کو لوٹ لیا۔ اکتوبر ۱۸۵۸ء تک ان کی جد و جہد جاری رہی اور شہزادہ فیروز کے یہاں پہنچنے پر (۷ر دسمبر ۱۸۵۸ء) ان کی کاروائیاں اور تیز ہو گئیں۔ شہزادے

لے 1. CHAUDHURY : 84

نے ہیرا چندر پور پر ۸ ردسمبر کو انگریزی دستوں کا مقابلہ کیا، شکست ہوئی مگر انگریزی فوجوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا[1] نانا صاحب بھی اسی علاقے میں مع فوج موجود تھے۔ شہزادہ کھپھوند پہنچا۔

گلاب سنگھ

ضلع ہردوئی میں بروا کے مقام پر گلاب سنگھ نے اس قدر دلیری سے مقابلہ کیا کہ انگریز بھی حیرت سے داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے مورچے کو آگ لگادی گئی، بارود سے اڑایا گیا مگر اس کے باقی بچے ہوئے ساتھی رات ہو جانے پر بھی جنگ کرتے اور جانیں دیتے رہے۔ گلاب سنگھ چاروں طرف شعلوں سے گھر چکا تھا، نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی کہ اچانک فائر ہوا جس کی آواز پر انگریز افسر دوڑے تو پتہ چلا کہ گلاب سنگھ نے اچانک ایک مورچے کی بلند سطح سے گہرائی میں چھلانگ لگائی اور جنگلوں میں غائب ہو گیا۔ اس کا صرف ایک ساتھی زندہ بچا تھا جو اس کے ساتھ نکل گیا[2] ایک انگریز جو چشم دید گواہ ہے لکھتا ہے کہ "یہ ایک بہادرانہ بلکہ انتہائی دلیرانہ فرار کا کارنامہ تھا"[3]

راجہ گونڈہ

گلاب سنگھ کے علاوہ نرپت سنگھ۔ بینی مادھو اور گونڈہ کے دیوی بخش سنگھ نے ابھی تک ہتھیار نہ ڈالے تھے۔ دیوی بخش کو انگریزوں نے معافی اور ضلع کا لالچ دے کر بلانا چاہا مگر اس نے دسمبر ۵۸ء میں بھی نہایت حقارت آمیز جواب دیا۔ 'آئینہ دودھ' (از ابوالحسن قطبی) میں ہے کہ

> "اگرچہ اوس سے جرم مندرجہ اشتہار وقوع میں نہیں آیا تھا اور گورنمنٹ انگلشیہ نے درباره اوس کی حاضری کے التفات بھی کیا مگر حاضر نہ آیا" (ص ۲۷۷)

---

1. CHAUDHURY : P. 86 ۔۔۔ ؎۱

؎۲ گلاب سنگھ بروا کے تعلقہ دار چندر کا بخش کا کارندہ تھا۔

؎۳ KAVANAGH : How I won the Victoria Cross. 199-207.

ہتھیار ڈالنے کی گفتگو کولن کیمپبل جب نئی مہم پر بہرائچ پہنچا تو کوشش کی کہ انقلابی رہنماؤں کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جائے۔ نامہ و پیام کیا گیا۔ بیگم حضرت محل کی طرف سے سول کمشنر خط اور پیام بھیجے گئے۔ ہنومنت سنگھ کے ذریعہ بینی مادھو کو بھی رام کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر سب بیکار رہا۔ بیگم کو انگریزوں پر بھروسہ نہ تھا اور جب تک بیگم ہتھیار نہ ڈالے بینی مادھو بھی جھکنے کو آمادہ نہ تھا۔ نانا صاحب وکٹوریہ کی طرف سے حفاظت کا وعدہ اور کسی دوسرے ملک کی ضمانت چاہتے تھے[1] لہٰذا کولن نان پارہ کی طرف بڑھ گیا مگر جب ۲۹ دسمبر کو پھر واپس آیا تو پتہ چلا کہ نانا صاحب اور بینی مادھو یہاں سے بیس میل ایک مقام جنگی پر موجود ہیں۔ اچانک حملے کا حکم دیا گیا تاکہ بے خبری میں پکڑ لیا جائے مگر پھر ناکامی ہوئی۔ نانا صاحب دو میل پیچھے کی طرف دریا پار کر کے نکل گئے۔ انقلابی فوج نے یہاں سے بھی بغیر مقابلے کے ہٹنا گوارا نہ کیا[2]

اب انقلابی رہنماؤں کو ترائی اور نیپال کے علاقے میں جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا اس لیے ۱۸ جنوری ۵۹ء کو کالن لکھنؤ لوٹ آیا۔ مہدی حسن اور چند دوسرے لیڈروں نے ہتھیار ڈالے۔ مہدی حسن کو دو سو روپے ماہوار منظور ہوا مگر اپنے وطن فیض آباد میں رہنے کی اجازت نہ دی گئی۔ دوندیا کھیڑہ کے رام بخش کو پھانسی ہوئی[3] جولائی ۵۹ء میں خبر تھی کہ ہر دت سنگھ

---

[1] 1. SEN : 362

[2] نان پارہ کے قلعے کو بینی مادھو نے جنگی نقطۂ نظر سے مضبوط کر لیا اور ایک بار پھر تھوڑے سے لشکر کے ساتھ زبردست انگریزی فوج کے مقابل آنے کا ارادہ کیا مگر بارو ریہ کی جنگ میں شکست ہو جانے کی وجہ سے وہ یہاں سے ہٹ گیا۔ انگریز اس گمشدگی پر پریشان تھے۔

[3] قطبی: آئینہ اودھ ۲۷۲

بالا صاحب اور نواب نجیب آباد (؟) نیپال کے مقام ڈھوکر میں فوت ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ کو جولائی ۱۸۵۹ء میں گرفتار کر کے سہارن پور پہنچایا گیا پھر مظفر نگر بھیجا گیا۔ آپ پر شاملی کی جنگ میں حصہ لینے کے علاوہ یہ بھی الزام تھا کہ سپاہیوں کی رائفل آپ کے پاس ہے۔ حاکم نے پوچھا کہ "تم نے گورنمنٹ کے خلاف ہتھیار اٹھائے؟" آپ نے جیب سے تسبیح نکال کر کہا "یہ میرا ہتھیار ہے۔" اُس نے پوچھا "وہ بندوق کہاں ہے" جواب دیا "مجھے بندوق سے کیا سروکار"۔ چھ ماہ بعد (جنوری ۱۸۶۰ء) رہا کر دیئے گئے۔ خان بہادر کا دیوان سوبھا رام اودھ سے گرفتار ہو کر آیا اور کالے پانی کی سزا ہوئی۔[1] ڈاکٹر سین نے لکھا ہے کہ اسے برما میں بمقام مولمین بھیجا گیا (ص ۲۷۱)۔ حاجی یاد اللہ خاں قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کا تھانیدار تھا، بغاوت میں حصہ لیا، مالاگڑھ کی شکست کے بعد گرفتار، جائداد ضبط، بمشکل تمام جاں بخشی ہوئی۔[2]

میر محمد حسن کی خط و کتابت

لکھنؤ کی شکست کے بعد گورکھپور کے نئے ڈپٹی مجسٹریٹ خیر الدین نے ۱۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو غالباً انگریزوں کے ایما پر محمد حسن کو خط لکھا کہ موجودہ طریقہ کار کو چھوڑ دو۔ تم نے انگریزوں کی جان بچائی ہے اور کسی کو قتل نہیں کیا۔[3] اس لیے جاں بخشی ہو جائے گی۔ محمد حسن نے اس کے جواب میں انگریزوں کی وعدہ خلافیاں اور فریب یاد دلائے، لکھا کہ:

> "ہمارا فرض ہے کہ دنیا و عقبیٰ میں سرخ رو ہونے کے لیے اپنے وطن کی حفاظت کی پوری کوشش کریں اور اُن حملہ آوروں کا مقابلہ کریں جو یہاں قدم جمانے کی کوشش کر رہے ہیں ہم ایسا نہ کریں تو غدار ہیں اور دونوں جہان میں منہ کالا ہو گا"[4]

---

۱ نیاز احمد خاں: تاریخ روہیلکھنڈ (قلمی) ۱۱۵

۲ محمد میاں: علمائے ہند کا شاندار ماضی ۴ ۲۰۴-۲۴۹

۳ بغاوت کی ابتدا میں محمد حسن نے چند انگریزوں کی جان بچائی اور حفاظت کی جگہ پہنچا دیا تھا۔

۴ 4. SEN : 367

میر محمد حسن کا خط خیر الدین کے نام

اس کے جواب میں خیر الدین[1] نے پھر خط لکھا کہ تم اب تک حماقت میں مبتلا ہو انگریز انگریزی فوجیں تمہارا تیا پانچہ کر دیں گی۔ محمد حسن کے جواب کا اقتباس انہی کے الفاظ میں یہ تھا:

"خط آپ کا جواب میں ہمارے خط کے آیا وہ تمام و کمال مملو ہے نخوت اور غرور سے اور تہدید و تخویف کے سوا کچھ اس میں مندرج نہیں ہے۔ ایسی باتوں کا جواب پہلے خط میں جو آپ کی خدمت میں روانہ کیا مندرج ہو چکا ہے۔ اعادہ و تکرار محض فضول ہے ......اور ہم کو ہرگز توقع اور گمان عدل آپ کی سرکار سے نہیں ہے کس واسطے کہ جب احسانات عظیمہ پر کہ جو تمام عالم پر ظاہر اور معلوم ہے نظر نہ کر کے نسبت میں اپنے محسنین کے کوئی دقیقہ ظلم و ستم کا باقی نہ رکھا پس ایسے ناحق شناسوں سے فقط جان بچانے کرنل لیک اور دو پیسوں کے کسی طرح کی امید رکھنا محض نادانی ہے...... اگر ایمان سے جان کو اور دنیا کو عزیز رکھتے تو بے شک پیروی آپ کی کرتے اور یہاں تو ساتھ ایمان کے پاسِ نمک و لی نعمت بھی شریک ہے....."

(خط ۱۶ ربیع الثانی ۱۲۷۵ھ م ۲۶ دسمبر ۱۸۵۸ء)

مختصر یہ کہ گورنر جنرل نے ان خطوں سے متاثر ہو کر جان بخشی کی مگر گورکھپور کے کمشنر نے ایک انگریز کے قتل کا الزام لگایا جو بعد میں زندہ ثابت ہو گیا۔ محمد حسن کو دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ پر ضلع سیتاپور بھیج دیا گیا (غالباً مئی جون ۱۸۵۹ء)۔ ڈاکٹر سریندر ناتھ سین نے لکھا ہے کہ:

".....خیر الدین کی دھمکیوں کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اپنے اصول پر ثابت قدم رہے اُن کے جوابات نہایت سنجیدہ اور عالی شان تھے...... اودھ کے رہنماؤں کے عقیدے اور اصول کی نمائندگی ان خطوں سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بادشاہ اور دین

---

[1] خیر الدین کا ذکر بنارس وغیرہ کی بغاوت میں آ چکا ہے۔

کے لیے لڑے اور دین انھیں ملک سے وفاداری سکھاتا تھا۔ ؎۱

محمد حسن کی اصول پسندی، دینی حمیت، اور حب الوطنی مذکورہ خطوں اور عمل سے ظاہر ہے۔ رہا خیر الدین، تو اس کی تعریف سر سید نے اپنی کتاب "خیر خواہ مسلمانانِ ہند" میں بہت کی ہے۔

روہیلکھنڈ کے انقلابی

کبیر شاہ خاں اور وزیر محمد خاں تحصیل دار سرولی کو بریلی کے قریب گاؤں سے ۱۳ر مئی ۵۸ء کو گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ فتح شاہ خاں کو ۱۵ر مئی کو پھانسی ہوئی۔ علی خاں میواتی کو تلاش کیا جا رہا تھا بنے خاں۔ نظام علی خاں اور نواب فتح گڈھ (فرخ آباد) اسی نواح میں موہن پور میں تھے۔ نظام علی خاں کئی جگہ جنگ کرنے کے بعد پیلی بھیت اور ترائی کی طرف چلا گیا۔ ایک اور سردار جنگ باز خاں کو، جو 'بادشاہِ غازیان' کہلاتا تھا، ۱۸ر مئی ۵۸ء کے قریب پھانسی ہوئی۔ ملا میاں (عنایت اللہ) نتھو میاں (عنایت حسین) اور بھولا گرفتار ہوئے۔ رحیم علی خاں کی فوج نے کنتور میں 'وفادار' موتی سنگھ کو گھیر کر شکست دی۔ بابو رام نرائن، مخدوم بخش اور سعد اللہ خاں (ساکن سنبھل) نے اسلام نگر میں بغاوت کا پرچم مئی ۵۸ء میں بلند کیا، سہسوان کو لوٹا اور ایک ہزار فوج جمع کر لی لیکن ۲۸ مئی ۵۸ء کو رام نرائن جنگ کرتا ہوا کام آیا۔ جون ۵۸ء میں نظام علی خاں بریلی کی سرحد پر علی خاں اور قلندر بخش (دونوں میواتی) کے ساتھ تھا۔ حیدر خاں اور محسن خاں (تحصیل دار اور تھانے دار سہسوان دورانِ بغاوت) کو ۵ر جون کو پھانسی ہوئی۔ لچھمن سنگھ تحصیل دار او بھائی (بعہد خان بہادر خاں کو ۷ر جون کو گولی ماری گئی۔ جولائی ۵۸ء میں بھورے خاں اور نظام علی کی سرکردگی میں انقلابی پیلی بھیت پر حملہ آور ہونے کو تھے۔ محمدی میں زبردست اجتماع تھا۔ وہ مولانا احمد اللہؒ کا انتقام لینے پر تلے تھے۔ خان بہادر کے علاوہ جان علی خاں اور مارے خاں وغیرہ بھی ان کے رہنما تھے۔ شاہ جہاں پور کے شمال میں بڑی تعداد میں انقلابی گروہ حملہ کر رہے تھے۔ ان کی ایک جمعیت

---

1. SEN : 367 ؎۱

گومتی کے کنارے اور دوسری سرسہ گھاٹ (پوایاں سے آٹھ میل) پر تھی۔ اگست میں پوایاں اور شاہجہاں پور پر حملے ہوئے، محمدی کے قلعے پر دوبارہ انقلابیوں نے قبضہ کیا۔ بدایوں کا نائب ناظم احمد اللہ خاں رام پور سے گرفتار کر کے توپ سے اڑایا گیا۔ اخبارات 'بنگال ہرکارو' اور 'انڈیا گزٹ' کی خبریں ستمبر میں یہ تھیں کہ مولانا احمد اللہؒ کے ساتھی اور جانشین پندرہ سو فوج کے ساتھ پوایاں اور شاہجہاں پور کے علاقے میں تھے۔ رگھبر سنگھ نندور دار میں اور خان بہادر خاں گولا (ضلع محمدی) میں تھے ان کے علاوہ باغی گروہوں کے سرداروں میں نواب تفضل حسین بھی شامل ہیں۔ ان گروہوں سے پیلی بھیت، کھوترا، شیر پورہ (شاہجہاں پور) وغیرہ میں برابر تصادم ہوتے رہے۔ اکتوبر میں انھوں نے پوایاں اور شاہجہاں پور پر بہ یک وقت حملہ کیا۔ پیلی بھیت کے جنگلوں میں چھپے ہوئے انقلابی اچانک حملہ آور ہوئے اور سرکاری ملازمین کو تہ تیغ کیا۔ دسمبر ۵۸ء میں ناناصاحب نے فتح گڑھ کے قریب گنگا کو پار کیا۔ ۱۸ر جنوری ۵۹ء کو تر پت سنگھ ایک جنگ میں کام آیا۔[ل] اپریل ۵۹ء میں بیگم اور خان بہادر نیا کوٹ بھٹول چلے گئے۔

جون ۵۹ء میں فصاحت اللہ سابق گورنمنٹ پلیڈر ضلع بریلی جو دوران بغاوت ضلع بدایوں میں انتظام سنبھالے ہوئے تھا، لکھنؤ میں ایک شخص علی بخش خاں کے گھر سے گرفتار ہوا۔ فضل احمد بھی جو فصاحت اللہ کا عزیز، سابق وکیل بریلی اور بغاوت میں سرشتہ دار تھا، گرفتار ہوا حکیم محمد یار خاں پیشکار۔ رسالدار علی بخش (اودھ کا پنشن یافتہ) بھی گرفتار ہوئے۔ ان لوگوں کے پاس سے باغیانہ خط و کتابت اور کاغذات ملے۔ فصاحت اللہ خاص طور پر سازش میں ملوث تھا اس نے منشی باقر علی اور رسالدار علی بخش وغیرہ سے رابطہ قائم کیا اور مختلف لوگوں سے نامہ و پیام کرتا رہا۔ بعض خط محمد حسین بریلی۔ التفات حسین (برادر کیپٹن فدا حسین)۔ مودود بخش خاں

ل بنگال ہرکارو۔ ۲۱ر جنوری ۵۹ء (نیشنل لائبریری کلکتہ) بحوالہ فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۵۔ ص ۵۴۸-۵۷۸

رسالدار وغیرہ کی طرف سے تھے، ایسی زبان میں لکھے گئے تھے جو عام طور پر سمجھ میں نہ آ سکیں اور علی بخش رسالدار کے ذریعے باغی سرداروں کو پہنچتے تھے۔ اس خط و کتابت سے یہ راز کھلا کہ جن پر انگریز تکیہ کرتے تھے وہی پتے ہوا دیتے رہے۔ یہ لوگ بیگم اودھ سے بھی نامہ و پیام رکھتے اور انگریزی علاقوں سے خبریں بھیجتے تھے۔

کفایت اللہ اور اس کے بھائی ہدایت اللہ کے خلاف یہ بھی الزام تھا کہ انھوں نے کیپٹن گوان (غالباً بریلی) کے چھپنے کا مقام کھوج نکالا اور اس کو چھپانے والوں کو سزا دی۔ دونوں بغاوت میں سرگرم رہے۔ کفایت اللہ ملک سے باہر (؟) بھیجا گیا اور ہدایت اللہ کو چودہ[۱۴] سال قید کی سزا ہوئی۔ حکیم محمد یار کو ۵ سال جلا وطنی اور جائداد ضبط۔ مولوی سید قطب شاہ (حالات علماء کے باب میں ملیں گے) ولد بخش اللہ نے بغاوت پھیلانے کے لیے انگریزی فوج میں ملازمت کی۔ ۲۵ مارچ ۵۹ء کو سزائے موت تجویز ہوئی۔ بعد میں تبدیل ہوئی اور انڈمان بھیجے گئے (۱۲ مئی ۵۹ء)۔ مولوی موصوف نے بریلی میں غازیوں کی فوج منظم کی تھی۔ جنرل نیاز محمد خاں (ساکن رام پور) نے متعدد جنگوں میں حصہ لیا۔ بریلی کی شکست کے بعد خان بہادر کے ساتھ پیلی بھیت۔ محمدی۔ تان پارہ پھر نیپال میں مقیم۔ بمبئی ہو کر مکہ گیا۔ واپسی پر بمبئی، کاٹھیاوار، جونا گڑھ وغیرہ میں رہنے کے بعد دسمبر ۱۸۷۱ء میں گرفتاری ہوئی۔ سزائے موت تجویز کی گئی مگر اپیل پر (مئی ۱۸۷۲ء) جلا وطنی کی سزا ہوئی۔[۱]

خان بہادر خاں

دسمبر ۵۹ء میں جنگ بہادر نے بھٹول کے قریب جنگل سے خان بہادر خاں کو اچانک گرفتار کیا۔ ممو خاں، دیبی سنگھ اور گنگا سنگھ بھی ساتھ ہی گرفتار ہوئے۔ خان بہادر کو یکم جنوری ۶۰ء بریلی لایا گیا، فروری ۶۰ء میں مقدمہ چلا، گواہ تلاش کر کے لائے گئے اور ہر طرح کے الزامات ثابت کر دیئے گئے۔ خان بہادر

---

[۱] فریڈم اسٹرگل یوپی۔ جلد ۵ ص ۶۲۰

نے اپنے بیان میں کہا کہ جو گواہ لائے گئے ہیں وہ سب وہ ہیں جن کو کسی بدعنوانی کی بناء پر تنبیہ کی گئی یا ان کے خلاف کاروائی کی گئی یا کسی اور وجہ سے مخالف ہو گئے تھے، انگریزوں کے قتل کے الزامات کو غلط ثابت کیا، دلائل اور واقعات سے رد کیا اور کہا کہ وہ اپنا کیس کسی انگریز وکیل کے ذریعے پیش کریں گے تب تک کے لیے مقدمہ روک دیا جائے ورنہ خون ناحق ہوگا لے لیکن اس کا موقع نہیں دیا گیا دیگر الزامات کے علاوہ یہ بھی الزام تھا کہ ۱۲ر جنوری ۵۹ء کو بھی ایک اعلان جاری کیا جس میں فتح گڑھ کے عوام سے اپیل تھی کہ وہ متحد ہو کر انگریزوں کو شکست دیں۔ جو خطوط برآمد ہوئے وہ بہادر شاہ۔ بیگم حضرت محل اور ایک رانی کے نام تھے جس کو بغاوت پر آمادہ کیا گیا تھا۔ وطن کی آزادی کے لیے جد و جہد میں ناکامی کا انجام موت ہے اور یہی انجام خان بہادر کے نصیب میں تھا چنانچہ ۲۴ر مارچ ۱۸۶۰ء بروز ہفتہ صبح سات بجے پرانی کوتوالی (بریلی) کے سامنے پھانسی دی گئی۔ تاریخ روہیل کھنڈ (قلمی) مؤلفہ نیاز احمد خاں میں یہ تاریخ یکم رمضان ۱۲۷۶ھ بیان کی گئی ہے۔ خان بہادر خاں کے آخری الفاظ یہ تھے:

"یہ سچ ہے کہ میں نے انگریزوں کو قتل کرایا۔ میں نے اسی مقصد کے لیے جنم لیا تھا میں نے سیکڑوں انگریز کتوں کو ہلاک کیا یہ نیک کام تھا اور مجھے اس کے حصول میں کامیابی ہوئی" ۲ے

قیصر التواریخ میں ہے کہ کرنل بیروے نے پوچھا "تم نے مدت تک سرکار کا نمک کھایا، اس سن پیری میں کیوں ایسی بغاوت کی؟" خان بہادر نے بہادری کا بھرم رکھ کر جواب دیا:

"تم نے ہمارا آبائی ملک چھین لیا تھا۔۔۔ جب تم بھاگے تمہارے باغیوں نے ہمیں مستحق

لے 1. Foreign pol. Cons. 16th March 1860, No. 39.
(National Archive New Delhi)

۲ے 2. Freedom St. UP. Vol. 5, pp. 596-614, 183.

ریاست سمجھ کر حاکم کر دیا ہم اسے عنایتِ خدا سمجھے کہ اپنے حق کو پہنچے ۔۔۔۔"

غرض یہ کہ نواب اور کمشنر سے خوب تقریر ہوئی۔ جب کمشنر خاموش ہو گیا تو نواب خان بہادر نے کہا "اب دیر لگانا کیا ضروری ہے"[1]

سرکاری کاغذات کے بموجب خان بہادر کو پرانی کوتوالی میں دفن کیا گیا جبکہ ایک روایت کے بموجب ڈسٹرکٹ جیل میں کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جیل کے پہلے اور دوسرے پھاٹک کے درمیانی حصے میں دفن ہے لیکن صحیح جگہ معلوم نہیں۔ خان بہادر کی رہائشی عمارتیں (گھوڑوں کا محلہ) مسمار کر دی گئیں یہ علاقہ "کھیڑہ خان بہادر" کے نام سے مشہور رہا۔ خان بہادر کی عمر بعض جگہ ساٹھ سال کے لگ بھگ اور بعض جگہ اسّی سال بیان کی گئی ہے لیکن چونکہ وہ بریلی میں صدر امین تھے اس لیے ساٹھ سال زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ بعض بیانات میں ضعیفی کے باوجود طاقتور اور شاندار شخصیت بتایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ اور مصروف تخلص تھا "مقاصد الصالحین" تصنیف بتائی جاتی ہے۔[2]

خان بہادر خاں (بن ذوالفقار خاں بن حافظ رحمت خاں) کے دو بیٹے جہان بہادر (لاولد) اور جان بہادر تھے۔ جان بہادر کے یار محمد اور احمد بہادر ہوئے۔ یار محمد کے تین بیٹے یاور محمد (مقیم لاہور)۔ دوست محمد اور دستگیر محمد مسعود ہوئے اور احمد بہادر کے سلیم بہادر (مقیم راول پنڈی) اور کلیم بہادر (مقیم بریلی) ہوئے۔ دوسرے عزیزوں میں ظفر یار خاں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ خان بہادر کے عزیز وغیرہ انہی کی نگرانی میں رہے۔ ظفر یار کو پھانسی کی سزا

---

[1] قیصر التواریخ جلد ۲ ص ۲۶۹۔ کہا جاتا ہے کہ پھانسی کے وقت یہ شعر پڑھا

بجرمِ کلمۂ حق می کشند غوغا ئیست   زمرگِ زندہ کیمی شود تماشا ئیست

[2] رسالہ العلم کراچی جنگ آزادی نمبر۔
مصطفٰے علی بریلوی: خان بہادر خاں شہید

ہوئی۔ اپیل پر رہائی ہو گئی۔ ظفر یار کے بیٹے حشمت یار اور رفعت یار تھے۔ حشمت یار خاں کے بیٹے شوکت یار خاں ہیں جن کے بیٹے عثمان خاں ہیں۔ نواب خان بہادر کے کمسن بیٹے جان بہادر اور بیوی ممتاز محل ضلع شاہجہانپور کے مقام کھیڑی میں پوشیدہ رہے۔ جان بہادر نے نواب رام پور سے ملازمت چاہی مگر ناکامی ہوئی تو گوالیار پولیس میں ملازمت کی، مخبری پر برخاست ہوئے، ۱۹۱۹ء میں انتقال ہو گیا۔[1]

راجہ دیبی بخش

گونڈہ کا تعلقہ دار، مورث اعلیٰ رائے پرتاپ مل سنگھ (قوم بیسن)۔ اسی کی نسل میں راجہ مان سنگھ نے ایک خوب صورت ہاتھی جہانگیر کو پیش کیا جس پر جہانگیر نے راجہ کا خطاب اور تعلقہ گونڈہ کی جاگیر عطا کی۔ راجہ دیبی بخش سنگھ بن دلجیت سنگھ (بن دیا پت سنگھ بن پہلوان سنگھ بن اودت سنگھ ..... راجہ مان سنگھ) نے جس دلیری کے ساتھ بیگم حضرت محل کا ساتھ دیا وہ ہماری نظر سے گزر چکا۔ وہ بیگم کے ساتھ نیپال چلا گیا اور وہاں مختلف جنگوں میں حصہ لیا، وہیں موت سے ہمکنار ہوا۔ اس کا علاقہ مان سنگھ کے بیٹے درشن سنگھ ناظم کو دیدیا گیا۔[2]

نواب ولی داد خاں

نواب ولی داد خاں بن بہادر خاں بن حق داد خاں دہلی کے شاہی خاندان سے رشتہ داری رکھتے تھے۔ مالاگڑھ (بلند شہر) میں ان کا قلعہ تھا۔ یہاں حق داد خاں نے ایک مشہور بزرگ حضرت سید محمود مالا مال کرمانی سے عقیدت کی بنا پر مالا مال گڑھ نام رکھا تھا۔[3] شیرر نے اپنی کتاب "ڈیلی لائف ڈیورنگ میوٹنی" (ص ۲) میں لکھا

---

[1] "العلم" جنگ آزادی نمبر ۱۹۵۷ء   [2] قطبی: آئینہ اودھ ۷۷۔۲۷۶

[3] حضرت سید محمود مالا مال کرمانیؒ کے چھوٹے بھائی سید طیفورؒ تھے جن کی اولاد مالاگڑھ کے قریب گھاولی میں آباد ہے۔ آپ ہی کی اولاد میں چشتیہ سلسلے کے معروف بزرگ حضرت عبداللہ المعروف بہ شاہ ابن بدر چشتیؒ (متوفی ۹۷۸ھ) ہوئے ہیں جو امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے اور اولاد امروہہ میں ہی آباد ہے!

ہے کہ وہ آگرے میں بغاوت سے پہلے کی سازشوں کے خاص سرغنہ تھے۔ شیر زر اُن سے آگرے میں ملا تھا (۱۸۴۸-۴۹ء)۔ ستمبر ۵۷ء تک بلند شہر کے علاقوں میں انگریزی فوجوں سے جنگ کرتے رہے۔ یکم اکتوبر ۵۷ء کو مالاگڑھ کا قلعہ مسمار کیا گیا اور وہ دوسرے علاقوں میں چلے گئے۔ ۱۷ دسمبر ۵۷ء کو اُن کے بیٹے اسمٰعیل خاں نے آگرے کے قریب مُلسی پر انگریزی فوجوں کا مقابلہ کیا۔[1] ولی داد خاں بعد میں بیگم حضرت محل اور خان بہادر خاں کے ساتھ بھی جنگوں میں شریک رہے۔ چار بیٹے اسمٰعیل خاں۔ صمد خاں محسن خاں اور احمد یار خاں تھے۔ خدنگ غدر میں اسمٰعیل خاں کو بھانجہ بتایا ہے۔ ولی داد خاں بیگم حضرت محل کے ساتھ ہی بونڈی گئے اور وہیں درّۂ کردہ میں انتقال ہوا۔ بعض بیانات یہ ہیں کہ اٹاوہ میں سکونت اختیار کی۔

بنارس الہ آباد اور گورکھپور کے انقلابی

سرکاری رپورٹوں کے بموجب گورکھپور کے علاقوں میں سرگرمیاں پورے شباب پر تھیں۔ جولائی اگست ۵۸ء میں اشرف بخش خاں[2] اور جواہر خاں نے ڈومریا گنج پر قبضہ کیا، ٹانڈہ میں سوکھا سنگھ کمان کر رہا تھا، امورہا کے قریب قبضہ کیا۔ گورکھپور کا ایک حصہ ابھی تک انقلابیوں کے قبضے میں تھا۔ اسی علاقے میں ایک گاؤں جگدیش پور میں انگریز اُن کے مورچوں پر حملہ کر کے ناکام ہوئے ڈومری کے بابوؤں کو نومبر ۵۸ء میں پسپا کیا گیا اور وہ نیپال کی طرف چلے گئے۔ نومبر ۵۸ء تک مہدی حسن۔ راجہ گونڈہ اور بالا صاحب کی فوجیں گورکھپور کی سرحد پر موجود تھیں۔ دوسرے سرداروں میں بل کرن سنگھ۔ بلی سنگھ۔ جیون سنگھ وغیرہ تھے جنہوں نے مسلسل حملے کیے اور پھر نیپال کی طرف گئے۔ بالا راؤ راپتی پار کر گیا، محمد حسن اکونا اور راجہ گونڈہ بھنگا چلے گئے (دسمبر ۵۸ء) ستاسی کے راجہ اودت نرائن کے قلعے پر پہلے ہی قبضہ کیا جا چکا تھا۔ اس راجہ کو خفیہ رپورٹوں میں "بدترین باغی" کہا گیا ہے۔ راکرافٹ نے اپنے بیان میں اس کی حیرت انگیز مورچہ بندیوں کا اعتراف کیا ہے۔[3] اس کے

---

[1] چودھری : ۸۱

[2] ، اودھ کا مشہور سردار موضع بھان پور تحصیل ڈومریا گنج کا ساکن تھا۔

[3] چودھری : ۱۴۹ — ۱۴۸

قلعے سے بڑی تعداد میں سامانِ جنگ اور جدید ہتھیاروں کا ذخیرہ برآمد ہوا۔ نرہر پور اور نگر کے راجاؤں کے علاوہ جون پور سرحد کے راجکمار امریش سنگھ، اوریش سنگھ اور جیندریش سنگھ بھی تھے۔ محمد حسن ٹانڈہ کے قریب ایک گاؤں کا ساکن تھا اس کے ساتھیوں میں بلّی سنگھ چلّو پار کا راجہ۔ کشن کشور عباس علی پرتھی پال سنگھ۔ جعفر علی وغیرہ تھے۔

بنارس ڈویژن کے تمام علاقوں میں انقلابی سرگرمیاں بدستور جاری تھیں جھوری سنگھ بھدوہی میں مع فوج موجود تھا۔ مرزا پور میں وجے گڑھ۔ گوپی گنج۔ لال گنج۔ رابرٹ گنج وغیرہ انقلابی جدوجہد کے مرکز تھے۔ وجے گڑھ میں ایشوری سنگھ اُن کا سردار تھا۔ اس کے علاوہ رگھبر سنگھ۔ چتر جیت سنگھ۔ رتن سنگھ وغیرہ تھے۔ غازی پور میں بھی اگست ۵۸ء تک برابر تصادم ہوتے رہے۔ پرگنہ زمانیہ میں انگریزوں کے وفاداروں کو قتل کیا گیا[1] اپریل ۵۹ء میں مرزا پور کے جنوب میں باغیوں کی بڑی فوج بجسر کے قریب کہار (ضلع غازی پور) پر تھی جہاں کا زمیندار میگھار سنگھ قیادت کر رہا تھا۔ اس نے امر سنگھ سے مل کر مئی اور جون ۵۸ء میں زبردست شورش پھیلادی، شاہ آباد کے موضع نیول وان پر حملہ کیا، آس پاس کے تعلقہ دار اور عوام اس کے ہمراہ تھے، امداد خاں اس کی فوجوں کا کمانڈر تھا۔

جھوری سنگھ مئی ۵۸ء میں الہ آباد چلا گیا، بادشاہ پور میں سانڈرس کی فیکٹری لوٹی اور مچھلی شہر پر حملہ کیا۔ جولائی تک سنگرام سنگھ بھی بنارس اور جون پور علاقوں میں سخت خطرہ بنا ہوا تھا۔ لیکن جھوری سنگھ اودھ کے علاقوں میں موت سے ہمکنار ہوا امین پوری کا راجہ اپریل مئی ۵۸ء اودایا میں مع فوج آگیا تھا مختلف جگہوں پر تصادم ہوتے رہے۔ اترولیا کے قریب غلام حسین اور مہدی حسن کی فوجیں تھیں جنہوں نے اپریل ۵۸ء میں لوگارڈ کی فوجوں سے مقابلہ کیا ان کے ساتھ سنگرام سنگھ کی فوج بھی تھی۔ پرگن سنگھ نے کوئلسا اور مہاراج گنج پر حملے کیے۔ ٹانڈہ میں اس کے علاوہ راجہ نرہر پور

1. Freedom St. UP. Vol. 4, p. 240-280

اور مولوی علی کریم کی فوجیں تھیں۔

میگھار سنگھ (ولد بھجن سنگھ) پر نومبر ۱۸۶۰ء میں مقدمہ چلایا گیا۔ اس نے اپنی سرگرمیاں بیان کیں کہ وہ بیگم کے ساتھ نیپال گیا مگر جنگ بہادر نے رہنے نہ دیا اس لیے واپس آیا۔ اس نے کھیرائی۔ والدار نگر۔ کرکھر (سہسرام)۔ روپ پور وغیرہ پر جنگوں میں حصہ لیا۔ نیپال سے آکر کلکتے میں اپنے آپ کو حکام کے روبرو پیش کر دیا۔

کوئلسا ابھی تک انقلابیوں کے قبضے میں تھا، صوبے دار کنہیا سنگھ کمان کر رہا تھا۔ ان کے ساتھ دو مولوی بھی تھے جن میں ایک ٹانڈہ کے رئیس کا بیٹا اور دوسرا غلام حسین تھا۔ لے جون پور وغیرہ کے جن انقلابی سرداروں کو سزا ہوئی (اکتوبر ۱۸۵۸ء)۔ ان میں گنن مصر (ساکن دیلوا)۔ مخدوم بخش (ساکن گیرکھتی)۔ بندیسری بخش سنگھ ساکن جھلیوا۔ جگیشور بخش (بدلاپور کا)۔ پھلی سنگھ (میر چند پور)۔ ارجن سنگھ (بدلاپور)۔ رگھپال سنگھ (کٹگھر)۔ نیپال سنگھ (جھلیوا) شامل تھے[۲]

مظفر جہاں ۱۸۶۰ء تک جنگ کرتا رہا، گرفتار ہوا۔

الہ آباد کے علاقوں میں انگریزی فوجوں سے برابر تصادم ہوتے رہے۔ مئی ۱۸۵۸ء میں الہ آباد اور سوراؤں میں باندہ کا ولایت حسین رہنما تھا۔ مولوی لیاقت علی بھی فوج منظم کر رہے تھے بینی بہادر نے کرنائی پور پر قبضہ کر لیا۔ مولوی لیاقت علی کے ساتھ ہنومنت سنگھ، ترول کا گلاب سنگھ اور فضل عظیم بھی تھے۔ جولائی میں ان کا مرکز سوراؤں تھا۔ سنگرام سنگھ جنگ میں کام آیا۔ آخر کار ۱۴ جولائی ۱۸۵۸ء کو بریگیڈیر برکلے نے دھائیں کے قلعے پر حملہ کیا، مولوی لیاقت علی بچ کر نکل گئے لیکن اس کے بعد دھاروال کے زمیندار ڈھکن سنگھ، ہنومان سنگھ اور ولایت حسین نے انقلابی فوجوں کی کمان کی۔ ہنومان سنگھ سب سے زیادہ مضبوطی سے جما رہا اس کی کاروائیاں سرکاری رپورٹوں میں جگہ جگہ بیان کی گئی ہیں۔ بلہور سنگھ اور روح الامین نائب چکلہ دار نواب گنج۔ گلاب سنگھ بینی

۱-۲ 1.2. Freedom St. UP. Vol. 4, pp. 191-208, 239-798.

بہادر سنگھ (نصرت پور)۔ مدصو سنگھ (بھوگنی پور) وغیرہ سردار مع فوجوں کے میدان میں تھے۔ اُن کا لیڈر روح الامین تھا جس کی مدد شیام پور کی رانی اور بدری کی ٹھکرانی۔ سنگرام سنگھ زمیندار سنگرور، فقیر بخش وغیرہ کر رہے تھے۔ لکھنؤ سے حکم نامہ جاری ہوا جس میں انگریزوں کو نکالنے کے لیے روح الامین کی مدد کرنے کی اپیل تھی۔ ہم عصر سرکاری رپورٹوں میں ان تمام زمین داروں کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جو اس جدوجہد میں شریک تھے۔ مرزا آغا (ساکن ہنومان گنج) نے نائب ناظم ہونے کا اعلان کیا۔ مانک پور کے قانون گو بخشش اللہ اور ایودھیا سنگھ بھی باغیوں کے ساتھ تھے۔ پوراسی (پرگنہ نوراگڑھ) میں دسمبر ۱۸۵۸ء تک بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ سوراؤں اسمٰعیل گنج۔ نصرت پور، پھول پور۔ مبارک پور۔ بنسا، بتھیرا، بی بی پور وغیرہ میں جو باغی سردار سرگرم رہے اُن میں سلطنت بہادر۔ راجہ بجے سنگھ۔ بینی بہادر۔ مخدوم بخش۔ دیوان رنجیت سنگھ۔ پرتھی پال سنگھ رندھیر سنگھ۔ کالوجا کا راجہ۔ کالکا بخش۔ جلال پور کا سابق زمیندار وغیرہ بھی شامل تھے۔[۱] جودھا سنگھ کو مئی ۱۸۵۸ء میں ضلع فتح پور سے گرفتار کر کے پھانسی دی گئی۔ فتح پور میں بینی مادھو۔ رام بخش اور شہزادہ فیروز بھی موجود تھے۔

انقلابیوں کا انجام۔ نیپال

انقلابی عوام جون کو ۱۸۵۹ء میں ترائی کے علاقوں اور پھر نیپال کی طرف دھکیلا گیا، ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ کے قریب تھے (بعض جگہ ساٹھ ہزار کا اندازہ ہے)۔ اِن کے سرداروں میں بیگم حضرت محل و برجیس قدر۔ نانا صاحب۔ بالا صاحب۔ میر محمد حسن (جو نیپال کی سرحد تک آ گیا ۱۸۵۹ء کے شروع میں ہتھیار ڈالے)۔ رانا بینی مادھو۔ دیبی بخش (گونڈہ)۔ بخت خاں۔ امر سنگھ۔ خان بہادر خاں۔ ممو خاں، جوالا پرشاد۔ مولانا سرفراز علی وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے جنگ بہادر سے فوجی مدد کے لیے بات کی لیکن وہ نہ صرف مدد پر تیار نہ ہوا بلکہ اپنے علاقے میں انگریزوں کو داخل

۱۔ CHAUDHURY : Civil Rebellion.......93-95.

ہونے کی اجازت دیدی جس کی وجہ سے انقلابیوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ایک طرف انگریزی فوجیں اور دوسری طرف نیپال کے گورکھا دستے ان سے برسرِ پیکار تھے نیپال میں انھیں جس برتاؤ سے پالا پڑا وہ آگے آرہا ہے لیکن اس کے علاوہ ترائی کے جنگلوں کی بیماریاں، کیڑے مکوڑے اور جنگلی درندے الگ اپنا شکار بنا رہے تھے بعض اوقات کھانا خریدنے کے لیے سپاہیوں کو ہتھیار بیچ دینا پڑے۔

نیپال کے راجہ جنگ بہادر سے یہ انقلابی عرصے سے آس لگائے ہوئے تھے اور ۱۸۵۷ء کے آخر میں بیگم کی طرف سے معاہدے کے لیے خط و کتابت کی گئی اس کے بعد ۹ مئی ۱۸۵۸ء کو اور اس کے بعد خطوط لکھے گئے اور ایک سفیر علی محمد خاں کو بھیجا گیا۔ مولوی سرفراز علی نے بھی ۶ جون ۱۸۵۸ء کو خط لکھا اور بتایا کہ انھیں مولانا احمد اللہؒ نے پیام بر بنا کر بھیجا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ بہادر نے برجیس قدر کے نام خط (۱۷ جولائی ۱۸۵۸ء) میں ٹکا سا جواب دیدیا[1] اور اپنی فوجیں انگریزوں کی مدد کے لیے روانہ کر دیں اور خود بھی اودھ کے علاقوں میں جنگ کے لیے آگیا۔ انقلابی سرداروں کو پھر بھی اُس سے وفا کی امید تھی۔

ایک طرف انگریز رزیڈنٹ (جی۔ ریمزے) جو نیپال میں رہ کر اس ملک کو نیم غلام بنا چکا تھا، رانا پر زور ڈال رہا تھا کہ انقلابیوں کو یا تو نکال دیا جائے یا انگریزوں کے حوالے کیا جائے دوسری طرف انقلابی سردار نیپال کے حکمران سے پناہ دینے کی آس لگا رہے تھے لیکن ۱۵ جنوری ۱۸۵۹ء کو جنگ بہادر نے لکھا کہ ہم تمہاری مدد نہیں کریں گے ہمارے اور انگریزوں کے درمیان "دوستانہ" معاہدہ ہے۔ اس پر بیگم نے اُس سے ذاتی طور پر ملنے اور بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ نانا صاحب نے ۲ فروری ۱۸۵۹ء (۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۵ھ) کو خط لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ جنگ بہادر نے ۲۲ فروری ۱۸۵۹ء کو جواب دیا کہ کسی قیمت پر مدد نہیں دی

---

1. Freedom St. UP. Vol. 2, p. 449.

جائے گی، انقلابی نیپال سے نکل جائیں۔ بیگم اس وقت شیو پور میں تھیں اور کنڈک ندی (سکڑولا گھاٹ) پر ۲۷ فروری کو مع ساتھیوں کے پہنچنے والی تھیں [۱] بعض ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ شروع میں راجہ نیپال کا رویہ نرم اور ہمدردانہ تھا لیکن انگریز رزیڈنٹ برابر دباؤ ڈال رہا تھا کہ "ہمیں افسوس ہوگا اگر بیگم کو پناہ دی گئی" [۲] اس سلسلے کی دستاویزات اور خطوط سے جو بے شمار ہیں، مختصراً یہ واضح ہوتا ہے کہ جنگ بہادر کم از کم بیگم کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کو تیار تھا لیکن یہ بھی مفت ہاتھ نہیں آیا، جگہ جگہ اشارات ملتے ہیں کہ نقد روپے کے علاوہ لاکھوں کے زیورات اور قیمتی ہیرے جواہرات اس 'برتاؤ' کی نذر ہو گئے۔ انگریز رزیڈنٹ کی رپورٹ (۱۲ر جون ۵۹ء) سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیگم انگریزوں سے صلح صفائی یا اس طرح کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں، انگریزوں کی ہر پیش کش اور نرم شرطیں حقارت سے ٹھکرا دی گئیں۔ وہ جنگ بہادر سے خود سننا چاہتی تھی کہ وہ کیا ارادہ رکھتا ہے۔ انگریز چاہتے تھے کہ بیگم کو پوکرا بھیج دیا جائے جہاں وہ الگ تھلگ ہو کر رہ جائے۔ رزیڈنٹ نے انقلابیوں کے بارے میں لکھا تھا کہ "وہ بدستور نہایت سرکش باغی رہے ہیں اور آخر وقت تک بھی انھوں نے بغاوت کو برابر بھڑکائے رکھا" [۳]

راجہ نیپال پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ نانا کو دھوکے سے گرفتار کرا دے مگر دغا بازی کی اس بلندی پر پہنچنا اُس نے گوارا نہ کیا [۴] اسی دوران (۲۵ر تا ۲۸ر مارچ ۵۹ء) بھٹول کے مقام پر جنگ ہوئی۔ "احسن التواریخ" میں ہے کہ برجیس قدر مع لشکر اور افسران کے ایک دریا پر

---

[۱] فریڈم اسٹرگل جلد ۲ ص ۵۸۱

[۲] ابرار حسین فاروقی: ماٰثر دلاوری/۲۶۰

[۳] فریڈم اسٹرگل جلد ۲ ص ۵۸۱

[۴] فریڈم اسٹرگل یوپی جلد ۲ ص ۵۸۱-۶۰۱
فاروقی: ماٰثر دلاوری ۲۶۲

خیمہ زن ہوئے۔ تیئیس دن قیام کیا اس کے بعد جنگ بہادر نے لکھ بھیجا کہ بھٹول کو واپس لوٹ جاؤ۔ چنانچہ لشکر بھٹول واپس آ گیا۔ ناموافق آب و ہوا سے بہت آدمی فوت ہوتے رہے، خان علی خاں بھی فوت ہو گیا لیکن بھٹول پہنچ کر انگریزی فوج کے آنے کی اطلاع ملی نیپالیوں نے وعدوں میں الجھائے رکھا اور تکلیفیں بھی دیتے رہے" اس وقت لشکر میں علاوہ جمعیت کثیر باغیان جنگی کے سپاہی زمیندار اور بڑے بڑے رئیس تعلقہ دار جن کی بہادری مشہور خلائق تھی لڑنے مرنے پر تیار تھے۔" جب نیپالیوں نے دیکھا کہ انگریزی فوج پہاڑ کے نیچے آ کر صف بستہ ہو گئی تو اُن کے سپہ سالار نے برجیس قدر کو لکھا کہ اگر امان چاہتے ہو تو مع اتالیق وغیرہ دیوگڑھ میں رہو اور فوج کو پہاڑ کے نیچے جانے کا حکم دو۔ اگر مع فوج پہاڑ پر آئے تو ہماری فوج سے جنگ ہو گی۔ برجیس قدر مع بیگمات وغیرہ کے پہاڑ پر آئے اور جب فوج نے پہاڑ کے نیچے جا کر جنگ شروع کی تو اِدھر سے نیپالیوں نے از راہِ مہمان نوازی' توپیں لگا دیں۔ بھاگنے کا کہیں راستہ نہ رہا چنانچہ قیامت خیز جنگ ہوئی۔ چوتھے روز تمام انقلابی فوج پہاڑ پر چڑھ گئی اور نیپالی فوج کا محاصرہ کر لیا تو سالار نے بیگم کو عیاری سے پیغام بھیجا کہ آپ مع پانچ سو آدمیوں کے نیا کوٹ میں رہیں۔ ؁ چنانچہ برجیس قدر مع متعلقین نیا کوٹ روانہ ہوئے اور باقی سب دیوگڑھ میں رہے، اکثر کی جان بچ گئی، کچھ انگریزوں سے جا ملے۔ برجیس قدر نے جنگ بہادر سے مل کر مدد کی درخواست بھی کی مگر نامنظور ہوئی۔ "لشکر نانا راؤ اور بالا راؤ وغیرہ کو لے کر کشمیر روانہ ہوا"

بینی مادھو کی قربانی

جنگ بہادر اب اپنی 'بہادر' فوجوں کو لے کر مصیبت زدہ

؁ انگریزوں کے وفادار یہاں بھی کارگزاریاں دکھا رہے تھے۔ "احسن التواریخ" کے بموجب "اسی رات کو بزرگان لشکر کو سازش امراؤ مرزا کی انگریزوں سے ثابت ہو گئی۔" سرسید نے لکھا ہے کہ خیرالدین (بعد میں گورکھپور کا ڈپٹی مجسٹریٹ) کرنل کیلی کے ہمراہ بھٹول میں موجود تھا اور باغیوں کی جاسوسی کر رہا تھا، بہتوں کو گرفتار کرایا (خیرخواہ مسلمانان ہند ص ۸۰)

انقلابیوں سے جنگ کرتا پھر رہا تھا۔ دیوگڑھ میں مع فوج داخل ہوا (نومبر ۵۹ء) جہاں رانا بینی مادھو خیمہ زن تھا۔ رانا سے کہا کہ اپنے گھر چلے جاؤ۔ اُس نے جواب دیا کہ ہمارا کوئی گھر نہیں، دو گھڑی کی مہلت البتہ درکار ہے۔ رانا کے پاس اس وقت صرف ڈھائی سو[۲۵۰] سپاہی تھے۔ رانا نے جملہ زیورات اور دولت کا انبار لگا کر کہا "جس کو دولت درکار ہو اٹھالے اور جس کو ہمارا ساتھ دینے میں دنیا و عقبیٰ کی بھلائی دکھائی دیتی ہے وہ ہمارے ساتھ آئے"۔ صرف دو سپاہیوں نے دنیاوی دولت کو پسند کیا اور باقی نے رانا کا ساتھ دینے کے لیے ہتھیار اُٹھا لیے۔ رانا نے عورتوں کو پہاڑ کی کھوہ میں بٹھایا اور خود انگریزی اور نیپالی فوجوں سے مقابلے کے لیے نکل آیا۔ کہا جاتا ہے کہ رانا نے اپنی عورتوں سے کہا "ہم سے تو اب صبر کرلو مگر بیگم صاحبہ کی رفاقت سے منہ نہ موڑنا"۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز افسروں نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا، کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ تقریباً ایک ہزار آدمی کام آگئے، نیپالی سپاہی گاجر مولی کی طرح کٹ گئے اور بینی مادھو کے سب ہمراہی ختم ہو گئے کچھ توپوں سے کام آئے اور باقی نے تیزی سے آگے بڑھ کر تلوار سے جنگ شروع کی۔ مقابل فوج دو[۲] ہزار سے بھی زیادہ تھی لیکن یہ اس قدر جاں بازی سے لڑے کہ نیپالی اور انگریزی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ رانا کے سپاہیوں نے پیچھا کیا۔ ایک نیپالی افسر نے کچھ فوج ایک جگہ آڑ میں چھپا دی تھی جس نے اچانک گولا باری کی اور یہ انقلابی مع رانا کے کام آگئے۔[۱]

نرپت سنگھ چودھری جسا سنگھ (ساکن ترف سرائے) کا بیٹا نرپت سنگھ جس نے روئیا کے قلعے پر ڈھائی سو[۲۵۰] آدمیوں کے ساتھ انگریزی فوج سے جنگ کر کے ان

---

[۱] تمنا (رام سہائے): احسن التواریخ ۱۱۰-۱۱۱۔ بعض کا بیان ہے کہ رانا یہاں نہیں تھا بلکہ اس کا بھائی جوگ راج سنگھ تھا۔ بینی مادھو کے خاندان کو کھاگرہ پار کچھ علاقہ پرورش کے لیے دیدیا گیا تھا۔ سرکاری کاغذات میں ہے کہ بینی مادھو اور جوگ راج سنگھ جنگ میں کام آئے۔ البتہ دوسرے بھائی، بیوہ اور بیٹے (عمر ۱۳-۱۴ سال) دسمبر ۵۹ء تک نیپال میں رہے، پانچسو[۵۰۰] روپے ماہانہ کی جاگیر اور دیکر سیتاپور بھیج دیا گیا

کے منہ پھیر دیئے تھے اور برابر سرگرمی سے بغاوت میں حصہ لیتا رہا۔ ایک روایت کے مطابق رانا یلنی مادھو کے ساتھ ہی جنگ میں کام آیا۔ اخبار ٹائمز نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ بے حد خستہ حالت میں تھا لیکن اس کے باوجود قسم کھائی تھی کہ ـــ

"بھگوان نے اس کے خاندان کے کچھ لوگوں کی قربانی لی ہے۔ وہ اپنے باقی ماندہ لوگوں کو بھی اسی طرح وطن پر قربان کر دے گا۔"[1]

دوسرے انقلابی سردار

چرودا کے راجہ نے کچھ دن اپنے قلعے پر ناناصاحب کو پناہ دی اور انگریزی فوج کے آنے پر خود بھی ترائی اور نیپال چلا گیا۔ امیٹھی کے لال مادھو سنگھ نے (غالباً نیپال اور ترائی میں) ہتھیار ڈالے۔ جنوری ۱۸۶۰ء میں راجہ دیبی بخش سنگھ (گونڈہ) بھی موت سے ہم کنار ہو گیا اور گونڈہ کی رانی نے اپنے ہمراہیوں (۸۹) کے ساتھ ہتھیار ڈالے۔ جنرل خدا بخش، ہر پرشاد (چکلہ دار خیر آباد) بھی ۱۸۵۹ء یا جنوری ۱۸۶۰ء میں فوت ہو گئے۔ مہدی حسن اور اس کے چچا میر دوست محمد وغیرہ نے جنوری ۱۸۶۰ء میں اور جوالا پرشاد نے ۱۸۵۹ء کے آخر میں ہتھیار ڈالے۔ راجہ جے لال سنگھ بن درشن سنگھ اور دوندیا کھیڑہ کے رام بخش کو پھانسی ہوئی۔ لونی سنگھ کو کالا پانی۔

مان سنگھ۔ مُگرک بیجے سنگھ۔ داروغہ واجد علی اور کاشی پرشاد کی جان بخشی ہوئی، انعام ملے۔ جوالا پرشاد (اس نام کے دو اشخاص تھے) کو ۲ر مئی ۱۸۶۰ء کو کانپور میں پھانسی دی گئی۔ مُگرک بیجے سنگھ (مہونا کا) ۱۸۶۵ء میں گرفتار ہوا۔ گلاب سنگھ اور بوندی کا ہردت سہائے بھی ڈھوکر (علاقہ ترائی) میں کام آ گئے۔ ملیریا نے بالا صاحب کو شکار کیا (جولائی ۱۸۵۹ء) عظیم اللہ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں بھٹول میں فوت ہوا اور ممو خاں مع شیخ سکھن گرفتار۔ انڈمان بھیجا گیا جہاں غالباً ۱۸۶۶ء میں بجزیرہ سزا کیس میں فوت ہوا۔[2]

---

[1] فریڈم اسٹرگل جلد ۲ ص ۶۲۶

[2] سین/۳۶۸ ـــ ۳۶۵، فریڈم اسٹرگل جلد ۲ ص ۶۲۶

بیگم حضرت محل

لکھنؤ سے نکل کر بیگم بوندی پہنچیں، کچی گڑھی میں قیام کیا۔ راجہ نے بقدرِ ہمت مدد کی اور یہاں پھر حکومت کا نظام قائم کیا فرمان جاری ہوئے، ناظم مقرر ہوئے مگر گھاگرہ کے اُس پار بھی انگریزی فوج کے آنے پر بینی مادھو نے جنگ کی اور بیگم نے نیپال کا ارادہ کیا۔ آخر کار انگریزی فوج نے گھاگرہ پر پل بنا لیا (آٹھ دس دن جنگ کے بعد) پھر گھاٹے پر معرکے کی جنگ ہوئی۔ جنرل خدا بخش برجیس قدر کو لے کر نکلا، تلسی پور میں بھگوان پور کے قریب قیام کیا پھر گلریا پر ایک تصادم کے بعد بھٹول پہنچے۔ یہاں نیپالی حکام ایک طرف ان سب کو دلاسا دیتے رہے اور دوسری طرف انگریزوں کو تمام اطلاعات دے کر نیپال میں داخل کر دیا۔ خط و کتابت سے ظاہر ہے کہ راجہ نیپال نے مدد سے انکار کر دیا۔ نیپال گورنمنٹ کا ارادہ یہ تھا کہ ممکن ہو تو انقلابی سرداروں کو ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جائے اور ضروری ہو تو جنگ کی جائے چنانچہ یہ مصیبت زدہ چتون، بھٹول اور نیا کوٹ وغیرہ میں ٹکراتے پھرتے رہے۔ مشہور ہے کہ بیگم کے ہمراہ خان بہادر خاں کی زوجہ بھی تھی۔

راجہ نیپال کی طرف سے بل بھدر سنگھ ۱۷ فروری ۵۹ء کو بیگم سے بات کرنے آیا جس نے لکھا ہے کہ مجھ کو بیگم کی پالکی کے قریب بلایا گیا، بیگم نے کہا:

> "اگر جنگ بہادر ہم کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کرتے ہیں تو ہم مرنے کے لیے تیار ہیں اس لیے ہمیں کھٹمنڈو لے چلو...... مجھے امید تھی کہ جنگ بہادر میری بہتری کے لیے کچھ نہ کچھ کریں گے۔"

بل بھدر سنگھ نے کہا کہ خط میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تعمیل ہونا چاہیئے۔ خط میں لکھا تھا کہ "تم میں جن لوگوں نے انگریز افسروں اور عورتوں کا خون نہیں بہایا وہ ہتھیار رکھ کر ہتھورا ندی پر چلے جائیں انگریزی فوجیں انھیں گھر پہنچا دیں گی" بیگم دس منٹ خاموش رہی اور پھر کہا کہ باہر جا کر تمام سرداروں کو خط سنا دو۔ خط سن کر تمام سرداروں نے جواب دیا کہ:

> "ہم ہندو مسلمان مذہب کے لیے لڑے، راجہ جنگ بہادر بھی ہندو ہیں اس لیے

اُن کو ہماری مدد کرنا چاہیئے۔ لڑائی کے لیے ہماری تعداد کم نہیں ہے اگر وہ ہم کو پچاس ساٹھ ہزار فوج دیدیں تو ہم انگریزوں کے مقابلے میں اُن کو دوگنی تنخواہ دیں گے...... جو علاقہ ہم فتح کریں گے وہ گورکھا حکومت کا ہوگا۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے ملک میں ہم کو پناہ دیدیں...... انگریزوں کے زیادہ سے زیادہ دس بارہ سو بیوی بچوں کو ہمارے جاہل سپاہیوں نے بغیر ہمارے حکم کے مارا ہے حالانکہ ہم ہندو مسلمانوں کے تقریباً ایک لاکھ بیوی بچوں کو انگریزوں نے یا تو پھانسی دی یا تہ تیغ کیا...... لیکن اگر مہاراجہ ہم کو انگریزوں کے حوالے ہی کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔ ہم ایک لاکھ آدمیوں کو جو ہمدردی کے طالب ہیں اُنھیں ایسا سخت جواب نہیں دینا چاہیئے تھا" [1]

اس گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ دس دن کے اندر یہاں سے چلے جاؤ۔ بیگم کو نیپال میں رہنے کی اجازت دیدی گئی اور وہیں یہ غیور اور باہمت بیگم اپریل ۱۸۷۹ء میں دنیا سے رخصت ہوگئی، کھٹمنڈو کی ایک مسجد میں مزار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امن قائم ہونے کے بعد انگریزی حکومت کی طرف سے اُنھیں پنشن وغیرہ کی پیش کش کی گئی مگر بیگم نے ٹھکرا دی۔ لکھنؤ کے کمشنر کا بیان (۱۸۸۹ء) یہ تھا کہ وہ غلام حسین علی خاں کے ملازم عنبر کی بیٹی تھی۔ ماں کے انتقال کے بعد برجیس قدر نے کلکتہ میں قیام کیا (۱۸۹۳ء تا ۱۸۹۳ء) برجیس قدر رمضان علی کے بیٹے مہر قدر زاہد علی اور تبن پوتے انجم قدر روشن علی، کوکب قدر اور

---

[1] فاروقی، مآثر دلاوری ۲۷۵-۲۸۱، آخر میں جب انقلابیوں کو انگریزوں کے حوالے کیا گیا تو وہ دو ہزار رہ گئے تھے (سین - ۲۷۱) اپریل ۱۸۵۹ء تک بیگم، خان بہادر اور نانا وغیرہ نیاکوٹے میں تھے۔ بالا صاحب رتن پور بن تھا۔

نیّر قدر و اصف علی کلکتہ ہی میں آباد ہیں۔ اگست ۱۸۹۲ء میں ہی برجیس قدر کا انتقال ہوا۔ آزادیٔ وطن کے بعد حکومتِ ہند کی طرف سے ان لوگوں کے وظیفے مقرر کیے گئے ہیں [1]

بخت خاں

جنرل بخت خاں کے حالات بریلی اور دہلی وغیرہ میں ہماری نظر سے گزر چکے۔ دہلی کی شکست کے بعد وہ مع فوج وہاں سے نکل گیا۔ لکھنؤ میں بھی اس کی موجودگی ثابت ہے۔ بعض رپورٹیں بتاتی ہیں کہ ۵۸ء میں نواب گنج کے مقام پر کام آیا مگر یہ تصدیق طلب ہے۔ ڈاکٹر سین نے لکھا ہے کہ وہ ۱۳ مئی ۵۹ء کو ایک جنگ میں کام آگیا۔ ایچ۔ جی۔ کینس کا بیان ہے کہ نہ وہ ہاتھ آیا نہ کوئی خبر ملی۔ اکثر انگریزوں مثلاً کپتان ویڈی۔ رکٹس اور کرنل بروچیر (آف بنگال آرٹلری) نے بخت خاں کی بہادری اور ذہانت کی بڑی تعریف کی ہے۔ ذکاء اللہ دہلوی نے تاریخ عہدِ انگلشیہ میں لکھا ہے کہ بخت خاں نے دہلی میں انتظامات سنبھالنے کے بعد ہر کام میں باقاعدگی پیدا کی۔ شکر اور نمک کا محصول معاف کیا تاکہ غریبوں کو فائدہ پہنچے۔ اعلان کیا کہ جو شہزادہ شہر میں لوٹ مار کرے گا اس کی ناک کٹوا دوں گا۔ اعلان کرایا کہ عوام اپنے پاس ہتھیار رکھیں اور جس کے پاس نہ ہو اس کو مفت فراہم کیا جائے گا۔ جامع مسجد میں علماء کو جمع کر کے فتوے پر دستخط کرائے اور ایک حلف نامہ سپاہ میں تقسیم کرایا۔ اس کے ہمراہ تقریباً سو علماء دہلی آئے تھے جن میں مولوی امام خاں۔ مولوی

---

[1] مہر قدر زاہد علی کی طرف سے حکومتِ ہند کو ایک عرض داشت پیش کی گئی تھی جس میں لکھا تھا کہ برجیس قدر نے کلکتہ میں آزادی کی تحریک چلانے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ اُن کے لڑکے، لڑکی اور دو ساتھیوں کے قتل کی صورت میں برآمد ہوا (الجمعیۃ، ۱۷ اگست ۱۹۵۷ء) لیکن دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ برجیس قدر نے واجد علی شاہ کا جانشین ہونے کی وجہ سے کچھ مراعات کا مطالبہ کیا جس پر اُن کے عزیزوں نے زہر دے دیا اور یہ انگریز حاکموں کے اشارے پر کیا گیا۔ مہر قدر زاہد علی کا ۱۹۶۱/۸۰/۱۲ء میں انتقال ہوا۔

عبدالغفور اور مولوی سرفراز علی بھی تھے۔ نانا صاحب کا بھائی بالا صاحب بھی اس کے ہمراہ آیا اور ساتھ رہا۔ دہلی میں پہاڑی پر مقیم انگریزی فوج پر چاروں طرف سے بہ یک وقت حملہ کرنے کا پلان بنایا اور ایک نقشہ مرزا مغل کے پاس بھیجا جس میں ہدایت تھی کہ وہ کشمیری دروازے سے حملہ کرے اور بخت خاں خود اجمیری اور لاہوری دروازوں سے حملہ کرے گا مگر الٰہی بخش نے شہزادوں کو بھڑکایا کہ "بخت خاں پٹھان حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، جنگ و جدال تم کرو گے اور نام ہو گا بخت خاں کا۔" شہزادے اس کے بھڑکائے میں آگئے اور بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا۔ جب شکست کے بعد بہادر شاہ ہمایوں کے مقبرے میں مقیم ہوا تو بخت خاں مع فوج کے مشرق کی طرف جمنا کے کنارے آکر ٹھہرا اور بہادر شاہ سے ملنے کی درخواست کی۔ بہادر شاہ نے اپنے پوتے مرزا شہ بالا (پسر خضر سلطان) کو بھیجا کہ ملاقات کا منشا دریافت کرے۔ بخت خاں نے کہا کہ مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ خود بادشاہ سے کہوں گا اگر ان کے مشیر اور صلاح کار ملنے سے روکتے ہیں تو میرا سلام کہنا، میں جاتا ہوں مگر تمہارے باپ دادا بڑی غلطی کر رہے ہیں جو یہاں قبرستان میں پڑے ہیں۔۔۔۔" اس کے بعد بہادر شاہ سے ملاقات ہوئی جس کا حال اپنی جگہ پر بیان ہوا ہے۔

'اخبار الصنادید' مؤلفہ نجم الغنی خاں میں اصل نام محمد بخش خاں لکھا ہے اور 'تاریخ روہیل کھنڈ' (قلمی) مؤلفہ نیاز احمد خاں میں بھی یہی نام دیا گیا ہے۔ دہلی کی شکست کے بعد وہ بلبھ گڑھ ہو کر لکھنؤ چلا گیا۔ ۱۷ دسمبر کی ایک سرکاری رپورٹ (انٹیلی جینٹس ریکارڈ آف میوٹنی) میں بیان ہے کہ اس نے فرخ آباد میں فوج کی کمان کی۔ ۱۷ فروری ۱۸۵۸ء کی خبر یہ تھی کہ شاید وہ میراں گھاٹ اور نگرام میں ہے۔ اس کی عمر ساٹھ سال بیان کی گئی ہے۔ چالیس سال فوجی ملازمت کی لے

---

1. SEN : 83-86, 371

لے

COOPER : Crisis in Punjab 201.

BROUCHIER : Eight Months Campaigns.........44.

Foreign pol. Consultations-187

نیپال میں انقلابی رہنما

نیپال جانے والے معروف رہنماؤں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کچھ اور سردار جن کا ذکر سرکاری کاغذات میں ہے، یہ تھے:

احسن علی: ممّو خاں کا عزیز، بیلی گارد اور عالم باغ کی جنگوں میں شامل، بغاوت میں نمایاں حصہ

رانا امراؤ سنگھ: راجہ اکونا کا بھائی، گورکھپور میں سرگرم رہا

ٹھاکر رام غلام سنگھ: تعلقہ دار رام پور کیسہ

خان علی خاں: شاہ جہاں پور کا ساکن، بغاوت میں نمایاں

راجہ اودت پرکاش سنگھ: تعلقہ دار اکونا (بہرائچ)

راجہ جوتی سنگھ: تعلقہ دار چہردا (بہرائچ)، مارچ اپریل ۵۸ء میں گورکھپور کی جنگ میں شامل، نومبر ۵۸ء میں بھی جنگ میں شریک، بالا راؤ کے ساتھ رہا۔

کیپٹن امراؤ سنگھ: نمبر ۴۸ رجمنٹ اودھ کا صوبے دار، بیسواڑہ کا ساکن، برجیس قدر کے دربار میں اثر و رسوخ کا حامل

کیپٹن اوسان سنگھ: لکھنؤ میں ایک دستہ منظم کیا، بغاوت میں نمایاں

کوچک سلطان: بہادر شاہ کا بیٹا، شکست دہلی کے بعد لکھنؤ آیا اخبار "شعلہ طور" کانپور میں اار جولائی ۱۸۶۵ء خبر تھی کہ گرفتار کر کے سنگھا پور بھیجا گیا۔ (بحوالہ تاریخ صحافت اردو۔ ۱۴۱)

مرزا ابو (عباس): بہادر شاہ کا پوتا، غالباً شکست دہلی کے بعد لکھنؤ آیا

جنرل خدا بخش: دار روبی (دریاباد) کا زمیندار، بغاوت میں نمایاں، نواب گنج کی جنگ جون ۵۸ء میں کمانڈر، نان پارہ کی جنگ جنوری ۵۹ء میں شامل۔

جوالا پرشاد: کانپور میں خاص سرغنہ، دوندیا کھیڑہ کے قریب کا ساکن۔

ان کے علاوہ نظر علی۔ مادھو سنگھ۔ شیو درت سنگھ۔ گنگا سنگھ (بانگر مئو میں فیروز شاہ کا ساتھی) میجر گوپال۔ کیپٹن رگھوناتھ تیواری۔ بھگوان بخش۔ موہن سنگھ چودھری کیپٹن آنند سنگھ۔ سردار سنگھ رنجیت سنگھ وغیرہ بھی نیپال میں تھے۔

مولوی لیاقت علی

الہ آباد کی شکست کے بعد مولوی لیاقت علی کی مختلف مقامات پر سرگرمیاں بیان ہو چکی ہیں۔ سرکاری رپورٹوں میں انھیں "زبردست اثر و اقتدار کا آدمی" کہا گیا ہے۔

" A Man of Considerable Influence and Authority"

اندازہ ہے کہ وہ بھی نیپال گئے مگر زیادہ نہ ٹھہرے۔ مشہور ہے کہ وہ پنجاب اور کشمیر ہو کر ترکستان، بخارا اور ترکی بھی گئے۔ بعض بیانات کے مطابق سرحد۔ سندھ۔ بڑودہ اور ملتان میں بھی قیام کیا۔ ۱۸۵۹ء میں لاج پور ضلع سورت میں خفیہ مرکز قائم کیا اور دس سال قیام کیا۔ آخر کار سچائی ریلوے اسٹیشن پر بمبئی پولس نے گرفتار کیا اور الہ آباد لاکر مقدمہ چلایا گیا۔

انگریزوں کی تحریریں انھیں پیشہ ور اقوام سے بتاتی ہیں۔ ڈاکٹر سین نے بھی انھی روایتوں کی بنا پر پیشہ ور اقوام سے متعلق اور اسکول ماسٹر لکھا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بتایا ہے کہ شہری عوام میں بڑی عزت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا جو اُن کے بلند کرداری کی وجہ بھی تھی۔ اس عزت و احترام کا اعتراف بھی ثابت کرتا ہے کہ وہ پست اقوام سے نہیں تھے اور الہ آباد خصوصاً مہگاؤں وغیرہ کے باشندے بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ ڈاکٹر سین کا یہ بھی خیال ہے کہ فوجی قواعد اور انتظامی صلاحیت سے ناواقفیت کی بنا پر امن و انتظام اور قانون بحال کرنے میں ناکامی رہی۔ اُن کے ہی اثر کی وجہ سے الہ آباد میں عیسائی آبادی سلامت رہی[1]۔ معین الدین نے 'خدنگ غدر' میں لکھا ہے کہ وہ چھاؤنی کی مسجد میں رہتے تھے۔ سیرت اور ہر دل عزیزی کا اندازہ 'تاریخ الہ آباد' مؤلفہ مقبول صمدانی سے بھی ہوتا ہے۔ کتاب چونکہ انگریزی عہد (۱۹۲۷ء) کی تصنیف ہے اس لیے مؤلف کو ذرا سہم کر کہنا

---

1. SEN : 155 — لہ

پڑا ہے کہ:

"یہ شوریدہ سر فتنہ گر مولوی لیاقت علی باشندہ مہگاؤں پرگنہ چائل ضلع الہ آباد ہیں جن کے تقدس و اتقا کا شہرہ دور دور تک تھا۔ بغاوت کے شروع ہی سے ضلع الہ آباد کے اس علاقے میں جو مابین دو آب گنگ و جمن واقع ہے، اُن کا بڑا اثر تھا۔ وہاں کے آشفتہ مزاج شورش پسند خیرہ سر زمین داروں کو حسب روایات سرکاری ایک ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو قتل و خون و غارت گری و تاراج میں اُن کا پیشوا بن سکے۔ نظر انتخاب مولوی لیاقت علی پر پڑی۔ وہ بڑی آن بان اور بے پروایانہ تزک و احتشام سے کوچ کر کے الہ آباد آئے..... مگر میں نے بعض سن رسیدہ، ممتاز و فہیم مسلمانوں کو اُن کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتے ہوئے سنا ہے" ؎۱

ایس۔ بی چودھری نے لکھا ہے کہ ۵ جولائی ۱۸۷۱ء کو گرفتار اور ۲۷ جولائی ۱۸۷۲ء کو انڈمان بھیجے گئے ؎۲ وہیں ۱۸۹۲ء میں انتقال ہوا۔ انڈمان میں درس و تدریس اور اصلاحی کاموں میں وقت گزارا۔ آزادیٔ وطن کے بعد حکومتِ ہند کی طرف سے اُن کے تین نواسوں کا وظیفہ مقرر کیا گیا جن میں دو الہ آباد اور ایک احمد آباد میں تھا۔ اب اُن کا بھی انتقال ہو چکا ہے (۱۹۸۲ء)۔ مولوی صاحب کی بیٹی ۱۹۱۲ء تک زندہ تھی۔ نواسوں کی اولاد الہ آباد وغیرہ میں موجود ہے۔

نواب فرخ آباد اور بجنور وغیرہ

نواب تفضل حسین بن عنایت حسین نے فرخ آباد سے نکل کر اودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگوں میں شرکت کے بعد نیپال کا رُخ کیا مگر وہاں سے نکلنا پڑا۔ ۷ جنوری ۱۸۵۹ء کو ہتھیار ڈالے، فروری میں فتح گڑھ

؎۱ مقبول صمدانی: تاریخ الہ آباد ص ۲۲-۲۱

؎۲

2. CHAUDHURY : Civil Rebellion 312

Viscent Dictionary 567

لا کر مقدمہ اور سزائے موت تجویز ہوئی لیکن بعد میں عرب بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ انقلابیوں نے رہا کرانے کی کوشش کی چنانچہ ۹ مئی ۱۸۵۹ء کو پانچ سو آدمی اس ارادے سے مین پوری آگرہ سڑک پر آئے۔ ۱۴ جون کو گوالیار پہنچنے پر افواہ تھی کہ شہزادہ فیروز شاہ نے چھڑانے کی کوشش کی۔ اگست ۵۹ء میں عدن روانہ کر دیا گیا[1] نواب کے ساتھیوں میں چودھری محمد علی کو اپریل ۵۹ء میں گولی ماری گئی، نواب کے چھوٹے بھائی سخاوت حسین کو اور اقبال مند خاں اور غضنفر حسین وغیرہ کو پھانسی ہوئی۔ منیر شکوہ آبادی نے "دونوں شہید راہِ خدا آہ ہائے ہائے" سے تاریخ برآمد کی تھی۔

بجنور کے نواب محمود کو گرفتار کر کے قید کیا گیا مگر سزا ملنے سے پہلے ہی میرٹھ جیل میں انتقال ہو گیا۔ سرکاری کاغذات میں ایک جگہ ذکر ملتا ہے کہ ۱۹ جولائی ۵۹ء کو نواب نجیب آباد بمقام ڈھوکر (نیپال) میں فوت ہوا مگر نام نہیں دیا گیا۔

فرخ آباد اور باندہ کے انقلابیوں میں سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی (ولد سید احمد حسین شاد) گرفتار ہو کر انڈمان بھیجا گیا، چھ سال بعد رہا (۱۲۸۲ھ) بمقام رام پور ۱۲۹۸ھ میں وفات ہوئی، متعدد تصانیف مثلاً "منتخب عالم"، "تنویر الاشّ"، "نظم منیر"، "مثنوی معراج"، "اعلان حق"، "سراج المنیر" وغیرہ ہیں[2]

آگرے کے ڈاکٹر وزیر خاں کا تعلق بہار کے افغان خاندان سے تھا، انگلینڈ جا کر ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کی، عیسائی مذہب کا وسیع مطالعہ تھا، پہلے کلکتہ پھر آگرہ میں اسسٹنٹ سرجن (آگرے میں محلہ کاغذیان تاج گنج میں مقیم)۔ آگرہ میں پادری فنڈر سے مناظرہ کرایا (۱۸۵۶ء) مولوی رحمت اللہ کیرانوی نے پادری کو مناظرے میں شکست دی۔ ڈاکٹر وزیر نے

---

1. Freedom St. UP. Vol. 5, p. 953 — ؎۱

؎۲ شہابی: غدر کے چند علماء

بغاوت میں نمایاں حصہ لیا، آگرے سے دہلی اور پھر لکھنؤ میں قیام کیا۔ بغاوت کے بعد حجاز جاکر مولوی رحمت اللہ کے پاس قیام کیا۔ انگریزوں کی طرف سے حکمراں (سلطان عزیز) کو خط لکھا گیا مگر ایک عرب سردار نے کہا کہ جب میرے قبیلے کا بچہ بچہ کٹ جائے گا تب کوئی ڈاکٹر وزیر خاں کو ہاتھ لگا سکے گا۔ لہٰذا سلطان نے حکومت برطانیہ کو صاف انکار لکھ بھیجا۔ عمر طبعی پا کر وزیر خاں نے وفات پائی، جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ایک کتاب "تحریف انا جیل" (قلمی) تصنیف کی ہے[1] مولوی فیض احمد بدایونی نے آخر تک بریلی اور شاہجہانپور (۵۸ء) کے معرکوں میں حصہ لیا اس کے بعد لاپتہ ہو گئے۔

مولانا احمد اللہ کون تھے؟

مثنوی "سوانح احمدی" مؤلفہ فتح محمد تائب (قلمی) کی بنیاد پر انتظام اللہ شہابی نے اپنی کتابوں "ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء" اور "غدر کے چند علماء" میں لکھا ہے کہ ان کا اصل نام سید احمد علی عرف ضیاء الدین، خطاب دلاور جنگ مدراسی، جلال الدین عادل کے پوتے اور ابوالحسن تانا شاہ والی گولکنڈہ کے پڑپوتے تھے۔ ان کے والد محمد علی صاحب تھے، ٹیپو سلطانؒ اور نواب چینا پٹن (مدراس) سے۔ تقریباً ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت کے ساتھ فنون سپہ گری بھی سکھائے گئے۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں طبیعت امارت سے بیزار ہو گئی اور نوابی سے کنارہ کشی کی، سیاحت پر کمر باندھی حیدرآباد گئے اور نظام کی فوج میں تیغ زنی کے جوہر دکھائے۔ وہیں شادی ہوئی مگر اولاد نہ ہوئی، بیوی کا انتقال ہو گیا۔ مثنوی کے اشعار سے پتہ چلتا ہے بعض انگریزوں کی تجویز پر لندن روانہ ہوئے اور شاہِ انگلستان کے دربار میں گئے۔ واپسی میں حج کیا، ایران وغیرہ کی سیاحت کی۔ پھر واپس آکر بیکانیر کو پسند کیا اور سانبھر چلے گئے، جہاں چلہ کشی کی۔ بارہ برس گزار کر جے پور میں میر قربان علی شاہ سے

---

[1] شہابی: غدر کے چند علماء

فیض باطن حاصل کیا۔ نام سید احمد شاہ تجویز ہوا[1] ٹونک گئے، نواب وزیر الدولہ نے آؤ بھگت کی۔ وہاں وعظ کی محفلوں کے ساتھ ہی بعد عصر محفل سماع ہوتی تھی یہاں سے گوالیار جاکر حضرت محراب شاہ قلندرؒ سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ محراب شاہ نے تلقینِ جہاد کی۔ مثنوی میں ہے کہ

لیا اُن سے پھر امتحانِ جہاد　　کہ پہنچے نصاریٰ پہ تیغِ عناد

مرشد کی ہدایت پر دہلی آئے۔ علماء اور صوفیائے کرام سے تبادلۂ خیال کیا مگر مایوسی ہوئی صرف مفتی صدر الدین آزردہ نے کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور آگرہ جانے کا مشورہ دیا۔ لہٰذا آگرہ پہنچے، مفتی انعام اللہ خاں وکیل سرکار کے یہاں قیام کیا۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز تھا اور تمام علماء کی ان کے یہاں نشست تھی۔ ہر ایک نے انھیں عزت و احترام سے جگہ دی۔ مولوی فیض احمد بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ قوالی کی محفلیں جمنے لگیں، ذکر و فکر کے حلقے قائم ہوئے، ہندو بھی معتقد ہونے لگے۔ چنانچہ بابو بیجنی پرشاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کے بڑے معتقد تھے۔ محفل سماع کا خاص اہتمام ہوتا، مریدین پر توجہ ڈالی جاتی اور لوہے کے کڑھاؤ میں کوئلے کے انگارے بھرے رہتے وہ مجلس میں پھیلا دیئے جاتے، مریدین لوٹتے، آگ بالکل اثر نہ کرتی۔ شہابی لکھتے ہیں کہ میری پھوپی عمدۃ النسا زوجہ غلام غوث بے خبر الہ آبادی فرمایا کرتی تھیں کہ ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی توجہ تھی اور وہ اُن کے مرید تھے وہ بھی شریک محفل سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کوئلوں پر لوٹتے مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا[2] وعظ آپ کے بے پناہ ہوا کرتے۔ ہزارہا ہندو مسلمان شریک ہوتے، سننے والے بے قرار ہو ہو جاتے۔ مولانا سید طفیل احمد منگلوری نے کتاب "مسلمانوں کا روشن

---

[1] بعض دستاویزوں پر دستخط "سید احمد علی" ثبت ہیں۔

[2] اس طرح کی محفلوں کا ذکر لکھنؤ کے حالات میں بھی ملتا ہے۔

مستقبل میں لکھا ہے کہ آگرے کی تقریروں میں دس دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا پولس نے ایک موقع پر انھیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا ہفتے میں تیسرے دن قلعے کے میدان میں مریدین کو لے کر سپہ گری اور شہ سواری کی مشق کراتے۔ ان کا جلوس جمعرات اور جمعہ کو نکلتا خود پالکی میں ہوتے، آگے ڈنکا بجتا ہوا ہوتا تھا۔ اسی دوران جب مولاناؒ دورے پر باہر گئے ہوئے تھے آگرہ کے چند علماء اور مشائخ پر مقدمہ دائر کیا گیا جو بظاہر رشوت خوری کے الزام پر تھا مگر در اصل ان کی انقلابی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے تھا۔ یہ خبریں سعد الاخبار (۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۰ء) میں شائع ہوئیں۔ یہ واقعات 'ولسن گردی' کے عنوان سے ہم آگرہ کے حالات میں بیان کر چکے ہیں۔

۱۸۵۶ء میں جب پادری فنڈر سے آگرہ میں مناظرہ ہوا، مولاناؒ گوالیار ہو کر لکھنؤ جا چکے تھے مولاناؒ لکھنؤ پہنچے تو مریدین کی جماعت ہمراہ تھی۔ اس سے پہلے وہ کانپور گئے اور عظیم اللہ وغیرہ سے ملے پھر اناؤ ہو کر لکھنؤ گئے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی یہاں صدر الصدور تھے جو کچھ دن قبل مولوی امیر علی کے خلاف فتویٰ دے چکے تھے، آپ سے ملنے آئے اور ایسی گفتگو ہوئی کہ فوراً استعفیٰ دے کر الور چلے گئے اور انگریزوں کے دشمن ہو گئے۔ مولانا احمد اللہؒ سے عوام کو عقیدت بڑھتی ہی چلی گئی۔ مثنوی میں ہے کہ

نصاریٰ سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا

لکھنؤ سے فیض آباد پہنچے۔ یہ حالات اپنی جگہ بیان کیے جا چکے ہیں۔

شہابی نے جی ڈبلو فارسٹ کا یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ "وہ عالم باعمل ہونے کی وجہ سے مولوی روحانی طاقت کی بنا پر صوفی اور جنگی مہارت کی وجہ سے سپہ سالار تھا۔ ظلم طبیعت میں نہ تھا۔ مولوی فیض آبادی احمد شاہ نام تھا۔ ہر انگریز اسکو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا...... اس مولوی کو اکثر انگریز حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمالی مغربی صوبہ جات میں بظاہر مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکا تھا لیکن انگریزوں کے لیے یہ راز ہی رہا ایک عرصے تک وہ آگرہ میں مقیم رہا۔ حیرت انگیز اثر شہر کے باشندوں پر تھا...... عرصے بعد یقین ہو گیا کہ وہ حکومت کے

خلاف سازش کر رہا ہے.... اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا چونکہ یہ قابل اور ظلم کے دھبوں سے پاک تھا"۔

شہابی کا بیان ہے کہ لکھنؤ میں شہزادہ فیروز بخت خاں کوچک سلطان، مولوی لیاقت علی، مولوی سرفراز علی، میر اکبر علی وغیرہ ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور نواب گنج کے ایک باغ میں مورچہ بنایا اور مولاناؒ محلہ گھاس منڈی سے یہاں منتقل ہو گئے۔

حال ہی میں ابرار حسین فاروقی نے ایک کتاب "مآثر دلاوری" میں مولاناؒ کو نسباً فاروقی بتایا ہے۔ اس دعوے کی تردید میں ایوب قادری نے اپنی کتاب "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" میں جو کراچی سے شائع ہوئی، استدراک لکھا ہے لیکن معین الدین نے "خدنگ غدر" میں ایک نیا انکشاف یہ کیا ہے کہ "یہ اصل حقیقت میں اولاد خاندان امیر تیمور سے ہے۔ بہادر شاہ بادشاہ دہلی کا بھائی مرزا بابر جو اپنے باپ کے روبرو انتقال کر گیا تھا اس کا منجھلا بیٹا مرزا کامران تھا۔ مرزا کامران کا بیٹا یہ احمد شاہ ہے۔ اصل نام احمد شاہ تھا بعمر یازدہ سالہ اس احمد شاہ کو اس کے باپ شہزادہ مرزا کامران نے بہ سبب نہ پڑھنے سبق کے ایک تمانچا منہ پر مارا اس تمانچے کی غیرت سے ناراض ہو کر پوشیدہ نکل گیا..... بہ لباس فقیری بیس برس تمام اقلیموں کی سیاحت کی... ہفت زبان تھا۔ ملک مندراس میں تحصیل علم کیا"۔[1]

واجد علی شاہ پیدائش جولائی ۱۸۲۲ء تخت نشینی فروری ۱۸۴۷ء معزولی مارچ ۱۸۵۶ء۔ مٹیا برج کلکتہ میں نظر بند لیکن تحریک ۵۷ء کے شروع ہونے پر ۱۵ جون ۱۸۵۷ء کو فورٹ ولیم میں قید۔ ۹ جولائی ۱۸۵۹ء م ۷ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ کو رہا کیا گیا۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۸۷ء/۱۳۰۴ھ کو انتقال ہوا۔ انگریز مورخوں نے بدنام کیا لیکن غیر جانبدارانہ نظر سے جائزہ لیا جائے تو نہایت مرنجاں مرنج، منکسر مزاج، پابند مذہب، غیر متعصب، شگفتہ رو، خوش خلق، رحم دل اور غریب پرور تھا۔ شاہ کے انتقال کے بعد مٹیا برج کو تہس نہس کر دیا گیا۔

---

[1] معین الدین: خدنگ غدر ص ۱۰۷

نانا صاحب کی گم شدگی

نانا صاحب کو گرفتار کرنے کے لیے انگریزوں نے پوری کوشش کی مگر اُن کی گم شدگی ہمیشہ ایک سوالیہ نشان بنی رہی آج ہم پہلی بار مستند ذرائع سے یہ داستان بیان کر رہے ہیں۔

اپریل ۱۸۵۹ء میں نانا صاحب اور بالا صاحب سے صلح کے لیے خط و کتابت ہوئی۔ ۱۷/ اپریل ۵۹ء (۱۷/ رمضان ۱۲۷۵ھ) کے خط میں لکھا:

"تم نے سب کے جرم معاف کر دیئے اور نیپال کا راجہ تمہارا دوست ہے اس کے باوجود تم کچھ نہ کر سکے۔ تم نے سب کو اپنی حمایت میں لے لیا اور میں اکیلا رہ گیا ہوں لیکن تم دیکھو گے کہ وہ سپاہی جن کو میں دو سال سے محفوظ کیے ہوئے ہوں، کیا کر سکتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر مجھ جیسے اکیلے شخص کو برطانیہ جیسی طاقت ور قوم کا دشمن مان لیا گیا تو یہ تو میرے لیے باعثِ فخر و ناز ہے۔ میرے دل کی ہر تمنا پوری ہو گئی۔ موت تو ایک دن آنی ہے، موت سے کیا ڈر ـــــ"

میجر ریچرڈسن نے جس کو یہ خط ایک برہمن نے دیا تھا، جواب میں لکھا کہ "وکٹوریہ کا اعلان عام ہے اگر تم نے کسی انگریز کا خون نہیں کیا تو بے خوف آجاؤ۔" نانا صاحب نے وکٹوریہ کا دستخطی خط طلب کیا جس پر کسی تیسرے ملک کی مُہر ہو۔ اپنے خط (۲۵ اپریل ۵۹ء) میں لکھا تھا:

"جان یک روز کبھی جائے گی پر اس طرح عزت کھو کر کیوں مرنا۔ اور آپ سے اور ہم سے لڑائی فساد۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جب تک رہے گا ہم چاہے مارے جائیں چاہے قید
ہوں چاہے پھانسی، جو لکھا ہوگا سو ہوگا اور ہم سے جو
کچھ ہوگا سو تلوار سے ہوگا" [۱]

ہوپ گرانٹ کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

"تمہیں ہندوستان پر قبضہ جمانے اور مجھے غیر قانونی
قرار دینے کا کیا حق ہے؟ تمہیں کس نے ہندوستان
پر حکومت کا حق دیا ہے۔ تم فرنگی تو بادشاہ اور ہم اپنے
ملک میں چور اور ڈاکو ــــــ!"

کہا جاتا ہے کہ نانا صاحب کے خاندان کی کچھ عورتیں گوالیار میں آگئی تھیں اور کچھ نیپال میں رہیں۔ اکتوبر ۱۸۶۲ء میں اطلاع تھی کہ وہ کھوٹان کی پہاڑیوں میں ہیں۔ پرسیول لینڈرون نے اپنی کتاب "نیپال" میں بتایا ہے کہ نانا صاحب مادھو راؤ بھاؤ بھٹ کے دوسرے بیٹے تھے جس کی بیوی باجی راؤ کی رانی کی بہن تھی۔ نانا صاحب کے ہمراہ باجی راؤ کی بیوہ اور اُن کی بیوی کاسی بائی (بعض جگہ یہ نام سندر بائی یا کرشنا بائی بتایا گیا ہے) بھی تھی۔ خیال ہے کہ تانتیا ٹوپی بھی اُن کے ساتھ نیپال گیا لیکن بعد میں واپس آگیا۔ جنگ بہادر نے اپنا آدمی (کیدار نرسنگھ) انھیں لینے کے لیے بھیجا جس نے انہیں ایک گاؤں ڈیوندری میں (بینی گھاٹ کے قریب) پہنچایا۔ جنگ بہادر نے یہاں

---

[۱] یہ خط نیشنل آرکائیوز (نئی دہلی) میں موجود ہے۔ اخبار "بنگال ہرکارو" اور "انڈیا گزٹ"، مورخہ ۲۶ر اگست ۱۸۵۸ء کی خبروں میں بتایا گیا تھا کہ نانا صاحب نیپال میں ڈھور گڑھی سے ۱۸ میل دور ہیں اور بالا صاحب۔ اودگیر۔ بابا بھٹ۔ رتو تانتیا۔ گنگا دھر تانتیا۔ ببو خاں۔ شاہ علی۔ احمد اللہ۔ محمد اسحاق (شاہجہانپور کے) وغیرہ ہمراہ ہیں۔

پیغام بھیجا کہ "کاسی بائی اور دوسری عورتوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ میں تمہیں پناہ دے کر انگریزوں سے تعلقات نہیں بگاڑوں گا۔ اگر جنگ چاہتے ہو تو بتا دو۔ ہمارے گورکھے تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔"

کہا جاتا ہے کہ نانا کے ساتھیوں میں ایک کلیان جی نامی شخص بھی تھا جو سیہور کے ہرش رام شاستری کا بھائی تھا اور نانا کا ہم عمر تھا۔ دونوں کو شاستری جی نے ہی تعلیم دی تھی۔ نانا کے ساتھ اُن کی دو بیویاں بھی بتائی جاتی ہیں جن میں ایک کا نام سوئی بائی تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا شری دھر پیدا ہوا تھا۔ ان کے ہمراہیوں میں خان یقین شاہ، کوکتال شاہ، بلدیو سنگھ وغیرہ تھے۔ کلیان جی کی ڈائری اور ناناصاحب کے خطوط ان کے حالات سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

کلکتے کے سرکاری ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے عورتوں کو نیپال گورنمنٹ کی 'پناہ' میں دیدیا اور مغرب کی سمت چلے گئے (یہ پہلے بھی نظر سے گزرا ہے کہ "فوج نانا کو لے کر کشمیر روانہ ہوئی)۔ کھٹمنڈو کے سرکاری ریکارڈ سے عیاں ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں دھیر شمشیر سنگھ نیپال اور ترائی کے علاقوں میں انقلابیوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ جون ۵۹ء میں سردھی مان سنگھ نے جنگ بہادر کو خط لکھا کہ بالا صاحب بھی اپنی عورتوں کو نیپال گورنمنٹ کی پناہ میں دینا چاہتا ہے۔ جنگ بہادر کا جواب وہی تھا کہ وہ انگریزوں کا دوست ہے، جو کچھ کر سکتا ہے کرے گا۔ مشہور ہے کہ اُسی دوران بالا صاحب کی موت ہوئی۔ نانا کی موت کی بھی افواہ تھی۔ اکتوبر ۵۹ء میں ناناصاحب کی عورتوں نے جنگ بہادر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی کیونکہ وہ بیماریوں کا شکار تھیں اور کسی اچھی جگہ جانا چاہتی تھیں۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ناناصاحب دیوکاری کے مقام پر موت کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے یہاں اپنے کچھ زیورات بھی دس ہزار روپے میں فروخت کیے۔ انگریزی حکومت کی طرف سے

جنگ بہادر پر دباؤ ڈالا جا رہا تھا کہ وہ نانا کی موت کی تصدیق اور تحقیق کرے[1]۔ سیدھی مان سنگھ نے اس موقعے پر جواب میں لکھا کہ "میں آخر کیا کر سکتا ہوں۔ انگریز کس کی گواہی منظور کریں گے..." اس نے نانا صاحب کی موت کے ثبوت بھی فراہم کیے۔ یہ کچھ ہڈیاں (استو) تھیں جو اُن کی ماں نے بنارس میں دفن کرانے کے لیے بھجوائی تھیں۔ حکومت ہند کے فارن آفس (دفتر امور خارجہ) کے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رزیڈنٹ نیپال کرنل جی ریمزے نے اپنے خط (۸ر اکتوبر ۱۸۵۹ء) میں لکھا تھا کہ "کل شام جنگ بہادر کو خبر ملی کہ نانا صاحب ۲۴ر ستمبر ۱۸۵۹ء کو انتقال کر گئے مگر یہ خبر مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔" دسمبر ۱۸۵۹ء میں حکومت ہند نے سکریٹری آف اسٹیٹ لندن کو یہ خبر بھیجی اور کافی دن بعد یعنی ۷ر مئی ۱۸۶۱ء کو پھر نیپال کو خط لکھ کر کہا گیا کہ نانا کی موت کی افواہ اور عظیم اللہ خاں کی موت (شروع دسمبر ۱۸۵۹ء بمقام بھٹول) کی خبر کو اچھی طرح تحقیق کر کے جانچ کی جائے۔ جولائی ۱۸۶۱ء میں رزیڈنٹ نے رپورٹ دی کہ اگر نانا اب تک زندہ ہے تو یہ راز جنگ بہادر کے سینے میں دفن ہے۔ بعد میں ایک انگریز کے نوکر نے گورکھپور سے اطلاع دی کہ نانا زندہ ہے اور اس معاملے کو اخبار "فرینڈ آف انڈیا" نے پھر تازہ کیا۔ جنگ بہادر نے اس دوران نیپال کے

---

[1] نانا کے پاس بیش قیمت ہیرے جواہرات اور ایک نولکھا ہار تھا جو پیشوا سے ملا تھا، جس کی دنیا میں نظیر نہ تھی۔ یہ ہار جنگ بہادر کی نذر کر دیا گیا (یہ راز اب کھلا کہ جنگ بہادر نے کیوں انگریزوں سے کہا تھا کہ وہ نانا کو گرفتار کر کے دغابازی اور بے ایمانی نہیں کرے گا) اس کے علاوہ بے شمار ہیرے جواہرات بھی اسی بہادر کو دیئے گئے۔ نولکھا ہار ۱۹۰۱ء میں مہاراجہ دربھنگہ نے دیوا شمشیر سنگھ سابق وزیر اعظم نیپال سے خرید لیا۔ اب انہی کے خاندان میں ہے۔

رزیڈنٹ سے پُر اسرار گفتگو کی اور کہا کہ حکومت ہند ناناصاحب کو ڈھونڈنے کے لیے نیپال میں اپنے آدمی بھیج دے۔ اگر وہ کامیاب ہوئے تو میں نانا کو گرفتار کر کے حکومت کے حوالے کر دوں گا اور اگر وہ کامیاب نہ ہوں تو مجھے اودھ کے شمال مشرقی سرحد پر ترائی کا وہ علاقہ دیا جائے جس کے لیے پہلے انکار کر دیا گیا تھا۔ اس عجیب مطالبے اور بات چیت سے انگریزوں کے دلوں میں پھر شبہ پیدا ہو گیا۔ کرنل رمیزے نے رپورٹ بھیجی کہ جنگ بہادر نے کھٹول میں کچھ جائداد نانا کے خاندان کے ہاتھ چھتیس ہزار میں فروخت کی ہے۔ اور نانا بیراگی یا گوسائیں کے بھیس میں کسی محفوظ جگہ میں پوشیدہ ہیں۔ اس نے لکھا کہ دہلی سے ایک جوہری یہاں آیا جو بیگم حضرت محل اور ناناصاحب کے جواہرات کا اندازہ لگانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ جنگ بہادر خود جواہرات لے کر آیا اور جواہرات خریدے گئے۔ جوہری شکایت کرتے ہیں کہ کسی اور کو یہ جواہرات خریدنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

اسی زمانے میں کھٹمنڈو میں ایک فقیر آیا جو بتاتا تھا کہ مکتی ناتھ کے مقام پر دو اہم شخص موجود ہیں لیکن کرنل رمیزے نے حکومت ہند کو کسی مزید تحقیقات سے باز رکھا۔ ۴ ار اگست ۱۸۶۱ء کو ایک خط میں گورنر جنرل نے اس سلسلے میں کھٹمنڈو سے مزید تحقیقات بند کرنے کا حکم دیا۔ کرنل رمیزے کا خیال تھا کہ اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ ناناصاحب زندہ ہیں۔ رزیڈنسی کے ایک حولدار کو ایک فقیر نے بتایا کہ بالاصاحب کی موت کے بعد وہ کچھ دن ناناصاحب کے کیمپ میں رہا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ۱۵ ر نومبر ۵۹ء کے بعد تک ناناصاحب کے ساتھ رہا ہے (جبکہ جنگ بہادر نے نانا کی موت کی تاریخ ۲۴ ر ستمبر ۵۹ء بتائی تھی)۔ جنگ بہادر نومبر ۵۹ء میں ترائی کے علاقوں میں گیا اور تمام انقلابی سرداروں کو جمع کیا لیکن ناناصاحب نہیں آئے۔ وہ ترائی کے علاقوں میں تھے۔ جب انقلابی سردار جنگ بہادر سے ملنے

آئے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑیوں میں چلے گئے۔ کچھ دن بعد ایک اور پنجابی فقیر نے بتایا کہ اُس نے مکتی ناتھ جاتے میں نانا صاحب کے کیمپ میں اُن سے بات چیت کی ہے۔ یہ ڈھونگا گاؤں کا واقعہ ہے۔ جو کہ لام جنگ کے علاقے میں ہے (جنگ بہادر بطور وزیراعظم لام جنگ کا راجہ تھا) یہاں تین چار سو آدمیوں کا قیام ہے اور اجنبی لوگوں کے لیے پہرہ لگایا گیا ہے۔ یہاں اُس نے ایک شخص کو دیکھا جو مرہٹہ راجہ کہلاتا تھا۔ کیمپ کے لوگوں سے اُسے پتہ چلا کہ یہ نانا صاحب ہیں۔ اُن کے سپاہی فقیروں کے بھیس میں تھے۔ یہ کہانی اُس ریکارڈ سے مطابقت رکھتی ہے جو ٹھگی اور ڈکیتی کے محکمے کے کاغذات میں ہے۔ ایک تولدار جب گوداوری کے بارہ سالہ میلے میں گیا تو وہاں کے پجاریوں نے بتایا کہ نانا صاحب اِن پہاڑیوں میں مقیم ہیں۔ یہ وہی جگہ تھی جو پنجابی فقیر نے بتائی تھی۔ یہ مکتی ناتھ اور کماؤں کے درمیان کی پہاڑیاں تھیں۔ کچھ فقیروں کا بیان تھا کہ نانا صاحب فقیر کے بھیس میں ہیں اور لمبے بالوں کا جُوڑا بنا کر سر پر باندھتے ہیں۔ انگریز ابھی تک کھوج میں سرگرداں تھے اور ایک شخص کو مکتی ناتھ بھیجا گیا کہ وہ پتہ لگائے۔

جنگ بہادر نے بھی رزیڈنسی کے سرجن سے ایک ملاقات میں اقرار کیا کہ اگرچہ بالا راؤ کے مرنے کی خبر سچ ہے مگر نانا کی خبر شک و شبہے سے بالاتر نہیں ہے۔ اور یہ کہ وہ نیپال یا ترائی میں نہیں ہیں۔ اُس نے خیال ظاہر کیا کہ "دکن کو گیا"۔ کرنل رمزے کا اندازہ تھا کہ جنگ بہادر کے الفاظ "دکن کو گیا" بتاتے ہیں کہ وہ اس بارے میں اور کچھ بھی جانتا ہے۔ انڈین فارن سکریٹری کرنل ایچ ایم ڈورنیڈ کے پرائیویٹ سکریٹری ای۔سی بیلے نے دو آدمی کھوج لگانے کے لیے بھیجے جنہوں نے نومبر ۱۸۶۴ء میں رپورٹ دی مگر یہ بھی زیادہ قابلِ یقین نہیں تھی۔ اُنھوں نے بتایا کہ جنگ بہادر نانا کی عورتوں کو جنہیں کٹھمنڈو میں پناہ دی گئی ہے، اپنی بیویوں کی طرح رکھتا ہے اور وہاں جاتا رہتا ہے۔ یہ جگہ تھاپا

تھلی کے قریب ایک مکان ہے جو جنگ بہادر کے محل کے قریب باگ متی ندی کے کنارے نشیب میں واقع ہے۔ سال بھر میں ایک بار (جنوری فروری) کاسی بائی شورنت کے میلے کے موقعے پر کچھ بیراگیوں کو کھانا وغیرہ کھلاتی تھی۔ یہ خیال بے جا نہ ہوگا کہ وہ اس بہانے اپنے شوہر سے ملنے کا وقت نکالتی تھی۔ ٹھگی اینڈ ڈکیتی محکمے کے ریکارڈ سے پتہ لگتا ہے کہ کاسی بائی نے اندازاً ۱۸۶۶ء میں اپنے باپ سکھا رام کو نیپال بلایا اور عظیم اللہ خاں اس کے ساتھ گیا تھا۔ سکھا رام یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کی بیٹی سہاگن عورتوں کی طرح چوڑیاں پہنتی اور بندیا وغیرہ لگاتی ہے۔ عظیم اللہ نے ہندوستان لوٹ کر کانپور کے ایک چوکیدار گنیش کو بتایا کہ نانا صاحب زندہ ہیں اور جنگ بہادر کی حفاظت میں ہیں۔ کھٹنڈو میں بیگم کے کیمپ میں، جو قریب ہی تھا، یہ ذکر ہوتا رہتا تھا کہ روسی فوجیں آئیں گی اور نانا کو تخت پر بٹھایا جائے گا۔

۱۸۶۴ء میں ہندوستانی فوج کے دستوں کو جو آسام کی سرحد پر دیوان گری میں تھے خبر ملی تھی کہ نانا صاحب بھوٹانی فوج میں موجود ہیں۔ چھ سال بعد بھوٹوں کے گورنر کے ایک عزیز نے ذاتی معلومات کی بنا پر ان کے زندہ موجود ہونے کی اطلاع دی اور ۱۸۹۵ء کے شروع میں یہ قطعی طور پر خبر تھی کہ وہ ۵ مارچ کو اپنی رانی سے ملنے آئیں گے مگر اپریل تک اتیت بیراگی لوگ نہیں آئے۔ ایک اور اطلاع یہ تھی کہ نانا صاحب اتیت بیراگی کے بھیس میں یقیناً الہ آباد کمبھ میلے میں آتے رہے ہیں۔ اس طرح کہانیاں بھی بہت تھیں مگر اندازاً ۱۹۱۴ء تک نانا کے موجود ہونے کی افواہیں تھیں۔ ایک اور واقعہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ واقعہ ۱۸۹۵ء کا ہے۔ راج کوٹ سے تیس میل دور ایک مقام پر ایک بوڑھا فقیر جو سڑک پر غل غپاڑے کا باعث بنا ہوا تھا، گرفتار ہوا۔ دوسرے دن تھانے کا انچارج یہ خبر لے کر آیا کہ وہ نانا صاحب ہیں کیونکہ یہ بوڑھا شخص پاگلوں کی طرح جنگ بہادر کے وعدوں کو دہراتا تھا۔ اور سوتے میں بھی نیپال کی بات کرتا

اور اپنے پیشوا ہونے کا ذکر کرتا تھا۔ جب پولس افسر نے ناناصاحب کے حلیے کا ریکارڈ طلب کیا تو دیکھا کہ یہ قیدی کسی حد تک اُس سے مشابہت رکھتا ہے۔ تھانے دار نے فوراً کلکتے کو تار دیا کہ "نانا کو پکڑ لیا گیا، ہدایات بھیجیے۔" جواب یہ آیا کہ "فوراً چھوڑ دو۔" غالباً حکومت اس دھوکے کی پکڑ دھکڑ سے عاجز آچکی تھی اور ناناصاحب کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کی ساری اُمنگیں چالیس پچاس سال میں خاک ہو چکی تھیں۔ [۱]

سرکاری ذرائع کا بیان تو یہاں ختم ہوتا ہے لیکن ایک اور بیان مخصوص ذاتی معلومات کی بنا پر مختصراً یہ ہے کہ ناناصاحب اپنے چند ہمراہیوں مثلاً کلیان جی، کوتال شاہ، یقین شاہ اور بلدیو سنگھ وغیرہ کے ساتھ سیہور کے مقام پر (غالباً سوراشٹر) آ گئے تھے اور گوت میشور مہادیو کے پاس والی گپھا میں دیو یانند مہاراج کے نام سے یہاں رہے۔ اُن کا ایک بیٹا شری دھر تھا جسے کلیان جی نے اپنا بیٹا کہہ کر گردھر کے نام سے پالا اُس کی اولاد میں کیشو لال آج بھی سیہور میں رہتا ہے جس کے پاس ناناصاحب اور کلیان جی کے خطوط اور ڈائری وغیرہ ہے۔ ان خطوط سے نہ صرف کچھ نئے حالات روشنی میں آتے ہیں بلکہ بغاوت کی نوعیت اور وطنی جذبات بھی آشکار ہوتے ہیں۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ موقعہ ملنے پر آزادی کے لیے پھر جنگ کرنے کا پلان بنا رہے تھے۔ وہ گومتی ندی کے کنارے گپھا بنا کر رہتے تھے [۲] کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ناناصاحب کے ایک

---

[۱] LANDON (P) : Nepal. London, 1928 p. 170

MOJUMDAR (K) : Anglo-Nepalese Relation in 19th Century. p. 88-99.

[۲] اُن کے مختصر سامان میں پیشوائی پگڑی، دکشناورت شنکھ، اکھنڈ چرم اور بھوانی تلوار وغیرہ تھی۔ یہ تلوار گاؤں کے راج محل میں تھی اب نگر پالیکا کے دفتر میں ہے۔ باقی چیزیں مثلاً مالا اور چٹنی پیسنے کا پتھر کیشو لال کے پاس ہیں۔ یہاں ناناصاحب نوسادر اور گندھک وغیرہ سے دوائیں بنانے اور لکڑی پتھر پر نقاشی کا کام کرتے تھے۔

ایک ساتھی مورو پنت پٹیالہ، چترال اور سری نگر وغیرہ گئے تھے بعض جگہ انہیں کو نانا سمجھ لیا گیا۔ نانا صاحب اور ان کے ساتھی بھوپال اور اٹارسی وغیرہ ہوتے ہوئے ادھر آئے تھے وہ بتیول کے جنگلوں میں بھی دو مہینے رہے پھر اٹارسی، کھنڈوا، کالا کنٹر، رتلام اور کھمبات ہوتے ہوئے سیہور آئے۔ یہاں انھیں گھوگھا سی کی سات پوٹی بندرگاہ پر اتارا گیا۔ ان کا نام دیویانند مہاراج رکھا گیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں بڑودہ کے دیوان نے کلیان جی کو بلایا اور نانا صاحب کے بارے میں معلومات کی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ سوامی دیانند سرسوتی ان کے گرو تھے۔ اور انہیں کے مشورے سے (غالباً سمت ۱۹۱۲ میں) یہ طے کیا گیا تھا کہ موقعہ ملنے پر پھر بغاوت کی جائے۔ کلیان جی کی ڈائری سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، جو ایک نیا انکشاف ہے، کہ جب ہڈسن نے مغل شہزادوں کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کیا (ستمبر ۵۷ء) تو انھیں چھڑانے کے لیے نانا صاحب کے ساتھیوں نے وہیں جدوجہد کی جس کی وجہ سے ہڈسن نے شہزادوں کو قتل کر دیا[1] نانا صاحب کا یہ قول بھی انہیں کاغذات میں بیان کیا گیا ہے کہ

> "میں سارے دیش کی آزادی کے لیے جیا اور لڑا لیکن اِن دُشٹ
> رجواڑوں نے ملک انگریز کے حوالے کر دیا ورنہ فرنگیوں کی ہمارے
> سامنے کیا بساط تھی"

ایک خط سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دورانِ بغاوت میں بہادر شاہ سے جا کر ملے بھی تھے۔ نانا صاحب کی رائے تھی کہ انگریزوں کو نکالنے کے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے مسلح جنگ۔ ان کے پاس جب بھی ایک خزانہ محفوظ تھا جس کی مدد سے ایک بڑی فوج کو منظم کر کے جنگ کی جا سکتی

---

[1] شہزادوں کو چھڑانے کی جدوجہد کا ذکر بعض انگریزوں اور خود ہڈسن کے بیان سے ملتا ہے جسے عام طور پر شہزادوں کے قتل کرنے کا بہانہ سمجھا جاتا ہے لیکن اِن تصدیق کلیان جی کی ڈائری سے ہوتی ہے کہ نانا کے ساتھی یہاں موجود تھے۔

تھی۔ کاغذات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ خزانہ بڈنور کے مودی رام کے پاس ہے۔ اس کے بارے میں ایک نقشہ اور تفصیل بھی ان کاغذات میں ملتی ہے۔ آخر میں اُن کے ساتھ صرف بائیس آدمی رہ گئے تھے جو دمن بھجوا دیئے گئے نانا صاحب کے شبہے میں جو مختلف لوگ ۱۸۹۴ء تک گرفتار ہوئے اور چھوڑے گئے ان کی داستان بہت طویل ہے۔ ایک خبر یہ تھی کہ وہ مکہ اور قسطنطنیہ میں شہزادہ فیروز کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کرانے کا پلان بنا رہے ہیں۔ لے

لے ان حالات کے لیے یہ کتابیں اور مآخذ پیش نظر ہیں :

1. SEN : Eighteen Fifty Seven pp. 369-70, 392-93
2. LANDON (Perceval) : Nepal, Chapter 9.
3. GUPTA (P.C.) : Nana Saheb and Rising at Kanpure.
   19th Century. (1973)
4. MOJUMDAR (K) : Anglo-Nepalese Relation in

ھے اخبار 'ملاپ'، ۱۵ اگست ۱۹۵۶ء

لے رسالہ 'دھرم یگ'، (ہندی) ۹ مئی ۱۹۶۷ء

اہم دستاویزات اور سرکاری ریکارڈ

① دہلی کے سپاہیوں کا اعلان

سب ہندو مسلمان رعایا اور ملازم ہندوستانیکو افسران فوج انگریزی مقیم دہلی اور میرٹھ کی طرف دریافت ہوئے کہ اب سب فرنگیوں نے اسبات پر ایکا کیا ہے کہ اول سب فوج ہندوستانی کو بیدھرم کرکی پھر سب رعایا کو بزور تدبیر کرسٹان کرلیں چنانچہ ہم سب نی فقط دین کے واسطی معہ رعایا اتفاق کرکی کا فرزندہ نچھوڑا اور پادشاہت دہلی اس عہد پر قائم کیا کہ فوج اپنی فرنگیوں کو قتل کر کی اپنی اطاعت...... (کاغذ پھٹا ہوا ہے)... اطاعت کر کی ہمیشہ..... تنخواہ پاتی رہی سیکڑوں توپ...... (کاغذ دریدہ)... خزانہ ہاتھ آیا اب لازم یہ ہی کہ جسکو کرسٹان ہونا دشوار ہووے رعایا اور فوج ہر مقام کی ایک دل ہو کر ہمت کریں تخم انکافروں کا باقی نہ رکھیں اور جسقدر مصارف رسد رسانی فوج یان رعایا کا ہو دی اوسکی رسید افسران فوج سی لیکر اپنی پاس رکھیں دو چند قیمت سرکار پادشاہی سے ملی گی اور جو لوگ اس وقت میں بھی نامردی کریں گی یا ان دغابازوں کا فریب کہا کر انکی قول پر اعتماد کریں گی عنقریب اپنی کیی پر پشیمان ہو کر کف افسوس ملیں گی اور ثمرہ اطاعت کا مثل رئیس لکھنؤ کی پائیں گی لازم یہ ہی کہ سب ہندو مسلمان اس معرکے میں ایکا کر کی چند آدمی معتبر کی تدبیر سی بندوبست اپنی محافظت کا کرلیں جسکا انتظام اچھا ہوگا اور جسکی رعایا راضی ہوگی وہی عہدہ جلیلہ پر سرفراز ہونگی اور جہاں تک ہو سکی نقل اس اشتہار کی کرکی ہر مقام پر روانہ کرنا لازم ہی تاکہ سب ہندو مسلمان خبردار ہوشیار ہو جاویں اور مقام نمود پر اسکو آویزاں کرنا چاہیی اور اشتہار کی مشتہر کرنی میں بہت احتیاط لازم ہی...

ترجمہ:- تاکہ یہ راز کھل نہ جائے۔ اس اشتہار کا جاری ہونا خدا کی راہ میں تلوار کا پہلا وار ہے۔ اور تنخواہ سوار کی تیس روپیہ اور سپاہی کی دس روپیہ ہے۔ تقریباً سو ہزار آدمی جنگ کے لیے تیار ہیں اور انھوں نے انگریزی رجمنٹوں کے نشان (جھنڈے) پر قبضہ کر لیا ہے شہر کے آس پاس علاقوں سے چودہ جھنڈے اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ

اٹھائے گئے ہیں۔ کانپور اور الہ آباد سے ان شیطانوں کا جلد خاتمہ ہونے والا ہے۔
(اصل اردو اشتہار انگریزوں نے اگست ۱۸۵۸ء میں حاصل کیا)

(۲) عریضہ ٹھاکر بخش تعلقہ دار حسناپور

بنام سرکار اودھ مورخہ ۵ رشوال ۱۲۷۴ھ (۱۸ رمئی ۱۸۵۸ء)

کیفیت تعمیل حکم سرکار فیض آثار محکومہ پنجم شوال ۱۲۷۴ ہجری جو کہ فرماں بردار حاضر باش قدیم ہے اور ابتدا سے یعنی عرصہ برس روز شروع جنگ کفار و نکلے معہ جمعیت اسلاح بندان اپنے حاضر دار السلطنت لکھنؤ میں رہ کر جنگ وصف مقابلہ کفاروں کے مستعد رہا اور اب بھی ابتدا سے معہ جمعیت اپنے ہمراہ جناب راناصاحب خداوند نعمت جناب رانا بینی مادھو بخش صاحب بہادر دلیر جنگ کے حاضر ہے اور کبھی فرماں برداری و حاضر باشی سرکار فیض آثار سے بہبودی اپنی جانکر کوئی قصور ظہور میں نہ لاوے گا واجب جان کر عرض کیا۔ الٰہی آفتاب دولت و اقبال کا ہمیشہ روشن رہیو فقط

فرماں بردار ٹھاکر بخش سنگھ تعلقہ دار
حسناپور وغیرہ معروضہ ۲۶ رشوال ۱۲۷۴ ہجری

(۳) عرضداشت ولی داد خاں بہ حضور بہادر شاہ

بعز عرض برساند حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی شاہ جم جاہ
امروز نمک خوار معہ سپاہ قلیل برسر کافراں کہ بجماعت کثیر مقیم بلند شہر بودند تا فتت و قتال صعب رو داد غازیان بلا خیال کم و بیش آنچناں گولہ بازی و تفنگ اندازی کردند کہ مخالفاں راہ گریز بنمودند غازیاں تعاقب شاں تا یک کروہ کردند

زیادہ ازاں بباعث قلت سپاہ تعاقب نساختند و بسیار کافراں جاں بسلامت بردند وراہ میرٹھ گرفتہ فرداعات پس فردا معہ پلٹن گوراں و توپخانہ مقابلہ خواہند کرد ازانجا کہ ایں ملک بسیار ازا یرد تاحال زرسرکاری بذمہ کاشتکاران باقیست فرنگیاں ہرگز بدون قتل تولیش ازیں ملک دست بردار نخواہد شد وایں قبل عرائض متعدد بطلب پلٹن و توپخانہ نمک خوار ترسیل داشتہ لیکن تاحال فرمان والا شان معہ پلٹن و توپخانہ بغیر ایراد نیاورد اندریں صورت سخت حیرانم کہ کافراں بسیار وسپاہ من اندک از پلٹن گورہ چگونہ عہدہ براہی تواہد شد وایں ملک بردوکشت بسیار وخوں ریزی بیشمار بدست آمدہ است بسبب نہ رسیدن کمک مفت از دست خواہد رفت کمال سبکی غازیاں نمک خوار سرکار خواہد شد وقت از دست رفتہ و تیر از کمان جستہ باز بدست نمی آید وجاں نثار درجاں نثاری خود غدری نیست بہ نظر خیر خواہی حضور مجبور عرض میکنم کہ یک پلٹن و توپخانہ برائے کمک بزودی امداد شود تا تاریخ بستم ایں ماہ شوال بمقام مالاگڑھ رسد تاکہ دمار از سر کافراں برآرم وزدہ زدہ تا میرٹھ و از میرٹھ بقدم بوسی حضور حاضر شوم واگر تعویق در رسیدہ کمک خواہد شد نوبت بجانہ ام خواہد رسید و باز حضور والا را تاسف خواہد شد۔

الٰہی آفتاب دولت اقبال تاباں و درخشاں باد

مہر عظیم الدولہ ممتاز الملک

محمد ولیداد خاں بہادر نصیر جنگ

معروضہ ۱۸ ر شوال ۱۲۷۳ھ

(م ۱۱ ر جون ۱۸۵۷ء)

(۴) عرضداشت ولی داد خاں بخدمت بہادر شاہ

زیں قبل عرضداشت بطلب فوج بحضور لامع النور ترسیل کردہ ام یقین کہ بملاحظہ اقدس گذشتہ باشند تا حال کمک عنایت نشدہ وحال اینجا از بس ابتر و خراب زیرا کہ تحصیل زر مالگذاری معطل شدہ بیکار نشستہ ام قوم جاٹ فرنگیاں را بخانہ خود تشلا اینیدہ بلوہ کردہ اند و ملک شاہی را تباہ و بربادی رسانند تا بمقدور خود دفع شر مفسداں میکنم لیکن از صرف روز مرہ بہ تنگ آمدہ ام و نہ خبری ارسال حضور کردم۔ اکنوں نوبت کار بہ استخواں رسیدہ۔ بجز دستگیری حضور اقدس ایں کار دشوار آساں شدن نمی تواند حالا فوج بریلی عبور دریائے گنگ نمودہ مقیم قصبہ کدہ مکسر است فرمان والا شان بنام فوج مذکور صادر گردد کہ ازیں فوج موافق حکم شاہی براہی ہر قدر کہ صادر باشد نزد فدوی ماند فدوی بخوبی تمام رسد رسانی فوج شاہی متعینہ خود خواہد کرد و تنخواہ فوج ماہ بماہ خواہد داد و بعد رسیدن فوج سرزنش مفسداں کردہ و فرنگیاں و حاماں را قتل و غارت نمودہ۔ کار تحصیل شروع نماید و از زر تحصیل گذر اوقات خود کند و باقی از بہ حضور والا ترسیل نماید۔ الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد۔ حد ادب۔

۲۹ شوال ۱۲۷۳ھ (م ۲۲ جون ۱۸۵۷ء)

(۵) عرضداشت دلجیت سنگھ تعلقہ دار بودھی پور (دھمیڑی)

بنام احمد اللہ شاہؒ مورخہ ۷ ؍ شعبان ۱۲۷۴ھ (۲۲ اپریل ۱۸۵۸ء)

حکم نامہ قدر توامہ مشعر سکونت داشتن بہ اطمینان تمام در دیہہ و در خانہ وانداشیہ نہ کردن بنوعے وارسال داشتن واصل باقی بقید تفصیل زر مدخلہ و ارشاد کمک و اعانت

فرمودن سرکار ہر کام ..... مورخہ ہفتدہم شعبان المعظم ۱۲۷۴ھ شرف نفاذ یافت سرفرازی فراواں و جمعیت بے پایاں بخشید خداوندا صورت ایں است کہ در علاقہ متعلقۂ غلام زر مالگذاری چہدا سنگہ تحصیلدار کہ از طرف راجہ گور بخش سنگہ تعلقہ دار رام نگر دھمیڑی مقرر بود از اسامیاں تحصیل کردہ گرفت وآنچہ کہ مبلغاں در علاقہ ذمہ آسامیاں باقی ماندہ گنگا بخش سنگہ تفریقدار تحصیل کردہ گرفت و علاقۂ غلام راجہ گور بخش سنگہ مذکور سپرد گنگا بخش سنگہ وغیرہ کردہ داد غلام محض بے دخل گردید الحال گنگا بخش سنگہ مردمانِ گوبارسہ چہار صد فراہم کردہ مستعد بر ہلاکت غلام است از باعث ہمراہ رفتن ملازمان حضور والا بر دروازۂ او تفریقدار مذکور را زیادہ بر عداوت وکاوش پیدا شدہ و غلام را بہر کیف تقویت وطمانیت قدم حضور والا است سرکار اگر بحرِ امدادِ غلام فرمائیند البتہ جاں بری غلام متصور است و نواہ سرکار کدامی کارندہ مقرر شدہ دریں جا بیاید غلام انچہ از سرکار دریں علاقہ باقسیت تحصیل کرانده دہد و بدوں اعانت سرکار غلام چنداں جمعیت ندارد کہ از گنگا بخش پیش رفت نماید چراکہ تفریق دار مذکور اہلِ مقدور و جمعیت موفور دارد و غلام را فقط طاقت از تفقدات سرکار است اگر حکم شود غلام معہ مردماں موجودہ حاضر خدمت ماند ازیں جا چہ خورد در علاقہ دخل نمی باید و در خانہ ماندن دشوار است ہر روز گفتہ می فرستد کہ امروز محاصرہ کردہ بقتل خواہم رسانید واجب دانستہ بعرض والا رسانیدہ فقط

عرضی خانہ زاد دلجیت سنگھ

(۶) عرضی قادر بخش داروغہ میگزین بنام احمد اللہ شاہؒ

مورخہ ۱۸ر شعبان ۱۲۷۴ھ (۳ر اپریل ۱۸۵۸ء)

از انجا کہ ایں خادم بسبب ہنگامہ و یورش کفاراں از شہر لکھنؤ جلا وطن

شدہ متعلقاں را بجائے حفاظت رسانیند و در سرائے آغا میر رتقدرکہ میگزین بہ امکان فدوی حاصل بود بہ حضوری والا رسانیند و بجا آوری حکم والا بجا آوردم و ہزاراں روپیہ را مال حساب در شہر لکھنؤ گذاشتہ رفت طوریکہ نوبت چیست چہ عرض سازم جایکہ قیام گریزہ ہستم جملہ قوم مسلمین ..... السلام رئیس اند عنقریب جملہ صاحبان بنا بر جنگ کفاراں حاضر حضور میشوند لہٰذا امیدوار فضل وکرم کہ جواب عرضی و یک قطعہ حکمنامہ بنام ناظم خیرآباد در باب میگزین عنایت کردہ کہ ہر قدر کہ میگزین در علاقہ خیرآباد ممکن شود صد باب آں نمودہ تلاش کردہ قریب حاضر حضور سازم و بنظر عنایات دستگیری کہ من خادم قدیم وابستہ دامن دولتِ حضور است از روداد کیفیت شہر لکھنؤ و مجمع شدن افواج جنگی و تعلقداران ایں فدوی را اطلاع بخشند دریں ولا باستماع رسید کہ تعلقداراں علاقہ بیسواڑہ و سلطانپور در شہر لکھنؤ رسیدہ قتل کفاراں نمودند و مورچہ در عیش باغ قرار گرفتند بسمع خوش خبری بایں طور جملہ زمینداراں و تعلقداراں تیاری حاضری حضور دارند زودی جواب جملہ عرائضات کہ بخدمت فیض درجت عرض کردہ اند مرحمت بشود کہ خود را جلد بہ نیازہ قدم بوسی پایہ آستان عالی رسانم واجب بود عرض نمودہ۔

کمترین خادم قادر بخش داروغہ میگزین

(۷)

مہر

خط راجہ جے لال سنگھ بنام رامیشور بخش تعلقہ دار ملاؤاں

۱۲ر ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ (۳ر اگست ۱۸۵۷ء)

زبدۃ الامرا راو مسر بخش تعلقہ دار ملاواں بعافیت باشند با اظہار ٹھاکر گمان سنگہ تعلقہ دار رام پور واضح شد کہ مردمان راجہ ہر پرشاد سنگھ چکلہ دار خیرآباد بمقدمہ اسباب

انگریزی تعرض نمی نماید لہذا دو نفر حاضر داران ماموز شدہ می رسند...... بغور صدور نوشتہ ہذا اسباب انگریزی را ہمراہ حاضر داراں با اہتمام ٹھاکر مذکور و نیز بحفاظت مرد ماں ہمراہی خود و مردم چکلہ دارا رسال سرکار فیض آثار رسانند و مرد ماں چکلہ دار مذکور را باید کہ از مزاحمت باز آید تاکید مزید دانستہ۔

(۸) خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہؒ

۱۲ شعبان ۱۲۷۴ھ (۱۶ اپریل ۱۸۵۸ء)

بعز عرض ________________ می رسانند

چار قطعہ حکمنامہ فیض توامہ ایک[1] تبیح مقدمہ بھیجنی دو ہزار روپیہ کے اور دوسرا[2] بمقدمہ ادائگی مخبراں اور تیسرا بطلب اونٹوں اور ہاتیوں کے اور نہیں حاضر ہونی فدوی کے اور چوتھا بطلب بہاری لال عامل محمدی صادر ہوا سرفراز و ممتاز کیا جواب حکمنامہ اول کا یہ ہی کہ یہ روپیہ منجملہ رقم موعودہ محمد یوسف خاں کلکٹر کے طلب ہی یا فدوی سی حضور طلب فرماتی ہیں مفصل اطلاع ہو کہ مطابق اوسکے تدبیر کی جاتی۔ اور جواب دوسری حکمنامے کا یہ ہی کہ تینوں مجرم مقید بحفاظت مرد ماں پلٹن فعفور حضور میں روانہ کی جاتی ہیں یقین ہے کہ کل پہونچیں اور جواب تیسرے حکمنامے کا یہ ہی کہ بمجرد صادر ہونی حکمنامہ حضور کی دو سوار بطلب ہاتیونکی صدر پور کو کہ وہاں ہاتھی سرکاری پرائی پر ہیں بھیجی گئی ہیں۔ جس وقت آئیگی فوراً روانہ کروں گا اور جواب چوتھے حکمنامے کا یہ ہی کہ بہاری لال عامل محمدی بسبب باقی رہنے تنخواہ کے فوج متعینہ محمدی میں مقید ہی اور آنا جانا اوسکا اونہیں لوگونکی اختیار میں ہے اس صورت میں فدوی مجبور ہی...... اور زبانی ہرکارہ کی دریافت ہوا کہ انگریزاں لکھنؤ کا قصد تاخت باڑی کا بہت جلد ہی زبانی کڈرکی جو فوج کے ہمراہ ہے یہ مفصل حال اوسنے سنا لہذا گزارش

ہے کہ خیال اس امر کا ملحوظ خاطر مبارک ہو کر بخوبی حفاظت اور تدارک کیا جاوے
از جانب فدوی محمود علی مرید با اعتقاد آداب و تسلیمات قبول ہو۔

(۹) خط کاظم علی بخدمت احمد اللہ شاہؒ

مورخہ ۱۰ر شعبان ۱۲۷۴ھ (۵ر اپریل ۱۸۵۸ء)

بعز عرض ______________________ محارسانند

آج کی دن فوج تعیناتے محمدی کے مع عامل محمدی داخل محمود آباد کے ہوئی اور
قریب چہار ہزار کی جمعیت ہی اب حضور بھی اگر قصد آگے بڑ ہنی کا فرمائیں تو بہت
مناسب ہے اس صورت میں ایک مرتبہ اور حضور تشریف بہٹولی کڑی راجہ کور بخش
سنگھ تشریف لے چلیں اور وہاں چلکر فوج ملازم اور مردم تعلقہ دار ہر طرف واسطی تدارک
کفارونکی مقرر فرمائیں تو لڑائی بندوبست کے ساتھ ہو بس جس دن حضور قصد اوہر
تشریف لانے کا کریں تو ایسی اطلاع بہیجی کہ فدوی اپنی تن خواہ منشی محمود علی کو روانہ
خدمت مفید رحمت کا کرے۔

(۱۰) خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہؒ

۱۸ر شعبان ۱۲۷۴ھ (۱۳ر اپریل ۱۸۵۸ء)

بعز عرض ______________________ محارسانند

اونٹوں کی تلاش بہت کی گئی مگر بہگولی میں بہم نہ پہونچی مگر زبانی منشی محمود علی
صاحب ضرورت ہاتیوں کی بھی سنی گئی سو ہاتی بہیجنی میں پہونچیگی اور رسالہ جنگی سی واسطی
حضوری خدمت عالی کے تاکید کی گئی لیکن اونہوں نے عذر کیا کہ جب سب سوار مجتمع
ہو نگے تب ہم حاضر ہو نگی اور گولہ انداز توپخانہ نصیر آباد بہی توپونکی لیجانی پہ راضی نہیں

ہیں اور فدوی ہمراہ سواروں کی حاضر حضور ہوتا مگر مہاجن شاپور کا ابھی تلک نہیں آیا ہی یقین ہی کہ کل تک آجائیگا جو امر کہ اوس سے طے پائیگا اطلاع کرونگا اور اگر ارشاد ہو تو بدون آئے ہوئے اوسکے حاضر ہوں۔

(۱۱) خط سید کاظم علی بخدمت احمد اللہ شاہ

۱۴ر شعبان ۱۲۷۴ھ (۱۰ر مارچ ۱۸۵۸ء)

حکم نامہ حضور کا بطلب اسپ و میگزین و دیرہ وغیرہ پہونچا سرفراز و ممتاز کیا آپ پر خوب روشن ہے کہ جس طرح پر لکھنؤ سی نکلنا ہوا کہ سوائی ایک جوڑہ کپڑے کے جو بدن پر تہا کسی کے پاس کوئی چیز نہیں تھی اور اب بہی اس طرح کی بے سرو سامانی ہی کہ قابل بیان کے نہیں ہی باوجود اسکی بجا آوری ارشاد میں بسر و چشم حاضر ہیں اور جو کچھ ہو سکتا ہی خدمت عالی میں روانہ کیا جاتا ہے چنانچہ ایک گہوڑی خاصہ کی کہ لوٹ سے بچ رہی تہی ہمراہ عبدالرحیم کے روانہ کی تہی اور سامان میگزین کا بخدا کہ مطلق نہیں ہے مگر فیض آباد وغیرہ سے شورہ اور گندہک طلب کیا ہی جس وقت باروت وغیرہ تیار ہوگی فوراً بہیجدی جائیگی اور خیمہ وغیرہ اس ساماں میں کہاں ہی ورنہ ہرگز بہیجنے میں تامل نہوتا اور حضور پر ظاہر ہی کہ ہم لوگ خادم اور تابعدار حضور کی ہیں اور جان و مال ہمارا آپ پر فدا ہی مگر کیا کریں کہ آج کل کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی ہی حال ہماری پریشانی اور بی استطاعتی کا حضور پہ سب روشن ہے حاجت عرض کی نہیں ہی فقط

پیشانی پر تحریر:

حکم ہوا کہ جیسے کرے ویسے بہرے ہمکو کچھ پرواہ

کسے سے نہیں ہے خدا کا فضل درکار ہی۔

۱۸ر شعبان ۱۲۷۴ھ ہجری

(۱۲) خط سید کاظم علی بنام احمد اللہ شاہؒ

جناب فیضماب شاہصاحب۔ خداوند نعمت پیرو مرشد برحق خلیفۃ اللہ شاہ احمد اللہ دام فیضہم

بعز عرض ــــــــــــــــــــــــــــــــــ می رساند

متواتر سنا گیا اور معتبروں نے آکر یہاں کہا کہ چودہری تلکٹ گنج نے بہت سی رسد واسطے انگریزوں کے جمع کی ہی اور کر رہا ہی لہذا گذارش یہ ہی کہ حضور ایک رسالہ سواروں کا بھیجکر جسقدر سامان رسد وغیرہ کی وہاں جمع ہوا ہی اوٹھوا لیجئے اور چودہری ناعاقبت اندیش کو جو سزا مناسب ہو دیجئے زیادہ حد ادب۔

عرضی سید کاظم علی

۱۲ر شعبان ۱۲۷۴ھ (۲۸ر مارچ ۱۸۵۸ء)

(۱۳) خط کاظم علی بنام احمد اللہ شاہ

بعز عرض ــــــــــــــــــــــــــــــــــ می رساند

آج جو سوار کہ واسطے یعنی ہاتیو نکی گئی تہی آئی اور اونکی زبانی معلوم ہوا کہ وہ ہاتہی بہٹولی کو گئی لہذا ایک خط بطلب ہاتیونکے بہٹولی کو پاس علی محمد خاں داروغہ کی بہیجا ہی جس وقت آئیگی فوراً روانہ حضور کرونگا اور واسطے یعنی خیمہ جن سوارونکو کہ بہیجا تہا وہ آج پھر آئی کل اور سوارونکو وہاں بہیجونگا اور باقی حال زبانی حبیب اللہ خاں رسالدار کی مع سولات رسالہ اپنی کی حاضر حضور ہوتی ہیں مفصل دریافت ہوگا زیادہ حد ادب۔

الٰہی آفتاب فیض و مکرمت طالع و باد از جانب فدوی محمود علی آداب و تسلیمات قبول

۲۲ر شعبان ۱۲۷۴ھ
(۷ر اپریل ۱۸۵۸ء)

(۱۴) خط سید کاظم علی بہ خدمت احمد اللہ شاہؒ

جناب فضیلت مآب شاہ صاحب خداوند نعمت پیر و مرشد برحق خلیفۃ اللہ شاہ احمد اللہ دام اقبالہم

بعد عرض ــــــــــــــــــــــــــــــــــ می رساند

حکمنامہ سرکاری کہ بنام مشیراں جناب بیگم صاحبہ کی تہا اوسیوقت پاس بیگم صاحبہ کے بہجوادیا گیا جس وقت جواب اوسکا آئیگا فوراً روانہ خدمت عالی کرونگا اور فہرست ضروریات کی جو ملفوف حکم نامے کے تہی وہ بھی بہیجدی گئی ہی ایک گھوڑا موجود ہے مگر چار جامہ وغیرہ اسباب اوسکا نہیں ہی جناب بیگم صاحبہ کو اطلاع کی گئی ہی بروقت آنے اجازت کی خدمت عالے میں بہیجدیا جائیگا مگر رقعہ مہری آپ کے اور ایک آدمی معتبر درکار ہی کیونکہ پہلا گھوڑا جو سوار کے ہاتہ بہیجا گیا تھا معلوم ہوا کہ آپ تک نہیں پہونچا اس واسطے گہوڑے کی بہیجنے میں تامل ہی اور فوج جس قدر آتی جاتی ہی حضور کی خدمت میں بہیجتا جاتا ہوں زیادہ حد ادب

عرضی فدوی سید کاظم علی کارندہ علی محمد خاں
۹ر ماہ شعبان ۱۲۷۴ھ ہجری

(۱۵) عریضہ سید کاظم علی بنام احمد اللہ شاہؒ

جناب شاہ صاحب پیر و مرشد برحق

بعد عرض ــــــــــــــــــــــــــــ می رساند

تین شخص گوئندہ انگریزی گرفتار ہوکر آئی ہیں سو یہاں محمود آباد میں قید ہیں

اگر ارشاد ہو حضور کی خدمت میں روانہ کروں یا جیسا حکم ہو ویسا عمل میں آئی۔ زیادہ حد ادب
از جانب فدوی محمود علی آداب و تسلیمات قبول باد فقط

فدوی سید کاظم علی
۱۹ شعبان ۱۲۷۴ ہجری (۴ اپریل ۱۸۵۸ء)

اس کی پیشانی پر یہ حکم لکھا ہے:
حکم نامہ بنام سائل جاری ہو کہ تینوں گوئیندہ کو فی الفور حراست چالان کرے ایسا نہ
ہو کہ فرار ہو جاویں۔ ۲۰ شعبان

(۱۶) عریضہ علی محمد و سید کاظم علی بہ خدمت احمد اللہ شاہ

(۲۶ مارچ ۱۸۵۸ء)

بہ عرض شاہ صاحب خداوند نعمت پیر و مرشد برحق خلیفۃ اللہ شاہ احمد اللہ دام فیضہم می رساند

حکم نامہ فیض خامہ محکومہ نہم شعبان ۱۲۷۴ھ ہاتھ شتر سوار کے پہونچا سرفراز و ممتاز کیا
واسطے بھیجی گھوڑوں کی ارشاد ہوا تھا اوسکی صورت یہ ہے کہ جس قدر گھوڑی سرکاری تھے
راہ میں جس شخص نے پائے لے لیے چنانچہ سات گھوڑی اور ایک گھوڑی راجہ ڈرگ بجی سنگھ
تعلقدار مہونا کی پاس ہیں اور ستائیس گھوڑیاں تلنگا پلٹن لونی نے رکھ لیں چنانچہ اونکی
واسطے حضور میں عرض کر بھیجا تھا کہ آپ وہ گھوڑیاں تلنگوں سے طلب کر لیں یقین ہے
کہ آپ نے منگوالی ہوں اب سرکار میں فقط تین چار بچھڑی کہ قابل سواری کے نہیں
ہیں اور ایک گھوڑی گابھن باقی ہیں مگر راجہ ڈرگ بجی سنگھ کو لکھا ہے کہ دونوں گھوڑا
اور گھوڑی بھیج دیں مگر ابھی تک اوسنے نہیں بھیجی ہیں جس وقت بھیج دیگا ایک گھوڑی
حضور کی سواری کے واسطے بھیجدونگا اور جو حضور نے فدوی کو مع جمعیت طلب فرمایا ہی

شکل اوسکی یہ ہے کہ ابھی تک کچھ لوگ یہاں جمع نہیں ہوئی ہیں اور جو تھوڑی بہت آئی ہیں اونکو خدمت عالی میں روانہ کیا اور جس وقت جمعیت کثیر بہم پہونچی گی فدوی خود حاضر ہوگا ابھی یکہ و تنہا کیا حاضر ہو۔ اور آپ کے پاس تو عنایتِ خداوندی سے جمعیت کثیر اور سنا کہ آٹھ ہزار آدمی خیرآباد سی آپ کے ہمراہ آئی ہیں اس صورت میں امیدوار ہوں کہ آپ اب ــــ (ترجمہ) یاری سے آگے بڑھیں گے اور ہمارے دین کے ان دشمنوں کو قتل کریں گے جنہوں نے لکھنؤ میں بھرتی شروع کردی ہے۔ آپ کی فتح ہوگی مجھے اپنا وفادار جانیں ہم یہاں آپ کی عنایت کے بھروسے پر مقیم ہیں۔ اپنے وفادار مرید علی محمد کی جانب سے احترام و آداب قبول کیجئے۔

(۱۷) عریضہ دلجیت سنگھ علاقہ پدی پور بہ خدمت احمد اللہ شاہؒ

بعرض بندگان جناب عالی متعالی شاہ صاحب خداوند نعمت و ناصر زماں حاتم دوراں رستم زماں دام اقبالہم و افضالہم۔

خداوند نعمت سلامت خانہ زاد موروثی از ہمیشہ خیرخواہی سرکار ابد قرار ساختہ و پرورش و تفصیلات ملازماں سرکار معلی بر جانب غلام دوام ماندہ چنانچہ فی الحال امری خیرخواہی دیدہ بالتماس بندگاں جناب ہمایوں می پرواز کہ گنگا پرشاد برادر زادہ ساہو بہاری لعل مہاجن لکھنؤ کہ از عرصہ دریں علاقہ مع متعلقان و زر کثیر گریختہ آمدہ بودند اول چندے در فتحپور قیام داشتہ بعد ازاں ہنگام آمدن کفاراں در کرسے ساہو مسطور امروی دریائی بعلاقہ رام پور گریختہ رفتہ اقامت در زیدہ چنانچہ دی روز ساہو مذکور متعلقان و زر کثیر باارادہ رفتن لکھنؤ برائے حصول ملاقات کفاراں در شاپور متعلقہ فتحپور بخانہ گنگا پرشاد رسید او فروکش شدہ اند یقین است کہ در دو یک روز بلکہ در صبح شام عازم لکھنؤ شوند چوں ہرگاہ نامبردہ در لکھنؤ رسیدہ و دو چہار لک روپیہ بہ کفاراں دادہ زیادہ

تر تقویت بادشاں خواہد شد لہذا عرضی ساخت کہ اگر ملازماں عالی را دو چہار ملک روپیہ در نیوت گرفتن منظور مزاج مقدس باشد بر فور ملاحظہ عرضی ہذا ہزار پانصد کس مردم سوار و پیادہ را اجازت بخشند کہ اوشاں بلا تامل در شاپور مذکور بر مکان کنگا بخش مزبور آمدہ و محاصرہ کردہ برادر زادہ ساہو صاحب را لکھنؤ رفتن ندہند و زر کثیر حسب دل خواہ از اوشاں بگیرند برائے اطلاع بعرض برداختہ آئندہ سرکار مالک..... است

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد

خانہ زاد

دلجیت سنگھ تعلقدار بدی پور وغیرہ

متعلقہ علاقہ رام نگر دھمیڑے

(۱۸) عریضہ تعلقدار (؟) بہ خدمت احمد اللہ شاہؒ

دو قطعہ اشتہار نامہ کی بایں مضمون کہ سرکار فیض آثار نے عیوض شریک ہونے معرکہ کارزار اور قتل کرتے انگریزاں نابکار کے کہ نصف جمع علاقہ کے پانچ برس تک بابت شراکت کے ہر زمیندار اور تعلقدار کو معاف فرمایا ہے چنانچہ جو شخص کہ شریک سرکار ہو کر لڑائی میں حاضر رہے اونکو آدھی جمع اس سال میں معاف ہو کر انکی جمع مالگذاری سے منہا ہو کر اور چار برس تک آئندہ معاف اور منہا ہوتی رہیگی اسواسطے اشتہار دیا جاتا ہے کہ جو شخص تعلقدار خواہ زمیندار علاقہ بیسواڑہ کا شریک فوج سرکار کے اور رانا بینی مادھو بخش بہادر دلیر جنگ کے ہو کر انگریزوں کو قتل کریگا اور آدمی اپنی بحساب فی ہزار پچاس نفر لاویگا اوسکو بھی آدھی جمع پانچ برس تک معاف ہو گی۔ اس صورت میں سب کو لازم ہے کہ جان و دل سے اس معرکے میں شریک اور مارنے اور نکاسی میں انگریزوں کی مستعد ہو کر داد شجاعت و مردانگی دو اور سزاوار پرورش سرکار کے بنو اور اگر اس

پرورش میں بھی شراکت نہ کریگا تو کچھ اوسکو معاف نہ ہوگا اور سزا دی جاویگی اور دوسرا قطعہ بدیں مضمون کہ جو کوئی پاس انگریزوں کے حاضر ہوا کرشتان ہوا بجز ذلت و خواری کے ..... قصور اوسکا معاف کیا گیا سو اب بھی شریک معرکہ کارزار کے ہمراہ فوج شاہی و رانا بینی مادھو بخش بہادر دلیر جنگ قتل کرنے انگریزونکی جاں نثاری کری صادر ہوا جناب عالے کمترین بہر صورت حضور عالی متعالے کا ھی شروع ماہ کنوار سے بموجب صادر ہونے احکامات حضور کے ہمراہ فوج شاہی واسطی مارنے کفارونکی جاں نثاری کی ہی اب بھی حسب الحکم حضور کے بسر و چشم ...... ہمراہ ہمراہی ساتھ فوج حضور و رانا بینی مادھو بخش بہادر دلیر جنگ کے واسطی مارنے قوم نصاریٰ کے حاضر ہوں امیدوار ..... کا ہوں واجب جانکر عرض کیا۔

الٰہی آفتاب دولت و اقبال کا تاباں و درخشاں ہوجیو۔

(۱۹) خط راجہ دلجی سنگھ بنام احمد اللہ شاہؒ

مورخہ ۵ شوال ۱۲۷۴ھ (۱۹ مئی ۱۸۵۸ء)

جناب حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی خلد اللہ دام ملکہ و سلطنتہ

بعز عرض ——————————————— می رساند

دو قطعہ اشتہار نامہ کچہری دیوا انعام سلطانی مرقومہ پنجم شوال ۱۲۷۴ھ معرفت افران متعینہ نظامت بسواڑہ پاس اس تابعدار کی پہونچی مضمون مطلب اوسکے سے تابعدار بخوبی مطلع و آگاہ ہوا ز مانی سلف سی خصوصاً روز اول ..... جنگ و جدل بمقابلہ کفاران کے یہ تابعدار جس نہج پر جاں نثاری و فرماں برداری میں سرکار معلٰی کی حاضر رہا ہی اوس سے زیادہ تر ایسے وقت میں تابعدار کی واسطی جاں نثاری فرق مبارک بندگاں سرکار معلٰی کی حاضر ہو کر فرق نہوگا چونکہ تابعدار کے پاس ..... قلیل علاقہ و فوج قلیل ہے و

کسرت حفاظت رسد یاب کفاراں گذرگاہ دریائے گنگ و حفاظت متعلقاں و رعایا و امداد فوج سرکار معلی مقدم ہے اس لیے جس وقت جس مقام پر اس اطراف میں کار زار بمقابلہ کفاراں افواج سرکاری سے شروع ہو و پاوے استقامت افواج سرکار معلی کا موقع مقام پر قرار پاوے بے شک افواج تابعدار..... امداد افواج سرکار معلی کی پہونچے گی کلیاً یا صریحاً توقف نہو گا..... کے رہی کہ حالات فریب و مطالعہ وہی کفاران بد اندیشان کا اوپر ہر خاص و عام کی ظاہر ہی بخوبی تدارک کفاران عمل میں آوے کافی الحقیقت عزت و دین و دھرم تابعدار... کر سکتا ہے اس ملک اودھ کا بخشا ہوا اسے سرکار معلی کا ہے نہ کہ کفار ناہنجاراں بعید الوطناں کا یکدامی نوعہ آمیزش و میل کفاراں سود مند متوطناں اس ملک اودھ کی نہو گا در بجہ مجبوری۔ ......الٰہی آفتاب دولت و اقبال و ایمان روشن رہے۔

مہر

راجہ دلجی سنگھ بہادر

(۲۰) خط بینی مادھو بنام بالا راؤ صاحب

(مورخہ ۱۶ ؍شوال ۱۲۷۴ھ)

بعد گزارش مراسم نیاز مندیہا پیش خدمت است عنایت نامۂ فیض شمار مملو توجہ بے پایاں اسر سرور خاطر سامی بہ دریافت حال فتح یابی بندہ و ایمائے روانہ کردن فوج در بہرائچ پیش تود برائے تہیہ ...... رگھوناتھ سنگھ پانڈے ورود یافت کامیاب و کامراں گردانیدہ از آنجاکہ در حقیقت از عنایت سامی و اقبال سرکار والا بہر کیف فتح عظیم حاصل شد کہ کشتگاں گورہ ہائے و سکھ را شمارے نیست محض از عنایات ایزدی و اقبال سرکار والاست کہ ہر لحظہ ہمراہ من معین و مددگار است و ہنوز ازیں نواحی دفع نشدا ند۔

مہر رانا بینی مادھو بخش بہادر

(۲۱) ناناصاحب کا ایک اہم خط

(مورخہ ۲۵، اپریل ۱۸۵۹ء)

مُہر۔ صاحب پیشوا بہادر

رپورٹ کس صاحب کمان افسر کا لکھا ہوا تاریخ ۲۲، ماہ اپریل کو پہنچا حال معلوم ہوا ہماری طرف سے اشتہار جو لکھا گیا اس میں بہت سی باتیں تھیں لیکن آپنی ایک بات میں جواب دیا سو ہمکو منظور ہی لیکن اسطرح ہم نہیں آسکتے جو ملکہ شاہ کوین بادشازادی کے طرفسے مہرد ستخطی وخط فراسیس کے کمان افسر باسکن کمان افسر کے ہمراہ ہمارے پاس آوی تو ہم اونکی اوپر خاطرداری رکھ کر بیشک یہ بات کو منظور کرینگی ہم ملکے کیا کریں جب کہ آپنے اجتک ہندوستان میں دغابازی کی سو ہم خوب جانتے ہیں سو جو آپکی دلمیں فساد ملک سے نکال نا ہو تو بادشازادی کا خود لکھا ہوا مہری دستخطے خط ہمراہ فراسیس کے کمان افسر کے ہاتھ آوی تو ہم منظور کرینگی ہماری پاس کوین بادشازادی کا لکھا ہوا مہری دستخطے ہم نے ایلچی ولایت لندن کو بھیجا تھا اوس وقت اوسکی ہاتھ بادشازادی نے بھیجا تھا موجود ہے جو اپکو یہ بات کرنا ہوا اس طرح ہوگا ہم حاضر ہیں نہیں تو جان یک روز بھی جائیگی پر اس طرح عزت کھو کر کیوں مرنا اور اپسے اور ہمسے لڑائی وفساد وجنگ...... جبتک رہیگا ہم چاہی ماری جائیں چاہے قید ہوں چاہے پھانسی جو لکھا ہوگا سو ہوگا اور ہم سے جو کچھ ہوگا سو تلوار سے ہوگا نہیں تو دوسری جو کہ بادشاہزادی کا لکھا اوسکے موافق اوی تو ہو سکیگا اب جو مناسب دیکھیں۔

(یہ خط کی بجنسہٖ نقل ہے)

(۲۲) قطعہ

("صادق الاخبار" دہلی ۱۰ راگست ۱۸۵۷ء میں محمد غلام علی مشتاق کے نام سے درج تھا)

عید ہر سال تمہیں تہنیت آمیز رہے — غرقِ خوں جانِ عدو خنجر توں ریز رہے
قتل کفار ہوں اور فتح مبارک ہو ظفر — نام کو بھی نہ جہاں میں سر انگریز رہے

(۲۳) قطعہ تہنیت

بہادر شاہ نے بقر عید (یکم اگست ۱۸۵۷ء) کے موقعے پر جنرل بخت خاں کو بھیجا۔

لشکرِ اعدائے الٰہی آج سارا قتل ہو — گور کھا گورے سے تاگو جر نصاریٰ قتل ہو
آج کا دن عیدِ قرباں کا جبھی جانینگے ہم — اے ظفر تہ تیغ جب دشمن تمہارا قتل ہو

(صادق الاخبار ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ)

(۲۴) فرمان برجیس قدر

سب ہندو مسلمان یہ جانتے ہیں کہ چار چیزیں ہر ایک مانس کو بہت پیاری ہیں اول دین و دہرم دوسرے عزت و آبرو تیسرے جان اپنی و اپنو نکی چوتھے مال و اسباب یہ چار چیزیں عملداری ہندوستان میں بچے رہتی ہیں اس عملداری میں کوئی دین و دہرم کو نہیں ٹوکتا ہے ہر ایک مانس اپنے دین و دہرم پر رہتا ہی عزت و آبرو ہر ایک مانس کی موافق اوسکی درجے کی رہتی ہے اشراف کسی قوم کا ہو سید اور شیخ اور مغل اور پٹھان مسلمانوں میں اور برہمن اور چھتری اور بیس اور کائستھ ہندو موافق اپنی اپنی رتبہ کی عزت آبرو رکھتی ہیں کوئی پاجی جیسے چوہڑے چمار اور دہانک اور پاسی

اونکی برابری نہیں کرسکتی اور کسی اشراف اور پاجی کی اس عملداری میں جان نہیں ماری جاتی اور کسی کا مال واسباب بھی بی کسی جرم اور بڑے پاپ کی چھینا نہیں جاتا اور انگریز لوگ ان چار چیزوں کی بیری ہیں دین اور دہرم ہندو مسلمان سب کا کہونا چاہتے ہیں۔ چاہتی ہیں کہ سب لوگ کرسٹین ہوں نصرانی بن جائیں اونکی عمل میں ہزاروں آدمی کرسٹین ہوگئے اور ہوتی جاتی ہیں۔ عزت آبرو ہرایک اشراف کی اور پوہڑی چمار کی اونکی نزدیک برابر ہے بلکہ انگریز لوگ ہر اشراف کو مقابلہ پاجی کے ذلیل و بے عزت کرتی ہیں ایک پوہڑی اور ایک چمار کی کہنسی (کہنے سے) اشراف بلکہ نواب اور راجہ کو کہچوا بلاتی ہیں اور بے عزت کرتی ہیں جہاں جاتی ہیں وہاں عزت دار لوگوں کو پہانسی دیتی ہیں اور اونکی زن بچے مار ڈالتے ہیں اور عورتوں نسے اونکی فوجکی برا کام کرکی سبکو بیحرمت کرتے ہیں اور سب مال و اسباب سب لوگونکا گھروں کو کھود کر سب لے لیتی ہیں کچھ نہیں چھوڑتے۔ بیٹی مہاجنوں کو جانسی نہیں مارتی اونکا مال لیکر اور اونکی عورتونکو بیعزت کرکی چھوڑ دیتی ہیں جہاں جاتی ہیں وہاں کی سب لوگونسی ہتھیار لیتی ہیں جب وہ نہتی ہوجاتی ہیں جسکو چاہتی ہیں پھانسی سی یا گولی توپ سی (توپ سے) باندہ کر مار ڈالتی ہیں جس کو چاہتی ہیں بیدم کرتی ہیں جسکو چاہتی ہیں بیعزت کرتی ہیں۔ بعض جگہ یہ فریب کرتی ہیں کہ زمینداروں سے وعدہ پیسا معاف کرنیکا کرتے ہیں یا جمع میں تخفیف دیتی ہیں اس مطلب سے کہ جب عملداری خوب بیٹھ جائیگی اور قابو میں سب آجائینگے پہر جو چاہیں گی انکا حال کرینگی یا کرسٹین کرلینگی یا پہانسی دیتگی یا بیعزت کرینگی بعض زمیندار احمق اونکی فریب میں آجاتی ہیں اور جو چترا اور ہوشیار ہیں وہ فریب نہیں کھاتی ہیں۔ اسواسطے سب ہندو مسلمانوں کو جتایا جاتا ہے کہ بچانا دین و دہرم اور عزت و آبرو ناموس و جان اپنی اور اپنی لوگوں کی اور اپنی مال و اسباب کا جسکو منظور ہو وہ انگریزوں سے لڑنی بر باتفاق فوج سرکار کی مستعد

رہے اور ہرگز اونکی فریب میں نہ آئے سرکار سے اونکی پرورش اور تخفیف ہوگی ....(نقل بجنسہٖ)

(۲۵) ضلع مراد آباد کے باغی سرکاری ملازمین

اس فہرست کا عنوان یہ ہے ــــ "فہرست نوکرانِ سرکاری کہ باغی ہو کر ماخوذ ہوئے ابتدائے ۲۵/اپریل ۱۸۵۸ء لغایت ۱۷/جولائی ۱۸۵۸ء بابت ضلع مراد آباد"

نام باغی	عہدہ	سزا
۱۔ نیاز علیخاں	ڈپٹی کلکٹر ڈپٹی مجسریٹ مراد آباد	پھانسی
۲۔ محمد عابد علی خاں	ایضاً	"
امانت اللہ	وکیل دیوانی مراد آباد	"
غلام حسین ۱ ۲ ۳	چپراسیان فوجداری مراد آباد	پھانسی (ایک کو)
سیتا کار کے	تلنگہ نوکر سرکار	گولی سے مارا گیا
بخش اللہ۔ الٰہی بخش۔ نور بخش کریم بخش۔ غلام مصطفےٰ۔ رحیم بخش غلام نبی خاں۔ عبداللہ خاں۔ (دس افراد)	سپاہیان رسالہ نواب صاحب	گولی سے مارے گئے
عنایت خاں نعمت خاں برقنداز	چوکیدار	
محمد مبارز الدین	صدر امین مراد آباد	
محمد تقی	تحصیلدار چھبرامئو ضلع فرخ آباد	
حامد علی	تحصیلدار سنبھل	پھانسی

سید ظہور حسن	تحصیلدار کاشی پور	معطل
کریم بخش	سرکار سنبھل	پھانسی
ابوالفضل	سررشتہ دار فوجداری مراد آباد	”
محمد علی بیگ	رسالدار لکھنؤ	
معظم خاں	سوار فوجداری بجنور	پھانسی
فتح سنگھ۔ کھیم سنگھ	سوار فوجداری و سپاہی گارد ولسن صاحب	
شہاب الدین	سوار رجمنٹ دوم	پھانسی
علی بخش	سوار ترپ اول رسالہ ہشتم	”
علی حسین	سوار رسالہ سوئم	
عظیم اللہ۔ وزیر خاں، حسین بخش	سواران......	
فیض اللہ	سوار رجمنٹ ۱۶	
میاں خاں	رسالدار نواب صاحب	
مصطفےٰ بیگ	سوار فوجداری مراد آباد	
ہر بخش سنگھ	سوار رسالہ نواب صاحب	
پیر بخش	سوار رجمنٹ ۲	پھانسی
کریم بخش	ملازم نواب صاحب	
مولوی قطب الدین	منصف شہر مراد آباد	
مولوی فضل حق	منصف حوالی شہر مراد آباد	
محمد برکت اللہ	منصف بلاری	
امداد حسین خاں	منصف دھام پور ضلع بجنور	
محمد عظیم الدین حسن	منصف سنبھل	

ظہور حسن	وکیل دیوانی مراد آباد	
سراج الدین	وکیل	
نادر خاں	وکیل صدر دیوانی	
ولایت علی	وکیل صدر امین	
انور حسین مظہر حسین	امین دیوانی۔ وکیل سنبھل	
امام الدین	وکیل دیوانی	پھانسی
نجف علی	وکیل منصفی بلاری	
امیر الدین	امین منصفی ٹھاکردوارہ	
شاہ محمد خاں	سپاہی رسالدار نواب صاحب	پھانسی
خیر علی	سررشتہ دار صدر اعلیٰ مراد آباد	
نظر الدین	نوکر علی گڈھ کا تھا	
غلام قادر خاں	دفعہ دار کوتوالی مراد آباد	پھانسی
خدا بخش	چپراسی فوجداری	
عبداللہ	ایضاً	پھانسی
نصر الدین	مددگار کلکٹر مراد آباد	
راحت علی	جمع دار ضلع بجنور	
امام بخش	سررشتہ دار کلکٹری بجنور	
امیر خاں	برقنداز کوتوالی امروہہ	پھانسی
سنیل چند	سپاہی چلہار ضلع پورنیہ	
نہال خاں	چپراسی دیوانی	
محمد بخش	ملازم جیلخانہ علی گڈھ کا تھا	پھانسی

نعمت علی	یہ گولندازتھا	
ننھا عرف پھکٹر	نوکر جیل خانہ مراد آباد کا تھا اور شامل فوج باغی ہو کر دہلی کو گیا تھا	
حیدر حسن	مددگار کوتوالی مراد آباد	
غلام قادر خاں	چپراسی منصفی حسن پور	پھانسی
لعل محمد	سپاہی رسالہ نواب صاحب	
دربار سنگھ	سپاہی گارڈ	
اندر جیت	سپاہی	
عمر خاں	سوار رسالہ ہشتم	

(یہ فہرست روبکاری عدالت فوجداری مراد آباد واقع ۸ رجولائی ۵۸ء باجلاس مسٹر جارج ایکسن کے حکم سے تیار کی گئی۔

اس پر حکم تحریر ہے کہ "ترجمہ انگریزی میں کرایا جاوے")

(۲۶)

بابو رام نرائن (چندوسی۔مراد آباد) وغیرہ کی بغاوت مئی ۱۸۵۸ء

(سرکاری ریکارڈ مراد آباد)

غریب پرور سلامت

جنابعالی۔ تحقیق دریافت ہوا ہے کہ مسمیان احمد اللہ خاں و اکبر خاں ساکن سرائے ترین و بابو رام نرائن ساکن چندوسی بجماعت ایک ہزار پیادہ و سوار اقوام مسلمان ساکن سرائے ترین و سنبھل و دادلی و چندوسی و نرولی ضلع مراد آباد و اسلام نگر متعلقہ ضلع بدایوں مع چہار ضرب توپ بہ ارادۂ غارت گری ضلع بدایوں مقام اسلام نگر قیام پذیر ہیں اور ہر روز غارت گری کر کے قوت بسری اپنی کرتے ہیں۔ رعایا سرکار متعلقہ پرگنہ بسولی

و گنوڑ ضلع بدایوں کو غارت اور برباد کر دیا ہے اور ہر روزہ کرتے ہیں اور ارادہ اُن کا واسطے غارت گری چندوسی اور نرولی کے مصمم ہے اور فدویان بہمراہی جناب صاحبزادہ علی اصغر خاں صاحب بہادر ناظم چندوسی کے چندوسی میں موجود ہیں اور پانچ سو سوار و پیادہ اور ایک ضرب توپ سنبھل سے حسب الطلب صاحبزادہ موصوف کے چندوسی میں آ گئے ہیں اور مورچہ اوپر گاؤں کیتھل کہ ملحق السوانہ چندوسی کے ہے صاحبزادہ موصوف نے لگا دیئے ہیں واسطے اطلاع کے خدمت میں بندگانحضور پُرنور کے عرض کیا۔ الٰہی آفتاب دولت وحشمت کا چمکتا رہیو

عرضی فدویان بھاگیرت سنگھ و گنگا سنگھ سواران
ملازم سرکار از مقام چندوسی معروضہ ۱۸ مئی ۱۸۵۸ء

(اس کاغذ پر جے سی ولسن کا حکم اور دستخط ہیں۔ باغیوں کی جائداد کے متعلق تحصیل دار کو احکام درج ہیں۔)

(۲۷) حکم ڈپٹی کلکٹر مراد آباد

شجاعت شعار سید افضل علی منصرم جائداد باغیان خیریت سے رہو

عرضی تمہاری مورخہ ۷ دسمبر سن حال رشتہ دو فرد اسباب مسمیان سعادت خاں و ولایت حسین خاں و کلو وغیرہ باغیان ملاحظہ سے گزر کر تمکو لکھا جاتا ہے اگر اسباب متروقہ قبل از ماہ نوامبر ہے تو نیلام کیا جاوے۔

المرقوم ۱۳ دسمبر ۱۸۵۸ء

(۲۸) ٹھاکر دوارے کے باغی افراد

مراد آباد کے تمام تھانوں کو باغی افراد کی فہرست بھیجنے کے احکام جاری کیے گئے تھانہ ٹھاکر دوارہ کے تھانے دار قادر بخش کا جواب ہم سرکاری ریکارڈ سے نقل کر رہے ہیں جو ۲۶ دسمبر ۵۸ء کو بھیجا گیا

"جناب عالی بحکم مندرجہ پروانہ برائے اطلاع حاصل ہو کر عرض یہ ہے کہ ایکسوتین[۱۰۳] آدمی باغی پہلی نومبر ۱۸۵۸ء سے حاضر ہوئے ہیں اور ضمانت بھی اونکی بموجب حکم عدالت کے لے لی گئیں ہیں اور ستّرہ آدمی نے قبل نومبر سے ماخوذ ہو کر پھانسی پائی اور اکیس[۲۱] آدمی اور سوائے اُن سولہ آدمیوں کی قبل یکم نومبر سے ماخوذ ہوئے کہ منجملہ اونکے بیس آدمی دائم الجنس اور ایک آدمی چودہ برس کو قید ہوا اس حساب سے حاضر ہونا پہلی نومبر سے ایکسو اکتالیس[۱۴۱] آدمی باغی کا معلوم ہوتا ہے اور جو آدمی پھانسی پا چکے اور دائم الجنس ہوئے شمار اونکا باغیان کلاں میں چاہیئے......"

محمد قادر بخش درونغہ ٹھاکر دوارہ

(۲۹) مجسٹریٹ شاہ جہاں پور (جی پی منی) کا خط

(۱۷ جون ۱۸۵۸ء)

یہ مجسٹریٹ شاہجہانپور کے اس خط کا ترجمہ ہے جو اُس نے مولانا احمد اللہ شاہؒ کی شہادت کی خبر سُن کر روہیلکھنڈ کے کمشنر کو لکھا۔

میرے نیم سرکاری خط مورخہ ۱۵ اور ۱۶ جون سے آپ کو یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ مولوی احمد اللہ شاہ پوائن میں قتل کر دیا گیا۔

۲۔ اب میں آپ کو مزید رپورٹ دینے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ گذشتہ رات یہاں آیا اور اپنے ساتھ مولوی کا سر اور جسم لایا تھا اور جس کا کہ میں۔۔۔۔دن بھر انتظار سر تار ہا دوپہر کے بعد انکے نہ آنے سے مجھے بے قراری شروع ہوئی اور میں نے جنرل سے ملتانی کیولری کا ایک دستہ پوائن بھیجنے کی درخواست کی تاکہ اگر راجہ باغیوں کی طرف سے سر کو چھین لینے کی کوشش سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہو تو اسکی مدد کی جائے۔۔۔۔

۳۔ سر کو پوائن اور شاہجہانپور کے کئی آدمیوں سے شناخت کرالیا گیا کہ یہ مولوی احمد اللہ شاہ کا ہے اور اب شک و شبے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ سر کو پبلک کے سامنے کوتوالی پر رکھا گیا اور جسم کو برسرِ عام آج صبح جلا کر راکھ دریا میں بہادی گئی۔

۴۔ میں نے کل نیم سرکاری خط میں راجہ کے خط کی جو نقل روانہ کی ہے اس سے آپ کو مولوی کی موت سے متعلق تفصیلات کا علم ہوا ہوگا تاہم میرے پاس چند دوسرے ذرائع سے جو خبریں آئی ہیں انکے پیشِ نظر میں نہیں سمجھتا کہ واقعی کوئی سخت تصادم ہوا۔ ظاہر ہے کہ مولوی اپنے۔۔۔۔۔ ہمراہیوں کے ساتھ "گڑھی" پر آیا تھا اور راجہ جگناتھ سنگھ سے بات چیت کی خواہش ظاہر کی جس نے اپنے بھائی بلدیو سنگھ کو سننے کے لیے بھیجا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ مولوی نے نائب تحصیلدار اور تھانے دار کو حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ نامنظور کر دیا گیا تب اُس نے اپنے ہمراہیوں سے قلعے کا دروازہ زبردستی ہاتھی کے ذریعے کھولنے کو کہا۔

۵۔ یہ سُن کر راجہ کے ہاتھیوں نے فائرنگ کیا جس سے مولوی اور اس کے دو ساتھی مارے گئے۔ جیسے ہی مولوی گرا بلدیو سنگھ نے اس کا سر تن سے جدا کرنے کا حکم دیا۔ راجہ کے تین آدمی مارے گئے اور تقریباً بیس[20] شدید زخمی ہوئے۔ یہ اچانک حادثہ میگزین اور بارود پھٹنے سے ہوا۔

۶۔ حکومت کی طرف سے پچاس ہزار روپیہ کا جو انعام باغی مولوی کی گرفتاری پر

مقرر کیا گیا تھا اس میں یہ خصوصی شرط تھی کہ "اُس کو کسی انگریزی کیمپ یا فوجی پوسٹ پر زندہ سپرد کیا جائے"۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ صورت میں پورا انعام راجہ کو ملنا چاہیے جس کی بدولت انتہائی مستقل مزاج اور بے حد با اثر باغی سرداروں میں سے ایک سے چھٹکارا ملا ہے۔

۷۔ جب سے میں نے ضلعے کا چارج لیا ہے میں برابر راجہ پر دباؤ ڈالتا رہا ہوں کہ اگر اُس نے حکومت برطانیہ سے ہمیشہ کی طرح پھر وفاداری کا اظہار کیا تو اُس کو فائدہ پہنچے گا...... اور جب مجھے یہ خبر ملی کہ محمدی کے باغیوں کی طرف سے پوائن پر حملہ ہونے کے امکانات ہیں تو میں نے اُسے لکھا کہ وہ مولوی کو گرفتار کرنے کا یہ موقع ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دے۔ مجھے خوشی ہے کہ آخر کار اس میں کامیابی ہوئی اور ایک ایسا باغی لیڈر جو اپنے پیروں پر حیرت انگیز اثر کی بنا پر انتہائی پریشان کن دشمن ثابت ہوا تھا، نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے...... (خط میں آگے چل کر ایک شخص کی تعریف کی گئی ہے جو راجہ کے پاس گیا تھا اور راجہ کو ساتھ لے کر آیا)

کتابیات
اور
حوالے

کتابیات اور حوالے

URDU, HINDI BIBLIOGRAPHY

ابوالحسن قطبی (سید): آئینۂ اودھ ۱۸۸۵ء ۱۳۰۲ھ

امجد علی خاں: تاریخ اودھ کا مختصر جائزہ ۱۹۷۸ء

آہوجہ (این ڈی): امام بخش صہبائی ۱۹۸۴ء

ابوالحسن رمضان علی: مکمل تاریخ وہابیہ (بارہویں صدی ہجری سے چودھویں صدی تک) ۱۹۸۴ء

اقبال احمد: تاریخ جون پور ۱۹۶۲ء

احمر لاری: مختصر تاریخ گورکھپور

الطاف علی (سید): حیاتِ حافظ رحمت خاں

امداد صابری: روحِ صحافت

———: ۱۸۵۷ء کے غدار شعراء ۱۹۶۰ء

———: ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء ۱۹۵۹ء

———: شہیدانِ وطن مراد آباد

———: تذکرہ حافظ ضامن شہید

———: آثارِ رحمت (سوانح مولانا رحمت اللہ کیرانوی)

مصنف		کتاب	سال
ایوب قادری	:	مولانا فیض احمد بدایونی	۱۹۵۷ء
————	:	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	
احمد اختر	:	سوانح دہلی	
ادارہ مطبوعات پاکستان	:	کوائف و صحائف ۱۸۵۷ء	۱۹۵۷ء
ادبی اکیڈیمی لکھنؤ	:	لکھنؤ اور جنگ آزادی	۱۹۵۷ء
انیس فاطمہ	:	۱۸۵۷ء کے ہیرو	۱۹۵۶ء
الطاف حسین	:	تاریخ ضلع گوڑگاؤں	
امین چند	:	تاریخ حصار	
اظہر (اشتیاق)	:	شاہ حسن عسکری اور جنگ آزادی کے عوامل	۱۹۸۵ء کراچی
اسلم پرویز	:	بہادر شاہ ظفر	۱۹۸۶ء
اینڈریوز (سی ایف)	:	ذکاء اللہ دہلوی (ترجمہ)	۱۹۵۲ء
بلاقی داس	:	گلدستۂ اودھ	
باری	:	کمپنی کی حکومت	۱۹۴۴ء
بلگرامی (سید حسین)	:	مرقع عبرت	۱۳۰۰ھ
بسمل (رضی الدین)	:	کنز التواریخ (بدایوں)	۱۹۰۷ء
بنسل (رتن لال)	:	مسلم ویش بھگت	۱۹۴۹ء
بشیر الدین	:	واقعات دارالحکومت	۱۹۱۹ء
برلاس (علی اظہر)	:	اودھ پر انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ	۱۹۸۴ء

تاریخ ممتاز	(یعنی واجد علی شاہ کے خطوط۔ قلمی)	
تمنا (رام سہائے):	احسن التواریخ	۱۸۷۶ء / ۱۲۹۳ھ
تصدق حسین:	بیگمات اودھ	۱۹۵۷ء
تائب (فتح محمد):	تاریخ احمدی (قلمی)	۱۸۶۴ء
تھامپسن (ایڈورڈ):	انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رُخ	
	(مترجم حسام الدین) ــــ	۱۹۳۱ء
تاباں (ظفر):	غدر کے مناظر (ترجمہ سرگزشت انگلیسی)	۱۹۲۵ء
جعفر تھانیسری:	تاریخ عجیب	۱۸۸۵ء
جعفری (رئیس احمد):	واجد علی شاہ اور اُن کا عہد	۱۹۵۹ء
ــــ :	بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد	۱۹۵۷ء
حالی (الطاف حسین):	حیاتِ جاوید	۱۹۰۲ء
دانش (مددعلی):	ریاضِ مختاریہ	
درگا پرشاد:	گلستانِ ہند۔ سندیلہ	۱۸۹۷ء
ــــ :	تواریخ سندیلہ	۱۹۱۵ء
درگا پرشاد:	بوستانِ اودھ	
ذکاء اللہ دہلوی:	تاریخ عروج عہد انگلشیہ	۱۹۰۴ء
رضوی (مسعود حسن):	جانِ عالم واجد علی شاہ	۱۹۷۷ء
رگھوناتھ داس:	تاریخ سندھیا	۱۹۰۷ء

رُوحانی کمیٹی :	باغی میرٹھ	۱۹۵۷ء
رضوی (خورشید مُصطفےٰ) :	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	۱۹۵۹ء
سعید احمد مارہروی :	مرقعِ اکبرآباد یعنی تاریخ آگرہ	۱۹۳۱ء
سیادت حسین سید جلال الدین :	افسانۂ لکھنوٗ	۱۸۷۳ء
سرور جنگ (آغا مرزا) :	کارنامۂ سروری	۱۹۳۲ء
سکینہ (رادھا رمن) :	وارفتگانِ فرخ آباد	
سلیمان بدایونی :	بدایوں ۱۸۵۷ء میں	کراچی ۱۹۶۰ء
سمیع الدین (عابدہ) :	جنگ آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ	۱۹۹۰ء
سندر لال :	سن ستاون	۱۹۵۷ء
سید احمد (سر) :	خیر خواہ مسلمانانِ ہند (۲ حصہ)	۱۸۶۰ء
ـــــــ :	اسباب بغاوت ہند	۱۹۰۳ء
ـــــــ :	تاریخ سرکشی بجنور	
شہابی (انتظام اللہ) :	ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء	
شہابی (انتظام اللہ) :	غدر کے چند علماء	
ـــــــ :	علمائے حق اور اُن کی مظلومیت کی داستانیں	
شور (جارج پیش) :	وقائع حیرت افزا (قلمی)	۱۸۶۴ء
شیو پرشاد :	آئینہ تاریخ نما	

شرر (عبدالحلیم) :	گذشتہ لکھنؤ	
شفیع الدین مرادآبادی :	حالات محمد علی جیبی گرین	۱۸۹۶ء
صبیح الدین :	تاریخ شاہجہانپور	۱۹۲۶ء
صدیقی (ثناالحق) :	جہاد شاملی و تھانہ بھون	۱۹۸۶ء
صدیقی (عتیق) :	۱۸۵۷ء کے اخبارات اور دستاویزیں	۱۹۶۶ء
——— :	ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں	۱۹۵۷ء
صمدنی (مقبول احمد) :	تاریخ الہ آباد	۱۳۵۷ھ
صدیق حسن خاں :	تاریخ قنوج	
ضیاالقادری (یعقوب حسین) :	اکمل التواریخ (۲ حصہ)	۱۹۱۵ء
طفیل احمد منگلوری :	روحِ روشن مستقبل	۱۹۴۵ء
ظہیرالدین :	اسرارِ واجدی (قلمی)	۱۸۶۳ء
ظہیر دہلوی :	داستانِ غدر	۱۹۱۲ء
عاصی (عبدالعزیز) :	تاریخ روہیل کھنڈ	۱۹۶۳ء
عاصی (ظفر حسن امروہوی) مترجم :	ایامِ غدر (ہورٹسٹ انگلیسی کی سرگزشت)	۱۹۲۳ء
عبدالغفار :	تریاقِ شورش	۱۹۰۷ء
عزیز ملک :	صحافت اور تحریک آزادی	۱۹۸۳ء
عاشق الٰہی :	تذکرۃ الرشید	

علی حیدر : تذکرہ مشاہیر کاکوری ۱۹۲۷ء

عباسی (محمود احمد) : تاریخ امروہہ (۲ جلد) ۱۹۳۰ء

عنایت حسین خاں : سرگزشت ایام غدر

علوی (امیر احمد) : بہادر شاہ ظفر

عاشق (عبدالحق) : بہارستانِ اودھ

غلام امام خاں : تاریخ رشید خانی

غالب (اسد اللہ خاں) : دستنبو (فارسی) ۱۸۵۸ء

غلام حسین : سیر المتاخرین ۱۹۰۲ء

غلام نبی : تاریخ جھجر

فوق بلگرامی (اولاد حیدر) : تاریخ اڑیسہ و بہار ۱۹۱۵ء

فرحت اللہ : دہلی کی آخری شمع

فاروقی (ابرار حسین) : مآثر دلاوری (تذکرہ احمد اللہ شاہؒ) ۱۹۶۶ء

فصیح الدین بلخی : تاریخ مگدھ (بہار) ۱۹۴۴ء

فراق (ناصر نذیر) : لال قلعے کی ایک جھلک

فضل حق خیرآبادی (مولانا) : الثورۃ الہندیہ (ترجمہ از عربی بہ عنوان باغی ہندوستان از عبدالشاہد شیروانی) ۱۹۴۷ء

کھتانا (رام پرشاد) : گوجری زبان و ادب ۱۹۷۳ء

کمال الدین حیدر : قیصر التواریخ ۱۸۹۶ء

کنہیا لال : محاربۂ عظیم ۱۸۸۹ء ۱۹۱۶ء

کشن نرائن : کتابِ جھانسی ۱۸۵۳ء

کریم علی خاں : تاریخ مالوہ

گلزاری لال : تواریخ بریلی (قلمی)

گنیشی لال (حکیم) : بساطِ غدر (رسالہ) ۱۸۶۰ء

لچھمن سنگھ : کیفیتِ بلند شہر ۱۸۷۰ء

محمد تقی : تاریخ آفتابِ اودھ ۱۸۷۴ء

معین الدین حسن : خدنگِ غدر۔ تالیف ۱۸۷۸ء / ۱۲۹۵ھ
(مرتبہ: خواجہ احمد فاروقی) ۱۹۴۷ء

مان سنگھ : اھیر کلدیپکا ۱۹۰۰ء

مودودی (ابوالعلا) : دکن کی سیاسی تاریخ ۱۹۴۴ء

——— : دولتِ آصفیہ اور حکومتِ برطانیہ ۱۹۴۱ء

محمد میاں (مولانا) : علمائے حق ۱۹۵۷ء

مخدوم تھانوی : مرقعِ الور ۱۸۷۶ء / ۱۲۹۳ھ

منگل سین : تواریخ بلند شہر ۱۸۶۴ء

محمد سلیم : ایک مجاہد معمار (سوانح مولانا
رحمت اللہ کیرانوی) ۱۹۵۲ء

مظہر علی سندیلوی : ایک نادر روزنامچہ (مرتبہ
نور الحسن ہاشمی) ۱۹۵۴ء

مہاراج کرشن : تاریخ ضلع حصار ۱۸۸۶ء

مکند لال :	تاریخ بغاوتِ ہند	
محمد شفیع :	۱۸۵۷ء	۱۹۵۷ء
محمد عمر نورِ الٰہی :	سراج الدولہ	۱۹۴۶ء
مہر (غلام رسول) :	۱۸۵۷ء	۱۹۵۷ء
ـــــــــ :	سرگزشت مجاہدین	۱۹۵۷ء
ـــــــــ :	جماعتِ مجاہدین	۱۹۵۷ء
ـــــــــ :	سیرت سید احمد شہید	
محمد یوسف ۔ مترجم :	سرگزشت ہورٹسٹ انگلیسی	
	در بلوائے ہندوستان	تہران ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۳ء
مصطفیٰ علی بریلوی :	نواب خاں بہادر خاں شہید	۱۹۶۶ء
نند کشور :	تاریخ سہارن پور	۱۸۷۷ء
نیاز احمد خاں ہوشؔ :	تاریخ روہیل کھنڈ (قلمی)	۱۸۶۵ء
نذیر احمد مترجم :	مصائبِ غدر (ترجمہ)	۱۸۹۶ء
نصر اللہ خاں :	تاریخ مظفر نگر	
نجم الغنی :	تاریخ اودھ، ۵ جلد	۱۹۱۹ء
ـــــــــ :	اخبار الصنادید (تاریخ رام پور)	۱۹۱۶ء
نظامی (خلیق احمد) :	۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ (مصنفہ عبد اللطیف)	۱۹۵۸ء
نظامی (خواجہ حسن) :	دہلی کی آخری شمع (مصنفہ فرحت اللہ بیگ)	

———— : دہلی کی جانکنی ۱۹۲۵ء

———— : غدر دہلی کے اخبار ۱۹۴۰ء

———— : غدر کا نتیجہ ۱۹۴۰ء

———— : غدر کی صبح شام ۱۹۲۶ء

———— : بہادر شاہ کا روزنامچہ ۱۹۳۵ء

———— : بہادر شاہ کا مقدمہ ۱۹۴۷ء

———— : بیگمات کے آنسو

———— : گرفتار شدہ خطوط

نول کشور : تواریخ نادر العصر (لکھنؤ) ۱۸۶۳ء

ناصر کاظمی (مرتب) : ۱۸۵۷ء میری نظر میں ۱۹۵۷ء

ولی اللہ (مفتی) : تاریخ فرخ آباد (قلمی)

ولایت حسین : سیرت فرخ آباد (قلمی)

ولیم ارون : تاریخ فرخ آباد ۱۸۸۷ء

یعقوب نانوتوی : سوانح مولانا محمد قاسمؒ

ہندی کتابیں

امرت لال ناگر : آنکھوں دیکھا غدر (ترجمہ
منجھا پرواس ازوی بی گوڈسے) ۱۹۵۷ء

———— : غدر کے پھول ۱۹۵۷ء

بھگوان دیو : مرتب	بلیدان	۱۹۵۷ء
چندر شیکھر پاٹھک :	۵۷ء کا غدر یا سپاہی وِدروہ	۱۹۲۲ء
کرپال چندر یادو :	ہریانہ میں سوتنترتا آندولن	۱۹۷۵ء
رضوی (ایس اے کے) :	سوتنتر دہلی	۱۹۵۷ء
سندر لال :	بھارت میں انگریزی راج	
شرما (رام ولاس) :	۱۸۵۷ء کی راجیہ کرانتی	۱۹۵۷ء

ببلوگرافی

﴿انگریزی﴾

Foreign Office Library, Indore.

Royal Asiatic Soc. Library, Bombay.

School of Oriental and African Studies, London.

Some important books and material, Records etc.

Punjab State Archives, Patiala.

Ambala Div. Records 1857-58

Delhi Div. Records (Pol. And Military)

Delhi and Hissar Records

Mutiny Files (R-130 to R-269)

Haryana Dist. Record Rooms.

List of mutineers hanged

Historical notes on Mutiny

Misc. records of Mutiny

Central India Agency Record Office, Indore.

Mutiny papers (Files, MSS)

Letters – books and Registers

Old Record Filed

Political Agencies Files (1857-58)

Dhar State Record Office, Dhar.

Files of "Malwa Akhbar" (Urdu)

Mutiny papers, State records.

Historical Record Office, Gwalior.

U.P. State Archives, Lucknow.

Daily bulletins issued by E.A. Reade

Proceedings of Foreign, Political, General, Judicial and Military Dept. of N.W.P.

These archives also contain the printed "Narrative of Events" for the districts of N.W.P.

Regional Archives, Allahabad.

Cawnpore Collectorate Records

Meerut and Bareilly Commissioner's office Mutiny records.

Secretariat Record Room, Lucknow.

Original telegrams and bulletins of N.W.P. and Agra

Foreign Dept. N.W.P. Abstract proc. For 1958, Home Dept. Proc.

National Library, Calcutta.

Collection of newspapers and cuttings from 'Hindu telligencer', 'Bengal Harkaroo', India Gazette, 'Hindoo Patriot', Friend of India.

Andhra Pradesh State Archives, Hyderabad.

Merseyside County Museum, Liverpool.

Greathed, E.H. Papers

Cambridge University Library.

Berkley, Lionel Papers

Ludlow, J.M. Papers

Stoneyhurst College.

Capt. Mowbray Thompson's Narrative

Ryan, James Papers

Worcester College, Oxford.

Hadow, Dr. Gilbert Letters

Royal Commission on Hist. MSS.

Broadland Papers

Sheffield City Library.

Blake, W.G. Letters

Leeds City Library.

Canning, Lord Papers

Notingham University Library.

Wrench, E.M. Diary, Letters

Clowes, P.L.	Letters
Delhi Force Intelligence	Reports
Ewart, C.H.	Letters

Fairweather, James

"Through the Mutiny with 4th Punjab Infantry."

Greathed, William, Wilberforce and Harris Letters

Lawrence, Henry	Letters
Lawrence, John	Letters

Letters and diaries of Aludelow, Maxwell, Thomas, Mills, Arthur Nash, Edwards, Powlett, P.R. Rean, W.H., Simpson, Johh, Taylor, Alexander, Wilson, T.F. etc.

National Library, Scotland (U.K.).

Brown, George	Letters
Campbell, Colin	Letters
Gleig, G. Robert	Letters
Halket, James	Diary
Lithgow, S.	Letters
Richardson, John	Letters

Durham University.

Grey, Earl	Papers

Centre for South Asian Studies, Cambridge.

Bayens	Family Papers
Barners	Family Papers
Erskine	Family Papers
Gore Linsdsay	Family Papers
Hare	Family Papers
Kenyon	Family Papers
Monckton	Family Papers

'Narrative of occurrences at Delhi, written by a native residing within the

walls of the city of Delhi.

Poppe	Family Papers
Showers	Family Papers
Stansfield	Family Papers
Waller	Family Papers

National Army Museum, London.

Bingham, G.W.	Diary
Blake, Col. Pilkington	Diary
Borthwish, John.	Letters
Bradshaw, A.P.	Letters
Cadell, Thomas.	Letters
Carmichael, G.LO.	Diary

Sylvester, Dr. J.H. Diary

Timbrell, Mrs. Agnes. Memoirs

Vansitart, Mrs. Henry. Diary

Vibart Collection

Vibart, E.C. Letters

Warner, Ensign. W.H. Letters

British Museum, London.

Hands. Lt. J.S. Diary

Hearsey, Johd. Letters

Holmes, J.G. Letters

Horne, Ms. Amelia Narrative

Lang, Arthur Diary

Layard Papers

Moore, Rev. Thomas Diary

Mutiny Papers, Miscellaneous

Napier Papers

County Record Office, Berkshire.

Dundas Papers

Ewen Papers

Bodleian Library.

Durand, Henry Marion Papers

Monk Bretton Papers

Collins, Francis. Letters

Edwards, Herbert. Papers

Havelock, Henry. Papers

Hutchinson Collection, Letters

Kaye, John. Papers

Lawrence, George. Letters

Lawrence, Henry Collection

Lyall Collection

Mansfield, W.R. Confidential notes

Marsden, Col. Diary

Mawe, Thomas. Letters

Moorsom, H.M. Letters

Munshi Mohan Lal. Account (K.M.P.)

Neil, James. Diary (K.M.P.)

Nicholson, John. Letters.

Oliver, J.R. Memoirs

Outram, James. Papers

Palmer, T.S.M. Memoirs

Shakespear, W. Diary

Sneyd, Mrs. Elizabeth. Memoirs

Sunders, C.B. Correspondence

Strachey Collection

Sturt, J.V. Memoirs

Syed Mubarak Shah (Tr. R.M. Edwards)
"City of Delhi during the Siege."

UNPUBLISHED SOURCES, RECORDS AND MANUSCRIPTS

The sources material on the Revolt of 1957 is chiefly to be 0found at following places.

National Archives of India, New Delhi.

Military Dept. Papers

Mutiny Papers

Foreign Dept. Pol. Proceedings

Foreign Dept. Secret Consultations

India Office Library. London.

Ahsanullah (tr. By H.S. Reid):
Account of the Mutiny (K.M.P.)

Baird Smith, Col. Richar. Letters

Bartrum, Mrs. K. Diary, Letters

Beams, John. Memoirs.

Bresford, Gen. Marcus. Diary

Biddulph, Robert. Letters

Blake, H. William. Letters

Campbell, Sir Colin. Papers

Carrington, Samuel. Letters

Carter, George. Diary

Clifford, R.H. Diary

Clowes, G.R. Letters

Coldstream Collection

URQUHART (D) : Rebellion in India, the wondrous tale of the greased cartridges. London, 1857.

LUSHINGTON (S) : Banda and Kirwee booty Judgement delivered in the high court of Admiralty of England. London, 1866.

LETTERS of Capt. Evance Dy. Commissioner of Poorwah, Oudh on the state of his district. 1858.

JACOB (G. Le G) : Correspondence regarding an omission in a Parliamentary Return etc. of troops serving under Le Grand Jacob during the Mutiny. 1865.

INGLIS (J.E.W.) : Reports on the engineering operations during defence of Lucknow in 1857. Lucknow, 1857.

GENERAL orders and despatches relating to relief of Garrison of Lucknow. Calcutta, 1859.

EXTRACTS from the Calcutta Gazette illustrative of the services rendered by the Bengal Yeomanry Cavalry during the Mutiny 1857 to 1859. Calcutta, 1880.

CROMMELIN (Capt. W.A.) : Memorandum on three passages of theGanges at Cawnpore during the rainy season of 1857. Calcutta, 1858.

DESPATCH from the Governor Gen. Re. The organisation H.M. European forces, 1860.

CORRESPONDENCE re. Artillery forces in India from the commencement of the Mutiny, 1859.

CORRESPONDENCE connected with the removal of W. Tayler from Commissionership of Patna.

CORRESPONDENCE connected with the arrest and trial of Lootf ali Khan, Calcutta, 1858.

MUTINY IN INDIA, Narrative of events regarding the Mutiny and restoration of authority, 2 vols. Calcutta.

MINUTE by Governor of Bengal on the Mutinies as they affected the lower provinces under Govt. of Bengal. Calcutta, 1858.

CONDUCT after the disaffection and Mutiny of native regiments and its consequences.

COLLECTION of official narratives of the Mutiny furnished by the magistrates or commissioners of the various localities, 1858.

LETTER from a Layman in India on the policy of E.I.Co. in matters of Religion. London, 1858.

ACCOUNT of the outbreak at Bolarum. London, 1856.

BASIS of the reorganisation of our power in India. 1858.

BRIEF narrative of events connected with the removal of W. Tayler from Patna. 1857.

CAMPBELL (R.J.R.) : India, its government, misgovernment and future considered. London, 1858.

CAUSES of the Indian Revolt. By a Hindu of Bengal. Ed. by M. Lewin. London, 1857.

CAUSES and effect: Rebellion in India. By a resident in N.W.P. London, 1857.

FORJETT (C) : Reply to Gen. Jacob's Pamphlet. London, 1879.

GARDINER (R) : Cursory view of the present crisis in India. London, 1857.

LORD ELLENBOROUGH's Blunder, Causes of Mutiny 1857.

YADAV (K.C.) : Rao Tula Ram – A Hero of 1857.

YEDWARD (G) : Episode of the Rebellion and Mutiny in Oudh. Lucknow, 1876.

YOUNG (Col. Keith) : See : KEITH YOUNG

YOUNGHUSBAND : Story of the Guides. 1908.

PRINTED RECORDS AND PAMPHLETS

RETURN re. Regiments in Bengal army that remained faithful during Mutiny, 1863.

RETURN of the name or number of each regiment which has mutinied since Jan. 1857 etc. 1859.

RETURN of officers who served in the expedition to Persia and during rebellion in India, 1861.

REPORTS on Administration of Cis-Sutlej during Mutiny, 1858.

PUNJAB Govt. Records, Lahore, 1911.

PROCEEDINGS of the trial of Bahadur Shah. Calcutta, 1895.

PRESS list of Mutiny papers. Calcutta, 1921.

PARTICULARS of Regiments which mutnied in 1857.

PARLIAMENTARY PAPERS 1857-58, 1859-60, 1863.

MUTINY REPORTS – Punjab Selections from public correspondence of Administration for the affairs of Punjab, 1859.

MUTINY IN INDIA, Further papers relative to the Mutinies in East Indies, 1857.

gloriously fallen in defence ofEnglish supremacy in Asia during the Sepoy Rebellion. 1858.

WILSON (M) : History of Behar Indigo Factories. Calcutta, 1908.

WILSON (John Cracroft) : Mutiny and Rebellion in the District of Moradabad.

WILSON (Thomas F.) : Defence of Lucknow : A diary recording daily events during the Siege of Residency by a staff officer London. 1858.

WOLSELEY : Story of a Soldier's Life. London, 1905.

WOOD (Elvelyn) : Revolt in Hindustan 1857-59. London, 1908.

WOODRUFF : Men who Ruled India. London, 1954.

WOOK (Evelyn) : From Midshipman to field Marshal. 1912.

WOUNDED Officer : My Escape from Mutiny in Oudh. London, 1858.

WYLEI (M) : English Captives in Oudh and Episode in the History of Mutinies of 1857. Calcutta, London, 1858.

WYLLY (H.C.) : Neill's Blue Caps, 2 vols. Aldershot, 1926.

YADAV (Kirpal Chander) : Delhi, 1857, 2 vols. (1) Trial of Bahadur Shah. Delhi, 1982.

YADAV (Kirpal Chander) : Revolt of 1857 in Haryana. Delhi, 1977.

YADAV (K.C.) : Haryana : Studies in History and Culture. Krukshetra, 1968.

YADAV (K.C.) : Haryana :. Sketches – Historical and Descriptive. Krukshetra. 1974.

WAGENT REIBER (F) : Reminiscences of Sepoy Rebellion 1857.

WALKER (T.N.) : Through the Mutiny. London, 1907.

WALLACE (C.L.) : See : COSENS

WALSH (Rev. J.J.) : Memorial of the Fattehgurh Mission and her Martyred Missionaries, with some remark on the Mutiny. Philadelphea, 1859.

WALROND (T) : See : Elgin, Earl of--.

WATERFIELD (A.J.) : Children of the Mutiny: a record of those now living who were in India during the sepoy war 1857-59. 1935.

WHEELER (E) : What shall we do at Delhi? An English man's letter to humanitarians. London, 1857.

WHITE (S. Dewe) : Indian Reminiscences. Allen, 1880.

WHITE : Complete History of Great Sepoy war

WHY IS THE Native army Disaffected – A letter by an old Indian. Calcutta, 1857.

WILBERFORCE (R.G.) : Unrecorded Chapter of the Indian Mutiny. London, 1894.

WILLIAM (Rev. E.A.) : Cruise of the Pearl round the world with an account of the operations of Naval Brigade in India. London, 1859.

WILLIAM (G.N.) : Memorandum on the Mutiny outbreak at Meerut in 1857.

WILLIAMS (Dr. G.) : Notes on the Wounded from the Mutiny in India. London, 1859.

WILLIAMS (G) : Synopsis of Evidence of Cawnpore Mutiny.

WILLIAMS (J.V.) : Fallen Horses of the Indian Wars: a poem in memory of Havelock, and other Britons

TRUCKER (H.C.) : Glance at the past and the Future in connection with Indian Revolt. 1857.

TUKER (F) Ed. : Chronicle of private Henry Metcalfe. London, 1953.

TURNBULL (J.R.) : Letters written during the Siege of Delhi. Torquay, 1876.

TURNBULL (J.R.) : Sketches of Delhi. 1858.

TYRELL (T) : From England to Antipodes and India 1846 to 1902. Madras, 1902.

URQUHART (D) : Rebellion in India, Mr. Disraeli a speech reviewed, Illegality of the acts abolishing native customs. London, 1857.

UTTAR PRADESH, INFORMATION (Dept. of,) : Freedom struggle in Uttar Pradesh ed. by S.A.A. Rizvi, 5 vols. Lucknow, 1957-59.

VALBEZEN (E De) : English in India. London, 1883.

VERNY (E.H.) : Shannon's Bridge in India. London, 1862.

VERNEY (G.L.) : Devils Wind. London, 1956.

VERNE (Jules) : Stream house (The Demon of Cawnpore; Tigers and Trailors). London, 1959.

VIBART (E) : Sepoy Mutiny as seen by Snaltern, From Delhi to Lucknow. London, 1898.

VIBART (H.M.) : Richard Baird Smith. Westminster, 1897.

VIBART (H.M.) : Life of Gen. Henry N.D. Frendergast.

VINCENT (Benjamin) : Haydn's Dictionary of Dates. 22 ed. 1898.

VOLUNTEER (Swanston W.O.) : My Journal. 1890.

THACKERAY (Edward) : Reminiscences of the Indian Mutiny and Afghanistan. London, 1916.

THOMSON (Mowbray) : Story of Cawnpore. London, 1859.

THOMSON (Edward) : Other side of the Medal. London, 1930.

THORNHILL (M) : Personal Adventures and Experiences of a Magistrate During the Rise, Progress and Suppression of the Mutiny. London, 1884.

THORNTON (J.H.) : Memoirs of Seven Campaigns. London, 1895.

THOUGHTS of a Native of Northern India on the Rebellion, its causes and Remedies. London, 1858.

TOD (James) : Annals and Antiquities of Rajasthan, 2 vols. 1914.

TRACY (L) : Red Year. London, 1908.

TRAVERS (Gen.) : Evacuation of Indore. 1876.

TRAVELYAN (G.O.) : Cawnpore. London, Cambridge, 1865, 1899.

TROTTER (Lionel James) : Leader of Light Horse. Life of Hodson of Hodson's Horse, William Blackwood, 1898, 1901.

TROTTER (L.J.) : Life of Nicholson: Based on private and hither to unpublished documents. London, 1898, 1927.

TROTTER (L.J.) : Bayard of India. Edinburgh, 1903.

TROTTER (L.J.) : India Under Victoria, 1836-80, 2 vols. London, 1886.

TRUCKER (H.C.) : Letter to an Official concerned in the Education of India. London, 1858.

SYED AHMED : Essay on the Causes of Indian Revolt. Tr. By W.N. Lees, Graham and Colvin. Banares, Calcutta, 1860, 1873.

SYED AHMAD KHAN : Loyal Mohamadons of India. 1858.

SYLVESTER (John Henry) : Recollections of the Campaign in Malva and Central India. Bombay, 1860.

TAGORE (Jyotirindranath) : Jhansir Rani (Bengali). 1900.

TAHMANKAR (D.V._ : Ranee of Jhansi. London, 1958.

TARACHANDE : History of Freedom Movement in India, 2 vols. New Delhi, Publications Div., 1967.

TAYLER (W) : Patna Crisis.

TAYLER (W) : Selection of Letters from Distinguished Indian Statesmen and others regarding my Services during the Rebellion of 1857 1st Series. London. 1868.

TAYLER (W) : Thirty eight years in India, 2 vols. London, 1913.

TAYLOR (P.J.O.) : Rani of Jhansi. 1995.

TAYLER (M) : Letters.

TAYLER (Miss A.C.) : Sir Alexander Tayler, 2 vols. London, 1913.

TAYLER (Meadows) : Story of my Life. Edinburgh, London, 1878.

TEMPLE (R) : Lord Lawrence. London, 1889.

TEMPLE (Richard) : Men and Events of My Time in India, 2 vols. London, 1882.

THACKERAY (E.T.) : Two Indian Campaigns in 1857-58. Chatham, 1896.

Dalhouse, Governor General. With private correspondence relative to the annexation of Oude to British India. 2 vols. Richard Bentley, 1858.

SMITH (R.B.) : Life of Lord Lawrence, 2 vols. London, 1883.

SOMERVILLE (E.C.E.) : Wheel Tracks. 1923.

SOPPITT (Mrs.) : Diary of an Officer's Wife. Fitchett, Reprint, 1912.

SPEID (John B.) : Our Last Years in India.

SRIVASTVA (Khushhali Lal) : Revolt of 1857 in Central India – Malwa. Bombay, 1966.

SRIVASTAVA (M.P.) : Indian Mutiny 1857. 1979.

STARK (H.A.) : Call of the Blood or Anglo-Indians and the Mutiny. Rangoon, 1932.

STANFORD (J.K.) Ed. : Ladies in the Sun.

STENT (Greater) : Scraps from My Sabretasche, 1882.

STEWARD (C.E.) : Through Persia in Disguise, with Reminiscences of the Indian Mutiny. London, 1911.

STEWARD : Victoria Cross. London, 1916.

STORY of the Indian Mutiny 1857-58. Edinburgh, 1913.

STRACHEY ( ) : End of Empire.

SWANSTON (W.O.) : My Journal. Uxbridge, 1890.

SWINEY : Historical Records of 32nd Ligh Infantry 1702-1982. London, 1895.

SWINSON (Arthur) : North West Frontier – People and Events 1839-1947. 1967.

SHADWELL (Gen.) : Life of Colin Campbell, Lord Clyde, 2 vols. London, 1881.

SHARMA (B) : Maniram Dewan, (Assamese). Gauhati, 1950.

SHARMA (B) : Satawan Sal, (Assamese). Gauhati 1947.

SHARP (Henry) : Delhi : Its story and buildings. O.U.P., 1921.

SHEPHERD (W.J.) : Personal Narrative of the Outbreak and Massacre at Cawnpore. Lucknow, 1879, 1886.

SHERER (G.M.) : Brief Narrative Called for by James Outram Showing how 73rd N.I. was saved. Jersey, 1860.

SHERER (J.M.) : Daily Life During the Indian Mutiny, 1857. London, (See also MAUDE) 1898.

SHERRING (M.A.) : History of Protestant Mission in India. London, 1884.

SHERRING (M.A.) : Indian Church during the Rebellion. London, 1859.

SHOWERS (C.L.) : Missing Chapter of the Indian Mutiny. London, 1888.

SIEVEKING (I. Giberne) : Turning point in the Indian Mutiny. London, 1910.

SINHA (Shyam Narain) : Revolt of 1857 in Bundelkhand. Lucknow, 1982.

SINHA (Shyam Narain) : Rani Laxmi Bai of Jhansi. Allahabad, 1980.

SITARAM : From Sepoy to Subedar. Tr. By Norgate 1911.

SLEEMAN (W.H.) : Journey through the Kingdom of Oude in 1849-50 by directions of the Earl of

ROWBOTHAM (W.B.) : Naval Brigade in the Indian Mutiny. London, 1858.

ROY (Surendranath) : Gwaliar.

ROYCHOUDHRY (P.C.) : 1857 in Bihar. 1959.

RUGGLES (J) : Recollections of Lucknow Veteran 1845-76. London, 1906.

RUSSEL (William Howard) : 1. My Diary in India in 1858-59, 2 vols. London and Calcutta (Reprinted Indian portion).

2. My Indian Mutiny Diary. 1860, 1906.

SARDA (Harbilas) : Ajmer. 1941.

SARWAR JANG : My Life.

SAVARKAR (Vinayak Damodar) : Indian War of Independence 1857. London, Bombay, 1909, 1947.

SCOT (P.G.) : Personal Narrative of Escape from Nowgong to Banda and Nagoda. 1857.

SCRUTATOR : English Tenure of India 1857.

SEATON (Thomas) : From Cadet of Colonel, 2 vols. 1866.

SEDGWICK (Col. F.R.) : Indian Mutiny of 1857. London, 1908 (1920).

SEN (Surender Nath) : Eighteen Fifty Seven. Delhi, 1957.

SEPOY REBELLION, Reprinted from the London Qly. Review. London, 1858.

SEVESTRE (A.A.) : Short and Useful compilation from Calcutta Govt. Gazette about the fall of Delhi. Calcutta, 1858.

SEYMOUR (C.C.) : How I won the Indian Mutiny Medal. Benaras, 1888.

RAIKES (C) : Notes on the Revolt in NWP. London, 1858.

RAINES (Julius) : Campaign in Central India 1857. 1900.

RAMGOPAL : Indian Muslims. Bombay, 1965.

RAMSAY : Rough Recollections of Military Service and Society. London, 1882.

RAWLINSON (H.G.) Ed. : See : Becher, Augusta.

READ (A.E.) : Narrative of Events at Agra. Agra, 1857.

REES (L.E.R.) : Personal Narrative of the Siege of Lucknow from its commencement to its relief, 3rd. ed. London, 1858.

REPORT on Administration of Cis-Sutlej during Mutiny. 1858.

RETURN of Officers who served in the expedition to Persia and during the Rebellion. 1861.

RICH (Capt. G) : Mutiny in Sialkot. Sialkot, 1924.

RICHARD (Hilton) : Indian Mutiny of 1857.

RIZVI (Syed Athar Abbas) and BHARGAVA : Freedom Struggle in UP, 5 vols. Lucknow. 1957-60.

ROBERTS (Earl) : Fortyone years in India, 2vols. London, 1897.

ROBERTS (Earl F.) : Letters Written During the Mutiny. London, 1924.

ROBERTSON : Political prospects of British India.

ROBERTSON (H.D.) : District Duties During the Revolt in the N.W.P. of India in 1857. London, 1859.

ROTTON (J.E.W.) : Chaplain's Narrative of Siege of Delhi, London, 1858.

PINCOTT (F) : Analytical Index to Sir John W. Kaye's History of the Sepoy War and Malleson's History of the Indian Mutiny. London, 1880.

PITTF (W) : Incidents in India and Memories of the Mutiny. London, 1896.

POLEHAMPTON (E) : and POLEHAMPTON (T.S.) : Memoir, 3rd ed. London, 1859.

POLOLOCK (J.C.) : Way to Glory. London, 1857.

POLEHAMPTON (T.S.) : Memoir : Letters and Diary. London, 1858.

PRESENT CRISIS in India, London, 1857.

PRESS LIST of Mutiny Papers. Calcutta, 1921.

RICHARD (I.T.) : Mutinies in Rajputana. London, 1860.

PRICE (G.W.) : Extra Special Correspondent. London, 1957.

PRINSEP (Charles) : Record of Services of theEast India Co. Civil servants in Madras Presidency from 1741 to 1858, Trubner, 1885.

PROCEEDINGS of the Trial of Bahadur Shah. Calcutta, 1895.

PUNJAB (Govt. of,) : Punjab Govt. Records, Mutiny Correspondence, 2 vols. Lahore, 1911.

PUNJAB (Govt. of,) : Punjab Govt. Records : Delhi Residency and Agency. Lahore, 1911.

QANUNGO (K.R.) : History of the Jats. Calcutta, 1925.

QEYAMUDDIN AHMAD : Wahabi Movement in India. Calcutta, 1966.

RADCLIFFE (F.W.) : See : LEE

OWEN (M) : Memorials ofChristian Martyrs etc. London, 1859.

PAGET (Mrs. L.) : Camp and Cantonm,ent. London, 1865.

PALMER : Indian Life, Sketches 1816-66. Mussoorie, 1888.

PALMER (J.B.) : Outbreak of Mutiny at Meerut in 1857. Cambridge, 1966.

PANIGRAHI (D.N.) : Charles Metcalf in India. Delhi, 1970.

PANIKKAR (Kavalam Madhava) : British Diplomacy in North India : a study of the Delhi Residency 1803-1857. Delhi, 1968.

PARASNIS (D.B.) : Life of Rani Jhansi.

PARASNIS (D.B.) : Life of Baiza Bai.

PARLIAMENTARY PAPERS : 1857-60.

PARTICULARS of Regiments which mutinied in 1857-59.

PASSINGHAM (Capt.) : Missionary Tours in India and Ceylon.

PATRA (K.M.) : Orisa under East India Company.

PERSON (Hesketh) : Hero of Delhi. London, 1939.

PEEL : Commission Report. 1859.

PELLY (L) : Views and Opinions of Brigd. John Jacob. London, 1858.

PEMBLE (John) : The Raj, the Mutiny and the kingdom of Oudh. 1977.

NARRATIVE of the Indian Revolt from it Outbreak to the Capture of Lucknow by Sir Colin Campbell. London, 1858.

NASH (J.T.L) : Volunteering in India. London, 1893.

NATRAJAN (L) : Peasant uprising in India 1850-1900. Bombay, 1953.

NIGAM (N.K.) : Delhi in 1857. Delhi, 1957.

NOLAH (Edward Henry) : Illustrated History of British Empire in India and the East from earliest times to the suppression of theSepoy Mutiny in 1859. 2 vols. New York, 1857-59.

NORGATE and PHILLOTT Tr. : From Sepoy to Subedar, by Sitaram. Calcutta, 1911.

NORMAN (H.W.) : Lecture on the Relief of Lucknow. Simla, 1867.

NORMAN (F.M. Sir H.W.) : Narrative of the Campaign of Delhi Army. London, 1858.

NORTON (J.B.) : Rebellion in India : How to prevent another. London, 1857.

NORTH (Major) : Journal of an English Officer in India. London, 1858.

OILFIELD (H.A.) : Sketches from Nepal, vol.2. (Matter relating to 1857)

OLIVER (J.R.) : Campaigning in Oudh. London.

ORLICH (L) : Military Mutiny in India. London, 1858.

ORME (Robert) : Historical Fragment of Mughal Empire, 1805.

OUTRAM (James) : James Outram's Campaigning in India 1857-58. London, 1860.

MUKHOPADHYAYA (Sambhu Chandra) : Mutinies and the people or statement of native fidelity in 1857-58. Calcutta, 1859, 1905.

MUNRO (W) : Records of Service and Campaigning in many Lands. 2 vols. London, 1887.

MUNRO (W) : Reminiscences of Military Service with 93rd Sutherland Highlanders. London, 1883.

MUTER (Mrs. D.D.) : My Recollections of the Sepoy Revolt 1857-58. London, 1911.

MUTINIES, THE GOVT. AND THE PEOPLE, by a Hindu. Calcutta, 1858.

MUTINY IN INDIA, Narrative of Events regarding the Mutiny and the restoration of authority, 2 vols. Calcutta, 1901.

MUTINY IN INDIA. Further papers relative to the Mutinies in the East Indies, 1857.

MUTINY NARRATIVES N W P Agra.

MUTINY in The Bengal Army by a Retired Officer. London, 1857.

MUTINY REPORTS – Punjab, Selections from public correspondence of the Administration for the Affairs of Punjab. 1859.

NARRATIVE of the Indian Revolt. London, 1858.

NAPIER (H.D.) : Field Marshal Napier of Magdala. London, 1927.

NAPIER (R) : Report on Engineering operations at Siege of Lucknow, 1859.

NAPIER : Biographical Memoirs of the Late Capt. G.W.W. Fulton.

MINUTE by the Governor of Bengal on the Mutinies as the affected the Lower provinces, Bengal. Calcutta, 1858.

MISRA (Anand Swarup) : Nana Saheb Peshwa and the fight for Freedom, Lucknow, 1961.

MITRA (J.M.) Ed. : Press List of Mutiny Papers. Calcutta, 1921.

MONTALEMBERT : Debate on India in English Parliament. London, 1858.

MORISON (J.L.) : Lawrence of Lucknow (1806-57), London, 1934.

MOTIRAM Ed. : Two Historic Trials in Red Fort.

MOWAT : British Soldiers in India. London, 1859.

MOWBRAY THOMSON : See Thomson (Mowbra).

MUINUDDIN : History of Faraizi Movement in Bengal, 1965.

MUIR (Ramsay) : Making of British India 1756-1858 described in a series of despatches, treatises, statutes and other documents. Manchester University Press, 1917.

MUIR (S.W.) : Agra Correspondence During Mutiny.

MUIR (William) : Records of the Intelligence Dept. of theGovt. Of NWP During the Mutiny of 1857. vol. I, II Ed. by Coldstream, 1902.

MUKHERJEE (Hirendra Nath) : India struggle for Freedom. Bombay, 1946.

MUKERJI (R) : Rise and Fall ofEast India Co. 1955.

MUKERJI (R) : Oudh in Revolt.

MARTIN (R. Montgomery) : Indian Empire, 3 vols. London, 1858-61.

MARX (Karl) : and ENGELS (F) : First Indian War of Independence 1857-59. Moscow.

MAUDE (F.G.) and SHERER (J.W.) : Memoirs of the Mutiny with the personal Narrative of Sherer, 2 vols. London, 1894.

MAUDE (E) : Oriental Campaign and European Furloughs; Autobiography of a Veteran of the Indian Mutiny. London, 1908.

MAUNSELL (F.R.) : Siege of Delhi. London, 1912.

McGUFFIE (T.H.) : Stories of Famous Mutinies, Barker, 1966.

McLEOD (A) : On India. London, 1872.

MEAD (H) : Sepoy Revolt: Its Causes and Consequences. London, 1857.

MECNAM (C.H.) : Sketches and Incidents of the Siege of Lucknow. London, 1858.

MEDLEY (Capt. J.G.) : Year's Campaign in India from March 1857 to March 1858. London, 1858.

MEEK (Rev. R.) : Martyr of Allahabad. London, 1857.

MEHTA (Asokh) : 1857 – the Great Rebellion.

MERCER (E.S.) : Letter to Ellenborough (on the Causes of the Indian Mutiny of 1857). London, 1861.

MERSEY (Viscount) : Viceroys and Governor Generals of India.

METCALFE (C.T.) : Two Native Narratives of the Mutiny at Delhi. Westminster, 1898.

MERCALK (T.H.) : Aftermath of Revolt 1857-70.

MAHDI HUSAIN : Bahadur Shah-II and the War of 1857. Delhi, 1958.

MAJENDIE (V.D.) : UP Among the Pandies. 1859, 1974.

MAJUMDAR (R.C.) : History of Freedom Movement in India, 2 vols. Calcutta, 1962.

MAJUMDAR (R.C.) : Sepoy Mutiny and the Revolt of 1857. Calcutta, 1957.

MALCOM : Report on the province of Malva.

MALET (H.P.) : Lost Links in the Indian Mutiny. London, 1867.

MALIK (H) Tr. : History of Bijnor Rebellion by Sir Syed.

MALLESON (George Bruce) : Indian Mutiny of 1857 with portraits and plans. London, 1906.

MALLESON (George Bruce) : History of the Indian Mutiny, 3 vols. London, 1878-80.

MALLESON and KAYE : History of the Indian Mutiny, 6 vols. London, 1889, 1897.

MALLESON (George Bruce) : Indian Mutiny of 1857. London, 1891.

MALLESON (George Bruce) : Mutiny of the Bengal Army. Popularly known as Red Pamphlet, 2 parts. London, 1857.

MALLESON (Lt. Col. W.) : Revolt in Central India. Simla, 1908.

MARIAM : Story of the Indian Mutiny of 1857. 1896.

MARIWALLA (C.L.) When the Storm Came (1857).

MARSHMAN (J.C.) : Memoirs of Henry Havelock. London, 1860, 1902.

LUARD (C.E.) : Contemporary Newspaper Accounts of the Events During the Mutiny in Central India. 1912.

LUDLOW (J.M.) : British India, Its Races, and History Considered with reference to Mutinies of 1857 2 vols. Cambridge, 1858.

LUDLOW (J.M.) : Pamphlet on the War in Oudh.

LUSHINGTON (S) : Banda and Kirwee Booty, Judgement delivered in High Court of Admiralty of England. London, 1866.

LUTFULLAH : Man behind the War of Independence. Karachi, 1957.

LYALL (A) : Rise of British Dominion in India. London, 1893.

McCREA (R) : Tablets in Memorial Church, Cawnpore, 1894.

MACKAY (J) : From London to Lucknow, with Memoranda of Mutinies, Marches, Flights, Fights and Conversations, 2 vols. London, 1860.

MACKENZIE (Mrs. C) : Six Years in India, Delhi the City of the Great Moguls. London, 1857.

MACKENZIE (A.R.D.) : Mutiny Memoirs. Allahabad, 1892.

MACMUNN (Gen. F.G.) : Indian Mutiny in Perspective. London, 1931.

MACPHERSON (William) : Memorials of Service in India. 1865.

MADHYA PRADESH (Govt. of,) : History of Freedom Movement in MP. 1956.

MAHDI ALI : Hyderabad Affairs, 12 vols. 1884.

LECKY (Edward) : Fictions Connected with Indian outbreak of 1857 Exposed. Bombay, 1859.

LEE (J.F.) and RADECLIFFE (F.W.) : Indian Mutiny upto the Relief of Lucknow. 1918.

LEE-WARNER (W) : Life of Dalhousie, 2 vols. London, 1904.

LEE-WARNER (W) : Memories of Henry Wylie Norman. London, 1908.

LETTERS TO SECY. GOVT. OF BENGAL in connection with Riot at Patna on 3.7.1857.

LETTERS of Capt. Evans, Dy. Com. Of Zillah Poorweh Oude on the state of his district. 1858.

LETTER FROM A Layman in India on the policy of East India Company in Matters of Religion. London, 1858.

LETTERS from Lucknow and Cawnpore. Greenwich (Privately printed). 1858.

LEWIN (Malcom) : Causes of the Indian Revolt by a Hindu of Bengal. London.

LEWIN (Malcom) : Has Oudh been worse Governed, London, 1857.

LIEWEELLYS (Alexander) : Siege of Delhi.

LORD ELLENBDROUGH'S BLUNDER, the Causes of the Mutiny 1857 ... by a Bombay Officer. Bombay, 1857.

LOW (Miss U) : Fifty Years with John Company. London, 1936.

LOWE (Thomas) : Central India During the Rebellion of 1857. London, 1860.

KEITH YOUNG (Col.) : Delhi – 1857 ed. by Henry Norman and Mrs. Keith Young. London, 1902.

KELLY : Relief of Arrah.

KENNEDY (J) : Great Indian Mutiny. London.

KHADGAWAT (N.R.) : Rajasthan's Role in 1857. Jaipur, 1957.

KHAN (Moinuddin A) : Selections from Bengal Govt. on Wahabi Movement (1863-70). Dacca, 1961.

KINCAID (C.A.) : Lakshmi Bai, Rani of Jhansi.

KNOLLYS (H) and GRANT (H) : See : GRANT (H)

KNOLLYS (H) : Life of Hope Grant. 2 vols. London, 1894.

KNIGHT (A.E.) : Romance of Colonization; Indian from the Aryan Invasion to the Mutiny. London, 1897.

KUNTE (V.K.) : Biographical Sketch of Bhao Sahib Rao Ramchandra Rao Reshimwale. 1915.

LANDON (Perceval) : Nepal, 2 vols. London, 1928.

LANDON (P) : '1857' in Commemoration of 50th Anniversary of the Mutiny. London, 1907.

LANDON (P) : Under the Sun. London, 1906.

LANG (John) : Wanderings in India. London, 1859.

LAWRENCE (G) : Reminiscences of forty three years in India. London, 1875.

LAWRENCE (T.B.) : Six Years in the North West from 1854-60; Being extracts from a Private Diary with a glimpse of Rebellion. Calcutta, 1861.

LEASOR (James) : Red fort. 1956.

LEATHER (Major) : Arrah in 1857.

INNES (J.J. McLeod) : Narrative of the Siege of Lucknow. Calcutta, 1857.

JACOB (John) : Few Remarks on Bengal Army --- By a Bombay Officer. London, 1857.

JACOB (Grand Le) : Correspondence regarding an omission in a Parliamentary return and on the claim to the medal etc. Ventor, 1865.

JACOB (Grand Le) : Western India During and After the Mutiny. London, 1872.

JACOB (George Le Grand) : Causes of the Crisis of 1857-58.

JOCELYN (J.R.J.) : History of Royal and Indian Artillery in Mutiny of 1857. London. 1915.

JOHNSON (W.T.) : Twelve Years of a Soldier's Life. London, 1897.

JONES (Oliver J.) : Recollections of a Winter Campaign in India. London, 1859.

JOSHI (P.C.) Ed. : Symposium on 1857. Delhi, 1957.

JOYCE (Michael) : Ordeal at Lucknow. London, 1938.

JWALA SAHAI : Loyal Rajpoutana. Allahabad, 1902.

KAVANAGH (T.H.) : How I won the Victoria Cross. London, 1860.

KAYE : Lives of Indian Officers. 2 vols. London, 1867.

KAYE (John William) : History of the Sepoy War in India. 3 vols. London, 1878, 1880.

KAYE (J.W.) : Christianity in India : Historical Narrative. London, 1859.

KEENE (H.G.) : Servant of John Company. London, 1897.

KEENE (H.G.) : Fifty Seven. London, 1883.

HUNTER(William Wilson) : Marquis of Dalhousie. Oxford, 1890, 1961.

HUTCHINSON (G) : Narrative of the Mutinies in Oudh. Calcutta, 1859.

HUXHAM (Mrs.) : Personal Narrative of the Siege of Lucknow.

HYDERABAD, HISTORY OF FREEDOM MOVEMENT (Committee of _____) : Freedom Struggle in Hyderabad, 2 vols. 1956.

INDIA : The Revolt and Home Govt. Calcutta, 1857.

INDIA : Its Dangers Considered in 1856 by a Retired Officer, Jersey, 1858.

INDIA, INFORMATION AND BROADCASTING (Ministry of _____) : Eighteen Fifty Seven : A pictorial presentation, Delhi, 1957.

INDIAN MUTINY to the Fall of Delhi. Compiled by a former Editor of the 'Delhi Gazette' London, 1857.

INGLIS (Mrs. J) : Siege of Lucknow. 1892.

INGLIS (Maj. Gen. J.E.W.) : Reports on the Engineering Operations during the defence of Lucknow in 1857. 1857.

INGLIS (Julia) : Letters containing extracts from a journal ... London, 1858.

INNES (J.J. McLeod) : Indian Mutiny : Cuttings from Newspapers published during mutinies.

INNES (J.J. McLeod) : Sepoy Revolt, Critical Narrative. London, 1897.

INNES (McLeod) : Lucknow and Oudh in the Mutiny. 1896.

HILTON (Richard) : Indian Mutiny 1857. London, 1957.

HISTORY of the Delhi Massacre, by a Lady. London, 1858.

HISTORY of the Siege of Delhi, by an officer who served there. 1861.

HISTORY of Nana's Claims against E.I.Co. London. N.D.

HODSON (WSR) : Hodson of Hodson's Horse. London, 1889.

HODSON (William Stephen Raiks) : Twelve years of soldiers' life in India: being extracts from the Letters ... including a personal narrative of the Siege of Delhi. Ed. by G.H. Hodson. Boston, 1860.

HOLMES (T.Rice) : History of the Indian Mutiny. London, 1898, 1904,1913.

HOLMES (T.R.) : Sir Charles Napier. Cambridge, 1925.

HOLLOWAY (J) : Essays on the Indian Mutiny. London, 1864.

HOPE : Story of the Indian Mutiny. 1896

HOPEGRANT and KNOLLYS (H) : Incidents in the Sepoy War, compiled from the private journals of Hope Grant. Edinburgh, 1873.

HOPEGRANT : Selections from Correspondences, 2 vols. 1894.

HUNGERFORD : Report of the Occurrences at Mhow During and subsequent to the Mutiny of Native Troops in July 1857. 1858.

HUNTER (WW) etc. History of Orissa, 1956.

HUNTER (WW) : Annals of Rural Bengal.

GROOM (WT) : With Havelock from Allahabad to Lucknow. London, 1894.

GUBBINS (Martin Richard) : Account of Mutinies in Oudh and of the Siege of Lucknow Residency. London,1859.

GUPTA (Rajni Kant) Sipahi Juddher Itihas. 1886-1900.

GUPTA (Pratul Chandra) : Nana Sahib and the Rising at Cawnpore. Oxford, Celerendon, 1963.

GURNEY (JH) : Moral of a Sad Story. Four Sermons on the Indian Mutiny. London, 1857.

HALLEWAY (H) : Essay on the Indian Mutiny. 1864.

HALLS (JJ) : Two Months in Arrah in 1857. London, 1860.

HANCOCK (AG) : Short Account of the Siege of Delhi in 1857. Simla, 1892, 1899.

HANSARD - Parliamentary Debates (Relevant vols.) Series – 3 vols. CXLVII to CLIII etc.

HARE (A) : Two Noble Lives. 3 vols. London, 1895.

HARRIS (Mrs. James P) : Lady's Diary of the Siege of Lucknow. London, 1858.

HAVELOCK (Allen) : Main Military Questions of the Day.

HEADLEY (J) : Life of Havelock. London, 1859.

HEDAYAT ALI : Few Words Relative to the Mutiny of Bengal Army and Rebellion in the Bengal Presidency. Calcutta, 1858.

HERFORD (I.S.A.) : Stirring Times under Canvas. London, 1862.

HIBBERT(Christopher) : Great Mutiny. London, 1978.

GILBERT (H) : Story of the Indian Mutiny. London, 1916.

GIMLETE (G.H.D.) : Postscript to the Records of Indian Mutiny. London, 1927.

GODSE (V. Bhutt) : Manjha Pravas – Eye witness Account of 1857 (Marathi and Hindi). 1948.

GOLDEN Commemoration of the Indian Mutiny. London, 1908.

GOLDSMITH (FJ) : James Outram, 2 vols. London, 1881.

GORDON (C.A.) : Recollections of 39 years. London, 1898.

GORDON ALEXANDER (Col. W) : Recollections of a Highland Subaltern During the Campaigns of 93rd Highlanders in India. London, 1898.

GOUGH (Gen. Hugh) : Old Memories. Edinburgh, 1897.

GOWRING (T) : Soldier Experiences a voice from the Ranks. Nottingham, 1902.

GRAHAM (G.F.I.) : Life and Work of Sir Syed Ahmad. Calcutta, 1909.

GREATHED (H.H.) : Letters written during the Siege of Delhi. London, 1858.

GREENE (D.S.) : Views in India from Drawings Taken During the Sepoy Mutiny. London, 1859.

GRETTON (Col. Le M) : Campaign and History of Royal Irish Regt. From 1694 to 1902. Edinburgh, 1911.

GREVILLE : Memoirs (vol.7). London, 1938.

GREY (L.J.H.) : Tales of Our Grandfather, ed. by F.C. Grey. London, 1912.

GRIFFITHS (Charles J) : Siege of Delhi. London, 1910.

FORTESQUE (John) : History of the British Army.

FRASER : Memoirs and Correspondence.

FRASER (Hasting E) : Our Faithful Ally, the Nizam. London, 1865.

FROM LONDON to Calcutta by the over Land Route. Calcutta, 1873.

FROST (T) : Narrative of the Mutiny in India. London.

GANGULY (DC) : Selected Documents of British Period of Indian History. 1958.

GARDINER (R) : Cursory View of the Present Crisis in India; together with the Military power of England. London, 1857.

GARRETT (H.L.O.) Ed. : Trial of Bahadur Shah, 1932.

GARDINER (R) : Military Analysis of the Remote and proximate Causes of Indian Rebellion drawn from official papers of Govt. of India. London, 1858.

G.D. PSUED, (i.e. George Dodd) : History of the Indian Revolt and the Expedition to Persia and China and Japan, 1856-58.

GENERAL RECORDS and Despatches relating to Relief of Garrison of Lucknow etc. Calcutta, 1859.

GERMON (M) : Journal of the Siege of Lucknow. London,

GERMON (Mrs. R.C.) : Diary Kept, May-Dec. 1857. London, 1870.

GHOSH (J.M.) : Sanyasi and Fakir Raiders in Bengal. Calcutta, 1930.

GIBNEN (Capt. R.D.) : My Escape from Mutiny in Oudh. 2 vols. London, 1858.

ELGIN (Earl of) : Letters and Journals of James Earls of Elgin ed. by Walrond. London, 1872.

ELLIOTT (JG) : Frontier 1839-1947 : the story of the NW Frontier of India. Cassell, 1968.

EVANS (Rev. T) : Three Lectures on the Revolt of the Bengal Army in 1857. Mussoorie, 1899.

EWART (JA) : Story of a Soldier's life, 2 vols. London, 1881.

EXTRACTS from the Calcutta Gazette illustrative of the Services rendered by the Bangal Yeomanry Cavalry during the Indian Mutiny 1857-59. Calcutta, 1880.

EYRE (Vincent) : Letters and Despatches.

FANSHAWE (HC) : Delhi Past and Present. Murray, 1902.

FAYRER (J) : Recollections of my Life. Edinburgh, 1900.

FISHER (FH) : Statistical Description and Historical Account of N.W.P. 1883.

FITCHETT (WH) : Tale of the Great Mutiny. London, 1939 (1924).

FORBES-MITCHELL (W) : Reminiscences of the Great Mutiny. London, 1897,1904.

FORBES (A) : Havelock. London, 1890.

FORREST (George Williams) : History of the Indian Mutiny. 3 vols. Edinburgh and London, 1904-12.

FORREST (GW) : Neville Chamberlain. Edinburgh, 1909.

FORREST (GW) : Selection from Letters Despatches and other State papers preserved in Military Dept. 4 vols. Calcutta, 1893-1902.

DAMODAR (Vinayak K) : The Rane, a legend of Indian Mutiny.

DUBERLY (Mrs. H) : Campaigning Experiences in Rajputana and Central India During the Suppression of the Mutiny. London, 1859, 1974.

DUFF (Alexander) : Indian Rebellion; Causes and Results, in a series of Letters. London, 1858.

DUNLOP (Robert Henry Wallace) : Services and Adventure with Khaki Ressala During the Mutinies of 1857-58. London, Allahabad, 1859, 1974.

DURAND (Mortimer) : Life of Henry Marion Durand, 2 vols. 1883.

DUTT (Romesh Chander) Economic History of India in Victorian Age. London, 1950.

EDWARDS (Michael) : Necessary Hell

EDWARDS (Michael) Ed. : My Indian Mutiny Diary. By W.H.Russel. London, 1957.

EDWARDS (Michael) : Battle of Plassey and the conquest of Bengal. Batsford, 1963.

EDWARDS (Michael) : Battles of the Indian Mutiny. L London, 1963.

EDWARDS (R.M.) Tr. : City of Delhi During Siege by Mubarak Shah Khan.

EDWARDS (W) : Facts and Reflections Connected with Indian Rebellion. Liverpool, 1859.

EDWARDS (W) : Personal Adventures during Indian Rebellion in Rohilkhand, Fathegarh and Oude. London, 1858, 1974.

EDWARDS AND MERIVALE : Life of Henry Lawrence. 2 vols. London, 1875.

DATTA (Kali Kankar) : Freedom Movement in Bihar, 1957.

DATTA (Kali Kankar) : Contemporary Account of Indian Mutiny, 1950.

DATTA (Kali Kankar) : Anti British plots.

DATTA (Kali Kankar) : Kunwar Singh and Amar Singh (Biography) Patna, 1957.

DAVIDSON : Our Faithful Ally the Nizam.

DAWSON (L) : Squires and Sepoys 1857-1957. London, 1960.

DESPATCH from the Governor General re. Organisation of H.M. European Forces. 1960.

DEWAR (Douglas) : Handbook to the English pre-Mutiny Records of United Provinces. Agra and Oudh. Allahabad.

DHARAMPAL : Tatya Tope. New Delhi, 1957.

DICKINSON (John) : Dhar not Restored; Inspite of the House of Commons and the public opinion. 1864.

DICKINSON (John) : Last Counsels of an Unknown Counselor. 1877.

DIGBY (W) : 1857, A friend in need, 1887 – Friendship Forgotten. London, 1890.

DISTRICT GAZETTEERS

DIVER (M) : Honoria Lawrence. London, 1936.

DODGION : General views and Special points of interest of the City of Lucknow. London, 1860.

DOGG (G) : History of the Indian Revolt (Known as Chamber's History). London, 1859-60.

CORRESPONDENCE, re. Artillery forces in India, from commencement of the Mutiny, 1859.

CORRESPONDENCE, re. Prize property, 1860.

COSENS (FR) and WALLACE (CL) : Fatehgarh and the Mutiny. Lucknow, 1933.

CRAWSHAY (G) : Immediate Cause of Indian Mutiny as set forth in the Official Correspondence. London, 1858.

CRISIS IN India; Causes and Proposed Remedies by a Military Officer, 1857.

CROFTON (Mrs. OS) : Indian Monumental Inscriptions, 1934.

CROMMELIN (WA) : Memorandum on the Three Passages of the River Ganges during the Rainy Season of 1857 by the Oudh Field Force under the Command of Havelock. Calcutta, 1858.

CRUMPS (CW) : Pictorial Record of Cawnpore Massacre. London, Calcutta, 1858.

CULROSS (J) : Missionary Martyr of Delhi. London, 1860

CUNNINGHAM (Henry Stewart) Rulers of India – Canning. Oxford, 1891.

CURETON (Gen. C) : Short account of the services of Charles Cureton during the mutiny. Colchester, 1893.

DALY (H) : Memoirs of Gen. Henry Daly.

DANGERFIELD (George) : Bengal Mutiny, the story of Sepoy Rebellion. New York, London, 1933.

DANVERS (RW) : Letters from India and China During 1854-58. London, 1898.

CHAUDHURI (Shashi Bhusan) : Theories of the Indian Mutiny. Calcutta, 1965.

CHAUDHURI (Shashi Bhusan) : Civil Rebellion in the Indian Mutinies 1857-59. Calcutta, 1957.

CHICK (NA) : Annals of the Indian Rebellion. Calcutta, 1860.

CHIRAGH ALI : Hyderabad under Salarjung. 4 vols. 1886

CHOPRA (P) : Theories of Indian Mutiny. Calcutta, 1965.

CHUNDER (Bholanauth) Travels of Hindoo, 2 vols. London, 1869.

CHURCHER (EJ) : Some Reminiscences of three-quarter of a Country in India. London, 1909.

COLLECTION OF Official narratives of the Mutiny by the Magistrates or Commissioners. 1858.

COLLIER (Richard) : Sound of Fury. 1963.

COLVIN (Aukland) Life of John Russel Colvin. Oxford, 1895.

COOPER (L) : Havelock. London, 1957.

COOPER (F) : Crisis in Punjab. London, 1858.

COOPLAND (Mrs. RM): Lady's Escape from Gwalior and Life in the Agra Fort During the Mutiny. London, 1859.

CORRESPONDENCE connected with the removal of Mr. W. Tayler from Patna. – Arrest and Trial of Lootf Ali khan ... "Brief Narrative of Events". Calcutta, 1858.

CORRESPONDENCE, RE. DEPARTURE OF Mr. Hudson, Syed Ukber Allee, and Khirat Allee Khan from England, their arrest and detention etc. 1859.

BRIGGS (Henry George) : Nizam: his history and relations With the British Govt. 2 vols. Quaritch, 1861.

BROCK (W) : Biographical Sketch of Havelock. London, 1858.

BROWN (Cave) : Punjab and Delhi in 1857, 2 vols. Edinburgh, 1861.

BROWN (J) : Cawnpore and Nana of Bithoor. Cawnpore, 1890.

BROWN (J) : Lucknow Guide. Lucknow. 1874.

BROWN (J) : Lucknow and its Memorials of the Mutiny. Agra, 1886

BUCKLAND (CE) : Bengal under Lieutenant Governors: being a narrative of the events and public measures during their periods of office from1854 to 1898. 2 vols. Calcutta, 1902

BURNE (Owen) : Memoirs. London, 1907.

BURNE (Owen Tudor) Clyde and Strathnairn. Oxford,1891.

CAMPBELL (George) : Memoirs of my Indian Career. 2 vols. London, 1893.

CARDEW (FG) : Hodson's Horse, 1857-1922. Edinburgh, 1922.

CASE (Mrs. A) : Day by Day at Lucknow. London, 1858.

CAVENAGH (Orfeue) : Reminiscences of an Indian Official. London, 1884.

CHALMERS (J) : Letters written from India during the Mutiny and Waziri Campaigns. Edinburgh, 1904.

CHATOPADHAYAYA (Harparshad) : Sepoy Mutiny 1857. Calcutta, 1957

BECHER (Augusta) : Personal Reminiscences ed. By H.G. Rawlinson. London, 1930

BELL (Maj. E) : English in India; Letters from Nagpore Written in 1857-58. London, 1859.

BELL (Even) : Letters to H.M. Durand, 1884.

BHARGAVA (ML) : Saga of 1857, Delhi, 1991.

BHATNAGAR (OP) Ed. : Private Correspondence of J.W.Sherer, Collector of Fathepur, Allahabad, 1968.

BHATNAGAR (GD) : Oudh Under Wajid Ali Shah.

BHATTACHARYA (Mahashweta) : Jhansir Rani (Bengali). Calcutta, 1956

BILGRAMI (S. Husain) : Memoirs of Salar Jung. Bombay, 1883.

BIPANCHANDRA : Freedom Struggle. Delhi, 1972.

BIRD (RW) : Indian Mutiny. London, 1858.

BOMBAY (Govt. of __) : Source Material for History of Freedom Movement. Bombay, 1957.

BOMBAY (Govt. of __) : Selections from Record.

BONHAM (John) : Oudh in 1857. London, 1928.

BOSWORTH (Smith R) : Life of Lord Lawerence, 2 vols. 1883.

BOURCHIER (Col. G) : Eight Months Campaign against Bengal Sepoy Army During Mutiny of 1857. London, 1858.

BRIEF Narrative of Events Connected with the Removal of W. Taylor from Patna, 1857.

BROOME (Arthur) : History of the rise and progress of the Bengal Army. Calcutta, 1850.

ARGYLL (Duke of) : India under Dalhousie and Canning, London, 1865.

ARNOLD (Edwin) : Dalhousie's Administration of British India. London, 1865.

ATKINS (JB) : Life of W.B. Russel, 2 vols. London, 1911.

ATKINSON (GF) : Campaign in India 1857-58. London, 1859.

BAKSHI (SR) : Mutiny to Independence. 1988.

BALDWIN (JA) : Indian Gup, untold Stories of Indian Mutiny. London, 1897.

BALL (Charles) : History of the Indian Mutiny. 2 vols. London and New York, 1859.

BANDOPADHYAYA (Durgadas) ; Bidrohe Bangali. Calcutta (Bengali), 1925.

BANDOPADHYAYA (Panchkari) : Sipathi Bidrohe (Bengali).

BARKER (Gen. GD) : Letter from Persia and India 1857-59. London, 1915

BARPUJARI (HK) : Assam in the days of East India Co. 1980.

BARTRUM (KM) : Widow's Reminiscences of the siege of Lucknow. London, 1858.

BASU (BD) : Consolidation of Christian Power in India. Calcutta, 12927.

BASU (BD) : Rise of Christian Power in India. Calcutta, Ed. 2, 1931.

BEARCE (GD) : British Attitude towards India 1784-1858, 1961.

BIBLIOGRAPHY

ABSTRACTS OF THE PROCEEDINGS of the Governor GENERAL of India, 1877, vol. XVII, 1878.

ADYE (J) : Recollections of a Military Life. London, 1895

ADYE (Gen. Sir J) : Defence of Cawnpore by the Troops under orders of Charles Windham: London, 1858-.59

AHLUWALIA (MM): Freedom Struggle in India. Delhi, 1965.

AITCHESON (C): Collection of Treaties, Engagements and Sanuds Relating to India. 10 Vols., 1892.

AITCHESON (C) : Lord Lawrence. Oxford, 1892 .

ALEXANDER (Rev. T) : Cause of the Indian Mutiny being an Exposition of the Second Psalm. London, 1857.

ALLEN (C) : Few words about Red Pamphlet, by one who served under Dalhousie. London, 1858

ANDERSON : Blue Pamphlet, London, 1858.

ANDERSON (RP) : Personal Journal of the Siege of lucknow. London, 1858.

ANDERSON and SUBEDAR : Last Days of Company. London 1918.

ANDREWS (CF) : Maulvi Zakaullah of Delhi. 1928.

ANSON (Maj. O H S G) : With 9th Lancers During the Indian Mutiny. London, 1896.

ARGYLL (Duke of) : Autobiography and Memoirs. 2 Vols., London, 1906.

اشاریہ

شخصیات

مقامات

یو پبلشرز

5- یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فون: 042-72[illegible]